اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ



مجموعہ تقاریر

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

زیر اہتمام
فضل عمر فاؤنڈیشن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے فضل عمر فاؤنڈیشن کو سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی کی حقائق و معارف اور قرآنی انوار سے پُر تقاریر بعنوان ''**سیر روحانی**'' کو یکجائی طور پر احباب جماعت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ **وَمَاتَوۡفِیۡقُنَا اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَزِیۡز ۔ فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔**

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی جناب سے ایک عظیم موعود بیٹے کی پیشگوئی عطا فرمائی جس کی خبر گزشتہ الٰہی نوشتوں میں بھی موجود تھی۔ یہ پیش خبری غیر معمولی شان و شوکت کی حامل تھی۔ اِس کی باون علامات میں یہ خبر بھی دی گئی تھی کہ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا .... علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا .... اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر کرنے والا ہوگا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود کی ذہانت و فطانت، آپ کے تبحُّرِ علمی اور کلام اللہ کے مرتبہ کا لوگوں پر اظہار کا ایک بیّن اور روشن ثبوت ''**سیر روحانی**'' کے نام سے موسوم سلسلۂ تقاریر بھی ہیں۔ اِن تقاریر میں قرآن کریم کے حقائق و معارف اور انوار کھل کر لوگوں کے سامنے آئے ہیں۔ کیونکہ ان قرآنی جواہر و معارف کی تشریح اُس شخص نے کی ہے جسے خدا تعالیٰ نے خود اپنے نور اور رضا کے عطر سے ممسوح کیا تھا۔

سیر روحانی اِس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ زمینی نظام، آسمانی نظام کے تابع ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ آسمانی نظام اعلیٰ و ارفع اور اکمل و افضل ہے یا یُوں کہئے کہ زمینی نظام آسمانی نظام کی ایک جھلک ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی ۱۹۳۸ء میں ایک رؤیا کی بناء پر

قادیان سے حیدر آباد دکن کے سفر پر روانہ ہوئے۔سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ریاست حیدر آباد مسلمانوں کی تہذیب وتمدّن اور علم وفن کا سب سے بڑا مرکز تھی وہاں کے حالات و واقعات کا جائزہ لے کر عام مسلمانوں کی بہبود اور جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں میں اضافہ سفر کی غرض وغایت تھی۔حضور یکم اکتوبر ۱۹۳۸ءکو قادیان سے روانہ ہوئے اور سندھ سے ہوتے ہوئے کراچی سے بمبئی اور پھر حیدر آباد پہنچے۔اِسی سفر کے دَوران آپ آگرہ اور دہلی بھی تشریف لے گئے اور ۲۹؍اکتوبر ۱۹۳۸ءکو قادیان واپس پہنچے۔اِس سفر کے دَوران حضور نے جو مختلف تاریخی مقامات اور نظارے مشاہدہ فرمائے اُن کی تعداد آپ نے ۱۶ بیان فرمائی ہے جو درج ذیل ہیں۔

قلعے، مقابر، مساجد، مینار، نَوبت خانے، باغات، دیوانِ عام، دیوانِ خاص، لنگر خانے، دفاتر، کتب خانے، مینا بازار، جنتر منتر، سمندر اور آثار قدیمہ۔

حضرت مصلح موعود نے اِس سفر کے دَوران جن ۱۶ مادی اشیاء کا مشاہدہ کیا، ان کے مقابل پر عالَمِ روحانی میں ان کے مشابہہ اور مماثل امور کو نہایت وجد آفریں اور اثر انگیز پیرایہ میں بیان کرتے ہوئے جلسہ ہائے سالانہ کے مواقع پر ''**سیر روحانی**'' کے نام سے سلسلۂ تقاریر شروع فرمایا۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۸ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۸ء تک وقفے وقفے سے جاری رہا۔حضور کی یہ پُر معارف تقاریر سیر روحانی جلد اول، دوم اور سوم کے نام سے طبع ہو کر اَپنوں اور غیروں میں مقبول ہوئیں۔پہلی جلد ۱۹۳۸ء، ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۱ء کی تقاریر پر مشتمل تھی۔دوسری جلد میں ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء کی تقاریر شامل تھیں جبکہ تیسری جلد ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۸ء کی تقاریر پر مشتمل تھی۔

یہ سلسلۂ تقاریر پیش گوئی مصلح موعود کے اِن الفاظ کہ'' وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا'' کی عظیم الشان صداقت کا بیّن ثبوت ہے۔ان تقاریر میں حضرت مصلح موعود کی سلطان البیانی کا بھی اظہار ہوتا ہے اور یہ حقائق و معارف کے بیان کے ساتھ ساتھ عظیم المرتبت خطابت کا بھی شاہکار ہیں۔اِن پُر کیف تقاریر کو پڑھ کر روح وجد میں

آ جاتی ہے۔نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس درج کرنا کافی ہوگا۔ ۲۸ / دسمبر ۱۹۵۳ء کی تقریر میں عالَمِ روحانی کے نَوبت خانہ کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد جلالی انداز میں فرمایا:-

’’اب خدا کی نَوبت جوش میں آئی ہے۔ اور تم کو، ہاں تم کو، ہاں تم کو، خدا تعالیٰ نے پھر اِس نَوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!!! ایک دفعہ پھر اِس نَوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دُنیا کے کان پَھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اِس قَرنا میں بھر دو۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اِس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اُٹھیں تا کہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آ جائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اِس زمین پر قائم ہو جائے۔ اِسی غرض کے لئے میں نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اِسی غرض کے لئے میں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمد رسول اللہ ؐ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے تم نے مسیح سے چھین کر پھر وہ تخت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؐ کو دینا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؐ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دُنیا میں قائم ہونی ہے۔ پس میری سنو! اور میری بات کے پیچھے چلو کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے۔ میری آواز نہیں مَیں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔ تم میری مانو! خدا تمہارے ساتھ ہو! خدا تمہارے ساتھ ہو!! خدا تمہارے ساتھ ہو اور تم دُنیا میں بھی عزت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔‘‘

احباب جماعت کی شدید خواہش اور طلب پر حقائق و معارف سے پُر اور وجد آفریں تقاریر کے سلسلہ ''**سیر روحانی**'' کو اَب یکجائی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے حضرت مصلح موعود نے ''**سیر روحانی**'' جلد اوّل اور دوئم کی اشاعت کے موقع پر جو پیش لفظ اور دیباچہ تحریر فرمایا تھا اُسے بھی اِس کتاب کی ابتداء میں شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔ نیز حضور نے اپنے سفر میں جن مقامات کی سیر کی اور جن کا تذکرہ سیر روحانی میں کیا گیا ہے ان مقامات، مساجد، مقابر اور قلعوں کے بارہ میں ہماری موجودہ نسل کی اکثریت ناواقف ہے ان مقامات سے آگاہ کرنے اور تعارف کرانے کے لئے ان کی ۴۰ کے لگ بھگ تصاویر بھی کتاب ھٰذا میں شامل کی جا رہی ہیں اور ساتھ ساتھ ان کا تفصیلی تعارف بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس کاوش کو قبول فرمائے اور ہمیں عالَمِ روحانی کے حقائق و معارف سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ کتاب یقیناً احباب جماعت کے اِزدیادِ علم اور اِزدیادِ ایمان کا باعث بنے گی اور احباب قرآنی حقائق و معارف اور انوار سے روشنی حاصل کر کے اپنی منزل کی تعیین کریں گے۔ **اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی**۔

کتاب ھٰذا میں شامل نادر اور نایاب فوٹوز کے حصول کے سلسلہ میں خاکسار مکرم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب، مکرم تنویر احمد صاحب (دفتر الفضل) مکرم خالد محمود صاحب پانی پتی اور مکرم موید احمد ایاز صاحب (لاہور) کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے مختلف ذرائع سے فوٹوز حاصل کرنے کے سلسلہ میں اپنا بہت سا قیمتی وقت صَرف کر کے یہ گرانقدر خدمت سرانجام دی ہے۔ فوٹوز کے تعارف کی تیاری کے سلسلہ میں ابتدائی طور پر متعدد دوستوں کو کام کرنے کا موقع ملا لیکن بِالآخر اِس کو فائنل شکل میں پیش کرنے کا بنیادی کام مکرم حبیب الرحمٰن صاحب زیروی نے بڑی محنت اور مہارت سے سرانجام دیا ہے۔ **فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ**

اِس جلد کی تیاری کے مختلف مراحل کے سلسلہ میں خاکسار مکرم مولانا فضل الٰہی صاحب بشیر، مکرم چوہدری رشید الدین صاحب، مکرم عبدالرشید صاحب طاہر، مکرم حبیب اللہ صاحب باجوہ اور مکرم فضل احمد صاحب شاہد کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے جنہوں نے

مسودات کی ترتیب و تصحیح، نظر ثانی، پروف ریڈنگ، حوالہ جات کی تلاش، Re checking اور اعراب کی درستگی وغیرہ کے سلسلہ میں بہت ہی محنت اور خلوص سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ **فَجَزَا هُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔**

محترم سید عبدالحی صاحب ناظر اشاعت کی راہنمائی بھی ہمارے لئے بہت ہی سہولت کا موجب ہوئی۔ ادارہ ان کا بے حد شکر گزار ہے۔

محترم مولانا سلطان محمود انور صاحب بھی ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں اِس جلد کی فائنل پروف ریڈنگ کے سلسلہ میں ان کے مفید مشوروں اور راہنمائی سے ادارہ نے بے حد فائدہ اُٹھایا ہے۔ **فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔**

مکرم بشارت احمد صاحب صابر کارکن دفتر فضل عمر فاؤنڈیشن بھی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی مخلصانہ کوششوں سے اِس جلد کی تکمیل ممکن ہوئی۔

خاکسار اِن سب احباب کے تعاون پر اِن کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کے علم وفضل میں برکت ڈالے اور اپنی بے پایاں نعماء اور فضلوں سے نوازے۔ (آمین)

والسلام

خاکسار

ناصر احمد شمس

سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

برادران! اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

''سیر روحانی'' میرے لیکچروں کا مجموعہ ہے۔ یہ لیکچر ۱۹۳۸ء سے شروع ہوئے تھے ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ تفصیل اور محرّک اِن لیکچروں کا اندر کے صفحات پر بیان ہے اِس لئے اِس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے ایک جلد میں پہلے سال کا لیکچر شائع ہؤا تھا اِس کے بعد التواء ہوتا چلا گیا اَب ایک جلد میں ۱۹۳۸ء، ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۱ء تین سالوں کے تین لیکچر اکٹھے شائع کئے جا رہے ہیں۔ پہلی مطبوعہ جلد بھی اسی جلد میں شامل کر دی گئی ہے اور خیال ہے کہ تین جلدوں میں سب لیکچر شائع کر دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ اِن کو نافع الناس بنائے۔ اٰمِیۡنَ

خاکسار

مرزا محمود احمد

۲۳۔دسمبر ۱۹۵۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

برادران! اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

سیرِ روحانی جو میرے کچھ لیکچروں کا مجموعہ ہے جس کی غرض وغایت کتاب میں مذکور ہے جس کی جلد اول کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۴ء میں شائع ہو چکا ہے اور جس میں ۱۹۳۸ء، ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۱ء کے لیکچر اکٹھے کر دیئے گئے ہیں اب اِس کی دوسری جلد شائع کی جا رہی ہے اور اس میں ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء کے لیکچر شامل کر دیئے گئے ہیں اگلے لیکچروں کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ دو جلدوں میں شائع ہوں گے یا ایک جلد میں، اگر ۱۹۵۶ء کے جلسہ میں یہ مضمون مکمل ہو گیا تو اُس وقت معلوم ہو گا کہ آیا کتاب کے دو حصے کرنے ضروری ہیں یا ایک حصہ کافی ہے، حصہ دوم بھی اور اس کے اگلے حصے بھی ایسے مضامین پر مشتمل ہیں جو قرآن کریم کی خوبیوں کا شاندار نقشہ کھینچتے ہیں اور اسلام سے محبت رکھنے والے ہر شخص کو ان کا مطالعہ کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ جلد ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

میں اس کتاب کو مریم صدیقہ کے نام معنون کرتا ہوں، کیونکہ انہی کو حیدرآباد دکھانے کے لئے یہ سفر اختیار کیا گیا تھا جس میں یہ مضمون خدا تعالیٰ کے فضل سے کھلا ہے گو اس سفر میں میری ہمشیرہ عزیزہ مبارکہ بیگم بھی ساتھ

تھیں اور میری لڑکی عزیزہ امتہ القیوم بیگم بھی ساتھ تھی، مگر اصل میں یہ سفر مریم صدیقہ کو ہی حیدر آباد دکھانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا جہاں ان کے بہت سے رشتہ دار ہیں ۔ چونکہ میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب کا ثواب ہمیشہ ان کو پہنچتا رہے زندگی میں بھی اور زندگی کے بعد بھی اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مرنے والے تک صدقہ اور دُعا ہی پہنچتے ہیں اِس لئے اس کتاب کا سارا خرچ میں مریم صدیقہ کی طرف سے دونگا تا کہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھ کر فائدہ اُٹھائیں وہ ان کے لئے دعا کریں اور جتنی جِلدیں مُفت شائع کی جائیں ان کے صدقہ کا ثواب ان کو تا ابد پہنچے۔

پس میں شرکتِ اسلامیہ کو ہدایت کرتا ہوں کہ چونکہ اس کی طباعت کا سب خرچ میں مریم صدیقہ کی طرف سے دُونگا، تمام کتب میں سے دوسَو کتابیں غریب مستحقین کو ۸/۱ قیمت پر دیں اور ایسے لوگوں کو دی جائیں جو اس دیباچہ کے پڑھنے اور پڑھوانے کا اور دُعا کا وعدہ کریں اور پانچ سَو کتاب نصف قیمت پر مستحقین کو تقسیم کریں اور باقی کتابوں کی جو قیمت آئے اور جو سب کتابوں کا نفع آئے، اُس کا نام مریم صدیقہ فنڈ رکھ کر ہمیشہ ہمیش کے لئے اسلامی لٹریچر شائع کرتے جائیں اور اس صدقہ جاریہ کو عملاً جاری رکھا جائے۔

مرزا محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

فہرست عناوین

نمبرشمار	عناوین	

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَالنَّاصِرُ

سیر روحانی (۱)

(تقریر فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء برموقع جلسہ سالانہ قادیان)

مَیں نے پالیا۔مَیں نے پالیا

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

ایک اہم تاریخی سفر

میرا آج کا مضمون میرے اُس سفر سے تعلق رکھتا ہے جو اس سال اکتوبر کے مہینہ میں مجھے پیش آیا۔ میں پہلے کام کے لئے قادیان سے سندھ کی طرف گیا اور وہاں کچھ دن ٹھہر کر سمندر کی ہوا کھانے کے لئے کراچی چلا گیا کیونکہ میرے گلے میں مزمن خراش کی تکلیف ہے جس کی وجہ سے مجھے سالہا سال تک کاسٹک لگوانا پڑتا رہا ہے۔ کچھ عرصہ ہؤا مجھے ڈاکٹروں نے کہا کہ اب آپ کاسٹک لگانا چھوڑ دیں ورنہ گلے کا گوشت بِالکل جل جائے گا۔ چنانچہ میں نے اُس وقت سے کاسٹک لگوانا تو ترک کر دیا ہے مگر اور علاج ہمیشہ جاری رکھنے پڑتے ہیں ورنہ گلے اور سر میں درد ہو جاتی ہے۔ چونکہ ڈاکٹروں کی رائے میں اِس مرض کیلئے سمندر کا سفر خاص طور پر مفید ہے اس لئے گزشتہ دو سال میں مَیں نے کراچی سے بمبئی کا سفر جہاز میں کیا۔ پہلے سفر میں اوّل تو تکلیف بڑھ گئی مگر بعد میں نمایاں فائدہ ہؤا اور روزانہ دوائیں لگانے کی جو ضرورت محسوس ہوتی تھی اُس میں بہت کمی آ گئی اس لئے اس سال میں نے پھر موقع نکالا۔ اِس سفر میں مجھے یہ بھی خیال آیا کہ حیدرآباد دکن کے دوست مجھے ہمیشہ کہتے رہتے ہیں کہ میں کبھی وہاں بھی آؤں سو اِس دفعہ حیدرآباد کے دوستوں کی اگر یہ خواہش پوری ہو سکے تو مَیں اسے بھی پورا کر دوں۔ چنانچہ مَیں سندھ سے کراچی گیا، کراچی سے

بمبئی، بمبئی سے حیدرآباد، حیدرآباد سے آگرہ، آگرہ سے دہلی اور دہلی سے قادیان آ گیا۔

حیدرآباد کا تاریخی گولکنڈہ کا قلعہ

حیدرآباد میں مَیں نے بعض نہایت اہم تاریخی یادگاریں دیکھیں جن میں سے ایک گولکنڈہ کا قلعہ بھی ہے۔ یہ قلعہ ایک پہاڑ کی نہایت اونچی چوٹی پر بناہوًا ہے اوراس کے گرد عالمگیر کی لشکرکشی کے آثاراور اہم قابلِ دید اشیاء ہیں۔ یہاں کسی زمانہ میں قطب شاہی حکومت ہوًا کرتی تھی اوراس کا دارالخلافہ گولکنڈہ تھا۔ یہ قلعہ حیدرآباد سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ایک نہایت اونچی چوٹی پر بڑا وسیع قلعہ بناہوًا ہے یہ قلعہ اتنی بلند چوٹی پر واقع ہے کہ جب ہم اس کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھتے چلے گئے تو حیدرآباد کے وہ دوست جو ہمیں قلعہ دکھانے کے لئے اپنے ہمراہ لائے تھے اور جو گورنمنٹ کی طرف سے ایسے محکموں کے افسر اور ہمارے ایک احمدی بھائی کے عزیز ہیں انہوں نے کہا کہ اب آپ نے اسے کافی دیکھ لیا ہے آگے نہ جائیے اگر آپ گئے تو آپ کو تکلیف ہوگی۔ چنانچہ خود انہوں نے شریف لے لئے اور وہیں کھانے بیٹھ گئے مگر ہم اس قلعہ کی چوٹی پر پہنچ گئے، جب میں واپس آیا تو مَیں نے دریافت کیا کہ مستورات کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ بھی اوپر گئی ہیں۔ خیر تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آ گئیں، مَیں نے اُن سے کہا کہ تم کیوں گئی تھیں؟ وہ کہنے لگیں اِنہوں نے ہمیں روکا تو تھا اور کہا تھا کہ اوپر مت جاؤ اور حیدرآبادی زبان میں کوئی ایسا لفظ بھی استعمال کیا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اوپر گئے تو بڑی تکلیف ہوگی، مگر ہمیں تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی شاید حیدرآبادی دوستوں کو تکلیف ہوتی ہو۔ تو خیر ہم وہاں سے پِھر پِھرا کر واپس آ گئے۔ یہ قلعہ نہایت اونچی جگہ پر ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نہایت شاندار اور اسلامی شان وشوکت کا ایک پُرشوکت نشان ہے۔ اِس قلعہ کی چوٹی پر مَیں نے ایک عجیب بات دیکھی اور وہ یہ کہ وہاں ہزاروں چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی ہیں ان میں سے ایک ایک مسجد اِس سٹیج کے چوتھے یا پانچویں حصّہ کے برابر تھی، پہلے تو مَیں سمجھا کہ یہ مقبرے ہیں مگر جب مَیں نے کسی سے پوچھا تو اُس نے بتایا کہ یہ سب مسجدیں ہیں اور اُس نے کہا کہ جب عالمگیر نے اس جگہ حملہ کیا ہے تو اسے ریاست کو فتح کرنے کے لئے کئی سال لگ گئے اور مسلسل کئی سال تک لشکر کو یہاں قیام کرنا پڑا اِس وجہ سے اُس نے نمازیوں کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ہزاروں مسجدیں بنا دیں، مجھے جب یہ معلوم ہوًا تو میرا دل بہت ہی متأثر ہوًا اور مَیں نے سوچا کہ اُس وقت کے مسلمان کس قدر باجماعت نماز ادا کرنے کے پابند تھے کہ وہ ایک ریاست پر حملہ کرنے

کے لئے آتے ہیں مگر جہاں ٹھہرتے ہیں وہاں ہزاروں مسجدیں بنا دیتے ہیں تاکہ نماز باجماعت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ اسی طرح آگرہ اسلامی دنیا کے عظیم الشان آثار کا مقام ہے۔ وہاں کا تاج محل دُنیا کے سات عجائبات میں سے ایک عجوبہ سمجھا جاتا ہے، وہاں کا قلعہ فتح پور سیکری اور سلیم چشتی صاحب جو خواجہ فرید الدین صاحب گنج شکر پاکپٹن کی اولاد میں سے تھے ان کا مقبرہ عالمِ ماضی کی کیف انگیز یادگاریں ہیں۔

مَیں نے ان میں سے ایک ایک چیز دیکھی اور جہاں ہمیں یہ دیکھ کر مسرّت ہوئی کہ اسلامی بادشاہ نہایت شوکت اور عظمت کے ساتھ دنیا پر حکومت کرتے رہے ہیں وہاں یہ دیکھ کر رنج اور افسوس بھی ہوُا کہ آج مسلمان ذلیل ہو رہے ہیں اور کوئی ان کا پُرسانِ حال نہیں، فتح پور سیکری کا قلعہ درحقیقت مُغلیہ خاندان کے عروج کی ایک حیرت انگیز مثال ہے۔ چند سال کے اندر اندر اکبر کا اِس قدر زبردست قلعہ اور شہر تیار کر دینا جس کے آثار کو اب تک امتدادِ زمانہ نہیں مٹا سکا بہت بڑی طاقت اور سامانوں کی فراوانی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اتنا وسیع قلعہ ہے کہ دُوربین سے ہی اس کی حدوں کو دیکھا جا سکتا ہے خالی نظر سے انسان اس کی حدوں کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا اور اب تک اس کے بعض حصّے بڑے محفوظ اور عمدگی سے قائم ہیں۔ یہ باتیں بتاتی ہیں کہ مسلمانوں کو بہت بڑی طاقت اور سامانوں کی فراوانی حاصل تھی ورنہ چند سالوں کے اندر اندر اکبر اِس قدر وسیع شہر اور اتنا وسیع قلعہ ہرگز نہ بنا سکتا۔ مُغلیہ خاندان کے جو قلعے مَیں نے دیکھے ہیں ان میں سے درحقیقت یہی قلعہ کہلانے کا مستحق ہے ورنہ آگرہ کا قلعہ اور دہلی کا قلعہ صرف محل ہیں قلعہ کا نام انہیں اعزازی طور پر دیا گیا ہے۔ قلعہ کی اغراض کو دکّن کے قلعے زیادہ پورا کرتے ہیں اور یا پھر فتح پور سیکری کے قلعہ میں جنگی ضرورتوں کو مدِّنظر رکھا گیا ہے۔ دہلی میں مَیں نے جامع مسجد دیکھی، دہلی کا قلعہ دیکھا، خواجہ نظام الدین صاحب اولیاء کا مقام دیکھا، منصور اور ہمایوں کے مقابر دیکھے، قطب صاحب کی لاٹ دیکھی، حوضِ خاص دیکھا، پُرانا قلعہ دیکھا، جنتر منتر دیکھا، تغلق آباد اور اوکھلا بند دیکھا۔ ہم نے ان سب چیزوں کو دیکھا اور عبرت حاصل کی، اچھے کاموں کی تعریف کی اور لغو کاموں پر افسوس کا اظہار کیا۔ مسلمانوں کی ترقی کا خیال کر کے دل میں ولولہ پیدا ہوتا تھا اور ان کی تباہی دیکھ کر رنج اور افسوس پیدا ہوتا تھا۔ جن لوگوں نے ہمت سے کام لیا ان کے لئے دل سے آفرین نکلتی تھی اور جنہوں نے آثارِ قدیمہ کی تحقیق کی بعض گڑی ہوئی عمارتوں کو کھودا، پُرانے سکّوں کو نکالا اور جو آثار ملے انہیں محفوظ کر دیا ان کے کاموں کی ہم

تعریف کرتے تھے۔

ان میں سے بعض مقامات میرے پہلے بھی دیکھے ہوئے تھے جیسے دہلی اور آگرہ کے تاریخی مقامات ہیں مگر بعض اس دفعہ نئے دیکھے اور ہر ایک مقام سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق ہم نے لُطف اُٹھایا۔مَیں نے اپنے ظرف کے مطابق، میرے ساتھیوں نے اپنے ظرف کے مطابق اور مستورات نے اپنے ظرف کے مطابق۔

عبرتناک نظارہ

یوں تو ہر جگہ میری طبیعت ان نشانات کو دیکھ دیکھ کر ماضی میں گُم ہو جاتی تھی۔ مَیں مسلمانوں کے ماضی کو دیکھتا اور حیران رہ جاتا تھا کہ انہوں نے کتنے بڑے بڑے قلعے بنائے اور وہ کس طرح ان قلعوں پر کھڑے ہوکر دنیا کو چیلنج کیا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو ہمارا مقابلہ کر سکے۔مگر آج مسلمانوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ پھر میں ان کے حال کو دیکھتا اور افسردہ ہو جاتا تھا، لیکن تغلق آباد کے قلعہ کو دیکھ کر جو کیفیت میرے قلب کی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ قلعہ غیاث الدین تغلق کا بنایا ہوٗا ہے اور اس کے پاس ہی غیاث الدین تغلق کا مقبرہ بھی ہے۔ یہ قلعہ ایک بلند جگہ پر واقع ہے، خاصہ اوپر چڑھ کر اس میں داخل ہونا پڑتا ہے جہاں تک ٹوٹے پھوٹے آثار سے مَیں سمجھ سکا ہوں اس کی تین فصیلیں ہیں اور ہر فصیل کے بعد زمین اور اُونچی ہو جاتی ہے جب ہم اس پر چڑھے تو میرے ساتھ میری بڑی ہمشیرہ بھی تھیں جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ہے کہ ’’نواب مبارکہ بیگم[1] ‘‘اسی طرح میری چھوٹی بیوی اور امۃ الحیٔ مرحومہ کے بطن سے جو میری بڑی لڑکی ہے وہ بھی میرے ہمراہ تھیں ہمشیرہ تو تھک کر پیچھے رہ گئیں ،مگر مَیں ، میری ہمراہی بیوی اور لڑکی ہم تینوں اوپر چڑھے اور آخر ایک عمارت کی زمین پر پہنچے جو ایک بلند ٹیکرے پر بنی ہوئی تھی۔ یہاں سے ساری دہلی نظر آتی تھی ،اس کا قُطب اس کا پُرانا قلعہ ،نئی اور پُرانی دہلی اور ہزاروں عمارات اور کھنڈر چاروں طرف سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہے تھے اور قلعہ ان کی طرف گھُور رہا تھا۔مَیں اس جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا اور پہلے تو اس عبرتناک نظارہ پر غور کرتا رہا کہ یہ بلند ترین عمارت جو تمام دہلی پر بطور پہرہ دار کھڑی ہے اس کے بنانے والے کہاں چلے گئے ، وہ کس قدر اولوالعزم ،کس قدر باہمت اور کس قدر طاقت وقوت رکھنے والے بادشاہ تھے جنہوں نے ایسی عظیم الشان یادگاریں قائم کیں ، وہ کس شان کے ساتھ ہندوستان میں آئے اور کس شان کے ساتھ یہاں مرے ،مگر آج ان کی اولادوں کا کیا حال ہے ،کوئی ان میں سے بڑھئی ہے ،کوئی لوہار ہے ،کوئی معمار ہے ،

کوئی موچی ہے اور کوئی میراثی ہے۔

مَیں انہی خیالات میں تھا کہ میرے خیالات میرے قابو سے باہر نکل گئے اور مَیں کہیں کا کہیں جا پہنچا، سب عجائبات جو سفر میں مَیں نے دیکھے تھے میری آنکھوں کے سامنے سے گزر گئے، دہلی کا یہ وسیع نظارہ جو میری آنکھوں کے سامنے تھا میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا اور آگرہ اور حیدرآباد اور سمندر کے نظارے ایک ایک کر کے سامنے سے گزرنے لگے، آخر وہ سب ایک اَور نظارہ کی طرف اشارہ کر کے خود غائب ہو گئے۔ میں اس محویت کے عالَم میں کھڑا رہا، کھڑا رہا اور کھڑا رہا اور میرے ساتھی حیران تھے کہ اِس کو کیا ہو گیا؟ یہاں تک کہ مجھے اپنے پیچھے سے اپنی لڑکی کی آواز آئی کہ ابّا جان! دیر ہو گئی ہے میں اس آواز کو سن کر پھر واپس اِسی مادی دنیا میں آ گیا، مگر میرا دل اُس وقت رقت انگیز جذبات سے پُر تھا، نہیں وہ خون ہو رہا تھا اور خون کے قطرے اس سے ٹپک رہے تھے مگر اس زخم میں ایک لذّت بھی تھی اور وہ غم سرور سے ملا ہؤا تھا۔ مَیں نے افسوس سے اِس دنیا کو دیکھا اور کہا کہ ''مَیں نے پالیا۔ مَیں نے پا لیا۔'' جب مَیں نے کہا ''مَیں نے پالیا۔ مَیں نے پالیا'' تو اُس وقت میری وہی کیفیت تھی جس طرح آج سے دو ہزار سال پہلے گیا کے پاس ایک بانس کے درخت کے نیچے گوتم بُدھ کی تھی جب کہ وہ خدا تعالیٰ کا قُرب اور اُس کا وِصال حاصل کرنے کے لئے بیٹھا اور وہ بیٹھا رہا اور بیٹھا رہا یہاں تک کہ بُدھ مذہب کی روایات میں لکھا ہے کہ بانس کا درخت اُس کے نیچے سے نکلا اور اُس کے سر کے پار ہو گیا، مگر محویت کی وجہ سے اس کو اس کا کچھ پتہ نہ چلا، یہ تو ایک قصہ ہے جو بعد میں لوگوں نے بنا لیا۔ اصل بات یہ ہے کہ بُدھ ایک بانس کے درخت کے نیچے بیٹھا اور وہ دنیا کے راز کو سوچنے لگا یہاں تک کہ خدا نے اُس پر یہ راز کھول دیا۔ تب گوتم بُدھ نے یکدم اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا ''مَیں نے پالیا۔ مَیں نے پالیا۔'' میری کیفیت بھی اُس وقت یہی تھی۔ جب میں اس مادی دنیا کی طرف واپس لوٹا تو بے اختیار مَیں نے کہا ''مَیں نے پالیا۔ میں نے پالیا۔''

اُس وقت میرے پیچھے میری لڑکی امۃ القیوم بیگم چلی آ رہی تھی اُس نے کہا، ابّا جان! آپ نے کیا پالیا؟ میں نے کہا، میں نے بہت کچھ پالیا مگر مَیں اِس وقت تم کو نہیں بتا سکتا، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مَیں جلسہ سالانہ پر بتاؤں گا کہ مَیں نے کیا پایا؟ اُس وقت تم بھی سُن لینا، سو آج میں آپ لوگوں کو بتاتا ہوں کہ مَیں نے وہاں کیا پایا اور وہ کیا تھا جسے میری اندرونی آنکھ نے دیکھا۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ مَیں نے اُس وقت وہاں دیکھا وہ وہی تھا جو میں آج بیان کرونگا اُس وقت میری آنکھوں کے سامنے سے جو نظارے گزرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو راز مجھ پر کھولا گیا گو وہ تفصیل کے لحاظ سے بہت بڑی چیز ہے اور کئی گھنٹوں میں بھی بیان نہیں ہوسکتی مگر چونکہ فکر میں انسان جلدی سفر طے کر لیتا ہے اس لئے اُس وقت تو اس پر چند منٹ شاید دس یا پندرہ ہی خرچ ہوئے تھے پس جو انکشاف اُس وقت ہوُا وہ بطور بیج کے تھا اور جو کچھ مَیں بیان کروں گا وہ اپنے الفاظ میں اُس کی ترجمانی ہوگی اور اُس کی شاخیں اور اُس کے پتے اور اُس کے پھل بھی اپنی اپنی جگہ پر پیش کئے جائیں گے۔

اس سفر میں مَیں نے کیا کچھ دیکھا

اب مَیں قدم بقدم آپ کو بھی اپنے اُس وقت کے خیالات کے ساتھ ساتھ لے جانے کی کوشش کرتا ہوں اور آپ کو بھی اپنی اس سیر میں شامل کرتا ہوں۔ جب میں اُس وسیع نظارہ کو دیکھ رہا تھا اور سَلف کے کارنامے میرے سامنے تھے، میرے دل نے کہا مَیں کیا دیکھتا ہوں اور ِکن گزشتہ دیکھی ہوئی چیزوں کی یاد میرے دل میں تازہ ہورہی ہے کہ نہ صرف وہ نظارے بلکہ ابتدائی حصّۂ سفر کے نظارے بھی میری آنکھوں کے سامنے آ گئے، اُس وقت مجھ پر ایک ربودگی کی حالت طاری تھی، مجھے کراچی کے نظارے بھی یاد آ رہے تھے، مجھے حیدرآباد کے نظارے بھی یاد آ رہے تھے، مجھے آگرہ کے نظارے بھی یاد آ رہے تھے اور دہلی کے نظارے بھی میری آنکھوں کے سامنے تھے یہ تمام نظارے ایک ایک کر کے میری آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگ گئے اور مجھے یوں معلوم ہوُا کہ گویا مَیں کُہر میں کھڑا ہوں اور ہر چیز دُھندلی ہو کر میری آنکھوں کے سامنے سے گزر رہی ہے۔غرض میرے دل نے کہا کہ مَیں کیا دیکھتا ہوں اور ِکن گزشتہ نظاروں کی یاد میرے دل میں تازہ ہو رہی ہے جب یہ سوال میرے دل میں پیدا ہوُا تو میرے دل نے جواب دیا کہ:-

۱۔ میں نے قلعے دیکھے ہیں جن کے دو اَثر میرے دل پر پڑے ہیں۔ایک یہ کہ ان قلعوں کے ذریعہ کیسے کیسے حفاظت کے سامان مسلمان بادشاہوں کی طرف سے پیدا کئے گئے تھے دوسرے یہ کہ کس طرح یہ حفاظت کے سامان خود مٹ گئے اور ان کو دوبارہ بنانے والا کوئی نہیں کیونکہ ان حکومتوں کا نام لیوا اب کوئی نہیں۔

۲۔ پھر مَیں نے کہا دوسری چیز جو مَیں نے دیکھی ہے مُردہ بادشاہوں کے مقابر ہیں، اُن بادشاہوں کے جو فوت ہو چکے ہیں مگر اُن کے مقبرے اُن کی یاد دلا رہے ہیں اور اُن کی

شوکت کو ہماری آنکھوں کے سامنے لا رہے ہیں۔
۳۔ تیسرے مَیں نے مساجد دیکھی ہیں، نہایت خوبصورت مساجد، چھوٹی بھی اور بڑی بھی جو ہزاروں آدمیوں کو خدا تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع کرنے کے لئے کہیں سُرخ اور کہیں سفید پتھر سے تیار کی گئی ہیں۔
۴۔ چوتھے میں نے ایک وسیع اور بلند مینار دیکھا ہے، آسمان سے باتیں کرتا ہؤا جس کی بلندی کو دیکھ کر انسانی نظر مرعوب ہو جاتی ہے۔
۵۔ پانچویں مَیں نے نوبت خانے دیکھے ہیں جہاں موسیقی سے لوگوں کے جذبات کو اُبھارا جاتا تھا، جہاں طبل اور نفیریاں بجتیں اور سپاہیوں کے دل اُچھلنے لگتے اور وہ جنگ کو جنگ نہیں بلکہ بچوں کا کھیل سمجھتے، اُن کے گھوڑے ہنہنانے لگتے اور اُن کا خون گرم ہو کر جسم میں دَوڑنے لگتا اور جہاں سے بادشاہ کے اعلان کو گرجتے ہوئے بادلوں کی طرح نوبتوں کے ذریعہ دنیا کو سُنایا جاتا تھا۔
۶۔ چَھٹے مَیں نے باغات دیکھے ہیں جو کسی وقت اپنی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے جنت نگاہ تھے اور آنکھوں کو سرور اور دلوں کو لذّت بخشا کرتے تھے۔
۷۔ ساتویں مَیں نے کہا۔ مَیں نے دیوانِ عام دیکھے ہیں جہاں بادشاہ اپنے انصاف اور عدل سے اپنی رعایا کی تکلیفوں کو دُور کیا کرتے تھے اور آتے ہی اعلان کر دیا کرتے تھے کہ جس شخص پر کوئی ظلم ہؤا ہو وہ ہمارے پاس فوراً شکایت کرے جس پر امیر و غریب حتّٰی کہ بھنگی اور چمار بھی آتا اور بادشاہ کے سامنے فریاد کرتا۔
۸۔ آٹھویں مَیں نے دیوانِ خاص دیکھے ہیں جہاں بادشاہ اپنے خاص درباریوں سے راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے تھے۔
۹۔ نویں میں نے نہریں دیکھی ہیں جو اِدھر سے اُدھر پانی پہنچایا کرتی تھیں اور پیاسے درختوں کو نئی زندگی بخشتی تھیں اور جن سے سیراب ہو کر درخت لہرا لہرا کر اپنی بہار دکھایا کرتے تھے۔
۱۰۔ دسویں مَیں نے لنگر خانے دیکھے ہیں جن سے بادشاہوں کے ہم مذہبوں اور اُس کے مذہبی مخالفوں کو بھی الگ الگ کھانے تقسیم ہؤا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے الگ لنگر خانے ہؤا کرتے تھے اور غیر مذاہب والوں کے الگ۔ مسلمانوں کے لنگر خانوں میں مسلمان تقسیم کرنے والے ہوتے اور غیر مذاہب کے لنگر خانوں میں غیر مُسلم تقسیم کرنے پر مقرر ہوتے۔
۱۱۔ گیارہویں میں نے دفتر دیکھے ہیں جہاں تمام ریکارڈ رکھے جاتے تھے اور ہر ضروری امر کو

محفوظ رکھا جاتا تھا۔

۱۲۔ بارھویں مَیں نے کُتب خانے دیکھے ہیں جہاں پُرانی کتب کے تراجم ہوتے تھے اور پُرانے علوم کو محفوظ کیا جاتا تھا۔

۱۳۔ تیرھویں مَیں نے بازار دیکھے ہیں جہاں ہر چیز جس کی انسان کو ضرورت ہو فروخت ہوتی تھی۔

۱۴۔ چودھویں مَیں نے جنتر منتر دیکھا ہے جو ستاروں کی گردشیں معلوم کرتا تھا اور حسابِ سنین کو بتاتا تھا یا آئندہ کے تغیّر پر روشنی ڈالتا تھا۔

۱۵۔ پندرھویں مَیں نے ایک وسیع سمندر بھی دیکھا ہے جس کا کنارہ تو ہے مگر اُس کا اندازہ لگانا انسانی فطرت کی طاقت سے بالا ہے اور جہاز میں بیٹھنے والا اُسے بے کِنارہی سمجھتا ہے جس کے راز دریافت کرنے اور اُس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ہزاروں بڑے بڑے جہاز جو بعض دفعہ ایک ایک گاؤں کے برابر ہوتے ہیں اور دو دو ہزار آدمی اس میں بیک وقت بیٹھ جاتے ہیں ہر وقت اُس میں چلتے رہتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک وسیع شہر میں ایک چیونٹی پھر رہی ہے۔

۱۶۔سولھویں مَیں نے آثارِ قدیمہ کے محکموں کے وہ کمرے دیکھے ہیں جہاں قدیم چیزیں انہوں نے جمع کر رکھی ہیں، کہیں زمین کھود کر انہوں نے سِکّے نکالے، کہیں زمین کھود کر انہوں نے پُرانے کاغذات دستیاب کئے اور کہیں زمین کھود کر انہوں نے پُرانے برتن نکالے اور اس طرح پُرانے زمانہ کے تمدّن اور تہذیب کا نقشہ انہوں نے ان چیزوں کے ذریعہ ہمارے سامنے رکھا، یہ تمام چیزیں ایک ترتیب کے ساتھ رکھی تھیں۔ پس مَیں نے آثارِ قدیمہ کی ان محنتوں کو بھی دیکھا اور پُرانے آثار کو نکال کر دنیا کے سامنے پیش کرنے پر میرے دل نے ان کے کام پر آفرین کہی۔

ایک نئی دنیا جو میری آنکھوں کے سامنے آئی

یہ امور تفصیلاً یا اجمالاً اُس وقت میرے ذہن میں آئے اور پھر میرے دل نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا یہ تیری زندگی کا بہترین تجربہ ہے، کیا ان سے بڑھ کر ایسی ہی چیزیں تو نے نہیں دیکھیں، کیا ان سے بڑھ کر مفید کام تُو نے نہیں دیکھے اور کیا ان سے بڑھ کر عبرت کے نظارے تو نے نہیں دیکھے؟ اور اس سوال کے پیدا ہوتے ہی وہ تمام نظارے جو میری

آنکھوں کے سامنے تھے غائب ہو گئے اور ایک اور نظارہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا اور ایک نئی دنیا میری آنکھوں کے سامنے آہستہ آہستہ گزرنے لگ گئی۔مَیں اس نئی دنیا کے آثارِقدیمہ کو دیکھنے میں مشغول ہؤا تو مَیں نے ایسے ایسے عظیم الشان آثارِقدیمہ دیکھے جو اِن آثارِقدیمہ سے بہت زیادہ شاندار تھے جن کے خیال میں میرا دل محو تھا بلکہ ایک فوق العادت کارنامہ آثارِقدیمہ کی دریافت کا میرے سامنے آ گیا، ایک بڑا جنتر منتر جس کا اندازہ لگانا بھی انسانی طاقت سے بالا ہے میری آنکھوں کے سامنے پیدا ہؤا، بڑے بڑے غیر معمولی خوبصورتیوں والے باغات، عدیم المثال نہریں، بے کِنار سمندر، عالیشان قصر، ان کے لنگر خانے، دیوانِ عام، دیوانِ خاص، بازار، لنگر خانے، کتب خانے، دفتر، بے انتہاء بلند مینار اور غیر محدود وُسعت والی مسجد، دلوں کو دہلا دینے والے مقبرے اور مسمار شُدہ یادگاریں ایک ایک کر کے میری نگاہوں کے آگے پھرنی شروع ہوئیں اور مَیں نے کہا اُف مَیں کہاں آ گیا۔ یہ چیزیں میرے پاس ہی موجود تھیں، تمام دنیا کے پاس موجود ہیں، لیکن دنیا ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتی اور بچوں کی طرح کھلونوں کے پیچھے بھاگتی پھرتی ہے۔ میرا دل خون ہو گیا اپنی بے بسی پر کہ مَیں یہ چیزیں دنیا کو دکھانے سے قاصر ہوں، میرا دل خون ہو گیا دنیا کی بے توجّہی پر، مگر میرا دل مسرور بھی تھا اُس خزانے کے پانے پر، اُن امکانات پر کہ ایک دن مَیں یا خدا کا کوئی اور بندہ یہ مخفی خزانے دنیا کو دکھانے میں کامیاب ہو جائے گا اور مَیں نے جب ان چیزوں کو دیکھا تو بے اختیار یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہوئے کہ **مَیں نے پالیا۔ مَیں نے پالیا**۔ ہاں ہاں یہ یقینی بات ہے کہ تغلق کے قلعہ میں مَیں نے ایک اَور دنیا کو پالیا، ایک بالا دنیا، ایک بالا طاقت کے نشانات اور مَیں پہلے اس دنیا میں کھویا گیا، پھر مَیں نے ایک اور دنیا کو جو اس سے کہیں زیادہ شاندار، کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ پائیدار اور پھر ایک لحاظ سے بوسیدہ کھنڈر اور تباہ حال تھی، اُسے دیکھا اُسے پایا۔ اس خستہ حالی پر میرا دل رویا اس کی شان اور پائیداری سے میرا دل مسرور ہؤا۔ اب آؤ مَیں اس کے کچھ حصّہ کی آپ کو سیر کراتا ہوں۔

۱۔ آثارِقدیمہ

پہلے مَیں آثارِقدیمہ کو لیتا ہوں، مگر چونکہ ہماری جماعت کے بہت سے زمیندار اصحاب

آ ثارِقدیمہ کا مفہوم نہیں سمجھتے ہوں گے اس لئے اُن کی واقفیت کے لئے مَیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے۔ اثر کے معنے نشان کے ہوتے ہیں، اُردو میں بھی کہتے ہیں کہ فلاں چیز کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، آ ثار اس کی جمع ہے اور اس کے معنے ہیں بہت سے نشانات، قدیمہ کے معنی پُرانے کے ہیں۔ پس آ ثارِقدیمہ کے معنی ہوئے پُرانی چیزوں کے نشانات، وہ عمارتیں جو زمین میں دب کر نظروں سے غائب ہو جاتی ہیں یا پُرانے سکّوں، پُرانے کپڑوں، پُرانے برتنوں اور پُرانے کاغذوں کو مہیا کرنے کے لئے یہ محکمہ گورنمنٹ نے بنایا ہؤا ہے اور اس کا کام ہے کہ خواہ اسے زمین میں دبی ہوئی عمارتیں مل جائیں یا کاغذات مل جائیں یا سکّے مل جائیں انہیں محفوظ کر دے۔ پس یہ محکمہ پُرانی یادگاروں کو تلاش کر کے ان سے پُرانے تمدّن، پُرانے حالات اور پُرانی ترقیات پر روشنی ڈالتا ہے اور ان کو دنیا میں قائم اور زندہ رکھتا ہے۔ ایسے آ ثارِقدیمہ کے کمروں میں بعض بوسیدہ کپڑے رکھے ہوئے ہوتے ہیں جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں زمانہ کے ہیں اور ان کو دیکھ کر لوگ اندازہ لگاتے ہیں کہ اُس وقت کے لوگ کس قسم کے کپڑے بُنا کرتے تھے، صنّاعی کیسی تھی، یا کچھ پُرانے سکّے رکھے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ پُرانے ہتھیار رکھے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ پُرانے کاغذات رکھے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ پُرانے ٹُوٹے ہوئے گھڑے اور برتن رکھے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ ٹُوٹی ہوئی چپلیاں ہوتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کپڑا دو ہزار سال پہلے کا ہے، یہ سکّہ آج سے تین ہزار سال پہلے استعمال ہوتا تھا۔ غرض ان سب چیزوں کو اکٹھا کر کے ایک عجائب خانہ بنا دیتے ہیں۔ امریکہ تک سے لوگ آتے ہیں اور ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر تعریف کرتے ہیں اور جس کسی نے کوئی پُرانا چیتھڑا یا کوئی دونّی اُٹھنّی تلاش کر کے دی ہوتی ہے اس کی بڑی تعریف ہوتی ہے۔ کہتے ہیں فلاں تو علاّمہ ہیں ان کا کیا کہنا ہے، انہوں نے آج سے دو ہزار سال پہلے کی استعمال ہونے والی اُٹھنّی بڑی تلاش سے دستیاب کی ہے اور فلاں عجائب خانہ میں پڑی ہے۔ غرض چند ٹوٹی ہوئی عمارتیں جو زمین میں دب کر نظروں سے غائب ہو گئی تھیں، چند ٹُوٹے ہوئے کتبے، کچھ بوسیدہ کپڑے، کچھ گِھسے ہوئے سکّے، مٹّی اور پتھر کے برتن، پھٹے ہوئے بوسیدہ کاغذات اور دستاویزات محکمہ آ ثارِقدیمہ کی کُل کائنات ہوتے ہیں، جن کو جوڑ جاڑ کر زمانہ سلف کے حالات کو یہ محکمہ اخذ کرتا اور دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور عالم و جاہل اس کی محنت کی داد دیتے اور اس کے کارناموں کو عزّت سے بیان کرتے ہیں۔ مَیں بھی ان سے متأثر ہؤا، مگر تغلق کے قلعہ میں جو آ ثارِقدیمہ مَیں نے دیکھے انہوں نے ان

آ ثارِقد یمہ کو میری نگاہ میں بالکل بے حقیقت بنا دیا کیونکہ وہ ان سے بہت پُرانے ، بہت وسیع ، بہت متنوّع اور بہت ہی مفید تھے ۔

اب میں اس آ ثارِقد یمہ کے دفتر میں آپ کو بھی لے جا تا ہوں اور اس کی ایک دریافت اور تحقیق کو کسی قدر بسط سے آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور بعض کو اختصار سے پیش کرتا ہوں ۔

یہ امر ظاہر ہے کہ انسانی آ ثار میں سے سب سے پُرانے آ ثار وہی ہیں جو انسان کی ابتدائی پیدائش اور اس کے ابتدائی کاموں سے تعلق رکھتے ہیں اس کے علاوہ کوئی بھی آ ثار ہوں خواہ وہ ہزاروں سال کے ہوں بہرحال بعد ہی کے ہوں گے اور آ ثارِقد یمہ کے نقطہ نگاہ سے گھٹیا قسم کے ۔ پس میں اس محکمہ کی ایسی ہی تحقیقات کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں ۔

اس محکمہ آ ثارِقد یمہ کا نام ہے قرآن اور اس کے انچارج کا نام ہے **محمد صلی اللہ علیہ وسلم**۔ اس محکمہ میں جو آ ثارِقد یمہ مَیں نے سب سے پہلے زمانے کے دیکھے اور جن کی گرد کو بھی موجودہ آ ثارِقد یمہ نہیں پہنچتے ، ان کی ایک مثال ذیل میں مَیں پیش کرتا ہوں ۔

دُنیا کس طرح پیدا ہوئی ؟

لوگ حیران ہیں کہ دُنیا کس طرح پیدا ہوئی ؟ پہلا انسان کون تھا ؟ وہ کس تمدّن پر عمل پیرا تھا ؟ وہ کس طرح اس دنیا میں پیدا ہو ا ؟ اور اس نے کس طرح اس دنیا کو چلایا ؟ مَیں نے قرآن کریم کا درس دیتے وقت ہمیشہ دیکھا ہے ، مشکل سے مشکل آیت کا مَیں مفہوم بیان کر رہا ہوتا ہوں تو لوگ بڑے مزے سے اُسے سُنتے رہتے ہیں ، مگر جہاں آدم اور شیطان کا قصّہ آیا سوالات کی مجھ پر یوں بھرمار شروع ہو جاتی ہے کہ میں خیال کرتا ہوں آدم کے بچے مجھے نوچ نوچ کر کھا جائیں گے اور ان کی خواہش یہ ہے کہ جلد سے جلد انہیں ان کے ابا جان کی گود میں بٹھا آؤں تو لوگوں کے دلوں میں آدم والے واقعہ کے متعلق بے انتہاء جستجو پائی جاتی ہے ۔ وہ سوچتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کیا کھاتے تھے ، کیا پہنتے تھے کہاں رہتے تھے ؟ اور یہ صرف مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب کے لوگوں میں جستجو پائی جاتی ہے ۔

ہندوؤں کا نظریہ انسانی پیدائش کے متعلق

ہندوؤں کی تو ساری میتھالوجی اور ان کی ساری بحثیں ہی دنیا کی پیدائش پر ہیں کہیں لکھا ہے کہ برہما جی نہانے گئے تو اُن کی جٹا میں سے جو قطرے گرے اُس سے گنگا بہہ نکلی ، کہیں دنیا کی پیدائش کا ذکر آتا ہے تو اِس رنگ میں کہ فلاں دیوتا کی فلاں سے لڑائی ہوئی ، دوسرا

دیوتا جب مارا گیا تو اُس کی ٹانگوں سے زمین اور اُس کے ہاتھوں سے چاند وغیرہ بن گئے، گویا ہر شخص کے دل میں یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ وہ معلوم کرے یہ دنیا کس طرح پیدا ہوئی ؟ پہلا انسان کون تھا؟ وہ کس طرح اس دنیا میں پیدا ہؤا؟ اور کس طرح اس نے اس دنیا کو چلایا؟

تورات کا نظریہ انسانی پیدائش کے متعلق

تورات نے اس بارے میں جو نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، مَیں سب سے پہلے وہی آپ لوگوں کو سناتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ تورات دنیا کی پیدائش کس طرح بتاتی ہے۔

تورات میں لکھا ہے:-

''زمین ویران اور سُنسان تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانیوں پر جُنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا کہ اُجالا ہو اور اُجالا ہو گیا اور خدا نے اُجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے اُجالے کو اندھیرے سے جُدا کیا اور خدا نے اُجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا، سوشام اور صبح پہلا دن ہؤا۔ اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہووے اور پانیوں کو پانیوں سے جُدا کرے۔ تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانیوں کو فضا کے اوپر کے پانیوں سے جُدا کیا اور ایسا ہی ہو گیا اور خدا نے فضا کو آسمان کہا سوشام اور صبح دوسرا دن ہؤا۔ اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کے پانی ایک جگہ جمع ہوویں کہ خشکی نظر آوے اور ایسا ہی ہو گیا اور خدا نے خشکی کو زمین کہا اور جمع ہوئے پانیوں کو سمندر کہا اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے کہا کہ زمین گھاس اور نباتات کو جو بیج رکھتیں اور میوہ دار درختوں کو جو اپنی اپنی جنس کے موافق پھلتے جو زمین پر آپ میں بیج رکھتے ہیں اُگاوے اور ایسا ہی ہو گیا۔ تب زمین نے گھاس اور نباتات کو جو اپنی اپنی جنس کے موافق بیج رکھتیں اور درختوں کو جو پھل لاتے ہیں جن کے بیج اُن کی جنس کے موافق اُن میں ہیں اُگایا اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے سوشام اور صبح تیسرا دن ہؤا۔ اور خدا نے کہا کہ آسمان کی فضا میں نیّر ہوں کہ دن اور رات میں فرق کریں اور وے نشانوں اور زمانوں اور دِنوں اور برسوں کے باعث ہوں اور وے آسمان کی فضا میں انوار کے لئے ہوویں کہ زمین پر روشنی بخشیں اور ایسا ہی ہو گیا، سو خدا نے دو بڑے نور بنائے، ایک نیّرِ اعظم جو دن پر حکومت کرے اور ایک نیّرِ اصغر جو رات پر حکومت کرے اور ستاروں کو

بھی بنایا اور خدا نے ان کو آسمان کی فضا میں رکھا کہ زمین پر روشنی بخشیں اور دن پر اور رات پر حکومت کریں اور اُجالے کو اندھیرے سے جُدا کریں اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے سو شام اور صبح چوتھا دن ہوا''۔[۲] (گویا توریت کے بیان کے مطابق رات دن پہلے بنے ہیں مگر سورج چاند بعد میں بنے ہیں، اسی طرح گھاس نباتات اور درخت پہلے اُگے ہیں مگر سورج وغیرہ جن کی شُعاعوں کی مدد سے یہ چیزیں اُگتی ہیں بعد میں بنائے گئے ہیں، کیونکہ لکھا ہے کہ جب گھاس اُگ چُکا، میوہ دار درخت تیار ہو چکے، نباتات ظاہر ہوگئی رات دن بن گئے تو اس کے بعد خدا نے دو بڑے نور بنائے۔ ایک نیّرِ اعظم جو دن پر حکومت کرے اور ایک نیّرِ اصغر جو رات پر حکومت کرے)

تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بناویں کہ وے سمندر کی مچھلیوں پر اور آسمان کے پرندوں پر اور مویشیوں پر اور تمام زمین پر اور سب کیڑے مکوڑوں پر جو زمین پر رینگتے ہیں سرداری کریں اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا، نر و ناری ان کو پیدا کیا اور خدا نے ان کو برکت دی اور خدا نے انہیں کہا کہ پھلو اور بڑھو اور زمین کو معمور کرو اور اس کو محکوم کرو اور سمندر کی مچھلیوں پر اور آسمان کے پرندوں پر اور سب چرندوں پر جو زمین پر چلتے ہیں سرداری کرو[۳]

اور خداوند خدا نے عدن میں پورب کی طرف ایک باغ لگایا اور آدم کو جسے اس نے بنایا تھا وہاں رکھا[۴]

اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دے کر کہا کہ تُو باغ کے ہر درخت کا پھل کھایا کر، لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا کیونکہ جس دن تُو اس سے کھائے گا تو ضرور مرے گا اور خداوند خدا نے کہا کہ اچھا نہیں کہ آدم اکیلا رہے میں اس کے لئے ایک ساتھی اس کی مانند بناؤں گا اور خداوند خدا نے میدان کے ہر ایک جانور اور آسمان کے پرندوں کو زمین سے بنا کر آدم کے پاس پہنچایا تا کہ دیکھے کہ وہ ان کے کیا نام رکھے سو جو آدم نے ہر ایک جانور کو کہا وہی اُس کا نام ٹھہرا اور آدم نے سب مویشیوں اور آسمان کے پرندوں اور ہر ایک جنگلی جانور کا نام رکھا۔ پر آدم کو اس کی

مانند کوئی ساتھی نہ ملا اور خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سوگیا اور اُس نے اُس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا اور خداوند خدا نے اُس پسلی سے جو اُس نے آدم سے نکالی تھی ایک عورت بنا کے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا کہ اب یہ میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس سبب سے وہ ناری کہلاوے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی''۔[۵]

یہ تورات کا نظریہ ہے جو اس نے پیدائش عالم کے متعلق دنیا کے سامنے پیش کیا۔

ڈارون کی تھیوری انسانی پیدائش کے متعلق

اُنیسویں صدی عیسوی میں جب اِس مسئلہ پر زیادہ غور کیا گیا اور علومِ جدیدہ کے ذریعہ نئی نئی تحقیقاتیں ہوئیں تو سب سے پہلے ایک انگریز نے جس کا نام ڈارون تھا انسانی پیدائش کے متعلق ایک نئی تھیوری پیش کی، اُس کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

(۱) انسان ارتقائی قانون کے مطابق بنا ہے یکدم اپنی موجودہ حالت کو نہیں پہنچا اور یہ خیال جو بائیبل میں پیش کیا گیا ہے کہ یکدم اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت میں ایک شخص کو بنا کر کھڑا کر دیا یہ درست نہیں بلکہ آہستہ آہستہ لاکھوں بلکہ کروڑوں سالوں میں انسان تیار ہوا ہے۔

(۲) دوسرے اُس نے یہ مسئلہ نکالا کہ انسان نے جو ترقی کی ہے یہ جانوروں سے کی ہے پہلے دنیا میں چھوٹے جانور بنے، پھر اس سے بڑے جانور بنے، پھر اس سے بڑے جانور بنے اور پھر ان جانوروں میں سے کسی جانور سے ترقی کر کے انسان بنا، مگر جس جانور سے ترقی کر کے انسان بنا ہے وہ اب نہیں ملتا کیونکہ یہ کڑی غائب ہے ہاں اتنا پتہ چلتا ہے کہ اسی جانور کی ایک اعلیٰ قسم بندر ہے۔ گویا ڈارون نے دوسرا نظریہ یہ پیش کیا کہ انسان گو اِرتقائی قانون کے مطابق بنا ہے مگر اس کا یہ ارتقاء بندروں کی قسم کے ایک جانور سے ہوا ہے جس کی آخری کڑی اب مفقود ہے جس میں سے بعض خاص قسم کے بندر اور انسان نکلے۔

پہلے امر کی دلیل کہ انسان یکدم اپنی موجودہ حالت کو نہیں پہنچا بلکہ ہزاروں لاکھوں سالوں میں تیار ہوا ہے وہ یہ دیتا ہے کہ مختلف زمانوں کے انسانوں کی جو کھوپڑیاں اور جسم وغیرہ ملے ہیں ان کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کھوپڑیوں اور جسموں کا آپس میں بہت بڑا فرق ہے پس یہ خیال کرنا کہ آج سے لاکھوں سال پہلے بھی انسان اسی طرح تھا جس طرح آج ہے غلط ہے اگر یہ بات صحیح ہوتی تو جسموں، ہڈیوں اور کھوپڑیوں وغیرہ میں کوئی فرق نہ

ہوتا، مگر انسانی جسم کی جو بہت پُرانی ہڈیاں نکلی ہیں ان ہڈیوں کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اور موجودہ انسانی جسم کی ہڈیوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اسی طرح موجودہ انسانی دماغ اور پُرانے انسانی دماغ میں بھی بہت بڑا فرق نظر آتا ہے پس مختلف زمانوں کے انسانوں کی کھوپڑیوں اور جسم کی ہڈیوں کا اختلاف اس امر کا یقینی اور قطعی ثبوت ہے کہ انسان ارتقائی قانون کے ماتحت بنا ہے یکدم اپنی موجودہ حالت کو نہیں پہنچا۔ دوسری دلیل اس فلسفہ کے معتقد اس ارتقاء کی یہ دیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں جب جنین کی ترقی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس جنین کو اپنی ابتدائی حالتوں میں مختلف قسم کے جانوروں سے مشابہت ہوتی ہے۔ کبھی وہ جنین خرگوش سے مشابہ ہوتا ہے۔ کبھی مچھلی سے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی کسی اور جانور سے۔ یہ رحمِ مادر میں بچے کی پیدائش کی مختلف کیفیات دراصل ابتدائے خَلق کی ہی کیفیات ہیں۔ یعنی پچھلے زمانہ میں جن جن جانوروں کی شکل میں سے انسان گزرا ہے، ان ساری شکلوں میں سے ایک بچے کو رحمِ مادر میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تیسری دلیل اس ارتقاء کی یہ دی جاتی ہے کہ انسان اور دوسرے جانوروں میں ایسی کئی مشابہتیں پائی جاتی ہیں جو اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور انسان کو جسم اپنی منفردانہ حیثیت میں نہیں ملا بلکہ جانوروں کے جسم سے ترقی کر کے اُسے ایک اور جسم حاصل ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس امر کے ثبوت کے لئے گوریلا وغیرہ قسم کے بندروں کو دیکھ لیا جائے اُن کی انسان سے اتنی شدید مشابہت ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ الگ بنے ہیں اور یہ الگ، گویا ارتقاء کی تیسری دلیل وہ مشابہتیں دیتے ہیں جو انسان کو بعض دوسرے جانوروں سے اور دوسرے جانوروں کو آپس میں یا اپنے سے نیچے کے جانوروں سے ہیں۔

دوسرا دعویٰ ڈارون نے یہ کیا تھا کہ انسان اور بندر کا ارتقاء ایک جانور سے ہوا ہے جو اب مفقود ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ یہ امر پیش کرتا ہے کہ بندروں کی بعض اقسام کو انسان سے انتہائی مشابہت ہے مگر وہ کہتا ہے کہ درمیان میں ایک کڑی غائب ہوگئی ہے اور اس مفقود کڑی کا ثبوت وہ فاصلہ ہے جو طبعی طور پر بندروں کی موجودہ قسم اور انسان میں، اور بندروں اور ان سے ادنیٰ قسم کے جانوروں میں نہ پایا جانا چاہئے تھا مگر چونکہ ہمیں ایک طرف بندروں اور انسان میں انتہائی مشابہت نظر آتی ہے اور دوسری طرف بندروں اور ان سے نچلے درجہ کے جانوروں میں ایک فاصلہ نظر آتا ہے جو طبعی طور پر نہیں پایا جانا چاہئے تھا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان

میں سے کوئی کڑی غائب ہو گئی ہے جس سے انسان اور بندر نے ترقی کر کے اپنی موجودہ شکل کو اختیار کیا، تبھی یہ زنجیر مکمل نہیں بنتی۔

ہیکل کا نظریہ انسانی پیدائش کے متعلق

ہیکل[۷] ایک اور مفکّر ہے وہ ڈارون کے اِس فلسفہ پر غور کرنے کے بعد اِس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ وہ جانور جو ہمیں نہیں ملتا اُس کا نام لیپوٹائیلو (LIPOTYLU) ہے۔ یہ جانور درمیان میں سے غائب ہو گیا ہے اگر یہ مل جائے تو وہ کڑی جو درمیان سے ٹوٹتی ہے مکمل ہو جائے اور انسانی ارتقاء کے مسئلہ میں کوئی بات مُبہم نہ رہے۔ اس قسم کے اکثر مفکّر گوریلا اور چِمپنزی (CHIMPANZEE) قسم کے بندروں کے آباء کو انسانی نسل کے آباء قرار دیتے ہیں۔

جب ڈارون نے انسانی پیدائش کے متعلق یہ فلسفہ پیش کیا تو انگریزوں میں سے ہی بعض نے اس فلسفہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ انسان اور گوریلا میں اس قدر اختلاف ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی صورت میں بھی یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ گوریلا وغیرہ اقسام کے بندروں کے آباء ہی انسانی نسل کے آباء تھے اس پر ہکسلے[۸] نے انہی اختلافات کو جو انسان اور گوریلا میں ہیں اور جو پہلے ارتقاء کے خلاف پیش کئے جاتے تھے ارتقاء کے ثبوت میں پیش کر دیا اس طرح کہ اس نے کہا کہ جو اختلاف انسان اور گوریلا میں ہے اس سے بہت زیادہ اختلاف گوریلا اور بعض دوسری قسم کے بندروں میں ہے، اب بتاؤ کہ اس اختلاف کے باوجود تم ان سب کو بندر مانتے ہو یا نہیں؟ جب مانتے ہو تو اگر ارتقاء میں بعض بندر بعض دوسرے بندروں سے اس قدر دُور جا سکتے ہیں تو کیوں انسان گوریلا سے دُور نہیں جا سکتا۔ پس یہ اختلاف ارتقاء کے خلاف نہیں بلکہ اس کا ایک ثبوت ہے۔

موجودہ زمانہ کی تحقیق

موجودہ تحقیق جو قریب زمانہ میں ہوئی ہے اور جس کے مؤیّد ایک تو پروفیسر جونز ہیں اور ایک ڈاکٹر آسبرن۔ وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ گو انسان نے ارتقائی قانون کے ماتحت ہی ترقی کی ہے مگر وہ حیوانات کی نسل سے بہت پہلے سے جُدا ہو چکا تھا اور اُس وقت سے آزادانہ ترقی کر رہا تھا۔ گویا انسان کی جانوروں سے جُدائی اُس بندر سے نہیں ہوئی جس بندر سے جُدائی ڈارون پیش کرتا ہے بلکہ اس سے بہت پہلے ہو چکی تھی مگر بہر حال انسانی ترقی ارتقاء کے ماتحت ہوئی ہے یکدم نہیں ہوئی۔

انسانی تہذیب کے تین بڑے دَور

اس کے ساتھ ہی آثارِ قدیمہ والوں نے یہ دریافت کیا ہے کہ انسانی تہذیب پر تین دَور آئے ہیں۔

(۱) ایک دَور تو پتھروں کے استعمال کرنے کا تھا یعنی ابتداء میں جب انسان نے تہذیب وتمدّن کے دَور میں اپنا پہلا قدم رکھا ہے تو اُس وقت چونکہ یہ جانوروں سے ہی ترقی کر کے انسان بنا تھا اور اس کے پنجے نہیں تھے جن سے دوسرے جانور کام لے لیا کرتے ہیں اور نہ ان کی طرح اس کے تیز دانت تھے اس لئے اس نے اپنی حفاظت کیلئے پتھروں کا استعمال شروع کر دیا۔ پس پہلا دَور انسانی تہذیب پر پتھروں کے استعمال کا آیا ہے۔

(۲) پھر پیتل کے استعمال کا دَور آیا۔ یعنی جب انسان نے اور زیادہ ترقی کی تو اس نے اپنی حفاظت کے لئے ڈھالیں وغیرہ بنالیں۔

(۳) اور تیسرا دَور لوہے کے استعمال کرنے کا تھا جب کہ انسان نے اپنی حفاظت کے لئے نیزے اور تلواریں وغیرہ ایجاد کیں۔

آثارِ قدیمہ والوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ پُرانی عمارتوں کے کھودنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان قدیم زمانہ سے کسی نہ کسی تہذیب کا حامل ضرور رہا ہے۔

پیدائشِ انسانی کے متعلق قرآنی نظریہ

اب مَیں اُن آثارِ قدیمہ کو پیش کرتا ہوں جنہیں قرآن کریم نے انسان کی پیدائش اور اس کی تہذیب کے بارہ میں پیش کیا۔

پہلا حوالہ اس بارہ میں سورۃ نوح کا ہے جہاں آثارِ قدیمہ کی کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَالَكُمْ لَاتَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًاوَقَدْخَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَفِيْهِنَّ نُوْرًاوَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتاً ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيهَاَ وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا[9]

موجودہ زمانہ میں جو تحقیق انسانی پیدائش کے متعلق کی گئی ہے اس کے مقابلہ میں قرآن کریم کی جو تحقیق ہے اس کا کچھ ذکر ان آیات میں ہے جو ابھی مَیں نے پڑھی ہیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے یہ کہلواتا ہے کہ اے انسانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ تم یہ خیال نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ بے حکمت کام نہیں کیا کرتا اور جب بھی وہ کوئی کام کرتا ہے حکمت سے کرتا ہے تم اپنے متعلق تو یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص تمہیں یہ کہے کہ تم نے فلاں کام بیوقوفی کا کیا اور اگر کوئی کہے تو اِس پر بُرا مناتے ہو مگر تم خدا کے متعلق یہ کہتے رہتے ہو کہ اُس نے انسان کو بغیر کسی غرض کے پیدا کر دیا۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اتنی موٹی بات کو بھی نہیں سمجھتے کہ

وَ قَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا اُس نے تمہیں یکدم پیدا نہیں کیا بلکہ قدم بقدم کئی دَوروں میں سے گزارتے ہوئے بنایا ہے۔ اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْھِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ٥

کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کی مطابقت میں رہنے والا بنایا ہے اسی طرح اُس نے چاند بنایا اُس نے سورج بنایا۔

وَاللّٰہُ اَنْبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا۔ ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْھَا وَیُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا

اور اِنہیں دَوروں میں سے جن میں خدا تعالیٰ نے تمہیں گزارا، ایک دَور یہ بھی تھا کہ خدا نے تمہیں زمین میں سے نکالا اور آہستہ آہستہ تمہیں اپنے موجودہ کمال تک پہنچایا۔

پیدائشِ انسانی کے مختلف دَور

یہ ابتدائی پیدائش کا نقشہ ہے جو قرآن کریم نے کھینچا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ارتقاء کا وہ مسئلہ جسے یورپ والے آج پیش کر رہے ہیں قرآن کریم نے آج سے تیرہ سَو سال پہلے ظاہر کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ یہ صحیح نہیں کہ انسان یکدم پیدا ہو گیا یا خُدا نے یوں کیا ہو کہ مٹی گوندھی اور اُس سے ایک انسانی بُت بنا کر اُس میں پھونک ماردی اور وہ چلتا پھرتا انسان بن گیا بلکہ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا اُس نے کئی دَوروں میں سے گزارتے ہوئے تمہیں یہاں تک پہنچایا ہے۔ وَاللّٰہُ اَنْبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا۔ اور یہ جو درجہ بدرجہ ترقی ہوئی ہے اس میں انسان کی پیدائش دراصل زمین سے شروع ہوتی ہے۔ پھر ہم اسے بڑھاتے بڑھاتے کہیں کا کہیں لے گئے ہیں۔ گویا اسلام نے صاف طور پر آج سے تیرہ سَو سال پہلے بتا دیا تھا کہ انسان یکدم نہیں بنا بلکہ وہ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا کے مطابق کئی دَوروں میں تیار ہؤا ہے اور وَاللّٰہُ اَنْبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا کے مطابق سب سے پہلے وہ زمین سے تیار ہؤا ہے مگر کیا ہی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے تو یہ دو باتیں پیش کی تھیں کہ انسان آہستہ آہستہ تیار ہؤا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ زمین میں سے پیدا ہؤا ہے مگر مسلمانوں نے اِن دونوں باتوں کو ردّ کر دیا اور ایک طرف تو انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے یکدم بنا دیا تھا اور دوسری طرف اس امر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے انسان کو زمین میں سے تیار کیا ہے یہ کہنا شروع کر دیا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پہلے جنتِ سماوی میں پیدا کیا پھر زمین پر پھینک دیا اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک روحوں کی تھیلی ہے وہ جس شخص کو زمین پر بھیجنا چاہتا ہے اُس کی روح چھوڑ دیتا ہے گویا جس طرح بٹیرے پکڑنے والے

اپنی تھیلیوں میں سے ایک ایک بٹیرہ نکالتے جاتے ہیں، اسی طرح خدا پہلے ایک رُوح چھوڑتا ہے پھر دوسری پھر تیسری گویا اِس زمانہ کے علماء نے یہ ٹھیکہ لے لیا ہے کہ قرآن کریم میں جو بات لکھی ہوگی اس کے وہ ضرور خلاف کریں گے۔

اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تسلیم کیا ہے کہ انسانی پیدائش آہستگی سے ہوئی ہے اور فرمایا ہے کہ اِس میں حکمت تھی۔ اگر پیدائش اِس رنگ میں نہ ہوتی تو بہت سے نقائص رہ جاتے مگر آجکل کے علماء اس بارہ میں جو کچھ عقیدہ رکھتے ہیں اس کا پتہ اس سے لگ جاتا ہے کہ مولوی سیّد سرور شاہ صاحب سنایا کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کے ایک اُستاد نے لڑکوں کو بتایا کہ دنیا میں جو ہمیں بہت بڑا تفاوت نظر آتا ہے، کوئی خوبصورت ہے کوئی بدصورت اور کوئی درمیانی صورت رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنا چاہا تو اُس نے کہا کہ آؤ مَیں انسان بنانے کا کسی کو ٹھیکہ دے دُوں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو ٹھیکہ دے دیا اور اُن سے کہا کہ مَیں شام تک تم سے اتنے آدمی لے لُوں گا۔ خیر پہلے تو وہ شوق اور محنت سے کام کرتے رہے اور انہوں نے بڑی محنت سے مٹّی گوندھی پھر نہایت احتیاط سے لوگوں کے ناک، کان، آنکھ، منہ اور دوسرے اعضاء بنائے اور اِس طرح دوپہر تک بڑی سرگرمی سے مشغول رہے، اِس دَوران میں جو آدمی ان کے ذریعہ تیار ہوگئے وہ نہایت حسین اور خوبصورت بنے مگر جب دوپہر ہوگئی اور انہوں نے دیکھا کہ ابھی کام بہت رہتا ہے اور وقت تھوڑا رہ گیا ہے تو انہوں نے جلدی جلدی کام شروع کر دیا اور کچھ زیادہ احتیاط اور توجہ سے کام نہ لیا اور اس طرح عصر تک کام کرتے رہے اس دَوران میں جو لوگ تیار ہوئے وہ درمیانی شکلوں کے تھے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ عصر ہوگئی ہے اور اب سورج غروب ہی ہونے والا ہے اور ٹھیکہ کے مطابق تعداد تیار نہیں ہوئی تو انہوں نے یوں کرنا شروع کر دیا کہ مٹّی کا گولہ اُٹھائیں اور اُسے دو تھپکیاں دے کر بُت بنا کر مُنہ کی جگہ ایک اُنگلی مار دیں اور آنکھوں کی جگہ دو اُنگلیاں اور اس طرح جلدی جلدی آدمی بناتے جائیں یہ آدمی بدصورت بنے جو بدصورت قوموں کے آباء ہوگئے۔

اب یہ ہے تو دین سے تمسخر اور استہزاء مگر حقیقت یہ ہے کہ عام طور پر مسلمانوں اور عیسائیوں میں پیدائشِ انسانی کے متعلق ایسے ہی خیالات رائج ہو چکے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی طرح بنایا ہے کہ مٹّی کو گوندھا اور انسانی بُت بنا کر اس کے سوراخ بنا دیئے اور پھر ایک پھونک ماری اور وہ جیتا جاگتا انسان بن گیا، مگر اسلام یہ نہیں کہتا۔ وہ کہتا ہے کہ ہم نے تم کو

کئی دَوروں سے گزارا ہے اور خاص حکمت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ بنایا ہے یہ نہیں کہ تمہیں یکدم بنا دیا ہو۔

انسانی پیدائش کا دَورِ اوّل عدم سے شروع ہوا

دوسری بات قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسانی پیدائش کا دَورِ اوّل عدم تھا۔ یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ دنیا کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ آریہ کہتے ہیں کہ مادہ جس سے تمام دنیا کی تخلیق ہوئی یہ ازلی ہے۔ خدا نے صرف اتنا کیا ہے کہ مادہ اور رُوح کو جوڑ جاڑ دیا اور اس طرح انسان بن گیا، مگر قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ عقیدہ غلط ہے مادہ ازلی نہیں بلکہ اسے خدا نے پیدا کیا ہے اور یہ کہ پہلے کچھ نہ تھا پھر خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا[۱۰] کہ کیا انسان کو یہ بات معلوم نہیں کہ ہم نے جب اُسے پیدا کیا تو وہ اُس وقت کوئی شئے بھی نہیں تھا۔ آجکل کی پیدائش اور قسم کی ہے آجکل نُطفہ سے انسان پیدا ہوتا ہے اس آیت میں جس خَلق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ موجودہ دَور سے بہت پہلے کی ہے۔ گویا ابتدائی حالت انسان کی عدم تھی۔ پھر خدا اسے عالمِ وجود میں لایا مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام یہ نہیں کہتا کہ عدم سے وجود پیدا ہوا بلکہ وہ کہتا ہے کہ پہلے عدم تھا پھر وجود ہوا۔ یہ دھوکا زیادہ تر ''سے'' کے لفظ سے لگتا ہے کیونکہ ''سے'' کا لفظ اُردو زبان میں مادہ کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں لکڑی سے کھلونا بنایا یا لوہے سے زنجیر بنائی۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ پہلے لکڑی اور لوہا موجود تھا جس سے اَور چیزیں بنائی گئیں۔ اس لئے جب مسلمانوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو عدم سے بنایا تو غیر مذاہب والے اعتراض کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ جب کچھ بھی نہیں تھا تو اس سے خدا نے انسان کو بنایا کس طرح؟ پس یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام یہ نہیں کہتا کہ عدم سے انسان بنا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ پہلے عدم تھا پھر اس کا وجود ہوا۔ پس خدا نے عدم سے انسان کو نہیں بنایا بلکہ اپنے حُکم کے ماتحت بنایا ہے مگر یہ کہ اُسے کس طرح بنایا ہے اس کا ذکر خدا تعالیٰ نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اس کے سمجھنے کی انسان میں قابلیت نہیں۔ اگر انسان اس کو سمجھ سکتا تو وہ بھی انسان بنانے پر قادر ہوتا۔

وجودِ انسانی کے دَورِ ثانی کی کیفیت

انسان کا دَورِ ثانی قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں انسانی وجود تو تھا مگر بلا دماغ کے۔

گویا انسانی وجود تو تھا مگر انسان نہ تھا اور نہ اس کی حالت کو سوچنے والا کوئی دماغ تھا، گویا دماغی ارتقاء سے پہلے کی حالت میں تھا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اُس وقت جمادی رنگ میں تھا یا نباتی رنگ میں۔مگر بہرحال خواہ وہ اُس وقت جمادی رنگ میں ہو خواہ نباتی رنگ میں، حیوانی رنگ میں نہیں تھا اور اس کا پتہ بھی قرآن کریم سے لگتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا [۱۱] کہ کیا انسان کو یہ معلوم ہے یا نہیں کہ انسان پر یقیناً ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے جب کہ وجودِ انسانی تو موجود تھا مگر مذکور نہیں تھا وہ یاد نہیں کیا جاتا تھا۔ گویا حِسّ شناخت جو انسان میں موجود ہے وہ اُس وقت نہیں تھی۔ ایک وجود موجود تھا مگر بغیر عقل اور بغیر شعور کے، ایک دوسرے کے متعلق اسے کوئی واقفیت نہ تھی۔ اسے کوئی علم نہ تھا کیونکہ یہ باتیں دماغ سے تعلق رکھتی ہیں اور دماغ دَورِ ثانی میں نہیں تھا۔

انسانی پیدائش کا تیسرا دَور

تیسرا دَور قرآن کریم سے انسانی پیدائش کے متعلق وہ معلوم ہوتا ہے جب کہ وہ ایسی شکل میں آیا کہ اس کی پیدائش نُطفہ سے ہونے لگی یعنی مرد وعورت کے تعلق سے اور اُس وقت سے اس کے مزاج میں تنوّع پیدا ہوا۔ حیوانوں میں سے بھی بعض حیوان نر و مادہ نہیں ہوتے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر انسان پر وہ دَور آیا جب کہ اُسے نر و مادہ میں تقسیم کر دیا گیا یعنی حیوان بنا اور حیوان سے ترقی کر کے اُس حالت کو پہنچا کہ جب تناسل نُطفہ سے شروع ہو جاتی ہے جو بات کہ اعلیٰ درجہ کے حیوانوں میں پائی جاتی ہے اور پھر اس سے ترقی کر کے وہ ایسا حیوان بنا جو نُطفہ اَمشاج سے بنتا ہے یعنی اس کے اندر مختلف قویٰ پیدا کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ [۱۲] کہ ہم نے انسان کو نُطفہ سے پیدا کیا جو مرکّب تھا اور جس کے اندر بہت سے اجزاء مِلائے گئے تھے کیونکہ ہم نے اس سے مرکّب قسم کا کام لینا تھا۔ پس چونکہ ہم نے اس سے مرکّب کام لینا تھا اس لئے ہم نے نُطفہ میں بھی مرکّب طاقتیں رکھ دیں یہ تیسرا دَور ہے جو انسانی پیدائش پر آیا۔

انسانی پیدائش کا چوتھا دَور

چوتھا دَور انسانی پیدائش پر وہ آیا جب کہ انسانی دماغ کامل ہو گیا اور اس میں سمجھ اور ترقی کا مادہ پیدا ہو گیا گویا اب دماغی ارتقاء اور دماغی قوتوں کے ظہور کا زمانہ آ گیا اور وہ سامع اور باصر وجود سے سمیع اور بصیر وجود بنا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا [۱۳] اس دَور میں جب کہ

انسانی پیدائش نُطفہ سے ہونے لگ گئی تھی اور وہ ذَکَر وَاُنثٰی بن گئے تھے ابھی ان میں انسانیت نہیں آئی تھی بلکہ حیوانیت ہی تھی کیونکہ گو نر و مادہ کی تمیز پیدا ہوگئی تھی مگر یہ تمیز حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے اس طرح گو اُس دَور میں انسان باصر اور سامع تھا جیسا کہ حیوان بھی باصر اور سامع ہوتا ہے حیوان بھی دوسروں کو دیکھتا اور حیوان بھی آہٹ کو سُن لیتا ہے پس اس دَور میں وہ ایک حیوان تھا مگر اس کے بعد دَورِ رابع اس پر وہ آیا جب کہ دماغی اور ذہنی ارتقاء کی وجہ سے تحقیق اور تجسُّس کا مادہ اس میں پیدا ہو گیا اور وہ بصیر اور سمیع بن گیا۔ دیکھتا تو ایک جانور بھی ہے مگر وہ باصر ہوتا ہے بصیر نہیں ہوتا۔ بصیر وہ ہوتا ہے جو عقل سے کام لے اور کُرید، تحقیق اور ایجاد کا مادہ اس میں موجود ہو اور یہ انسانی صفات ہی ہیں حیوانی نہیں۔ پس چوتھا دَور انسان پر وہ آیا جب کہ وہ سامع اور باصر وجود سے سمیع و بصیر بنا یعنی کُرید، تحقیق ایجاد اور ترقی کا مادہ اس میں پیدا ہوگیا اور وہ حیوانی حالت سے ترقی کر کے حیوانِ ناطق بن گیا۔

یہ سب دَوروں کی ابتدائی کڑیاں ہیں، درمیانی زمانوں کا ذکر خدا تعالیٰ نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ قرآن کوئی سائنس کی کتاب نہیں وہ ضروری باتوں کا ذکر کر دیتا اور باقی امور کی دریافت کو انسانی عقل پر چھوڑ دیتا ہے پس اِن چار دَوروں کا یہ مطلب نہیں کہ انسان پر یہی چار دَور آئے بلکہ یہ چار دَوروں کی ابتدائی کڑیاں ہیں ان کے درمیان اور بھی بہت سی کڑیاں ہیں چنانچہ بعض درمیانی کڑیوں کا حال بھی قرآن کریم کی بعض اور آیات سے معلوم ہوتا ہے مثلاً فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا [۱۴] پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا کہ خدا نے تمہیں زمین میں سے نکالا ہے اور یہاں یہ فرمایا ہے کہ خدا نے تمہیں خشک مٹی میں سے پیدا کیا ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ پھر نُطفہ سے پیدا کیا یہاں پھر درمیانی دَوروں اور درمیانی دَوروں کی مختلف کڑیوں کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ مَیں آگے چل کر ثابت کرونگا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واقعہ میں بعض دَور چھوڑ دیئے ہیں۔ غرض فرماتا ہے پھر ہم نے نُطفہ بنایا اور تم نر و مادہ سے پیدا ہونے لگ گئے۔ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا پھر ہم نے تم کو انسانِ کامل بنایا، ایک ایسا انسان جو تمدّنی صورت اختیار کر گیا اور باقاعدہ نظام میں مُنسلک ہو گیا۔

لفظِ ازواج کی تشریح

یہاں ازواج کے معنے مرد عورت کے نہیں کیونکہ پہلے نُطفے کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا اس نے تم کو

ازواج بنایا اگر ازواج کے معنے مردعورت کے ہی ہوں تو ان الفاظ کے الگ لانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔نُطفہ کے ذکر میں ہی یہ بات آ سکتی تھی کیونکہ نُطفہ سے اسی وقت پیدائش ہوتی ہے جب مردعورت دونوں موجود ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے پہلے نُطفہ کا ذکر کیا ہے اوراس کے بعد فرمایا ہے کہ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ازواج سے مراد مرد وعورت نہیں بلکہ کچھ اور مراد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں اَزْوَاجاً سے مراد اقسام ہیں نہ کہ مرد وعورت ، ورنہ نطفہ تو ہوتا ہی زوج کے وقت سے ہے اوراس کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ زوج کے معنے عربی زبان میں صنف کے بھی ہوتے ہیں اور یہی معنے اس جگہ مراد ہیں ، پس اَزْوَاجًا سے مراد اَصْنَافًا ہیں نہ کہ مرد وعورت اور مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری دماغی ترقی ہوئی تو تم میں مختلف قسم کے گروہ پیدا ہو گئے اور پارٹیاں بننی شروع ہو گئیں غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ پہلے انسان تُرابی حالت میں تھا یعنی جمادی حالت میں پھر اس پر ایک زمانہ آیا (درمیانی زمانہ کا ذکر اس جگہ چھوڑ دیا ہے) کہ وہ حیوانی صورت اختیار کر گیا اور مرد وعورت سے اس کی پیدائش ہونے لگی (پھر درمیانی زمانہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے) پھر وہ زمانہ آیا کہ وہ ترقی کر کے تمدّنی صورت اختیار کر گیا اور باقاعدہ ایک نظام میں منسلک ہو گیا۔

اسی طرح درمیانی کڑیوں میں سے ایک کڑی طینی حالت بھی ہے جب کہ تُراب سے پانی ملا ، چنانچہ حیاتِ انسانی کا مادہ پانی ہونے کے متعلق فرماتا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ [۱۵] کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی ہے اگر پانی نہ ہوتا تو حیاتِ انسانی کا مادہ بھی پیدا نہ ہوتا ، پھر یہ کڑی کہ پانی مٹی سے ملا اوراس سے پیدائش ہوئی اس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ [۱۶] کہ خدا نے انسان کو طین سے پیدا کیا۔گویا پانی اور مٹی باہم ملائے گئے اوران دونوں کے ملانے سے جو حالت پیدا ہوئی اس کے نتیجہ میں زندگی کا ذرّہ پیدا ہؤا اور ترقی کرتے کرتے انسان اپنے معراجِ کمال کو پہنچ گیا۔

اس بات کا ثبوت کہ کڑیاں درمیان سے حذف بھی کر دی جاتی ہیں اس بات سے ملتا ہے کہ اوپر کی آیت میں بتایا ہے کہ انسان کی پیدائش اوّل طین سے ہوئی اس کے بعد فرماتا ہے۔ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ [۱۷] کہ پیدائشِ ثانی طین سے نہیں بلکہ مَاءٍ مَّهِيْنٍ

یعنی نُطفہ سے ہوئی ہے اور ہم نے بجائے مٹی اور پانی کے نسلِ انسانی کے لئے نُطفہ کا سلسلہ جاری کر دیا۔ جیسا کہ ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَمۡ نَخۡلُقۡکُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ۔ فَجَعَلۡنٰهُ فِيۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ [۱۸] یعنی کیا ہم نے تم کو ایک کمزور اور حقیر پانی کی بوند سے پیدا نہیں کیا اور پھر اس کمزور اور حقیر بوند کو ایک قرار و ثبات کی جگہ میں ایک زمانہ تک رکھ کر پیدا نہیں کیا؟ پس صاف معلوم ہو گیا کہ مٹی کی حالت ایک وقت کی تھی پھر وہ وقت آیا جب کہ مٹی اور پانی ملایا گیا، مگر نسلِ انسانی جو پیدا ہوئی ہے یہ مٹی سے نہیں بلکہ نُطفہ سے ہوئی ہے پس مٹی والا زمانہ اَور ہے پانی والا زمانہ اَور ہے اَور نُطفے والا زمانہ اَور ہے۔

پیدائشِ انسانی کے متعلق عام قرآنی اُصول

پھر عام اصول پیدائش کا قرآن کریم نے یہ بتایا کہ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الۡمُنۡتَهٰى۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضۡحَكَ وَاَبۡكٰى۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحۡيٰى۔ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوۡجَيۡنِ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰى۔ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اِذَا تُمۡنٰى۔ وَ اَنَّ عَلَيۡهِ النَّشۡاَةَ الۡاُخۡرٰى [۱۹] کہ دیکھو تمہاری ابتداء خدا سے ہوئی اور تمہاری انتہاء بھی خدا تک جاتی ہے تمہاری حالت ایسی ہی ہے جیسے قوس کے درمیان وتر ہوتا ہے جس طرح کمان کو خم دیدیا جائے تو اس کے دونوں اطراف آپس میں مل جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر تم اپنی پیدائش کی طرف چلتے چلے جاؤ اور دیکھو کہ تم کس طرح پیدا ہوئے تو تمہیں ایک خدا اِس تمام خَلق کے پیچھے نظر آئے گا۔ اور اگر تم دیکھو کہ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے تو وہاں بھی تمہیں خدا ہی دکھائی دے گا، گویا انسان کی پیدائش بھی خدا تعالیٰ سے شروع ہوتی ہے اور اس کی انتہا بھی خدا تعالیٰ پر ہے اور باریک در باریک ہوتے ہوئے آخر خدا تعالیٰ پر سببِ اُولیٰ ختم ہو جاتا ہے۔

یہ اوپر کی آیات جو مَیں نے پڑھی ہیں ان سے یہ نتائج نکلتے ہیں کہ:-

(۱) انسان مادۂ ازلی نہیں ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھوں سے پیدا کیا گیا ہے۔
(۲) دوسرے یہ کہ انسان کی پیدائش ارتقاء سے ہوئی ہے یہ نہیں ہوا کہ وہ یکدم پیدا ہو گیا۔
(۳) تیسرے یہ کہ انسان، انسان کی حیثیت سے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں کہ بندروں کی کسی قسم سے ترقی کر کے انسان بنا جیسا کہ ڈارون کہتا ہے۔
(۴) چوتھے یہ کہ پہلے وہ جمادی دَور سے گزرا ہے یعنی ایسی حالت سے جو جمادات والی حالت تھی۔
(۵) پانچویں یہ کہ اس کے بعد وہ حیوانی حالت میں آیا جب کہ اس میں زندگی پیدا ہو گئی تھی،

لیکن ابھی اس میں عقل پیدا نہ ہوئی تھی۔ وہ جانوروں کی طرح چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا تھا۔
(۶) اس کے بعد اس میں عقل پیدا ہوئی اور وہ حیوانِ ناطق ہو گیا مگر ابھی چونکہ اس میں کچھ کسر باقی تھی اس لئے پھر
(۷) اُس نے اور زیادہ ترقی کی اور وہ اس حالت سے بڑھ کر متمدّن انسان ہو گیا جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ نے ثُمَّ جَعَلَکُمْ اَزْوَاجًا[۲] میں کیا ہے یعنی انفرادی ترقی کی جگہ نظام اور قانون کی ترقی نے لے لی اور پارٹی سسٹم شروع ہو گیا اور اب بجائے اس کے کہ ہر انسان الگ الگ کام کرتا جیسے بندر اور سؤر اور کُتّے وغیرہ کرتے ہیں۔ انسان نے مل کر کام کرنا شروع کر دیا اور نظام اور قانون کی ترقی شروع ہوئی۔

یہ چار بڑے بڑے دَور ہیں جو قرآن کریم سے معلوم ہوتے ہیں یعنی:-
(۱) جمادی دَور (۲) حیوانی دَور (۳) عقل کا دَور اور (۴) متمدّن انسان کا دَور۔
ان کے درمیان اور بھی کڑیاں ہیں لیکن وہ حذف کر دی گئی ہیں۔

اس تمہید کے بعد مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسانی دَور دراصل وہی کہلا سکتا ہے جب کہ بشر نے عقل حاصل کی۔ جب تک اسے عقل حاصل نہیں تھی وہ ایک حیوان تھا گو خدا کے مدّ نظر یہی تھا کہ وہ اسے ایک باشعور اور متمدّن انسان بنائے مگر بہرحال جب تک اس میں عقل نہیں تھی وہ انسان نہیں کہلا سکتا تھا اُس وقت اس کی ایسی ہی حالت تھی جیسے ماں کے پیٹ میں بچّہ ہوتا ہے۔ اب ماں کے پیٹ میں جب بچّہ ہوتا ہے تو وہ انسانی بچّہ ہی ہوتا ہے کُتّا نہیں ہوتا مگر چونکہ اس میں ابھی بہت کچھ کمزوری ہوتی ہے اس لئے وہ کامل انسان بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح انہیں انسانی شکل تو حاصل تھی مگر انسانیت کے کمالات انہوں نے حاصل نہیں کئے تھے اور نہ ابھی تک ان میں عقل پیدا ہوئی تھی۔ انسان کہلانے کا وہ اُسی وقت مستحق تھا جب کہ اس نے عقل حاصل کی، لیکن اس دَور کو بھی حقیقی معنوں میں دَورِ انسانیت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ انسان کی کامل خصوصیّت عقل نہیں بلکہ نظام اور قانون کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہے اور یہی انسانی پیدائش کا مقصود ہے اسی لئے میں اصطلاحاً عقل والے دَور کو بشری دَورِ اوّل کہوں گا اور نظام والے دَور کو انسانی دَور کہوں گا۔ یعنی پہلے دَور میں وہ صرف بشر تھا اور دوسرے دَور میں بشر و انسان دونوں اُس کے نام تھے۔

آدمؑ سب سے پہلا کامل انسان تھا

اِس وقت تک جو مضمون بیان ہؤا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا عقلی دَور دو حصوں میں

منقسم تھا ایک حصّہ تو وہ تھا کہ اس میں عقل تو تھی مگر انفرادی حیثیت رکھتی تھی تمدّنی حِس نے ترقی نہ کی تھی اور وہ اکیلے اکیلے یا جوڑوں کی صورت میں زندگی بسر کرتا تھا۔ دوسرا دَور وہ آیا جبکہ تمدّنی حِس ترقی کر گئی تھی اور وہ ایک قانون کے تابع ہونے کا اہل ہو گیا یعنی وہ اس بات کے لئے تیار ہو گیا کہ ایک قانون کے ماتحت رہے جب قانون یہ فیصلہ کر دے کہ کسی پر حملہ نہیں کرنا تو ہر ایک کا فرض ہو کہ کسی پر حملہ نہ کرے، جب قانون یہ فیصلہ کر دے کہ فلاں کو یہ سزا ملنی چاہئے تو اس کا فرض ہو کہ وہ اس سزا کو بخوشی برداشت کرے، جب یہ حِس اس میں ترقی کر گئی اور وہ قانون کے تابع ہونے کا اہل ہو گیا تو اُس وقت انسانِ کامل بنا اور قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ جب انسانوں کے اندر یہ مادہ پیدا ہو گیا کہ وہ نظام اور قانون کی پابندی کریں اور انسانی دماغ اپنی تکمیل کو پہنچ گیا تو اُس وقت سب سے پہلا شخص جس کا دماغ نہایت اعلیٰ طور پر مکمل ہؤا اُس کا نام آدمؑ تھا۔ گویا آدم جو خلیفۃ اللہ بنا وہ نہیں جس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اسے مٹی سے گوندھا اور پھر اس میں پھونک مار کر اُسے یکدم چلتا پھرتا انسان بنا دیا بلکہ جب انسانوں میں تمدّنی روح پیدا ہو گئی تو اُس وقت جو شخص سب سے پہلے اس مقام کو پہنچا اور جس کے دماغی قوٰی کی تکمیل سب سے اعلیٰ اور اَرفع طور پر ہوئی اُس کا نام خدا تعالیٰ نے آدم رکھا، مگر جب دیر سے ایک طریق چلا آ رہا ہو اُس میں تبدیلی لوگ آسانی کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتے اسی لئے جب کامل انسانیت کی ابتداء ہوئی ناقص انسانوں کا بقیہ اس کے ساتھ تعاون کرنے سے قاصر تھا کیونکہ گو اُن میں عقل تھی مگر مادۂ تعاون و تمدّن ان میں مکمل نہ تھا۔ پس یقیناً اُس وقت بہت بڑا فساد ہؤا ہوگا جیسے اگر ایک سِدھا ہؤا گھوڑا بے سدھے گھوڑے کے ساتھ جوت دیا جائے تو دونوں مل کر کام نہیں کر سکتے۔ بے سِدھا گھوڑا لاتیں مارے گا، اُچھلے گا، کُودے گا اور وہ کوشش کرے گا کہ نکل کر بھاگ جائے اسی طرح اُس وقت بعض لوگ متمدّن ہو چکے تھے اور بعض کہتے تھے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اکٹھے رہیں اور قانون کی پابندی کریں۔

لفظِ آدم میں حکمت

قرآن کریم نے جو پہلے کامل انسان کا نام آدم رکھا تو اس میں بھی ایک حکمت ہے عربی زبان میں آدم کا لفظ دو مادوں سے نکلا ہے، ایک مادہ اس کا ادیم ہے اور ادیم کے معنے سطح زمین کے ہیں اور دوسرا مادہ اُدمۃٌ ہے اور اُدْمَۃٌ کے معنے گندمی رنگ کے ہیں۔ پس آدم کے معنے سطح زمین پر رہنے والے یا گندمی رنگ والے کے ہیں اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے کیونکہ کھلی ہَوا اور زمین پر رہنے کی وجہ سے دھوپ کے اثر سے

اس کے رنگ پر اثر پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب آدم کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے تمدّن کی بنیاد رکھی تو اُس وقت آدم اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے زمین کی غاروں میں رہنے کے ہمیں سطح زمین کے اوپر رہنا چاہئے اور پندرہ پندرہ بیس بیس گھروں کا ایک گاؤں بنا کر اس میں آباد ہو جانا چاہئے اس سے پہلے تمام انسان غاروں میں رہتے تھے اور چونکہ سطح زمین پر اکیلے اکیلے رہنے میں خطرہ ہوسکتا تھا کہ کوئی شیر یا چیتا حملہ کرے اور انسانوں کو پھاڑ دے اس لئے وہ آسانی کے ساتھ سطح زمین پر رہنے کو برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ تبھی سطح زمین پر رہنا برداشت کر سکتے تھے جب کہ بہت سے آدمی ایک جگہ اکٹھے ہوں اور وہ متحدہ طاقت سے خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں مگر یہ صورت اُسی وقت ہوسکتی تھی جب انسانوں میں اکٹھا رہنے کی عادت ہو اور وہ ایک قانون اور نظام کے پابند ہوں۔ جب تک وہ ایک نظام کے عادی نہ ہوں، اُس وقت تک اکٹھے کس طرح رہ سکتے تھے۔ پس اُس وقت آدم اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم آئندہ غاروں میں نہیں رہیں گے بلکہ کُھلے مکانوں میں رہیں گے اور چونکہ انہوں نے باہر سطح زمین پر رہنے کا فیصلہ کیا اِس لئے ان کا نام آدم ہؤا یعنے سطح زمین پر رہنے والے۔ اور کھلی ہَوا میں رہنے کا یہ لازمی نتیجہ ہؤا کہ ان کا رنگ گندمی ہو گیا۔

پس آدم اس کا نام اس لئے رکھا گیا کہ وہ کھلی زمین میں مکان بنا کر رہنے لگا اور کھلی زمین پر رہنے کے سبب سے اس کا جسم گندمی رنگ کا ہو گیا جیسا کہ سورج کی شُعاعیں پڑنے سے ہو جاتا ہے اور ادیم اور اُدْمَۃٌ جو لفظِ آدم کے مادے ہیں ان دونوں کا مفہوم بھی ایک ہی ہے یعنی کھلی ہوا اور زمین پر رہنے کی وجہ سے اس کے رنگ پر اثر پڑا۔

زمانہ آدم کی تمدّنی حالت

اس آدم کے زمانہ میں لازماً بشری دَورِ اوّل کے زمانہ کے بھی کچھ لوگ تھے جو تمدنی قوانین کی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور لازماً وہ سطحِ زمین پر سہولت سے نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ جو طاقت مجموعی طاقت سے مل سکتی ہے اور جو انسان کو کُھلے میدانوں میں رہنے میں مدد دیتی ہے وہ انہیں حاصل نہ تھی پس وہ غاروں میں رہتے تھے جیسا کہ جانور وغیرہ رہتے ہیں اور چونکہ ان میں تمدّن نہ تھا ان کے لئے کوئی قانون بھی نہ تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں جب یہ فیصلہ کیا گیا کہ لوگ سطح زمین پر رہیں اور غاروں میں رہنا چھوڑ دیں، تو وہ لوگ جو سطح زمین پر نہیں رہنا چاہتے تھے انہوں نے

آپ کی مخالفت کی جیسے افریقہ کے حبشی پہلے ننگے رہا کرتے تھے۔شروع شروع میں جب انگریز آئے ہیں تو انہوں نے کوشش کی کہ حبشیوں کو کپڑے پہنائے جائیں۔چنانچہ انہوں نے شہر کے دروازوں پر آدمی مقرر کر دیئے اور انہیں کپڑے دے کر حکم دیدیا کہ جب کوئی حبشی شہر کے اندر داخل ہونا چاہے تو اُسے کہا جائے کہ وہ ننگا شہر میں داخل نہ ہو بلکہ تہہ بند باندھ کر اندر جائے، چونکہ وہ ہمیشہ ننگے رہتے چلے آئے تھے اور کپڑے پہننے کی انہیں عادت نہ تھی اس لئے وہ بڑے لڑتے اور کہتے کہ ہم سے یہ بے حیائی برداشت نہیں ہوسکتی۔کہ ہم کپڑے پہن کر شہر میں داخل ہوں، ہمارے بھائی بند اور دوست ہمیں دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔مگر انہیں کہا جاتا کہ ننگے جانے کی اجازت نہیں، کپڑے پہن لو اور چلے جاؤ، چنانچہ مجبوراً وہ کپڑے پہنتے مگر جب شہر میں سے گزرتے تو اِدھر اُدھر کنکھیوں سے دیکھتے بھی جاتے کہ کہیں ان کا کوئی دوست انہیں اِس بے حیائی کی حالت میں دیکھ تو نہیں رہا، چنانچہ بڑی مشکل سے وہ شہر میں کچھ وقت گزارتے اور جب شہر سے باہر نکلنے لگتے تو ابھی پچاس ساٹھ قدم کے فاصلہ پر ہی ہوتے تو تہہ بند اُتار کر زور سے پھینک دیتے اور ننگے بھاگتے ہوئے چلے جاتے۔تو جس چیز کی انسان کو عادت نہیں ہوتی اُس سے وہ گھبراتا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی چونکہ ایسے لوگ تھے جو قانون کی پابندی نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے سطح زمین پر رہنا پسند نہ کیا اور وہ بدستور غاروں میں رہتے رہے۔جنس ایک ہی تھی، لیکن اس کا ایک حصہ تو سطح زمین پر آ گیا دوسرا سطح زمین پر نہ آیا اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہؤا کہ جس طرح انسانِ کامل باہر رہنے کی وجہ سے آدم نام پانے کا مستحق بنا اسی طرح انسانِ ناقص غاروں میں رہنے کی وجہ سے ''جن'' نام پانے کا مستحق ہؤا کیونکہ جن کے معنی پوشیدہ رہنے والے کے ہیں۔پس اُس وقت نسلِ انسانی کے دو نام ہو گئے ایک وہ جو آدم کہلاتے تھے اور دوسرے وہ جو جن کہلاتے تھے۔آدم کے ساتھ تعلق رکھنے والے جو لوگ تھے اُنہوں نے میدان میں جھونپڑیاں بنائیں، مکانات بنائے اور مِل جُل کر رہنے لگ گئے۔پس سطح زمین پر رہنے اور سورج کی شعاعوں اور کھلی ہَوا میں رہنے سے گندم گوں ہو جانے کی وجہ سے وہ آدم کہلائے، اسی طرح وہ انسان بھی کہلائے کیونکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے اُنس کرتے اور متمدّن اور مہذّب انسانوں کی طرح زمین پر مِل جُل کر رہتے اور ایک دوسرے سے تعاون کرتے۔اس کے مقابلہ میں دوسرے لوگ جو گو اسی جنس میں سے تھے مگر چونکہ وہ قربانی کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور غاروں میں چھپ کر رہے اس لئے وہ جن کہلاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ

عربی زبان میں بعد میں بھی بڑے آدمی جو اندر چُھپ کر رہتے ہیں انہیں جن کہا جانے لگا کیونکہ ان کی ڈیوڑھیوں پر دربان ہوتے ہیں اور ہر شخص آسانی سے اندر نہیں جا سکتا۔ اسی طرح غیر اقوام کے افراد کو بھی ''جِنّ'' کہا جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں صاف الفاظ میں غیر قوموں کے افراد کے لئے بھی جِنّ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر چونکہ یہ تفصیل کا وقت نہیں ہے اس لئے میں وہ آیات بیان نہیں کر سکتا، ورنہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مَیں نے قرآن کریم سے ایسے قطعی اور یقینی ثبوت نکال لئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں جِنّ کا لفظ انسانوں کے لئے استعمال ہؤا ہے۔ مَیں نے اُن آدمیوں کا بھی پتہ لے لیا ہے جنہیں قرآن کریم میں ''جِنّ'' کہا گیا۔ اُن شہروں کا بھی پتہ لے لیا ہے جن میں وہ جِنّ رہتے تھے اور تاریخی گواہیاں بھی اس امر کے ثبوت کے لئے مہیا کر لی ہیں کہ وہ ''جِنّ'' انسان ہی تھے کوئی غیر مرئی مخلوق نہ تھی۔

اب میں آیاتِ قرآنیہ سے اُن مسائل کے دلائل بیان کرتا ہوں جن کا اِس وقت مَیں نے ذکر کیا ہے۔

آدم پہلا بشر نہیں

میرا پہلا دعویٰ یہ تھا کہ قرآن کریم سے یہ امر ثابت ہے کہ آدم پہلا بشر نہیں یعنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے یکدم پیدا کر دیا ہو اور پھر اس سے نسلِ انسانی کا آغاز ہؤا ہو، بلکہ اس سے پہلے بھی انسان موجود تھے، چنانچہ اس کا ثبوت قرآن کریم سے ملتا ہے اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں آدم کے ذکر میں فرماتا ہے کہ اس نے فرشتوں سے کہا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [۲۱] میں زمین میں ایک شخص کو اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اگر آدم پہلا شخص تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو اسے فرشتوں سے یوں کہنا چاہئے تھا کہ میں زمین میں ایک شخص کو پیدا کرنے والا ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بلکہ یہ کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اَور لوگ پہلے سے زمین میں موجود تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے آدم کو اپنا خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ پس یہ پہلی آیت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق آتی ہے اور یہاں پیدائش کا کوئی ذکر ہی نہیں۔

دوسری آیت جس سے اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت ملتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے بھی آدمی موجود تھے سورہ اعراف کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ [۲۲] یعنی ہم نے بہت سے انسانوں کو پیدا کیا، پھر ان کو مکمل کیا پھر ان کے دماغوں کی تکمیل کی اور انہیں عقل والا انسان بنایا اور پھر ہم نے کہا کہ آدم

کوسجدہ کرو۔ یہ نہیں کہا کہ میں نے آدم کو پیدا کیا اور فرشتوں کو حُکم دیا کہ اسے سجدہ کریں۔ بلکہ یہ فرماتا ہے کہ اے نسلِ انسانی! مَیں نے تم کو پیدا کیا اور صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ صَوَّرْنٰکُمْ میں نے تمہیں ترقی دی، تمہارے دماغی قوٰی کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور جب ہر لحاظ سے تمہاری ترقی مکمل ہوگئی تو مَیں نے ایک آدمی کھڑا کر دیا اور اس کے متعلق حکم دیا کہ اسے سجدہ کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کئی انسان پیدا ہو چکے تھے کیونکہ خَلَقْنٰکُمْ اور صَوَّرْنٰکُمْ پہلے ہوا ہے اور آدم کا واقعہ بعد میں ہوا ہے حالانکہ اگر وہی خیال صحیح ہوتا جو لوگوں میں پایا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ یوں کہتا کہ میں نے پہلے آدم کو پیدا کیا اور فرشتوں کو اُسے سجدہ کرنے کا حُکم دیا۔ پھر میں نے تم کو اس سے پیدا کیا۔ مگر خدا تعالیٰ یہ نہیں فرماتا بلکہ وہ یہ فرماتا ہے کہ میں نے پہلے انسانوں کو پیدا کیا، ان کی صورتوں کی تکمیل کی اور پھر ان میں سے آدم کے متعلق ملائکہ کو حُکم دیا کہ اسے سجدہ کریں۔ پس یہ آیت اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ پہلے کئی انسان پیدا ہو چکے تھے۔

آدم اور ابلیس دونوں نسلِ انسانی میں سے تھے

میرا دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ آدم اور ابلیس درحقیقت نسلِ انسانی میں سے ہی تھے اس بات کا ثبوت بھی قرآن کریم سے ملتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں جہاں اس نے آدم کی پیدائش کا ذکر کیا ہے فرماتا ہے۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ [۲۳] کہ آدم اور اُس کی بیوی دونوں کو شیطان نے ورغلا دیا اور دھوکا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری ناراضگی ہوئی اور ہم نے کہا کہ اِهْبِطُوْا تم اے شیطان کے لوگو اور اے آدم کے ساتھیو! سارے کے سارے یہاں سے چلے جاؤ۔ جمع کا صیغہ ہے جو خدا تعالیٰ نے استعمال کیا۔ اگر اس سے مراد صرف آدم اور حوا ہوتے تو وہ تو دو ہی تھے ان کے لئے جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا جاتا۔ انہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا کہ تم دونوں چلے جاؤ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ فرماتا ہے ساری کی ساری جماعت یہاں سے چلی جائے۔ آدم حوا اور ان کے ساتھیوں کو بھی یہ حُکم دیتا ہے اور ابلیس اور اس کے ساتھیوں کو بھی یہ حُکم دیتا ہے اور سب سے کہتا ہے کہ اس علاقہ سے چلے جاؤ کیونکہ اب تمہاری آپس میں عداوت ہو چکی ہے۔ یہ آیت اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ آدم اور ابلیس دونوں نسلِ انسانی میں سے ہی تھے۔

ایک شُبہ کا ازالہ

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ قرآن کریم میں ایک اور مقام پر اِھْبِطُوْا کی بجائے اِھْبِطَا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر وہاں بھی قرآن کریم نے اس مشکل کو آپ ہی حل کر دیا ہے اللہ تعالیٰ سورۃ طٰہٰ میں فرماتا ہے۔ قَالَ اھْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ [۲۴] کہ ہم نے کہا دونوں یہاں سے چلے جاؤ تم دونوں ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب اگر دونوں سے مراد آدم اور حوّا لئے جائیں تو اس آیت کا مطلب یہ بنتا ہے کہ آدم اور حوّا آپس میں دشمن رہیں گے حالانکہ یہ معنے بالبداہت غلط ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ دونوں سے مراد دونوں گروہ ہیں نہ کہ آدم اور حوّا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِھْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا کہہ کر یہ حکم دیا ہے کہ اے آدم کے گروہ اور اے شیطان کے گروہ! تم دونوں اِس جگہ سے چلے جاؤ۔ اب تم دونوں گروہ آپس میں ہمیشہ دشمن رہو گے، پھر اس بات کا ایک اور ثبوت کہ ان دو سے مراد دو گروہ ہیں نہ کہ آدم اور حوّا یہ بھی ہے کہ اِھْبِطَا کے ساتھ جَمِيْعًا کا لفظ بھی آتا ہے، حالانکہ دو کے لئے عربی زبان میں جَمِيْعًا کبھی نہیں آ سکتا۔ پس چونکہ آدم کے بھی کئی ساتھی تھے اور شیطان کے بھی کئی ساتھی تھے اس لئے دونوں کے لئے اِھْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ اسی طرح جہاں دشمنی کا ذکر ہے وہاں بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ کے الفاظ ہیں اور كُمْ کے لفظ نے بھی جو تین یا تین سے زیادہ کے لئے بولا جاتا ہے بتا دیا ہے کہ جن کو نکلنے کا حُکم دیا ہے وہ ایک جماعت تھی نہ کہ دو شخص۔

پھر اس آیت سے یہ پتہ بھی لگتا ہے کہ آدم کی نسل اور شیطان کی نسل دونوں نے ایک جگہ اکٹھا رہنا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ کہ اے شیطان کے ساتھیو اور اے آدم کے ساتھیو! تم دونوں نے دنیا میں اکٹھا رہنا ہے پس ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ تم دونوں ایک دوسرے کی دشمنی سے بچتے رہنا اور اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر ایک اور بات ان آیات سے نکلتی ہے اور وہ یہ کہ یہ دونوں کوئی الگ الگ جنس نہیں تھے بلکہ ایک ہی جنس میں سے تھے چنانچہ سورۃ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ شیطان کے ساتھیوں اور آدم کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ قُلْنَا اھْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ [۲۵] کہ اے آدم کے ساتھیو! اور اے ابلیس کے ساتھیو تم سب یہاں سے چلے جاؤ، مگر یاد رکھو کہ کبھی کبھی تمہارے پاس میرے نبی بھی آیا کریں گے جو لوگ ان انبیاء کو مان لیں گے وہ ہر قسم کے روحانی خطرات سے

محفوظ رہیں گے مگر وہ لوگ جو ان کو نہیں مانیں گے وہ میری ناراضگی کے مورد ہونگے۔اس آیت سے یہ معلوم ہؤا کہ آدم کی اولاد کبھی شیطان کی ساتھی بن جایا کریگی اور کبھی شیطان کی اولاد آدم کی اولاد بن جایا کریگی کیونکہ اس آیت سے یہ امر مستنبط ہوتا ہے کہ ابلیس اور نسلِ ابلیس کے لئے بھی ایمان لا ناممکن تھا اور جب کہ نسلِ ابلیس کے لئے بھی ایمان لا ناممکن تھا اور یہ بھی امکان تھا کہ کبھی آدم کی اولاد کسی نبی کا انکار کردے تو صاف معلوم ہؤا کہ یہ دونوں نسلیں آپس میں تبادلہ کرتی رہیں گی۔کبھی شیطان کی نسل آدم کی نسل ہو جائے گی اور کبھی آدم کی نسل شیطان کی نسل ہو جائے گی کیونکہ ابلیس اور نسلِ ابلیس کے لئے اس آیت سے ایمان لا ناممکن ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر ان کا ایمان لا ناممکن ہی نہ ہوتا تو ان کی طرف ہدایت کے آنے کے کوئی معنے نہ تھے۔

پھر سورہ اعراف میں اس مضمون کے بعد یہاں تک بیان فرمایا ہے کہ اے آدم کی نسل اور اے ابلیس کی نسل! فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ [۲۶] تم دونوں اسی زمین کے اندر زندہ رہو گے، یہیں مرو گے اور اسی زمین سے تمہارا حشر ہو گا یعنی بنو آدم کے ساتھ ابلیس اور اس کے ساتھی نہ صرف رہیں گے بلکہ بنو آدم کی طرح زمین پر زندگی بسر کریں گے، انہی کی طرح مریں گے اور زمین میں دفن ہونگے اور پھر انہی کی طرح ان کا قبور سے حشر ہو گا پس معلوم ہؤا کہ یہ جِنّ کسی اور جنس کے لوگ نہیں بلکہ نسلاً یہ لوگ وہی ہیں جو بنو آدم ہیں کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ صاف بتا دیا ہے کہ جس طرح آدم کی نسل زمین میں زندہ رہے گی اسی طرح ابلیس اور اس کی نسل زمین میں زندہ رہے گی، جس طرح آدم کی نسل کھائے پئے گی اسی طرح ابلیس کی نسل کھائے پئے گی۔جس طرح آدم کی نسل مرے گی اور زمین میں دفن ہوگی اسی طرح ابلیس کی نسل مرے گی اور زمین میں دفن ہوگی۔اور پھر یہ بھی بتا دیا کہ جب ہمارے انبیاء آئیں گے تو وہ اِن دونوں کو مخاطب کرینگے، پھر جو لوگ انہیں مان لیں گے وہ آدم کی حقیقی اولاد کہلائیں گے اور جو لوگ نہیں مانیں گے وہ ابلیس بن جائیں گے پس معلوم ہؤا کہ آدم کے مقابلہ میں جو لوگ تھے خواہ انہیں ابلیس اور نسلِ ابلیس کہہ لو اور خواہ جن کہہ لو بہر حال جنس کے لحاظ سے وہ بشر ہی تھے۔فرق صرف اخلاق، تمدّن، اور شریعت کا تھا جس کی وجہ سے ان دونوں میں آپس میں امتیاز کر دیا گیا۔

آدم اور جِنّ کی بجائے انہیں مؤمن اور کافر کیوں نہ کہا گیا

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے ان ناموں سے انہیں یاد کیوں کیا؟ کیوں سیدھے سادھے الفاظ میں انہیں کافر اور مؤمن نہیں کہہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے لئے سیدھا سادہ لفظ کافر اور مؤمن ہے اور ان کے لئے سیدھا سادہ لفظ آدم اور ابلیس یا اِنس اور جِنّ تھا۔ آج انسان کا دماغ اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ وہ شریعت کے باریک در باریک مسائل کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے، مگر آدم کے زمانہ میں جو شریعت آئی اس کا تعلق صرف تمدّن اور رہائشِ انسانی کے ساتھ تھا اور اس وقت کے لوگوں کے لئے باریک مسائل کا سمجھنا بالکل ناممکن تھا وہ اگر سمجھ سکتے تھے تو صرف موٹی موٹی باتیں سمجھ سکتے تھے۔ پس کافر و مؤمن کی جگہ جِنّ و اِنس دو نام ان کے رکھے گئے تا کہ اُس وقت کے تمدّن اور بنائے اختلاف کو بھی ظاہر کر دیا جائے اور اس وقت کے لوگوں کی سمجھ میں بھی یہ بات آ جائے۔ آج چونکہ انسانی دماغ بہت ترقی کر چکا ہے اس لئے جب کسی کو مؤمن یا کافر کہا جاتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ ان الفاظ کا کیا مفہوم ہے مگر اُس زمانہ میں اگر انہیں کافر کہا جاتا اور بتایا جاتا کہ تم اس لئے کافر ہو کہ تم آدم کی بات کو نہیں مانتے تو وہ اس بات کو سمجھ ہی نہ سکتے کہ آدم کی بات کو نہ ماننے کی وجہ سے ہم کافر کس طرح ہو گئے۔ پس اُس وقت ان لوگوں کا نام جنہوں نے آدم کو مانا اور تمدّن کی زندگی کو قبول کر لیا اِنس رکھا گیا اور اُن لوگوں کا نام جنہوں نے آدم کی بات کو نہ مانا اور غاروں میں ہی چُھپے رہنے کا فیصلہ کر لیا جِنّ رکھا گیا اور یہ ایسی بات تھی جسے وہ آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ واقعہ میں ان میں سے کچھ لوگ زمین پر رہتے ہیں اور کچھ زمین کے اندر غاروں میں رہتے ہیں۔ پس جب انہیں جِنّ کہا جاتا تو وہ کہتے ٹھیک ہے ہم واقعہ میں غاروں سے نہیں نکلنا چاہتے اور جب دوسروں کو جو سطحِ زمین پر رہتے ہیں اِنس کہا جاتا تو یہ بات بھی ان کی سمجھ میں آ جاتی اور وہ کہتے کہ واقعہ میں وہ سطحِ زمین پر رہتے ہیں اور اس وجہ سے جن نہیں کہلا سکتے۔ پس جس طرح موجودہ زمانہ میں کافر اور مؤمن دو ناموں سے انسانوں کو یاد کیا جاتا ہے اسی طرح اُس زمانہ میں جن و اِنس دو ناموں سے انسانوں کو یاد کیا جاتا تھا کیونکہ اُس زمانہ میں اختلاف کی بنیاد تمدّن تھی۔ پس مؤمن و کافر کی جگہ اِنس و جن دو نام ان کے رکھے گئے تا کہ اُس وقت کے تمدّن اور بنائے اختلاف کو بھی ظاہر کر دیا جائے اور بتایا جائے کہ اِنس وہ تھے جنہوں نے الٰہی حُکم کے مطابق باہمی اُنس اختیار کر کے متمدّن زندگی کی بنیاد رکھی اور جن وہ تھے جنہوں نے اس سے انکار کر کے اطاعت سے باہر رہنے اور تمدّنی زندگی اختیار نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پس وہ جنہوں نے تمدّنی زندگی اختیار کر لی اور سطحِ زمین پر رہنے لگ

گئے وہ اِنس کہلائے اور جنہوں نے سطح زمین پر رہنے اور تمدّنی زندگی اختیار کرنے سے انکار کر دیا اور یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ غاروں میں ہی رہیں گے وہ جن کہلائے۔

آج یورپ کے ماہرینِ آثارِقدیمہ اس بات سے پُھولے نہیں سماتے کہ انہوں نے انیسویں صدی میں ہزار تحقیق وتجسّس کے بعد یہ راز دریافت کرلیا ہے کہ ابتداء میں انسان غاروں میں رہا کرتے تھے مگر ہمارے قرآن نے آج سے تیرہ سَو سال پہلے ایسے لوگوں کا نام جن رکھ کر بتا دیا کہ وہ غاروں میں رہا کرتے تھے۔

آثارِقدیمہ سے قرآنی نظریہ کی تصدیق

آج پُرانے سے پُرانے آثارِقدیمہ کو زمینوں میں سے کھود کھود کر اس بات کا اعلان کیا جارہا ہے کہ ابتدائی انسان غار میں رہا کرتا تھا۔ پھر بعد میں وہ سطح زمین پر رہنے لگا، مگر ہمارے قرآن نے آج سے تیرہ سَو سال پہلے یہ بتا دیا تھا کہ انسان پہلے جنّ بنا اور بعد میں انسان بنا۔ پہلے وہ غاروں میں رہا مگر بعد میں سطح زمین پر آ کر بسا۔ جب تک وہ غاروں میں رہا وہ جنّ نام کا مستحق تھا مگر جب وہ سطح زمین پر آ کر بسا تو وہ آدم اور انسان کہلانے لگ گیا۔

لوگ سر دُھنتے ہیں اُن کتابوں کو پڑھ کر جو آج سے صرف سَو سال پہلے لکھی گئی ہیں اور وہ نہیں دیکھتے اُس کتاب کو جو آج سے تیرہ سَو سال پہلے سے یہ مسئلہ پیش کررہی ہے پس جن کا لفظ تیرہ سَو سال پہلے سے اس ’’کیومین‘‘(Caveman) کی خبر دیتا ہے جسے یورپ نے بارہ سَو سال بعد دریافت کیا ہے۔ ہمارے قرآن نے اس ’’کیومین‘‘ کا ذکر ’’جن‘‘ کے نام سے جس کے قریباً لفظی معنے ’’کیومین‘‘ کے ہی ہیں آج سے صدیوں پہلے کردیا تھا۔ پس وہ جس کا نام لوگوں نے ’’کیومین‘‘ رکھا ہے اُس کا نام قرآن نے ’’جن‘‘ رکھا ہے یعنی غاروں کے اندر چُھپ کر رہنے والا۔ جب اس نے سطح زمین پر رہنا شروع کیا تو اس کا نام آدم ہوًا اور آدم کے لفظی معنے یہی ہیں کہ سطح زمین پر رہنے والا۔

اگر کہا جائے کہ ابلیس تو کہتا ہے کہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ[۲۷] میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور آدم کو پانی ملی ہوئی مٹی سے، تو جب ان کی پیدائش مختلف اشیاء سے ہے تو وہ ایک کس طرح ہو گئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ دونوں ایک جگہ رہیں گے، ایک ہی جگہ مریں گے، ایک ہی زمین میں دفن ہونگے اور دونوں کی طرف خدا تعالیٰ کے انبیاء آئیں گے جن کو قبول کر کے بعض

دفعہ شیطان کی اولاد آدم کی اولاد بن جائے گی اور انکار کر کے آدم کی اولاد شیطان کی اولاد بن جائے گی تو پھر وہی معنے اس آیت کے درست ہونگے جو دوسری آیات کے مطابق ہوں۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ ان معنوں کو ترک کرتے ہوئے جو عام لوگ اس آیت کے سمجھتے ہیں ایک اور معنے بھی بن سکتے ہیں جن سے یہ آیت باقی تمام آیات کے مطابق ہو جاتی ہے اور قرآن کریم کی کسی آیت میں اختلاف نہیں رہتا۔

عربی زبان کا ایک محاورہ

عربی زبان کا ایک محاورہ ہے جو قرآن کریم میں بھی استعمال ہؤا ہے کہ خُلِقَ مِنۡهُ اِس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ فلاں شخص فلاں مادہ سے بنا ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہوتا ہے کہ یہ امر اُس کی طبیعت میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ محاورہ سورہ انبیاء میں استعمال ہؤا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ سَاُورِيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ [۲۸] کہ انسان جلدی سے پیدا کیا گیا۔ اب جلدی کوئی مادہ نہیں ہے جسے کُوٹ کُوٹ کر اللہ تعالیٰ نے انسان بنا دیا ہو، بلکہ یہ ایک محاورہ ہے جو استعمال ہؤا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان بہت جلد باز ہے اور اس کی فطرت میں جلد بازی کا مادہ رکھا گیا ہے۔ جب پیشگوئیاں ہوتی ہیں تو کئی لوگ اس گھبراہٹ میں کہ نہ معلوم یہ پیشگوئیاں پوری ہوں یا نہ ہوں، مخالفت کرنے لگ جاتے ہیں اور کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ جھوٹا ہے یہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی امر کا اس جگہ ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے سَاُورِيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ تم ہمارے انبیاء کی پیشگوئیاں سنتے ہی اُسے جھوٹا جھوٹا کیوں کہنے لگ جاتے ہو؟ تم جلدی مت کرو ہماری پیشگوئیاں بہرحال پوری ہو کر رہیں گی۔ اسی طرح قرآن کریم میں ایک اور جگہ بھی یہ محاورہ استعمال کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضُعۡفًا وَّشَيۡبَةً [۲۹] کہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ضُعف سے پیدا کیا۔ اب بتاؤ کہ کیا ضُعف کوئی مادہ ہے؟ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں کمزوری ہوتی ہے چنانچہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے فطری طور پر سخت کمزور ہوتا ہے۔ پھر ہم بچے کو جوان بنا کر اس کے قویٰ کو مضبوط کرتے ہیں، پھر اور بڑھا کر اُسے بُڈھا کر دیتے ہیں پس یہاں خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ سے مراد بچے کے قویٰ کی کمزوری اور اس کی دماغی طاقتوں کا ضُعف ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی طبیعت میں کمزوری ہوتی ہے نہ یہ کہ کمزوری کوئی مادہ ہے جس سے وہ پیدا ہوتا ہے۔ ان دونوں آیتوں

سے خُلِقَ مِنۡہُ کے معنے بالکل واضح ہو جاتے ہیں اور انہی معنوں میں ابلیس اللہ تعالیٰ کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ۔[۳۴] اے اللہ! تُو نے میری طبیعت میں تو آگ کا مادہ رکھا ہے اور اُس میں طین کا۔ یعنی تُو نے میری طبیعت تو ناری بنائی ہے اور آدم کی طینی، یہ تو غلام فطرت ہے اور یہ تو ممکن ہے دوسرے کی بات مان لے لیکن مَیں جو ناری طبیعت رکھتا ہوں دوسرے کی غلامی کس طرح کرسکتا ہوں۔ اَنَاخَیۡرٌ مِّنۡہُ کا مطلب یہ ہے میں تو حُر ہوں دوسرے کی غلامی نہیں کرسکتا یہی اَنَاخَیۡرٌ مِّنۡہُ کا دعویٰ ہے جو آجکل انارکسٹ وغیرہ کرتے رہتے اور کہتے ہیں ہم سے دوسرے کی غلامی برداشت نہیں ہوسکتی ہم تو بغاوت کریں گے اور دوسرے کی غلامی کو کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ دنیا پر نگاہ دوڑا کر دیکھ لو آج بھی تمام دنیا میں اَنَاخَیۡرٌ مِّنۡہُ کے نعرے لگ رہے ہیں۔ انہی معنوں میں ابلیس اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے اللہ! تُو نے مجھے ناری طبیعت بنایا ہے اور آدم کی طبیعت طینی ہے۔ مجھے تو کوئی بات کہے تو آگ لگ جاتی ہے۔ میں تو آدم کی طرح دوسرے کی بات کبھی مان نہیں سکتا۔

اُردو میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے کہتے ہیں فلاں شخص تو آگ ہے۔ اب اس کے یہ معنے تو نہیں ہوتے کہ اس کے اندر کوئی دِیا جل رہا ہوتا ہے یا آگ کے شُعلے اس کے منہ سے نکل رہے ہوتے ہیں؟ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کی بات مان نہیں سکتا۔ اسے کوئی نصیحت کی جائے تو آگ لگ جاتی ہے۔ انگریزی میں بھی کہتے ہیں کہ فلاں شخص ''فائر برینڈ'' (FIREBRAND) ہے مطلب یہ کہ وہ شرارتی آدمی ہے حالانکہ اس کے لفظی معنے یہ ہیں کہ جو چیز جل رہی ہو۔ مگر مفہوم یہ ہے کہ فلاں شخص ایسا شرارتی ہے کہ ہر جگہ آگ لگا دیتا ہے۔ یہی معنے اس آیت کے بھی ہیں اور ابلیس کہتا ہے کہ خدایا میری طبیعت اطاعت کو برداشت نہیں کرسکتی۔ دنیا میں بھی روزانہ ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایک شخص کی دوسرے سے لڑائی ہو جاتی ہے تو بعض لوگ چاہتے ہیں ان کی آپس میں صلح ہو جائے۔ اب ایک شخص تو صلح کے لئے تیار ہوتا ہے مگر دوسرے کو جب صلح کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے میں اس سے صلح کرنا کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں تو ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتا۔ وہ ناری طبیعت ہوتا ہے اور اسی طبیعت کے اقتضاء کے ماتحت اس قسم کے الفاظ اپنی زبان پر لاتا ہے لیکن دوسرا جس کی طینی طبیعت ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ میں تو ہر وقت صلح کے لئے تیار ہوں۔ گویا جس طرح گیلی مٹی کو جس سانچے میں چاہو ڈھال لو اسی طرح اس سے جو کام چاہو لے سکتے ہو تو خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ کے یہ معنے ہیں کہ میں کسی کی بات

ماننے کے لئے تیار نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسانی نسل ترقی کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچی کہ اس میں مادۂ تعاون وتمدّن پیدا ہو گیا اور اس میں یہ طاقت پیدا ہو گئی کہ وہ دوسرے کی اطاعت کا جؤا اپنی گردن پر اُٹھائے تو خدا تعالیٰ نے ان میں سے ایک بہترین آدمی کا انتخاب کر کے اس پر اپنا الہام نازل کیا اور اُسے کہا کہ اب نظام اور تمدّن کی ترقی ہونی چاہئے اور انسانوں کو غاروں میں سے نکل کر سطح زمین پر مِل جُل کر رہنا چاہئے۔

آدم کی مخالفت

جس وقت آدم کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا ہو گا کہ غاروں کو چھوڑ و اور باہر نکلو تو ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اُس وقت کس قدر عظیم الشان شور برپا ہؤا ہو گا۔ لوگ کہتے ہیں یہ پاگل ہو گیا ہے، سٹھیا گیا ہے، اس کی عقل جاتی رہی ہے یہ ہمیں غاروں سے نکال کر سطح زمین پر بسانا چاہتا ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ ہمیں شیر کھا جائیں، چیتے پھاڑ جائیں اور ہم اپنی زندگی کو تباہ کر لیں اور اپنے جیسے دوسرے آدمیوں کے غلام بن کر رہیں۔ مگر بہرحال کچھ لوگ آدم کے ساتھ ہو گئے اور کچھ مخالف رہے۔ جو آدم کے ساتھ ہو گئے وہ طینی طبیعت کے تھے اور جنہوں نے مخالفت کی وہ ناری طبیعت کے تھے۔ طین کے معنے ہیں جو دوسری شَے کے نقش کو قبول کر لے۔ پس آدم کی طبیعت طین والی ہو گئی تھی یعنی وہ نظام کے ماتحت دوسرے کی بات مان سکتا تھا جو فریق اس اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے تیار نہ تھا اس نے اس کی فرمانبرداری سے انکار کیا اور کہا کہ ہم اعلیٰ ہیں ہم ایسی غلطی نہیں کر سکتے، یہ تو غلامی کی ایک راہ نکالتا ہے۔ یہ وہی جھگڑا ہے جو آج تک چلا آ رہا ہے۔

موجودہ زمانہ کے ناری طبیعت انسان

آج دنیا متمدّن ہے، آج دنیا مہذّب ہے، آج دنیا مِل جُل کر رہتی ہے مگر آج بھی ناری طبیعت کے لوگ پائے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم دوسرے کی کیوں اطاعت کریں۔ یہی ناری طبیعت والے پیغامی تھے جو حضرت خلیفہ اوّل کی ہمیشہ مخالفت کرتے رہے اور یہی ناری طبیعت والے پیغامی تھے جنہوں نے کہا کہ ہم ایک بچہ کی بیعت نہیں کر سکتے۔ کل کا بچہ ہو اور ہم پر حکومت کرے یہ ہم سے کبھی برداشت نہیں ہو سکتا۔ وہ جنہوں نے مخالفت کی وہ ناری طبیعت کے تھے مگر آپ لوگ طینی طبیعت کے تھے۔ آپ نے کہا ہم آدم کے زمانہ سے خدا تعالیٰ کے حُکم کے ماتحت دوسروں کی اطاعت کرتے چلے آئے ہیں اب خلیفۂ وقت کی اطاعت سے کیوں منہ موڑیں۔ مصری صاحب نے بھی اسی ناری طبیعت کی وجہ سے میری مخالفت کی اور انہوں نے کہا کہ میں

موجودہ خلیفہ کی اطاعت نہیں کرسکتا اسے معزول کر دینا چاہئے تو آج تک یہ دونوں فطرتیں چل رہی ہیں۔ ناری مزاج والے ہمیشہ نظام سے بغاوت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حُر کہتے ہیں مگر طینی مزاج والے نظام کے ماتحت چلتے اور اپنے آپ کو کامل انسان کہتے ہیں دونوں اصولوں کا جھگڑا آج تک چلا جا رہا ہے، حالانکہ دونوں اسی زمین میں رہتے، اسی میں مرتے اور اسی میں دفن ہوتے ہیں اور دونوں ہی کی طرف نبی آتے اور ان سے خطاب کرتے ہیں مگر قاعدہ ہے کہ پہلے تو انبیاء کی تعلیم کی مخالفت کی جاتی ہے لیکن آہستہ آہستہ جب وہ تعلیم دنیا کی اور تعلیموں پر غالب آ جاتی ہے تو مُنکر بھی اسے قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب ایک خدا کی تعلیم دینی شروع کی تو عیسائی اس تعلیم پر بڑا ہنستے اور کہتے کہ ایک خدا کس طرح ہو گیا؟ زرتشتی بھی ہنستے، مشرکینِ مکہ بھی ہنستے، مگر آہستہ آہستہ جب اس تعلیم نے دلوں پر قبضہ جمانا شروع کیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ آج کوئی قوم بھی نہیں جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی قائل نہ ہو۔ حتّٰی کہ عیسائی بھی تثلیث کا عقیدہ رکھنے کے باوجود اس بات کے قائل ہیں کہ خدا ایک ہی ہے تو طینی اور ناری مزاج والوں کا جھگڑا آج تک چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ سے یہ نظر آتا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نئی تعلیم آتی ہے تو کچھ لوگ فرمانبرداری کرتے ہیں اور کچھ غصّہ سے آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور وہ مخالفت کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ آگ کا محاورہ بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک چچا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ[۳۱] کہ آگ کے شُعلوں کا باپ ہلاک ہو گیا۔ اب خدا نے اس کا نام ہی آگ کے شعلوں کا باپ رکھ دیا مگر اس کے یہ معنے تو نہیں کہ اس سے آگ نکلتی تھی، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ شیطانی قسم کے لوگوں کا سردار تھا (بعض مُفسّر اس نام کو کُنیت بھی قرار دیتے ہیں اور بعض سفید رنگ کی طرف اشارہ مراد لیتے ہیں) پس خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ یا مَارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ[۳۲] وغیرہ الفاظ سے اشارہ انسان کی اس حالت کی طرف ہے جب کہ وہ ابھی متمدّن نہیں ہوا تھا اور شریعت کا حامل نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت آدم کے متعلق ایک اور زبردست انکشاف

ایک اور زبردست انکشاف قرآن کریم آدمِ انسانیت کی نسبت یہ کرتا ہے کہ جنت میں لائے جانے سے پہلے ہی اُس کے پاس اُس کی بیوی تھی، چنانچہ قرآن کریم میں آدم کی بیوی کی پیدائش کا کوئی ذکر ہی نہیں، بلکہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ بیوی

عام طریق پر اس کے ساتھ تھی جیسے مرد و عورت ہوتے ہیں۔ چنانچہ:-

(۱) سورہ بقرہ میں جہاں آدم اور اس کی بیوی کا ذکر آتا ہے وہاں آدم کی بیوی پیدا کرنے کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ محض یہ حکم ہے یٰآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ [۳۳] اے آدم! جا تُو اور تیری بیوی تم دونوں جنت میں رہو۔ یہ نہیں کہا کہ آدم اکیلا تھا اور اُس کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا بلکہ آیت کا جو اسلوبِ بیان ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی پہلے سے موجود تھے۔ اُنہیں صرف یہ حُکم دیدیا گیا کہ تم فلاں جگہ رہو۔

(۲) سورہ اعراف میں بھی صرف یہ ذکر ہے کہ یٰآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ [۳۴]

(۳) تیسری جگہ جہاں آدم کی بیوی کا ذکر ہے وہ سورۃ طٰہٰ ہے مگر اس میں بھی صرف یہ ذکر ہے کہ یٰآدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّلَّکَ وَلِزَوْجِکَ [۳۵] یہ ذکر نہیں کہ آدم کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کو بھی پیدا کیا ہو۔

ان تینوں جگہوں میں جہاں آدم کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے اس کی بیوی کا ذکر محض ایک عام بات کے طور پر کیا گیا ہے حالانکہ اگر آدم اکیلا ہوتا اور حوّا کو اُس کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہوتا تو اس کی بیوی کا ذکر خاص اہمیت رکھتا تھا اور یہ بتایا جانا چاہئے تھا کہ آدم کی ایک پسلی نکال کر اسے عورت بنا دیا گیا بیشک ایک حدیث میں ایسا ذکر آتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے مگر اس کا مطلب میرے کسی مضمون میں آگے چل کر بیان ہوگا ہاں سورۃ نساء رکوع ۱، سورۃ اعراف رکوع ۲۴، سورۃ الزمر رکوع ۱ میں ایک بیوی کی پیدائش کا ذکر ہے ایک جگہ لکھا ہے وَخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا اور دوجگہ لکھا ہے وَجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا اور ان الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے مگر ان تینوں جگہ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کے الفاظ آتے ہیں آدم کا نام نہیں ہے کہ یہ شبہ کیا جا سکے کہ اِن آیات میں آدم اور حوا کی پیدائش کا ذکر ہے چنانچہ ان میں سے ایک حوالہ سورہ نساء کا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ۔ یٰآَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا [۳۶] کہ اے انسانو! اپنے اس رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا ان الفاظ میں آدم اور اس کی بیوی کا کوئی ذکر ہی نہیں صرف خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کے الفاظ آتے ہیں مگر ان کا مفہوم بھی جیسا کہ مَیں آگے چل کر بتاؤں گا اور ہے، بہرحال آدم اور حوّا کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ یہی حال سورہ اعراف اور سورہ زمر کی آیات کا ہے ان میں بھی خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کے

الفاظ ہیں۔آدم کے الفاظ نہیں، مگر ان تینوں آیات میں سے جو ہم معنی ہیں سورۃ اعراف کا حوالہ اس بات کو وضاحت سے ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد عام انسان ہیں نہ کہ آدم، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِیْفاً فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحاً لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ۔فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحاً جَعَلَا لَهٗ شُرَکَآءَ فِیْمَا اٰتٰهُمَا فَتَعَالَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ [۳۲] فرماتا ہے۔وہ خدا ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کی بیوی کو پیدا کیا تا کہ اُس سے تعلق رکھ کر وہ اطمینان اور سکون حاصل کرے، جب اُس نفسِ واحد نے اپنی بیوی سے صحبت کی تو اُسے ہلکا سا حمل ہوگیا مگر جب اس کا پیٹ بھاری ہوگیا اور دونوں کو معلوم ہوگیا کہ حمل قرار پکڑ گیا ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی الٰہی! اگر تو نے ہمیں تندرست اور خوبصورت بچہ عطا کیا تو ہم تیرے ہمیشہ شکر گزار رہیں گے مگر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اچھا اور تندرست بچہ دیدیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا بعض اور لوگوں کو شریک بنالیا اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور تر چلے گئے۔

اب بتاؤ کیا ان الفاظ میں آدم اور حوا کا ذکر ہے یا عام انسانوں کا۔کیا آدم اور حوا نے پہلے یہ دعا کی تھی کہ ہمیں ایک صالح لڑکا عطا فرمانا اور جب وہ پیدا ہوگیا تو انہوں نے مشرکانہ خیالات کا اظہار کیا اور وہ بعض ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینے لگ گئے؟ انہوں نے ہرگز ایسا نہیں کیا اور آدم جو اللہ تعالیٰ کے نبی تھے ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔پس صاف پتہ لگتا ہے کہ یہاں آدم کا ذکر نہیں بلکہ آدمی کا ذکر ہے اور انسانوں کے متعلق ایک قاعدہ کا ذکر ہے کسی خاص آدمی کا بھی ذکر نہیں اور چونکہ سب آیات کے الفاظ ایک سے ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ سب جگہ ایک ہی معنے ہیں۔

نفسِ واحدہ سے پیدائش کی حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ سے مراد صرف یہ ہے کہ ایک ایک انسان سے قبائل و خاندان چلتے ہیں اور بیوی اسی میں سے ہونے کے معنے اسی کی جنس میں سے ہونے کے ہیں اور بتایا ہے کہ ایک ایک آدمی سے بعض دفعہ خاندان کے خاندان چلتے ہیں اگر ماں باپ مُشرک ہوں تو قبیلے کے قبیلے گندے ہوجاتے ہیں اور اگر وہ نیک ہوں تو نسلاً بعد نسلٍ ان کے خاندان میں نیکی چلتی جاتی ہے۔پس هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ

مِنْهَا زَوْجَهَا اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اے مردو! جب تم شادی کرو تو احتیاط سے کام کیا کرو، اور جب میاں بیوی آپس میں ملیں تو اُس وقت بھی وہ احتیاط سے کام لیا کریں، اگر وہ خود مُشرک اور بدکار ہونگے تو نسلوں کی نسلیں شرک اور بدکاری میں گرفتار ہو جائیں گی اور اگر وہ خود موحّد اور نیکی وتقویٰ میں زندگی بسر کرنے والے ہونگے تو نسلوں کی نسلیں نیک اور پارسا بن جائیں گی۔

اِن معنوں کے بعد اگر آدم پر بھی ان آیات کو چسپاں کیا جائے تو بھی یہی معنے ہونگے کہ آدم کی بیوی اسی کی جنس میں سے تھی۔یعنی طینی طبیعت کی تھی ناری طبیعت کی نہ تھی اور ممکن ہے اس صورت میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ آدم کو حکم تھا کہ صرف مؤمنوں سے شادی کریں غیروں سے نہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ آدم کے وقت میں اَور مرد وعورت بھی تھے اور آدم کی بیوی انہی میں سے تھی یعنی وہ آدم کی ہم مذہب تھی تو وہ سوال کہ آدم کی اولاد شادیاں کس طرح کرتی ہوگی آپ ہی آپ دُور ہو گیا۔ جب مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں تو شادیوں کی دِقّت نہیں ہو سکتی تھی، ہاں اگر اس سے پہلے کا سوال ہو تو آدم سے پہلے بشر تو شریعت کے تابع ہی نہ تھے، نہ وہ شادی کے پابند تھے نہ کسی اور امر کے۔ کیونکہ وہ تو نظام سے آزاد تھے اور جب وہ نظام سے آزاد تھے تو ان کے متعلق کوئی بحث کرنی فضول ہے۔ بحث تو صرف اس شخص کے متعلق ہو سکتی ہے جو شریعت کا حامل ہو اور عقلِ مُدنی اس میں پیدا ہو چکی ہو اور ایسا پہلا وجود ابوالبشر آدم کا تھا اور ان کے بعد ان کے اَتباع کا وجود تھا ان کے لئے اخلاق وشریعت کی پابندی لازمی تھی۔ ان سے پہلے انسان نیم حیوان تھا اور ہر اعتراض سے بالا اور ہر شریعت سے آزاد۔

عورت کے پسلی سے پیدا ہونے کا مفہوم

اب میں اُس حدیث کو لیتا ہوں جس میں یہ ذکر آتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ حدیث کے اصل الفاظ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہیں یہ ہیں کہ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ[۸۳] یہ الفاظ نہیں ہیں کہ خُلِقَتْ حَوّاء مِنْ ضِلْعٍ جس طرح قرآن کریم کی اُن آیات میں جن میں خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کے الفاظ آتے ہیں ہر عورت کا ذکر ہے حوّا کا ذکر نہیں۔ اسی طرح حدیث میں بھی حوا کا کہیں نام نہیں بلکہ تمام عورتوں کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں کہ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ اگر یہ الفاظ ہوتے کہ خُلِقَتْ زَوْجَةُ اٰدَمَ مِنْ ضِلْعٍ تب تو یہ کہا جا سکتا کہ حوّا جو آدم کی بیوی تھیں وہ پسلی سے پیدا ہوئیں مگر جب کسی حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ

نہیں آتے بلکہ تمام عورتوں کے متعلق یہ ذکر آتا ہے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئیں تو محض حوّا کو پسلی سے پیدا شُدہ قرار دینا اور باقی عورتوں کے متعلق تاویل سے کام لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ اَلنِّسَاءُ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ[۳۹] کہ ساری عورتیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔ پس جس طرح قرآنی آیات میں تمام عورتوں کا ذکر ہے۔اسی طرح احادیث میں بھی تمام عورتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ، اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ پسلی سے پیدا ہونے کے کیا معنے ہیں؟ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی عورت پسلی سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ جس طرح مرد پیدا ہوتے ہیں اسی طرح عورتیں پیدا ہوتی ہیں پس جب کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح پیدا ہوتی ہیں،تو سوال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ عورتیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں،سو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ بھی اسی محاورہ کے مطابق ہے جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اور اس محاورہ سے صرف یہ مراد لی جاتی ہے کہ یہ امر فلاں شخص کی طبیعت میں داخل ہے پس خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ سے صرف یہ مراد ہے کہ عورت کو کسی قدر مرد سے رقابت ہوتی ہے اور وہ اس کے مخالف چلنے کی طبعاً خواہشمند ہوتی ہے، چنانچہ علمائے احادیث نے بھی یہ معنے کئے ہیں اور مجمع البحار جلد دوم میں جو لغتِ حدیث کی نہایت مشہور کتاب ہے ضِلْعٍ کے نیچے لکھا ہے۔ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ اِسْتِعَارَۃٌ لِلْمُعَوَّجِ اَیْ خُلِقْنَ خَلْقاً فِیْھَا اَلْاِعْوِجَاجُ...... خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ[۴۰] ایک محاورہ ہے جو کجی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کی طبیعت میں ایک قسم کی کجی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ عورتوں میں بے ایمانی ہوتی ہے بلکہ یہ ہے کہ عورت کو خاوند کی بات سے کسی قدر ضرور رقابت ہوتی ہے۔مرد کہے یوں کرنا چاہئے تو وہ کہے گی یوں نہیں اسی طرح ہونا چاہئے اور خاوند کی بات پر ضرور اعتراض کرے گی اور جب وہ کوئی بات مانے گی بھی تو تھوڑی سی بحث کرکے اور یہ اس کی ایک ناز کی حالت ہوتی ہے اور اس میں وہ اپنی حکومت کا راز مستور پاتی ہے۔

تمدّنی ترقی کا ایک عظیم الشان گُر

غرض خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ کے یہی معنے ہیں کہ عورت مرد پر اعتراض ضرور کرتی رہے گی، ان میں محبت بھی ہوگی ، پیار بھی ہوگا ،تعاون بھی ہوگا ،قربانی کی روح بھی ہوگی ،مگر روزمرہ کی زندگی میں ان میں آپس میں نوک جھوک ضرور ہوتی رہے گی اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو اگر سیدھا کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی ،یعنی اگر تم

چاہو کہ وہ تمہاری بات کی تردید نہ کرے تو اُس کا دل ٹوٹ جائیگا، اُسے اعتراض کرنے دیا کرو کیونکہ عورت کی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اگر تم بالکل ہی اُس کی زبان بندی کر دو گے تو وہ جانور بن جائے گی اور عقل اور فکر کا مادہ اُس میں سے نکل جائے گا۔ یہ تمدّن کا ایک عظیم الشان نکتہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیان فرمایا۔ آپؐ کا اپنا عمل بھی اس کے مطابق تھا، چنانچہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی بیویوں سے کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے باہر چلے گئے اور آپؐ نے باہر ہی رہائش اختیار کر لی۔ حضرت عمرؓ کی لڑکی چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیاہی ہوئی تھیں اس لئے انہیں بھی یہ اطلاع پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ کا طریق یہ تھا کہ آپ مدینہ میں نہیں رہتے تھے بلکہ مدینہ کے پاس ایک گاؤں تھا وہاں آپ رہتے اور تجارت وغیرہ کرتے رہتے، اُنہوں نے ایک انصاری سے بھائی چارہ ڈالا ہؤا تھا اور آپس میں انہوں نے یہ طے کیا ہؤا تھا کہ وہ انصاری مدینہ میں آجاتا اور مدینہ کی اہم خبریں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں سُن کر حضرت عمرؓ کو جا کر سُنا دیتا اور کبھی حضرت عمرؓ مدینہ آجاتے اور وہ انصاری پیچھے رہتا اور آپ اُس کو باتیں بتا دیتے، غرض جو بھی آتا وہ تمام باتیں معلوم کر کے جاتا اور دوسرے کو بتاتا کہ آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ الہام ہؤا ہے۔ آج آپ نے مسلمانوں کو یہ وعظ فرمایا ہے غرض اس طرح ان کی دینی تعلیم بھی مکمل ہو جاتی اور ان کی تجارت بھی چلتی رہتی۔ ایک دن وہ انصاری مدینہ میں آیا ہؤا تھا اور حضرت عمرؓ پیچھے تھے کہ عشاء کے قریب اُس انصاری نے واپس جا کر زور سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا اور کہا کہ ابن خطاب ہے؟ ابن خطاب ہے؟ حضرت عمرؓ کہتے ہیں، میں نے جب اُس کی گھبرائی ہوئی آواز سُنی اور اُس نے زور سے میرا نام لے کر دروازہ کھٹکھٹایا تو میں نے سمجھا کہ مدینہ میں ضرور کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ اُن دنوں یہ افواہ زوروں پر تھی کہ ایک عیسائی بادشاہ مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں مَیں نے سمجھا اس بادشاہ نے حملہ کر دیا ہے چنانچہ میں فوراً اپنا کپڑا سنبھالتا ہؤا باہر نکلا اور میں نے اُس سے پوچھا کیا ہؤا؟ وہ کہنے لگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی بیویوں کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں مَیں گھبرا کر مدینہ کی طرف چل دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور آپؐ سے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپؐ اپنے گھر سے باہر آگئے ہیں آپؐ نے فرمایا ہاں۔ مَیں نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! لوگ کہتے ہیں آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں میں نے کسی کو طلاق نہیں دی۔ مَیں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ پھر مَیں نے

عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپؐ کو میں ایک بات سناؤں؟ آپ نے فرمایا ہاں سناؤ، مَیں نے کہا، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم لوگ مکہ میں اپنے سامنے عورت کو بات نہیں کرنے دیتے تھے، لیکن جب سے میری بیوی مدینہ میں آئی ہے وہ بات بات میں مجھے مشورہ دینے لگ گئی ہے ایک دفعہ میں نے اُسے ڈانٹا کہ یہ کیا حرکت ہے اگر پھر کبھی تُو نے ایسی حرکت کی تو میں تجھے سیدھا کردونگا تو وہ مجھے کہنے لگی، تُو بڑا آدمی بنا پھرتا ہے مَیں نے تو دیکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیویاں آپ کو مشورہ دے لیتی ہیں، پھر کیا تُو ان سے بھی بڑا ہے کہ مجھے بولنے نہیں دیتا اور ڈانٹتا ہے۔ مَیں نے کہا ہیں! ایسا ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگی ہاں واقعہ میں ایسا ہوتا ہے۔ میں نے کہا تب میری بیٹی کی خیر نہیں۔ یہ بات سُن کر مَیں اپنی بیٹی کے پاس گیا اور اُسے کہا دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کوئی بات نہیں کرنی۔ اگر تُو نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ سوال جواب کیا تو وہ کسی دن تجھے طلاق دیدیں گے۔ حضرت عائشہ پاس ہی تھیں وہ میری بات سن کر بولیں تو کون ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر کے معاملات میں دخل دینے والا، چلو یہاں سے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ بات سُن کر ہنس پڑے اور آپ کا غصہ جاتا رہا[۴۲] اور حضرت عمرؓ کی بھی اس واقعہ کے سنانے سے یہی غرض تھی کہ کسی طرح آپ ہنس پڑیں اور آپ کی ناراضگی جاتی رہے۔

تو بعض قوموں میں یہ رواج ہے کہ وہ سمجھتی ہیں عورت کا یہ حق نہیں کہ وہ مرد کے مقابلہ میں بولے مگر عورت ہے کہ وہ بولے بغیر رہ نہیں سکتی۔ اسے کوئی بات کہو وہ اس میں اپنا مشورہ ضرور پیش کردے گی کہ یوں نہیں یوں کرنا چاہئے، پھر خواہ تھوڑی دیر کے بعد وہ مرد کی بات ہی مان لے مگر اپنا پہلو کچھ نہ کچھ اونچا ہی رکھنا چاہتی ہے اور مرد کے مشورہ پر اپنی طرف سے پالش ضرور کرنا چاہتی ہے۔

عورتوں کے حقوق

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی لئے لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ تم عورت کی روح کو کُچلنے کی کوشش نہ کیا کرو۔ اس کے اندر یہ ایک فطرتی مادہ ہے کہ وہ مرد سے کسی قدر رقابت رکھتی اور طبعًا ایک حد تک اس کے مخالف رائے دینے کی خواہشمند ہوتی ہے پس اگر اس کی بحث غلط بھی معلوم ہؤا کرے تو اس کی برداشت کیا کرو کیونکہ اگر تم اسے چُپ کرادو گے تو یہ اس کی فطرت پر گراں گزرے گا اور وہ بیمار ہوجائے گی۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی مگر لوگوں نے اس حدیث کے یہ معنی کرلئے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔

پہلے دَورِ انسانی کا نظامِ قانون

قرآنی آثارِ قدیمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام والی ابتدائی حکومت کا قانون کیا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ پہلا دَورِ انسانی صرف تمدنی ترقی تک محدود تھا۔ اس طرح کہ:-

(۱)۔ لوگوں میں خدا تعالیٰ کا اجمالی ایمان پیدا ہو گیا تھا اور انسان کو الہام ہونا شروع ہو گیا تھا جیسا کہ قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ وغیرہ الفاظ سے ظاہر ہے۔

(۲)۔ انسانوں میں عائلی زندگی پیدا کرنے کا حُکم دیا گیا تھا وہ زندگی جو قبیلوں والی زندگی ہوتی ہے اور انہیں کہا گیا تھا کہ ایک مقام پر رہو اور اکٹھے رہو چنانچہ یہ امر اُسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

(۳)۔ آدم پر اور لوگ بھی ایمان لائے اور ایک جماعت تیار ہوگئی تھی جو نظام کے مطابق رہنے کے لئے تیار تھی۔ اِس کا ثبوت سورۃ طٰہٰ کی آیت قَالَا اھْبِطَا مِنْھَا جَمِیْعًا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ہے جَمِیْعًا کا لفظ بتاتا ہے کہ اس سے مراد دونوں گروہ ہیں نہ کہ آدم اور اس کی بیوی اور بَعْضُکُمْ کا لفظ بتاتا ہے کہ وہ ایک جماعت تھی۔

(۴)۔ اَلْجَنَّۃَ اور کُلَا مِنْھَا رَغَدًا کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کی معظم غذا پھل وغیرہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک سبزیوں، ترکاریوں کے اُگائے جانے کا کام ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں میوہ دار درختوں کے جُھنڈ پیدا کر دیئے اور انہیں حُکم دیا کہ تم وہاں جا کر رہو۔ شاید بعض لوگ کہیں کہ اتنے بڑے جُھنڈ کہاں ہو سکتے ہیں جس پر سینکڑوں لوگ گزارہ کر سکیں؟ سو ایسے لوگ اگر جنوبی ہند کے بعض علاقے دیکھیں تو اُن پر الْجَنَّۃَ کے لفظ کی حقیقت واضح ہو جائے۔ وہاں بعض بیس بیس مِیل تک شریفے کے درخت چلے جاتے ہیں اور وہاں کے لوگ جن دنوں شریفہ پکتا ہے روٹی کھانی بِالکل چھوڑ دیتے ہیں اور صبح شام شریفے ہی کھاتے رہتے ہیں۔ اب تو گورنمنٹ انہیں نیلام کر دیتی ہے پہلے حکومت بھی ان کو نیلام نہ کیا کرتی تھی اور لوگ مُفت پھل کھاتے تھے۔ اِسی طرح افریقہ میں آموں کے جنگل پائے جاتے ہیں، کیلے بھی بڑی کثرت سے ہوتے ہیں، اِسی طرح ناریل وغیرہ بھی بہت پایا جاتا ہے، اسی طرح بعض علاقوں میں سیب، خوبانی وغیرہ خودرَو کثرت سے پائے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی ایسے ہی مقام کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے منتخب فرمایا اور انہیں حُکم دے دیا کہ وہاں جا کر ڈیرے لگا دو اور

خوب کھاؤ پیو۔ خلاصہ یہ کہ اَلْجَنَّۃ وغیرہ الفاظ سے جو قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت عام طور پر لوگوں کی غذا پھل تھے۔

(۵)۔ پانچویں بات قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُس وقت ابھی کپڑے کی ایجاد نہیں ہوئی تھی اور اِس پر آیت طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ [۴۲] شاہد ہے وہ چٹائیوں کی طرح بھوج پتر وغیرہ لپیٹ لیتے تھے اور رہائش کے لئے انہی کے خیمے بنا لیتے تھے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی شکار کرنے کے طریق بھی ایجاد نہ ہوئے تھے اور کھالوں کا استعمال بھی شروع نہ ہؤا تھا بلکہ چٹائیاں بطور لباس اور شاید بطور مکان کے استعمال ہوتی تھیں، اگر شکار کرنے کے طریق ایجاد ہو چکے ہوتے تو وہ کھالوں کا لباس پہنتے۔

(۶)۔ اُن میں تمدّنی حکومت قائم کی گئی تھی اور تمدّنی حکومت کی غرض یہ بتائی گئی تھی کہ ایک دوسرے کی (۱) کھانے کے معاملہ میں مدد کریں (۲) پینے کے معاملہ میں مدد کریں (۳) عُریانی کو دُور کرنے کے معاملہ میں مدد کریں اور (۴) رہائش کے معاملہ میں مدد کریں۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَاتَعْرٰی۔ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَاتَضْحٰی [۴۳] کہ تمہارے لئے اس بات کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ تم جنت میں رہنے کی وجہ سے بھُوکے نہیں رہو گے، پیاسے نہیں رہو گے، ننگے نہیں رہو گے اور دُھوپ میں نہیں پھرو گے گویا کھانا، پانی، کپڑا اور مکان یہ چار چیزیں تمہیں اس تعاونی حکومت میں حاصل ہونگی ان الفاظ سے جیسا کہ بعض لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں یہ مراد نہیں کہ انہیں بھوک ہی نہیں لگتی تھی کیونکہ اگر انہیں بھوک نہیں لگتی تھی تو وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا [۴۴] کے کیا معنے ہوئے، جب خدا نے اُن کی بھوک ہی بند کر لی تھی تو اس کے بعد انہیں یہ کہنا کہ اب خوب کھاؤ پیو بالکل بے معنی تھا۔ پس کُلَا کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھوک لگتی تھی مگر ساتھ ہی انہیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کا بھی حکم دیا گیا تھا۔ انہیں کہا گیا تھا کہ باغ ساری کمیونٹی کی ملکیت ہے مگر دیکھو قاعدہ کے مطابق کھاؤ پیو۔ اگر کسی کو زیادہ ضرورت ہے تو وہ زیادہ لے لے اور اگر کسی کو کم ضرورت ہے تو وہ کم لے لے۔ پس اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰی اُس نئے نظام کی تفصیل ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ قائم کیا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ اگر اِس نئے نظام کے ماتحت رہو گے تو تمہیں یہ یہ سہولتیں حاصل ہونگی۔

(۷)۔قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت الہامی طور پر بعض بوٹیوں کے خواص وغیرہ بتائے گئے تھے اور بعض اخلاقی احکام بھی دیئے گئے تھے چنانچہ آیت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا[۵] اس پر دال ہے مگر یہاں کل کے معنے ضرورت کے مطابق ہیں، جیسا ہُد ہُد ملکہ سبا کے متعلق کہتا ہے اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ[۶] کہ ملکہ سبا کے پاس سب کچھ موجود ہے حالانکہ جب اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تحفہ بھیجا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس وقت کہا تھا کہ میرے پاس تو اِس سے بھی بڑھ کر چیزیں ہیں مَیں ان تحفوں سے کیونکر متاثر ہوسکتا ہوں۔پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام کہتے ہیں کہ میرے پاس ملکہ سبا سے بڑھ کر مال ودولت اور سامان موجود ہے اوراس کے باوجود ہُد ہُد کہتا ہے کہ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ملکہ سبا کو ہر چیز میسّر تھی تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سے یہ مراد نہیں تھی کہ ملکہ سبا کو ہر نعمت میسّر تھی بلکہ یہ مراد تھی کہ اس کی مملکت کے لحاظ سے جس قدر چیزوں کی ضرورت ہوسکتی تھی وہ تمام چیزیں اُسے حاصل تھیں اسی طرح عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے یہ مراد ہے کہ اُس وقت جس قدر علوم کی ضرورت تھی وہ تمام آدم کو سکھا دیئے گئے مثلاً یہ بتا دیا گیا کہ فلاں فلاں زہریلی بوٹیاں ہیں ان کو کوئی شخص استعمال نہ کرے، یا فلاں زہریلی چیز اگر کوئی غلطی سے کھالے تو فلاں بوٹی اس کی تریاق ہو سکتی ہے یا ممکن ہے اسی طرح طاقت کی بعض دوائیں الہامی طور پر بتا دی گئی ہوں۔اسی طرح بعض اخلاقی احکام بھی حضرت آدم علیہ السلام کو الہاماً بتائے گئے ہوں۔

(۸)۔آٹھویں انہیں ایک واجب الاطاعت امیر ماننے کا بھی حکم تھا،جیسا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[۷] کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

(۹)۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں بعض ایسے احکام بھی نازل ہوئے تھے جن میں یہ ذکر تھا کہ تمہیں بعض جرائم کی سزا بھی دینی چاہئے جیسے قتل وغیرہ ہیں۔اس امر کا استنباط اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ[۸] کے الفاظ سے ہوتا ہے۔یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ اب دنیا میں ایک عجیب سلسلہ شروع ہو جائے گا کہ بعض آدمیوں کو قانونی طور پر یہ اختیار دے دیا جائے گا کہ وہ دوسروں کو مارڈالیں، جیسے ہر گورنمنٹ آجکل قاتلوں کو پھانسی دیتی ہے مگر گورنمنٹ کے پھانسی دینے کو بُرا نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کی تعریف کی جاتی ہے لیکن اگر کوئی اور قتل کر دیتا ہے تو اُسے سخت مُجرم سمجھا جاتا ہے۔فرشتوں کے لئے

یہی بات حیرت کا موجب ہوئی اور انہوں نے کہا، ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ پہلے تو قتل کو ناجائز سمجھا جاتا تھا مگر اب آدم جب کسی کو قتل کی سزا میں قتل کر دے گا تو اس کا یہ فعل اچھا سمجھا جائے گا۔ کوئی اور گھر سے نکال دے تو وہ مُجرم سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر آدم کسی کو جلا وطنی کی سزا دے گا تو یہ جائز سمجھا جائے گا۔ اِس زمانہ میں روزانہ ایسا ہی ہوتا ہے گورنمنٹ مجرموں کو پھانسی پر لٹکاتی ہے مگر کوئی اُسے ظالم نہیں کہتا، وہ لوگوں کو جلا وطنی کی سزا دیتی ہے مگر کوئی نہیں کہتا کہ گورنمنٹ نے بُرا کیا لیکن اُس زمانہ میں یہ ایک نیا قانون تھا اور فرشتوں کے لئے قابلِ حیرت۔ پس فرشتے بطور سوال اسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ پہلے تو قتل کو ناجائز سمجھا جاتا تھا مگر اب قتل کی ایک جائز صورت بھی پیدا کر لی گئی ہے یا پہلے تو دوسروں کو اپنے گھروں سے نکالنا جُرم سمجھا جاتا تھا، لیکن اب اس کی ایک جائز صورت بھی نکل آئی ہے اور آدم جب یہی فعل کرے گا تو اس کا فعل جائز اور مستحسن سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں اُن کے اسی سوال کا جواب دیتا اور فرماتا ہے کہ تمہیں علم نہیں، دنیا میں نظام کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ مجرموں کو سزائیں دی جائیں اگر ان کو سزائیں نہ دی جائیں تو کارخانۂ عالَم بالکل درہم برہم ہو جائے تو اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اُس وقت جرائم کی سزا بھی مقرر ہو چکی تھی۔

(۱۰)۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت شادی کے احکام بھی نازل ہو چکے تھے کیونکہ آدم کی بیوی کا ذکر کیا گیا ہے، گویا مرد و عورت کے تعلقات کو ایک قانون کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔

پیدائشِ انسانی کے متعلق قرآنی آثارِ قدیمہ کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ قرآنی آثارِ قدیمہ نے ابتدائے خلق کا ذکر یوں کیا ہے کہ مخلوق خالق کے حُکم سے بنی ہے۔ پہلے باریک ذرّات تیار ہوئے، پھر پانی نے الگ شکل اختیار کی پھر وہ خشک ذرّات سے مرکّب ہؤا، اور ایک قوتِ نامیہ پیدا ہوئی۔ اس سے مختلف تغیّرات کے بعد حیوان پیدا ہؤا، حیوان آخر نُطفہ سے پیدا ہونے والا وجود بنا یعنی نر، مادہ کا امتیاز پیدا ہؤا، اس کے بعد ایک خاص حیوان نے ترقی کی اور عقلی حیوان بنا۔ مگر عقل تھی مگر تھا ناری، تمدّن کے قبول کرنے کی طاقت اس میں نہ تھی، غاروں میں رہتا تھا۔ اس کے بعد ایسا انسان بنا جو تمدّن کا اہل تھا اسے الہام ہونا شروع ہؤا اور وہ پہلا تمدّن صرف اتنا تھا کہ (۱) نکاح کرو

(۲) قتل نہ کرو (۳) فساد نہ کرو (۴) ننگے نہ رہو (۵) ایک دوسرے کی کھانے، پینے، پہننے اور رہائش کے معاملہ میں مدد کرو (۶) اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیا کرو (۷) ایک شخص کو اپنا حاکم تسلیم کرلو اور اُس کے ہر حکم کی اطاعت کرو اور اگر تم اس کے کسی حکم کو توڑو تو تم سزا برداشت کرنے کے لئے تیار رہو۔

یہ اُس وقت کی گورنمنٹ تھی اور یہی اس گورنمنٹ کا قانون تھا اور یہ علم جو میں نے قرآن کریم سے اَخذ کر کے بیان کیا ہے ایسا واضح ہے کہ موجودہ تحقیق اِس سے بڑھ کر کوئی بات بیان نہیں کرسکتی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آدم کے متعلق کوئی تاریخ ایسا علم مہیا نہیں کرتی جیسا علم کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے۔ ڈارون تھیوری پر اہل یورپ کو بہت کچھ ناز ہے مگر سچ بات یہ ہے کہ ڈارون تھیوری بھی اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہرسکتی۔ وہ نہایت ہی بیوقوفی کی تھیوری ہے جو اہلِ مغرب کی طرف سے پیش کی جاتی ہے، میں ہمیشہ اس تھیوری کے پیش کرنے والوں سے کہا کرتا ہوں کہ اچھا جس چیز سے انسان پہلے بنا تھا اُس چیز سے اب کیوں نہیں بن سکتا؟ میں نے دیکھا ہے جب بھی میں یہ سوال کروں وہ عجیب انداز میں سر ہلا کر گویا کہ میں اس تھیوری سے بالکل ناواقف ہوں کہہ دیتے ہیں کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ تغیّر لاکھوں بلکہ کروڑوں سال میں ہؤا ہے، میں انہیں یہ کہا کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں جو جانور موجود ہیں ان پر بھی لاکھوں کروڑوں سال گزر چکے ہیں پھر وہ تغیّر کیوں بند ہوگیا ہے اس میں شک نہیں کہ آدم سے لے کر اِس وقت تک لاکھوں کروڑوں نہیں ہزاروں سال گزرے ہیں، لیکن حیوانات آدم کے زمانہ سے تو شروع نہیں ہوئے وہ تو لاکھوں کروڑوں سال ہی سے موجود ہیں اور آدم کے بعد کے زمانہ نے اس میں کسی قدر زیادتی ہی کی ہے، پس لاکھوں کروڑوں سالوں کے بعد جو تغیّر ہونا ضروری تھا وہ آج بھی اسی طرح ہونا چاہئے جس طرح کہ ہزاروں سال پہلے ہؤا تھا، کیونکہ زمانہ اس کے بعد ممتد ہو رہا ہے سُکڑ نہیں رہا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں سال کے بعد جو تغیّر حیوانات میں ہؤا تھا وہ پہلی دفعہ کے بعد جاری ہی رہنا چاہئے تھا کیونکہ لاکھوں کروڑوں سالوں بعد جن تغیّرات سے بشر کا مورثِ اعلیٰ جانور پیدا ہؤا تھا اگلی صدی میں اور اس سے اگلی صدی میں اور بعد کی بیسیوں اور صدیوں میں بقیہ جانوروں پر اس سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے جس قدر کہ پہلے تغیّر کے وقت گزرا تھا۔ پس اگر اس قسم کا تغیر ہؤا تھا جس کا ذکر ڈارون کے فلسفہ کے قائل کرتے ہیں تو بعد میں وہ تغیر بند نہیں ہونا چاہئے تھا بلکہ جاری رہنا چاہئے تھا سوائے اس صورت کے کہ سابق کے

تغیّرات ایک بِالارادہ ہستی نے ایک خاص غرض اور مقصد کے ماتحت پیدا کئے ہوں اور ان اغراض ومقاصد کے پورا ہونے پر اسی سلسلہ کو بند کر دیا ہو اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔

شجرۂ آدم کیا چیز ہے؟

اب میں اس سوال کو لیتا ہوں کہ شجرۂ آدم کیا چیز ہے میں نے دیکھا ہے بعض لوگوں کو ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ وہ شجرہ کیا چیز تھی جس کے قریب جانے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو روکا، مگر میں کہتا ہوں اس بارے میں سب سے بہتر طریق تو یہ ہے کہ جس بات کو قرآن کریم نے چُھپایا ہے اُس کو معلوم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے کوئی غلطی ہوئی مگر خدا نے نہ چاہا کہ اپنے ایک پیارے بندے کی غلطی دنیا پر ظاہر کرے اور اس نے اُس غلطی کو چُھپا دیا۔ اب جبکہ خدا نے خود اسے چُھپا دیا ہے تو اور کون ہے جو اس راز کو معلوم کر سکے، جسے خدا چُھپائے اُسے کوئی ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہ بالکل ویسی ہی مثال ہے جیسے اللہ تعالیٰ سورہ تحریم میں فرماتا ہے۔ وَاِذْاَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَأَ کَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَ نِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ[۴۹]

یعنی اُس وقت کو یاد کرو جب ہمارے نبی نے مخفی طور پر ایک بات اپنی ایک بیوی سے کہی جب اُس بیوی نے وہ بات کسی اور سے کہہ دی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ خبر دی کہ تمہاری بیوی نے وہ بات فلاں شخص سے کہہ دی ہے اِس پر ہمارے نبی نے اپنی بیوی کو کچھ بات بتا دی اور کچھ نہ بتائی جب ہمارے نبی نے وہ بات اپنی بیوی سے کہی تو اُس نے کہا کہ آپ کو یہ بات کس نے کہہ دی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات اُسی نے بتائی ہے جو زمین وآسمان کا خدا ہے اور جو دلوں کے بھیدوں سے واقف اور تمام باتوں کو جاننے والا ہے۔ اب یہاں اِس بات کا ذکر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے کہی تھی محض ضمیروں میں کیا گیا ہے اور صرف یہ کہا گیا ہے کہ ایک بات تھی جو ہمارے نبی نے اپنی ایک بیوی کو بتائی، وہ بات اُس بیوی نے کسی اَور کو بتا دی۔ اِس پر خدا نے الہام نازل کیا اور اپنے رسول کو بتایا کہ وہ بات جو تُو نے اپنی بیوی سے کہی تھی وہ اُس نے کسی اور سے کہہ دی ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بات کا اپنی بیوی سے ذکر کر دیا بیوی کہنے لگی یہ بات آپ کو کس نے بتائی؟ آپ نے فرمایا مجھے علیم اور خبیر خدا نے یہ بات بتائی ہے۔ یہ ساری ضمیریں ہیں جن میں اِس بات کی طرف

اشارہ کیا گیا ہے مگر بات کا کہیں ذکر نہیں، لیکن ہمارے مفسّرین ہیں کہ وہ اپنی تفسیروں میں یہ بحث لے بیٹھے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی بیوی سے کیا بات کہی تھی۔ پھر کوئی مفسّر کوئی بات پیش کرتا ہے اور کوئی مفسّر کوئی بات پیش کرتا ہے حالانکہ اِس جھگڑے میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی، جب خدا نے ایک بات کو چھپایا ہے اور یہ پسند نہیں کیا کہ اُسے ظاہر کرے تو کسی مفسّر کا کیا حق ہے کہ وہ اس بات کو معلوم کرنے کی کوشش میں لگ جائے اور اگر وہ کوئی بات بیان بھی کر دے تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بات درست ہوگی، یقیناً جس بات کو خدا چُھپائے اُسے کوئی ظاہر نہیں کر سکتا اور اگر کوئی قیاس دَوڑائے گا بھی تو وہ کوئی پختہ اور یقینی بات نہیں ہوگی محض ایک ظن ہوگا یہی حال شجرہ آدم کا ہے جب خدا نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ شجرہ کیا تھا تو ہم کون ہیں جو اس شجرہ کو معلوم کر سکیں۔ تم کسی چیز کا نام شجرہ رکھ لو، مختصر طور پر اتنا سمجھ لو کہ خدا نے یہ کہا تھا کہ اُس کے قریب نہ جانا مگر حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان نے دھوکا دے دیا اور وہ اُس کے قریب چلے گئے جس پر انہیں بعد میں بہت کچھ تکلیف اُٹھانی پڑی بہرحال بہتر یہی ہے کہ جس بات کو خدا نے چُھپایا ہے اُس کی جستجو نہ کی جائے اور بلاوجہ یہ نہ کہا جائے کہ شجرہ سے فلاں چیز مراد ہے، لیکن اگر کسی کی اس جواب سے تسلی نہیں ہوتی تو پھر وہ یوں سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ دیکھنا شیطان کے پاس نہ جانا وہ تمہارا سخت دشمن ہے اگر اس کی باتوں میں آ گئے تو وہ ضرور کسی وقت تمہیں دھوکا دے دیگا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا مگر شیطان نے جب دیکھا کہ یہ میرے داؤ میں نہیں آتے تو اُس نے کہا کہ صُلح سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اور تم آپس میں صُلح کر لیں اور اِن روز روز کے جھگڑوں کو نپٹا دیں جیسا کہ یورپ والے بھی آجکل بظاہر ''پِیس پِیس'' (PEACE PEACE) کا شور مچا رہے ہوتے ہیں اور اندر بڑے زور سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اٹلی کی جب ٹرکی سے لڑائی ہوئی تو اِس لڑائی سے تین دن پہلے اٹلی کے وزیراعظم نے اعلان کیا تھا کہ تُرکوں سے ہماری اتنی صلح ہے اور اس قدر اس سے مضبوط اور اچھے تعلقات ہیں کہ پچھلی صدی میں اس کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی، مگر اس اعلان پر ابھی تین دن نہیں گزرے تھے کہ اٹلی نے ٹرکی پر حملہ کر دیا۔ یہی حال باقی یوروپین اقوام کا ہے وہ شور مچاتے رہتے ہیں کہ صلح بڑی اچھی چیز ہے، امن سے بڑھ کر اور کوئی قیمتی شئے نہیں، مگر اندر ہی اندر سامان جنگ تیار کر رہے ہوتے ہیں۔ گویا وہ صلح صلح اور امن امن کے نعرے اس لئے نہیں لگاتے کہ انہیں صلح اور امن

سے محبت ہوتی ہے بلکہ اس لئے نعرے لگاتے ہیں کہ انہوں نے ابھی پوری طرح جنگ کی تیاری نہیں کی ہوتی اور وہ چاہتے ہیں کہ صلح اور امن کا شور مچا کر دوسروں کو جس حد تک غافل رکھا جا سکے اُس حد تک غافل رکھا جائے اور پھر یکدم حملہ کر دیا جائے۔ یہی حال حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ہوا۔ خدا تعالیٰ نے آدم کو کہا دیکھنا شجرۂ شیطانی کے قریب نہ جانا بلکہ ہمیشہ اس کے خلاف لڑائی جاری رکھنا کیونکہ شیطان کے ساتھ جب بھی صلح ہوگی اس میں مؤمنوں کی شکست اور شیطان کی فتح ہوگی اور اس صلح کے نتیجہ میں تمہارے لئے بہت زیادہ مشکلات بڑھ جائینگی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اِس حُکم کے نتیجہ میں شیطان سے لڑائی شروع کر دی۔ جب شیطان نے دیکھا کہ اس طرح کام نہیں بنے گا تو اس نے صلح صلح کا شور مچا دیا اور کہا کہ بھلا لڑائی سے بھی کبھی امن قائم ہوسکتا ہے امن تو صلح سے ہوسکتا ہے پس بہتر ہے کہ ہم آپس میں صلح کر لیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی اور انہوں نے شیطان سے صلح کر لی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ بھی اسی جنت کے اندر آ گیا جہاں حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے ساتھی رہتے تھے اور اس طرح اندر رہ کر اس نے قوم میں فتنہ وفساد پیدا کر دیا اور وہ مقصد جس کو باہر رہ کر وہ حاصل نہیں کر سکا تھا وہ اُس نے اندر آ کر حاصل کر لیا اور بہت بڑا فساد پیدا ہو گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اب ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ یہاں سے چلے جاؤ اور زمین میں پھیل جاؤ۔ پس اگر اس کے کوئی معنے ہو سکتے ہیں تو یہی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ خاندانِ ابلیس سے دُور رہو، ابلیس نے صلح کی دعوت دی اور کہا کہ اس سے بڑی ترقی ہوگی، حضرت آدم اس دھوکا میں آ گئے اور شیطان سے صلح کر کے انہوں نے بہت کچھ تکلیف اُٹھائی نتیجہ یہ ہؤا کہ خدا تعالیٰ نے کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور زمین میں پھیل جاؤ اور یاد رکھو کہ تم دونوں گروہوں میں ہمیشہ جنگ رہے گی یہ معنے بھی ہیں جو اِن آیات کے ہو سکتے ہیں، لیکن بہتر یہی ہے کہ جسے خدا نے چُھپایا ہے اُس کی جستجو میں ہم اپنے وقت کو ضائع نہ کریں اور جس سبق کے سکھانے کے لئے اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے وہ سبق حاصل کر لیں۔

پیدائشِ انسانی میں ارتقاء کا ایک اور ثبوت

پیدائش انسانی میں ارتقاء کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام میں بھی ارتقاء رکھا ہے۔ کامل اور مکمل شریعت پہلے ہی روز نہیں آ گئی بلکہ آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ الہام میں ترقی ہوئی ہے۔ چنانچہ جب بھی غیر مذاہب والوں کی طرف سے اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر قرآن میں کامل شریعت تھی تو ابتدائے عالم میں ہی اللہ تعالیٰ نے اسے

کیوں نازل نہ کر دیا، تو اِس کا جواب ہماری طرف سے یہی دیا جاتا ہے کہ اگر اُس وقت قرآن نازل کر دیا جاتا تو کسی انسان کی سمجھ میں نہ آ سکتا کیونکہ ابھی عقلی ترقی اِس حد تک نہیں ہوئی تھی کہ وہ قرآنی شریعت کے اسرار اور غوامض سمجھ سکے تو الہامِ الٰہی کا فلسفہ جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اس سے صریح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کی ترقی بھی ارتقاء کے ماتحت ہوئی ہے۔ دیکھ لو پہلے حضرت آدمؑ آئے، پھر حضرت نوحؑ آئے، پھر حضرت ابراہیمؑ آئے، پھر حضرت موسیٰؑ آئے، پھر حضرت عیسیٰؑ آئے، مگر باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک ہزاروں برس گزر چکے تھے آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ:-

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا'' [۵۰]

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بھی ابھی لوگوں کی حالت ایسی نہیں ہوئی تھی کہ وہ کامل شریعت کو سمجھ سکتے اور اس بات کی ضرورت تھی کہ اُن کے لئے نسبتاً نامکمل انکشاف ہو۔ یہ ارتقاء جو الہام اور شریعت میں ہوا ہے اس بات کا یقینی اور قطعی ثبوت ہے کہ انسان کی جسمانی ترقی بھی ارتقائی تھی اگر یکدم ترقی کر کے انسان کامل بن گیا ہوتا تو پہلے ہی دن اس کے لئے کامل شریعت کا نزول ہو جاتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ آجکل آرین خیالات کے لوگ اسلام پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اسلام ارتقاء کا قائل نہیں اور یہ کہ مسلمانوں نے مسئلہ ارتقاء کا ردّ کیا ہے حالانکہ اسلام ہی ہے جو جسمانی اور رُوحانی دونوں قسم کے ارتقاء کا قائل ہے اس کے مقابلہ میں آرین خیالات الہام کے متعلق قطعاً غیر ارتقائی ہیں۔ چنانچہ آریہ مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے عالَم میں ہی ایک مکمل الہامی کتاب بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے نازل فرما دی۔ یہ عقیدہ بتاتا ہے کہ آریہ مذہب نہ صرف رُوحانی ارتقاء کا قائل نہیں بلکہ جسمانی ارتقاء کا بھی قائل نہیں کیونکہ اگر ابتداء میں انسان عقلی لحاظ سے کمزور تھا تو کامل الہامی کتاب کا نزول اس کے لئے بے فائدہ تھا اور اگر پہلے روز وہ اُسی طرح کامل انسان تھا جس طرح آج ہے تو معلوم ہوا کہ آرین عقائد کے رُو سے انسان کی پیدائش جسمانی ارتقاء کے ماتحت نہیں ہوئی۔ غرض آرین خیالات اس بارہ میں قطعاً غیر ارتقائی ہیں اور وہ اسلام پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ اس کے مقابلہ میں سمیٹک (SEMITIC) یعنی سامی نسلیں رُوحانی ارتقاء کی قائل ہیں اور یہ عقیدہ رکھتی ہیں کہ پہلے

حضرت آدمؑ آئے، پھر حضرت نوحؑ آئے جنہوں نے کئی روحانی انکشافات کئے پھر حضرت ابراہیمؑ آئے، پھر حضرت موسیٰؑ آئے اوران سب نے کئی روحانی انکشاف کئے۔ پس سامی نسلیں ہی ہیں جو ارتقاء کو تسلیم کرتی چلی آئی ہیں، مگر عجیب بات یہ ہے کہ سامی نسلوں پر ہی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ارتقاء کی قائل نہیں اور جو اعتراض کرنیوالے ہیں ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ارتقاء کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے فرانسیسی درسی کتب میں قصہ لکھتے ہیں کہ ایک فرانسیسی لڑکا اپنے کسی دوست سے ملنے گیا۔ اس کے پاس ایک لٹّو تھا اُس نے شوق سے اپنے دوست کو وہ لٹّو دیکھنے کو دیا جس نے لٹّو دیکھ کر اپنی جیب میں ڈال لیا اور سلام کہہ کر چل پڑا۔ جب لٹّو والے لڑکے نے لٹّو واپس مانگا تو اُس نے کہا کہ لٹّو تو میرا ہے۔ یہی ان کا حال ہے ہماری چیز لے کر اس پر اپنا قبضہ جما لیتے ہیں اور پھر بڑے زور سے قہقہہ لگا کر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو تو کچھ پتہ ہی نہیں۔

اِس جگہ اس امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گو سمیٹک نسلیں ارتقائی ترقی کی قائل ہیں لیکن قرآن کریم کے سِوا دوسری سمیٹک تعلیم بھی اس بارہ میں ایک دھوکا کھا گئی ہے اور وہ یہ کہ اس نے جسمانی ارتقاء کا انکار کر دیا ہے حالانکہ روحانی ارتقاء بذاتِ خود اس بات پر دال ہے کہ جسمانی ارتقاء بھی ہؤا۔ بہرحال صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے اپنے دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور یہ اس کی برتری اور فوقیت کا ایک بڑا ثبوت ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جب آخر میں ایک جگہ آ کر شریعت کو تم نے بھی بند تسلیم کر لیا ہے تو پھر شروع میں ہی ایسا کیوں نہ کیا گیا اور کیوں شروع میں تو ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا مگر اب وہ ارتقائی سلسلہ بند ہو گیا۔

شریعت میں ارتقاء ختم ہوجانے کی وجہ

اِس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی روحانی عالَم ظاہری عالَم کے مشابہ ہے اور شریعت میں ارتقاء آج اُسی طرح ختم ہو چکا ہے جس طرح انسانی جسم میں ارتقاء ختم ہو چکا ہے۔ آخر انسانی جسم کے جس قدر حصے ہیں اب ان میں کونسا بنیادی فرق ہوتا ہے جس طرح آج ایک شخص پیدا ہوتا ہے، اسی طرح آج سے ہزار سال پہلے پیدا ہؤا تھا اور جس طرح آج اس کے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان اور منہ ہوتے ہیں اسی طرح آج سے ہزار سال پہلے اس کے اعضاء ہوتے تھے پس جس طرح جسمِ انسانی میں بنیادی ارتقاء ختم ہو چکا ہے اسی طرح شریعت میں بھی پہلے جو ارتقاء کا سلسلہ

جاری تھا وہ ختم ہوگیا ہے۔ ہاں ایک بات اور ہے اور وہ یہ کہ اب گو جسمانی ترقی بند ہوچکی ہے مگر دماغی ترقی بدستور جاری ہے اور اب وہ ارتقاء جو پہلے جسم میں ہوا کرتا تھا دماغ کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور انسان کی دماغی قابلیتوں میں ہر روز نیا سے نیا اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح گو اب شریعت کا نزول بند ہو چکا ہے مگر اب وہی ارتقاء اس شریعت کے معارف کی طرف منتقل ہوگیا ہے اور نئے سے نئے قرآنی اسرار دنیا پر مُنکشف ہوتے جا رہے ہیں۔ پس اس ارتقاء میں بھی روحانی عالَم ظاہری عالَم کے مشابہ ہے۔ وہاں بھی پہلے جسمانی بناوٹ میں ارتقاء ہوا پھر خالص دماغی ارتقاء رہ گیا۔ اسی طرح شریعت میں بھی پہلے ظاہری و باطنی احکام میں ارتقاء ہوا لیکن آخر میں ظاہری شریعت حدِ کمال کو پہنچ گئی اور اب صرف باطنی ارتقاء باقی ہے جس کا دروازہ قیامت تک کُھلا ہے۔ پس ہم دونوں طرف سے ارتقاء کے قائل ہیں جسمانی طرف سے بھی اور روحانی طرف سے بھی۔ اور ہم گو یہ ایمان رکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ شریعت اپنی تکمیل کو پہنچ گئی مگر ہم اِس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے اندر غیر محدود معارف وحقائق کے خزانے ہیں اور قرآن کریم کے معارف کا یہ باطنی ارتقاء بند نہیں ہوا بلکہ قیامت تک جاری ہے چنانچہ ہم اس کا نمونہ اپنی ذات میں دیکھ رہے ہیں کہ جو معارفِ قرآنیہ ہم پر کھلے ہیں وہ پہلے مفسّروں پر نہیں کُھلے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام نے آدمؑ کے آثارِ قدیمہ اس رنگ میں ظاہر کئے ہیں کہ ان کی مثال کسی اَور جگہ نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بارہ میں زبردست انکشاف اس نے کئے ہیں، مگر سرِ دست مَیں اس مضمون کو چھوڑ کر بعض دیگر انکشافات کو لیتا ہوں جو مختلف انبیاء کے بارہ میں قرآن کریم نے کئے ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق قرآنی انکشاف

میں قرآنی آثارِ قدیمہ کے اُس کمرہ کو دیکھنے کے بعد عالمِ تخیّل میں الٰہی آثارِ قدیمہ کے ایک اور کمرہ میں چلا گیا اور وہاں مَیں نے ایک اور عجیب نشان دیکھا۔ مجھے دکھائی دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے اور آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کہ وہ خود بھی نبی تھے اپنی قوم کو مخاطب ہوتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ یٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِہٖ وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ وَ اَطِیۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ[۵] اے میری قوم! تم ایک ابتلاء میں ڈالے گئے ہو تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اُس کی اطاعت کرو۔ مَیں نے سمجھا کہ کوئی فتنہ ہے جو اُس زمانہ میں پیدا ہوا۔ پھر مَیں نے اپنے دل میں کہا آؤ مَیں معلوم تو کروں

اُس وقت کیا فتنہ اُٹھا تھا۔مگر میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے میں اُس کتاب کو دیکھوں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے زمانہ سے چلی آتی ہے اور اُسے پڑھ کر معلوم کروں کہ اُس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ مَیں نے تورات اُٹھائی اور اُسے پڑھنا شروع کیا تو اس میں لکھا تھا:-

''اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ پہاڑ سے اُترنے میں دیری کرتا ہے تو وے ہارون کے پاس جمع ہوئے اور اُسے کہا کہ اُٹھ ہمارے لئے معبود بنا کہ ہمارے آگے چلیں۔ کیونکہ یہ مرد موسیٰ جو ہمیں مصر کے ملک سے نکال لایا ہم نہیں جانتے کہ اُسے کیا ہؤا، ہارون نے انہیں کہا کہ زیور سونے کے جو تمہاری جوروؤں اور تمہارے بیٹوں اور تمہاری بیٹیوں کے کانوں میں ہیں توڑ توڑ کے مجھ پاس لاؤ، چنانچہ سب لوگ سونے کے زیور جو اُن کے کانوں میں تھے توڑ توڑ کے ہارون کے پاس لائے اور اُس نے اُن کے ہاتھوں سے لیا اور ایک بچھڑا ڈھال کر اُس کی صورت حکّاکی کے ہتھیار سے درست کی اور انہوں نے کہا کہ اے اسرائیل! یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا''۔[۵۲]

گویا تورات یہ کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہاڑ پر جانے کے بعد جب فتنہ پیدا ہؤا تو لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام پر زور دینا شروع کیا کہ ہمیں ایک بُت بنا دو جس کی ہم پرستش کریں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا اپنے اپنے گھر سے زیور لے آؤ۔ چنانچہ وہ زیور لائے اور انہوں نے اُن زیورات کو ڈھال کر ایک بُت بنا دیا اور کہا کہ یہی وہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کی زمین سے نکال لایا۔ یہودی کہتے ہیں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا الہام ہے مگر محقّقین کہتے ہیں کہ یہ الہام نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو تین سَو سال کے بعد اُس وقت کے حالات ہیں جو مؤرّخین نے لکھے۔ بہرحال کم سے کم یہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے قریب زمانہ کی لکھی ہوئی تاریخ ہے لیکن حضرت موسیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ساڑھے انیس سَو سال کا فاصلہ ہے اور یہ کتاب جس میں حضرت ہارون علیہ السلام پر بُت گری کا الزام لگایا گیا قریباً سترہ اٹھارہ سَو سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے پس وہ کتاب جو قرآن مجید سے سترہ اٹھارہ سَو سال پہلے لکھی گئی، اس میں تو یہ لکھا ہے کہ حضرت ہارون نے زیورات کو ڈھال کر خود ایک بچھڑا بنایا اور لوگوں سے کہا کہ یہی وہ تمہارا خدا ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا، مگر جب ہم قرآنی آثارِ قدیمہ کو دیکھتے ہیں تو وہاں یہ لکھا ہؤا پاتے ہیں کہ

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ [۵۳] کہ موسیٰ کے جانے کے بعد جب لوگوں نے ایک بچھڑا ڈھال کر اُسے اپنا معبود بنا لیا تو ہارون نے اُن سے کہا کہ اے لوگو! بدمعاشوں نے تمہیں دھوکا میں ڈال دیا ہے اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ تمہارا رب تو وہ ہے جو رحمٰن ہے جو زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے فَاتَّبِعُوْنِيْ پس تم میری اتباع کرو اُن بدمعاشوں کی اِتّباع نہ کرو جنہوں نے تم کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو مجھے قرآنی آثارِ قدیمہ میں سے ملی۔ اس کے بعد مَیں نے بائیبل کو بھی دیکھا کہ اس کی چوری کہیں سے پکڑی بھی جاتی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت ہارون علیہ السلام سے یہ مشرکانہ فعل سرزد ہؤا ہوتا تو نبوت تو کیا انہیں ایمان سے بھی چُھٹّی مل جاتی اور کوئی شخص انہیں مؤمن سمجھنے کے لئے بھی تیار نہ ہوتا کُجا یہ کہ اُنہیں نبی مانتا۔ مگر جب ہم بائیبل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ سے واپس آکر جب دیکھا کہ لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے تو انہوں نے لوگوں کو سخت ڈانٹا۔ بچھڑے کو آگ سے جلا دیا اور قریباً تین ہزار آدمیوں کو قتل کی سزا دی۔ [۵۴] اس فتنہ کو فرو کرنے کے بعد وہ پھر پہاڑ پر گئے اور جب وہاں سے واپس آئے تو حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے خدا تعالیٰ کا یہ حکم لائے کہ:-

"ہارون کو مقدس لباس پہنا اور اس کو چُپڑ۔ اور اُسے مقدس کر تا کہ کاہن کا کام میری خدمت میں کرے اور اُس کے بیٹوں کو نزدیک لا اور اُن کو کُرتے پہنا اور اُن کو چُپڑ۔ جیسے اُن کے باپ کو چُپڑا ہے تا کہ وہ کاہن کا کام میری خدمت میں کریں اور یہ مساحت اُن کے لئے اور اُن کے قرنوں کیلئے ہمیشہ کی کہانت کا باعث ہوگی اور موسیٰ نے ایسا کیا سب جو خداوند نے اس کو حکم کیا تھا عمل میں لایا"۔ [۵۵]

گویا اس مشرکانہ فعل کے بعد جو بروئے بائیبل حضرت ہارون علیہ السلام سے سرزد ہؤا تھا خدا تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام پر بجائے کسی ناراضگی کا اظہار کرنے کے فیصلہ یہ کیا کہ ہارون کو مقدس لباس پہنایا جائے اور نہ صرف اس کی عزّت افزائی کی جائے بلکہ اس کی تمام اولاد کی عزت کرنا بھی بنی اسرائیل پر فرض قرار دیا جائے اور عبادت گاہوں اور مساجد کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جائے۔ کیا ایک مشرکانہ فعل کا یہی نتیجہ ہؤا کرتا ہے؟ اور کیا اگر حضرت ہارون علیہ السلام سے یہ فعل سرزد ہؤا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے یہی سلوک کیا جاتا؟ بائیبل کی یہ

اندرونی گواہی صاف طور پر بتا رہی ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے شرک کی تائید نہیں کی تھی بلکہ شرک کی مخالفت کی تھی اور چونکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی توحید کی تائید کی اس لئے خدا بھی اُن پر خوش ہؤا اور اُس نے کہا کہ چونکہ ہارون نے میری عبادت دنیا میں قائم کی ہے اس لئے آئندہ تمام عبادت گاہوں کا انتظام ہارون اور اس کی اولاد کے سپرد کیا جائے۔ پس بائیبل کی یہ اندرونی گواہی اس الزام کی تردید کر رہی ہے جو اُس نے اسی کتاب میں حضرت ہارون علیہ السلام پر لگایا ہے اور قرآن کریم کے بیان کی جو اس کے نزول کے ساڑھے اُنیس سَو سال بعد یا اس کی تحریر کے سترہ اٹھارہ سَو برس بعد نازل ہؤا ہے تصدیق کرتی ہے۔

ہر قوم کی طرف خدا تعالیٰ نے رحمت کا ہاتھ بڑھایا ہے

پھر مَیں نے آثارِ قدیمہ کا تیسرا کمرہ دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ تمام قوموں میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ اُن کے سِوا صداقت سے کوئی آشنا نہیں۔ ہر قوم دوسری قوم کے متعلق یہ خیال کرتی ہے کہ اُس میں جھوٹ، فریب اور دغا بازی کے سِوا اور کچھ نہیں۔ میں نے ہندوؤں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے سب معرفت اور ہدایت ہمارے بزرگوں کی معرفت دنیا کو دیدی ہے، اب اس کے بعد کسی اور الہام کی ضرورت ہی کیا ہے کہ کسی اور قوم میں کوئی رِشی آتا۔ مَیں نے زرتشتیوں کی طرف دیکھا تو اُنہیں بھی یہ کہتے سُنا کہ زرتشتیوں کے سوا اور کوئی مذہب سچا نہیں۔ مَیں نے یہودیوں کو دیکھا تو اُنہیں بھی یہ کہتے پایا کہ قریباً تمام انبیاء خدا نے بنی اسرائیل میں ہی بھیجے ہیں، دوسری اقوام کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل سے محروم ہی رکھا ہے اور مَیں نے مسیحیوں کی طرف نگاہ کی تو اُن کا عقیدہ بھی مجھے ایسا ہی نظر آیا۔ غرض ہر قوم کو مَیں نے یہ کہتے سنا کہ روحانی تہذیب کا نشان اس کے سوا اور کہیں نظر نہیں آ سکتا، مگر جب مَیں نے قرآنی آثارِ قدیمہ کے محکمہ کو دیکھا تو مَیں نے اس کے ایک کمرہ میں یہ لکھا ہؤا پایا کہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ[۵۶] کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا تعالیٰ کے انبیاء مبعوث نہ ہوئے ہوں، نہ ہندو بغیر نبی کے رہے نہ ایرانی بغیر نبی کے رہے، نہ یہود بغیر نبی کے رہے اور نہ یورپین لوگ بغیر نبی کے رہے، غرض قرآن کے آثارِ قدیمہ کے محکمہ نے بتایا کہ خدا نے ہر جگہ روشنی کے مینار کھڑے کئے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں انہوں نے اس روشنی سے فائدہ اُٹھانا چھوڑ دیا مگر بہرحال خدا کی طرف سے انہیں ہدایت سے محروم نہیں کیا گیا۔ ان میں جو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں وہ بعد میں ہوئی ہیں جن کی ذمہ داری خود اُن

پر ہے ورنہ خدا نے سب سے یکساں سلوک کیا ہے اور ہر ایک کی طرف اپنی رحمت کا ہاتھ بڑھایا ہے۔مَیں نے جب یہ دیکھا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی ،مگر مَیں نے کہا آؤ اب میں ان عظیم الشان ہستیوں کے کچھ نشانات بھی دیکھ لوں۔ بیشک اُنہوں نے عظیم الشان کام کیا اور دنیا میں ایک تغیرِ عظیم پیدا کر دیا مگر مَیں دیکھوں تو سہی کہ انہوں نے اپنے پیچھے کیا چھوڑا ہے۔مَیں اس جستجو اور تلاش میں سابقہ کتب کے محکمہ آثارِقدیمہ میں داخل ہوگیا مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ان عظیم الشان ہستیوں کے کپڑوں پر جو اُن کے اتباع کے پاس موجود تھے نہایت گندے اور گھناؤنے داغ تھے کسی کے جُبہّ پر چور لکھا تھا اور کسی کے جُبہّ پر بٹمار اور کسی کے جُبہّ پر ظالم اور دوسروں کا مال کھانے والا اور کسی کے جُبہّ پر فاسق وفاجر۔کسی کے جُبہّ پر جھوٹا اور کسی کے جُبہّ پر غاصب، یہاں تک کہ بعض کے جُبّوں پر مشرک کے الفاظ تحریر تھے اور یہ سب اُن کے اتباع کے ہاتھوں میں تھے غیروں کے دست بُرد کا اس میں دخل نہ تھا۔مَیں نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اتنے گندے لباس ان عظیم الشان ہستیوں کے ہوں جن کے احسانات کے بارِگراں کے نیچے دنیا دبی ہوئی ہے۔میں نے اُن کے اس لباس کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور مَیں نے کہا میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ اُن کے لباس نہیں ہو سکتے اسی حیرت اور استعجاب کے عالَم میں قرآنی آثارِقدیمہ کے ایک کمرہ میں داخل ہوگیا اور وہاں جو مَیں نے اُن کا لباس دیکھا،اُس کی چمک اور خوبصورتی دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ رہ گئیں، چنانچہ مَیں نے انعام رکوع ۱۰ میں قرآنی آثارِ قدیمہ کا ایک کمرہ دیکھا جس میں لکھا تھا۔وَتِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ- نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاءُ اِنَّ رَبَّکَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ - وَوَهَبْنَالَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَاوَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهَارُوْنَ وَ كَذٰلِکَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ- وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰ وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ- وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ وَ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ذٰلِکَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْاَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْايَعْمَلُوْنَ- اُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْبِهَا هٰٓؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَابِهَا قَوْماً لَّيْسُوْابِهَا بِكٰفِرِيْنَ اُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً اِنْ هُوَاِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ[۵۷] کہ

یہ ہمارے دلائل اور نشانات تھے جو ہم نے ابراہیم کو اُس کی قوم کے خلاف بخشے اور ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ تیرا رب بڑی حکمت سے کام کرنے والا اور تمام باتوں کو بخوبی جاننے والا ہے۔ ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب دیئے اور اُن کو ہدایت دی اسی طرح اس سے قبل نوح کو بھی ہم نے ہدایت دی۔ پھر ابراہیم کی ذرّیت میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون ہوئے اور ہم اسی طرح نیک لوگوں کو جزاء دیا کرتے ہیں، اسی طرح زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ یہ سارے نیک لوگ تھے اور اسمٰعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ اور لوطؑ ان سب کو ہم نے دنیا پر عزت اور بزرگی بخشی اور اُن کے باپ دادوں میں سے اُن کی ذرّیت اور اُن کے بھائیوں میں سے بھی ہم نے کئی لوگوں کو چُنا اور انہیں سیدھا راستہ دکھایا۔ یہ ہدایت ہے اللہ تعالیٰ کی جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اگر یہ لوگ مشرک ہوتے یا خراب ہوتے تو یقیناً یہ اپنے مقصد میں ناکام رہتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب دی اور حکم بخشا اور نبوت عطا فرمائی۔ اگر ان لوگوں کے بعض منکر ہیں تو یقیناً ہم نے ایسے لوگ بھی بنا دیئے ہیں جو ان کی قدر و عظمت کو سمجھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں تُو بیشک وہی کام کر۔ کیونکہ انہوں نے کوئی کام ہدایت کے خلاف نہیں کیا اور لوگوں سے کہدے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ قرآن تو دنیا کے لئے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اگر لوگ ان باتوں کو مان لیں گے تو اس میں اُن کا اپنا فائدہ ہے اور اگر انکار کریں گے تو اس کا نقصان بھی اُنہیں ہی برداشت کرنا پڑیگا۔

اب قرآن تو یہ کہتا ہے کہ یہ سب لوگ نیک اور راستباز تھے، مگر جب مَیں نے غیر مذاہب کی تعلیموں کو دیکھا تو مجھے ان میں نظر آیا کہ کوئی کہہ رہا ہے ابراہیم نے جھوٹ بولا مَیں نے ایک نظر اس الزام پر ڈال کر جب قرآن کو دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ قرآن اس کی تردید کر رہا ہے، اسی طرح پُرانے آثار میں اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے متعلق عجیب عجیب قصّے پائے جاتے ہیں، اسحاقؑ کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اُس نے جھوٹ بولا اور یعقوبؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے فریب سے نبوّت حاصل کی، مگر یہاں آ کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اسحاقؑ اور یعقوبؑ میں کوئی نقص نہ تھا۔ اسی طرح نوحؑ کے متعلق جب مَیں نے بائیبل کے مطابق اس کے آثار کو دیکھا تو وہاں مجھے یہ نظر آیا کہ نوحؑ شراب پیا کرتا تھا، داؤدؑ کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ قاتل اور خونریز

تھا، مگر قرآنی آثارِ قدیمہ میں مجھے ان میں سے کوئی بات دکھائی نہ دی، بلکہ اس کے برعکس یہ لکھا ہؤا پایا کہ یہ لوگ معصوم تھے انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اسی طرح سلیمان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کفر کیا، ایوبؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بے صبری دکھائی، یوسف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ چور تھا۔ اسی طرح موسیٰؑ کے متعلق کئی قسم کے اعتراض کئے جاتے ہیں اور ہارونؑ کے متعلق تو کھلے طور پر کہا جاتا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے سامنے بچھڑا بنا کر رکھ دیا اور انہیں کہا کہ یہی تمہارا خدا ہے یہی حال زکریاؑ، یحیٰؑ، عیسیٰؑ، الیاسؑ، اسمٰعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ اور لوطؑ وغیرہ کا ہے اور کرشن، رامچندر اور زرتشت کے اپنے قومی آثارِ قدیمہ بھی اُن کے متعلق ایسی ہی روشنی ڈالتے ہیں جو اُن کو اچھی شکل میں پیش نہیں کرتے اور مَیں نے دیکھا کہ ان کے لباس جو لوگ بتاتے ہیں وہ نہایت پھٹے پُرانے اور میل وکچیل سے بھرے ہوئے تھے مگر جب قرآن کریم کے آثارِ قدیمہ کے کمروں کو مَیں نے دیکھا تو ان میں ہر نبی کا لباس نہایت صاف سُتھرا اور پاکیزہ دکھائی دیا۔ پھر مَیں نے اپنی نظر اُوپر اُٹھائی تو اس کمرہ کے دروازہ پر ایک بورڈ لگا ہؤا تھا اور اس پر لکھا تھا۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰ ھُمُ اقْتَدِہْ یہ لوگ بڑے صاف سُتھرے اور پاکیزہ تھے۔ اُنہوں نے کوئی بات ہمارے حکم کے خلاف نہیں کی۔ پس جس بات کے متعلق بھی تمہیں یقینی طور پر پتہ لگ جائے کہ وہ ان انبیاء میں سے کسی نے کی ہے اُس پر بغیر کسی خدشہ کے فوراً عمل کرلیا کرو کیونکہ وہ ضرور اچھی ہوگی۔

(۲) جنتر منتر

دوسری سَیر مَیں نے جنتر منتر کی کی۔ جنتر منتر ایک رصدگاہ کا نام ہے جہاں اجرامِ فلکی کے نقشے بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بعض بلند جگہیں بنی ہوئی ہیں جہاں سے ستاروں اور اُن کی گردشوں کا اچھی طرح معائنہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ رصدگاہیں تین کام دیتی تھیں۔

اوّل: علمِ ہیئت اور حسابِ اوقات کی صحیح معلومات حاصل کرنا۔

دوم: اپنے خیال کے مطابق علمِ غیب دریافت کرنا۔

سوم: ستاروں کے بداثرات سے بچنے کی کوشش کرنا۔

یہ نہایت خوشنما جگہ ہے اور لوگ اسے ایک پُرانے زمانہ کی یادگار سمجھ کر دیکھنے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ محمد شاہ بادشاہ کے وقت میں مہاراجہ جے پور نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ مَیں نے کہا اس چھوٹے سے نقشہ کی تو لوگ قدر کرتے ہیں اور اس کے بنانے والے کو عزّت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لیکن کبھی بھی وہ اُس حقیقی جنتر منتر کی طرف نگاہ نہیں اُٹھاتے جس کا یہ نقشہ ہے اور نہ اس کے بنانے والے کی صنعت کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں۔ مٹی اور پتھر کی اگر کوئی دو اینٹیں لگا دے تو کہہ اُٹھتے ہیں واہ واہ! اُس نے کسقدر عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ کتنی عظیم الشان طاقتوں کا مالک خدا ہے جس نے اس جنتر منتر سے کروڑوں درجے بڑا ایک اور جنتر منتر بنایا اور نہ صرف اس نے اتنا بڑا نقشہ بنایا بلکہ اس نقشہ کا دیکھنا بھی ممکن کر دیا کیونکہ قرآن کریم میں اصل نقشہ کی سیر کا بھی امکان پیدا کیا گیا ہے مَیں نے اس غرض کے لئے سورہ انعام کو دیکھا تو وہاں یہ لکھا ہوًا پایا۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ [58]

کہ اسی طرح ہم نے ابراہیم کو زمین وآسمان کے اسرار کھول کر دکھائے تا کہ وہ علم میں ترقی کرے اور ہماری قدرتوں پر یقین لائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ امر کھول کر بیان کر دیا ہے کہ مَیں نے ابراہیم کو اصل جنتر منتر کی سیر کرادی اور زمین وآسمان کا نقشہ اسے دکھا دیا۔ پھر یہیں پر بس نہیں بلکہ قرآن کریم کی امداد کے ذریعہ ان جنتروں منتروں پر انسان کُلّیۃً حاوی ہو جاتا ہے اور کوئی چیز اس کے احاطۂ اقتدار سے باہر نہیں رہتی چنانچہ فرماتا ہے دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى [59] کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھایا اور سورج چاند ستاروں سب کی سیر کراتا ہوًا آپؐ کو اتنا قریب لے گیا کہ کوئی فاصلہ درمیان میں رہا ہی نہ۔ پس مَیں نے دیکھا کہ وہ باتیں جن کی تلاش میں لوگ سالوں سرگردان رہتے ہیں اور پھر بھی ناکام ونامراد رہتے ہیں وہ قرآن کریم کی اتباع میں ایسی آسانی سے حاصل ہو جاتی ہیں کہ نہ صرف اپنی خواہشات کو انسان پورا ہوتا دیکھ لیتا ہے بلکہ اور بھی ہزاروں قسم کے علوم اُسے حاصل ہو جاتے ہیں مگر آہ! لوگ معمولی اینٹوں کے بنائے ہوئے جنتر منتر کی تو قدر کرتے ہیں مگر وہ اس جنتر منتر کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جو ان کو ہزاروں فوائد سے متمتع کر سکتا ہے۔

قرآنی رصدگاہ میں ستاروں کے بداثرات سے بچنے کا علاج

پھر مَیں نے کہا لوگ رصدگاہیں اس لئے بناتے ہیں کہ وہ ستاروں کے بداثرات کا علم حاصل کر کے ان سے بچ سکیں مگر قرآنی رصدگاہ میں بھی ستاروں کے بداثرات سے بچنے کا کوئی علاج ہے یا نہیں۔مَیں نے جب دیکھا تو قرآن میں مجھے اس کا بھی علاج نظر آ گیا، آخر لوگ ستاروں کے بداثرات سے بچنے کی کیوں کوشش کرتے ہیں اسی لئے کہ کہیں ان پر کوئی تباہی نہ آ جائے۔اب آؤ ہم دیکھیں کہ کیا تباہیوں سے بچنے کا قرآن کریم نے بھی کوئی علاج بتایا ہے یا نہیں؟ اس مقصد کیلئے جب ہم قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ گُر بھی قرآن کریم میں بیان ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ- اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ - لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ [۶۰]

مَیں نے دہلی میں دیکھا کہ بالکل لغو اور فضول جنتر منتر ہیں جن کا مصائب کے دور کرنے پر کوئی اثر نہیں ہوسکتا مگر اس کے مقابلہ میں قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ دُکھوں اور تکلیفوں سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ خدا کے دوست بن جاؤ پھر جس ستارے کا بھی بداثر تم پر ہوسکتا ہو اس کو خدا خود دور کر دیگا، تمہیں گھبرانے اور فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، تمام جنتر منتر اُس کے قبضہ میں ہے اگر وہ دیکھے گا کہ سورج کے کسی اثر کی وجہ سے تمہیں نقصان پہنچنے والا ہے تو وہ اس کے بداثر سے تمہیں بچالے گا، اگر دیکھے گا کہ چاند کی کسی گردش سے تم پر تباہی آنیوالی ہے تو وہ خود اس تباہی سے تمہیں محفوظ رکھے گا، تم ماش اور جَو پر پڑھ پڑھ کر کیا پھونکتے ہو؟ تم اللہ تعالیٰ سے دوستی لگاؤ جب تمہاری اس سے دوستی ہو جائے گی تو مجال ہے کہ اُس کے کُتّے تمہیں کچھ کہہ سکیں۔پس مَیں نے جب قرآنی رصدگاہ میں سے اس علاج کو دیکھا تو میرے دل نے کہا واقعہ میں وہ بالکل فضول طریق ہیں جو لوگوں نے ایجاد کر رکھے ہیں کیوں نہ اِس رصدگاہ کا جو اصل مالک ہے اور جو زندہ اور طاقتور خدا ہے اس سے دوستی لگائی جائے اگر مریخ کی کسی چال کا ہمیں نقصان پہنچ سکتا ہوگا تو خدا خود اس کا علاج کرے گا۔ہم میں ذاتی طور پر یہ کہاں طاقت ہے کہ ہم تمام ستاروں کے بداثرات سے بچ سکیں۔اگر بالفرض ایک ستارے کے بداثر سے ہم نکل بھی گئے تو ہمیں کیا پتہ کہ کوئی اور ستارہ ہمیں اپنی گردش میں لے آئے۔پس یہ بالکل غلط طریق ہے کہ انسان ایک

ایک ستارہ کے بداثر سے بچنے کی کوشش کرے اصل طریق وہی ہے جو قرآن کریم نے بتایا کہ انسان ان ستاروں کے مالک اور خالق سے دوستی لگالے پھر کسی ستارے کی مجال نہیں کہ وہ انسان پر بداثر ڈال سکے۔

ایک بزرگ کا قصہ

قصّہ مشہور ہے کہ کوئی بزرگ تھے ان کے پاس ایک دفعہ ایک طالبعلم آیا جو دینی علوم سیکھتا رہا، کچھ عرصہ پڑھنے کے بعد جب وہ اپنے وطن واپس جانے لگا تو وہ بزرگ اس سے کہنے لگے میاں ایک بات بتاتے جاؤ۔ وہ کہنے لگا دریافت کیجئے میں بتانے کے لئے تیار ہوں۔ وہ کہنے لگے اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہارے ہاں شیطان بھی ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگا حضور شیطان کہاں نہیں ہوتا شیطان تو ہر جگہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا اچھا جب تم نے خدا تعالیٰ سے دوستی لگانی چاہی اور شیطان نے تمہیں ورغلا دیا تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں شیطان کا مقابلہ کروں گا۔ کہنے لگے فرض کرو تم نے شیطان کا مقابلہ کیا اور وہ بھاگ گیا، لیکن پھر تم نے اللہ تعالیٰ کے قُرب کے حصُول کے لئے جدوجہد کی اور پھر تمہیں شیطان نے روک لیا تو کیا کرو گے؟ اس نے کہا مَیں پھر مقابلہ کرونگا۔ وہ کہنے لگے اچھا مان لیا تم نے دوسری دفعہ بھی اُسے بھگا دیا لیکن اگر تیسری دفعہ وہ پھر تم پر حملہ آور ہوگیا اور اس نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے قُرب کی طرف بڑھنے نہ دیا تو کیا کرو گے؟ وہ کچھ حیران سا ہوگیا مگر کہنے لگا میرے پاس سوائے اس کے کیا علاج ہے کہ میں پھر اُس کا مقابلہ کروں۔ وہ کہنے لگے اگر ساری عمر تم شیطان سے مقابلہ ہی کرتے رہو گے تو خدا تک کب پہنچو گے۔ وہ لاجواب ہوکر خاموش ہوگیا، اس پر اس بزرگ نے کہا کہ اچھا یہ تو بتاؤ اگر تم اپنے کسی دوست سے ملنے جاؤ اور اُس نے ایک کُتا بطور پہرہ دار رکھا ہؤا ہو، اور جب تم اس کے دروازہ پر پہنچنے لگو تو وہ تمہاری ایڑی پکڑ لے تو تم کیا کرو گے؟ وہ کہنے لگا کُتّے کو مارونگا اور کیا کرونگا۔ وہ کہنے لگے فرض کرو تم نے اسے مارا اور وہ ہٹ گیا، لیکن اگر دوبارہ تم نے اس دوست سے ملنے کیلئے اپنا قدم آگے بڑھایا اور پھر اس نے تمہیں آ پکڑا تو کیا کرو گے؟ وہ کہنے لگا میں پھر ڈنڈا اٹھاؤنگا اور اُسے ماروں گا انہوں نے کہا اچھا تیسری بار پھر وہ تم پر حملہ آور ہوگیا تو تم کیا کرو گے؟ وہ کہنے لگا اگر وہ کسی طرح باز نہ آیا تو مَیں اپنے دوست کو آواز دونگا کہ ذرا باہر نکلنا یہ تمہارا کُتّا مجھے آگے بڑھنے نہیں دیتا اسے سنبھال لو۔ وہ کہنے لگے بس یہی گُر شیطان کے مقابلہ میں بھی اختیار کرنا اور جب تم اس کی تدابیر سے بچ نہ سکو تو خدا سے یہی کہنا کہ وہ اپنے کُتّے کو روکے اور تمہیں اپنے قُرب میں بڑھنے دے یہی نسخہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ

بیان کیا ہے وہ فرماتا ہے۔ اَ لَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

اے بڑی بڑی رصدگاہیں اور جنتر منتر بنانے والو! تم ستاروں کی گردش سے ڈر کر جنتر منتر کی پناہ کیوں ڈھونڈتے ہو، تم اس کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑ لیتے جس کے قبضۂ قدرت میں یہ تمام چیزیں ہیں۔ اگر تم اس سے دوستی لگا لو تو تمہیں ان چیزوں کا کوئی خطرہ نہ رہے اور ہر تباہی اور مصیبت سے بچے رہو۔ یہ علاج ہے جو قرآن کریم نے بتایا ہے۔ رصدگاہوں اور جنتر منتر کا علاج تو بالکل ظنّی ہے مگر یہ وہ علاج ہے جو قطعی اور یقینی ہے۔

قرآنی رصدگاہ سے علمِ غیب کی دریافت

دوسری بات جس کی وجہ سے لوگ ستاروں کی طرف توجہ کرتے ہیں علمِ غیب کی دریافت ہے سو یہ بات بھی حقیقی طور پر قرآنی رصدگاہ سے ہی حاصل ہوتی ہے باقی سب ڈھکوسلے ہیں، چنانچہ مَیں نے دیکھا کہ اس رصدگاہ کے قوانین میں لکھا ہؤا تھا۔ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْھَا بَلْ ھُمْ مِّنْھَا عَمُوْنَ[16]

فرماتا ہے زمین و آسمان میں سوائے خدا کے اور کوئی غیب نہیں جانتا۔ یعنی مصفّٰی علمِ غیب صرف خدا تعالیٰ کو ہے اور یہ لوگ جو ستاروں کے پرستار ہیں اور انہیں دیکھ کر غیب کی خبریں بتانے کے دعویدار ہیں یہ تو اپنی ترقی کا زمانہ بھی نہیں بتا سکتے اور اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ ان کی قوم کب ترقی کریگی۔ یہ برابر تباہ ہوتے جارہے ہیں مگر نہیں جانتے کہ ان کی تباہی کب دُور ہوگی۔ اس کے مقابلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو پہلے اکیلا تھا آج بُہتوں کا سردار بنا ہؤا ہے اگر انہیں ستاروں سے علمِ غیب حاصل ہوسکتا ہے تو کیوں یہ اپنی ترقی کا زمانہ نہیں بتا سکتے اور کیوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ترقی کو جو ستاروں سے علمِ غیب حاصل کرنے کا قائل نہیں روک نہیں دیتے؟ جب یہ اپنی ترقی کا زمانہ بھی نہیں بتا سکتے تو انہوں نے اور کونسی غیب کی خبر بتانی ہے۔ پھر فرمایا یہ تو دنیا کی بات ہے بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ۔ بَعْدَ الْمَوْت کی حالت کے متعلق یہ علم سے بالکل خالی ہیں اور حق بات تو یہ ہے کہ یہ اندھوں کی طرح تخمینے کرتے ہیں جو کبھی غلطی کرتا اور کبھی ٹھیک راستہ پر چلتا ہے۔ جس طرح اندھے کے ہاتھ کبھی لکڑی آجاتی ہے اور کبھی سانپ، اسی طرح ان کو بھی کبھی کوئی ایک آدھ بات درست معلوم ہوجاتی ہے اور کبھی حق

سے دُور باتوں کو سچ سمجھ کر یہ پکڑ لیتے ہیں۔

جب مجھے یہ آیت معلوم ہوئی تو مَیں نے کہا کہ اگر مصفّٰی علمِ غیب صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے تو ہمیں اس کا کیا فائدہ ہؤا، اٹکل پچو والے کو تو پھر بھی کبھی لکڑی مل جاتی ہے مگر ہم تو اس طرح اٹکل پچو والے فائدہ سے بھی محروم ہو گئے۔ اس پر مَیں نے دیکھا کہ قرآن نے میرے اس شُبہ کا بھی جواب دے دیا اور اس نے فرمایا۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّامَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ [٦٢] کہ ہم نے یہ علمِ غیب صرف اپنے پاس ہی نہیں رکھا بلکہ ہم کبھی اپنے بندوں کو اس غیب سے مطلع بھی کر دیا کرتے ہیں مگر انہی کو جن کو ہم چُن لیتے ہیں، ہر کس و ناکس کو غیب کی خبریں نہیں بتاتے۔

پھر مَیں نے کہا کہ غلبہ غیب کا بیشک نبیوں کو ہی حاصل ہو مگر عام انسانوں کو بھی تو کبھی علمِ غیب کی ضرورت ہوتی ہے کیا ان کے لئے بھی کوئی راہ ہے؟ اس پر مجھے جواب ملا کہ ہاں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ- نَحْنُ اَوْلِیٰٓـؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاوَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَکُمْ فِیْهَا مَاتَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَاتَدَّعُوْنَ- نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ [٦٣]

وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر انہوں نے لوگوں کی مخالفت کی پروا نہ کی بلکہ استقامت سے سچے مذہب پر قائم رہے اُن پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے نازل ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ کہ ڈرو نہیں اور نہ غم کرو۔ ہم فرشتے تمہاری حفاظت کِیا کریں گے، تمہاری پچھلی خطائیں معاف ہو چکیں اور آئندہ کے لئے تمہارے ساتھ خدا کا یہ وعدہ ہے کہ وہ تمہیں جنت میں داخل کریگا، ہم تمہارے دوست ہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وہاں جس چیز کے متعلق بھی تمہارا جی چاہے گا وہ تمہیں مل جائیگی اور جو کچھ مانگو گے وہ تمہیں دیا جائے گا، یہ تمہاری مہمان نوازی ہے جو بخشنے والے مہربان رب کی طرف سے ہے۔ اس نے تمہارا ماضی بھی درست کر دیا اور اس نے تمہارے مستقبل کو بھی ہر قسم کے خطرہ سے آزاد کر دیا۔

منجّموں کی خبروں اور الہامِ الٰہی میں فرق

اس میں یہ جواب بھی آ گیا کہ ستاروں کی خبریں صرف خبریں ہوتی ہیں اور یہ تقدیر ہوتی ہے یعنی وہ لوگ جو ستاروں کی گردشیں دیکھ کر دوسروں کو خبریں بتایا کرتے ہیں وہ صرف خبر بتاتے ہیں مثلاً یہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص مر جائے گا۔ اب یہ صرف ایک خبر ہے اس میں یہ ذکر

نہیں کہ وہ کسی طریق پر عمل کر کے موت سے بچ بھی سکتا ہے لیکن الہامِ الٰہی میں جہاں انذار ہوتا ہے وہاں تبشیر بھی ہوتی ہے۔ اگر ایک طرف یہ ذکر ہوتا ہے کہ تمہیں ترقی ملے گی تو دوسری طرف یہ ذکر بھی ہوتا ہے کہ تمہارے دشمن ہلاک کئے جائیں گے اور پھر اُن دشمنوں کو بھی بتایا جاتا ہے کہ اگر ہمارے نبی پر ایمان لے آ ؤ تو تم ان آنے والی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے لیکن اگر مخالفت اور دشمنی پر مُصِرّ رہے تو پھر تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔ گویا ایک تقدیر اور قدرت ہے جو الہامِ الٰہی میں پائی جاتی ہے مگر کسی رصدگاہ سے جو لوگ کوئی خبر معلوم کرتے ہیں اس میں کوئی قدرت اور جلال کا پہلو نہیں ہوتا۔ بسا اوقات رصدگاہ والا خود اپنے متعلق جب کوئی بات معلوم کرنا چاہتا ہے تو اُسے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ تیرا بیٹا مر جائے گا اب وہ ہزار کوشش کرے کہ کسی طرح مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ مَیں کس طرح اس مصیبت سے بچ سکتا ہوں تو اسے کسی طرح یہ بات معلوم نہیں ہوسکتی، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف جب توجہ کی جائے تو اس قسم کے تمام عُقدے حل ہو جاتے ہیں پس وہ خبریں صرف خبریں ہوتی ہیں، لیکن الہامِ الٰہی میں قدرت اور جلال کا پہلو پایا جاتا ہے۔

ستاروں سے حاصل کردہ خبروں کی حقیقت

پھر مَیں نے پُوچھا کہ ستاروں سے جو خبریں ملتی ہیں اُن کی حقیقت کیا ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں مجھے ایک نہایت ہی لطیف بات سورۃ الصّٰفّٰت سے معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ** [٦٤]

حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس قوم سے تعلق رکھتے تھے جو ستارہ پرست تھی چنانچہ قرآن مجید میں ہی ایک دوسرے مقام پر ذکر آتا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ مخالفوں کو چڑانے اور انہیں سمجھانے کے لئے طنزاً کہا کہ فلاں ستارہ میرا رب ہے مگر جب وہ ڈوب گیا تو کہنے لگے کہ یہ خدا کیسا ہے جو ڈوب گیا۔ مَیں تو ایسے خدا کا قائل نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد اُنہوں نے طنزًا چاند کے

متعلق کہا کہ وہ میرا رب ہے اور جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے مَیں تو سخت غلطی میں مبتلاء ہو جا تا اگر میرا خدا میری رہبری نہ کرتا، بھلا وہ بھی خدا ہوسکتا ہے جو ڈوب جائے۔ پھر سورج کے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ میرا رب ہے مگر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو وہ کہنے لگے کہ مَیں ان سب مُشرکانہ باتوں سے بیزار ہوں۔ میرا خدا تو ایک ہی خدا ہے جو زمین وآسمان کا مالک ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں سے تھے وہ ستارہ پرست تھی اور چونکہ ستاروں کی پرستش نہیں ہوسکتی اس لئے اُنہوں نے مختلف ستاروں کے قائمقام کے طور پر بہت سے بُت بنائے ہوئے تھے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگر ان بُتوں کی عبادت کی جائے تو جس ستارہ کے یہ قائم مقام ہیں اس کی مدد ہمیں حاصل ہو جائے گی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جس خاندان میں سے تھے وہ بھی پروہتوں کا خاندان تھا چنانچہ ان کے باپ نے ایک بُتوں کی دکان کھولی ہوئی تھی جس پر وہ کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی بٹھا دیتا اور کبھی ان کے دوسرے بھائیوں کو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندر بچپن سے ہی سعادت کا مادہ رکھا ہوًا تھا، چنانچہ یہودی روایات (طالمود) میں آتا ہے کہ ایک دن ان کا بھائی انہیں دکان پر بٹھا گیا اور بُتوں کی قیمت وغیرہ بتا کر کہہ گیا کہ اگر کوئی گاہک آئے تو اُسے بُت دیدینا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک بڈھا شخص اس دکان پر آیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک بُت چاہئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بُت اٹھایا اور گاہک کے ہاتھ میں دیدیا۔ وہ اُسے دیکھ کر کہنے لگا کہ اچھا ہے اس کی قیمت بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تم پہلے یہ بتاؤ کہ تم اس بُت کو کیا کروگے۔ اُس نے کہا اِسے گھر میں لے جاؤں گا اور اپنے سامنے رکھ کر اس کے آگے سجدہ کیا کرونگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سن کر بڑے زور سے ایک قہقہہ لگایا اور کہا تجھے اس کے آگے جھکتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔ تُو ستّر اسّی سال کی عمر کا ہوگیا ہے اور یہ بُت وہ ہے جو کل ہی میرے چچا نے بنوایا ہے بھلا اس بُت نے جسے کل سنگ تراش نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے تجھے کیا فائدہ پہنچانا ہے اور کیا تجھے شرم نہیں آئے گی کہ تو اتنا بڑا آدمی ہوکر اس کے آگے جُھک جائے۔ اب وہ گو بُت پرست ہی تھا مگر یہ فقرہ سُن کر اس کے اندر بُت کو گھر لے جانے کی ہمّت نہ رہی اور وہ وہیں اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ ان کے بھائیوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے باپ سے شکایت کر دی کہ ابراہیم کو دکان پر نہ بٹھایا جائے ورنہ یہ تمام گاہکوں کو خراب کر دیگا۔ تو ان لوگوں میں ستاروں کا علم خاص طور پر پایا جاتا تھا اور علمِ رمل اور علمِ نجوم آئندہ نسلوں کو سکھایا جاتا تھا۔ جس طرح ہندوؤں میں پنڈت اس کام

میں مشاق ہوتے ہیں اور وہ زائچہ نکالتے اور جنم پتری دیکھتے ہیں اسی طرح ان کو بھی زائچہ نکالنا اور جنم پتری دیکھنا سکھایا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی چونکہ ایسے ہی خاندان میں سے تھے اس لئے لازماً انہوں نے بھی یہ علم سیکھا، مگر جب بڑے ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو توحید کی تعلیم دینی شروع کر دی تو قوم سے ان کی بحثیں شروع ہو گئیں۔

حضرت ابراہیم کا ستارہ پرستوں کو درسِ توحید

ایک دن وہ اپنے رشتہ داروں اور قوم کے دوسرے لوگوں سے کہنے لگے کہ تم یہ تو سوچو کہ آخر تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ تم جھوٹ اور فریب کے ساتھ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بناتے ہو اور پھر یہ جانتے ہوئے کہ تم نے خود اپنے ہاتھ سے ان بُتوں کو بنایا ہے ان کے پیچھے چل پڑتے ہو اور انہیں خدا کا شریک قرار دیتے ہو۔ تم جو ستاروں کے پیچھے چل رہے ہو ہمیشہ تم کہتے ہو کہ مریخ نے یہ کر دیا، زحل نے وہ کر دیا۔ مشتری نے یہ کیا اور عطارد نے وہ کیا۔ تم یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ ربّ العٰلمین کیا کر رہا ہے کس قدر ایک وسیع نظام ہے جو ہر چیز میں نظر آتا ہے۔ کیا یہ تمام نظام ایک بالا قانون کے بغیر ہی ہے ساری چیزیں اس کے اشاروں پر چل رہی ہیں اور ان ستاروں میں بھی جس قدر طاقتیں ہیں وہ خدا تعالیٰ کی ہی عطا کردہ ہیں۔ پس عبادت کا اصل مستحق خدا ہے نہ کہ کوئی اور چیز۔ یہ تقریر آپ کر ہی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لطیف نکتہ سمجھا دیا **فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ** آپ نے ستاروں میں دیکھا **فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ** اور کہا کہ مَیں بیمار ہوں آپ کا یہ کہنا تھا کہ لوگ چلے گئے اور مجلس منتشر ہو گئی۔ یہاں مفسّرین کو بڑی مشکل پیش آئی ہے اور وہ حیران ہیں کہ **فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ** کے کیا معنی کریں بعض کہتے ہیں کہ اس روز آپ واقعہ میں بیمار تھے جب بحث زیادہ ہو گئی تو انہوں نے کہا اب مجھے آرام کرنے دو مَیں بحث کر کے تھک گیا ہوں۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ آپ اس روز بیمار تھے ہی نہیں۔ آپ نے **اِنِّيْ سَقِيْمٌ** جو کہا تو محض ان سے پیچھا چُھڑانے کے لئے کہا، چونکہ وہ بحث کرتے ہی چلے جاتے تھے اور بس کرنے میں نہیں آتے تھے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بول کر کہہ دیا کہ مَیں بیمار ہوں چنانچہ وہ چلے گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے جھوٹ نہیں بولا تھوڑے بہت آپ ضرور بیمار تھے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ آپ کو اُس دن نزلہ کی شکایت تھی۔ آپ نے انہیں کہہ دیا کہ بھائی اب معاف کرو مَیں بیمار ہوں۔ غرض مفسّرین اس موقع پر عجیب طرح گھبرائے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن سے کوئی

تاویل بن نہیں پڑتی، کبھی کوئی بات کہتے ہیں اور کبھی کوئی، مگر سوال یہ ہے کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ سے پہلے یہ الفاظ ہیں کہ فَنَظَرَ نَظْرَۃً فِی النُّجُوْمِ۔ انہوں نے ستاروں کو دیکھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کے بیمار ہونے کی خبر کا ستاروں سے کیا تعلق ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر یہ معلوم کیا تھا کہ اب بحث کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی ہے حالانکہ دیر ہو جانے کا ستاروں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ آپ ہی انسان سمجھ لیتا ہے کہ اب فلاں کام کرتے کرتے مجھے کافی دیر ہو گئی ہے۔ ستاروں کی طرف دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہا کرتا کہ اب بہت دیر ہوگئی ہے پھر سوال یہ ہے کہ اگر ستاروں کو دیکھ کر انہوں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ دیر ہوگئی ہے تو انہیں کہہ دینا چاہئے تھا اب بہت دیر ہوگئی ہے تم چلے جاؤ مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ دیر ہوگئی ہے تم چلے جاؤ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مَیں بیمار ہوں۔ اس پر بعض مفسّرین لُغت کی پناہ ڈھونڈنے لگے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ سَقِیْمٌ کے ایک معنے بیزار کے بھی ہیں انہوں نے بحث کرتے کرتے ستاروں کی طرف دیکھا اور کہا کہ مَیں ان ستاروں سے سخت بیزار ہوں۔ اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ یہ قول بھی صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان مشرکین سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ میں تم سے بیزار ہوں۔ ستاروں کے متعلق یہ کہنے کا کیا فائدہ تھا کہ میں ان سے بیزار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان معنوں میں سے کوئی معنے بھی صحیح نہیں۔ اصل معنے فَنَظَرَ نَظْرَۃً فِی النُّجُوْمِ کے یہ ہیں کہ جب آپ ان لوگوں سے بحث کر رہے تھے تو بحث کرتے کرتے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ ان زبانی باتوں سے تو ان کا اطمینان نہیں ہوگا تم یوں کرو کہ اسی وقت اپنا زائچہ نکالو چنانچہ جب وہ تقریر کر رہے تھے کہ ستاروں میں کوئی طاقت نہیں کہ وہ کسی کو نقصان پہنچائیں، سب طاقتیں اور قدرتیں خدا تعالیٰ کو ہی ہیں۔ تو معاً آپ نے اپنی تقریر کا رُخ بدلا اور کہا دیکھو تم جو ستاروں کی گردشوں اور اُن کی چالوں کے بہت قائل ہو، مَیں تم پر اتمامِ حُجّت کرنے کے لئے تمہارے سامنے اپنا زائچہ نکالتا ہوں چنانچہ انہوں نے جو زائچہ دیکھا تو اس سے مہورت [۶۵] یہ نکلی کہ ابراہیم کی خیر نہیں وہ ابھی بیمار ہو جائے گا۔ اس امر کو معلوم کرنے کے لئے چاہے انہوں نے اوپر دیکھا ہو اور ممکن ہے کہ اوپر ہی دیکھا ہو کیونکہ فِیْ کا لفظ آیت میں استعمال ہؤا ہے اور ممکن ہے کہ انہوں نے نقشہ دیکھا ہو، بہرحال جب انہوں نے ستاروں کی چال کو دیکھا اور مقررہ نقشہ سے اپنا زائچہ نکالا، تو اُس میں لکھا تھا کہ فلاں ستارہ کی گردش سے ابراہیم اسی گھڑی بیمار ہو جائے گا (گویا اِنِّیْ سَقِیْمٌ کے یہ معنی نہیں کہ میں بیمار ہوں بلکہ یہ ہیں کہ مَیں بیمار ہونے والا ہوں)

جب یہ زائچہ نکل آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اب میری اور تمہاری بحث ختم۔ اگر مَیں بیمار ہو گیا تو مَیں مان لونگا کہ تم سچ کہتے ہو اور اگر مَیں بیمار نہ ہوُا تو تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ستاروں کی گردشوں اور چالوں پر یقین رکھنا اور یہ خیال کرنا کہ ستاروں کا انسانوں پر بھی اثر ہوتا ہے بیہودہ بات ہے۔ چنانچہ اسی پر بات ختم ہوگئی اور وہ اُٹھ کر چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں سے فارغ ہوتے ہی بُت خانہ میں گئے اور انہوں نے بُت توڑنے شروع کر دیئے۔ جب ان کے بُت ٹوٹے اور لوگوں کو یہ خبر ہوئی تو وہ دوڑے دوڑے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا دکھائی نہیں دیتا کیا کر رہا ہوں، تمہارے بُتوں کو توڑ رہا ہوں تا کہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ میں بیمار نہیں ہوں اور تمہارے زائچہ نے جو کچھ بتایا تھا وہ غلط ہے انہوں نے جب دیکھا کہ ہمیں دُہری ذلّت پہنچی ہے یعنی ایک تو یہ ذلّت کہ ستارے کا اثر جو زائچہ سے نکلا تھا وہ غلط ثابت ہوُا اور دوسری یہ ذلّت کہ ہمارے بُت اُسی گھڑی توڑے گئے ہیں جس گھڑی ابراہیم نے بیمار ہونا تھا تو وہ سخت طیش میں آ گئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم کو اُسی وقت آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے تا کہ ہم لوگوں سے یہ کہہ سکیں کہ زائچہ میں جو یہ لکھا تھا کہ ابراہیم پر ایک آفت آئے گی وہ یہی آفت تھی کہ ابراہیم آگ میں جل کر مر گیا۔ مگر جب انہوں نے آگ جلائی اور حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ بارش ہوگئی اور آگ بُجھ گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں سے سلامت نکل آئے اور اس طرح جو تدبیر انہوں نے زائچہ کو درست ثابت کرنے کے لئے اختیار کی تھی وہ بھی ناکام گئی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے بعد دوسرے یا تیسرے دن انہوں نے دوبارہ آگ میں نہیں ڈالا کیونکہ اگر دوسرے تیسرے دن پھر آگ میں ڈالتے تو ان کی سچائی ثابت نہ ہوسکتی۔ ان کے زائچہ کی سچائی اُسی وقت ثابت ہوسکتی تھی جب کہ اُسی گھڑی حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں جل جاتے جس گھڑی آپ پر کسی آفت کا اُترنا زائچہ بتلاتا تھا مگر جب وہ وقت گزر گیا تو چونکہ اس کے بعد اگر آپ کو وہ دوبارہ بھی آگ میں ڈالتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تکذیب نہیں ہوسکتی تھی اس لئے پھر انہوں نے آپ کو آگ میں نہ ڈالا حالانکہ اگر انہوں نے آپ کو توحید کی وجہ سے ہی آگ میں ڈالا تھا تو چاہئے تھا کہ ایک دفعہ جب وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے تھے تو دوسری دفعہ پھر آپ کو جلانے کی کوشش کرتے مگر انہوں نے بعد میں ایسی کوئی کوشش نہیں کی جس سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے

کہ انہوں نے آپ کو آگ میں اسی لئے ڈالا تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی وہ خبر درست نکلے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق زائچہ سے نکلی تھی۔

اب دیکھو یہ کس طرح ایک مکمل دلیل ستارہ پرستوں کے خلاف بن گئی۔ زائچہ دیکھا گیا اور اس سے سب کے سامنے یہ نتیجہ نکلا کہ ابراہیم پر اسی وقت کوئی شدید آفت آنیوالی ہے جو اسے تباہ کر دیگی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا بس اسی پر میری اور تمہاری بحث ختم۔ اگر میں تباہ ہو گیا تو تم سچے اور اگر نہ ہوا تو مَیں سچا۔ جب وہ چلے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تکذیب واضح کرنے کے لئے بُتوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ اگر یہ معنی نہ کئے جائیں تو اُس دن بُتوں کو خاص طور پر توڑنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہوسکتا۔ آپ نے اُس دن خاص طور پر اسی لئے بُت توڑے کہ جس وقت آپ بُت توڑ رہے تھے وہی وقت زائچہ کے مطابق آپ کی بیماری کا تھا۔ پس آپ نے اپنے عمل سے انہیں زبردست شکست دی اور بتایا کہ تم تو کہتے تھے مَیں فلاں وقت بیمار ہو جاؤں گا مگر میں نے اسی وقت تمہارے بُتوں کے ناک کاٹ ڈالے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ جب ان کی قوم کو یہ خطرناک زِک پہنچی تو اس کے بعد آپ نے سمجھا کہ اب اس عملی زِک کے نتیجہ میں لوگوں کے دلوں میں ایسا بُغض بیٹھ گیا ہے کہ میرا یہاں رہنا ٹھیک نہیں چنانچہ وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔

پھر مَیں نے کہا کہ اچھا جو حصہ حساب و تاریخ کا رہ گیا ہے اس کے متعلق مجھے اس رصدگاہ سے کیا اطلاع ملتی ہے جب میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا تو مجھے اس کے متعلق یہ اطلاعات ملیں۔

سورج، چاند اور ستارے سب انسان کی خدمت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں

اوّل: سورج اور چاند اور ستارے سب اپنی ذات میں مقصود نہیں بلکہ یہ سب ایک اعلیٰ ہستی کے کام اور فائدہ کے لئے بنائے گئے ہیں اور وہ اعلیٰ ہستی انسان ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ نحل میں فرماتا ہے۔ **وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ**[٦٦]

کہ اے بیوقوف انسان! تُو خواہ مخواہ سورج، چاند اور ستاروں کی طرف دَوڑ رہا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ رات دن سورج، چاند اور ستارے سب تیری خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں مگر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ جسے ہم نے خادم قرار دیا تھا اس کو تم اپنا مخدوم قرار دے

رہے ہو اور جسے ہم نے مخدوم بنا کر بھیجا تھا وہ خادم بن رہا ہے تم ان سے ڈرتے اور گھبراتے کیوں ہو۔ کیا تم نے کبھی دیکھا کہ کوئی آقا اپنے نوکر سے ڈر رہا ہو اور اس کے آگے ہاتھ جوڑتا پھرتا ہو، یا کوئی افسر اپنے چپڑاسی کی منتیں کرتا رہتا ہو اور گر تم کسی کو ایسا کرتے دیکھو تو کیا تم نہیں کہو گے کہ وہ پاگل ہو گیا ہے۔ پھر تمہیں کیوں اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ وَسَخَّرَ لَكُمْ ہم نے تو ان تمام چیزوں کو تمہارا غلام بنا کر دنیا میں پیدا کیا ہے اور ان سب کا فرض ہے کہ وہ تمہاری خدمت کریں۔ بیشک یہ بڑی چیزیں ہیں مگر جس ہستی نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے بھی بڑی ہے۔ اس نے تو ان چیزوں کو تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا ہے مگر تمہاری عجیب حالت ہے کہ تم اُلٹا انہیں کے آگے اپنے ہاتھ جوڑ رہے ہو۔ قرآن کریم نے جو شرک کی اس بیہودگی کی طرف اس زور سے توجہ دلائی ہے۔ مجھے اس کے متعلق ایک قصہ یاد آ گیا وہ بھی بیان کرتا ہوں کہ اس سے مُشرکوں کی بے وقوفی پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ وہ قصّہ یہ ہے کہ فرانس میں دو پادری ایک دفعہ سفر کر رہے تھے کہ سفر کرتے کرتے رات آ گئی اور انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ کہیں رات آرام سے بسر کریں اور صبح پھر اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو جائیں۔ انہوں نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے ایک عورت نکلی، انہوں نے کہا ہم مسافر ہیں، صرف رات کاٹنا چاہتے ہیں اگر تکلیف نہ ہو تو تھوڑی سی جگہ کا ہمارے لئے انتظام کر دیا جائے، ہم صبح چلے جائیں گے۔ اس نے کہا جگہ تو کوئی نہیں، ایک ہی کمرہ ہے جس میں ہم میاں بیوی رہتے ہیں مگر چونکہ تمہیں بھی ضرورت ہے اس لئے ہم اس کمرہ میں ایک پردہ لٹکا لیتے ہیں ایک طرف تم سوتے رہنا، دوسری طرف ہم رات گذار لیں گے۔ چنانچہ اس نے پردہ لٹکا دیا اور وہ دونوں اندر آ گئے۔ اتفاق یہ ہے اُن کے پاس کچھ روپے بھی تھے، اب جب وہ سونے کے لئے لیٹے تو انہیں خیال آیا کہ کہیں یہ گھر والے ہماری نقدی نہ چُرا لیں۔ اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ذرا ہوشیار رہنا اور جاگتے رہنا، ایسا نہ ہو کہ ہم لُوٹے جائیں۔ ادھر میاں جو پیشہ میں قصّاب تھا اس خیال سے کہ ہمارے مہمانوں کی نیند خراب نہ ہو بیوی سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگا ان پادریوں کے پاس چونکہ روپیہ تھا انہوں نے سوچا کہ کہیں یہ لوگ ہمیں لُوٹنے کی تجویز تو نہیں کر رہے اور کان لگا کر باتیں سننے لگے۔ اُن دونوں میاں بیوی نے دو سؤر پال رکھے تھے جو سؤر خانے میں تھے اور وہ چاہتے تھے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے دن ذبح کر دیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک سؤر موٹا تھا اور ایک دُبلا تھا۔ اسی طرح ایک پادری بھی موٹا تھا اور ایک دُبلا۔ جب

پادریوں نے کان لگا کر سُننا شروع کیا تو اُس وقت میاں بیوی آپس میں یہ گفتگو کر رہے تھے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ایک کو ذبح کر دیا جائے، خاوند کہنے لگا کہ میری بھی یہی صلاح ہے کہ ایک کو ذبح کر دیا جائے۔ پادریوں نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے سمجھا کہ بس اب ہماری خیر نہیں یہ ضرور چھُرا لے کر ہم پر حملہ کر دیں گے اور ہمیں مار کر نقدی اپنے قبضہ میں کر لیں گے مگر انہوں نے کہا ابھی یہ فیصلہ کرنا ٹھیک نہیں ذرا اور باتیں بھی سُن لیں۔ پھر انہوں نے کان لگائے تو انہوں نے سُنا کہ بیوی کہہ رہی ہے پہلے کس کو ذبح کریں؟ میاں نے کہا پہلے موٹے کو ذبح کرو پتلا جو ہے اُسے چند دن کھلا پلا کر پھر ذبح کر دینگے۔ یہ بات انہوں نے جونہی سُنی وہ سخت گھبرائے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہمارے قتل کی تجویز پختہ ہو چکی ہے چنانچہ انہوں نے چاہا کہ کسی طرح اس مکان سے بھاگ نکلیں۔ دروازے چونکہ بند تھے اس لئے دروازوں سے نکلنے کا تو کوئی راستہ نہ تھا۔ وہ بالا خانہ پر لیٹے ہوئے تھے انہوں نے نظر جو ماری تو دیکھا کہ ایک کھڑکی کھلی ہے بس انہوں نے جلدی سے اُٹھ کر کھڑکی میں سے چھلانگ لگا دی جو موٹا پادری تھا وہ پہلے گرا اور جو دُبلا پادری تھا وہ اس موٹے پادری کے اوپر آ پڑا۔ دُبلے کو تو کوئی چوٹ نہ لگی، مگر موٹا جو پہلے گرا تھا اس کے پاؤں میں سخت موچ آ گئی اور وہ چلنے کے ناقابل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر دُبلا پادری فوراً بھاگ کھڑا ہؤا اور ساتھی کو کہتا گیا کہ مَیں علاقہ کے رئیس سے کچھ سپاہی مدد کے لئے لاتا ہوں تم فکر نہ کرو اور اِدھر اُدھر چمٹ کر اپنے آپ کو بچاؤ۔ اُدھر موٹے پادری کو یہ فکر ہؤا کہ کہیں گھر والے چھُری لے کر نہ پہنچ جائیں اور مجھے ذبح نہ کر دیں۔ چنانچہ اُس نے آہستہ آہستہ گھسٹنا شروع کیا اور گھسٹتے گھسٹتے وہ اُس سؤرخانہ کے پاس جا پہنچا جس میں میزبان کے سؤر بند تھے مگر اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ اندر سؤر ہیں یا کیا ہے، اُس نے خیال کیا کہ مَیں یہاں چھُپ کر بیٹھ جاتا ہوں تا کہ گھر والے میرا تعاقب کرتے ہوئے مجھے دیکھ نہ لیں۔ جب اُس نے سؤرخانہ کا دروازہ کھولا تو سؤر ڈر کے مارے نکل بھاگے اور یہ اندر چھپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ قصاب چھُری لے کے موٹے سؤر کو ذبح کرنے کے لئے وہاں پہنچ گیا۔ پادری نے سمجھا کہ اب میری خیر نہیں یہ ضرور مجھے مار ڈالے گا۔ چنانچہ وہ اور زیادہ دبک کر کونے میں چھپ گیا قصاب نے ڈنڈا ہلایا اور کہا نکل نکل، مگر وہ اور زیادہ سمٹ سمٹا کر ایک طرف ہو گیا وہ حیران ہؤا کہ سؤر نکلتا کیوں نہیں مگر خیر اس نے اور زیادہ زور سے ڈنڈا پھیرا اور آواز دے کر سؤر کو باہر نکالنا چاہا اور آخر گھسیٹ کر باہر نکال لیا۔ پادری نے سمجھ لیا کہ اب کوئی چارہ نجات کا نہیں اب میرے ذبح ہونے کا وقت آ

گیا ہے اور وہ آخری کوشش کے طور پر قصاب کے آگے ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں پادری ہوں مَیں نے تمہارا کوئی قصور نہیں کیا۔ خدا کے لئے معاف کرو۔ ادھر قصاب نے جب دیکھا کہ سؤر کی بجائے اندر سے ایک آدمی نکل آیا ہے تو وہ سخت حیران ہؤا اور اس نے سمجھا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے جو میری جان نکالنے کے لئے یہاں آیا ہے چنانچہ وہ ڈر کر دوزانو ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور ہاتھ جوڑ کر درخواست کرنے لگ گیا کہ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو ابھی میں مرنے کے قابل نہیں مجھے اپنے کام درست کر لینے دو اور اپنے گناہوں سے تائب ہو لینے دو۔ اب یہ عجیب نظارہ تھا کہ ایک طرف پادری ہاتھ جوڑے جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو اور دوسری طرف وہ قصاب ہاتھ جوڑ رہا تھا اور کہہ رہا تھا خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ تھوڑی دیر تو وہ اسی طرح ایک دوسرے کی منّتیں سماجتیں کرتے رہے اور گھبراہٹ میں نہ وہ اس کی سنتا تھا اور نہ یہ اس کی مگر آخر دونوں کے ہوش کچھ بجا ہونے لگے اور انہوں نے دیکھا کہ نہ وہ اس کو ذبح کرتا ہے اور نہ یہ اس کی جان نکال رہا ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہے ہیں یہ دیکھ کر اُن کی عقل کچھ ٹھکانے لگی اور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور قصاب نے جو غور کیا تو اپنے سامنے رات والا پادری بیٹھا دیکھا اور حیرت سے پوچھا کہ تم یہاں کہاں؟ اس نے کہا کہ رات کو ہم نے تم میاں بیوی کو یہ کہتے ہوئے سن پایا تھا کہ موٹے کو صبح ذبح کر دینگے اور دُبلے کو کچھ دن کھلا پلا کر۔ اس لئے ہم کھڑکی سے کُود کر بھاگے اور میرا چونکہ پاؤں چوٹ کھا گیا تھا مَیں اِس سؤر خانہ میں چُھپ کر بیٹھ گیا اور میرا ساتھی فوج کی مدد لینے گیا ہے۔ اس پر قصاب نے بے اختیار ہنسنا شروع کیا اور بتایا کہ ان کے دو سؤر ہیں ایک موٹا اور ایک دُبلا۔ وہ تو ان سؤروں میں سے موٹے کے ذبح کرنے کی تجویز کر رہے تھے اور آہستہ اس لئے بول رہے تھے کہ مہمانوں کی نیند خراب نہ ہو۔ اتنے میں سرکاری سوار بھی آ گئے اور اس حقیقت کو معلوم کر کے سب ہنستے ہنستے لَوٹ گئے۔ یہی حال ستارہ پرستوں کا ہے۔ اللہ میاں نے ان کو انسانوں کی خدمت کے لئے مقرر کیا ہے اور وہ انسان کی خدمت کر رہے ہیں مگر انسان ہے کہ ان کے آگے ہاتھ جوڑ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ خدا کے لئے ہم پر رحم کرو۔ گویا ستارے اس کے غلام بن رہے ہیں اور یہ ان کا غلام بن رہا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں بیان کی ہے کہ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ یہ سب انسانوں کے خدمتگذار تو ہیں مگر انہی کے لئے جو ان امور کو دیکھیں اور عقل اور سمجھ سے کام لیں ایسے لوگ

کبھی بھی ان کو خدائی صفات والا قرار نہیں دے سکتے ۔ہاں اگر کوئی اس فرانسسکن (FRANCISCAN) پادری کی طرح بلا وجہ ڈر کر ہاتھ جوڑنے لگ جائے تو اور بات ہے۔

سب اجرامِ فلکی ایک عالمگیر قانون کے تابع ہیں!

(۲) دوسری بات مجھے یہ معلوم ہوئی کہ سورج چاند اور ستارے سب ایک عالمگیر قانون کے ماتحت چل رہے ہیں اور اس امر کا ثبوت ہیں کہ ایک زبردست ہستی ان سب پر حاکم ہے، چنانچہ مَیں نے قرآن کریم کو دیکھا تو وہاں یہ لکھا ہؤا تھا کہ اَلَمْ تَرَاَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُلَه، مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ۔ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَايَشَاءُ [۶۷]

یعنی اے بیوقوفو! کیا تمہیں معلوم نہیں آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور انسانوں میں سے بھی بہت سے لوگ سب خدا تعالیٰ کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے لئے عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جسے خدا ذلیل کرے اُسے کوئی عزّت نہیں دے سکتا، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔غرض بتایا کہ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں وہ سب ایک قانون کے ماتحت چل رہی ہیں،سورج کیا اور چاند کیا اور ستارے کیا اور پہاڑ کیا اور درخت کیا سب ایک خاص نظام کے ماتحت حرکت کرتے ہیں اور ہر ایک کے منہ میں لگام پڑی ہوئی ہے پھر تم ان چیزوں کو جن کو خود لگام میں پڑی ہوئی ہیں خدا کس طرح قرار دیتے ہو۔ یہ چیزیں تو خود تمہارے آگے آگے بطور خدمت گار چل رہی ہیں مگر تم ایسے احمق ہو کہ تم انہی کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑے ہو اور اس طرح اپنے آپ کو ذلیل کر رہے ہو اور یہ اس امر کی سزا ہے کہ تم نے اپنے پیدا کرنے والے خدا کو چھوڑ دیا۔ پس اُس نے تم کو تمہارے ہی غلاموں کا غلام بنا دیا وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَه، مِنْ مُّكْرِمٍ اور جسے خدا ذلیل کر دے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

سورج کو ضیاء اور چاند کو نُور بنایا گیا ہے۔

(۳) تیسری بات مجھے یہ معلوم ہوئی کہ سورج اپنی ذات میں روشن ہے اور چاند دوسرے سے روشنی اخذ کرتا ہے چنانچہ میں نے دیکھا کہ قرآن مجید میں لکھا ہؤا ہے۔هُوَالَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَنُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَالسِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ

مَاخَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ اِلَّابِالْحَقِّ۔ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ [۶۸]

کہ خدا ہی ہے جس نے سورج کو ضیاء بنایا اور چاند کو نور۔ضیاء کے معنے ہیں اپنی ذات میں جلنے والی اور روشن چیز۔اور نور اُسے کہتے ہیں جو دوسرے کے اثر کے ماتحت روشن ہو۔پس خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتا دیا کہ سورج تو اپنی ذات میں روشن ہے مگر چاند سورج سے اکتسابِ نور کرتا ہے۔

پھر اسی مضمون کو مَیں نے ایک اور لطیف طرز میں بھی قرآن کریم میں موجود پایا چنانچہ مَیں نے دیکھا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے۔اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقاً وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْھِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا [۶۹]

کہ کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو کس طرح تہہ بہ تہہ بنایا ہے اور چاند کو اُس نے نور اور سورج کو اس نے سراج بنایا ہے،سراج اُس دیے کو کہتے ہیں جس میں بتی روشن ہو۔پس سراج کا لفظ استعمال کر کے بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ سورج کے اندر خود ایک آگ ہے جس کی وجہ سے اس کی روشنی تمام جہان پر پھیلتی ہے۔موجودہ تحقیق نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ سورج میں ریڈیم کے اجزاء کی وجہ سے ایک جلتی ہوئی آگ ہے اور اسی وجہ سے وہ روشن ہے۔اب دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے صرف سراج کے لفظ میں ہی آج سے تیرہ سَو سال پہلے وہ نکتہ بتا دیا تھا جسے تیرھویں صدی ہجری میں یورپین محققین نے دریافت کیا اور بتا دیا تھا کہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اور چاند کی طفیلی جس طرح دیے کی بتّی جلتی ہے اسی طرح سورج میں ایک ایسی آگ ہے جس کی وجہ سے وہ ہر وقت روشن رہتا ہے مگر چاند میں ایسی کوئی روشنی نہیں وہ جو کچھ حاصل کرتا ہے سورج سے حاصل کرتا ہے اسی لئے سورج کو تو سراج کہا مگر چاند کو نور قرار دیا۔

(۴) چوتھی بات قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورج اور چاند کی بناوٹ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آخر یہ بھی فنا ہو جائیں گے،چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی [۷۰]

کہ خدا ہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے بلند کیا۔پھر وہ عرش پر جا گزیں ہو گیا اور اس نے سورج اور چاند کو انسانوں کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا،ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرہ میں حرکت کر رہا ہے مگر یہ تمام حرکات لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ایک وقت مقررہ تک

ہیں، جب مقررہ وقت ختم ہو گیا تو اس کے بعد ان پر تباہی آ جائے گی، آجکل اہل یورپ کی تحقیقات سے بھی یہی ثابت ہوا ہے کہ یہ تمام چیزیں ایک دن تباہ ہو جائیں گی، پہلے یورپین لوگ قیامت کے منکر ہوا کرتے تھے اور وہ اسلام کے اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ کسی دن تمام کارخانۂ عالَم درہم برہم ہو جائے گا اور سورج، چاند اور ستارے سب فنا ہو جائیں گے مگر موجودہ تحقیق سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ستاروں، چاند اور سورج کی گردش ایک دن یقیناً ٹوٹ جائے گی اور دنیا پر قیامت آ جائے گی اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہی فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو تمہارے لئے مسخّر تو کیا ہے مگر ان تمام کی رفتاریں ایک دن ختم ہونے والی ہیں یہ نہیں کہ یہ کوئی دائمی چیز ہیں۔

سورج اور چاند کا حساب اور تاریخ سے تعلق

(۵) پھر مَیں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ ان رصدگاہوں سے جو حساب وغیرہ نکالتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے اور کیا قرآنی رصدگاہ میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے، مَیں نے جب غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ قرآن اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے اور وہ فرماتا ہے کہ سورج اور چاند یہ دونوں حساب اور تاریخ بتانے کے لئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ۔**

کہ ہم نے سورج کو ضیاء اور قمر کو نور بنایا ہے اسی طرح سورج اور چاند کی ہم نے منازل مقرر کر دی ہیں تا کہ تمہیں سالوں کی گنتی اور حساب معلوم ہوا کرے گویا سورج اور چاند دونوں سالوں کی گِنتی اور حساب کا ایک ذریعہ ہیں، اسی طرح فرمایا۔ **فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَناً وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَاناً۔ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔**[1]

کہ خدا صبح کو نکالنے والا ہے۔ اسی نے رات کو سکون کا موجب اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے اور یہ فیصلہ ایک غالب اور علم رکھنے والے خدا کا ہے پھر فرمایا **اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ**[2]

سورج اور چاند دونوں ہم نے حساب کے کام پر لگائے ہوئے ہیں۔

مَیں نے جب قرآن کریم میں ان آیات کو دیکھا اور ان پر غور و تدبّر کیا تو مَیں اس نتیجہ پر پہنچا کہ واقع میں تاریخ اور حساب کے ساتھ سورج اور چاند دونوں کا بہت بڑا تعلق ہے اور یہ علوم کبھی ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اگر سورج اور چاند کا وجود نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حساب کی وسعت

ستاروں کی رفتار سے ہوئی ہے اور جس قدر باریک حساب ہیں وہ علمِ ہیئت کی وجہ سے ہی ہیں۔ اگر علمِ ہیئت نہ ہوتا اور ستاروں کی گردشیں اور ان کی رفتاریں مقرر نہ ہوتیں تو اربوں کھربوں کے جس قدر حسابات ہیں وہ کبھی صحیح طور پر نہ ہو سکتے۔ اسی طرح سورج اور چاند اگر نہ ہوتے تو دِنوں اور سالوں کا اندازہ نہ ہوسکتا اس لئے کہ اندازہ اور فاصلہ معلوم کرنے کے لئے کسی مستقل چیز کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے جیسے پٹواری جب حساب لگاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں زمین فلاں کنویں سے اتنے کرم کے فاصلہ پر ہے یا فلاں درخت سے اتنے کرم کے فاصلہ پر ہے پس کسی مستقل چیز کے بغیر فاصلے کا معلوم کرنا ناممکن ہوتا ہے اسی وجہ سے سالوں اور دنوں کا بھی اندازہ نہ ہوسکتا اگر سورج اور چاند نہ ہوتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر سورج اور چاند نہ ہوتے اور یونہی روشنی ہو جاتی یا تاریکی ہو جاتی تو اس طرح بھی دن رات ہو سکتے تھے مگر سوال یہ ہے کہ اگر یونہی روشنی ہو جاتی تو اس کا مستقل کنارہ کونسا ہوتا اور کیونکر معلوم ہوتا کہ فلاں مستقل کنارے سے فلاں سال شروع ہوًا ہے اور فلاں مستقل کنارے سے فلاں سال۔

تقویمِ شمسی کی ضرورت اور اس کی اہمیت

بہرحال چاند اور سورج دونوں کا سالوں مہینوں اور دنوں کے حساب سے تعلق ہے، لیکن مجھے خیال آیا کہ چاند سے تو ہم پھر بھی کچھ نہ کچھ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور ہجری قمری ہم میں جاری ہے جس سے لوگ بہت کچھ فائدہ اُٹھاتے ہیں مگر سورج سے تو ہم بالکل فائدہ نہیں اُٹھا رہے حالانکہ جیسا کہ قرآن کریم بیان کرتا ہے سورج اور چاند دونوں ہی حساب کے لئے مفید ہیں اور دوسری طرف عقلی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو ان دونوں میں فوائد نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وقت اور زمانہ کی تعیین کے لحاظ سے سورج مفید ہے اور عبادتوں کو شرعی طریق پر چلانے کے لئے چاند مفید ہے اس لئے کہ چاند کے لحاظ سے موسم بدلتے رہتے ہیں اور انسان سال کے ہر حصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا قرار پا سکتا ہے۔ مثلاً رمضان ہےَ اب اس کا انحصار چونکہ قمری مہینوں پر ہے اس لئے ۳۶ سال میں ایک دَور ختم ہو جاتا ہے اور سال کے بارہ مہینوں میں ہی رمضان کے ایام آ جاتے ہیں، کبھی جنوری میں آ جاتا ہے، کبھی فروری میں آ جاتا ہے، کبھی مارچ میں آ جاتا ہے، کبھی اپریل میں آ جاتا ہے غرض وہ کبھی کسی مہینہ میں آ جاتا ہے اور کبھی کسی مہینہ میں اور اس طرح سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں ہر دن ایسا ہوتا ہے جس میں انسان نے روزہ رکھا ہوتا ہے لیکن اگر قمری مہینوں کی بجائے شمسی مہینوں پر روزے مقرر ہوتے تو اگر ایک دفعہ جنوری میں

روزے آتے تو پھر ہمیشہ جنوری میں ہی روزے رکھنے پڑتے اور اس طرح عبادت کو وسعت حاصل نہ ہوتی۔ پس عبادت کو زیادہ وسیع کرنے کے لئے اور اس غرض کے لئے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر لحظہ کے متعلق یہ کہہ سکے کہ وہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہے، عبادت کا انحصار قمری مہینوں پر رکھا گیا ہے، لیکن وقت کی تعیینِ صحیح کے لئے سورج مفید ہے اور سال کے اختتام یا اس کے شروع ہونے کے لحاظ سے انسانی دماغ سورج سے ہی تسلی پاتا ہے۔ بہر حال مجھے خیال آیا کہ ہم مسلمانوں نے قمری تاریخوں سے تو فائدہ اُٹھایا ہے لیکن شمسی تاریخوں سے فائدہ نہیں اٹھایا، حالانکہ قمری شمسی دونوں میں فوائد ہیں اور چونکہ ہر انسان شمسی حساب پر مجبور ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں نے بھی مجبوراً عیسوی سن استعمال کرنا شروع کر دیا حالانکہ اگر ہم ہجری قمری کے ساتھ ہجری شمسی بھی بناتے اور ہجری قمری تاریخوں کے بالمقابل ہجری شمسی تاریخیں بھی ہوتیں تو قطعاً کوئی جھگڑا نہ ہوتا۔

اب اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ ۱۲۲ ہجری کب تھا اور اُس وقت شمسی کے لحاظ سے کونسا سال تھا تو وہ فوراً معلوم نہیں کر سکتا اور محض ۱۲۲ ہجری کہنے سے اس کی تسلی نہیں ہوتی کیونکہ سال کے لحاظ سے انسانی دماغ سورج ہی سے تسلی پاتا ہے، اسی وجہ سے لوگ ہجری قمری سالوں کے عیسوی سن معلوم کرتے ہیں اور اس طرح خواہ مخواہ مسلمان بھی عیسوی سن کو اپنے اندر رائج کئے ہوئے ہیں۔

میرے نزدیک ضروری تھا کہ جس طرح ہجری قمری بنائی گئی تھی اسی طرح ہجری شمسی بھی بنائی جاتی اور ان دونوں سے فائدہ اُٹھایا جاتا، مگر مجھے یہ بات جنتر منتر کو دیکھ کر سُوجھی اور مَیں نے اسی وقت سے تہیہ کر لیا کہ اس بارہ میں کامل تحقیق کر کے عیسوی شمسی سن کی بجائے ہجری شمسی سن جاری کر دیا جائے گا۔ جب میں واپس آیا تو اتفاق کی بات ہے کہ مجھے اس بارہ میں اپنی لائبریری سے ایک کتاب بھی مل گئی۔ میرے ساتھ خدا تعالیٰ کی یہ عجیب سنت ہے کہ مجھے جب بھی کسی چیز کی شدید ضرورت ہو وہ آپ ہی آپ میرے سامنے آ جاتی ہے بعض دفعہ مجھے قرآن کریم کی آیتوں کے حوالوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اُس وقت کوئی حافظ پاس ہوتا نہیں تو مَیں نے اکثر دیکھا ہے کہ ایسے وقت میں بسا اوقات جب قرآن کھولتا ہوں تو وہی آیت سامنے آ جاتی ہے جس کی مجھے ضرورت ہوتی ہے۔

گزشتہ سال مَیں نے جلسہ سالانہ پر جو تقریر کی، اُس کے نوٹ لکھنے کی مجھے فُرصت نہیں

ملتی تھی ۔ ایک دن میں نے اس کا چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب سے ذکر کیا تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ میں نے تو دیکھا ہے جب بھی آپ کو فُرصت نہ ملے اُس وقت خدا تعالیٰ کی خاص تائید ہوتی ہے چنانچہ واقعہ میں ایسا ہی ہؤا جب مَیں نوٹ لکھنے کے لئے بیٹھا جس کے لئے بہت سے حوالوں کی ضرورت تھی تو وہ حیرت انگیز طور پر جلد جلد نکلتے گئے حتّٰی کہ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ بعض حوالجات کی مجھے ضرورت پیش آئی مگر میرا ذہن اُس طرف نہ جاتا تھا کہ وہ حوالجات کس کتاب میں سے ملیں گے ۔ ارادہ تھا کہ بعض اور دوستوں کو بُلا کر اُن کے سپرد حوالجات نکالنے کا کام کرُدوں کہ اتفاقاً کسی اور کتاب کی تلاش کے لئے مَیں نے کتابوں کی الماری جو کھولی تو مَیں نے دیکھا کہ اس میں چند کتابیں بے ترتیب طور پر گری ہوئی ہیں مَیں نے انہیں ٹھیک کرنے کے لئے اُٹھایا تو ان میں سے مجھے ایک کتاب مل گئی جس کے لائبریری میں ہونے کا مجھے علم نہیں تھا، مَیں نے اُسے کھولا تو اس میں اکثر وہ حوالے موجود تھے جن کی مجھے اُس وقت ضرورت تھی ۔

اسی طرح مَیں بعض اور کتابوں کی تلاش کر رہا تھا کہ اتفاقاً ایک کتاب نکل آئی جس کا نام ہے ’’تَقْوِیْمُنَا الْشَّمْسِیُّ ‘‘ اس میں مصنف نے بحث کرتے ہوئے تاریخی طور پر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں میں دیر سے یہ خیال چلا آ رہا ہے کہ ہجری قمری کی طرح ہجری شمسی بھی ہونی چاہئے وہ کہتا ہے کہ خلفاء عباسیہ نے بھی ہجری شمسی تقویم بنانے کی کوشش کی مگر اس میں فلاں فلاں روک پیدا ہوگئی اسی طرح وہ لکھتا ہے کہ بعد میں دولتِ عثمانیہ نے بھی ہجری شمسی بنائی مگر رائج نہ ہوسکی، غرض اس نے تاریخی طور پر اس کتاب میں یہ بحث کی ہے کہ مسلمانوں میں یہ خیال کب پیدا ہؤا اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے کیا کیا کوششیں ہوئیں اور کیا کیا نقائص ہوتے رہے ۔ بہر حال یہ خیال مسلمانوں میں دیر سے پایا جاتا ہے بلکہ اس حد تک یہ خیال مضبوطی سے گڑا ہؤا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف کتاب کا نام محض تقویم شمسی نہیں رکھتا بلکہ ’’تَقْوِیْمُنَا الْشَّمْسِیُّ ‘‘ رکھتا ہے یعنی ہماری اپنی شمسی ہجری تقویم ۔

میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آئندہ عیسوی شمسی سن کی بجائے ہجری شمسی سن جاری کیا جائے اور عیسوی سن کے استعمال کو ترک کر دیا جائے میرا ارادہ ہے کہ ایک دومہینہ تک اس بارہ میں پوری تحقیق کر کے ہجری شمسی سن جاری کر دیا جائے اور آئندہ کے لئے عیسوی سن کا استعمال چھوڑ دیا جائے، خواہ مخواہ عیسائیت کا ایک طوق ہماری گردنوں میں کیوں پڑا رہے

(یہ تحقیق میری مقررہ کردہ ایک کمیٹی نے مکمل کر کے تقویم شمسی ہجری تیار کر دی ہے اور دو سال سے اس کا کیلنڈر شائع ہو رہا ہے)

نظامِ شمسی کا تمدّنی ترقی سے تعلق

(۶) قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ نظام شمسی ایک خاص قانون کے ماتحت ہے اور اس کا قانون انسانی کاموں کے لئے بطور ایک نمونہ کے مقرر کیا گیا ہے اور اس سے انسان کی تمدّنی ترقی کے لئے ایک ہدایت اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے فرماتا ہے۔ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۔ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۔ [۴۳]

سورج اور چاند دونوں ایک حساب کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ یعنی ان کی حرکات قانون سے آزاد نہیں ہیں بلکہ ایک معیّن اور مقررہ قانون کے مطابق ہیں اور اسی مقررہ قانون کا نتیجہ یہ ہے کہ زمین کی روئیدگی اور سبزہ اس قانون کے ماتحت چلتا ہے اور اس سے متأثر ہوتا ہے، سجدہ کے معنے فرمانبرداری کے بھی ہوتے اور يَسْجُدَانِ کے اس جگہ یہی معنے ہیں اور نجم کے معنے جڑی بوٹی کے بھی ہوتے ہیں اور وہی معنے اس جگہ مراد ہیں کیونکہ شجر کے ساتھ جس کے معنے درخت کے ہیں اس کا عطف ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر تنے والی سبزیاں ہوں یا تنے والے درخت ہوں سب اپنے اُگنے، نشوونما پانے اور پھل لانے میں سورج اور چاند کے پیچھے چلتے ہیں اور ان سے متأثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو دنیا کے حصہ شمالی اور حصہ جنوبی میں موسم کا فرق ہوتا ہے جب شمال میں سردی ہوتی ہے جنوب میں گرمی ہوتی ہے اور جب شمالی حصہ میں گرمی ہوتی ہے جنوبی حصہ میں سردی ہوتی ہے اور اس تغیّر کی وجہ سے دونوں حصوں کی فصلوں کے موسموں میں بھی فرق پڑ جاتا ہے اور اسی کی طرف وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ میں اشارہ فرمایا ہے کہ سورج اور چاند جس قانون کے تابع ہیں اسی کے تابع سبزیاں، ترکاریاں، جڑی بوٹیاں اور بڑے درخت ہیں اور وہ ان سے متأثر ہوتے ہیں۔ پس اس آیت سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ زمین کے اندر جو تغیرات ہوتے ہیں وہ نظام شمسی کا ایک حصہ ہیں اور ان سے متأثر ہوتے ہیں آزاد نہیں ہیں۔ پھر فرماتا ہے وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ یعنی اس سورج چاند کے نظام کے اوپر ایک اور نظام ہے یعنی نظامِ شمسی نظامِ عالَم کے ماتحت ہے جس طرح کہ نظامِ ارضی نظامِ شمسی کے ماتحت ہے اور نظامِ عالَم بھی ایک معیّن اور مقررہ قانون کے تابع ہے اور اس کے

اجزاء ایک دوسرے سے آزاد نہیں ہیں۔ اس آیت میں کیسی زبردست سچائی بیان کی گئی ہے جو قرآن کریم کے وقت میں کسی کو معلوم نہ تھی، بلکہ صرف حال ہی کے زمانہ میں اس کا علم لوگوں کو ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ نظامِ شمسی ہی ایک نظام نہیں بلکہ وہ نظام ایک اور بالا اور وسیع تر نظام کا حصہ ہے جو سَمَاء یعنی عالَمِ محتوی کہلاتا ہے اور رَفَعَهَا کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ نظام ماقبل کے بیان کردہ نظاموں سے یعنی نظامِ ارضی اور نظامِ شمسی سے بلند مرتبہ اور وسیع تر ہے اور وَضَعَ الْمِيْزَانَ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ وہ بالا اور بلند نظام بھی میزان کے تابع رکھا گیا ہے اور ایک قانون کا پابند کر دیا گیا ہے آزاد نہیں ہے۔

اس مضمون میں مندرجہ ذیل علوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:-

(۱) نظامِ ارضی نظامِ شمسی کے تابع ہے نہ کہ اس پر حاکم یہ وہ نکتہ ہے جسے مشہور مہندس گلیلیو (GALILEO) نے جب دریافت کیا اور اس امر کا اعلان کیا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے نہ کہ سورج زمین کے گرد، جیسا کہ اُس وقت عام خیال تھا تو اُس پر عیسائی دنیا نے کُفر کا فتویٰ لگا دیا اور کہا کہ اگر اس امر کو تسلیم کر لیا جائے کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے تو پھر سورج کو زمین سے افضل ماننا پڑیگا اور اس کے نتیجہ میں انسان کی افضلیت مشتبہ ہو جائے گی اور مذہب باطل ہو جائے گا اور اس دلیل کی بناء پر گلیلیو پر سخت ظلم کئے گئے اُسے قید کیا گیا، پیٹا گیا یہاں تک کہ سالہا سال کے ظلموں کو برداشت نہ کر کے اس غریب کو یہ کہہ کر توبہ کرنی پڑی کہ جو عیسائیت کہتی ہے وہ ٹھیک ہے شیطان نے مجھے دھوکا دیکر یہ دکھا دیا کہ زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے تب جا کر اُس کی تکلیف کسی قدر دُور ہوئی، لیکن قرآن کریم کو دیکھو وہ کس طرح شروع سے ہی فرما رہا ہے کہ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ہم نے سورج اور چاند کو خاص قانون کے ماتحت بنایا ہے اور وہ اس قانون کی پابندی کر رہے ہیں اور زمین کی روئیدگیاں آگے ان کے قانون کے تابع چل رہی ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ سورج کے گرد تو زمین چل رہی ہے، لیکن چاند تو زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہی تو قرآن کریم کا منشاء ہے کہ ایک کُرّہ جس کے تابع زمین ہے اس کو لے لیا گیا ہے اور ایک وہ جو زمین کے تابع ہے اُسے لے لیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ زمین دونوں سے متأثر ہو رہی ہے۔ اس سے بھی جس کے گرد وہ گھومتی ہے اور اس سے بھی جو اس کے گرد گھومتا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ادنیٰ بھی اعلیٰ پر اثر انداز ہوتا ہے اور ماتحت بھی حاکم

پر اپنا اثر چھوڑتا ہے اس لئے طاقتور کو غرور سے کام نہیں لینا چاہئے اور کمزور سے آنکھیں نہیں بند کر لینی چاہئیں کیونکہ یہ اس سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ضرور ہے کہ اس کے اثر کو بھی قبول کرے پس اگر اس کی اصلاح نہ کرے گا تو خود بھی تباہ ہوگا اور اگر اسے نہ اُٹھائے گا تو خود بھی گرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہی یہ ہے کہ ہر شئے اپنے سے اعلیٰ اور اپنے سے ادنیٰ دونوں سے اثر قبول کرتی ہے اور حاکم اور محکوم دونوں اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

نظامِ ارضی نظامِ شمسی کا ایک حصّہ ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اوپر کی آیات میں یہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ نظامِ ارضی ایک وسیع نظام یعنی نظامِ شمسی کا ایک حصہ ہے اور یہ نہیں کہ سورج اس زمین کے گرد چکر کھاتا ہے اور اس کے تابع ہے جیسا کہ کچھ عرصہ قبل تک دنیا کا عام خیال تھا۔ دوسری بات یہ بتائی ہے کہ نظامِ شمسی ایک اور نظام کے تابع ہے جو اس سے بالا اور وسیع تر ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جو قرآن کریم کے زمانہ تک دنیا کے کسی فلسفی یا مذہبی شخص نے بیان نہیں کیا تھا بلکہ وہ سب کے سب نظامِ شمسی ہی کو اہم ترین اور آخری نظام سمجھتے تھے مگر قرآن کریم نے آج سے تیرہ سَو سال پہلے بتا دیا تھا کہ نظامِ شمسی ایک اور نظام کے تابع ہے جو اس سے بالا اور وسیع تر ہے۔

فلک کی تشریح

اگر کہا جائے کہ پہلے فلاسفروں نے بھی افلاک کے وجود کو تسلیم کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی فلک کا وجود تسلیم کیا ہے مگر وہ شئے سماء سے جُدا ہے فلک درحقیقت نظامِ شمسی کے پھیلاؤ کا نام ہے اور ان وسعتوں کو کہتے ہیں جن میں نظامِ شمسی کے افراد چکر لگاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ [۴۷]

یہی مضمون سورہ یٰسٓ رکوع ۳ میں بھی آیا ہے۔ پس فلک یا افلاک کو تسلیم کر کے یونانی فلاسفر اس نظامِ سماوی کے قائل نہیں کہلا سکتے جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ وہ افلاک کے علاوہ اَور شئے ہے اور نظامِ شمسی کے اوپر کے نظاموں پر دلالت کرتا ہے اور صرف ایک محیط پر دلالت نہیں کرتا جس میں نظامِ شمسی کے افراد چکر لگاتے ہیں۔

تیسری بات اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ یہ نظام ہم نے اس لئے بنایا ہے کہ۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِيْزَانِ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۔

تم میزان میں تعدّی سے کام نہ لو اور انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو اور وزن میں

کوئی کمی نہ کرو۔ یا یہ کہ ہم نے تم کو بیان العلوم اس لئے سکھایا ہے کہ تا میزان میں تعدّی سے کام نہ لو وغیرہ وغیرہ۔ اس میں یہ نکتہ بتایا ہے کہ انسان اُسی وقت ظلم اور زیادتی سے کام لے سکتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو قانونِ عالَم سے آزاد سمجھتا ہو لیکن اگر وہ اپنے آپ کو عالَم کی مشین کا ایک پُرزہ سمجھتا ہو تو کبھی اپنے مقام کو نہیں بھول سکتا۔ کیونکہ مشین کا جو پُرزہ اپنی جگہ سے ہل جائے تو وہ ٹوٹنے اور کمزور ہو جانے کے خطرہ میں پڑ جاتا ہے یا خود اُس مشین کو توڑ ڈالتا ہے جس کا وہ پُرزہ ہوتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ نظامِ شمسی انسانی ہدایت کا موجب ہے اور اس کی تاثیرات کو دیکھ کر انسان معلوم کر سکتا ہے کہ میں آزاد نہیں بلکہ ایک نظام کا فرد یا ایک مشین کا پُرزہ ہوں۔ پس اگر مَیں نے دوسرے کل پُرزوں کے کام میں دخل دیا اور اُن کے حق کو چھیننا چاہا یا اپنے کام میں سُستی کی یا دوسروں کے حق ادا کرنے میں کوتاہی کی تو اس کا نقصان مجھے ہی پہنچے گا اور جب میں بظاہر دوسرے پر ظلم کر رہا ہوں گا تو درحقیقت مَیں اپنی ہی جان پر ظلم کر رہا ہونگا اور جب مَیں کسی کا حق کسی اور کو دے رہا ہوں گا تو درحقیقت اپنے ہی حق کو ضائع کر رہا ہونگا۔

چوتھی بات یہ بتائی ہے کہ نظامِ عالَم انسان کے تمدّن میں ترقی کے لئے ایک بہت بڑی ہدایت ہے اگر انسان نظامِ عالَم کو اپنا رہنما بنا کر اس کے مطابق نظامِ انسانی کو ڈھال لے تو وہ ہر قسم کی تکالیف سے بچ سکتا ہے اور نقصانوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس نظام میں ہر فرد اپنے مفوّضہ کام کو بجا لا رہا ہے اور دوسرے کے دائرہ میں دخل نہیں دیتا نہ ظلم کے ساتھ نہ تخسیر کے ساتھ یعنی نہ اس سے زیادہ کام لیتا ہے نہ اس کا حق کم کرتا ہے اور نہ دوسرے کے کام میں دخل دیتا ہے۔ یہی اطاعت ذمّہ داری کی ادائیگی کا احساس اور دوسرے کے امور میں دخل اندازی سے اجتناب ہی ایسے قوانین ہیں جن کو نظر انداز کر کے بنی نوع انسان اپنے تمدّن کو تباہ اور برباد کر رہے ہیں۔

نظامِ عالَم کی کامیابی کے تین اصل

اس جگہ نظامِ عالَم کے کامل ہونے کے تین اصل بیان فرمائے ہیں۔

(۱)۔ کوئی فرد اپنے مفوّضہ کام سے زیادہ نہیں کر رہا۔

(۲)۔ ہر فرد اپنے مفوّضہ کام کو پوری طرح ادا کر رہا ہے۔

(۳)۔ کوئی فرد دوسرے فرد کو اس کے فرض کی ادائیگی سے روک نہیں رہا، یا اس کے ادا کرنے کی قابلیت سے اسے محروم نہیں کر رہا۔

غور کرکے دیکھ لو نظامِ عالَم کی کامیابی کا انحصار انہی تین باتوں پر ہے اور انسانی نظام کی خرابی یا بے ثباتی کا سبب بھی ان تینوں یا ان میں سے کسی کا فُقدان ہوتا ہے اور انہیں سے محفوظ رہنے کے لئے قرآن کریم نے نظامِ عالَم کو دیکھنے اور اس سے سبق لینے کے لئے اس جگہ اشارہ فرمایا ہے۔ یہ آیات سورۃ الرحمٰن کے شروع میں ہیں جہاں کہ قرآن کریم کی آمد کی غرض بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ خالی ترازو کے تول اور بٹّوں کے درست رکھنے کا مضمون نہ تو قرآن کریم کے نزول کے اغراض سے خاص تعلق رکھتا ہے اور نہ نظامِ عالَم سے۔ پس ظاہر ہے کہ اس جگہ گیہوں اور چاولوں کے ماپ اور تول کا ذکر نہیں بلکہ انسانی اعمال کے ماپ اور تول کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ انسان کو اپنی سوسائٹی کے بنیادی اصول نظامِ عالَم کے مطابق رکھنے چاہئیں اور جو قیود اور حد بندیاں اس پر الٰہی قانون نے لگائی ہیں ان کو توڑنا نہیں چاہئے اور نہ تو یہ کرنا چاہئے کہ کام کا اس قدر جوش ہو کہ دوسروں کے مفوّضہ کاموں میں دخل دینے لگ جائے اور نہ یہ غفلت کرے کہ اپنے فرض کو بھی ادا نہ کرے اور نہ یہ ظلم کرے کہ دوسروں کو بھی ان کے کام سے روکے خواہ بالواسطہ یا بلا واسطہ۔

قومی تباہی کے اسباب

اب دیکھو کہ نظام انسانی کی تباہی ان تین امور سے ہی وابستہ ہے جب کوئی قوم ہلاک یا تباہ ہوتی ہے تو اس کا یا تو یہ سبب ہوتا ہے کہ بعض ذہین اور طبّاع لوگ اپنے جوشِ عمل سے گمراہ ہو کر دوسروں کی ذمہ داریاں اپنے اوپر لینی شروع کر دیتے ہیں یا تو غیر قوموں کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ دنیا پر احسان کر رہے ہیں یا خود اپنے ملکی یا قومی نظام میں اس قدر کام اپنے ذمہ لے لیتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا ان سے ناممکن ہوتا ہے اور اس طرح ملکی یا ملّی کام تباہ ہو جاتے ہیں اور قوم یا ملک بجائے ترقی کرنے کے تنزّل کی طرف چلا جاتا ہے۔ بڑے بڑے فاتحین جو شہاب کی طرح چمکے شہاب کی طرح ہی غائب ہو گئے ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے خود تو کچھ شُہرت اور عزّت حاصل کر لی لیکن قومی نظام کو ایک دھکّا لگا گئے اور نظامِ ارضی کی مشین میں ان کی قوم کے پُرزہ کی جو جگہ تھی اس سے ہلا کر دوسری جگہ کر گئے جس سے قوم کو بھی صدمہ پہنچا اور دنیا کو بھی۔ اسی طرح وہ جوشیلے قومی کارکن جو ہر مجلس پر چھا جانا چاہتے ہیں اور جوشِ عمل کی وجہ سے سب عُہدے اپنے ہی ہاتھوں میں رکھنا چاہتے ہیں قوم کی تباہی کا موجب ہو جاتے ہیں، کیونکہ ایک تو وہ سب کام اچھی طرح کر ہی نہیں سکتے اور دوسرے اس وجہ سے قوم میں اچھے

دماغ پیدا ہونے کا امکان کم ہو جاتا ہے کیونکہ باقی دماغ نکمّے رہ کر کمزور ہو جاتے ہیں۔ حال ہی میں ایک وسیع ہندوستانی ادارہ کے بارہ میں ایک معزّز ہندوستانی نے مجھ سے کہا کہ مَیں بارہا اس ادارہ کے کرتا دھرتا کو کہہ چکا ہوں کہ تم اس ادارہ کو منظّم کرو، سیکرٹریٹ بناؤ، انسپکٹر مقرر کرو، تا کہ کام وسیع ہو اور کام کرنے والوں کی جماعت تیار ہو مگر وہ سنتا ہی نہیں۔ یہ شکایت ان کی بجا تھی اور مَیں نے دیکھا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہؤا ہے کہ اس ادارہ میں کام کرنے والی کوئی نئی پود تیار نہیں ہو رہی۔ ڈکٹیڑوں پر ڈیما کریسیز کو اسی وجہ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ اس میں کام کرنے والے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان کے آگے بڑھنے کے لئے راستہ کُھلا رہتا ہے پس جو قوم یا ملک اچھا نظام اور پائیدار نظام قائم کرنا چاہے اسے نظامِ عالَم سے یہ سبق سیکھ لینا چاہئے کہ ہر فرد اپنا کام ہی کرے دوسروں کے کام سمیٹنے کی کوشش نہ کرے، ورنہ وہ سب کام نہ کر سکے گا اور دوسروں کے دماغ معطّل ہو جائینگے۔ قومی زندگی پائیدار بنانے کے لئے متواتر لائق افراد کا پیدا ہونا ضروری ہے اور لائق افراد بغیر تجربہ اور عملی کام کے پیدا نہیں ہو سکتے۔ پس زیادہ ذہین اور قابل اشخاص کا فرض ہے کہ وہ کام کو اچھا بنانے کے شوق میں دوسروں کے لئے راستہ بند نہ کریں بلکہ دوسروں کو جو خواہ ان سے کم لائق ہوں کام کرنے کا موقع دیں، تا کہ وہ بھی تجربہ حاصل کر کے اس خلاء کو پُر کرنے کے قابل ہوں جو بڑوں کے مرنے کے بعد ضرور ہو کر رہیگا۔

دوسری خرابی جو نظامِ ملکی یا سیاسی کو تباہ کرنے کا موجب ہوتی ہے یہ ہے کہ ہر فرد اپنے فرض کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا ہوتا جس طرح زیادہ کام اپنے ہاتھ میں لے لینا نقصان کا موجب ہوتا ہے اسی طرح اپنے مفوّضہ کام کو پورا نہ کرنا بھی تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ پس سوسائٹی یا ملک یا قوم اُسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب کہ اس کے تمام افراد میں ذمہ داری کا علم اور اُس کی ادائیگی کا احساس پیدا ہو۔ اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ اوّل تمام قوم کے اندر علم پیدا کیا جائے اور پھر اس علم کو عمل کی صورت میں بدلنے کی کوشش کی جائے تا کہ قوم کا ہر فرد اپنی ذمہ داری کو ادا کرے جس طرح کہ نظامِ عالَم کا ہر فرد اپنے فرض کو ادا کر رہا ہے۔

تیسری خرابی قومی نظام کو تباہ کرنے والی یہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کو بِالواسطہ یا بلا واسطہ کام سے روکنے لگتے ہیں یعنی یا تو ظلماً ایک فرقۂ قوم کو کام سے الگ کر دیتے ہیں اور صرف ایک حصۂ قوم کو کام کے قابل قرار دیتے ہیں جیسے آرین نسلیں ہیں کہ قومی برتری کے خیال سے وہ صرف اپنی ہی نسل کے لوگوں کو ملک و قوم کا بوجھ اُٹھانے والا قرار دیکر دوسری نسلوں اور

قوموں کے لوگوں کو کام سے بے دخل کر دیتی ہیں اور اس طرح قومی تنزّل کے سامان پیدا کر دیتی ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتیں کہ ادنیٰ اقوام کی خرابی بھی اُلٹ کر اعلیٰ قوم پر اثر انداز ہو جاتی ہے اور اسے خراب کر دیتی ہے۔ اور یہ عقیدہ کہ صرف اعلیٰ ادنیٰ پر اثر انداز ہوتا ہے غلط ہے، چنانچہ نظامِ عالَم میں سورج جو بڑا ہے وہ بھی زمین پر اثر انداز ہو رہا ہے اور چاند جو چھوٹا ہے وہ بھی زمین پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ پس چھوٹوں کو نظر انداز کرنا بالکل خلافِ عقل ہے اور جو افراد یا اقوام بعض افراد یا اقوام کو چھوٹا اور ادنیٰ قرار دے کر نظر انداز کر دیتی ہیں اور قومی مشین کے پُرزوں سے ان کو خارج کر دیتی ہیں وہ آخر تباہ ہو جاتی ہیں اور ادنیٰ افراد یا اقوام ان کو بھی قعرِ مذلّت میں گرا دیتے ہیں۔

اسی طرح بِالواسطہ طور پر کسی کے حق میں کمی کرنا بھی قوم کے حق میں نقصان دہ ہوتا ہے یعنی کمزور اور غریب اور مزدور اقوام کی تعلیم یا تربیت سے غفلت یا اولاد کی تربیت سے اِعراض یہ سب بِالواسطہ اِخْسَارفِی الْمِیْزَان ہے۔ یعنی گو عقیدۃً انہیں ادنیٰ نہیں سمجھا جاتا، لیکن عملاً ان سے سلوک وہی ہوتا ہے جو غیر ضروری حصّہ سے ہوسکتا ہے، لیکن چونکہ وہ افراد بھی قانونِ قدرت کے مطابق قوم کا ضروری حصّہ ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری مشین خراب ہو جاتی ہے اور نظامِ ملکی یا قومی درہم برہم ہو جاتا ہے۔

دیکھو کس خوبی سے اوّل نظامِ عالَم کی حقیقت بیان کی ہے اور پھر نظامِ انسانی کو اس پر چسپاں کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے بابلیوں نے اور ان کے بعد یونانیوں نے نظامِ شمسی پر نظامِ تمدّن کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے مگر جس خوبی، جس اختصار اور جس ہمہ گیری کے ساتھ قرآن کریم نے چند مختصر الفاظ میں ان دونوں نظاموں کی حقیقت اور مماثلت کو بیان کیا ہے اس کی نظیر ان اقوامِ عالَم کے فلاسفروں کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔

اور مسائل بھی علمِ ہیئت کے قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں مگر اجمالاً انہیں امور پر کفایت کی جاتی ہے۔

(۳) ایک وسیع اور عظیم الشّان سمندر

تیسری چیز جو مَیں نے دیکھی تھی سمندر تھا، مَیں نے اس وقت اپنے دل میں کہا کہ ایک

اور سمندر قرآن نے پیش کیا ہے مگر افسوس کہ لوگ اسے بھول گئے ہیں وہ اس کی طرف سے ہنس کر گزر جاتے بلکہ اُسے حقیر بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ سمندر خود ہماری کتاب قرآن کریم ہے۔ سمندر کیا ہوتا ہے؟ سمندر کے معنے ایک ایسی وسیع چیز کے ہیں جس کا کنارہ نظر نہیں آتا اور جس میں موتی، مونگا اور اسی قسم کی اور بیسیوں قیمتی چیزیں ہوتی ہیں۔ مَیں نے دیکھا کہ اسی قسم کی ایک چیز ہمارے پاس بھی ہے مگر افسوس کہ ہم اس کی قدر نہیں کرتے۔ ہم موتی نکالنے والوں کی قدر کرتے ہیں، ہم مونگا نکالنے والوں کی قدر کرتے ہیں، ہم مچھلیاں نکالنے والوں کی قدر کرتے ہیں، ہم مچھلیوں کا تیل نکالنے والوں کی قدر کرتے ہیں، ہم سیپیاں نکالنے والوں کی قدر کرتے ہیں، ہم کوڑیاں نکالنے والوں کی قدر کرتے ہیں، مگر ہم نہیں قدر کرتے تو اُس شخص کی جو قرآن کریم کے سمندر میں سے قیمتی موتی نکال کر ہمارے سامنے پیش کرے، حالانکہ یہ وہ سمندر ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۔ [۵۵]

یعنی اے رسول! ہم نے تجھ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے اور جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں۔ اس میں موتی بھی ہیں، اس میں مونگے بھی ہیں، اس میں ہیرے بھی ہیں، اس میں جواہرات بھی ہیں، غرض خشکی اور تری کی تمام نعمتیں اس میں جمع ہیں جب بھی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تم اس سمندر میں غوطہ لگاؤ وہ چیز تمہارے ہاتھ میں آ جائے گی۔ پھر سمندر میں تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ انسان غرق ہو جائے بعض دفعہ سمندروں میں طوفان آتے اور بڑے بڑے جہاز تباہ ہو جاتے ہیں مگر فرمایا یہ وہ سمندر ہے کہ هُدًى وَّرَحْمَةً اس سمندر میں جو غوطہ لگائے وہ کبھی تباہ نہیں ہو سکتا اور سمندروں میں بڑے بڑے کپتان بھی بعض دفعہ راستہ بھول جاتے ہیں مگر یہ سمندر ہے کہ جہاں کوئی انسان رستہ بُھولنے لگتا ہے وہ کہتا ہے کہ غلط راستے پر نہ جاؤ۔ صحیح راستہ یہ ہے اِدھر آؤ۔ پھر یہ صرف هُدًى نہیں بلکہ رَحْمَةً بھی ہے۔ ان سمندروں میں تو لوگ ڈوبتے اور عذاب میں مبتلاء ہوتے ہیں مگر یہ وہ سمندر ہے جو انسان کو زندگی بخشتا اور اُسے ہر قسم کی تباہی سے محفوظ رکھتا ہے۔ پھر اسی حد تک بس نہیں بلکہ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ اس سمندر میں تیرنے والا ہمیشہ خوشی محسوس کرتا ہے اور کبھی کسی خطرہ سے اسے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔ اس کے آگے بھی رحمتیں ہوتی ہیں اس کے پیچھے بھی رحمتیں ہوتی ہیں۔ جب ایک نعمت اسے مل جاتی ہے تو اُسے کہا جاتا ہے کہ اسی نعمت پر بس نہیں آؤ تمہیں

دوسری نعمت بھی دیں۔ اور جب دوسری نعمت مل جاتی ہے تو تیسری نعمت اس کے سامنے پیش کر دی جاتی ہے وہ ایک مقام پر اپنا قدم روکتا ہے تو اُسے آواز آتی ہے کہ صاحب ٹھہرتے کیوں ہیں، اگلی منزل پر اس سے بھی زیادہ اچھی نعمتیں ہیں اور جب وہ دوسری منزل پر پہنچتا ہے تو آواز آتی ہے کہ صاحب آگے بڑھیئے ہماری نعمتیں تو ابھی آپ نے دیکھی ہی نہیں سمندر میں تو جب انسان دو چار سومیل آگے جاتا ہے تو جہاز خطرے میں گِھر جاتا ہے مگر یہاں ہر قدم پر یہ آواز آتی ہے کہ گھبرائیے نہیں، آپ تو امن اور سلامتی کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں۔

قرآنی سمندر کی وُسعت

پھر سورۃ لقمان رکوع ۳ میں اس سمندر کی وسعت بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْاَنَّ مَافِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّانَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ [۲۷]

یعنی زمین میں جس قدر درخت ہیں اگر اُن تمام کو کاٹ کاٹ کر قلمیں بنا دی جائیں اور جنگلوں اور باغات کا ایک درخت بھی نہ رہنے دیا جائے سب کی قلمیں تیار کر لی جائیں وَالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ اور سمندر سیاہی بن جائے اور پھر اور سات سمندروں کا پانی بھی سیاہی بنا دیا جائے اور ان قلموں اور اس سیاہی سے کلام اللہ کے معنے لکھے جائیں تو مَانَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ قلمیں ٹوٹ جائیں گی، سات سمندروں کی سیاہی خشک ہو جائے گی، مگر قرآن کا سمندر پھر بھی بھرا ہؤا ہوگا اور اس کے معارف ختم ہونے میں نہیں آئیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ کیونکہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ غالب ہونے کی وجہ سے اس نے وہ وسعت قرآنی معارف کو بخشی ہے کہ اگر تمام درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور ان سے اس کے معارف لکھے جائیں، پھر بھی وہ ختم ہونے میں نہ آئیں۔ مگر وسعت بعض دفعہ لغو بھی ہو جاتی ہے، بڑے بڑے شاعر جس قدر گزرے ہیں ان کے اشعار میں کسی نہ کسی حد تک لغویت ضرور آ گئی ہے۔ اسی طرح جتنے بڑے نثار گزرے ہیں ان تمام کی نثر کے بعض حصوں میں فضولیات پائی جاتی ہیں۔ مگر فرمایا یہاں ایسا نہیں، باوجود قرآنی مطالب اس قدر وسیع ہونے کے اس میں کوئی بات لغو اور بے فائدہ نہیں کیونکہ ایک حکیم ہستی کا یہ نازل کردہ کلام ہے اور جو حکیم خدا کی طرف سے نازل شدہ کلام ہو اس میں لغو بات کس طرح ہو سکتی ہے۔ پس ایک طرف تو قرآنی معارف میں اس قدر وسعت ہے کہ سات سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے مگر اس کے معارف ختم نہ ہوں اور دوسری طرف اس میں ایک بات بھی خلافِ حکمت نہیں بلکہ ایک ایک بات کو دیکھ کر انسان

قربان ہو جاتا ہے۔

پھر سورہ دخان رکوع ایک میں فرماتا ہے۔ حٰمٓ۔ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۔[۷۷]

کہ حمید مجید خدا کی طرف سے ایک کتاب آئی ہے جو کھول کھول کر تمام سچائیوں کو بیان کرنے والی ہے اور میں اسی کتاب کو اس بات کی شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں کہ تمہارا خدا بڑا بزرگی والا خدا ہے ہم نے یہ قرآن ایک ایسے تاریک زمانہ میں اُتارا ہے جو رات سے مشابہت رکھتا تھا اور جس میں قسم قسم کی تباہیاں اور قسم قسم کے گند اور فساد تھے مگر باوجود ان فسادوں کے وہ زمانہ ایک لحاظ سے مبارک بھی تھا کیونکہ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۔ اس میں خدا کی طرف سے یہ آواز بلند ہوئی تھی کہ ہوشیار ہو جاؤ۔ گو تمہارے گھر ڈاکوؤں کا شکار ہو رہے ہیں مگر اب خدا خود تمہاری حفاظت کے لئے آ رہا ہے۔ پس ہم نے خود اس کتاب کے ذریعہ اپنے بندوں کو ہوشیار اور بیدار کیا۔

مُنذر کے عام طور پر نہایت غلط معنے کئے جاتے ہیں، یعنی اُردو میں اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ ہم ڈرانے والے ہیں، حالانکہ عربی زبان میں اِنذار کے معنے ڈرانا نہیں بلکہ ہوشیار اور بیدار کرنا ہیں۔ تو فرمایا گو یہ رات تھی اور تاریک رات تھی، چاروں طرف ڈاکے پڑ رہے تھے اور دین و ایمان کہیں نظر نہیں آتا تھا مگر پھر بھی یہ مبارک رات تھی کیونکہ اس میں خدا خود چوکیدار بن کر آیا اور اس نے خود پہرہ دیا اور آوازیں دیں کہ میرے بندو! ہوشیار ہو جاؤ، بھلا اس سے زیادہ مبارک رات اور کونسی ہو سکتی ہے۔ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ یہ مبارک رات کیوں نہ ہو، راتوں کے وقت چوروں کی طرف سے مال اٹھایا جاتا ہے مگر اس رات میں لوگوں کو خود ہماری طرف سے مالا مال کیا جا رہا ہے اور انہیں بُلا بُلا کر کہا جا رہا ہے کہ آؤ اور اپنے گھروں کو برکتوں سے بھر لو۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا یہ سب کچھ ہمارے حکم کے ماتحت ہو رہا ہے کیونکہ آج ہم اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ لوگوں کو نعماء سے مالا مال کر دیں۔ پس اس سے زیادہ مبارک رات اور کون سی ہو سکتی ہے کہ بغیر مانگے اور سوال کئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی ضرورتیں پوری کی جا رہی ہیں۔ اَمْرٍ حَکِیْمٍ سے مراد وہی معارف اور علوم ہیں جو بغیر کسی انسانی کوششوں کے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کھولتا ہے۔ اگر کوئی شخص روٹی کھا رہا ہو اور کوئی دوسرا آکر اُسے کہے کہ تو روٹی کھا

رہا ہے تو وہ حکیم نہیں کہلاسکتا ،حکیم وہی کہلائے گا جو ایسی بات بتائے جس کا دوسرے کو علم نہ ہو۔ پس قرآن صرف کلام ہی نہیں بلکہ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ایسے حقائق اور معارف کا حامل ہے کہ بندے لاکھ سر پٹکتے رہتے وہ ان علوم اور معارف کو اپنی ذاتی جدوجہد سے کبھی حاصل نہ کر سکتے۔

اسی طرح سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔ مَا کَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَلٰـکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَتَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ھُدًی وَّرَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ [۸۷]

کہ یہ بات جھوٹی نہیں۔ یہ پہلی کتابوں کی پیشگوئیوں کو پورا کر رہی ہے اور ہر چیز اس میں بیان کر دی گئی ہے اور یہ مؤمنوں کی ہدایت اور رحمت کا موجب ہے۔

(۵) سورہ عنکبوت میں فرماتا ہے۔ اَوَلَمۡ یَکۡفِھِمۡ اَنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡھِمۡ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ [۹۷]

ارے! اب بھی ان کو کسی اور جگہ جانے کی ضرورت ہے جب کہ ہم نے انہیں اتنی بڑی چیز دیدی ہے جس کی اور کہیں مثال ہی نہیں ملتی۔ یعنی ہم نے ایک کتاب اُتار دی ہے اور وہ ایسی کتاب ہے کہ یُتۡلٰی عَلَیۡھِمۡ سمندر کے پاس تو لوگ جاتے ہیں مگر یہ سمندر ایسا ہے کہ آپ تمہارے پاس چل کر آ گیا ہے۔ پھر دنیا میں تو لوگ استادوں کے پاس جاتے اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بتایا جائے فلاں بات کس طرح ہے مگر یہاں وہ استاد بھیجا گیا کہ جسے خدا کی طرف سے یہ حکم ہے کہ بَلِّغۡ مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ [۸۰] تم خود لوگوں کے پاس جاؤ اور اُنہیں یہ تمام باتیں پہنچاؤ اور یاد رکھو کہ اگر تم نے ان میں سے ایک بات بھی نہ پہنچائی تو ہم کہیں گے کہ تم نے کچھ بھی نہیں پہنچایا گویا ہمارا اُستاد اور ہمارا آقا خود ہمارے گھروں پر چل کر آ گیا ہے، اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً اگر تم سوچو تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے اپنے رسول کو جو یہ حکم دیا ہے یہ تم پر ہمارا اتنا عظیم الشان انعام ہے جس کی کوئی حد نہیں گویا پنجابی کی وہی مثال یہاں صادق آ رہی ہے کہ '' چوپڑیاں تے دو دو'' یعنی روٹیاں چپڑی ہوئی بھی ہوں اور پھر ملیں بھی دو دو تو اور کیا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ بھی کہتا ہے کہ ہم تمہیں ایک تو چپڑی ہوئی روٹیاں دے رہے ہیں اور پھر دو دو دے رہے ہیں ایک تو ہم نے وہ کتاب دی جو ہر طرح کامل و مکمل ہے اور جس کی نظیر کسی اور الہامی کتاب میں نہیں مل سکتی اور پھر اپنے رسول کو یہ حکم دیدیا ہے کہ جاؤ اور ہماری یہ کتاب خود لوگوں کے گھر پہنچ کر انہیں سناؤ اور اس کی تعلیموں سے انہیں آگاہ کرو۔

وَ ذِکْریٰ۔ ایک نعمت تو یہ تھی کہ اتنی عظیم الشان نعمت گھر بیٹھے مل گئی اور دوسری نعمت یہ ہے کہ جو اس کتاب کو مان لیں گے، دنیا میں ان کی عزت قائم کر دی جائے گی ،بعض لوگ اس کے یہ معنے کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں نصیحت کی باتیں ہیں۔ یہ معنے بھی درست ہیں مگر اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ جو لوگ اس کتاب پر سچے دل سے ایمان لائیں گے، ان کا ذکرِ نیک دنیا میں جاری رہے گا اور کہا جائے گا کہ فلاں نے یہ خدمت کی اور فلاں نے وہ خدمت کی گویا یہ کتاب نہ صرف ذاتی کمالات کے لحاظ سے ایک شرف اور عظمت رکھتی ہے بلکہ جو لوگ اس پر صدقِ دل سے ایمان لائیں گے وہ بھی دنیا میں معزز اور مکرم ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا [۸۱]

کہ ہم نے قرآن میں ہر قسم کی باتیں بیان کر دی ہیں ،مگر افسوس انسان پر کہ وہ ہر بات کو سُنکر کہتا ہے کہ ابھی اور چاہیئے اور جو بات اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اس کا انکار کر دیتا ہے، اگر اس کے اندر ایک ذرہ بھی شرافت کا مادہ ہوتا تو یہ ان باتوں کو قبول کرتا جو اس کے سامنے پیش کی گئی تھیں اور اگر دل میں اُن کے بعد بھی پیاس رہتی تو کسی اور چیز کی طلب کرتا ،مگر یہ عمل تو کرتا نہیں اور اَور چیزیں مانگے جاتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ہدایت سے کوئی غرض نہیں ،محض ایک پاگل اور احمق انسان کی طرح ہاتھ پھیلائے کہے جاتا ہے کہ اَور دو، اَور دو۔ اور یہ نہیں دیکھتا کہ جو اسے دیا گیا ہے اسے اس نے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک رکھا ہے اسی طرح فرمایا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُراٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا [۸۲]

ہم نے قرآن میں انسان کے نفع کے لئے ہر چیز رکھدی ہے مگر افسوس کہ وہ پھر بھی اس پاک کتاب کا انکار کئے جاتا ہے۔ یہی مضمون سورہ روم ع ۶ اور سورہ زمر ع ۳ میں بھی بیان ہوُا ہے۔

قرآنی سمندر کی گہرائیوں کا پتہ لگانا کسی انسانی عقل کا کام نہیں

یہ وہ سمندر ہے جو مَیں نے دیکھا

اور یہ وہ بحرِ زخّار ہے جس کا مَیں نے مشاہدہ کیا، اس سمندر کا کوئی کنارہ نہیں، اس سمندر کی کوئی انتہا نہیں۔ اس سمندر کی گہرائیوں کا پتہ لگانا کسی انسانی عقل کا کام نہیں اور اس کی وسعتِ بے پایاں

کو کوئی انسانی دماغ نہیں سمجھ سکتا۔ مجھے حیرت ہوتی ہے، مجھے تعجب آتا ہے، مجھے رونا آتا ہے کہ معمولی معمولی خلیجوں کے کنارے ہمارا ایک سیاح یا شاعر کھڑا ہوتا اور فرطِ مسرت میں جھومتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں یہ بے کنار خلیج یا بے کنار دریا ہے حالانکہ ایک دن کی منزل یا دو دن کی منزل پر اس کا کنارہ موجود ہوتا ہے۔ بڑے بڑے سمندروں کا بھی دس پندرہ دن کے سفر کے بعد کنارہ آجاتا ہے، مگر وہ اس کنارے والے سمندر کے متعلق کہتا ہے کہ وہ بے کنار ہے پس مجھے حیرت ہوئی اور میرا دل اس غم سے خون ہو گیا کہ وہ عظیم الشان سمندر جسے خدا نے بے کنار کہا، جس کی وسعت کو اس نے خود غیر محدود قرار دیا اور جس کے کنارہ کو کوئی انسانی عقل تلاش نہیں کر سکتی اس کے متعلق مولویوں کو یہ کہتے ہوئے ذرا شرم نہیں آتی کہ اس کی آیات کی طبری اور بیضاوی نے جو تفسیر لکھ دی ہے اب اس کے بعد کچھ اور کہنا تفسیر بالرائے ہے۔ یقیناً وہ جھوٹے ہیں، کیونکہ خدا کہتا ہے کہ اگر ساری دُنیا کے درختوں کی قلمیں بنائی جائیں اور سات سمندروں کی سیاہی بنالی جائے اور ان قلموں اور سیاہیوں سے خدا تعالیٰ کی اس پاک کتاب کے معارف لکھے جائیں تب بھی قلمیں ٹوٹ جائیں گی، سیاہیاں خشک ہو جائینگی، مگر اس کتاب کے معارف ختم نہیں ہوں گے لیکن یہ دو چار سَو صفحوں کی چند جلدیں لکھنے کے بعد کہہ دیتے ہیں کہ اب ان باتوں سے زیادہ کوئی اور بات بیان کرنی حرام ہے۔ مَیں کہتا ہوں اور مَیں کیا خدا کا کلام کہہ رہا ہے کہ جس دن تم سارے درختوں کی قلمیں بنا کر اور سارے سمندروں کی سیاہی بنا کر ان سے قرآن کے معارف لکھ لو گے تو اس کے بعد تم بیشک میرے پاس آجانا اور کہنا کہ اب قرآن کی اور تفسیر مت کرو لیکن دنیا نے ابھی تو قرآن کی تفسیر لکھنے میں ایک جنگل کی لکڑی بھی ختم نہیں کی اور سمندر چھوڑ ایک کنویں کے پانی جتنی سیاہی بھی اس پر خرچ نہیں کی۔ پس ابھی ہمیں اس حق سے کوئی روک نہیں سکتا اور یہ حق ہمارا اُس وقت تک چلتا چلا جائے گا جب تک سمندروں میں پانی کا ایک قطرہ بھی موجود ہے۔ یا درخت کی ایک شاخ بھی دنیا میں پائی جاتی ہے ہاں تمہارا بے شک یہ حق ہے کہ تم ثابت کرو کہ ہم قرآن کریم کی جو تفسیر کرتے ہیں وہ اسلام کے خلاف ہے، اس بات سے تمہیں کوئی نہیں روکتا مگر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم قرآن کے نئے معانی کیوں کرتے ہو میں ان سے کہتا ہوں کہ اے نالائقو! اور اے احمقو! تم تو خشکی میں تڑپ رہے ہو اور ہم خدا تعالیٰ کے ایک وسیع سمندر میں غوطے لگا رہے ہیں۔ تم ریت کے تودوں پر لوٹتے ہو اور طعنے ان لوگوں کو دے رہے ہو جو سمندر کی تہہ سے موتی نکالنے والے ہیں۔ پس خدا سے ڈرو اور خدا تعالیٰ کے پیدا کئے

ہوئے بحرِ زخّار کو پتوں کی کشتیوں میں پار کرنے کی کوشش نہ کرو اور کود کر اس کو پھلانگ جانے کے دعووں سے اپنی نادانی ظاہر نہ کرو۔

مَیں نے جب ان باتوں کو دیکھا تو میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی اور مَیں نے کہا، افسوس خزانے موجود ہیں، قلعے موجود ہیں، رصدگاہیں موجود ہیں، سمندر موجود ہے مگر ان کو دیکھنے والا کوئی نہیں، آثارِ قدیمہ کی جن لوگوں کے ہاتھوں میں خدا نے کنجیاں دی تھیں اُنہوں نے اُن آثارِ قدیمہ کو خراب کر دیا، تباہ کر دیا اور اس قدر ان کی حالت کو مشتبہ کر دیا کہ ان پر کوئی شخص اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا تھا تب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ قرآن کریم کو نازل کیا۔ یہ آپ کے دل کا خون ہی تھا جو آسمان سے قرآن کو کھینچ لایا۔ اس قرآن کے آثارِ قدیمہ کے مختلف کمروں میں آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ اور دیگر تمام انبیاء کی چیزیں ایک قرینہ سے پڑی ہوئی ہیں میل وکچیل سے مبرّا داغوں اور دھبوں سے صاف چھینٹوں اور غلاظت سے پاک ہر چیز اصل اور حقیقی رنگ میں ہمارے پاس ہے۔ پُرانے سے پُرانے آثار اس میں پائے جاتے ہیں اور صحیح سے صحیح حالات اس میں موجود ہیں مگر افسوس ہزار افسوس کہ لوگ اس عظیم الشان خزانہ کی تو قدر نہیں کرتے مگر چند پھٹے ہوئے کاغذ، چند ٹوٹی ہوئی چُھریاں، چند پُرانے اور بوسیدہ کپڑے اور چند شکستہ برتن جب کوئی زمین سے نکالتا ہے تو اس کی تعریف کے شور سے آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ واہ واہ! اس نے کس قدر عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔ وہ خزانہ جو خدا نے اُن کو دیا تھا اس کو وہ بھول گئے، وہ سمندر جو خدا نے ان کو عطا کیا تھا اس سے انہوں نے منہ موڑ لیا، وہ تمام رصدگاہیں جو قرآن میں موجود تھیں اُن سے وہ غافل اور لاپرواہ ہو گئے تب خدا نے میرے دل پر اس عظیم الشان راز کا انکشاف کیا اور میرے دل نے کہا ''**مَیں نے پالیا، مَیں نے پالیا**'' اور جب میں نے کہا۔ ''**مَیں نے پالیا، مَیں نے پالیا**'' تو اس کے معنے یہ تھے کہ اب یہ نعمتیں دنیا سے زیادہ دیر تک مخفی نہیں رہ سکتیں۔ مَیں دنیا کے سامنے ان تمام نعمتوں کو ایک ایک کر کے رکھونگا اور اُسے مجبور کروں گا کہ وہ اس کی طرف توجہ کرے۔

قرآن کریم کا بلند ترین مقام

پس اے دوستو! مَیں اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان خزانہ سے تمہیں مطلع کرتا ہوں۔ دنیا کے علوم اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ دنیا کی تمام تحقیقاتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور دنیا کی تمام سائنس اس کے مقابلہ میں اتنی حقیقت بھی نہیں رکھتی جتنی سورج کے مقابلہ میں ایک کرمِ شب تاب حقیقت رکھتا

ہے۔ دنیا کے علوم قرآن کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں، قرآن ایک زندہ خدا کا زندہ کلام ہے اور وہ غیر محدود معارف وحقائق کا حامل ہے۔ یہ قرآن جیسے پہلے لوگوں کے لئے کُھلا تھا اسی طرح آج ہمارے لئے کُھلا ہے، یہ ابوبکرؓ کے لئے بھی کُھلا تھا، یہ عمرؓ کے لئے بھی کُھلا تھا، یہ عثمانؓ کے لئے بھی کُھلا تھا، یہ علیؓ کے لئے بھی کُھلا تھا یہ بعد میں آنے والے ہزار ہا اولیاء وصلحاء کے لئے بھی کُھلا تھا اور آج جب کہ دنیا کے علوم میں ترقی ہو رہی ہے یہ پھر بھی کُھلا ہے بلکہ جس طرح دُنیوی علوم میں آجکل زیادتی ہورہی ہے اسی طرح قرآنی معارف بھی آجکل نئے سے نئے نکل رہے ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے اچھا تاجر پہلے اپنا مال مخفی رکھتا ہے، مگر جب مقابلہ آ پڑتا ہے تو پہلے ایک تھان نکالتا ہے پھر دوسرا تھان نکالتا ہے پھر تیسرا تھان نکالتا ہے اور یکے بعد دیگرے نکالتا ہی جاتا ہے یہاں تک کہ تھانوں کا انبار لگ جاتا ہے۔ اسی طرح جب بھی دنیا ظاہری علوم میں ترقی کر جانے کے گھمنڈ میں قرآن کا مقابلہ کرنا چاہے گی، قرآن اپنے ماننے والوں سے کہے گا میاں! ذرا میرے فلاں کمرہ کو تو کھولنا۔ اسے کھولا جائے گا تو دنیا کے تمام علوم اس کے مقابلہ میں ہیچ ہو کر رہ جائیں گے۔ پھر ضرورت پر وہ دوسرا کمرہ کھولے گا اور پھر تیسرا اور اس طرح ہمیشہ ہی دنیا کو اس کے مقابل پر زِک پہنچے گی اور ہمیشہ ہی قرآن نئے سے نئے علوم پیش کرتا رہے گا۔ یہی وہ چیز ہے جس کو پیش کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور یہی وہ چیز ہے جس کو پیش کرنا ہماری جماعت کا اولین فرض ہے اور ہم حتی المقدور اپنے اس فرض کو ادا بھی کر رہے ہیں۔ دنیا ہماری اسی لئے مخالف ہے کہ وہ کہتی ہے کہ تم قرآن کی خوبیاں لوگوں کے سامنے کیوں پیش کرتے ہو، مگر ہم کہتے ہیں، اسی وجہ سے تو خدا کی غیرت بھڑکی اور جب اس نے دیکھا کہ تم اس کی کتاب کو صندوقوں اور غلافوں میں بند کر کے بیٹھ گئے ہو تو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا اور آپ کو حُکم دیا کہ جاؤ اور قرآن کے معارف اور علوم سے دنیا کو روشناس کرو۔ یہی وہ خزائن ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقسیم کئے اور یہی وہ خزائن ہیں جو آج ہم تقسیم کر رہے ہیں۔ دنیا اگر حملہ کرتی ہے تو پرواہ نہیں، وہ دشمنی کرتی ہے تو سَو بار کرے، وہ عداوت اور عناد کا مظاہرہ کرتی ہے تو لاکھ بار کرے ہم اپنے فرض کی ادائیگی سے غافل ہونے والے نہیں ہم انہیں کہتے ہیں کہ تم بے شک ہمارے سینوں میں خنجر مارے جاؤ اگر ہم مر گئے تو یہ کہتے ہوئے مریں گے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے مارے گئے ہیں اور اگر جیت گئے تو یہ کہتے ہوئے جیتیں گے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کا جھنڈا دنیا میں بلند کر دیا۔

دوستوں کو نصیحت

آخر میں مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارے سُپرد ایک عظیم الشان کام ہے ہم نے اسلام کی عظمت اوراس کی برتری دنیا کے تمام مذاہب پر ثابت کرنی ہے پس دوستوں کو چاہئے کہ جہاں تک ان سے ہو سکے وہ اسلام کو سیکھنے اوراس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ دشمن کے اعتراضات کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے وہ تو عداوت اور دشمنی کے جوش میں بیہودہ اعتراضات کرتا ہی رہے گا، ہاں اپنے نفس کی اصلاح سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے، اگر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہم اس کے دین کے حقیقی خدمت گزار ہوں تو بشریت کی وجہ سے جو غلطیاں ہم سے سرزد ہونگی اللہ تعالیٰ انہیں یقیناً معاف کر دیگا کیونکہ وہ اپنے بندوں کو دنیا کی نگاہ میں کبھی ذلیل نہیں کرسکتا۔ بشری کمیاں انبیاء میں بھی ہوتی ہیں۔ پس اگر ایسی غلطیاں خدمتِ دین کے ساتھ ہوں تو خدا ان پر گرفت نہیں کرتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک حبشی کو اپنا وہ بچہ کس قدر خوبصورت نظر آتا ہے جس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے، موٹے موٹے ہونٹ ہوتے ہیں، آنکھوں میں غلاظت بھری ہوتی ہے اور شکل نہایت بھیانک اور ڈراؤنی ہوتی ہے۔ پھر اگر ایک حبشی اپنے مَیلے کُچیلے اور بدصورت بچہ کی تحقیر نہیں کرسکتا، بلکہ اسے اپنے دل کا ٹکڑا سمجھتا ہے تو کس قدر نادان ہے وہ شخص جو خیال کرتا ہے کہ گو ہم خدا تعالیٰ کے دین کی تائید کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے روحانی فرزند بن جائیں وہ پھر بھی ہماری بعض غلطیوں کی وجہ سے ہمیں دھتکار دیگا۔ وہ ہمیں دھتکارے گا نہیں بلکہ اپنے سینہ سے لگائے گا اور ہماری کمزوریوں اور خطاؤں سے چشم پوشی کریگا، ہاں اپنے طور پر ہر انسان کو یہ کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ وہ کمزوریوں اور خطاؤں پر غالب آئے اگر وہ اپنی طرف سے ان خطاؤں اور کمزوریوں پر غالب آنے کے لئے پوری جدوجہد اور سعی کرتا ہے تو وہ اُس بچے کی طرح ہے جو زمین پر گِرتا اور پھر اُٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس طرح ایسے بچہ کو باپ نہایت پیار کے ساتھ اپنے گلے لگا لیتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی اپنے اس بندے کو اپنے قُرب میں جگہ دیتا اور خود اسے اٹھا کر اپنے پاس بٹھا لیتا ہے پس کمزوریوں اور خطاؤں پر غالب آنے کی کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہو کہ وہ ہمارے دلوں میں قرآن کی محبت پیدا کرے، اپنے دین کی محبت پیدا کرے، اپنے رسول کی محبت پیدا کرے اور ہمیں دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہم اس کے نام کو دُنیا کے کناروں تک پھیلا سکیں اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی کمزوریوں پر غالب آئیں اور

اپنی خطاؤں کو دُور کر سکیں لیکن اگر باوجود ہماری کوشش کے پھر بھی ہم میں کوئی عیب یا گُناہ رہ جائے تو وہ اپنے فضل سے ہمیں بخش دے اور ہمارے دشمن کو ہم پر غالب آنے کا موقع نہ دے وہ اپنے فضل کی چادر میں ہم سب کو لپیٹ لے اور اپنے محبوبین اور مقربین میں ہمیں شامل فرمائے تا ہم کہہ سکیں کہ ہماری زندگی کی ایک ایک حرکت خدا تعالیٰ کے دین کے اِحیاء کے لئے ہے اور ہمارا خالق اور مالک خدا بھی ہم سے محبت کرتا ہے۔

۱۔ تذکرہ صفحہ ۴۱۳۔ایڈیشن چہارم۔

۲۔ پیدائش باب ۱ آیت ۲ تا ۱۹ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء۔

۳۔ پیدائش باب ۱ آیت ۲۶ تا ۲۸ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء۔

۴۔ پیدائش باب ۲ آیت ۸ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء۔

۵۔ پیدائش باب ۲ آیت ۱۶ تا ۲۳ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء۔

۶۔ **ڈارون**(ERASMUS DARWIN)1731ء تا 1802ء۔انگریز سائنسدان۔اگرچہ طبیب مگر اس نے ایک لمبی نظم ''نباتیاتی باغ'' (THE BOTANIC GARDEN) بھی لکھی۔ایک نظم ''زونومیا'' (ZOONOMIA) میں ارتقائی نظریات کی پیشگوئی ملتی ہے۔جہاز بیگل پر ماہرِ موجودات کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے اس نے طبّ اور مذہب کا مطالعہ کیا۔اس کے انکشافات، مشاہدات اور تحقیقات سے ارتقاء کا وہ نظریہ قائم ہوا جو ڈارونیت (DARWINISM) بھی کہلاتا ہے۔ اس نظریہ پر اس نے اپنی کتاب ''آغازِ انواع'' (ORIGION OF SPECIES) میں بحث کی ہے۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۱ صفحہ ۶۱۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۷۔ **ہیکل**(HAECKEL ERNST HEINRICH)1834ءتا1919ء۔جرمن حیاتیات دان اور فلسفی پاٹسڈم (POTSDAM) برلن اور ویانا میں طبّ اور حیوانیات کا مطالعہ کیا اور اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۸۶۵ء میں JENA یونیورسٹی میں حیوانیات کا پروفیسر ہوگیا اور ۵۰ سال تک نظریۂ ارتقاء کی اشاعت کرتا رہا۔ وہ پہلا سائنسدان تھا جس نے حیوانی زندگی کا شجرۂ نسب مرتب کیا۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۸۔ **ہکسلے** (HUXLEY T(HOMAS) (HENRY)انگریز حیاتیات دان۔جب وہ جہاز رٹیل سینک پر

نائب سرجن تھا تو اس نے بحرالکاہل کے رقبوں میں سمندری زندگی کے نمونے اکٹھے کئے۔ ڈارون کا حامی تھا اور اس نے ارتقاء، تشریح، عضویات اور سائنس کے دوسرے موضوعات پر لکھا۔
(اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۵۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۹؎ نوح: ۱۴تا۱۹ ۱۰؎ مریم:۶۸ ۱۱؎ الدھر:۲
۱۲، ۱۳؎ الدھر:۳ ۱۴؎ فاطر:۱۲ ۱۵؎ الانبیاء:۳۱
۱۶؎ السجدۃ:۸ ۱۷؎ السجدۃ:۹ ۱۸؎ المرسلٰت:۲۱تا۲۳
۱۹؎ النّجم:۴۳تا۴۸ ۲۰؎ فاطر:۱۲ ۲۱؎ البقرۃ:۳۱
۲۲؎ الاعراف:۱۲ ۲۳؎ البقرۃ:۳۷ ۲۴؎ طٰهٰ:۱۲۴
۲۵؎ البقرۃ:۳۹ ۲۶؎ الاعراف:۲۶ ۲۷؎ صٓ:۷۷
۲۸؎ الانبیاء:۳۸ ۲۹؎ الرّوم:۵۵ ۳۰؎ الاعراف:۱۳
۳۱؎ اللّھب:۲ ۳۲؎ الرحمٰن:۱۶ ۳۳؎ البقرۃ:۳۶
۳۴؎ الاعراف:۲۰ ۳۵؎ طٰهٰ:۱۱۸ ۳۶؎ النساء:۲
۳۷؎ الاعراف:۱۹۰، ۱۹۱
۳۸؎ بخاری کتاب النکاح باب الوصاۃ بالنّساء
۳۹؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۹۷ المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۷۸ء
۴۰؎ مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ مطبع نولکشور ۱۳۱۴ھ
۴۱؎ بخاری کتاب التفسیر باب یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ۔
۴۲؎ طٰهٰ:۱۲۲ ۴۳؎ طٰهٰ:۱۱۹، ۱۲۰ ۴۴؎ البقرۃ:۳۶
۴۵؎ البقرۃ:۳۲ ۴۶؎ النمل:۲۴ ۴۷، ۴۸؎ البقرۃ:۳۱
۴۹؎ التحریم:۴
۵۰؎ یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲، ۱۳ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء
۵۱؎ طٰهٰ:۹۱
۵۲؎ خروج باب ۳۲۔ آیت ۱ تا ۴ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء
۵۳؎ طٰهٰ:۹۱
۵۴؎ خروج باب ۳۲ آیت ۲۰ (مفہوماً)

۵۵؎ خروج باب ۳۲ آیت ۱۹ تا ۲۸ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء (مفہوماً)

۵۶؎ فاطر :۲۵ ۵۷؎ الانعام :۸۴ تا ۹۱ ۵۸؎ الانعام :۷۶

۵۹؎ النجم : ۹، ۱۰ ۶۰؎ یونس :۶۳ تا ۶۵ ۶۱؎ النمل :۶۶، ۶۷

۶۲؎ الجنّ :۲۷، ۲۸ ۶۳؎ حٰمٓ السجدة:۳۱ تا ۳۳ ۶۴؎ الصّٰفّٰت :۸۴ تا ۱۰۰

۶۵؎ مہورت: کسی کام کیلئے ستاروں کی چال کے مطابق مبارک وقت معلوم کرنا

۶۶؎ النحل :۱۳ ۶۷؎ الحج :۱۹ ۶۸؎ یونس :۶

۶۹؎ نوح :۱۶، ۱۷ ۷۰؎ الرعد :۳ ۷۱؎ الانعام :۹۷

۷۲؎ الرحمٰن :۶ ۷۳؎ الرحمٰن :۶ تا ۱۰ ۷۴؎ الانبیاء :۳۴

۷۵؎ النحل :۹۰ ۷۶؎ لقمان :۲۸ ۷۷؎ الدخان :۲ تا ۶

۷۸؎ یوسف :۱۱۲ ۷۹؎ العنکبوت :۵۲ ۸۰؎ المائدة :۶۸

۸۱؎ بنی اسرائیل:۹۰ ۸۲؎ الکھف :۵۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ   نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

سیر روحانی (۲)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۰ء برموقع جلسہ سالانہ بمقام قادیان)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

(۴) مساجد

میں نے اس سفر میں جو چیزیں دیکھی تھیں ان میں سے کچھ مساجد بھی تھیں جو بڑی خوبصورت اور مختلف امتیازات والی تھیں کسی میں کالے پتھر لگے ہوئے تھے، کسی میں سفید اور کسی میں سُرخ اور بعض میں اگر سادگی تھی تو وہ سادگی اپنی ذات میں اتنی خوبصورت تھی کہ دل کو لُبھا لیتی تھی ۔ اسی طرح بعض مساجد اتنی وسیع تھیں کہ ایک ایک لاکھ آدمی ان میں بَیَک وقت عبادت کرسکتا تھا اور بعض اتنی بلند تھیں کہ انسان اگر اُن کی چھت کو دیکھنے لگے تو اس کی ٹوپی گر جائے غرض اپنے اپنے رنگ میں ہم میں سے ہر ایک نے اُن مساجد کو دیکھ کر لُطف اُٹھایا اور جہاں موقع مل سکا وہاں ہم نے نفل بھی پڑھے۔

مساجد کی تعمیر میں نیّتوں کا تفاوت

میں نے جب ان مساجد کو دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ ان خدا کے بندوں نے کیسی کیسی عظیم الشان مساجد بنا کر خدا تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت کو دنیا میں قائم کرنے کا اہتمام کیا تھا مگر ساتھ ہی میرے دل میں خیال پیدا ہوُا کہ یہ مساجد گو بڑی شاندار ہیں اور ان کے بنانے والوں نے ان کے بنانے پر بہت سا وقت اور روپیہ خرچ کیا ہے اور بہت بڑی قربانی سے کام لیا ہے تاہم نہ معلوم انہوں نے ان مسجدوں کو کس کس نیت سے بنایا۔ کسی نے ان کو اچھی نیت سے بنایا ہوگا اور کسی نے بُری نیت سے، کسی نے تو اس خیال سے مسجد تعمیر کی ہوگی کہ لوگ کہیں گے یہ مسجد فلاں بادشاہ نے بنائی تھی ۔ اس رِیا کاری کی وجہ سے ممکن ہے وہ اِس وقت جہنم میں

جل رہا ہو اور لوگ مسجد دیکھ کر کہہ رہے ہوں کہ واہ واہ! فلاں مسلمان نے کتنی بڑی نیکی کا کام کیا حالانکہ اُس نے چونکہ رِیاء کی وجہ سے مسجد بنائی تھی اس لئے وہ جہنم میں اپنے اس فعل کی سزا پا رہا ہوگا۔ پھر کسی نے ایسی نیک نیتی سے مسجد تیار کی ہوگی کہ گو وہ مرگیا اور اُس کی بنائی ہوئی مسجد بھی ویران ہوگئی مگر اُس کو خداتعالیٰ کے فرشتے ہر روز جنت میں آ کر سلام دیتے ہونگے اور کہتے ہونگے کہ تُو نے دنیا میں چونکہ خدا کا گھر بنایا تھا اس لئے اب آخرت میں ہم تجھ پر سلامتی بھیجتے ہیں۔ بیشک اُس کی مسجد میں اب لوگ نہیں آتے اور نہ وہاں آ کر سلام کہتے ہیں مگر جنت میں اُسے فرشتے روزانہ **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ** کہتے ہوں گے۔ غرض جب میں اس قلعہ کی چھت پر کھڑا تھا تو اُس وقت میرے خیالات یہ تھے کہ یہ دُنیوی چیزیں تھیں جن کو میں نے دیکھا اور جن سے اپنی معلومات میں اضافہ کیا، مگر ان دُنیوی چیزوں کے مقابلہ میں بعض روحانی چیزیں بھی اسی قسم کی ہیں لیکن دنیا ان کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ وہ اپنی شان میں ان دُنیوی چیزوں سے کہیں بڑھ کر ہیں، وہ اپنی بلندی میں ان سے کہیں اونچی ہیں اور وہ اپنی خوبیوں میں ان سے کہیں اعلیٰ ہیں، غرض وہ ایسی نادر روزگار چیزیں ہیں کہ دنیا کو اگر سینکڑوں نہیں ہزاروں صدیوں کا سفر کر کے بھی ان کی تلاش میں جانا پڑے تب بھی وہ سفر بیکار نہیں کہلا سکتا، مگر باوجود اس کے لوگ ان کو دیکھنے کا شوق نہیں رکھتے اور نہ ان کے بنانے والوں کی کوئی قدر کرتے ہیں، لیکن ان دُنیوی چیزوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ یہ خیالات تھے جو اُس وقت میرے دل اور دماغ پر مسلّط تھے۔

عالَمِ روحانی کی شاندار مساجد

میں بتا چکا ہوں کہ میں نے اِس سفر میں بعض پُرانی اور شاندار مساجد دیکھیں، ایسی وسیع اور شاندار مساجد جن میں ہزاروں آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ تب میں نے غور کیا کہ یہ تو دُنیوی مساجد ہیں، کیا ان سے بھی بڑھ کر روحانی دنیا میں کوئی مسجدیں ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو دنیا ان سے کیا سلوک کر رہی ہے جب میں نے اس امر پر غور کیا تو میں نے دیکھا کہ ان مساجد سے بہت زیادہ شاندار مساجد روحانی دنیا میں موجود ہیں۔ مٹی کی اینٹوں کی بنی ہوئی نہیں، چونے اور پتھروں سے بنی ہوئی نہیں بلکہ وہ مسجدیں ایمان کی اینٹوں سے تیار ہوئی ہیں اور ان کی شان کو کوئی اور مسجد کبھی نہیں پہنچ سکتی۔

مساجد کیوں بنائی جاتی ہیں

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ دو چیزوں میں مشابہت کسی نہ کسی وجہ سے ہوتی ہے کبھی مشابہت شکل میں ہوتی ہے اور

کبھی کام میں مثلاً ایک انسان کی تھوتھنی باہر نکلی ہوئی ہوتی ہے تو لوگ کہتے ہیں یہ کُتّا ہے، کوئی گردن اکڑا کر رکھتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ سؤر ہے، ایک انسان بڑا بہادر اور دلیر ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں یہ شیر ہے۔ اب کسی کو شیر یا کُتّا یا سؤر اس وجہ سے نہیں کہا جاتا کہ اُس کے بھی شیر کی طرح پنجے ہوتے ہیں، یا وہ بھی کُتّے اور سؤر کی طرح ہوتا ہے بلکہ کبھی روحانی اور اخلاقی مشابہتوں کی وجہ سے ایک کو دوسرے کا نام دیدیا جاتا ہے اور کبھی ظاہری مشابہت کی بناء پر ایک کو دوسرے کا نام دیا جاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ مسجد کے مشابہ دنیا میں کونسی چیز ہے؟ میں نے اس کے لئے سب سے پہلے اس امر پر غور کیا کہ مسجد کا کام کیا ہوتا ہے اور وہ کس غرض کے لئے بنائی جاتی ہے؟ اس سوال کو حل کرنے کے لئے جب میں نے قرآن کریم پر غور کیا تو مجھے آل عمران رکوع 10 میں یہ آیت نظر آئی کہ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکاً وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَo [1] یہ آیت بیت اللہ کے متعلق ہے جو درحقیقت اوّل المساجد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب سے پہلی مسجد اور سب سے اوّل اور مقدّم مسجد وہ ہے جو مکہ میں بنی اور جس کی نقل میں دوسری مساجد تیار ہوتی ہیں۔ یہاں بیت سے مراد درحقیقت بیت اللہ ہے یعنی اللہ کا گھر اور مسجدیں بھی اللہ کا گھر ہی کہلاتی ہیں، آگے بیان فرماتا ہے کہ اس بیت اللہ کا کام کیا ہے اور اسے دوسرے مقامات پر کیا فوقیت حاصل ہے فرماتا ہے بیت اللہ کے بنانے میں ہماری تین اغراض ہیں۔

بیت اللہ کی تین اہم اغراض

اوّل وُضِعَ لِلنَّاسِ۔ یہ مسجد تمام بنی نوع انسان کے لئے بنائی گئی ہے کسی خاص فرد کے لئے نہیں۔ وہ زید کے لئے نہیں، بکر کے لئے نہیں، خالد کے لئے نہیں بلکہ وُضِعَ لِلنَّاسِ وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے بنائی گئی ہے۔ پھر مُبَارَکاً وہ برکت والی ہے۔ تیسرے ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ سب انسانوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے۔ پس دنیا میں سب سے پہلی مسجد جو بنائی گئی اس کی تین اغراض تھیں۔

(۱) مساوات کا قیام

اوّل وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے بنائی گئی تھی، مطلب یہ کہ مسجد ایسا گھر ہوتا ہے کہ مساوات پیدا کرتا ہے اس میں غریب اور امیر اور مشرقی اور مغربی کا امتیاز بالکل مِٹا دیا جاتا ہے۔ مسجد کے دروازہ کے باہر بیشک ایک بادشاہ بادشاہ ہے اور غلام غلام، ایک شخص حاکم ہے اور دوسرا محکوم، ایک افسر ہے اور دوسرا ماتحت مگر اِدھر مسجد میں قدم رکھا اور اُدھر امیر اور غریب، حاکم اور محکوم سب برابر ہو گئے۔ کوئی بادشاہ

ایسا نہیں جو مسجد میں ایک غلام سے بھی یہ کہہ سکے کہ یہاں مت کھڑے ہو تم وہاں جا کر کھڑے ہو بلکہ اسلام میں یہ مساوات اس حد تک تسلیم کی جا چکی ہے کہ بنواُمیّہ کے زمانہ میں جب بادشاہوں نے ظلم کرنے شروع کر دیئے تو پہلے تو مسجد میں جب بادشاہ آتا تو تعظیم کے طور پر لوگ اس کے لئے جگہ چھوڑ دیتے مگر بعد میں وہ اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہتے اور جب نوکر کہتے کہ جگہ چھوڑ دو تو وہ کہتے کہ تم ہمیں مسجد سے اُٹھانے والے کون ہو مسجد خدا کا گھر ہے اور یہاں امیر اور غریب کا کوئی امتیاز نہیں۔ آجکل کا زمانہ ہوتا تو بادشاہ نوکروں سے لوگوں کو پٹوانا شروع کر دیتے مگر اُس وقت اسلام کا اس قدر رُعب تھا کہ بنوامیہ نے مسجد کے باہر حُجرے بنائے اور وہاں نماز پڑھنا شروع کر دیا مگر یہ جرأت نہ ہوئی کہ مسجد میں آکر لوگوں کو اُٹھا سکیں۔ تو مسجد وُضِعَ لِلنَّاسِ ہوتی ہے اور اس کے دروازے تمام بنی نوع انسان کے لئے کُھلے ہوتے ہیں۔ کالے اور گورے کی اس میں کوئی تمیز نہیں ہوتی، چھوٹے اور بڑے کا اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا، بلکہ ہر ایک کا مسجد میں مساوی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ غرض مسجد کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان میں مساوات پیدا کرتی ہے۔

(۲) تقدّس اور ذکرِ الٰہی کا مرکز

دوسری غرض مسجد کی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے مُبَارَکاً وہ مقامِ مبارک ہوتا ہے۔ مَیں مسجد کے مقامِ مبارک ہونے کی اور مثالیں دیدیتا ہوں۔

(الف) مسجد اس لئے مقامِ مبارک ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ذکر کے لئے مخصوص ہوتی ہیں، باقی گھروں میں تو اور کئی قسم کے دُنیوی کام بھی کر لئے جاتے ہیں مگر وہاں دُنیوی کاموں کی اجازت نہیں ہوتی۔ یا اگر کئے بھی جائیں تو وہ اتنے قلیل ہوتے ہیں کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جیسے مسجد میں اگر کوئی غریب شخص رہتا ہو تو اُسے اجازت ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر کھانا کھالے مگر بہرحال زیادہ تر کام مساجد میں یہی ہوتا ہے کہ وہاں ذکرِ الٰہی کیا جاتا ہے۔ اور درود پڑھا جاتا ہے اور دعائیں کی جاتی ہیں اور اس طرح اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

(ب) پھر مساجد اس لحاظ سے بھی مقامِ مبارک ہوتی ہیں کہ وہ پاکیزگی کا مقام ہوتی ہیں اور یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہاں گند پھینکا جائے، مثلاً پاخانہ پیشاب کرنے، تُھوکنے یا بلغم پھینکنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسی طرح حکم ہے کہ گندگی اور بَدبُودار چیزیں کھا کر مسجد میں مت آؤ۔

جُنبی کا مسجد میں آنا بھی منع ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ ہدایت دیا کرتے تھے کہ مساجد کو صاف سُتھرا رکھو اور اس میں خوشبوئیں جلاتے رہو[۲] مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اِس ہدایت کو بالکل نظر انداز کر رکھا ہے اور ان کی مسجدیں اتنی گندی ہوتی ہیں کہ وہاں نماز پڑھنے تک کو جی نہیں چاہتا۔

(۳) بنی نوع انسان کی ہدایت کا ذریعہ

تیسری غرض اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی مسجدیں لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہوتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ وہاں دین کی تعلیم اور تبلیغ کا انتظام مثلاً خطبہ ہوتا ہے جس میں وعظ و نصیحت کی جاتی ہے، دینی اور اخلاقی باتیں بتائی جاتی ہیں اور لوگوں کو قربانیوں پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تذکیر و تحمید سے کام لیا جاتا ہے، دینی و دُنیوی اصلاحات کے متعلق مشورے ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی بہتری اور ان کی ترقی کی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اسی طرح مسجدوں میں قرآن کا درس ہوتا ہے، حدیث کا درس ہوتا ہے، پھر نمازوں میں سے تین نمازیں بِالخصوص ایسی ہیں جن میں تلاوت بِالجہر کی جاتی ہے اور تلاوت بِالجہر ایک قسم کا وعظ ہوتا ہے، کیونکہ قرآن کریم کی ہر آیت وعظ ہے اور جب بلند آواز سے اُس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو لوگوں کے قلوب صاف ہوتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ غرض مسجدیں هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کا کام دیتی ہیں وہاں لوگوں کی دینی تربیت ہوتی ہے، انہیں اعلیٰ روحانی باتیں بتائی جاتی ہیں اور اسلامی احکام دوسروں تک پہنچائے جاتے ہیں پس مسجد کی یہ تین اغراض اس آیت سے مستنبط ہوتی ہیں۔

مساجد کی بعض اور اغراض

اس کے بعد میں نے اور غور کیا تو مجھے قرآن کریم میں ایک اور آیت بھی نظر آئی جس میں مساجد کے بعض اور مقاصد بیان کئے گئے ہیں اور وہ آیت یہ ہے۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ[۳]

فرماتا ہے اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے اس گھر یعنی خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے مَثَابَه بنایا، یعنی تمام دنیا کے لئے نسل اور قومیت کے امتیاز کے بغیر اور ملک اور زبان کے امتیاز کے بغیر ہر ایک انسان کے لئے اس کے دروازے کھلے ہیں مَثَابَةً کے لُغت میں یہ معنے لکھے ہیں کہ

مُجتَمَعُ النَّاسِ وَ مَاحَوْلَ الْبِئْرِ مِنَ الْحِجَارَةِ[۴] یعنی مَثَابَة کے معنے ہیں جمع ہونے کی جگہ اسی طرح مَثَابَة اُس منڈیر کو کہتے ہیں جو کنویں کے اِردگرد بنائی جاتی ہے اور جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جب زور کی ہوا چلے تو کوڑا کرکٹ اور گوبر اُڑ کر اندر نہ چلا جائے، یا کوئی اور گندی چیز کنویں کے پانی کو خراب نہ کر دے، اسی طرح منڈیر سے یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ کوئی شخص غلطی سے کنویں میں نہ گر جائے، غرض منڈیر کا مقصد کنویں کو بُری چیزوں اور لوگوں کو گرنے سے بچانا ہوتا ہے۔

مساجد دینی تربیت کا مرکز، بُرائیوں سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ اور قیامِ امن کا موجب ہوتی ہیں

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اِس مسجد کو ایک تو اس غرض کے لئے بنایا ہے کہ دنیا کے چاروں طرف سے لوگ اس جگہ آئیں اور یہاں آ کر دینی تربیت اور اعلیٰ اخلاق حاصل کریں۔ دوسرے ہم نے مسجد کو اس لئے بنایا ہے تا کہ وہ دنیا کے لئے منڈیر کا کام دے اور ہر قسم کی بُرائیوں اور شر سے لوگوں کو محفوظ رکھے۔ تیسری غرض یہ بیان فرمائی کہ مسجد امن کے قیام کا ذریعہ ہوتی ہے اس کے بعد فرماتا ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ہم نے اس مسجد کو اس لئے بھی قائم کیا ہے تا کہ لوگ مقامِ ابراہیم پر بیٹھیں اور اسے مصلّٰی بنائیں۔ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو بڑے زور سے یہ نصیحت کی تھی اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ کہ تم میرے اس گھر کو پاک رکھو (ان الفاظ میں بعض اور اغراض بھی بیان کر دی گئی ہیں) لِلطَّآئِفِيْنَ مسافروں کے لئے وَالْعٰكِفِيْنَ اور مقیموں کے لئے وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اور اُن لوگوں کے لئے جو اپنے کاروبار کو چھوڑ کر اس مسجد میں ذکرِ الٰہی کرنے کے لئے آ بیٹھے ہیں۔

اس آیت سے مسجد کی یہ مزید اغراض معلوم ہوتی ہیں۔ (۴) مساجد لوگوں کو جمع کرنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ (۵) مساجد شر سے روکنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ (۶) مساجد امن کے قیام کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ (۷) امامت کو ان کے ذریعہ زندہ رکھا جاتا ہے۔

مسئلہ امامت کا دائمی احیاء

چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو مدینہ میں ہوتے تھے مگر مسلمان جہاں کہیں ہوتے ایک شخص کو امام بنا کر اُس کی اقتداء میں نمازیں ادا کرنے لگ جاتے اور اب بھی ہر مسجد میں ایک امام ہوتا ہے جس کی اقتداء میں لوگ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ امام درحقیقت قائمقام ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور مقتدی قائمقام ہوتے ہیں صحابہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے۔ جس طرح

صحابہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے تھے اسی طرح آج ہر مسجد میں مسلمان ایک امام کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے ہیں۔ گویا سابق نیکی کے لیڈروں کو زندہ رکھا جاتا اور مساجد کے ذریعہ امامت کو ہر وقت قوم کی آنکھوں کے سامنے رکھا جاتا ہے اور مساجد لوگوں کو یہ مسئلہ یاد دلاتی رہتی ہیں کہ تم میں ایک امام ہونا چاہئے اور اس امام کی اقتداء میں تمہیں ہر کام کرنا چاہئے۔

مسافر اور مقیم کے فوائد مساجد سے ہی وابستہ ہیں

(۸) مساجد مسافروں کے فائدہ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً مسافر وہاں ٹھہر سکتا ہے اور چند روزہ قیام کے بعد اپنی منزلِ مقصود کو جا سکتا ہے۔

(۹) اَلْعٰکِفِیْنَ مساجد شہر میں بسنے والوں کے فائدہ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً

(الف) گھروں میں تو شور وشغب ہوتا ہے اور انسان سکون کے ساتھ ذکرِ الٰہی نہیں کر سکتا مگر وہاں ہر قسم کے شور وشر سے محفوظ ہو کر آرام سے لوگ ذکرِ الٰہی کر سکتے ہیں۔

(ب) وہ وہاں اجتماعی عبادت کا فائدہ اُٹھاتے ہیں اگر مساجد نہ ہوں تو ایک نظام کے ماتحت عبادت نہ ہو سکے۔ مثلاً جب جمعہ کا دن آتا ہے تو سب مسلمان اپنے اپنے محلوں کی مساجد کی بجائے جامع مسجد میں اکٹھے ہو جاتے اور اجتماعی عبادت بجا لاتے ہیں، اس طرح مساجد انہیں اجتماعی حیثیت سے کام کرنے کی عادت ڈالتی ہیں۔

(۱۰) وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ اُن میں وہ لوگ رہتے ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں۔

واقفینِ زندگی اور مساجد

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا کرتے تھے وہ مسجد میں ہی رہتے تھے اور انہیں اَصْحَابُ الصُّفَّہ کہا جاتا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں تشریف لاتے تو وہ آپ کی باتیں سُنا کرتے اور بعد میں لوگوں تک پہنچا دیتے۔ غرض مسجدیں واقفینِ زندگی کو جمع کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ گاؤں والے بعض دفعہ اتنے غریب ہوتے ہیں کہ وہ الگ کسی جگہ مدرسہ نہیں کھول سکتے ایسی حالت میں وہ مسجد سے مدرسہ کا کام بھی لے سکتے ہیں، کیونکہ ہمارا مدرسہ بھی مسجد ہے اور واقفینِ زندگی کی جگہ بھی مسجد میں ہے۔

مساجد کے مشابہ صرف انبیاء کی جماعتیں ہیں

اب میں بتاتا ہوں کہ یہ اغراض اور مقاصد آیا کسی اور چیز کے بھی ہیں یا نہیں اور مسجد کے مشابہ عالَم روحانی میں بھی کوئی چیز دکھائی دیتی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے پہلے میں علمِ تعبیر الرؤیا کو لیتا ہوں کیونکہ رؤیا میں تمثیلی زبان استعمال کی جاتی ہے اور خوابوں کی تعبیر سے انسان معلوم کر سکتا ہے کہ ظاہری چیزوں کی مشابہت کن روحانی چیزوں سے ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے جب ہم علمِ تعبیر الرؤیا کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد انبیاء کی جماعت کو کہتے ہیں۔ پس مساجد کے مشابہ عالَمِ روحانی میں اگر کوئی چیزیں ہیں تو انبیاء کی جماعتیں ہیں۔ اب دیکھنا یہ چاہئے کہ کیا انبیاء کی جماعتوں میں وہ باتیں پائی جاتی ہیں جو مساجد کی اغراض ہیں۔ اگر پائی جاتی ہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ واقعہ میں روحانی دنیا میں بھی مساجد ہیں اور وہ ظاہری مساجد سے بہت زیادہ شاندار ہیں۔ آج تک دنیا میں خدا تعالیٰ کے بہت سے انبیاء ہوئے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام ہوئے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام ہوئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوئے ہیں۔ اسی طرح حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہوئے ہیں اور ہر نبی نے کوئی نہ کوئی جماعت قائم کی ہے۔ پس اگر ہم غور کریں تو ہر نبی کی جماعت میں ہمیں یہ مشابہتیں نظر آ جائیں گی اور ہمیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کے پورا کرنے کے لئے مختلف روحانی مساجد بنائی گئی تھیں مگر میں تفصیلاً ان کے حالات اس جگہ بیان نہیں کر سکتا کیونکہ (۱) ایک تو مضمون لمبا ہو جاتا ہے (۲) دوسرے سب مساجد کے تفصیلی حالات محفوظ نہیں۔ اس لئے میں صرف آخری مسجد کو لے لیتا ہوں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں تیار ہوئی اور جس کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ [۵]

صحابہؓ کے متعلق ایک اُصولی نکتہ

اب میں ایک ایک کر کے مساجد کی اغراض کی نسبت ثابت کرتا ہوں کہ وہ تمام کی تمام اس روحانی مسجد سے پوری ہوئی ہیں۔ مگر ایک بات میں کہہ دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ بعض واقعات اِس قسم کے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے متعلق تاریخی طور پر بحث کی جائے تو وہ بہت لمبی ہو جاتی ہے اس لئے اصولی طور پر ایک نکتہ یاد رکھنا چاہئے اور وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ [۶] آپ کے اخلاق و عادات اگر

معلوم کرنا چاہو تو قرآن پڑھ لو جو کچھ اس میں لکھا ہے وہی کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بات جس موقع پر بیان فرمائی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں بعض لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات سُنائے جائیں۔ آپ نے فرمایا کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ مجھ سے حالات کیا پوچھتے ہو، قرآن پڑھ کر دیکھ لو جتنی نیک اور پاک باتیں اس میں لکھی ہیں وہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں پائی جاتی تھیں، مجھے بھی کئی دفعہ خیال آیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کے متعلق ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں تاریخ یا حدیث سے مدد نہ لی جائے بلکہ صرف قرآن کریم سے استنباط کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر روشنی ڈالی جائے (کاش! کوئی شخص اسی اصل کے مطابق ایک مدلّل کتاب لکھ کر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرے)

غرض جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا تھا کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ آپؐ کے اخلاقِ عالیہ کا پتہ لگانے کے لئے تاریخی کتب کی ورق گردانی اور زید بکر سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ قرآن اُٹھاؤ اور اسے پڑھ لو، جتنی اچھی باتیں ہیں وہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھیں۔ اسی طرح صحابہؓ کے متعلق بھی ہمیں ایک اصولی نکتہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؎

فرماتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جماعت! تم وہ ہو کہ تمہارے دلوں میں خدا نے ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور تمہاری حالت یہ ہوتی ہے کہ قرآن جو کچھ کہتا ہے تم اس پر فوری طور پر عمل کرنے لگ جاتے ہو اور اس نے ایمان کو تمہاری نظروں میں اتنا خوبصورت بنا دیا ہے کہ تمہیں اس کے بغیر چین ہی نہیں آتا جس طرح خوبصورت چیز کی طرف جُھکتے ہو اور اُسے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ اور اُس نے کُفر، فسق اور نافرمانی سے تمہیں اتنا متنفر کر دیا ہے کہ تم اس کی طرف رغبت ہی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور صحابہؓ دو مترادف الفاظ ہیں اگر اسلام میں کوئی حُکم پایا جاتا ہے تو صحابہؓ نے اس پر یقیناً عمل کیا ہے اور اگر صحابہؓ نے کسی بات پر عمل کیا ہے تو اسلام میں وہ ضرور پائی جاتی ہے جس طرح حضرت عائشہؓ نے رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا تھا کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ اسی طرح صحابہؓ جس بات پر عمل کریں اُس کے متعلق سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اسلام میں پائی جاتی ہے اور اسلام نے جس قدر احکام دیئے ہیں اُن کے متعلق سمجھ لینا چاہئے کہ ان پر صحابہؓ نے ضرور عمل کیا ہے۔ اس تمہید کے بعد اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ مسجد کی اغراض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے کس طرح پوری کیں۔

صحابہ کے ذریعہ بنی نوع انسان کے حقوق کی حفاظت

اوّل ۔ غرض مسجد کی یہ ہے کہ لِلنَّاس ہوتی ہے یعنی اس کے ذریعہ بنی نوع انسان کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور سب انسانوں کو فائدہ پہنچایا جاتا ہے۔ اس بارہ میں قرآن کریم میں آتا ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ [۸]

یعنی اے مسلمانو! تم سب اُمتوں سے بہتر ہو۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم کسی ایک قوم کے فائدہ کے لئے کھڑے نہیں ہوئے بلکہ تم کالوں کے لئے بھی ہو اور گوروں کے لئے بھی ہو، مشرقیوں کے لئے بھی ہو اور مغربیوں کے لئے بھی ہو، تمہارا دروازہ سب کے لئے کُھلا ہے اور تمہارا فرض ہے کہ تم سب کو آواز دو اور کہو کہ آجاؤ مشرق والو، آجاؤ مغرب والو، آجاؤ شمال والو، آجاؤ جنوب والو، آجاؤ غریبو، آجاؤ امیرو، آجاؤ طاقتورو، آجاؤ کمزورو۔ غرض تم سب کو آواز دو کیونکہ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم وہ قوم ہو جو ساری دنیا کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ جس طرح وہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ وہ پہلا گھر ہے جو لِلنَّاسِ بنا، اسی طرح انبیاء کی جماعتیں بھی جب کھڑی کی جاتی ہیں تو لِلنَّاسِ کھڑی کی جاتی ہیں۔ موسیٰ ؑ کے زمانہ میں اُمتِ موسوی کا دروازہ گو صرف بنی اسرائیل کے لئے کُھلا تھا مگر اپنے دائرہ میں وہاں بھی کامل مساوات تھی لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس دائرہ کو ایسا وسیع کر دیا گیا کہ ساری دنیا کو اس کے اندر شامل کر لیا گیا۔ پس فرماتا ہے اے مسلمانو! تم لوگوں کے فائدہ کے لئے بنائے گئے ہو۔ اس کے بعد اس کا ذکر فرماتا ہے کہ مسلمانوں سے لوگوں کو فائدہ کس طرح پہنچے گا فرماتا ہے تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ تم لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہو تمام بنی نوع انسان کو تبلیغ کرتے ہو، انہیں نیک اخلاق سکھاتے ہو، کہتے ہو کہ فلاں فلاں بات پر عمل کرو تا کہ تمہیں خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل ہو وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور تم بدیوں

سے لوگوں کو روکتے ہو، وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ اور تم نڈر ہو کر یہ کام کرتے ہو۔ یہاں ایمان سے صرف مان لینا مراد نہیں، کیونکہ اَمْر بِالْمَعْرُوفِ اور نَہِی عَنِ الْمُنْکَرِ خدا تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر نہیں ہوسکتا اور جب ایمان پہلے ہی حاصل تھا تو آخر میں تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اس ایمان سے مراد محض خدا پر ایمان لانا ہوتا تو آیت یوں ہوتی کہ تُؤْمِنُوْنَ وَ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ مگر آیت اس کے اُلٹ ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے معنے صرف مان لینے کے نہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔ اور وہ معنے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہ ہیں کہ تم لوگوں سے نہیں ڈرتے بلکہ خدا سے ہی ڈرتے ہو اور ان کاموں میں کسی نقصان کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ نڈر ہو کر کام کرتے ہو جیسے فرماتا ہے۔

فَسَوْفَ يَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَايَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ [9]

اَمر بِالْمعروف اور نہی عَنِ الْمُنکر

غرض اس آیت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ جس طرح مادی مسجد تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ہوتی ہے، اسی طرح یہ روحانی مسجد تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ہے اور وہ اس پر عمل مندرجہ ذیل طریق سے کرتی ہے۔

(الف) تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ سب انسانوں کو حُسنِ سلوک کی تعلیم دیتی اور اس طرح لوگوں کے حقوق کو محفوظ کرتی ہے۔ تَاْمُرُوْنَ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے نظام کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ مسلمان صرف وعظ ہی نہیں کرتے بلکہ لوگوں سے نیک باتیں منواتے ہیں۔ اگر صرف تَعِظُوْنَ النَّاسَ ہوتا تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں مگر خدا نے تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس میں یہ بتایا ہے وہ لوگوں کو صرف وعظ و نصیحت کی بات کہہ دینا کافی نہیں سمجھتے بلکہ لوگوں سے عمل بھی کراتے ہیں۔ اگر تعلیم سے عمل ہو تو تعلیم دیتے ہیں، تربیت سے عمل ہو تو تربیت کرتے ہیں، منّت سماجت سے کوئی عمل کرنے کے لئے تیار ہو تو اس کی منّت سماجت کرتے ہیں اور اگر کوئی نگرانی کا محتاج ہو جیسے نابالغ بچے ہیں تو اسے حُکم دیتے ہیں (یعنی ان امور میں اور ان لوگوں کو جن میں اور جن کو حُکم دینے کی اجازت ہے حُکم دیتے ہیں ورنہ بالغ اور عاقل سے جبراً کوئی امر منوانا جو اس کے عقیدہ کے خلاف ہو اسلام میں جائز نہیں) غرض وہ صرف اپنی زبان سے بات نکال کر خوش

نہیں ہو جاتے بلکہ جس طرح بھی بن پڑتا ہے لوگوں سے عمل کرانے کی جِدّ وجُہد کرتے ہیں اور جب تک لوگوں کی عملی حالت درست نہ ہو جائے خوش نہیں ہوتے۔

(ب) تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تمام بنی نوع انسان کو ظلم اور تعدّی اور شرارت سے روکتے ہیں۔ یہاں بھی نہی کا لفظ استعمال فرمایا ہے وعظ کا نہیں۔

توکّل علی اللہ

(ج) وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اس جگہ تُؤْمِنُوْنَ کو آخر میں رکھنا صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عام ایمان مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کاموں میں کسی نقصان سے نہیں ڈرتے اور نڈر ہو کر کام کرتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس مسجد نے اس غرض کو کس طرح پورا کیا اور کس طرح تمام بنی نوع انسان میں اُس نے مساوات کو قائم کیا۔

مساوات کے قیام کے لئے غلامی کو مِٹا دیا گیا!

مساوات کے قیام کے لئے اس جماعت نے سب سے پہلے غلامی کو مِٹایا اور جس طرح مسجد میں کوئی آقا اور کوئی غلام نہیں رہتا اسی طرح مسلمان ہو کر کوئی آقا اور کوئی غلام نہیں رہتا۔ غلامی کے متعلق اسلام نے ایک مفصّل تعلیم دی ہے میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے سارا زور اس امر پر صرف کر دیا کہ دنیا سے غلامی کو مِٹا دیا جائے۔ چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک اصل بیان کیا ہے اور میں اپنی جماعت کے لیکچراروں کو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ وہ اسے بیان کیا کریں۔ وہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُوَ اِمَّا فِدَآءً [۱۰] کہ جب کوئی غلام پکڑا جائے تو اس کے متعلق شریعت میں صرف دو [۲] ہی حُکم ہیں یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا جُرم کا جُرمانہ وصول کر کے چھوڑ دو، قید کا حُکم کہیں نہیں۔ پس دو ہی حُکم ہیں یا تو یہ کہ غلام پر احسان کرو اور اُسے آزاد کرو اور یا یہ حُکم ہے کہ کچھ ٹیکس اور جُرمانہ وصول کرو اور اُسے چھوڑ دو۔ پھر اس جُرمانہ کے متعلق بھی یہ شرط ہے کہ اگر غلام مکاتبت چاہے تو مکاتبت بھی کر سکتا ہے اور یہ مکاتبت کی شرط اس لئے رکھی گئی ہے کہ فرض کرو ایک شخص کے پاس روپیہ تو نہیں مگر وہ آزاد ہونا چاہتا ہے تو وہ کرے تو کیا کرے۔ اگر نقد روپیہ دیکر غلام آزاد ہو سکتا تو جس کے پاس روپیہ نہ ہوتا وہ اعتراض کر سکتا تھا کہ میری رہائی کی کوئی صورت اسلام نے نہیں رکھی۔ مگر اسلام چونکہ کامل مذہب ہے اس لئے اس نے اس روک کو بھی دُور کر دیا اور یہ اصول

مقرر کر دیا کہ اگر غلام مکاتبت کا مطالبہ کرے تو اُسے مکاتبت دے دینی چاہئے۔ مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ غلام کہہ دے میں آزاد ہونا چاہتا ہوں تم میرا جُرمانہ مقرر کر دو۔ میں محنت اور مزدوری کر کے اپنی کمائی میں سے ماہوار قسط تمہیں دیتا چلا جاؤں گا۔ جب کوئی غلام یہ مطالبہ کرے تو اسلامی شریعت کے ماتحت قاضی کے پاس مقدمہ جائیگا اور وہ اس کی لیاقت اور قابلیت کو دیکھ کر اور یہ اندازہ لگا کر کہ وہ ماہوار کتنا کما سکتا ہے اس کے ذمہ ایک رقم مقرر کر دیگا اور پھر اس کے ماہوار گزارے کو منہا کر کے مطالبہ کرے گا کہ اتنی رقم ماہوار تم تاوان کے طور پر ادا کرتے چلے جاؤ۔ اس طرح وہ اقساط کے ذریعہ تاوان ادا کرتا رہے گا مگر جُزوی آزاد وہ اسی دن سے ہو جائے گا جس دن وہ قاضی کے سامنے یہ اقرار کریگا۔ اگر ادائیگی رقم سے پہلے وہ شخص فوت ہو جائے تو اس کا بقیہ مال اور ترکہ آقا کو مل جائے گا اور اگر وہ زندہ رہے گا تو اس فیصلہ کے ماتحت وہ اپنی رقم ادا کرنے پر مجبور ہوگا۔ غرض اسلامی جنگوں کے ماتحت جب بھی غلام گرفتار ہو کر آئیں گے انہیں یا تو ہمیں خود چھوڑ دینا ہوگا یا ہمیں حُکم ہوگا کہ ہم تاوان وصول کریں۔ اگر اس کے بھائی بند اور رشتہ دار اس وقت آزادی کی قیمت ادا کریں تو وہ اس وقت آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے رشتہ دار غریب ہوں یا وہ فدیہ ادا کرنا پسند نہ کریں تو وہ مکاتبت کا مطالبہ کرنے کا حق دار ہوگا اور مسلمان قاضی کا فرض ہوگا کہ وہ اُس کی حیثیت کے مطابق اس پر فدیہ عائد کرے اور پھر اس کا گزارہ مقرر کر کے مناسب رقم ماہوار بطور فدیہ آزادی ادا کرنے کا اُسے حُکم دے۔ جب یہ عہد و پیمان تحریری طور پر ہو جائے گا تو اس دن سے ہی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے آزاد ہو جائے گا۔

اب دیکھو اس تعلیم کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شخص بھی اپنی مرضی کے خلاف غلام رہ سکتا ہے؟ جب بھی کوئی غلام آئے گا ہم اس بات کے پابند ہونگے کہ یا تو اُسے خود آزاد کر دیں یا وہ فدیہ ادا کر کے آزاد ہو جائے اور اگر اس کی طاقت میں یہ بات نہ ہو تو اس کے بیوی بچے اور رشتہ دار فدیہ ادا کر دیں اور اگر وہ بھی ادا نہ کر سکتے ہوں تو قاضی کے پاس جا کر فدیہ ادا کرنے کا اقرار کرے اور قاضی ادائیگی کی جو صورت تجویز کرے اُس پر عمل کرے، ان تمام صورتوں میں وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص ان شرائط میں سے کسی شرط سے بھی فائدہ نہیں اُٹھاتا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنے آپ کو غلام نہیں سمجھتا بلکہ گھر کا ایک فرد سمجھتا ہے اور عُرفِ عام کی رو سے آزاد ہونے کو پسند ہی نہیں کرتا۔

حضرت زیدؓ کا اپنی آزادی پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو ترجیح دینا

ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر کو اپنے گھر سے بہتر قرار دے اور کسی شرط پر بھی آزاد ہونا پسند نہ کرے سو اس کے لئے میں ایک مثال دیدیتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ کوئی شخص غلامی کو اپنے گھر کی آزادی پر ترجیح دینے کے لئے تیار ہو جائے وہ مثال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس قدر غلام تھے اُن تمام کو حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوتے ہی آپ نے آزاد کر دیا تھا۔ اس کے بعد تاریخ سے ثابت نہیں کہ آپ نے اپنے پاس کوئی غلام رکھا ہو ہاں غلام کو آزاد کر کے اسے خادم کے طور پر رکھا ہو تو یہ اور بات ہے۔ لیکن ایک غلام جن کا نام زید تھا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہے اور انہوں نے آزاد ہونا پسند نہ کیا۔ یہ ایک مالدار خاندان میں سے تھے۔ کسی جنگ میں انہیں یونانی لوگ پکڑ کر لے گئے تھے، پھر فروخت ہوتے ہوتے یہ مکہ پہنچے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خرید لیا۔ جب حضرت خدیجہؓ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی ہوئی تو انہوں نے اپنا تمام مال اور غلام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس ہبہ کے بعد میں پہلا کام یہ کرتا ہوں کہ ان تمام غلاموں کو آزاد کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے سب کو آزاد کر دیا۔ ادھر حضرت زیدؓ کے باپ اور چچا، زید کو تلاش کرتے ہوئے اور ڈھونڈتے ہوئے مکہ آنکلے۔ وہاں انہیں معلوم ہؤا کہ زید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے۔ وہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا ایک بچہ آپ کے پاس غلام ہے آپ ہم سے روپیہ لے لیں اور اسے آزاد کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو اسے آزاد کر چکا ہوں۔ انہیں خیال آیا کہ شاید یہ بات انہوں نے یونہی ہمیں خوش کرنے کے لئے کہہ دی ہے ورنہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے بغیر روپیہ لئے اسے آزاد کر دیا ہو۔ چنانچہ وہ پھر منت سماجت کرنے لگے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو آواز دی اور جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ اور چچا ہیں اور تمہیں لینے کے لئے آئے ہیں، میرے ساتھ مسجد میں چلو تا کہ میں اعلان کر دوں کہ تم غلام نہیں بلکہ آزاد ہو چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں

مسجد میں لے گئے اور اعلان کر دیا کہ زید غلام نہیں وہ آزاد ہے اور جہاں جانا چاہے جا سکتا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا تو ان کے باپ اور چچا دونوں بہت خوش ہوئے اور زید سے کہا کہ اب ہمارے ساتھ چلو، مگر حضرت زید اُسی وقت مسجد میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا اے لوگو! تم اس بات کے گواہ رہو کہ گو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کر دیا ہے مگر میں اُن سے آزاد نہیں ہونا چاہتا اور انہی کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔ باپ اور چچا نے شور مچا دیا کہ تم عجیب بے وقوف ہو کہ اپنے گھر اور اپنے والدین پر اس شخص کی رفاقت کو ترجیح دیتے ہو۔ انہوں نے کہا مجھے باپ سے بھی محبت ہے اور ماں سے بھی، اسی طرح باقی سب رشتہ داروں سے مجھے اُلفت ہے مگر بخدا! یہ شخص مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے اور میں اس سے جُدا ہونا پسند نہیں کرسکتا۔ یہی وہ موقع ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ زید اب میرا بیٹا ہے۔[۱۱] گویا پہلے تو آپ نے زید کو آزاد کیا اور پھر اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اب دیکھو زید ایک غلام تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا مگر اس نے اپنے گھر کی آزادی اور دولت کو پسند نہ کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صُحبت میں رہنا اُسے زیادہ پیارا معلوم ہوا۔

جنگوں میں گرفتار ہونے والوں کے متعلق اسلامی احکام

اسی طرح جب بھی اسلامی جنگوں کے نتیجہ میں غلام گرفتار ہو کر آئیں اُن کے متعلق شریعت کا یہی حُکم ہے کہ مسلمان یا تو احسان کر کے انہیں چھوڑ دیں یا فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیں یا مکاتبت کے ذریعہ سے چھوڑ دیں اور اگر اس کے باوجود کوئی شخص آزاد نہیں ہوتا تو یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ اگر اس کے پاس روپیہ نہیں تو وہ مجسٹریٹ کے پاس جا کر درخواست دے سکتا ہے کہ میرے پاس روپیہ نہیں میری حیثیت کے مطابق مجھ پر جُرمانہ لگا دیا جائے، میں روپیہ کما کر ماہوار اتنی رقم ادا کرتا چلا جاؤں گا۔ لیکن اگر اس کے باوجود وہ آزادی کے لئے کوشش نہیں کرتا تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ مسلمان کا گھر اُسے ایسا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کُفر کی آزادی کو پائے اِستحقار سے ٹُھکرانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ پس جس طرح مسجد مساوات کو قائم کرتی ہے اسی طرح اسلام نے غلامی کو مٹا کر دُنیا میں مساوات قائم کی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی نمونہ یہ دکھایا کہ اپنی پھوپھی زاد بہن کو اسی زید سے جو آزاد شُدہ غلام تھا بیاہ دیا، حالانکہ عرب لوگ اسے بہت بُرا سمجھتے تھے۔ اسی طرح اسامہ جو زید کے بیٹے تھے انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایسے لشکر کا سردار مقرر کر دیا جس میں دس ہزار مسلمان تھے اور جس میں ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تک شامل تھے حالانکہ عربوں میں غلاموں کے بیٹے بھی غلام ہی سمجھے جاتے تھے۔ اب بتاؤ دنیا کی اور کونسی قوم ہے جس نے لوگوں کو اس قسم کی آزادی عطا کی اور مساوات کا یہ حیرت انگیز ثبوت پیش کیا ہو کہ آزاد شُدہ غلام کے بیٹے کو ایک لشکرِ جرار کا اس نے سردار مقرر کیا اور اس لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی شامل ہوں۔ پھر یہ نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اسامہ کے ماتحت جنگ کرنے میں کوئی ہتک محسوس کی ہو بلکہ وہ بڑی بشاشت اور خوشی کے ساتھ ان کی ماتحتی میں جنگ پر جانے کے لئے تیار ہو گئے، بلکہ اس لشکر کو تو تاریخِ اسلام میں ایسی عظمت حاصل ہوئی کہ اور کسی لشکر کو ایسی عظمت حاصل ہی نہیں اور وہ اس طرح کہ یہ لشکر ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ نہیں فرمایا تھا کہ آپؐ وفات پا گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو گئے۔ آپ مجبوراً خلافت کی وجہ سے جنگ پر نہیں جا سکتے تھے، مگر آپ از خود اس لشکر سے علیحدہ نہیں ہوئے بلکہ اسامہ کو لکھا کہ چونکہ مسلمانوں نے مجھے خلیفہ مقرر کیا ہے اس لئے مجھے اجازت دی جائے کہ میں مدینہ میں ہی رہوں چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے لکھ بھیجا کہ حضرت عمرؓ کا بعض ضروری معاملات میں مشورہ دینے کے لئے مدینہ میں رہنا ضروری ہے اس لئے اجازت دیجئے کہ عمرؓ بھی یہیں رہیں چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بھی مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ [۱۲] پس حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کے ایام میں ایک غلام بچہ کو اتنی عظمت دی کہ اس کی سیادت اور حکومت کا حق اپنی خلافت کے وقت میں بھی تسلیم کیا اور ایک آدمی بھی بغیر اجازت لشکر سے پیچھے نہیں رہا۔

مساوات کے قیام کے لئے اسلام کا دوسرا اہم حکم

مساوات کے قیام کے لئے اسلام کا دوسرا حکم جس پر تمام صحابہ اور تمام مسلمان بھی شدت سے عمل کرتے رہے ہیں یہ ہے کہ اسلام نے جُرم کی سزا میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں رکھا۔ اسلام کے نزدیک مُجرم خواہ بڑا ہو یا چھوٹا بہرحال وہ تعزیر کا

مستحق ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کے امتیاز کو روا نہیں رکھا جاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ ایک عورت نے جو کسی بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھی چوری کی اور معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، ساتھ ہی بعض لوگوں نے سفارش کر دی اور کہا کہ یہ بڑے خاندان کی عورت ہے اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ معمولی تنبیہہ کر دی جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سُنا تو آپ کے چہرہ پر غضب کے آثار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔ پھر آپ نے فرمایا، دیکھو پہلی قومیں یعنی یہود اور نصاریٰ اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب اُن میں سے کوئی بڑا آدمی جُرم کرتا تو اُسے سزا نہ دیتے، جب کوئی چھوٹا آدمی جُرم کرتا تو اسے سزا دیتے۔ مگر اسلام میں اس قسم کا کوئی امتیاز نہیں اور ہر شخص جو جُرم کرے گا اسے سزا دی جائیگی خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ [۱۳]

تمدنی معاملات میں مساوات کی اہمیت

پھر اسلام نے مساوات کو تمدنی پہلو میں اتنی عظمت دی ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی شخص آپ کے پاس دودھ بطور تحفہ لایا۔ آپؐ نے کچھ دودھ پیا اور پھر خیال آیا کہ کچھ دودھ حضرت ابوبکرؓ کو دیدوں کیونکہ وہ بھی اُس وقت مجلس میں موجود تھے اور پھر آپ کے رشتہ دار بھی تھے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ وہ دائیں طرف نہیں بیٹھے بلکہ بائیں طرف بیٹھے ہیں اور دائیں طرف ایک نوجوان بیٹھا ہے۔ اسلام نے چونکہ دائیں طرف والے کا حق مقدم رکھا ہے اس لئے آپ نے اُس لڑکے سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں یہ دودھ ابوبکرؓ کو دیدوں اس لڑکے نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ میرا حق ہے یا آپ یونہی مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ بات یہ ہے کہ دائیں طرف بیٹھنے کی وجہ سے اس دودھ پر تمہارا حق ہی ہے مگر میں تم سے اجازت چاہتا ہوں کہ اگر کہو تو ابوبکرؓ کو دودھ دے دُوں۔ اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! جب یہ میرا حق ہے تو پھر آپؐ کے تبرّک کو کوئی کس طرح چھوڑ سکتا ہے اور یہ کہہ کر اس نے دودھ کا پیالہ آپ سے لیکر پینا شروع کر دیا۔ [۱۴]

مرضُ الْمَوْت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک واقعہ بتاتا ہے کہ کس طرح اسلام میں مساوات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جب آپؐ کی وفات کا وقت قریب آیا تو صحابہؓ کو

آپ نے بار بار خدا تعالیٰ کی وحی سے خبر دی اور بتایا کہ اب میرا زمانۂ وفات نزدیک ہے۔ اُس وقت ان پر ایک عجیب رقّت طاری تھی اور دلوں میں سوز و گداز پیدا تھا۔ ایک دن آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے صحابہ کو نصیحتیں کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! اسلامی قانون کے لحاظ سے مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں، اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مجھ سے بدلہ لے لو۔ اور فرمایا کہ اس معاملہ میں اگر دنیا میں مجھے سزا مل جائے تو میں اسے زیادہ پسند کروں گا بہ نسبت اس کے کہ اس غلطی کے بارہ میں خدا تعالیٰ مجھ سے جواب طلبی کرے۔ جب آپ نے یہ فرمایا تو ایک صحابی اُٹھے اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا ایک حق آپ کے ذمہ ہے آپ نے فرمایا کیا؟ اس نے کہا فلاں موقع پر جبکہ آپ لڑائی میں مسلمانوں کی صفیں درست کر رہے تھے، اگلی صف میں کچھ خرابی تھی آپ صف میں راستہ بنا کر آگے گزرے تو آپ کی کُہنی مجھے لگ گئی۔ آپ نے فرمایا کہاں لگی تھی؟ اُس نے پیٹھ پر ایک جگہ دکھائی اور کہا اس جگہ لگی تھی، آپ اُس وقت بیٹھ گئے اور فرمایا میرے بھی اسی جگہ کُہنی مارلو۔ اس صحابی نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اُس وقت میرے تن پر کُرتا نہیں تھا، ننگا جسم تھا اور ننگے جسم پر آپ کی کُہنی لگی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا اور یہ کہہ کر آپ نے پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھایا اور فرمایا اب تم کُہنی مارلو۔ صحابہؓ کی حالت کا تم اُس وقت اندازہ لگا سکتے ہو، ایک طرف ان کے دلوں میں یہ جذبات موجزن تھے کہ خدا کا رسول عنقریب ہم سے جُدا ہونے والا ہے اور اس وجہ سے اُن کے دل سوز و گداز سے بھرے ہوئے تھے اور دوسری طرف اس صحابی کا یہ مطالبہ ان کے سامنے تھا۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ یقیناً اس صحابی کی تِکّہ بوٹی کر دیتے مگر اسلامی شریعت انہیں روک رہی تھی اس لئے وہ خون کے گھونٹ پی پی کر صبر کر گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کُرتا اُٹھایا اور فرمایا تم نے ٹھیک کیا کہ مجھ سے اب بدلہ لینے لگے ہو اور قیامت پر اُٹھا نہیں رکھا۔ تو وہ صحابی جنھوں نے مطالبہ کیا تھا پُرنم آنکھوں کے ساتھ آپ پر جُھکے اور آپؐ کی پیٹھ پر بوسہ دیتے ہوئے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! بیشک مجھے آپ کی کُہنی لگی تھی مگر میں نے یہ سارا بہانہ اِس وقت صرف اس لئے بنایا تھا تا کہ میں اِس وقت کہ آپ اپنی جُدائی کا ذکر کر رہے ہیں آخری دفعہ آپ کے جسم کو بوسہ دے لوں۔[۵] یہ کس قدر زبردست مساوات ہے جو اسلام نے قائم کی۔ کیا دنیا اس مساوات کی کوئی بھی نظیر پیش کر سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مسجد میں امیر اور غریب کا امتیاز اُٹھ جاتا ہے، بادشاہ اور رعایا کا فرق جاتا رہتا ہے، اسی طرح اسلام میں داخل ہونے کے بعد تمام

مساوات کے دائرہ میں آجاتے ہیں اور کسی کو کسی دوسرے پر فضیلت نہیں رہتی۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت کا ایک زرّین واقعہ

پھر یہ عمل آپؐ تک ہی ختم نہیں ہوگیا بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی برابر جاری رہا، حضرت عمرؓ کا ایک مشہور واقعہ ہے جس کے نتیجہ میں گو آپ کو تکلیف بھی اُٹھانی پڑی مگر آپ نے اس تکلیف کی کوئی پرواہ نہ کی اور وہ مساوات قائم کی جو اسلام دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جبلۃ ابن ایہم ایک بہت بڑے عیسائی قبیلے کا سردار تھا جب شام کی طرف مسلمانوں نے حملے شروع کئے تو یہ اپنے قبیلہ سمیت مسلمان ہوگیا اور حج کے لئے چل پڑا۔ حج میں ایک جگہ بہت بڑا ہجوم تھا، اتفاقاً کسی مسلمان کا پاؤں اس کے پاؤں پر پڑ گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اُس کا پاؤں اُس کے جُبّہ کے دامن پر پڑ گیا۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو ایک بادشاہ سمجھتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ میری قوم کے ساٹھ ہزار آدمی میرے تابع فرمان ہیں، بلکہ بعض تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ساٹھ ہزار محض اس کے سپاہیوں کی تعداد تھی۔ بہرحال جب ایک ننگ دھڑنگ مسلمان کا پیر اس کے پیر پر آپڑا تو اس نے غصہ میں آکر زور سے اسے تھپڑ مار دیا اور کہا تُو میری ہتک کرتا ہے تو جانتا نہیں کہ میں کون ہوں، تجھے ادب سے پیچھے ہٹنا چاہئے تھا تُو نے گستاخانہ طور پر میرے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھدیا۔ وہ مسلمان تو تھپڑ کھا کر خاموش ہورہا مگر ایک اور مسلمان بول پڑا کہ تجھے پتہ ہے کہ جس مذہب میں تُو داخل ہؤا ہے وہ اسلام ہے اور اسلام میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں۔ بِالخصوص اس گھر میں امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔ اُس نے کہا میں اس کی پروا نہیں کرتا۔ اس مسلمان نے کہا کہ عمرؓ کے پاس تمہاری شکایت ہوگئی تو وہ اس مسلمان کا بدلہ تم سے لیں گے۔ جبلۃ ابن ایہم نے جب سنا تو آگ بگولا ہوکر کہنے لگا کیا کوئی شخص ہے جو جبلۃ ابن ایہم کے منہ پر تھپڑ مارے۔ اس نے کہا کسی اور کا تو مجھے پتہ نہیں مگر عمرؓ تو ایسے ہی ہیں یہ سنکر اُس نے جلدی سے طواف کیا اور سیدھا حضرت عمرؓ کی مجلس میں پہنچا اور پوچھا کہ اگر کوئی بڑا آدمی کسی چھوٹے آدمی کو تھپڑ ماردے تو آپ کیا کِیا کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہی کرتے ہیں کہ اس کے منہ پر اس چھوٹے شخص سے تھپڑ مرواتے ہیں۔ وہ کہنے لگا آپ میرا مطلب سمجھے نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بہت بڑا آدمی تھپڑ ماردے تو پھر آپ کیا کِیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اسلام میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں۔ پھر آپ نے کہا جبلۃ! کہیں تم ہی تو یہ غلطی نہیں کر بیٹھے؟ اِس پر اُس نے

جھوٹ بول دیا اور کہا کہ میں نے تو کسی کو تھپڑ نہیں مارا، میں نے تو صرف ایک بات پوچھی ہے۔ مگر وہ اُسی وقت مجلس سے اُٹھا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے ملک کی طرف بھاگ گیا اور اپنی قوم سمیت مرتد ہو گیا اور مسلمانوں کے خلاف رومی جنگ میں شامل ہؤا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی پرواہ نہ کی۔[16]

یہ ہے وہ مساوات جس کی مثال کسی اور قوم میں نہیں ملتی اور یہ ویسی ہی مساوات ہے جیسے مسجد مساوات قائم کیا کرتی ہے۔ جس طرح وہاں امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں ہوتا اِسی طرح اسلام میں چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں۔

مساوات کے قیام کے لئے اسلام میں زکوٰۃ کا حُکم

پھر مساوات قائم کرنے کا ایک اور ذریعہ اسلام نے اختیار کیا اور جس پر صحابہ بڑی شدّت سے عمل کرتے تھے زکوٰۃ کا مسئلہ ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ اسی لئے مقرر کی ہے تا کہ لوگوں میں مساوات قائم رہے یہ نہ ہو کہ بعض لوگ بہت امیر ہو جائیں اور بعض لوگ غریب ہو جائیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ وَ تُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ[17] کہ وہ امیروں سے لی جائے گی اور غریبوں کو دی جائے گی، کیونکہ ان کے اموال میں اس قدر حصہ دراصل غرباء کا ہے اور اُن کا حق ہے کہ اُن کا حصّہ ان کو واپس دیا جائے۔ یہ زکوٰۃ سرمایہ پر اڑھائی فیصدی کے حساب سے وصول کی جاتی ہے اگر سرمایہ پر چھ فیصدی نفع کا اندازہ لگایا جائے تو اَڑھائی فیصدی زکوٰۃ کے معنی یہ بنتے ہیں کہ منافع کا چالیس فیصدی اللہ تعالیٰ غرباء کو دینے کا ارشاد فرماتا ہے گویا شریعت نے ایک بڑا بھاری ٹیکس مسلمانوں پر لگا دیا ہے تا کہ اس روپیہ کو غرباء کی ضروریات پر خرچ کیا جائے اور ان کی ترقی کے سامان مہیا کئے جائیں۔

فتوحات میں حاصل ہونے والے اموال کی تقسیم کے متعلق قرآنی ہدایات

اسی طرح فئ یعنی وہ اموال جو فتوحات میں حاصل ہوں ان کے متعلق شریعت کا حُکم ہے کہ انہیں علاوہ اور قومی ضرورتوں پر خرچ کرنے کے غرباء میں بھی تقسیم کیا جائے تا کہ امیر اور غریب کا فرق مِٹ جائے، اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قرآن کریم میں ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ مَآاَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِى الْقُرْبٰى

وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ [۱۸]
کہ وہ اموال جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو بغیر کسی محنت کے مل جایا کریں، ان کے متعلق ہماری یہ ہدایت ہے کہ وہ اموال اللہ تعالیٰ کا حق ہیں شریعت کو جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق سے کیا مراد ہے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق سے مراد یہ ہے کہ وہ مال غرباء اور ضروریاتِ دین اور ضروریاتِ قومی پر خرچ کیا جائے۔ ضروریاتِ دینی و ضروریاتِ قومی تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہونے کی وجہ سے اللہ کے لفظ میں شامل ہیں، غرباء کے متعلق سوال ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کے لفظ میں کس طرح شامل ہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّاعَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا [۱۹]
یعنی ہر چلنے والی چیز جو زمین پر رینگتی یا چلتی ہے اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے کہ اسے رزق پہُنچائے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہر جاندار کا رزق ہے تو جاندار ایسے ہیں کہ ان کے لئے رزق کمانے کا طریق خدا تعالیٰ نے جاری کیا ہے اگر وہ رزق نہ کما سکیں تو اللہ تعالیٰ کے خزانہ سے انہیں رزق دینا ہوگا اور سب سے مقدّم خزانہ اللہ تعالیٰ کا وہی مال ہے جسے خدا کا مال شریعت نے قرار دیا ہو۔

حدیث میں بھی اس آیت کی تشریح دوسرے الفاظ میں آتی ہے لکھا ہے کہ جب قیامت کے دن لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونگے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو فرمائے گا کہ تم جنت میں جاؤ کیونکہ میں بُھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا، میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا، میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ تب مؤمن حیران ہوکر کہیں گے کہ اے خدا! تُو ہم سے ہنسی کرتا ہے، آپ ننگے کب ہو سکتے تھے، آپ بھوکے اور پیاسے کب ہو سکتے تھے کہ ہم آپ کو کپڑے پہناتے، ہم آپ کو کھانا کھلاتے اور ہم آپ کو پانی پلاتے۔ تب خدا تعالیٰ فرمائیگا کہ تم میری بات کو نہیں سمجھے، جب دُنیا میں کوئی غریب بندہ بُھوکا ہوتا تھا اور تم اسے کھانا کھلاتے تھے تو تم اسے کھانا نہیں کھلاتے تھے بلکہ مجھے کھانا کھلاتے تھے اور جب دُنیا میں کوئی غریب آدمی پیاسا ہوتا تھا اور تم اسے پانی پلاتے تھے تو تم اسے پانی نہیں پلاتے تھے بلکہ مجھے پانی پلاتے تھے اور جب دنیا میں کوئی غریب آدمی ننگا ہوتا تھا اور تم اسے کپڑے پہناتے تھے تو تم اسے کپڑے نہیں پہناتے تھے بلکہ مجھے کپڑے پہناتے تھے۔ [۲۰]

اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ غریبوں کو دینا اللہ تعالیٰ کو دینا ہے کیونکہ ان کا رزق اللہ تعالیٰ کی ذمہ داریوں میں سے ہے پھر فرماتا ہے۔ وَلِلرَّسُوْلِ ان اموال میں

ہمارے رسول کا بھی حصہ ہے اور رسول کے حصہ سے مراد بھی غرباء میں اموال تقسیم کرنا ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے کہ آپ اس قسم کے اموال اپنے پاس نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ غرباء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ جو ذمہ داریاں خدا تعالیٰ کی ہیں وہی ظلّی طور پر رسول کی ہیں اس لئے ان ذمہ داریوں کی ادائیگی پر جو رقم خرچ ہوگی وہ رسول کو دینا ہی قرار دی جائیگی۔ پھر فرماتا ہے وَلِذِی الْقُرْبٰی۔ ذِی الْقُرْبٰی کا بھی اس میں حق ہے شیعہ لوگ اسکے عام طور پر یہ معنے کرتے ہیں کہ اموالِ فئے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کا بھی حق ہے حالانکہ اس قسم کے اموال میں ان کا کبھی بھی حصہ نہیں سمجھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ذِی الْقُرْبٰی سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ کہہ کر ایک آیت میں ذکر کیا گیا ہے یعنی قُربِ الٰہی حاصل کرنے والے لوگ اور وہ درویش جو اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کر دیتے ہیں اور ان کے گزارہ کی کوئی معیّن صورت نہیں ہوتی۔ گو اسی جماعت میں شامل ہو کر اہلِ بیت ان اموال کے اوّل حقدار قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے وَالْیَتٰمٰی ان اموال میں یتامیٰ کا بھی حق ہے اور یتامیٰ بھی غریب ہی ہوتے ہیں وَالْمَسَاکِیْنِ اسی طرح مسکینوں کا حق ہے وَابْنِ السَّبِیْلِ اور مسافروں کا بھی حق ہے اور مسافر بعض حالات میں عارضی طور پر ناداروں کی طرح ہو جاتا ہے۔ آگے فرماتا ہے ہم نے یہ تقسیم اس لئے کی ہے کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ تاکہ مال امیروں کے ہاتھوں میں ہی چکر نہ لگاتا رہے بلکہ غریبوں کے پاس بھی جائے اور وہ بھی اس سے فائدہ اُٹھائیں پس ہم حُکم دیتے ہیں کہ یہ اموال غرباء میں تقسیم کئے جائیں تاکہ امراء کے ہاتھوں میں مال چکر نہ کاٹتا رہے۔

ایک زمیندار دوست کا واقعہ

زمیندار بعض دفعہ بات کرتے ہیں تو بڑے پتہ کی کرتے ہیں۔ ایک زمیندار دوست نے سنایا کہ میں ایک دفعہ گورنر صاحب سے مِلا اور میں نے اُن سے کہا کہ حضور ایک بات سمجھ میں نہیں آتی اور وہ یہ کہ سرکار بعض دفعہ رعایا پر خوش ہوتی ہے اور سرکار ڈپٹی کمشنر کو لکھتی ہے کہ ڈیڑھ دوسَو مربع غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ آپ کے ڈپٹی کمشنر غرباء کو تلاش کرتے ہیں تو انہیں کوئی غریب دکھائی ہی نہیں دیتا، جس گاؤں کو دیکھتے ہیں اُنہیں امیر ہی امیر نظر آتے ہیں۔ آخر بڑی مشکل سے وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ فلاں ملک صاحب کو اتنے مربعے دیدیئے جائیں اور فلاں چوہدری صاحب

کو اتنے مربعے دیئے جائیں کیونکہ وہ بھوکے مر رہے ہیں۔ ملک صاحب کے پاس تو صرف تیس ہزار ایکڑ زمین ہے اور چوہدری صاحب کے پاس بیس ہزار ایکڑ، اسی طرح کسی کے پاس ۱۵ ہزار ایکڑ زمین ہے اور کسی کے پاس دس ہزار، اگر ان کو مربعے نہ دیئے گئے تو بیچارے بھوکے مرجائیں گے، چنانچہ سب زمینیں ان میں تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب اعلیٰ سرکاری خدمات سرانجام دینے کے بدلے گورنمنٹ کچھ انعامات تقسیم کرنا چاہتی ہے وہ کہتی ہے کہ اب یہ انعامات اعلیٰ خاندانوں یں تقسیم کئے جائیں، اس پر پھر ڈپٹی کمشنر صاحب جب اعلیٰ خاندانوں کی تلاش میں نکلتے ہیں تو وہی لوگ جو پہلی دفعہ انہیں غریب دکھائی دیئے تھے اب انہیں امیر نظر آنے لگ جاتے ہیں اور انہی میں پھر انعامات تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ سرکار یہ دیکھ کر ہمیں تو کچھ پتہ نہیں لگتا کہ ہم بڑے ہیں کہ چھوٹے ہیں۔

پس آجکل اموال کی تقسیم کا طریق یہ ہے کہ بڑے بڑے امراء اور متمول لوگوں کو چُن کر ان میں اموال تقسیم کر دیئے جاتے ہیں، مگر اسلام یہ نہیں کہتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ تم غرباء میں اموال تقسیم کرو۔ کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃً بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ تاکہ مالداروں کے ہاتھوں میں ہی روپیہ جمع نہ رہے بلکہ غرباء کے ہاتھوں میں بھی آتا رہے۔ اسی لئے اسلام نے کہیں وراثت کا مسئلہ رکھ کر، کہیں زکوٰۃ کی تعلیم دے کر اور کہیں سُود سے روک کر امراء کی دولت کو توڑ کر رکھدیا ہے اور اس طرح امراء اور غرباء میں مساوات قائم کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔

قیامِ مساوات کے لئے دنیا کے تمام مذاہب کے متعلق ایک پُرحکمت اصول

پھر ایک مساوات یہ ہوتی ہے کہ مختلف مذاہب کے درمیان انصاف قائم کیا جائے، اسلام اس مساوات کا بھی حکم دیتا ہے، چنانچہ فرماتا ہے۔ وَلَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَھُمۡ بِبَعۡضٍ لَّھُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسَاجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡھَا اسۡمُ اللّٰہِ کَثِیۡرًا [۲۱]

کہ اگر دنیا میں ہم مسلمانوں کو کھڑا نہ کرتے اور اس طرح اسلام کے ذریعہ تمام اقوام کے حقوق کی حفاظت نہ کی جاتی تو یہودیوں کی عبادت گاہیں، عیسائیوں کے گرجے، ہندوؤں کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں امن کا ذریعہ نہ ہوتیں بلکہ فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑوں کی آماجگاہ ہوتیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا مذہب ایسا ہے جس نے اپنی مساجد میں ہر قوم کو عبادت

کا حق دیا ہے اور وہ یہی چاہتا ہے کہ ہر قوم کو عبادت کا مساوی حق حاصل ہو۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آزادی سے عیسائیوں کو اپنی مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دی اس کی مثال کوئی اور قوم پیش نہیں کر سکتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کو اس کام کے لئے کھڑا نہ کرتے اور مسلمان اپنا خون بہا کر اس حق کو قائم نہ کرتے تو دنیا میں ہمیشہ فتنہ وفساد رہتا اور کبھی بھی صحیح معنوں میں امن قائم نہ ہوسکتا۔

مساجد کی دوسری غرض کا صحابہ کرام کے ذریعہ ظہور

(۲) مسجد کی دوسری غرض ایک مقامِ مبارک کا قیام ہے اور وہ دو طرح ہوتا ہے (الف) اس طرح کہ وہ ذکرِ الٰہی کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ اس جماعت کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ذکرِ الٰہی کے لئے مخصوص ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ **فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَفِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔رِجَالٌ لَّاتُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ** [۲۲]

یعنی خدا کی رحمتیں اور برکتیں اُن گھروں پر نازل ہونگی **اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ** جن کے متعلق خدا نے یہ حکم دے دیا ہے کہ انہیں اونچا کیا جائے **وَ یُذْکَرَفِیْھَا اسْمُہٗ** اور اُن میں خدا کا نام لیا جائے گویا وہ ذکرِ الٰہی کے لحاظ سے بالکل مسجدوں کی طرح ہو جائیں گے اور اس کا موجب ان گھروں میں رہنے والے ہونگے **یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ رِجَالٌ لَّاتُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ** صبح شام ان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ایسے لوگ کرتے رہتے ہیں جن کو ہر قسم کی تجارت ملکی ہو یا درآمد برآمد سے تعلق رکھنے والی ہو اسی طرح زمیندارہ، صنعت وحرفت کے کارخانے ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں کرتے (اس آیت میں دو لفظ ہیں تجارت اور بیع اور کوئی تجارت بغیر بیع کے نہیں ہوسکتی۔ پس مراد یہ ہے کہ بعض کاموں میں دونوں جہت یعنی خرید وفروخت سے انسان نفع کماتا ہے وہ تجارت ہے اور بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ کام کرنے والا خریدتا نہیں صرف فروخت کرتا ہے جیسے زمیندار یا صنّاع ہے کہ جو چیز وہ فروخت کرتا ہے وہ اس کی پیداوار ہے پس اس کا کام درحقیقت فروخت کا ہے خرید کا نہیں اسے تجارت سے الگ بیان کر کے تجارتی کاروبار کی سب قسمیں بیان کر دی ہیں) گویا کوئی بات بھی انہیں نہ تو نمازوں کی ادائیگی سے غافل کرتی ہے اور نہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے ان

کی توجہ پھراتی ہے۔ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ وہ فقط اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن اُن کے دل اور اُن کی آنکھیں پھری ہوئی ہونگی اور وہ گھبرائے ہوئے اِدھر اُدھر دَوڑ رہے ہونگے۔

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص اس جماعت میں شامل ہوتا ہے وہ ذکرِ الٰہی کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے اور یہی مسجد کا خاص کام ہے پس وہ ایک چلتی پھرتی مسجد بن جاتا ہے۔

عبادت اور ذکرِ الٰہی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش

صحابہؓ ذکرِ الٰہی میں ترقی کرنے کی اتنی کوشش کیا کرتے تھے کہ ان کی یہ جدوجہد وارفتگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ غرباء رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ جس طرح ہم نمازیں پڑھتے ہیں، اسی طرح امراء نمازیں پڑھتے ہیں، جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں اسی طرح امراء روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم حج کرتے ہیں اسی طرح امراء حج کرتے ہیں مگر یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات اور چندے وغیرہ نہیں دے سکتے اس وجہ سے وہ نیکی کے میدان میں ہم سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ امراء ہم سے آگے نہ بڑھ سکیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا، میں تمہیں ایک ایسی ترکیب بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تم پانچ سَو سال پہلے جنت میں داخل ہو سکتے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ترکیب یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد تینتیس دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ تینتیس دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور چونتیس دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ لیا کرو، وہ وہاں سے بڑی خوشی سے اُٹھے اور انہوں نے سمجھا کہ ہم نے میدان مار لیا مگر کچھ دنوں کے بعد پھر وہی وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہؤا اور عرض کیا کہ ہم پر بڑا ظلم ہؤا ہے۔ آپ نے فرمایا کس طرح؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں جو بات اُس روز بتائی تھی وہ کسی طرح امیروں کو بھی پہنچ گئی اور اب انہوں نے بھی یہ ذکر شروع کر دیا ہے ہم اب کیا کریں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نیکی حاصل کرنے کا اُن کے دلوں میں اس قدر جوش پایا جاتا ہے تو میں انہیں روک کس طرح سکتا ہوں؟ [۲۳] یہ وہ فضیلت تھی جس نے صحابہؓ کو جیتی جاگتی مسجد بنا دیا تھا۔

صحابہؓ کی پاکیزگی اور طہارت پر الٰہی شہادت

(ب) دوسری صورت مقامِ مبارک کی یہ ہے کہ وہ پاکیزگی کا مقام ہوتا ہے اسی طرح انبیاء کی جماعت کو پاک رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ اسکے متعلق قرآن کریم میں شہادت موجود ہے کہ صحابہؓ پاک کئے گئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ [۲۴]

کہ یہ رسول صحابہؓ کے سامنے ہمارے نشانات بیان کرتا ہے وَ یُزَکِّیۡہِمۡ اوران کو پاک کرتا ہے وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے گویا خدا خود صحابہؓ کی پاکیزگی کی شہادت دیتا ہے۔ دوسری جگہ ان کی پاکیزگی کی شہادت ان الفاظ میں دی گئی ہے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ [۲۵] اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ تیسری جگہ یہ شہادت اس طرح دی گئی ہے کہ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَہٗ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّنۡتَظِرُ [۲۶] یعنی یہ خدا کے اتنے نیک بندے ہیں کہ ان میں سے بعض تو اُس عہد کو جو انہوں نے خدا سے کیا تھا پورا کر چکے ہیں اور بعض گو دل سے پورا کر چکے ہیں مگر ابھی عملی رنگ میں انہیں عہد کو پورا کر کے دکھانے کا موقع نہیں ملا اور وہ اُس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جبکہ انہیں بھی خدا کی طرف سے یہ موقع عطا ہو، حدیثوں میں صحابہؓ کی اس قربانی کے متعلق ایک مثال بھی بیان ہوئی ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کو کس طرح پورا کیا۔

ایک صحابیؓ کی عظیم الشان قربانی

جب جنگِ بدر کا موقع آیا تو صحابہؓ کو یہ احساس نہیں تھا کہ کوئی لڑائی ہونے والی ہے بلکہ خیال یہ تھا کہ ایک قافلہ کی شرارتوں کے سدّ باب کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے ہیں، اسی لئے کئی صحابہ مدینہ میں بیٹھے رہے تھے اور ساتھ نہیں گئے مگر جب اسی لشکر کے باہر نکلنے کا نتیجہ یہ ہوُا کہ کفار کے لشکر سے بغیر امید کے جنگ ہوگئی اور کئی صحابہ نے قربانی کا بے مثال نمونہ دکھایا تو جولوگ اس جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے ان کے دلوں میں رشک پیدا ہوُا۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک حضرت انس کے چچا تھے، جب کسی مجلس میں جنگ بدر کے کارناموں کا ذکر ہوتا اور شامل ہونے والے صحابہ کہتے کہ ہم نے یہ ِکیا وہ ِکیا تو پہلے تو وہ خاموشی سے سُنتے رہتے مگر آخر وہ بول ہی پڑتے اور کہتے ،تم نے کیا ِکیا۔ اگر میں ہوتا تو تم کو بتاتا کہ کس طرح لڑا کرتے ہیں۔ صحابہؓ اِس بات کو سنتے اور ہنس پڑتے مگر آخر خدا تعالیٰ نے اُن کی دعائیں سن لیں اور اُحد کا دن آ گیا۔ اس

جنگ میں مسلمانوں کی غفلت سے ایک وقت ایسا آیا کہ اسلامی لشکر تتّر بتّر ہو گیا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف گیارہ صحابی رہ گئے۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار تین ہزار تھے۔ جب دشمن نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف چند آدمی رہ گئے ہیں تو اُس نے یکدم حملہ کر دیا اور کفار کے لشکر کا ایسا ریلا آیا کہ اُن گیارہ آدمیوں کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے۔ حملہ چونکہ سخت تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم آئے اور آپؐ کے خَود کا ایک کیل آپؐ کے سر میں گھس گیا اور دندان مبارک بھی ٹوٹ کر گر گئے اور ان زخموں کی تاب نہ لا کر آپؐ بیہوش ہو کر گڑھے میں گر گئے۔ [۲۷] اس کے بعد آپ کے جسمِ اطہر پر بعض اور صحابہ شہید ہو کر گر گئے اور اس طرح آپؐ کا جسم لوگوں کی نگاہ سے چُھپ گیا۔ مسلمانوں نے آپ کو اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر چونکہ آپ نظر نہ آئے اس لئے یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول کریم شہید ہو گئے ہیں بعد میں جب صحابہ کی لاشیں نکالی گئیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی نظر آ گئے آپؐ اُس وقت صرف بیہوش تھے مگر بہرحال اِس افواہ کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے مسلمانوں کے حواس جاتے رہے۔ بعد میں جب انہیں معلوم ہؤا کہ آپ زندہ ہیں تو ان کی تکلیف جاتی رہی اور وہ بہت خوش ہو گئے۔ اس جنگ میں چونکہ ابتداء میں مسلمانوں نے فتح حاصل کر لی تھی اس لئے بعض مسلمان اطمینان سے اِدھر اُدھر چلے گئے اُنہی میں حضرت انس کے چچا بھی تھے۔ وہ ایک طرف آرام سے کھجوریں کھاتے پھرتے تھے کہ اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ عمرؓ کیا یہ رونے کا وقت ہے یا خوشی منانے کا وقت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو فتح دی ہے اور تم رو رہے ہو۔ انہوں نے کہا تمہیں پتہ نہیں بعد میں کیا ہؤا۔ وہ کہنے لگے مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا فتح کے بعد دشمن نے پھر حملہ کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ وہ انصاری کھجوریں کھا رہے تھے اور اُس وقت اُن کے ہاتھ میں آخری کھجور تھی، انہوں نے اُس کھجور کی طرف دیکھا اور کہا میرے اور جنت کے درمیان اِس کھجور کے سِوا اور ہے ہی کیا۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے اس کھجور کو پھینک دیا اور پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے واہ عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اور تم رو رہے ہو، ارے بھائی جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گئے ہیں وہی جگہ ہماری بھی ہے۔ یہ کہا اور تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے ایک ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے تلوار کو دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا دوسرا ہاتھ

کٹ گیا تو لاتوں سے انہوں نے دشمن کو مارنا شروع کر دیا اور جب لاتیں بھی کٹ گئیں تو دانتوں سے کاٹنا شروع کر دیا، غرض آخری سانس تک وہ دشمن سے لڑائی کرتے رہے۔ بعد میں جب ان کی تلاش کی گئی تو معلوم ہوا کہ دشمن نے ان کے جسم کے ستّر ٹکڑے کر دیئے تھے اور وہ پہچانے تک نہیں جاتے تھے، حدیثوں میں آتا ہے کہ یہ صحابی انہی لوگوں میں سے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ یہ وہ برکت والے گھر تھے جس کی وجہ سے خدا نے ان کے متعلق یہ فرمایا کہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ کے یہی معنے ہیں کہ انہوں نے خدا کی رضا حاصل کر لی۔

صحابہ کرام کی ظاہری برکات کے بعض ایمان افروز واقعات

پھر ان کی ظاہری برکات کے بھی کئی نمونے موجود ہیں ایک دفعہ صحابہؓ کسی جگہ گئے تو وہاں کے رہنے والوں میں سے ایک کو سانپ نے کاٹ لیا، پُرانے دستور کے مطابق وہ دم کرنے اور کچھ پڑھ کر پُھونک مارنے والے کو بلایا کرتے تھے انہوں نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے؟ ایک صحابی نے کہا مَیں ہوں۔ وہ اُسے ساتھ لے گئے اور انہوں نے سوٗرۃ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا اور وہ شخص بِالکل اچھا ہو گیا۔ اس خوشی میں گھر والوں نے انہیں کچھ بکریاں تحفہ کے طور پر دیں جو انہوں نے لے لیں، باقی صحابہؓ نے اس پر کچھ اعتراض کیا اور جب مدینہ آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا ذکر کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کے دل کو خوش کرنے کے لئے فرمایا کہ اس تحفہ میں سے میرا حصہ بھی تو لاؤ یعنی یہ تحفہ تو اللہ تعالیٰ کے احسانوں میں سے تھا۔ مطلب یہ کہ اس قسم کے جنتر منتر تو اسلام میں نہیں، لیکن ان لوگوں کو ایمان دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کو برکت بخشی اور ایک نشان دکھایا۔ پس جو تحفہ ملا وہ بابرکت شَے ہے اس برکت میں سے مجھے بھی حصہ دو۔ تو دیکھو صحابہؓ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے کیسی برکت ملی کہ انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر پُھونک ماری اور مارگزیدہ اچھا ہو گیا۔ بعض لوگ اس کی نقل میں آجکل بھی سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عادی ہیں مگر ان کے دم میں کوئی اثر نہیں ہوتا، بلکہ اگر کوئی غیر مومن سَو دفعہ بھی سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونک مارے تو کوئی اثر نہیں ہوگا۔ سورۃ فاتحہ اس شخص کی زبان سے نکلی ہوئی بابرکت ہو سکتی ہے جس کے اندر خود برکت ہو۔

پھر ایک اور واقعہ اسی قسم کا مولانا روم نے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ رومیوں کو جب شکست

ہوئی تو کچھ عرصہ کے بعد قیصر روم کو سر درد کا دورہ شروع ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے بہت علاج کیا مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہؤا۔ آخر اسے کسی نے کہا کہ تم مسلمانوں کے خلیفہ کو لکھو وہ اپنی کوئی برکت والی چیز تمہیں بھیج دیں جس سے ممکن ہے تمہیں آرام آ جائے۔ قیصر نے حضرت عمرؓ کے پاس اپنا ایلچی بھیجا کہ مجھے اپنی کوئی برکت والی چیز بھیجیں میرے سر درد کو آرام نہیں آتا، ممکن ہے اس سے آرام آ جائے۔ عرب کے لوگ اپنے بالوں میں خوب تیل لگانے کے عادی تھے، حضرت عمرؓ نے اپنی ایک پُرانی ٹوپی جسے تیل لگا ہؤا تھا اور جس پر بالشت بالشت بھر میل جمی ہوئی تھی اُس کے ہاتھ بھیج دی اور پیغام دیا کہ اسے اپنے سر پر رکھا کرو۔ قیصر جو سر پر تاج رکھنے کا عادی تھا اُس نے جو گاڑھے کی میلی کچیلی ٹوپی دیکھی تو وہ سخت گھبرایا مگر ایک روز جب اُسے درد کا شدید دورہ ہؤا تو اس نے مجبوراً ٹوپی اپنے سر پر رکھ لی اور خدا تعالیٰ کی قدرت نے یہ نشان دکھایا، ادھر اس نے اپنے سر پر ٹوپی رکھی اور اُدھر اُسے آرام آ گیا۔ پھر تو اُس کا دستور ہی یہی ہو گیا کہ جب وہ دربار میں بیٹھتا تو حضرت عمرؓ کی میلی کچیلی اور پھٹی پُرانی ٹوپی اپنے سر پر رکھ لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو برکتیں دیتا ہے اُن کی چیزوں میں بھی برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سِل کا مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ ایکسرے کرایا تو بھی یہی نتیجہ نکلا، آخر وہ کہتے ہیں میں قادیان آ گیا کہ اگر مرنا ہے تو قادیان چل کر مَروں اور میں نے تمام علاج چھوڑ کر آپ سے دعا کرائی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ کچھ عرصہ کے بعد مجھے آرام آنا شروع ہو گیا اور آخر بِالکل صحت ہو گئی۔ میں پھر لاہور گیا اور ایکسرے کرایا تو انہیں ڈاکٹروں نے جنھوں نے پہلے میرا ایکسرے کیا تھا، ایک بار ایکسرے کیا پھر دوسری بار ایکسرے کیا اور جب کہیں بھی انہیں سِل کا مادہ نظر نہ آیا تو وہ کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہڈی ہی بدل گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو برکت دیتا ہے اُن کی باتوں میں، ان کے کپڑوں میں، اُن کی دعاؤں میں اور اُن کی تمام چیزوں میں برکت رکھ دیتا ہے۔ غرض جس طرح مسجد ایک برکت والی چیز ہے اسی طرح صحابہ کا گروہ برکت والا تھا اور دنیا نے اس گروہ کی جسمانی اور روحانی برکات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

صحابہ کرام تمام دنیا کے لئے ہدایت کا موجب تھے

مسجد کی تیسری غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ہوتی ہے یہ بات بھی صحابہؓ میں پائی جاتی تھی چنانچہ اللہ تعالےٰ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے۔

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ [۲۸]

اِس رکوع میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہود کی بُرائیاں بیان فرمائی ہیں اور بتایا ہے کہ وہ کیسے نالائق ہیں اس کے بعد فرماتا ہے کہ سارے ہی ایسے نالائق نہیں بلکہ اِس رسول کے ذریعہ ہم نے جن لوگوں کو کھڑا کیا تھا وہ ایسے ہیں جو سچائی کو دنیا میں پھیلاتے ہیں اور انصاف سے کام لیتے ہیں۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہؓ کی ہدایت کی شہادت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ فَبِاَیِّھِمۡ اقۡتَدَیۡتُمۡ اِھۡتَدَیۡتُمۡ [۲۹] کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس طرح تم کسی ستارے کونشان قرار دیکر چل پڑو تو منزلِ مقصود پر پہنچ سکتے ہو، اسی طرح تم میرے کسی صحابی کے پیچھے چل پڑو وہ تمہیں خدا کے دروازہ پر پہنچا دیگا۔ چنانچہ سب صحابہ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کا ایک عملی نمونہ تھے اور وہ دوسروں کو نیکی کی تعلیم دینے میں سب سے آگے رہتے تھے۔ مکی زندگی کا یہی ایک واقعہ صحابہؓ کے اس طریقِ عمل پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ ایک صحابی جن کا نام عثمان بن مظعونؓ تھا تیرہ چودہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے، اُن کا باپ عرب میں بہت وجاہت رکھتا تھا۔ جب یہ مسلمان ہو گئے تو مکہ کے ایک بہت بڑے رئیس نے جو اُن کے باپ کا دوست تھا انہیں اپنے پاس بُلایا اور کہا آجکل مسلمانوں کی سخت مخالفت ہے، میں تمہیں اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں تمہیں کوئی شخص تکلیف نہیں پہنچا سکے گا۔ انہوں نے اس کی بات مان لی اور اُس رئیس نے خانہ کعبہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ عثمانؓ میرے بھائی کا بیٹا ہے اسے کوئی شخص دُکھ نہ دے۔ عربوں میں یہ طریق تھا کہ جب ان میں سے کوئی رئیس کسی کو اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کر دے تو پھر اسے کوئی تکلیف نہیں دیتا تھا اگر ایسا کرتا تو اسی رئیس اور اُس کے قبیلہ سے لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔ ایک دن حضرت عثمانؓ کسی جگہ سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا ایک مسلمان غلام کو کفار بڑی بیدردی سے مار پیٹ رہے ہیں۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہؤا کہ یہ بہت بُری بات ہے کہ میں تو مکہ میں امن سے رہوں اور میرے بھائی تکلیف اُٹھاتے رہیں چنانچہ وہ سیدھے اُس رئیس کے پاس پہنچے اور اُسے کہا کہ آپ نے جو مجھے اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کیا تھا میں اس ذمہ داری سے آپ کو سبکدوش کرتا ہوں اور آپ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ اس نے کہا تم جانتے نہیں کہ مکہ مسلمانوں کے لئے کیسی خطرناک جگہ ہے اگر میں نے اپنی پناہ واپس لے لی تو لوگ فوراً تم کو ایذاء دینے لگ جائیں گے۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی پروانہیں، مجھ سے یہ دیکھا نہیں جاتا کہ میں تو آرام سے رہوں اور میرے بھائی تکلیفیں اُٹھاتے رہیں۔ چنانچہ ان کے اصرار پر اُس

نے خانۂ کعبہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ عثمان بن مظعونؓ اب میری پناہ میں نہیں رہا۔ اس اعلان پر ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ عرب کا ایک مشہور شاعر جس کا قصیدہ سبعہ معلقہ میں شامل ہے مکہ میں آ گیا۔ اہل عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مشہور شاعر آتا تو بہت بڑی مجلس منعقد کی جاتی اور اس کے کلام سے لوگ محظوظ ہوتے۔ اس کے آنے پر بھی ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی گئی اور تمام مکہ والے اس میں شامل ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعون بھی اس کا کلام سُننے کے لئے وہاں جا پہنچے اُس نے شعر پڑھتے پڑھتے ایک مصرعہ یہ پڑھا کہ:-

؎ اَلاَ کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ [۳۰]

سنوسنو! خدا کے سِوا دنیا کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے

حضرت عثمانؓ اِس مصرعہ پر بہت خوش ہی ہوئے اور انہوں نے بڑے جوش سے کہا ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ شاعر نے جس کا نام لبید تھا شور مچا دیا کہ اے مکہ کے لوگو! کیا تم میں اب کسی شریف آدمی کی قدر نہیں رہی، میں عرب کا باپ ہوں اور یہ کل کا چھوکرا مجھے داد دے رہا ہے اور کہتا ہے ٹھیک کہا، ٹھیک کہا۔ یہ میری عزت نہیں بلکہ ہتک ہے اور میں اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ لبید کے اس اعتراض پر لوگوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور وہ عثمانؓ کو مارنے کیلئے اُٹھے لیکن بعض نے کہا نادان بچہ ہے ایک دفعہ تو اس نے ایسی حرکت کر دی ہے اب آئندہ نہیں کریگا۔ چنانچہ لوگ خاموش ہو گئے اس کے بعد لبید نے اسی شعر کا دوسرا مصرعہ پڑھا

؎ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ [۳۱]

ہر نعمت آخر زائل اور تباہ ہو جائے گی۔ اِس پر حضرت عثمان بن مظعونؓ پھر بول اُٹھے کہ بالکل غلط ہے، جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہونگی۔ اب تم خود ہی اندازہ لگا سکتے ہو کہ جو شخص ان کی تعریف سے ناراض ہؤا تھا وہ ان کی تردید پر کس قدر جوش سے بھر گیا ہوگا۔ چنانچہ جب انہوں نے سرِ مجلس کہہ دیا کہ یہ بات غلط ہے تو اُس نے نظم پڑھنی چھوڑ دی اور کہا کہ میری ہتک کی گئی ہے۔ اس پر بعض نوجوان غصہ سے اُٹھے اور انہوں نے مارنا شروع کر دیا، ایک نے اِس زور سے آپ کی آنکھ پر گھونسہ مارا کہ انگوٹھا اندر دھنس گیا اور آنکھ کا ڈیلا پھٹ گیا۔ وہ رئیس جس نے انہیں اپنی پناہ میں رکھا تھا اُس وقت وہیں موجود تھا اور چونکہ ان کا باپ اس کا دوست تھا اس لئے عثمانؓ کی تکلیف کو دیکھ کر اُس کے دل میں محبت کا جوش پیدا ہؤا۔ لیکن سارے مکہ کے جوش کے مقابل پر اپنے آپ کو بے بس دیکھ کر کمزوروں کی طرح عثمان بن مظعونؓ پر ہی غصہ

نکال کر اپنے دل کو ٹھنڈا کرنا چاہا، چنانچہ غصہ سے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میری پناہ میں رہو، آخر تمہاری ایک آنکھ لوگوں نے نکال دی۔ حضرت عثمان بن مظعون نے اپنی آنکھ کا خون پونچھتے ہوئے فرمایا، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ سچ کے بدلے میری ایک آنکھ نکل گئی ہے میری تو دوسری آنکھ بھی اِسی قسم کے سلوک کا انتظار کر رہی ہے۔ [۳۲] اب دیکھو صحابہ کس طرح هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ثابت ہوئے وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ حق کے خلاف کوئی بات سُنیں اور اس کی تردید نہ کریں۔

ایک صحابی سے ایک دفعہ کسی نے کہا کہ آجکل بنوامیہ کی حکومت ہے تم کوئی بات نہ کرو، اگر وہ اس حکومت کے ارکان تک پہنچ گئی تو تمہیں نقصان ہوگا۔ وہ فرمانے لگے مجھے اس کی پروا نہیں، میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنا ہؤا ہے کہ اگر کسی کو کوئی سچی بات معلوم ہو اور اُس کی گردن پر تلوار رکھی ہوئی ہو تو اسے چاہئے کہ تلوار چلنے سے پہلے جلدی سے حق بات اپنے منہ سے نکال دے۔ تو ہدایت کے پہنچانے میں صحابہ نے ایسا کمال دکھایا تھا کہ اس کی نظیر اور کہیں نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں کا اذانیں دینا، خطبے پڑھنا سب اس کے ماتحت ہے کیونکہ ان ذرائع سے بھی حق کی بات دوسروں تک پہنچتی اور اُن کو ہدایت اور راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

پھر صحابہؓ دوسروں کو ہدایت دینے میں جس سرگرمی اور انہماک سے کام کیا کرتے تھے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی ساری عمر دین سکھانے میں لگا دی۔ اور اتنی حدیثیں جمع کر دیں کہ آج اگر ان کو جمع کیا جائے تو پُشتاروں کے پُشتارے [۳۳] لگ جائیں۔

آجکل تحریر کا زمانہ ہے اور روایات بڑی آسانی سے محفوظ ہو سکتی ہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ ہماری جماعت کے صحابہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روایات جمع کرنے میں وہ کوشش نہیں کی جو صحابۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کے جمع کرنے میں کی تھی۔ کئی صحابہ ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی واقعات معلوم ہیں مگر ابھی تک وہ ان کے سینوں میں ہی ہیں اور انہوں نے ظاہر نہیں کئے، اسی طرح کئی تابعین ہیں جنہوں نے کئی صحابہ سے روایات سنی ہوئی ہیں، ان کا بھی فرض تھا کہ وہ ایسی تمام روایات کو ضبطِ تحریر میں لے آتے مگر مجھے افسوس ہے کہ، اس کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی حالانکہ چاہئے تھا کہ وہ رات دن ایسی باتیں سُناتے رہتے تاکہ وہ دنیا میں محفوظ رہتیں۔ صحابۂ رسولِ اکرمؐ نے یہ کام کیا اور ایسی عمدگی سے کیا کہ آج حدیثوں کی سَو دوسَو جلدیں پائی جاتی ہیں، یہ ان کی

ہدایتِ عام کی سند اور ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ہونے کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

انصار اور مہاجرین کی باہمی مؤاخات

(۴) مساجد کا چوتھا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو جمع کرنے کے لئے بنائی جاتی ہیں، یہ کام بھی انبیاء کی جماعتیں کیا کرتی ہیں۔ جس طرح مسجد کہتی ہے کہ آ جاؤ عبادت کی طرف، یہی حال انبیاء کی جماعتوں کا ہوتا ہے اور وہ سب لوگوں کے لئے اپنے دروازے کھول دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہماری طرف آ جاؤ۔ چنانچہ قرآن کریم میں صحابہؓ کے ایک حصہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [۳۴]

یعنی انصار اتنے وسیع الحوصلہ ہیں کہ ان کے دلوں میں دُنیوی اموال اور نعمتوں کی کوئی خواہش ہی نہیں اُن کا یہی جی چاہتا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں خواہ خود انہیں تنگی ہو یا تکلیف، وہ دوسروں کو آرام پہنچانے کا فکر رکھتے ہیں۔ جس طرح مسجد کے دروازے ہر ایک کے لئے کُھلے ہوتے ہیں اسی طرح انصار نے اپنی جائدادیں بانٹ دیں اور مکان دیدیئے۔ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ گئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا اور فرمایا کہ یہ لوگ باہر سے آئے ہیں، آؤ میں تم دونوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دوں۔ چنانچہ ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی بھائی بنا دیا۔ ہمارے ہاں بعض لوگ بچپن سے ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں مگر وہ کسی کے لئے کوئی قربانی نہیں کرتے، لیکن انصار کا یہ حال تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو ان کا بھائی بنا دیا تو ان میں سے بعض نے اُس وقت گھر جا کر اپنی جائدادیں تقسیم کر دیں اور مہاجرین سے کہا کہ آدھی جائداد ہماری ہے اور آدھی تمہاری۔ بعض جو تاجر تھے انہوں نے مہاجرین کو اپنی تجارت میں شریک کر لیا۔ مہاجرین نے بیشک انکار کر دیا اور کہا کہ تم ہمیں اُجرت دیدینا ہم تمہاری خدمت کریں گے مگر اُنہوں نے اپنی طرف سے احسان کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ بلکہ ایک صحابی نے تو اس حد تک غُلوّ کیا کہ وہ اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے گئے اُن کی دو بیویاں تھیں اور پردہ کا حُکم ابھی نازل نہیں ہؤا تھا، انہوں نے اپنی دونوں بیویاں اُن کے سامنے کر دیں اور کہا کہ ان میں سے جس کو تم پسند کرو میں اُسے طلاق دیدیتا ہوں تم اس سے شادی کر لو۔ یہ کتنی بڑی قربانی ہے جو انصار نے کی۔ جس طرح مسجد کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہوتے ہیں اسی طرح انہوں نے اپنے

دروازے مہاجرین کے لئے کھول دیئے۔ یہ اتنی اعلیٰ درجہ کی مثال ہے کہ تاریخ میں اس قسم کے وُسعتِ حوصلہ کی مثال اور کہیں نظر نہیں آتی۔

انتخابِ خلافت کے وقت انصار کا عدیم النظیر ایثار اور وُسعتِ حوصلہ

پھر سب سے بڑی حوصلہ کی مثال انصار نے اُس وقت قائم کی جب خلافت کے انتخاب کا وقت آیا۔ مسائلِ خلافت نبی کے زمانہ میں ہمیشہ مخفی رہتے ہیں، اگر نبی کے زمانہ میں ہی یہ باتیں بیان کر دی جائیں تو ماننے والوں کی جانیں نکل جائیں کیونکہ ان کو نبی سے ایسی شدید محبت ہوتی ہے کہ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے وہ تو زندہ رہیں اور نبی فوت ہو جائے اس لئے نبی کے زمانہ میں خلافت کی طرف صرف اشارے کر دیئے جاتے ہیں۔ یہی حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ کا تھا، وہ یہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو جائیں گے اور وہ زندہ رہیں گے۔ مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو انصار نے خلافت کے متعلق الگ مشورہ شروع کر دیا اور مہاجرین نے الگ۔ انصار نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم شہر والے ہیں اور مہاجرین باہر کے رہنے والے ہیں، اس لئے باہر سے آنے والوں کا کوئی حق خلافت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا، یہ ہمارا ہی حق ہے اور لیڈر ہم میں سے ہی ہونا چاہئے۔ مہاجرین کو جب یہ اطلاع ملی تو ان میں سے بھی بعض وہیں آ گئے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوعبیدہ ان میں شامل تھے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ اپنے ذاتی مفاد کے لئے وہاں گئے تھے بلکہ وہ اسلام میں تفرقہ پیدا ہونے کے خوف سے وہاں گئے اور انہوں نے چاہا کہ انصار کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں جو مسلمانوں کے لئے مُضِرّ ہو۔ غرض جب یہ وہاں پہنچے تو میٹنگ ہو رہی تھی۔ مہاجرین نے کہا کہ پہلے ہماری بات سُن لو اور وہ یہ ہے کہ عرب لوگ آپ کی اطاعت کے عادی نہیں، اگر انصار میں سے کوئی خلیفہ ہؤا تو مسلمانوں کو بہت سی مشکلات پیش آنے کا ڈر ہے اس لئے مکہ کے لوگوں میں سے آپ جس کو چاہیں اپنا امیر بنا لیں مگر انصار میں سے کسی کو نہ بنائیں۔ اس پر ایک انصاری نے کہا کہ اگر آپ لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو پھر مِنَّا اَمِیْرٌ وَ مِنْکُمْ اَمِیْرٌ چلو ایک خلیفہ ہمارا ہو جائے اور ایک آپ کا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے نقائص بیان کئے اور آخر میں فرمایا کہ اگر انصار میں سے کوئی خلیفہ ہؤا تو عرب کے لوگ اسے نہیں مانیں گے۔ اس پر

بعض انصار جوش میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا اس کے معنے یہ ہیں کہ انصار ہمیشہ غلامی ہی کرتے رہیں؟ وہ اس وقت بھی مہاجرین میں سے کسی کو خلیفہ مان لیں اور بعد میں بھی مہاجرین میں خلیفہ بنتے رہیں، انصار میں سے کوئی خلیفہ نہ بنے اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے غلام اور ماتحت رہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سُنکر انصار کو بہت سی نصیحتیں کیں اور فرمایا ہم آپ لوگوں کا احسان مانتے ہیں، مگر آپ کو اس وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ اسلام کا فائدہ کس بات میں ہے؟ یہ سنکر ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک تقریر کی جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف میں لکھی جائے گی۔

انہوں نے انصار کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا اے لوگو! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں خدا کی رضا کے لئے بُلایا تھا یا خلافت کے حصول کے لئے؟ اور اگر تم نے اسلام میں داخل ہو کر بڑی بڑی قربانیاں کیں تو اس لئے کی تھیں کہ خدا راضی ہو جائے یا اس لئے کی تھیں کہ خلافت ملے؟ اگر تمام قربانیاں تم نے خدا کی رضا کے حصول کے لئے کی تھیں تو خدارا! اب اپنی قربانیوں کو خلافت کی بحث میں برباد نہ کرو۔ مہاجرین جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں مناسب یہی ہے کہ تم اس معاملہ کو خدا پر چھوڑ دو اور اپنی تجاویز کو جانے دو۔ اُس صحابی کا یہ فقرہ کہنا تھا کہ ساری قوم نے شور مچا دیا، بالکل درست ہے بالکل درست ہے۔ چنانچہ مہاجرین میں سے خلیفہ کا انتخاب کیا گیا اور انصار نے خوشی سے اس کی بیعت میں اپنے آپ کو شامل کر لیا۔[۳۵] یہ عجیب بات ہے کہ آج تک بھی انصار میں سے کسی کو بادشاہت نہیں ملی، گو تصوّف والے اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اب تمہیں دنیا میں کچھ نہیں مل سکتا جو کچھ لینا ہے حوضِ کوثر پر آ کر لے لینا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا قیامت کے دن کسی کو اجر ملنا کوئی کم برکت والی چیز ہے، حقیقت یہ ہے کہ بیشک دُنیوی انعامات بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہوتے ہیں مگر اصل انعام وہی ہیں جو انسان کو عالَمِ آخرت میں ملیں۔ پس اگر انہیں قیامت کے دن انعامات مل گئے تو پھر تو اُنہیں سب کچھ مل گیا۔ لیکن بہرحال انصار نے دنیا میں کبھی حکومت نہیں کی اور یہ ایسی شاندار قربانی ہے جو بتاتی ہے کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے دل اسلام اور مسلمانوں کے لئے کھول رکھے تھے۔

صحابہ کرامؓ لوگوں کو شر سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ تھے!

پانچویں خصوصیت مساجد کی یہ ہے کہ وہ شر اور بدی سے روکنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ [۳۶] کہ نماز انسان کو بدی اور بے حیائی کی باتوں سے روکتی ہے اس بارہ میں بھی صحابہ نے بے نظیر مثال قائم کی ہے چنانچہ شر سے بچانے کا بہترین ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کا ایک واقعہ ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا میں کس طرح انصاف قائم کیا۔ جب اسلامی لشکر رومیوں کو شکست دیتے دیتے شام تک چلا گیا تو ایک وقت ایسا آیا جبکہ رومی بادشاہ اپنا سارا لشکر جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگیا، اُس وقت اسلامی جرنیلوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ علاقے چھوڑ کر پیچھے ہٹ جانا چاہئے مگر اُن علاقوں کے لوگوں سے چونکہ انہوں نے ٹیکس اور جزیے وصول کئے ہوئے تھے اور اس ٹیکس اور جزیہ کے وصول کرنے کی غرض یہ ہؤا کرتی ہے کہ اسی روپیہ کو خرچ کر کے لوگوں کی جان واموال کی حفاظت کی جائے۔ اس لئے جبکہ وہ ان علاقوں سے واپس جا رہے تھے انہوں نے سمجھا کہ اگر ہم نے ان کے ٹیکس انہیں واپس نہ کئے تو یہ ظلم ہوگا، چنانچہ انہوں نے تمام شہر والوں کو ان کا جزیہ واپس دیدیا اور کہا کہ اب ہم واپس جا رہے ہیں اور چونکہ تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے ہم تمہارا ٹیکس تمہیں واپس دیتے ہیں۔ اس واقعہ کا یروشلم کے عیسائیوں پر ایسا اثر ہؤا کہ باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائی بادشاہ تھا اور باوجود اس کے کہ وہ اُسے لاکھوں روپیہ بطور نذرانہ دیا کرتے تھے جس وقت صحابہؓ کا لشکر یروشلم کو چھوڑنے لگا تو عورتیں اور مرد چیخیں مار مار کر روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو پھر اس جگہ واپس لائے۔ دنیا کی کسی تاریخ میں اس قسم کی مثال ڈھونڈنے پر بھی نہیں مل سکتی کہ کوئی قوم اُس وقت جبکہ وہ کسی علاقہ کو خالی کر رہی ہو لوگوں کو اُن کے وصول شُدہ ٹیکس واپس دے دے بلکہ آجکل تو ایسی حالت میں لوگوں کو اور زیادہ لُوٹ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح شر سے روکنے کی مثالیں تو اور بھی بہت سی ہیں مگر میں وہ مثالیں دینا چاہتا ہوں جن کو سب دنیا مانتی ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔

شراب اور جُوئے کی ممانعت

چنانچہ ایک مثال میں جُوئے کی پیش کرتا ہوں اس سے اسلام نے روکا ہے۔ اسی طرح شراب سے اسلام نے

بڑی سختی سے روکا ہے کیونکہ شراب بھی بڑی خرابیوں کا موجب ہوتی اور اس سے انسان کی عقل ماری جاتی ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ان کے شر اور فساد کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَ الۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَ الۡمَیۡسِرِ وَ یَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَہُوۡنَ [۳۷]

فرمایا ہم نے شراب اور جوئے سے تمہیں روکا ہے مگر جانتے ہو ہم نے کیوں روکا ہے؟ اس لئے کہ ان کے ذریعہ فساد پیدا ہوتا ہے اور یہ چیزیں ذکرِ الٰہی اور عبادت کی بجا آوری میں روک بنتی ہیں اس طرح آپس میں عداوت اور بُغض پیدا ہوتا ہے۔ آج تمام یورپ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ شراب بُری چیز ہے اور یوروپین مدبّر چاہتے ہیں کہ شراب نوشی روک دیں مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ امریکہ نے شراب کے خلاف بڑا زور مارا مگر اڑھائی پرسنٹ (PER CENT) شراب کی اس نے بھی اجازت دیدی۔ گویا اس معاملہ میں امریکہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں ایک کشمیری کہیں بیٹھا ہؤا تھا اور اُس نے اپنے اوپر ایک بہت بڑی چادر لپیٹی ہوئی تھی کسی شخص نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کوئی بچہ بھی ہے؟ وہ کہنے لگا کوئی نہیں۔ اس نے کہا نہیں سچ سچ بتاؤ ایک یا دو تو ہوں گے، کہنے لگا سچ کہتا ہوں میرا تو ایک بچہ بھی نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کشمیری اُٹھا تو چادر کے نیچے سے چار بچے نکل آئے، یہ دیکھ کر وہی شخص اُسے کہنے لگا کہ تم تو کہتے تھے کہ میرا ایک بچہ بھی نہیں اور یہ تو چار بچے تمہارے ساتھ ہیں۔ اس پر وہ کشمیری کہنے لگا، حضرت چار پُتّر بھی کوئی پُتّر ہوندی ہے یعنی چار بیٹے بھی کوئی بیٹے ہوتے ہیں (یہ مثال لوگوں نے اسی امر کے اظہار کے لئے بنائی کہ مَاشَاءَ اللّٰہُ کشمیریوں کے اولاد بہت ہوتی ہے) اسی طرح امریکہ والوں نے کہہ دیا کہ $2\frac{1}{2}$ پرسنٹ شراب کوئی شراب نہیں۔ مگر اس قدر اجازت دینے کے باوجود جب اس نے قانوناً شراب کی ممانعت کر دی تو ملک میں خطرناک فساد برپا ہو گیا۔ ہزار ہا آدمی سالانہ محض اس کی وجہ سے مارا جاتا تھا کیونکہ جنہیں شراب پینے کی عادت تھی وہ شراب کے لئے دوسروں کو روپیہ دیتے اور وہ چوری چُھپے لے آتے۔ آخر لفنگوں اور بدمعاشوں کی کمیٹیاں بن گئیں جو لوگوں سے روپیہ وصول کرتیں اور اُنہیں کسی نہ کسی طرح شراب مہیا کر دیتیں اور چونکہ اس طرح مختلف کمیٹیوں والوں کی آپس میں رقابت ہو گئی اس لئے وہ موقع ملنے پر ایک دوسرے کے آدمیوں کو مروا دیتیں۔ پھر پولیس کو مقدمات چلانے پڑتے اور درجنوں کو گورنمنٹ پھانسی کی سزا دیتی۔ غرض ہزاروں مقدمات چلے، لاکھوں آدمی

مارے گئے اور لاکھوں اس طرح مرے کہ جب انہیں شراب نہ ملتی تو وہ میتھی لیٹڈ سپرٹ (METHYLATED SPIRIT) پی لیتے جو سخت زہریلی چیز ہے اور اس طرح کئی مر جاتے اور کئی اندھے ہو جاتے۔ غرض امریکہ اڑھائی فیصدی شراب کی اجازت دے کر بھی اپنے ملک کو شراب پینے سے نہ روک سکا اور لاکھوں قتل ہوئے، لاکھوں مقدمات ہوئے اور لاکھوں اندھے اور بیکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ آخر میں حکومت کو اپنا سر جُھکانا پڑا اور اس نے کہہ دیا کہ ہم ہارے اور شراب پینے والے جیتے چنانچہ اس نے ممانعتِ شراب کا قانون منسوخ کر دیا۔

محمد رسول اللہ کے اعلان پر صحابہؓ نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے

مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو جب یہ آیت اُتری کہ شراب حرام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو مدینہ کی گلیوں میں اِس کا اعلان کرنے کے لئے مقرر کیا تو احادیث میں آتا ہے ایک جگہ شادی کی مجلس لگی ہوئی تھی اور گانا گایا جا رہا تھا۔ اتنے میں باہر سے آواز آئی کہ شراب حرام ہو گئی ہے، لکھا ہے جس وقت یہ اعلان ہوُا اُس وقت وہ لوگ شراب کا ایک مٹکا ختم کر چکے تھے اور دو مٹکے ابھی رہتے تھے۔ نشہ کی حالت ان پر طاری تھی اور وہ شراب کی ترنگ میں گا بجا رہے تھے کہ باہر سے آواز آئی شراب حرام کر دی گئی ہے۔ یہ سنتے ہی ایک شخص نشہ کی حالت میں بولا کہ کوئی شخص آوازیں دیتا ہے اور کہتا ہے شراب حرام ہو گئی ہے۔ دروازہ کھول کر پتہ تو لو کہ بات کیا ہے؟ اوّل تو کوئی شرابی نشہ کی حالت میں اس قسم کے الفاظ نہیں کہہ سکتا مگر ان کا دینی جذبہ اس قدر زبردست تھا کہ انہوں نے معاً آواز پر اپنا کان دھرا اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ دروازہ کھول کر دریافت کرو کہ بات کیا ہے؟ دوسرا شخص جس کو اس نے مخاطب کیا تھا وہ دروازہ کے پاس بیٹھا تھا اور اس نے اپنے ہاتھ میں ایک مضبوط ڈنڈا پکڑا ہوُا تھا اس نے جواب دیا کہ پہلے میں ڈنڈے سے مٹکوں کو توڑوں گا اور پھر دریافت کرونگا کہ کیا بات ہے؟ جب ہمارے کان میں یہ آواز آ گئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے تو اب اس کے بعد ایک لحہ کا توقّف بھی جائز نہیں اس لئے میں پہلے مٹکے توڑوں گا اور پھر دروازہ کھول کر اس سے دریافت کرونگا۔ چنانچہ اس نے پہلے مٹکے توڑے اور پھر منادی والے سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے۔ اس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہم پہلے ہی مٹکوں کو توڑ چکے ہیں۔[۳۸] اب بتاؤ کہ کونسی مسجد ہے جو

اس طرح بدیوں کو مٹا سکتی ہے۔

قتلِ اولاد کی ممانعت

دیکھو قتلِ اولاد ایک مانی ہوئی بدی ہے۔ ساری قومیں اس امر کو تسلیم کرتی ہیں کہ قتلِ اولاد بہت بڑا جُرم ہے مگر کسی قوم نے اس کے متعلق شرعی حکم نہیں دیا۔ صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے دنیا کے سامنے سب سے پہلے اس حقیقت کو رکھا اور بتایا کہ اولاد کا مارنا حرام ہے اور اس طرح دنیا کو ایک بہت بڑے شر سے بچایا۔

عورتوں کے حقوق کی حفاظت

اسی طرح عورتوں پر ظلم ہوتے تھے آج ساری دنیا میں یہ شور مچ رہا ہے کہ عورتوں کو ان کے حقوق دینے چاہئیں، عورتوں کو ان کے حقوق دینے چاہئیں اور بعض مغرب زدہ نوجوان تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ عورتوں کو حقوق عیسائیت نے ہی دیئے ہیں۔ حالانکہ ان کو یہ کہتے ہوئے شرم آنی چاہئے کیونکہ عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں اسلام نے جو وسیع تعلیم دی ہے عیسائیت کی تعلیم اُس کے پاسنگ بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو بہت وسیع حقوق دیئے ہیں۔ عربوں میں رواج تھا کہ ورثہ میں اپنی ماؤں کو بھی تقسیم کر لیتے مگر اسلام نے خود عورت کو وارث قرار دیا، بیوی کو خاوند کا، بیٹی کو باپ کا اور بعض صورتوں میں بہن کو بھائی کا بھی۔ پھر فرمایا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ[۳۹] کہ انسانی حقوق کا جہاں تک سوال ہے عورتوں کو بھی ویسا ہی حق حاصل ہے جیسے مردوں کو، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ کل ہی مَیں نے عورتوں میں تقریر کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردوں اور عورتوں کو یکساں احکام دیئے ہیں اسی طرح انعامات میں بھی اُنہیں یکساں شریک قرار دیا ہے اور جن نعماء کے مرد مستحق ہوں گے اسلامی تعلیم کے ماتحت قیامت کے دن وہی انعام عورتوں کو بھی ملیں گے۔ بلکہ کل تو مجھے ایک عجیب استدلال سُوجھا۔ میں نے کہا کہ قرآن اور حدیث نے تمہارا صرف ایک ہی مذہبی حق چھینا ہے اور وہ یہ کہ نبی مرد ہوسکتا ہے، عورت نہیں ہوسکتی۔ صرف یہ ایک ایسا مقام ہے جس کے متعلق عورت کہہ سکتی ہے کہ مجھے کم انعام دیا گیا ہے اور مرد کو زیادہ مگر میں نے انہیں بتایا کہ نبوت صرف ایک عہدہ ہے اور اس عہدہ کے ساتھ بہت بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، پس اس لئے خدا نے اسے نبی نہیں بنایا۔ مگر انعامات کے لحاظ سے جو انعام عالَمِ آخرت میں نبی کو ملے گا وہی اس کی بیوی کو بھی ملے گا، کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِھِمْ وَ اَزْوَاجِھِمْ وَ ذُرِّیّٰتِھِمْ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ ۝[۴۰]

کہ جولوگ جنت میں داخل ہونگے ان کے ساتھ ان کے والدین، ان کی بیویوں اوران کے بچوں کوبھی رکھا جائے گا۔ اگرایک شخص خودتو جنت کے اعلیٰ مقام پر ہوگا مگر اس کی بیوی کسی ادنیٰ مقام پر ہوگی تو اللہ تعالیٰ بیوی کو اسی جگہ رکھے گا جہاں اس کا خاوند ہوگا اور یہ پسند نہیں کرے گا کہ میاں بیوی جُدا جُدا ہوں۔ پس موسیٰ ؑ کی بیوی موسیٰ ؑ کے ساتھ رکھی جائے گی داؤدؑ کی بیوی داؤدؑ کے ساتھ رکھی جائے گی، سلیمانؑ کی بیوی سلیمان کے ساتھ رکھی جائے گی اورمحمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھی جائیں گی۔ بیشک موسیٰ ؑ کی بیوی نبی نہیں مگر نبوت کے انعام میں وہ بھی شریک ہوجائے گی۔ بیشک داؤدؑ کی بیوی نبی نہیں مگر داؤدؑ کے انعامِ نبوت میں ان کی بیوی بھی شریک ہوجائے گی۔ اسی طرح حضرت سلیمانؑ کی بیویاں گو نبی نہیں مگر خدا انہیں وہی انعامات دے گا جو وہ سلیمانؑ کو دیگا۔ پھر میں نے انہیں کہا کہ تم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں اور تین بیٹیاں تھیں، گویا ایک مرد کے ساتھ چودہ عورتیں انعام میں شریک ہوگئیں یہ کس قدر وسیع فیضان ہے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اورکس طرح اس نے اپنی رحمت میں عورتوں کو ڈھانپ لیا ہے کہ نہ اِس دنیا میں ان کی کوئی حق تلفی کی ہے اور نہ اگلے جہاں میں اُنہیں کسی انعام سے محروم رکھا ہے، حالانکہ عورتوں کی قوم اتنی مظلوم تھی کہ عرب لوگ روپوں کے بدلے اپنی ماؤں اور بیویوں تک کو بیچ دیا کرتے تھے۔ پس یہ مسجد کنویں کی منڈیر کا کام کرتی ہے یعنی وہ رسوم یا عادات یا اعمال جن سے لوگ تباہ ہوں اُن سے بچاتی اور گندگی کو اندر گرنے سے روکتی ہے۔

قیامِ امن کے متعلق اسلام کی جامع تعلیم

(۶) چھٹے مسجد امن کا موجب ہوتی ہے اور یہ مسجد ایسی ہے کہ جب اس کا نام ہی اسلام ہے اوراس کے ماننے والوں کا نام مُسلم اور مُسلم کے معنے ہی یہ ہیں کہ وہ ایسا شخص ہے جو دوسروں کو امن دیتا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ یَدِہٖ وَ لِسَانِہٖ [۴۱]

کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان کے شر سے ہر وہ شخص محفوظ ہوتا ہے جو کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

اب میں تفصیل بتاتا ہوں کہ امن کن چیزوں سے برباد ہوتا ہے سو یاد رکھنا چاہئے امن چار چیزوں سے برباد ہوتا ہے۔

۱۔امن برباد ہوتا ہے بدظنی سے۔

۲۔امن برباد ہوتا ہے ظلم سے۔

۳۔امن برباد ہوتا ہے غصہ کو اپنے اوپر غالب آنے دینے سے۔

۴۔امن برباد ہوتا ہے لالچ سے۔

غرض دنیا میں جس قدر فسادات ہوتے ہیں وہ انہی چار وجوہ سے ہوتے ہیں یعنی یا تو بدظنی کی وجہ سے فساد ہوتا ہے یا ظلم کی وجہ سے فساد ہوتا ہے یا غصے کو غالب آنے دینے سے فساد ہوتا ہے یا لالچ کی وجہ سے فساد ہوتا ہے۔

اِس کے مقابلہ میں امن بھی چار چیزوں سے قائم ہوتا ہے۔

۱۔امن قائم ہوتا ہے خیر خواہی سے۔

۲۔امن قائم ہوتا ہے مغفرت سے۔مثلاً اگر کوئی گالی دے اور دوسرا معاف کر دے تو لڑائی کس طرح ہوسکتی ہے، کہتے ہیں تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے جب فریقین میں سے ایک مغفرت سے کام لے اور عفو و درگزر کا سلوک کرے تو لڑائی بڑھ ہی نہیں سکتی۔

۳۔اسی طرح احسان سے امن قائم ہوتا ہے۔

۴۔پھر امن دین کو دُنیا پر مقدم رکھ کر بھی ہوتا ہے کیونکہ جب کوئی انسان اُخروی حیات پر ایمان رکھتا ہو اور اُس کو دنیا کی زندگی پر ہر لحاظ سے ترجیح دیتا ہو تو وہ امن کے قیام کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرسکتا ہے۔

اب یہ آٹھوں باتیں جو نفی اور مثبت سے تعلق رکھتی ہیں ہمیں دیکھنا چاہئے کہ صحابہؓ میں پائی جاتی تھیں یا نہیں؟

اسلام میں بدظنی کی ممانعت

اوّل بدظنی ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا [۴۲]

کہ اے مومنو! تم اکثر گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض ظنّ ایسے ہیں جن سے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا اور تم دوسروں کے عیوب تلاش نہ کیا کرو۔ اب اگر کوئی شخص دوسرے پر حُسنِ ظنی کرے تو وہ اس کے عیب کو تلاش ہی نہیں کر سکتا۔ عیب اُسی وقت انسان تلاش کرتا ہے جب دل میں بدظنی کا مادہ موجود ہو۔ اب ہم صحابہؓ کے طریقِ عمل کو دیکھتے ہیں کہ اُن میں حُسنِ ظنی کس حد تک پائی جاتی تھی۔

تاریخِ اسلام میں جب صحابہؓ کے واقعات دیکھے جاتے ہیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اُن میں کس قدر خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ ان میں نیک ظنی تھی تو کمال درجہ کی اور دیانت و امانت تھی تو اُس حد تک کہ اس کی اور کہیں مثال ہی نہیں ملتی۔ ان کی نیک ظنی کی مثال یہ ہے کہ لکھا ہے حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک شخص پر قتل کا مقدمہ چلا اور قضاء نے اس کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے اس کے قتل کئے جانے کا حُکم دیدیا۔ جب اسے قتل کرنے کے لئے لوگ لے گئے تو اُس نے کہا کہ میرے گھر میں کئی یتیموں کی امانتیں پڑی ہوئی ہیں، مجھے اجازت دی جائے کہ میں گھر میں جا کر وہ امانتیں اُن کو واپس دے آؤں، پھر میں اس جگہ اتنے دنوں میں حاضر ہو جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ اپنا کوئی ضامن لاؤ۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا آخر اس کی نظر ابوذر صحابیؓ پر جا پڑی اور اس نے کہا کہ یہ میرے ضامن ہیں۔ ابوذرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اس کی ضمانت دینے کے لئے تیار ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ خیر انہوں نے ضمانت دی اور وہ گھر چلا گیا۔ جب عین وہ دن آیا جو اُس کی حاضری کے لئے مقرر تھا تو صحابہؓ اِدھر اُدھر گھبراہٹ سے پھرنے لگے کیونکہ وہ شخص ابھی تک آیا نہیں تھا جب بہت دیر ہوگئی اور وہ نہ آیا تو صحابہؓ نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ کچھ آپ کو پتہ بھی ہے وہ کون شخص تھا؟ انہوں نے کہا مجھے تو علم نہیں۔ صحابہ کہنے لگے اُس کا جُرم قتل تھا اور آپ نے بغیر کسی واقفیت کے اس کی ضمانت دے دی، یہ آپ نے کیا کِیا؟ اگر وہ نہ آیا تو آپ کی جان جائے گی۔ انہوں نے کہا، بیشک میں اسے جانتا نہیں تھا مگر جب ایک مسلمان نے ضمانت کے لئے میرا نام لیا تو میں کس طرح انکار کر سکتا تھا اور کس طرح یہ بدظنی کر سکتا تھا کہ ممکن ہے وہ حاضر ہی نہ ہو۔ اب دیکھو اُن میں حُسنِ ظنی کا کس قدر مادہ پایا جاتا تھا کہ ایک شخص جس کی انہیں کچھ بھی واقفیت نہیں اُس کی اُنہوں نے ضمانت دیدی محض اس وجہ سے کہ وہ بدظنی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ جب وقت بالکل ختم ہونے لگا تو صحابہ کو دُور سے گرد اُڑتی دکھائی دی اور انہوں نے دیکھا کہ ایک سوار بڑی

تیزی سے اپنے گھوڑے کو دَوڑاتا ہؤا آرہا ہے۔ سب کی نظریں اُس سوار کی طرف لگ گئیں جب وہ قریب پہنچا تو وہ وہی شخص تھا جس کی حضرت ابوذرؓ نے ضمانت دی ہوئی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے سے اُترا اور چونکہ بڑی تیزی سے اپنے گھوڑے کو دَوڑاتا چلا آیا تھا اس لئے اس کے اُترتے ہی گھوڑا گِر کر مر گیا۔ اس نے پاس آ کر کہا کہ مجھے معاف کرنا، یتامٰی کی امانتیں تقسیم کرتے ہوئے مجھے کچھ دیر ہوگئی جس کی وجہ سے میں جلدی نہ آسکا اور اب میں گھوڑے کو دوڑاتا ہی آرہا تھا تاکہ وقت کے اندر پہنچ جاؤں سو خدا کا شکر ہے کہ میں پہنچ گیا، اب آپ اپنا کام کریں۔ اس کی اس وفاداری کا اس قدر اثر ہؤا کہ جن لوگوں کا جُرم تھا انہوں نے فوراً قاضی سے کہہ دیا کہ ہم نے اپنا جُرم اس شخص کو معاف کر دیا۔ [۴۳]

یہ وہ نیک ظن لوگ تھے جو دوسروں پر بدظنی کرنا جانتے ہی نہیں تھے اور پھر خدا بھی ان کے نیک ظنوں کو پورا کر دیتا تھا۔

اسلام میں ہر قسم کے ظلم کی ممانعت

پھر فساد ظلم سے پیدا ہوتا ہے اور ظلم کی کئی قسمیں ہیں مگر اسلام نے اُن سب کو مٹا دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- **وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضاً** [۴۴] کہ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا ظلم ہوتا ہے اور دوسرے کی عزت پر اس سے حملہ ہوتا ہے۔

دوسری چیز مال ہے جس کی وجہ سے ظلم کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں بھی ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ **وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ** [۴۵] کہ جھوٹ اور فریب سے ایک دوسرے کے اموال نہ کھایا کرو۔

پھر جان ہوتی ہے اس کے متعلق فرمایا **وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ** [۴۶] کہ اپنے آپ کو قتل مت کرو۔

اسی طرح تجارت میں بعض دفعہ ظلم کا ارتکاب کر لیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی روکا اور فرمایا **وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ- اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ- وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ** [۴۷]

کہ لعنت ہے اُن پر، ہلاکت ہے اُن پر جو لوگوں کے حقوق کو غصب کرتے ہیں اور جب چیزیں لیتے ہیں تو تول میں پوری لیتے ہیں اور جب دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں گویا اسلام نے ظلم کی تمام شِقوں سے روک دیا اور اس طرح اُس نے جان کو بھی محفوظ کر دیا، عزّت کو بھی محفوظ کر دیا اور

صحابہؓ نے اس پر ایسا عمل کر کے دکھایا کہ جس طرح حرم میں داخل ہو کر انسان امن میں آ جاتا ہے اس طرح وہ لوگوں کی عزّتوں اور ان کے مالوں اور ان کی جانوں کے محافظ تھے اور امانتیں تو ان کے پاس اس طرح محفوظ رہتی تھیں کہ آجکل کے بنکوں میں بھی ویسی محفوظ نہیں رہتیں۔ ایک صحابی ایک دفعہ ایک گھوڑا فروخت کرنے کے لئے لائے اور انہوں نے اس کی دوسَو دینار قیمت بتائی۔ ایک اور صحابی نے کہا کہ میں یہ گھوڑا لینا چاہتا ہوں مگر تم غلط کہتے ہو کہ اس کی دوسَو دینار قیمت ہے اس کی تو پانچ سَو دینار قیمت ہے وہ کہنے لگے میں صدقہ خور نہیں کہ زیادہ قیمت لے لوں اس کی اصل قیمت دوسَو دینار ہی ہے۔ اب وہ دونوں جھگڑنے لگ گئے۔ بیچنے والا کہتا تھا کہ میں دوسَو دینار لوں گا اور خریدنے والا کہتا تھا کہ میں پانچ سَو دینار دونگا۔ اب بتاؤ جہاں اِس قسم کے لوگ ہوں وہاں امن کس شان کا ہوگا مگر اب تو جتنا کوئی مالدار ہو اُتنا ہی دوسروں کو لوٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں ایک دفعہ بمبئی میں ایک دُکان پر کپڑا لینے کے لئے گیا میرے ساتھ مستورات بھی تھیں مگر وہاں ہمیں کافی دیر لگ گئی اور دُکاندار ایک اور شخص سے جھگڑنے میں مصروف رہا۔ آخر میں نے اس سے کہا کہ بات کیا ہے اور اتنی دیر سے جھگڑ کیوں رہے ہو؟ اس نے کہا کیا بتاؤں آج تو میں مصیبت میں پھنس گیا تھا یہ شخص بمبئی کا سب سے بڑا مشینوں کا مالک ہے۔ اس نے مجھ سے بیس پچیس کپڑے لئے اور میں نے ان کا بِل ایک سَو آٹھ روپیہ کا بنا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر یہ جھگڑنے لگا کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں میری رعایت کیا تم نہ کرو گے میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہماری دُکان پر ایک قیمت ہوتی ہے اتنا وقت ضائع کرنے کے بعد اس کے سیکرٹری نے سَو کا نوٹ رکھ دیا اور کہا کہ اب بس کرو باقی رقم کا مطالبہ نہ کرو اور میری یہ حالت کہ میں اسے ناراض بھی نہیں کر سکتا، لیکن دوسری طرف اگر قیمت کم لیتا ہوں تو میری دُکان کا اصول ٹوٹتا ہے اب یہ زور سے کم قیمت دے کر چلا گیا ہے۔

غرض مسلمان اپنے غلبہ کے وقت میں اتنا سیر چشم تھا کہ اگر کوئی غلطی سے کم قیمت مانگتا تھا تو وہ اصرار کرتا تھا کہ میں اس کی قیمت زیادہ دونگا، مگر آج کے کروڑ پتی بھی سودے میں کچھ معاف کروانے کے لئے خواہ جائز ہو یا نہ ہو گھنٹوں صَرف کر دیتے ہیں، دوسری طرف دکاندار اور کارخانہ دار قیمت زیادہ وصول کرنے پر مُصِرّ ہوتے ہیں۔

تکبّر کی بُرائی

اسی طرح دنیا میں خیالات کی خرابی کی وجہ سے بھی ظلم ہوتا ہے ایک انسان یہ خیال کرنے لگ جاتا ہے کہ میں بہت بڑا ہوں اور اس طرح وہ تکبر میں آ کر

دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس غرور کو بھی توڑا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً [۴۸]
اے انسان! تُو زمین میں متکبرانہ طور پر نہ چلا کر کیونکہ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ تو زمین میں سے کہیں باہر نہیں نکل سکتا۔ یہی تیرے غریب بھائی جو تیرے اِردگرد ہیں ان سے تجھے دن رات کام رہتا ہے اور تُو نے ان کے ساتھ مل جل کر کام کرنا ہے۔ خرق کے معنے پھاڑنے کے بھی ہوتے ہیں اور ملک میں سے گزرنے کے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ تُو نے اس زمین میں سے کہیں نکل نہیں جانا بلکہ اس دنیا میں رہنا ہے اور دنیا میں انسان کو آرام اُس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مِل جُل کر نہ رہے۔ پس اللہ تعالیٰ لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ دیکھو تکبر نہ کرو کیونکہ اگر تم تکبر کرو گے اور اپنے اِردگرد کے لوگوں کو ذلیل اور حقیر سمجھو گے تو تم اکیلے پھرتے رہو گے اور لوگ تمہیں غیر جنس خیال کرنے لگ جائیں گے اور اس وجہ سے تمہیں امن میسر نہیں آسکے گا۔ بھلا کبھی گھوڑوں اور گدھوں میں رہ کر بھی انسان کو امن حاصل ہوسکتا ہے۔ امن تو اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی جنس کے ساتھ رہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میاں دیکھو تم نے کسی اور جگہ نہیں جانا بلکہ تمہارے ان غریب بھائیوں نے ہی رات دن تمہارے کام آنا ہے اگر تم اپنے آپ کو کوئی غیر جنس سمجھو گے تو دُنیا میں اس طرح رہو گے جس طرح چڑیا گھر میں انسان رہتا ہے۔ پھر فرماتا ہے وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً اگر تم نے یہ طریق جاری رکھا تو یاد رکھو تم اس صورت میں کبھی بھی قوم کے سرداروں میں شامل نہیں ہوسکو گے۔ اس لئے کہ جب تم قوم کو ذلیل سمجھو گے تو قوم تمہیں اپنا سردار کس طرح بنائے گی وہ تو تمہاری دشمن ہوگی اور تمہیں اپنی قوم کی نگاہوں میں عزّت نہیں بلکہ ذلّت حاصل ہوگی۔

قومی اخلاق کو بگاڑنے کی ممانعت

پھر قومی ظلموں میں سے ایک اخلاقی ظلم قوم کے اخلاق کو بگاڑنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو اس سے بھی روکتا اور فرماتا ہے لَایُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ [۴۹] کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتا کہ کوئی بُری بات اونچی آواز سے کہی جائے۔ لوگ اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر کوئی مظلوم ہو تو اسے بیشک اجازت ہے کہ وہ برسرِ عام جو جی میں آئے کہتا پھرے لیکن کسی اور کو اس کی اجازت نہیں۔ مگر میرے نزدیک اس آیت کا اصل

مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی مظلوم ہو تب بھی یہ پسندیدہ بات نہیں کہ وہ لوگوں میں بُرائیاں بیان کرتا پھرے۔ گویا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس طریق سے روکتا اور فرماتا ہے کہ تُو جو اپنے ظلم کے خلاف شور مچاتا ہے تجھے یہ تو سمجھنا چاہئے کہ تُو اپنے ظلم کے متعلق تو شور مچا رہا ہے اور قوم کے اخلاق کو تباہ کر رہا ہے جیسے اگر کوئی ماں بہن کی گندی گالیاں دینا شروع کر دے اور پاس سے عورتیں گزر رہی ہوں تو ہر شریف آدمی اسے روکتا اور کہتا ہے کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو لوگوں کے اخلاق خراب کر رہا ہے اسی طرح خدا فرماتا ہے تُو شور کس بات پر مچا رہا ہے؟ کیا اس بات پر کہ تجھ پر ظلم ہؤا ہے مگر تجھے اتنی سمجھ نہیں کہ تو اپنے ظلم پر شور مچا رہا ہے اور ساری قوم پر ظلم کر رہا ہے۔

بَیْنَ الْاَقوامی مناقشات کا سدِّباب

پھر ایک اور ظلم حکومتوں پر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں بھی کئی ہدایات دی ہیں اس کے متعلق تفصیلی بحث میری کتاب ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' میں موجود ہے۔ میں اس جگہ مختصراً چند باتیں بیان کر دیتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِاللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ [۵۰]

اگر دو مومن حکومتیں آپس میں لڑ پڑیں تو باقی تمام حکومتوں کو چاہئے کہ سب مل کر ان سے کہیں کہ آپس میں صلح کر لو۔ اگر ان میں سے کوئی صلح کی تجویز کو مان کر باغی ہو جائے یا صلح کی تجویز کو قبول ہی نہ کرے اور لڑائی پر آمادہ رہے تو وہ حکومت جس نے بغاوت سے کام لیا ہو اس کے ساتھ سب مل کر لڑو اور مظلوم کو اکیلا نہ رہنے دو حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِاللّٰهِ یہاں تک کہ ابتداء کرنے والی حکومت یا قوم خدا تعالیٰ کے فیصلے کو مان لے فَاِنْ فَآءَت اگر وہ ظلم سے باز آ جائے اور اقرار کر لے کہ اس سے غلطی ہوئی تو پھر اس سے انتقام نہ لو اور اپنے آپ کو فریقِ مخالف قرار دے کر اس سے بیجا مطالبات نہ کرو، بلکہ ابتدائی مخاصمین کے درمیان صلح کرا دو۔ وَاَقْسِطُوْا اور انصاف سے کام لو ایسا نہ ہو کہ تم غصہ سے کسی کے خلاف کوئی ایسا فیصلہ کر دو جو عدل و انصاف کے منافی ہو اور کہو کہ چونکہ اس نے پہلے ہماری بات کو نہیں مانا تھا اس لئے اب اس پر سختی کرنی چاہئے۔ تمہیں جنبہ داری اور کینے کے تمام پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ اللہ تعالیٰ

انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ میں اِس وقت تفصیلاً اس مسئلہ کو بیان نہیں کرسکتا۔ تین چار سال ہوئے جب ایبے سینیا پر اٹلی نے حملہ کیا تھا تو اُس وقت جلسہ سالانہ کے موقع پر میں نے اس مضمون پر روشنی ڈالی تھی اور بتایا تھا کہ امن کے قیام کے لئے ایسی ہی لیگ آف نیشنز کام دے سکتی ہے جس کی بنیاد اسلامی اصول پر ہو۔ اگر اسلامی اصول پر لیگ آف نیشنز (LEAGUE OF NATIONS) کی بنیاد نہ رکھی جائے تو وہ کبھی امن قائم نہیں کرسکتی۔ اس وقت یہ دستور ہے کہ جب کوئی قوم مغلوب ہو جاتی ہے تو اسے ہر ممکن طریق سے ذلیل اور رُسوا کرنیکی کی کوشش کی جاتی ہے جیسے گزشتہ جنگ کے اختتام پر جرمنی کو ''معاہدہ وارسائی''[۱۵] کے ذریعہ کُچلنے کی پوری کوشش کی گئی اور انصاف کی حدود کو نظر انداز کر دیا گیا، حالانکہ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ جب کوئی قوم ہتھیار ڈال دے تو اس کے بعد جو بھی معاہدہ کیا جائے اس کی بنیاد انصاف پر ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ چونکہ ایک فریق مخالفت کر چکا ہے اور ہار چکا ہے اس لئے اس کے خلاف سخت فیصلہ کر کے اسے ذلیل کیا جائے یا اس سے بدلہ لیا جائے۔ گویا صلح کرانے والوں کو اپنے آپ کو فریقِ مخالف نہیں بنا لینا چاہئے بلکہ جنگ کے باوجود اپنے آپ کو ثالثوں کی صف میں رکھنا چاہئے۔ دوسرے آجکل کی لیگ کے قوانین میں یہ شرط نہیں رکھی گئی کہ اگر کسی فریق نے مقابلہ کیا تو اس سے لڑائی کی جائے گی بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم منوانے کی کوشش کریں گے۔ اب جسے پتہ ہو کہ میرا کام صرف منوانے کی کوشش کرنا ہے وہ لڑائی کے لئے تیاری کیوں کرے گا اور بداندیشے رکھنے والے لوگ اس لیگ سے ڈریں گے کیوں؟ تیسرے اسلام نے یہ ہدایت دی تھی کہ اگر دو متحارب فریقوں میں سے ایک لڑائی پر آمادہ ہو جائے تو دوسرا قدم یہ اُٹھایا جائے کہ باقی سب اقوام اس کے ساتھ مل کر لڑیں اور چونکہ ایک قوم سب اقوام کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اس لئے لازماً وہ ہتھیار ڈال دے گی اور صلح پر آمادہ ہو جائے گی مگر لیگ آف نیشنز میں ایسا کوئی قانون نہیں اس لئے اس کے فیصلہ سے کوئی قوم مرعوب نہیں ہوتی اور چونکہ ان نقائص کی وجہ سے بارہا لیگ آف نیشنز امن کے قائم کرنے میں ناکام رہی ہے اس لئے اب بڑے بڑے مدبّر بھی یہ لکھ رہے ہیں کہ لیگ آف نیشنز کے پیچھے کوئی فوج ہونی چاہئے حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ لیگ آف نیشنز کے پاس صرف فوج ہی نہیں ہونی چاہئے بلکہ اس کے علاوہ اس میں وہ باتیں بھی ہونی چاہئیں جو اسلام نے بتائی ہیں ورنہ امن قائم نہیں ہوسکتا۔

اپنے نفس پر ظلم کرنے کی ممانعت

یہ تو ہوتا ہے غیر پر ظلم مگر ایک ظلم نفس پر بھی ہوتا ہے جیسے انسان شادی کرنا چھوڑ دے۔ اب یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص شادی نہ کرے مگر جو خواہشات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں پیدا کی گئی ہیں اُن کو وہ کس طرح دبا سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص بھوکا تو رہ سکتا ہے مگر بھوک کی خواہش کو نہیں مٹا سکتا کیونکہ یہ خدا نے پیدا کی ہے۔ اور کسی انسان کا اپنی جائز خواہشات کو پورا نہ کرنا بھی ایک ظلم ہے جو کسی غیر پر نہیں بلکہ اپنے نفس پر ہے اور اسلام اس ظلم سے بھی روکتا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الْإِسْلَامِ**[۵۲] اسلام میں رہبانیت نہیں اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رہبانیت جو بعض مذاہب نے شروع کر رکھی ہے اس کا ہم نے انہیں حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کی اپنی ایجاد ہے۔ اس طرح قرآن کریم میں آتا ہے **يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ**[۵۳]

کہ اے مسلمانو! تم اپنی جانوں کی حفاظت کرو۔ ہم نے بیشک تمہیں حکم دیا ہے کہ تم تبلیغ کرو، ہم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم تعلیم دو، ہم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم دوسروں کی تربیت کرو، لیکن اگر کبھی کوئی ایسا موقع آ جائے کہ دوسرے کو ہدایت دیتے دیتے تمہارے اپنے ایمان کے ضائع ہو جانے کا بھی خطرہ ہو تو ایسی حالت میں تم دوسرے کو بیشک ہلاک ہونے دو اور اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔

دیال سنگھ کالج کے بانی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بالکل اسلام کے قریب پہنچ گئے تھے مگر جو شخص انہیں تبلیغ کر رہا تھا اُس نے ایک دفعہ صرف اس آیت پر تھوڑی دیر کے لئے عمل چھوڑ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو گئے۔ سردار دیال سنگھ صاحب جن کے نام پر لاہور میں کالج بنا ہوا ہے سکھ مذہب سے سخت متنفر تھے کسی مولوی سے انہیں اسلام کا علم ہوا اور جب اسلامی تعلیم پر انہوں نے غور کیا تو وہ بہت ہی متأثر ہوئے اور انہوں نے اپنی مجلس میں اسلام کی خوبیوں کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگ گئے کہ میں اب اسلام قبول کرنے والا ہوں۔ ان کا ایک ہندو دوست تھا جو بڑا چالاک تھا اس نے جب دیکھا کہ یہ مسلمان ہونے لگے ہیں تو اس نے اُنہیں کہا کہ سردار صاحب! ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور۔ یہ تو محض مسلمانوں کی باتیں ہیں کہ اسلام بڑا اچھا مذہب ہے ورنہ عمل کے

لحاظ سے کوئی مسلمان بھی اسلامی تعلیم پر کاربند نہیں۔ اگر آپ کو میری اس بات پر اعتبار نہ ہو تو جو مولوی آپ کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے آتا ہے آپ اس کے سامنے ایک سَو روپیہ رکھ دیں اور کہیں کہ ایک دن تُو میری خاطر شراب پی لے، پھر آپ دیکھیں گے کہ وہ شراب پیتا ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ جب دوسرے دن وہی مولوی آیا تو انہوں نے سَو روپیہ کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دی اور کہا مولوی صاحب اب تو میں نے مسلمان ہو ہی جانا ہے، ایک دن تو آپ بھی میرے ساتھ شراب پی لیں اور دیکھیں میں نے تو آپ کی کتنی باتیں مانی ہیں کیا آپ میری اتنی معمولی سے بات بھی نہیں مان سکتے۔ اس کے بعد تو میں نے شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگانا، صرف آج شراب پی لیں۔ اُس نے سَو روپیہ کی تھیلی لے لی اور شراب کا گلاس اُٹھا کر پی لیا۔ سردار دیال سنگھ صاحب پر اس کا ایسا اثر ہوُا کہ وہ بجائے مسلمان ہونے کے برہمو سماج سے جا ملے اور انہوں نے اپنی ساری جائداد اس کے لئے وقف کر دی۔ یہ نتیجہ تھا درحقیقت اس آیت کی خلاف ورزی کا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ **لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ** اگر روٹی کا سوال ہو تو بیشک خود بھوکے رہو اور دوسرے کو کھانا کھلاؤ، لیکن جہاں ہدایت کا سوال آ جائے اور تمہیں محسوس ہو کہ اگر تمہارا قدم ذرا بھی ڈگمگایا تو تم خود بھی ہدایت سے دُور ہو جاؤ گے تو تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایسی صورت میں تمہیں مضبوطی سے ہدایت پر قائم رہنا چاہئے اور دوسرے کی گمراہی کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

شرک کی ممانعت

تیسرا ظلم خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے اسکے بارہ میں فرماتا ہے **وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا** [۵۴] کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ غرض اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے توحید کو دنیا میں قائم کیا اور اس طرح اس ظلم کا خاتمہ کر دیا جس کا خدا سے تعلق ہے اور مسلمان ہی وہ قوم ہے جس نے کبھی دوسروں پر ظلم نہیں کیا اور مسلمان ہی وہ قوم ہے جس نے کبھی اپنے نفس پر بھی ظلم نہیں کیا اور اس طرح اس نے امن کے برباد کرنے والے تمام اسباب کا خاتمہ کر دیا۔

بے جا غضب کی ممانعت

(۳) امن کو برباد کرنے والا تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان غصہ کو اپنے اوپر غالب آنے دیتا ہے۔ قرآن کریم نے اس بدی کی بھی بیخ کنی کی ہے اور اصولی طور پر ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا** [۵۵] کہ ہم نے تمہیں اُمّةً وَّسَطًا بنایا ہے یعنی ایسی امت جو ہر کام

میں اعتدال کو مدّ نظر رکھتی ہے پس تمہارا فرض ہے کہ تم نہ تو غصہ میں بہہ جاؤ اور نہ محبت میں بہہ جاؤ بلکہ اگر محبت کرو تو ایک حد تک اور اگر غصہ کرو تو ایک حد تک ۔ پھر فرماتا ہے وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ [۵۶] کہ مؤمن لوگ اپنے غصہ کو دبا کر رکھتے ہیں ۔

حدیث میں آتا ہے جب کسی کو غصہ آئے تو اگر وہ اُس وقت چل رہا ہو تو کھڑا ہو جائے اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور اگر پھر بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو پانی پی لے ۔ میں نے بچپن میں دیکھا ہے کہ جب بعض طالب علموں کی آپس میں لڑائی ہو جاتی تو ایک پانی لیکر دوسرے کے منہ میں ڈالنے لگ جاتا اور اس طرح وہ لڑکا جسے غصہ آیا ہوتا تھا بے اختیار ہنس پڑتا اور غصہ جاتا رہتا ۔

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کے دبانے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ آپ فرماتے ہیں ۔ لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ [۵۷] کہ بہادر اُس کو نہیں کہتے جو کُشتی میں دوسرے کو گرا لے ، بہادر وہ ہے جسے غصہ آئے تو وہ اُسے روک لے ۔ پس بہادر غلام محمد پہلوان نہیں ، بڑا بہادر کِکر سنگھ پہلوان نہیں بلکہ بڑا بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھے اور اُس کو روک لے ۔ اس بارہ میں حضرت علیؓ کی ایک مثال بڑی ایمان افزاء ہے ۔ جنگ خیبر میں ایک بہت بڑے یہودی جرنیل کے مقابلہ کے لئے نکلے اور بڑی دیر تک اس سے لڑتے رہے چونکہ وہ بھی لڑائی کے فن کا ماہر تھا اس لئے کافی دیر تک مقابلہ کرتا رہا ، آخر حضرت علیؓ نے اُسے گرا لیا اور آپ اس کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور ارادہ کیا کہ تلوار سے اُس کی گردن کاٹ دیں ۔ اتنے میں اس یہودی نے آپ کے منہ پر تُھوک دیا ۔ اِس پر حضرت علیؓ اُسے چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے ۔ وہ یہودی سخت حیران ہؤا کہ انہوں نے یہ کیا کِیا ؟ جب یہ میرے قتل پر قادر ہو چکے تھے تو انہوں نے مجھے چھوڑ کیوں دیا ۔ چنانچہ اس نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ مجھے چھوڑ کر الگ کیوں ہو گئے ؟ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے خدا کی رضا کے لئے لڑ رہا تھا مگر جب تم نے میرے منہ پر تُھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا اور میں نے سمجھا کہ اب اگر میں تم کو قتل کرونگا تو میرا قتل کرنا اپنے نفس کے لئے ہوگا ، خدا کے لئے نہیں ہوگا ۔ پس میں نے تمہیں چھوڑ دیا تاکہ میرا غصہ فرو ہو جائے اور میرا تمہیں قتل کرنا اپنے نفس کے لئے نہ رہے ۔ یہ کتنا عظیم الشان کمال ہے کہ عین جنگ کے

میدان میں انہوں نے ایک شدید دشمن کو محض اس لئے چھوڑ دیا تا کہ اُن کا قتل کرنا اپنے نفس کے غصہ کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔

لالچ اور حسد کی ممانعت

(۴) امن کے برباد کرنے کا چوتھا سبب لالچ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی روکتا اور فرماتا ہے **اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ** [58]

کہ یہودی قوم بھی کوئی قوم ہے کہ خدا تو لوگوں پر فضل کرتا ہے اور یہ حسد سے مری جاتی ہے دوسری جگہ فرماتا ہے **وَ لَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ** [59] خدا نے دنیا میں مختلف قوموں پر جو فضل کئے ہیں ان کی وجہ سے ان قوموں سے حسد نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔

قیامِ امن کے ذرائع

اب اسکے مقابل پر مَیں امن کے ذرائع کو لیتا ہوں۔

خیر خواہی

(۱) پہلا ذریعہ قیامِ امن کا خیر خواہی ہے ہمارے ملک میں یہ جذبہ اتنا کم ہے کہ جب بھی کوئی افسر بدلتا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا افسر آتا ہے تو وہ پہلے افسر کے کام کے ضرور نقائص نکالتا ہے اگر ڈپٹی کمشنر آتا ہے تو پہلے ڈپٹی کمشنر کا نقص نکالتا ہے، کمشنر آتا ہے تو وہ پہلے کمشنر کے کام کی خرابیاں بتاتا ہے اور اگر جرنیل آتا ہے تو پہلے جرنیل کی سکیموں میں نقص نکالتا ہے مگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کیسی اعلیٰ تعلیم دی ہے وہ فرماتا ہے **وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِھِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡلَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ** [60]

سچا مسلمان وہ ہوتا ہے کہ جب خدا اسے کسی مقام پر کھڑا کرتا ہے تو پہلے لوگ جو فوت ہو چکے ہوں اُنکے متعلق یہ نہیں کہتا کہ فلاں سے یہ غلطی ہوئی اور فلاں سے وہ غلطی ہوئی بلکہ وہ ان کی خوبیوں کا اعتراف کرتا ہے اور اگر بعض سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو ان کے متعلق دُعائیں کرتا رہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے بھی بخش اور میرے اُن بھائیوں کو بھی بخش جو مجھ سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں مؤمنوں کا کوئی کینہ نہ رہنے دیجیو۔ اے رب! تو بڑا مہربان ہے تو ان پر بھی رأفت اور رحم کر اور ہمارے دل میں ان کے متعلق محبت کے جذبات پیدا فرما تا کہ ہم اپنے پیشرووَں کے نقص نکالنے کی بجائے ان کی خوبیوں کو بیان کرنے کے عادی ہوں۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ [61] کہ کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کی نسبت وہ تمام باتیں نہ چاہے جو وہ اپنی نسبت چاہتا ہے۔غور کرو کتنی وسیع خیر خواہی ہے جس کی اسلام اپنے ماننے والوں کو تعلیم دیتا ہے۔

مغفرت

(۲) امن کے قیام کا دوسرا ذریعہ مغفرت ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے متقی وہ ہوتے ہیں **وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ** جو غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کے گناہوں کو معاف کرتے ہیں اسی طرح فرماتا ہے **خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ** [62] کہ عفو کو اپنی عادت بنالو یہ نہیں ہونا چاہئے کہ تم کبھی کبھار کسی کو معاف کردو بلکہ دوسروں کو معاف کرنا تمہاری عادت میں داخل ہونا چاہئے اور جو نیک اور پسندیدہ باتیں ہیں ان کا لوگوں کو حکم دو اور اگر کوئی تمہیں غصہ دلائے تو اس کے فریب میں نہ آنا بلکہ ایسے جاہلوں سے اعراض کرنا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! انسان دن میں کتنی دفعہ مغفرت کرے؟ آپؐ نے فرمایا: ستّر مرتبہ۔اب ستر سے مراد ستّر ہی نہیں کیونکہ انسان دن بھر میں دو یا چار قصور کرے گا۔ستّر قصور نہیں کرسکتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ستر دفعہ معاف کرو۔ دراصل اس ستّر سے مراد کثرت ہے کیونکہ ستّر یا سات کے معنے عربی زبان میں کثرت کے ہوتے ہیں اسی طرح فرماتا ہے **وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ** [63]

مؤمنوں کو چاہئے وہ عفو کریں، درگزر کی عادت ڈالیں اور اس کا فائدہ یہ بتایا کہ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ بخشے، جب تم چاہتے ہو کہ خدا تمہارے گناہوں کو بخشے تو اے مؤمنو! تم بھی اپنے بھائیوں کے گناہوں کو بخشو، اگر تم اپنے بھائیوں کے گناہوں کو بخشو گے تو خدا تمہارے قصوروں کو معاف کرے گا۔

احسان

(۳) امن کو قائم کرنے کا ایک ذریعہ احسان ہے اسکے متعلق بھی قرآن کریم میں حکم موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ** ۔

کہ مؤمن وہ ہیں جو غصّے کو دباتے ہیں جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور پھر ان پر احسان بھی

کرتے ہیں، اسی طرح فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی [۶۴]

کہ اللہ تعالیٰ عدل، احسان، ایتائے ذی القربیٰ کا حکم دیتا ہے ان تینوں کی مثال میں مَیں ایک واقعہ بیان کر دیتا ہوں جو مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے سنا اور جسے بعد میں مَیں نے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے ایک غلام کو کوئی برتن لانے کے لئے کہا۔ اتفاقاً وہ برتن اُس نے بے احتیاطی سے اُٹھایا اور وہ ٹوٹ گیا، وہ برتن کوئی اعلیٰ قسم کا تھا حضرت امام حسنؓ کو غصہ آیا۔ اس پر اُس غلام نے یہی آیت پڑھ دی اور کہنے لگا وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ کہ مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ اپنے غصہ کو دبالیں۔ حضرت امام حسنؓ نے فرمایا كَظَمْتُ الْغَيْظَ کہ میں نے اپنے غصہ کو دبا لیا اس پر اُس نے آیت کا اگلہ حصہ پڑھ دیا اور کہنے لگا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاس کہ مؤمنوں کو صرف یہی حکم نہیں کہ وہ اپنے غصہ کو دبالیں بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ وہ دوسروں کو معاف کیا کریں۔ حضرت امام حسنؓ فرمانے لگے عَفَوْتُ عَنْكَ جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا اس پر وہ کہنے لگا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اس سے آگے یہ بھی حکم ہے کہ مؤمن احسان کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت محسنوں کو حاصل ہوتی ہے اس پر حضرت امام حسنؓ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔ گویا پہلے انہوں نے اپنے غصہ کو دبایا پھر اپنے دل سے اسے معاف کر دیا اور پھر احسان یہ کیا کہ اسے آزاد کر دیا۔

دین کو دنیا پر مُقدّم رکھنا

(۴) چوتھی بات جس کا امن کے قیام کے ساتھ تعلق ہے وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان کو یہ یقین نہ ہو کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے اُس وقت تک وہ حقیقی قربانی نہیں کر سکتا، کیونکہ کچھ قربانیاں تو ایسی ہیں جن کا دنیا میں بدلہ مل جاتا ہے مگر بیسیوں قربانیاں ایسی ہیں جن کا دنیا میں کوئی بدلہ نہیں ملتا۔ پس حقیقی قربانی بغیر اُخروی زندگی پر یقین رکھنے کے نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے بغیر انسان اپنی قربانی کو ضائع سمجھتا ہے اور چونکہ حقیقی قربانی کے بغیر امن نہیں ہوسکتا اس لئے جب تک اُخروی زندگی پر ایمان نہ ہو اُس وقت تک حقیقی امن دنیا کو نصیب نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قرآن کریم میں توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى [۶۵]

کہ مؤمن تو دین کو دنیا پر مقدم کرتا ہے مگر تم وہ ہو جو دنیا کو دین پر مقدم کر رہے ہو۔ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَ مُوْسٰی [۲۶] پہلے نبیوں کو بھی یہی تعلیم دی گئی کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھو مگر ان کے اَتباع نے اس تعلیم کو بھلا دیا اور دنیا کا امن برباد ہو گیا غرض یہ آٹھوں باتیں جو امن کے قیام کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں مسلمانوں میں پائی جاتی تھیں وہ قیامت پر ایمان رکھتے تھے وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے، وہ محسن تھے، وہ مغفرت سے کام لیتے تھے، وہ خیر خواہ تھے، وہ بدظنی سے بچتے تھے، وہ ظلم کا ارتکاب نہیں کرتے تھے، وہ لالچ سے محفوظ رہتے تھے اور وہ غصے کو اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیتے تھے۔

امامت کے وجود کا ظہور

(۷) ساتویں بات یہ ہے کہ مساجد کے ذریعہ قیامِ امامت کو قوم کے سامنے رکھا جاتا ہے تاکہ یہ سبق بھولے نہیں اور امامِ حقیقی کے وقت کام آئے، دوسرے سابقون کی نیکیاں قوم میں زندہ رکھنے کا خیال رہے۔ درحقیقت جس طرح مسجد، خانہ کعبہ کی یاد کو تازہ رکھتی ہے اس طرح امام نبوت کی یاد کو تازہ رکھتا ہے۔ اب دیکھو اس امر کو بھی مسلمانوں نے تازہ کیا اور مقامِ ابراہیم کو مُصَلّٰی بنایا یعنی امامت کا وجود ظاہر کیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہؓ نے خلافت کو قائم کیا اور امامت کو زندہ رکھا۔

پہلے حضرت ابوبکرؓ، پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ مقامِ ابراہیم پر کھڑے رہے، گویا بالکل مسجد کا نمونہ تھا جس طرح مسجد میں لوگ ایک شخص کو امام بنا لیتے ہیں اس طرح صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہوتے ہی ایک شخص کو اپنا امام بنا لیا۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ گجرات کے ایک دوست نے سنایا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی خبر پھیلی تو ایک مولوی کہنے لگا کہ جماعت احمدیہ انگریزی خوانوں کی جماعت ہے اسے دین کا کچھ پتہ نہیں اب فیصلہ ہو جائیگا کہ مرزا صاحب نبی تھے یا نہیں؟ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے اور تم میں چونکہ انگریزی خوانوں کا غلبہ ہے وہ ضرور انجمن کے ہاتھ میں کام دیدیں گے اور اس طرح ثابت ہو جائے گا کہ مرزا صاحب نبی نہیں تھے۔ دوسرے ہی دن یہاں سے تار چلا گیا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ ہو گئے ہیں یہ خبر جماعت کے دوستوں نے اس مولوی کو بھی جا کر سنا دی۔ وہ کہنے لگا مولوی نورالدین دین سے واقف تھا وہ چالاکی کر گیا ہے اس کے مرنے پر دیکھنا کہ کیا بنتا ہے۔ جب حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے تو اُس وقت وہ ابھی زندہ تھا اور اُس وقت چونکہ یہ شور پیدا ہو چکا تھا کہ بعض لوگ

کہتے ہیں اصل جانشین انجمن ہے اور بعض خلافت کے قائل ہیں اس لئے اُس نے سمجھا کہ اب تو جماعت ضرور ٹھوکر کھا جائے گی۔ چنانچہ اس نے کہنا شروع کر دیا کہ میری بات یاد رکھنا اب ضرور تم نے انجمن کو اپنا مُطاع تسلیم کر لینا ہے مگر معاً یہاں سے میری خلافت کی اطلاع چلی گئی۔ یہ خبر سن کر وہ مولوی کہنے لگا کہ تم لوگ بڑے چالاک ہو۔

خلافت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو قائم رکھتی ہے

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے تو اس لئے کہ مسجد سے اس کی مشابہت ثابت ہو جس طرح مسجد بنائی ہی اسی لئے جاتی ہے تا کہ عبادت میں اتحاد قائم رہے اسی طرح نبیوں کی جماعت قائم ہی اسی لئے کی جاتی ہے تا کہ عبودیت میں اتحاد قائم رہے۔ پس جس طرح مسجد خانۂ کعبہ کی یاد کو قائم رکھتی ہے اسی طرح خلافت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو قائم رکھتی ہے یہی وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا تھا کہ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ ایک خانۂ خدا قائم کر دیا گیا ہے اب تم بھی ابراہیمی طریق پر زندگی بسر کرو اور اس کی رُوح کو زندہ رکھو۔

مقامِ ابراہیمی کو مصلّٰی بنانے کا مفہوم

مقامِ ابراہیم کو مصلّٰی بنانے کے یہ معنے نہیں کہ ہر شخص ان کے مصلّٰی پر جا کر کھڑا ہو یہ تو قطعی طور پر ناممکن ہے اگر اس سے یہی مراد ہوتی کہ مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھو تو اوّل تو یہی جھگڑا رہتا کہ حضرت ابراہیم نے یہاں نماز پڑھی تھی یا وہاں اور اگر بالفرض یہ پتہ یقینی طور پر بھی لگ جاتا کہ انہوں نے کہاں نماز پڑھی تھی تو بھی ساری دنیا کے مسلمان وہاں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ صرف حج میں ایک لاکھ کے قریب حاجی شامل ہوتے ہیں، اگر حنفیوں کی طرح نماز میں مُرغ کی طرح ٹھونگیں ماری جائیں تب بھی ایک شخص کی نماز پر دو منٹ صرف ہونگے اس کے معنے یہ ہوئے کہ ایک گھنٹہ میں تیس اور چوبیس گھنٹے میں سات سَو بیس آدمی وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں اب بتاؤ کہ باقی جو ۹۹ ہزار ۲۸۰ رہ جائیں گے وہ کیا کریں گے اور باقی مُسلم دنیا کے لئے تو کوئی صورت ہی ناممکن ہوگی۔ پس اگر اس حُکم کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر ایسی صورت میں فسادات کا بھی احتمال رہتا ہے بلکہ ایک دفعہ تو محض اس جھگڑے کی وجہ سے مکہ میں ایک قتل بھی ہو گیا تھا پس اس آیت کے یہ معنے نہیں بلکہ جیسا کہ میں

بتا چکا ہوں اس میں اللہ تعالیٰ نے امامت کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہدایت دی ہے کہ تمہارا ایک امام ہو تا کہ اس طرح سنتِ ابراہیمی پوری ہوتی رہے، درحقیقت آیت اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ- وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی [۶۷]

میں دو اماموں کا ذکر کیا گیا ہے پہلے فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تجھے امام یعنی نبی بنانے والا ہوں۔ اس پر حضرت ابراہیم نے عرض کیا وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ میری ذریت کو بھی نبی بنا، کیونکہ اگر مَیں مر گیا تو کام کس طرح چلے گا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بات غلط ہے، تمہاری اولاد میں سے تو بعض زمانوں میں ظالم ہی ظالم ہونے والے ہیں، یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان ظالموں کے سپرد یہ کام کیا جائے۔ ہاں ہم تمہاری اولاد کو یہ حکم دیتے ہیں کہ سنّتِ ابراہیمی کو قائم رکھیں جو لوگ ایسا کریں گے ہم ان میں سے امام بناتے جائینگے۔ اس طرح ابراہیم ان میں زندہ رہے گا اور وہ خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ انعامات سے حصہ لیتے چلے جائیں گے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو اماموں کا ذکر کیا ہے، ایک امامتِ نبوت جو خدا تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست ملتی ہے اور دوسری امامتِ خلافت جس میں بندوں کا بھی دخل ہوتا ہے اور جس کی طرف وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی اس میں کسب کا دخل ہے پس تم اس کے لئے کوشش کرتے رہو۔ غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو یہ ہدایت کی ہے کہ جب امامتِ نبوت نہ ہو تو امامتِ خلافت کو قائم کر لیا کرو، ورنہ اگر ظاہری معنے لئے جائیں تو اِس حُکم پر کوئی عمل نہیں کر سکتا۔

اسلام میں مہمان نوازی پر خاص زور

(۸) آٹھویں بات یہ ہے کہ مساجد مسافروں کے لئے بنائی جاتی ہیں یہ خوبی بھی اسلام اور مسلمانوں میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ شریعتِ اسلامی میں مسافروں کی مہمان نوازی کا شدید حُکم ہے خود قرآن کریم نے اِبْنُ السَّبِیْل کی خدمت کو خاص احکام میں شامل کیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی احادیث میں مسلمانوں کو مہمان نوازی کی بار بار تلقین کی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اس حُکم پر اس طرح عمل کیا جاتا تھا کہ جو مسافر آتے وہ مسجد میں آ کر ٹھہر جاتے اور روزانہ یہ اعلان کر دیا جاتا کہ آج مسجد میں اِس قدر مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں جس جس کو توفیق ہو وہ انہیں اپنے گھروں میں لے جائے اور ان کی

مہمانی کرے۔ ایک دفعہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا مسجد میں ایک مہمان آ گیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی طرف دیکھ کر فرمایا کیا اس مہمان کو اپنے گھر لے جا سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔ چنانچہ وہ اسے لیکر گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے سپرد آج ایک مہمان کیا ہے کیا گھر میں کچھ کھانے کے لئے موجود ہے؟ اس نے کہا کہ بس ایک آدمی کا کھانا ہے میری تو یہ خواہش تھی کہ آج میں اور تم دونوں فاقہ کرتے اور کھانا بچوں کو کھلا دیتے مگر اب چونکہ مہمان آ گیا ہے اس لئے اب کھانا مہمان کو کھلا دیتے ہیں اور بچوں کو کسی طرح تھپکا کر مَیں سُلا دیتی ہوں۔ صحابی نے کہا یہ تو ہو جائے گا مگر ایک بڑی مشکل ہے۔ بیوی نے پوچھا وہ کیا؟ خاوند کہنے لگا جب یہ کھانا کھانے بیٹھا تو اصرار کرے گا کہ ہم بھی اس کے ساتھ کھانا کھائیں پھر ہم کیا کریں گے؟ (اُس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہؤا تھا) بیوی کہنے لگی کہ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے اور وہ یہ کہ جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تو میں اور تم دونوں اس کے ساتھ بیٹھ جائیں گے اُس وقت تم مجھے کہنا کہ روشنی کم ہے فتیلہ ذرا اوپر کر دو۔ اور میں روشنی کو تیز کرنے کے بہانے سے اُٹھوں گی اور چراغ کو بُجھا دونگی تا کہ اندھیرا ہو جائے اور وہ دیکھ نہ سکے کہ ہم اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ دستر خوان بچھا تو خاوند کہنے لگا روشنی کچھ کم ہے ذرا اونچی کر دو۔ بیوی اُٹھی اور اُس نے چراغ کو بُجھا دیا۔ جب اندھیرا ہو گیا تو خاوند کہنے لگا آگ سُلگاؤ اور چراغ روشن کرو۔ بیوی نے کہا آگ تو ہے نہیں، اُس نے کہا ہمسایہ سے مانگ لو اس نے کہا اِس وقت ہمسائے کو کون جا کر تکلیف دے بہتر ہے کہ اسی طرح کھا لیا جائے۔ مہمان بھی کہنے لگا اگر اندھیرا ہو گیا ہے تو کیا حرج ہے اسی طرح کھانا کھائیں گے۔ چنانچہ اندھیرے میں ہی میاں بیوی اس کے قریب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھانا شروع کر دیا، خاوند اور بیوی دونوں نے چونکہ مشورہ کیا ہؤا تھا اس لئے مہمان تو کھاتا رہا اور وہ دونوں خالی منہ ہلاتے رہے اور یہ ظاہر کرتے رہے کہ گویا وہ بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ خیر کھانا ختم ہؤا اور مہمان چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان دونوں میاں بیوی کی یہ بات ایسی پسند آئی کہ رات کو اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دیدی۔ جب صبح ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا لوگو! کچھ پتہ بھی ہے کہ رات کو کیا ہؤا؟ صحابہؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہمیں تو معلوم نہیں اس پر آپؐ نے یہ تمام واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ جب میاں

بیوی دونوں اندھیرے میں بیٹھے خالی منہ ہلا رہے تھے تو اُس وقت اللہ تعالیٰ ان کی اس حرکت پر عرش پر ہنسا، پھر آپؐ نے ہنستے ہوئے فرمایا جب اس بات پر اللہ تعالیٰ ہنسا ہے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہ ہنسے۔[۶۸] اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ صحابہ مہمان نوازی کو کس قدر اہم قرار دیتے تھے اور کس طرح مسجدوں کی طرح ان کے گھر کے دروازے مہمانوں کے لئے کھلے رہتے تھے۔ اسی طرح ایک واقعہ ہم نے بچپن میں اپنے کورس میں پڑھا تھا بعد میں اس کا پڑھنا کسی بڑی کتاب میں یاد نہیں۔ وہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا جو بڑا ہی خبیث الفطرت تھا۔ رات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سونے کے لئے بستر دیا، تو اُس نے دشمنی اور عداوت کی وجہ سے اس بستر میں پاخانہ پھر دیا اور علی الصبح اُٹھ کر چلا گیا مگر جاتے ہوئے وہ اپنی کوئی چیز بھول گیا۔ جب صبح ہوئی تو کسی خادمہ نے دیکھ لیا اور وہ غصہ میں آ کر اُس یہودی کو گالیاں دینے لگ گئی۔ اتفاقاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اُس کی آواز کو سن لیا اور جب دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ وہ یہودی بستر میں پاخانہ پھر کر چلا گیا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی لاؤ میں خود دھو دیتا ہوں چنانچہ وہ پانی لائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں یہودی اپنی بھولی ہوئی چیز لینے کے لئے آ گیا۔ جب وہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بستر کو دھو رہے ہیں اور اُس خادمہ سے کہہ رہے ہیں کہ چُپ چُپ گالیاں مت دو۔ اگر یہ بات پھیل گئی تو وہ شخص شرمندہ ہوگا۔ اس بات کا اس یہودی کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ تو ضیافت میں مسلمانوں نے کمال کر دکھایا تھا اور مسلمانوں کے گھر مسجدیں بن گئے تھے جس طرح مسجد میں مہمان آ کر ٹھہرتے ہیں اسی طرح ان کے دروازے ہر وقت مسلمانوں کیلئے کھلے رہتے۔ اسی بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر قصبہ پر تین دن کی ضیافت فرض ہے اور اگر کسی گاؤں کے رہنے والے اس فرض کو ادا نہ کریں تو اُن سے تین دن تک زبردستی دعوت لینے کی اجازت ہے[۶۹] بلکہ اس حکم کا مسلمانوں پر اتنا اثر تھا کہ ایک صوفی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کماتے نہیں تھے ایک دفعہ کسی دوسرے بزرگ نے انہیں نصیحت کی کہ یہ عادت ٹھیک نہیں۔ ساری دنیا کماتی ہے آپ کو بھی رزق کے لئے کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ مہمان اگر اپنی روٹی خود پکائے تو اس میں میزبان کی ہتک ہوتی ہے۔ میں خدا کا مہمان ہوں اگر خود کمانے کی

کوشش کروں تو اس سے خدا ناراض ہوگا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے آپ خدا کے مہمان ہوں گے مگر آپ کو معلوم ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہمانی صرف تین دن ہوتی ہے وہ کہنے لگے یہ تو مجھے معلوم ہے مگر میرے خدا کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جس دن تین ہزار سال ختم ہو جائیں گے اُس دن میں بھی اس کی مہمانی چھوڑ دونگا۔

ذکرِ الٰہی اور دین کے لئے قربانی کرنے والوں کا جتھّا

(۹) نویں بات یہ ہے کہ مساجد کا ایک فائدہ شہریوں کے لئے ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وَالْعٰکِفِیْنَ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسری جگہ قَآئِمِیْنَ کا لفظ آتا ہے اور ان ہر دو کے مفہوم میں شہری ہی داخل ہیں اور شہریوں کو مسجد سے پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ وہاں ہر قسم کے شور و شغب سے محفوظ ہو کر ذکرِ الٰہی کرتے اور عبادتِ الٰہی بجالاتے ہیں اور یہی کام سب انبیاء کی جماعتیں کرتی ہیں ایک جتھّا ذکرِ الٰہی کے لئے بن جاتا ہے اور وہ عبادت کے معاملہ میں ایک دوسرے سے تعاون کرتا ہے جو اکیلے اکیلے انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں میں بھی یہی طریق رائج تھا بعض بعض کو پڑھاتے تھے اور بعض دوسروں کو لوگوں کے ظلموں سے بچاتے تھے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے بہت سے غلام آزاد کئے اگر وہ لوگ متفرق ہوتے تو یہ فائدہ نہ ہوسکتا۔

قومی ترقی کیلئے اجتماعی کاموں کی تلقین

(ب) مساجد کا شہریوں کو دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اجتماعی عبادت کا کام دیتی ہیں۔ یہ کام بھی انبیاء کی جماعت کا ہوتا ہے اور مسلمانوں نے کِیا۔ مثلاً وہ چندے جمع کر کے غرباء کی خدمت کرتے، اکٹھے ہو کر جہاد کرتے، اسی طرح قوم کی ترقی کے لئے اقتصادی اور علمی کام سرانجام دیتے۔

امر بِالمعروف اور نہی عَنِ الْمُنکر کا فریضہ سرانجام دینے والا گروہ

(۱۰) دسواں کام مساجد کا یہ بتایا کہ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ یعنی مساجد میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے وقف ہوتے ہیں مسلمانوں نے یہ نمونہ بھی دکھایا چنانچہ قرآن کریم میں حکم ہے وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[۷]

کہ تم میں ایک ایسی امت ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے انہیں نیک باتوں کا حکم دے اور انہیں بُری باتوں سے روکے، یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ اس حکم کے مطابق مسلمانوں میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی تھی جن کا دن رات یہی کام تھا مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ بن مالک وغیرہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اس غرض کے لئے وقف کر دی تھیں اور ان لوگوں کا کام صبح و شام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علمِ دین سیکھنا اور اسے لوگوں تک پہنچانا تھا۔ ان کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جو گو کچھ دُنیوی کام بھی کرتے تھے مگر اکثر وقت اسی کام میں لگے رہتے تھے ان میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ رضوان اللہ علیہم شامل تھے۔ ان لوگوں نے ایسے کٹھن اور صبر آزما حالات میں یہ کام کیا ہے کہ ان کی زندگی کے واقعات پڑھ کر رونا آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی دین کیلئے فاقہ کشی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری چھ سالوں میں داخلِ اسلام ہوا تھا اور چونکہ اسلام پر کئی سال گزر چکے تھے اس لئے میں نے دل میں تہیہ کر لیا کہ اب میں ہر وقت مسجد میں بیٹھا رہوں گا تا کہ جب بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات فرمائیں میں فوراً سن لوں اور اُسے دوسرے لوگوں تک پہنچا دوں۔ چنانچہ انہوں نے مسجد میں ڈیرہ لگا لیا اور ہر وقت وہیں بیٹھے رہتے۔ ان کا بھائی انہیں کبھی کبھی کھانا بھجوا دیتا لیکن اکثر انہیں فاقے سے رہنا پڑتا۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ بعض دفعہ کئی کئی دن کا فاقہ ہو جاتا اور شدتِ بھوک کی وجہ سے میں بے ہوش ہو جاتا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ مجھے مرگی کا دورہ ہو گیا ہے اور وہ میرے سر میں جُوتیاں مارنے لگ جاتے کیونکہ عرب میں اُن دنوں مرگی کا علاج یہ سمجھا جاتا تھا کہ آدمی کے سر پر جُوتیاں ماری جائیں۔ غرض میں تو بھوک کے مارے بیہوش ہوتا اور وہ مجھے مرگی زدہ سمجھ کر میرے سر پر تڑاتڑ جُوتے مارتے چلے جاتے۔ کہتے ہیں اسی طرح ایک دفعہ میں مسجد میں بھوکا بیٹھا تھا اور حیران تھا کہ اب کیا کروں مانگ میں نہیں سکتا تھا کیونکہ مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی تھی اور حالت یہ تھی کہ کئی دن سے روٹی کا ایک لُقمہ تک پیٹ میں نہیں گیا تھا۔ آخر مَیں مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا کہ شاید کوئی مسلمان گزرے اور میری حالت کو دیکھ کر اسے خود ہی خیال آجائے اور وہ کھانا بھجوا دے۔ اتنے میں مَیں نے

دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ چلے آرہے ہیں۔ میں نے اُن کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھ دی جس میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کا ذکر آتا ہے اور میں نے کہا کہ اس کے معنے کیا ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے اُس آیت کی تفسیر بیان کی اور آگے چل پڑے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے کیا تفسیر کم آتی ہے کہ یہ مجھے اس کی تفسیر بتانے لگے ہیں۔ خیر وہ گئے تو حضرت عمرؓ آ گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ بڑا زیرک انسان ہے یہ ضرور میرے مقصد کو سمجھ لے گا چنانچہ میں نے ان کے سامنے بھی قرآن کی وہی آیت پڑھ دی اور کہا کہ اس کے معنے کیا ہیں؟ انہوں نے بھی اُس آیت کی تفسیر کی اور آگے چل پڑے۔ مجھے پھر غصہ آیا کہ کیا عمرؓ مجھ سے زیادہ قرآن جانتے ہیں؟ میں نے تو اس لئے معنے پوچھے تھے کہ انہیں میری حالت کا احساس ہو مگر یہ ہیں کہ معنے کر کے آگے چل دیئے۔ جب حضرت عمرؓ بھی چلے گئے تو میں سخت حیران ہؤا کہ اب کیا کروں؟ اتنے میں میرے کانوں میں ایک نہایت ہی شیریں آواز آئی کہ ابو ہریرہؓ کیا بھوک لگی ہے؟ میں نے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، پھر آپ نے فرمایا، ادھر آؤ ہمیں بھی آج فاقہ تھا مگر ابھی ایک مسلمان نے دودھ کا پیالہ تحفہ بھیجا ہے پھر آپ نے فرمایا مسجد میں نظر ڈالو، اگر کوئی اور شخص بھی بھوکا بیٹھا ہو تو اسے بھی اپنے ساتھ لے آؤ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں مسجد میں گیا تو ایک نہ دو بلکہ اکٹھے چھ آدمی میرے ساتھ نکل آئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج شامت آئی۔ دودھ کا پیالہ تو مجھ اکیلے کیلئے بھی بمشکل کفایت کرتا مگر اب تو کچھ بھی نہیں بچے گا۔ بھلا جہاں سات آدمی دودھ پینے والے ہوں وہاں کیا بچ سکتا ہے مگر خیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حُکم تھا میں ان کو اپنے ہمراہ لیکر کھڑکی کے پاس پہنچا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ کا پیالہ بجائے مجھے دینے کے اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں دیدیا۔ میں نے کہا بس اب خیر نہیں، اس نے دودھ چھوڑنا نہیں اور میں بھوکا رہ جاؤں گا۔ خیر اس نے کچھ دودھ پیا اور پھر چھوڑ دیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ شکر ہے کچھ تو دودھ بچا ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دودھ دینے کی بجائے ایک دوسرے شخص کو پیالہ دیا کہ اب تم پیو۔ جب وہ بھی سیر ہو کر پی چکا تو میں نے کہا اب تو میری باری آئے گی اور میں اس بات کا منتظر تھا کہ اب پیالہ مجھے دیا جائیگا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پیالہ لے کر ایک اور شخص کو دیدیا اور میں نے سمجھا کہ بس اب خیر نہیں، اب تو دودھ کا بچنا بہت ہی مشکل ہے مگر اس کے پینے کے

بعد بھی دودھ بچ رہا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور کو پیالہ دیدیا پھر اس کے بعد ایک اور کو دیدیا۔ اسی طرح چھ آدمی جو میرے ساتھ آئے تھے سب کو باری باری دیا اور آخر میں مجھے دیا اور فرمایا ابوہریرہ اب تم دودھ پیو۔

(میں ضمناً یہ ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے معجزات کوئی خیالی باتیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء وصلحاء کو ایسے نشانات بھی دیتا ہے تا کہ ماننے والے اپنے یقین اور ایمان میں ترقی کریں مگر یہ نشانات صرف مؤمنوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں تا کہ ایمان میں غیب کا پہلو قائم رہے) غرض حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے پیالہ لیا اور دودھ پینا شروع کر دیا اور اس قدر پیا اس قدر پیا کہ میری طبیعت بالکل سیر ہوگئی اور میں نے پیالہ رکھدیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ! اور پیو۔ میں نے پھر کچھ دودھ پیا اور پیالہ رکھدیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ! اور پیو۔ میں نے اس پر پھر دودھ پینا شروع کر دیا یہاں تک کہ مجھے یوں محسوس ہؤا کہ دودھ کی تراوت میرے ناخنوں تک پہنچ گئی ہے، آخر میں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اب تو بالکل نہیں پیا جاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور آپ نے پیالہ لے کر بقیہ دودھ خود پی لیا۔ [1]

غرض صحابہؓ کی قربانی کا یہ حال تھا کہ وہ بعض دفعہ فاقوں پر فاقے کرتے مگر مسجد میں بیٹھے رہتے تا کہ ایسا نہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات فرمائیں اور وہ اسے سننے اور لوگوں تک پہنچانے سے محروم رہ جائیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اُنہیں ہمیشہ فاقے آتے تھے کیونکہ مسلمان انہیں کھلاتے بھی رہتے تھے اور بعض صحابہ کے گھروں سے تو انہیں باری باری کھانا آتا تھا البتہ کبھی کبھی انہیں فاقہ بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت ہر جمعرات یا جمعہ کو انہیں چقندر پکا کر بھیجتی تھی اس طرح کسی دن کوئی صحابی کھانا بھجوا دیتا اور کسی دن کوئی۔ جب وہ عورت فوت ہوگئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ ہؤا۔ چند دن کے بعد آپؐ نے دریافت فرمایا کہ فلاں عورت کئی دنوں سے دیکھی نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ تو فوت ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ وہ تو اصحاب الصفہ کو چقندر کھلایا کرتی تھی اگر تم مجھے بتاتے تو میں خود اس کا جنازہ پڑھاتا۔ [2]

غرض صحابہؓ نے وہ سب کام کر کے دکھائے جو مسجد سے مقصود ہوتے ہیں وہ عبادت کے محافظ تھے، وہ عابدوں کے جمع کرنے والے تھے، وہ شر سے بچانے والے تھے، وہ امن کو قائم

کرنے والے تھے، وہ امامت کو زندہ رکھنے والے تھے وہ مسافروں کے لئے ملجاء، وہ متوطنوں کے لئے ماْوٰی، وہ واقفینِ زندگی کے لئے جائے پناہ تھے۔ ان کے مقابل پر یہ شاہی مسجد اور مکہ مسجد اور جامع مسجد اور موتی مسجد بھلا کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ اس روحانی مسجد نے ایک گھنٹہ میں جو ذکرِ الٰہی کا نمونہ دکھایا وہ ان مساجد میں صدیوں میں بھی ظاہر نہ ہؤا۔ مگر افسوس کہ لوگ ان پتھر اور اینٹ کی مسجدوں کو دیکھتے اور ان کے بنانے والوں کی ہمت پر واہ واہ کرتے ہیں، لیکن قرآن، حدیث اور تاریخ کے صفحات پر سے اُس عظیم الشان مسجد کو نہیں دیکھتے جس کا بنانے والا دنیا کا سب سے بڑا انجینئر محمدؐ نامی تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جس مسجد کی بناء سرخ و سفید پتھروں سے نہیں بلکہ مقدس سینوں میں لٹکے ہوئے پاکیزہ موتیوں سے تھی۔ یہی وہ مسجد ہے جس کو دیکھ کر ہر عقلمند اور شریف انسان جس کے اندر جذباتِ شکر اور احسان مندی پائے جاتے ہوں بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ**

(۵) مادی قلعے کے مقابلہ میں قرآنی قلعہ

ایک بات میں نے یہ بیان کی تھی کہ میں نے اس سفر میں کئی قلعے دیکھے چنانچہ گولکنڈہ کا قلعہ دیکھا، فتح پور سیکری کا قلعہ دیکھا، اسی طرح دہلی کے کئی قلعے دیکھے اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ:-

(۱) ان قلعوں کے ذریعہ سے کیسے کیسے حفاظت کے سامان پیدا کئے گئے ہیں۔

(۲) اور پھر ساتھ ہی میں نے اپنے دل میں کہا کہ کس طرح یہ حفاظت کے سامان خود مٹ گئے ہیں اور ان کو بنانے والا اب کوئی نہیں کیونکہ ان حکومتوں کا نام لیوا کوئی نہیں رہا، بلکہ اب تو بہت سے قلعوں میں جانور آزادانہ پھرتے ہیں اور گوبر سے ان کے صحن اَٹے ہوئے ہیں۔ بہت سے قلعوں میں گوجروں نے گھر بنا رکھے ہیں کیونکہ انہیں شہر کے باہر مکان چاہئیں اور یہ قلعے ان کے کام خوب آتے ہیں۔ کئی قلعے جو کسی حد تک محفوظ ہیں اب ان حکومتوں کے دشمنوں کے ہاتھوں میں ہیں جنھوں نے وہ قلعے بنائے تھے۔ ان بادشاہوں کی اولاد کو تو ان قلعوں میں جانے کی اجازت نہیں، لیکن ان کے دشمن ان میں اکڑتے پھرتے ہیں اور اپنی حکومت کے

گھمنڈ میں ان کی گردنیں لقّا کبوتروں کی طرح اینٹھی ہوئی ہیں۔ دلّی کا قلعہ جس میں داخل ہوتے ہوئے ہندو راجے بھی سات سات دفعہ جُھک کر سلام کرتے تھے اب بقّالوں اور بنیوں کے قبضہ میں ہے اس سے پہلے سمندر پار کے انگریزوں کے قبضہ میں تھا اور اس کے بنانے والے مغل بادشاہوں کے کئی شاہزادے اس کے سامنے مشکیزوں سے پانی پلا کر پیسے کماتے ہیں اور بے چھنے آٹے کی روٹی سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں ان میں اکڑ کر چلنے والے بادشاہوں کی روحیں آج اپنی اولادوں کی اس بیکسی کو دیکھ کر کس طرح بے تاب ہو رہی ہونگی۔

ان قلعوں کو بنانے والوں نے تو یہ قلعے اس لئے بنائے تھے کہ یہ ہماری حفاظت کریں گے مگر یہ قلعے بھی مٹ گئے اور ان کو بنانے والے بھی کوئی نہ رہے پس میں نے سوچا کہ ان قلعوں کو ان بادشاہوں نے کیوں بنایا تھا؟ اور پھر خود ہی میرے دل نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ اس لئے کہ دشمن اُن کے ملک پر حملہ نہ کر سکے اور ان کی رعایا دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہے مگر میں نے دیکھا کہ باوجود ان قلعوں کے دشمن غالب آتا رہا اور ان قلعوں کی دیواروں کو توڑ کر اندر داخل ہوتا رہا۔ گولکنڈہ کا قلعہ بڑی اعلیٰ جگہ پر ہے آخر اورنگ زیب نے اسے فتح کر ہی لیا۔ اسی طرح دہلی اور آگرہ کے قلعے مغلوں نے بنائے اور انگریزوں نے ان کو توڑ دیا اور اب وہ ہندوؤں کے ہاتھ میں ہیں۔ پس میں نے سوچا کہ کیا کوئی ایسا قلعہ بھی ہے جسے عالمِ روحانی میں قلعہ کا مقام دیا گیا ہو اور جو اِن شاندار قلعوں سے زیادہ مضبوط اور پائیدار ہونے کا مدعی ہو۔

قلعے کیوں بنائے جاتے ہیں؟

مگر میں نے اس تلاش سے پہلے یہ غور کرنا ضروری سمجھا کہ قلعے کیوں بنائے جاتے ہیں اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ تین باتوں کے لئے۔

اوّل۔ قلعے اس لئے بنائے جاتے ہیں تا کہ ملک کے لئے وہ نقطۂ مرکزی ہو جائیں اور فوج وہاں جمع ہو کر اپنے نظام کو مضبوط کر سکے اور اطمینان سے ملکی ضرورتوں کے متعلق غور کر سکے۔

دوم۔ قلعے اس لئے بنائے جاتے ہیں تا کہ غیر پسندیدہ عناصر اندر نہ آ سکیں اور جس کو روکنا چاہیں اس قلعہ کی فصیلیں روک دیں اور اندر امن رہے۔

سوم۔ قلعے اس لئے بنائے جاتے ہیں تا کہ اردگرد کے علاقہ کی حفاظت کر کے امن قائم رکھیں چنانچہ قلعوں پر توپیں لگا دی جاتی ہیں یا پُرانے زمانہ میں منجنیقیں لگا دی جاتی تھیں اور ان سے صرف قلعہ ہی کی نہیں بلکہ اردگرد کے علاقہ کی بھی حفاظت ہوتی تھی مگر یہ سب تدبیریں یا

تو ناقص ثابت ہوتیں یا پھر ایک وقت تک کام دیتی تھیں۔ اس کے بعد یہ قلعے صرف اپنے بنانے والوں کی یاد تازہ کر کے زائرین کے لئے لاچار آنسو بہانے کا موجب ہوتے تھے۔ ان قلعوں کو دیکھ کر کہ آیا ان عبرت پیدا کرنے والے قلعوں کے مقابلہ میں کوئی خدائی قلعہ بھی ہے جو ان اغراض کو بھی پورا کرتا ہو جن کے لئے یہ قلعے بنائے جاتے تھے اور پھر امتدادِ زمانہ سے پیدا ہونے والی بلاؤں سے بھی محفوظ ہو؟ غور کرنے پر مجھے معلوم ہؤا کہ ایک روحانی قلعہ کا ذکر قرآن میں ہے جسے خدا تعالیٰ نے انہی اغراض کے لئے بنایا جن کے لئے قلعے بنائے جاتے تھے اور اسے ایسا مضبوط بنایا کہ کوئی غنیم اسے فتح نہیں کر سکتا اور جو سب دوسرے قلعوں پر غالب آجاتا ہے اور قیامت تک اسی طرح کھڑا رہے گا جس طرح کہ وہ ابتداء میں تھا اور کبھی بھی کسی دشمن کے ہاتھ میں اس طرح نہیں آئے گا کہ اپنے بنانے والے کی غرض کو پورا نہ کر سکے۔

بیت اللہ کی اہم اغراض

قرآن کریم میں اس قلعہ کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْناً وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَآ اِلَى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ٥ وَاِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلاً ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ [۴۳] ٥

اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو مَثَابَہ بنایا۔ مَثَابَہ کے معنے ہیں مجتمع الناس [۴۴] یعنی لوگوں کے لئے جمع ہونے کا مقام۔ اسی طرح مَثَابَہ کے ایک معنی لغت میں کنویں کی منڈیر کے بھی آتے ہیں۔ [۴۵] گویا جس طرح قلعہ اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ فوج وہاں جمع ہو کر اپنے نظام کو مضبوط کر سکے اسی طرح خدا نے بیت اللہ کو لوگوں کے جمع ہونے کا مقام بنایا۔ اور جس طرح قلعہ کی یہ غرض ہوتی ہے کہ ناپسندیدہ عناصر اندر نہ آسکیں اسی طرح بیت اللہ کو خدا نے منڈیر بنایا تاکہ غیر پسندیدہ عناصر اس سے دُور رہیں۔ پھر قلعہ کی تیسری غرض اردگرد کے علاقہ کی حفاظت کر کے امن قائم رکھنا ہوتی ہے یہ غرض بھی بیت اللہ میں پائی جاتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اَمْنًا کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ اسے قیامِ امن کے لئے بنایا گیا ہے گویا بیت اللہ نظام کے قیام کا مرکز بھی ہے غیر پسندیدہ عناصر کے دُور رکھنے کا ذریعہ بھی ہے اور دنیا کے امن کے قیام کا سبب بھی ہے۔

پھر میں نے اور غور کیا تو مجھے قرآن کریم میں ایک یہ آیت نظر آئی کہ جَعَلَ اللّٰہُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ [٦]

کہ ہم نے کعبہ کو جو خدا تعالیٰ کا بنایا ہؤا محفوظ گھر ہے قِيَامًا لِّلنَّاسِ بنایا ہے۔ قیام کے معنی نظام یا ستون کے ہوتے ہیں [٧] اور ان تمام چیزوں کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے کوئی چیز اپنی اصل حالت پر رہے اور قیام کے معنے خبر گیر اور نگران اور انتظام کرنے کے بھی ہوتے ہیں [٨] پس قِيَامًا لِّلنَّاسِ کے معنے ہوئے کہ کعبہ انسانوں کے نظام کو درست رکھنے کے لئے اور ان کی محبت کو قائم رکھنے کے لئے اور ان کی حالت کو درست اور ٹھیک رکھنے کے لئے اور ان کی خبر گیری اور نگرانی کے لئے بنایا گیا ہے۔ جب میں نے یہ آیت پڑھی تو میں نے کہا کہ یہ وہ چیز ہے جو قلعہ کے مشابہ ہے کیونکہ اس کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ:-

(۱) لوگ اس میں جمع ہوں اور تمدنِ انسانی ترقی کرے۔

(۲) وہ بنی نوع انسان کو بیرونی ناجائز دخل اندازی سے محفوظ رکھے۔

(۳) دنیا کے امن کا ذریعہ ہو اور اس کی توپوں سے اردگرد کے علاقوں کی بھی حفاظت کی جائے۔

(۴) اس کے ذریعہ سے انسانی تمدن کی چھت کو گرنے سے بچایا جائے۔

(۵) اس کے ذریعہ سے انسانی صحیح نظام کو درست رکھا جائے۔

(۶) اس کے ذریعہ سے انسان کی خبر گیری کی جائے اور مصیبتوں سے اسے بچایا جائے۔

اعلیٰ درجہ کے قلعوں کی گیارہ خصوصیات

پیشتر اس کے کہ میں یہ دیکھتا کہ آیا یہ کام اس قلعہ کے پورے ہوئے ہیں یا نہیں میں نے کہا آؤ مَیں مقابلہ کروں کہ لوگ قلعے کِن جگہوں پر بناتے ہیں اور کِن امور کو اُن کے بنانے میں مدنظر رکھتے ہیں تا کہ میں فیصلہ کرسکوں کہ آیا یہ قلعہ ان امور کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا ہے اور ظاہری سامانوں کے لحاظ سے قلعہ کی اغراض کو پورا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے یا نہیں؟ جب میں نے سوچا اور دنیا کے مشہور قلعوں کی تاریخ پر غور کیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ اچھے قلعوں کی تعمیر میں مندرجۂ ذیل امور کا خیال رکھا جاتا ہے۔

(۱) قلعے ایسی جگہ بنائے جاتے ہیں جہاں پانی کا بافراغت انتظام ہوتا کہ اگر کبھی محاصرہ ہو جائے تو لوگ پیاسے نہ مر جائیں۔

(۲) دوسری بات میں نے یہ دیکھی کہ جہاں نہر، دریا یا سمندر ہو وہیں قلعے بنائے جاتے ہیں

چنانچہ فتح پور سیکری کا قلعہ موسیٰ ندی کے پاس ہے۔ اسی طرح دلّی کا قلعہ جمنا کے کنارے واقعہ ہے پس قلعے بِالعموم یا تو سمندر کے کنارے بنائے جاتے ہیں یا دریاؤں اور نہروں کے پاس بنائے جاتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تو نہانے دھونے کی ضرورت باآسانی پوری ہوسکتی ہے۔ دوسرے جانوروں کے لئے بھی بافراغت پانی میسّر آ سکتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں محاصرہ مکمل نہیں ہوسکتا کیونکہ کشتیوں کے ذریعہ انسان باہر نکل سکتا ہے اسی طرح رسد وغیرہ قلعہ والوں کو دریا کے رستے پہنچ سکتی ہے۔ پھر اس ذریعہ سے آگ بُجھائی جاسکتی ہے۔ خندقیں پُر کی جاسکتی ہیں اور ذرائع رَسل و رسائل کُھلے رہ سکتے ہیں۔

(۳) تیسری بات میں نے یہ دیکھی کہ لوگ قلعہ بناتے وقت اس امر کا خیال رکھتے ہیں کہ علاقہ ایسا ہو کہ اُس میں خوراک کے ذخائر کافی ہوں اور کافی مقدار میں غلّہ پیدا ہو سکے تا محصور ہونے کی صورت میں فوج خوراک کے ذخائر جمع کر سکے۔

(۴) چوتھے قلعہ بِالعموم ایسی جگہ بنایا جاتا ہے جس کے اردگرد یا جس کے پاس جنگل ہوں جہاں سے ایندھن کافی جمع ہو سکے اور دشمن پر حملہ کرنے میں سہولت ہو چنانچہ گوریلا وار یا جنگِ چھاپاول جنگلوں میں بڑی آسانی سے کی جاسکتی ہے اسی لئے عام طور پر قلعے جنگلوں کے قریب بنائے جاتے ہیں تا کہ تھوڑی فوج بھی بڑے غنیموں کو دِق کر سکے۔

(۵) پانچویں اگر پہاڑی علاقہ ہو تو قلعہ ہمیشہ اونچی جگہ پر بنایا جاتا ہے تا کہ سب طرف نگاہ پڑ سکے اور دشمن تو حملہ نہ کر سکے مگر خود آسانی سے حملہ کیا جا سکے۔

(۶) چھٹے قلعہ کی تعمیر نہایت اعلیٰ درجہ کے چونہ اور پتھروں سے کی جاتی ہے تا کہ اگر دشمن اس پر گولے برسائے یا کسی اور طرح حملہ کرے تو اس کی دیواروں کو ضُعف نہ پہنچے۔

(۷) ساتویں قلعہ کی تعمیر اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ شہر کی حفاظت کر سکے اور اس کی فصیلیں شہر کے گرد پھیلتی جائیں۔

(۸) آٹھویں اس کی طرف آنے والے راستے ایسے رکھے جاتے ہیں جن کو ضرورت پر آسانی سے بند کیا جا سکتا ہو مثلاً تنگ وادیوں میں سے راستے گزریں تا کہ چند آدمی ہی دشمن کو قلعہ سے دُور رکھ سکیں۔

(۹) نویں قلعوں میں یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ اس کے گرداگرد کو خوب مضبوط کیا جائے اور

جنگی چوکیوں کے ذریعہ سے اس کی حفاظت کی جائے۔
(۱۰) دسویں قلعہ کے اندر رہنے والوں کو بہادر اور جنگجو بنایا جاتا ہے تاکہ وہ دشمن سے خوب لڑسکیں۔
(۱۱) گیارھویں اس میں حملہ کرنے ، توپوں سے بم پھینکنے یا منجنیقوں سے پتھراؤ کرنے کے لئے باہر کی طرف سوراخ ہوتے ہیں اور اس میں باہر کی طرف توپیں یا منجنیقیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

یہ وہ گیارہ خصوصیتیں ہیں جو عام طور پر قلعوں کی تعمیر میں بڑے بڑے انجینئر مدنظر رکھا کرتے ہیں۔

یہ روحانی قلعہ ایسی جگہ پر بنایا گیا جہاں پانی کم یاب تھا

اب میں نے کہا آؤ! یہ قلعہ جو قرآن نے پیش کیا ہے اس پر غور کر کے دیکھیں کہ یہ باتیں اس میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اور میں نے ایک ایک کر کے ان امور کی اس روحانی اصول پر تیار شُدہ قلعہ کے متعلق پڑتال کی اور میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ:-

(۱) اس قلعہ کے لئے پانی کا کوئی انتظام نہ تھا صرف ایک چشمہ اس کے قریب تھا اور وہ بھی کھاری اور پھر اس کا پانی بھی اتنا کم تھا کہ لوگوں کی ضروریات کے لئے کسی صورت میں کافی نہیں تھا۔ ملکہ زبیدہ نے بعد میں وہاں ایک نہر بنوا دی تھی جسے نہرِ زبیدہ کہتے ہیں مگر وہ نہر ایسی ہی ہے جیسے کوئی نالا ہوتا ہے۔ غرباء عام طور پر زمزم کا پانی استعمال کرتے ہیں اور باقی لوگ بارش ہوتی ہے تو تالابوں میں پانی جمع کر لیتے ہیں اور اسے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ غرض وہاں پانی کی اتنی کمی ہے کہ دنیا کا کوئی سمجھدار انجینئر وہاں قلعہ نہیں بنا سکتا تھا۔

یہ روحانی قلعہ دریا اور سمندر سے دُور بنایا گیا

(۲) دوسری بات میں نے یہ دیکھی کہ آیا وہ کسی نہر یا دریا یا سمندر کے کنارے واقع ہے تو مجھے معلوم ہؤا کہ نہ وہاں کوئی دریا ہے نہ سمندر، گویا اس بارہ میں بھی خانہ خالی تھا اور نہر یا دریا کا نام ونشان منزلوں تک نہ تھا۔ وہ جسے لوگ نہر زبیدہ کہتے ہیں وہ صرف نالی ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ رہی بندرگاہ سو وہ سَو ڈیڑھ سَو میل دور تھی اور اب نئی بندرگاہ جدّہ بھی پچاس میل کے قریب دُور ہے گویا سمندر بھی دُور ہے اور اندر بھی کوئی نہر نہیں کہ لوگ کثرت سے فوجی ضروریات کے لئے اونٹ اور گھوڑے وغیرہ رکھ سکیں بندرگاہ

بے شک موجود تھی مگر اول تو وہ اتنی دور تھی کہ اس سے کوئی فائدہ اُٹھایا نہیں جاسکتا تھا۔ دوسرے اگر ممکن بھی ہوتا تو وہاں کے باشندوں کی یہ حالت تھی کہ ان کا سمندر کے نام سے دَم نکلتا تھا۔

یہ روحانی قلعہ ایک بنجر علاقہ میں بنایا گیا

(۳) تیسری بات یہ دیکھی جاتی ہے کہ علاقہ زرخیز ہوتا کہ خور ونوش کا سامان پیدا کیا جاسکے اور بوقتِ ضرورت جمع کیا جاسکے۔ مگر میں نے دیکھا کہ اِس قلعہ کو جو بنانے والا ہے وہ خود کہتا ہے کہ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ [۷۹] یہ وادی غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ ہے اور اس میں ایک دانہ تک پیدا نہیں ہوتا نہ گیہوں، نہ باجرا، نہ گندم، نہ چنا۔ بلکہ ایک شخص نے وہاں باغ لگانا چاہا تو اس کے لئے وہ دوسرے ملکوں سے مٹی منگواتا رہا اور آخر بڑی مشکل سے اس نے چند درخت لگائے اور وہی چند درخت اب باغ کہلاتے ہیں۔ میں نے خود اس قلعہ کو جاکر دیکھا ہے قریب سے قریب سبزی طائف میں ہے اور طائف وہاں سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے۔ باقی چاروں طرف بے آب وگیاہ جنگل کے سِوا کچھ نہیں، نہ غلّہ پیدا کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے جمع کرنے کے کوئی سامان ہیں۔

اس قلعہ کے اِردگِرد کوئی جنگل نہیں تھا

(۴) چوتھے یہ امر مدنظر رکھا جاتا ہے کہ گرد وپیش جنگل ہو تا کہ ایندھن مل سکے اور دشمن پر حملہ میں آسانی ہو مگر میں نے اس قلعہ کو دیکھا کہ مِیلوں مِیل تک اس کے پاس جنگل چھوڑ درخت تک بھی کوئی نہیں۔

یہ روحانی قلعہ اونچے مقام کی بجائے نشیب مقام میں بنایا گیا

(۵) پانچویں اگر پہاڑی پاس ہو تو قلعہ اونچی جگہ پر بنایا جاتا ہے مگر یہ قلعہ ایسا ہے کہ اس کے پاس ''حِراء'' اور ''ثَوْر'' دو پہاڑیاں ہیں، لیکن یہ قلعہ نشیب میں بنایا گیا ہے اور اس طرح دشمن پہاڑوں پر قبضہ کرکے اسے شدید نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اس قلعہ کی تعمیر میں معمولی گارا اور پتھر استعمال کئے گئے

(٦) چھٹے یہ امر مدنظر رکھا جاتا ہے کہ قلعہ کی تعمیر عمدہ مصالحہ سے ہو مگر اس قلعہ کی تعمیر نہایت معمولی مصالحہ اور گارے وغیرہ سے ہے۔

اس قلعہ کے اِرد گرد کوئی فصیل نہیں

(۷) ساتویں یہ امر مدنظر رکھا جاتا ہے کہ قلعہ کی تعمیر اس طرح ہو کہ شہر کی حفاظت ہو سکے اور فصیلیں دُور تک پھیلی ہوئی ہوں مگر یہ عجیب قلعہ ہے کہ شہر اِرد گرد ہے اور قلعہ شہر کے بیچوں بیچ ہے اور فصیل کا نام ونشان نہیں جس کی وجہ سے شہر کی حفاظت میں وہ کوئی مدد نہیں دے سکتا۔

اس قلعہ کے چاروں طرف کُھلے راستے پائے جاتے ہیں

(۸) آٹھویں بات یہ مدنظر رکھی جاتی ہے کہ اس کی طرف آنیوالے راستے ایسے ہوں کہ حسبِ ضرورت بند کئے جاسکیں مثلاً تنگ وادیوں میں سے گزریں مگر اس قلعہ کے راستے نہایت کھلے اور بے روک ہیں۔ قرآن کریم خود فرماتا ہے عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّأْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ [۸۰]
کہ اس قلعہ کی طرف لوگ دوڑے چلے آتے ہیں اور انہیں آنے میں کسی قسم کی روک نہیں۔ کھلے راستے اور وہ بھی ناہموار اس کے چاروں طرف موجود ہیں۔

اس قلعہ کے گرد کوئی جنگی چوکیاں نہیں

(۹) نویں بات یہ ہے کہ قلعہ کے گرداگرد کو جنگی چوکیوں سے محفوظ کیا جاتا ہے تاکہ قلعہ سے دور دشمن کے حملہ کو روکا جا سکے مگر یہ قلعہ عجیب ہے کہ اس کے گرد کئی کئی میل کے دائرہ میں اسلحہ لیکر پھرنے سے روکدیا گیا ہے اور حُکم دیدیا گیا ہے کہ کوئی شخص اس کے اِردگرد چار چار پانچ پانچ میل تک کوئی ہتھیار لیکر نہ چلے۔

اس قلعہ میں رہنے والوں کو شکار تک کی ممانعت

(۱۰) دسویں قلعہ کے اندر رہنے والوں کو جنگجو بنایا جاتا ہے مگر اس کے اندر رہنے والوں کو حُکم ہے کہ کوئی شکار نہ ماریں سوائے سانپ، بچھو، چیل اور چوہے کے جن کا مارنا ضرورتاً ہوتا ہے نہ کہ جنگجوئی پیدا کرنے کے لئے۔

دشمن کے حملہ کو روکنے کیلئے توپوں اور منجنیقوں کی بجائے نمازوں اور دعاؤں سے کام لینے کا ارشاد

(۱۱) گیارھویں بات میں نے یہ بتائی تھی کہ قلعہ کے اندر حملہ کو روکنے کے لئے باہر کی طرف منہ کرکے منجنیقیں یا توپیں رکھی ہوتی ہیں مگر اس قلعہ میں مَثَابَہ اور امن کا ذریعہ یہ بتایا ہے کہ فَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ

اِبۡرٰھِیۡمَ مُصَلًّی یعنی جب دشمن حملہ کرے تو مَثَابَہ اور امن کے قیام کے لئے دشمن کی طرف پیٹھ کر کے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔غرض قلعوں کو مضبوط بنانے یا دیر تک محاصروں کی برداشت کر سکنے کے لئے جس قدر سامانوں کی ضرورت ہوتی ہے نہ صرف یہ کہ اس میں پائے نہیں جاتے بلکہ اکثر امور میں ان کے برعکس حالات پائے جاتے ہیں جو قلعوں کو اُجاڑنے کا موجب ہوتے ہیں مثلاً بے پانی، بے غذا، نہروں سے دُور، جنگلوں سے پَرے، فصیلوں اور چوکیوں کے بغیر کوئی قلعہ قلعہ نہیں کہلا سکتا مگر یہ قلعہ ایسا تھا کہ اس میں مجھے ان سامانوں میں سے کوئی سامان بھی دکھائی نہ دیا۔حتّٰی کہ اس قلعہ کے اِردگرد اسلحہ لے کر پھرنے سے بھی روک دیا گیا تھا۔

یہ قلعہ کب بنایا گیا؟

اب میں نے سوچا کہ یہ قلعہ ہے کب کا؟ تو مجھے معلوم ہؤا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے کا ہے کیونکہ خود حضرت کو الہام ہؤا کہ وَلۡیَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ[۸۱] اس پُرانے گھر کا لوگ آ کر طواف کیا کریں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے کا ہے اسی طرح آتا ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا[۸۲]
سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے فائدہ اور ان کی حفاظت کے لئے بنایا گیا تھا وہ ہے جو مکہ میں ہے اس میں ہر قسم کی برکتیں جمع کر دی گئی ہیں اور تمام جہانوں کے لوگوں کے لئے اس میں ہدایت کے سامان اکٹھے کر دیئے گئے ہیں اس کے ساتھ بڑے بڑے اور روزِ روشن کی طرح واضح نشان وابستہ کر دیئے گئے ہیں وہ آخری دَور میں ابراہیم کا مقام بنایا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ جو اِس میں داخل ہو اُسے امن دیا جائے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہؓ اور اسماعیلؑ کو مکہ کے مقام پر چھوڑ کر واپس لَوٹے تو حضرت ہاجرہ کو شک گزرا کہ ہمیں چھوڑ چلے ہیں اور وہ ان کے پیچھے پیچھے چلیں اور اس بارہ میں ان سے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے اور رقّت کے غلبہ کی وجہ سے اُن کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ آخر حضرت ہاجرہ نے کہا یَااِبۡرَاھِیۡمُ! اَیۡنَ تَذۡھَبُ وَ تَتۡرُکُنَا فِیۡ ھٰذَا الۡوَادِی الَّذِیۡ لَیۡسَ فِیۡہِ اَنِیۡسٌ وَلَاشَیۡئٌ۔اے ابراہیم! آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہم کو ایک ایسی وادی میں چھوڑ رہے ہیں جس میں نہ آدمی ہے اور نہ کھانے کی کوئی چیز۔ فَقَالَتۡ لَہٗ ذٰلِکَ مِرَارًا

وَّ جَعَلَ لَا یَلۡتَفِتُ اِلَیۡهَا حضرت ہاجرہ نے یہ بات بار بار دُہرائی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام صدمہ کی وجہ سے اس کا جواب نہیں دیتے تھے۔ جب حضرت ہاجرہ نے دیکھا کہ یہ کسی طرح بولتے ہی نہیں تو انہوں نے کہا اٰاَللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا؟ اچھا اتنا تو بتا دو کہ کیا خدا نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے؟ قَالَ نَعَمۡ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب حضرت ہاجرہؓ نے سُنا تو باوجود اس بات کے جاننے کے کہ یہاں پانی نہیں، یہاں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں اور یہاں کوئی آدمی نہیں جو ضرورت کے وقت مدد دے سکے، انہوں نے نہایت دلیری سے کہا اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا اگر یہ بات ہے تو پھر خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا آپ بے شک جایئے ثُمَّ رَجَعَتۡ اس کے بعد حضرت ہاجرہ واپس لوٹ آئیں فَانۡطَلَقَ اِبۡرَاھِیۡمُ اور حضرت ابراہیم واپس چلے گئے حَتّٰی اِذَا کَانَ عِنۡدَ الثَّنِیَّۃِ حَیۡثُ لَا یَرَوۡنَہٗ اِسۡتَقۡبَلَ بِوَجۡہِ الۡبَیۡتِ یہاں تک کہ جب موڑ پر پہنچے جہاں سے ان کی بیوی اور بچہ انہیں دیکھ نہ سکتے تھے تو ان کے جذبات قابو سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے اپنا منہ خانہ کعبہ کی طرف کر دیا اور ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا کی: رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ [۸۳] اے میرے رب! میں اپنی اولاد کو تیرے مقدس گھر کے قریب اس وادی میں چھوڑ کر جا رہا ہوں جس میں کوئی کھیتی نہیں جس میں کوئی چشمہ نہیں، محض اس لئے کہ وہ تیری عبادت کریں۔ پس تُو ہی ان کی حفاظت فرما اور ان کو شرور اور مفاسد سے محفوظ رکھ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قلعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت سے بھی پہلے تعمیر ہو چکا تھا۔

سر ولیم میور کی شہادت

تاریخ بھی اس کے نہایت قدیم ہونے کی شہادت دیتی ہے چنانچہ سر ولیم میور لائف آف محمدؐ میں لکھتے ہیں کہ مکہ کے مذہب کے بڑے اصولوں کو ایک نہایت ہی قدیم زمانہ کی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے گو ہیروڈوٹس [۸۴] نے نام لیکر کعبہ کا ذکر نہیں کیا مگر وہ عربوں کے بڑے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا اِلالات کا ذکر کرتا ہے اور یہ اس کا ثبوت ہے کہ مکہ کا یہ بڑا بُت اس قدیم زمانہ میں بھی پُوجا جاتا تھا [۸۵] یہ ہیروڈوٹس ایک یونانی مؤرخ تھا جو ۴۸۴ قبل مسیح سے ۴۲۵ قبل مسیح تک ہؤا، گویا حضرت مسیح کے صلیب کے واقعہ سے مدتوں پہلے لاتؔ کی شُہرت وغیرہ دُور تک پھیلی ہوئی تھی پھر لکھا ہے کہ ڈایوڈورس سکولس مؤرخ جو مسیحی سنہ سے پچاس سال پہلے گزرا ہے وہ بھی لکھتا ہے کہ عرب کا وہ

حصہ جو بحرۂ احمر کے کنارے پر ہے اس میں ایک معبد ہے جس کی عرب بڑی عزت کرتے ہیں[۸۶] پھر لکھتا ہے قدیم تاریخوں سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ بنا کب ہے یعنی ایسے قدیم زمانہ کا ہے کہ اس کے وجود کا تو ذکر آتا ہے مگر اس کی بناء کا پتہ نہیں چلتا۔

پھر لکھتا ہے کہ بعض تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ عمالقہ نے اسے دوبارہ بنایا تھا اور کچھ عرصہ تک ان کے پاس رہا اور تورات سے پتہ چلتا ہے کہ عمالقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تباہ ہوئے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بھی پہلے عمالقہ اس پر قابض رہ چکے ہیں اور وہ اس کے بانی نہ تھے یہ گھر ان سے بھی پہلے کا ہے انہوں نے اس کے تقدس پر ایمان لاتے ہوئے اسے دوبارہ تعمیر کیا تھا خروج باب ۱۲ آیت ۸،۱۶ اور گنتی باب ۲۴ آیت ۲۰ سے پتہ چلتا ہے کہ عمالقہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تباہ کیا تھا۔ پس ان سب باتوں سے پتہ لگتا ہے کہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے کیونکہ عمالقہ نے اس کو دوبارہ تعمیر کیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں اڑھائی سَو سال سے چار سَو سال کا فاصلہ ہے۔ اگر عمالقہ کی سَو ڈیڑھ سَو سال کی حکومت بھی فرض کر لی جائے تو بھی اُن کا اسے دوبارہ تعمیر کرنا کئی سَو سال پہلے کے عرصہ پر دلالت کرتا ہے اور اس وقت بھی اس کی تعمیر ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کی مرمت ثابت ہوتی ہے۔

اب میں نے سوچا کہ اس قدر قدیم قلعہ جس کی سارا مُلکِ عرب عزت کرتا تھا اگر اس طرح تمام معلومہ اصول کے خلاف تیار ہؤا تھا تو اسے یقیناً تباہ ہو جانا چاہئے تھا اور اگر وہ تباہ نہیں ہؤا تو پھر یقیناً وہ ایسی عجیب قسم کا قلعہ ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ بغیر ظاہری سامانوں کے وہ قائم ہے اور اپنا کام کر رہا ہے۔

قدیم اقوام کے متواتر حملوں میں اس روحانی قلعہ کی سلامتی

تب میں نے غور کیا کہ کیا ان علاقوں کی طرف جہاں یہ قلعہ تھا قدیم زبردست اقوام نے حملے کئے تھے؟ اور میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے نینوا والوں نے ایشیائے کوچک سے نکل کر اِدھر حملہ کیا اور شام اور فلسطین کو پامال کرتے ہوئے مصر کی طرف نکل گئے۔ وہ نینوا سے چلتے ہیں اور جنوب مغرب کی طرف آتے ہیں مگر جس وقت اس قلعہ کی سرحد پر پہنچتے ہیں تو آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے اُس وقت میں نے سمجھا کہ اس قلعہ کے لئے ضرور کوئی ایسے مخفی سامانِ حفاظت تھے کہ جن کی وجہ سے وہ ادھر رُخ نہ کر سکے اور وہ مرعوب ہو گئے۔

بابلیوں کی چڑھائی

تب میں نے سوچا کہ کیا اس کے بعد بھی کوئی دشمن اُٹھا ہے یا نہیں اور میں نے دیکھا کہ ان کے بعد بابلیوں نے انہی علاقوں پر چڑھائی کی۔ وہ عراق کی طرف سے بڑھے اور انہوں نے شام فتح، کیا مصر فتح کیا، مگر وہ بھی اسی راہ پر نکل گئے اور اس قلعہ کی طرف انہوں نے رُخ نہ کیا۔

کیانیوں کی فتوحات

پھر میں نے دیکھا کہ کیانیوں نے ایران سے نکل کر عراق فتح کیا، ایشیائے کوچک فتح کیا، شام فتح کیا، فلسطین، مصر، یونان، رومانیہ اور اوکرین کو مغرب کی طرف فتح کیا اور بلخ، بخارا، سمرقند، افغانستان، بلوچستان اور پنجاب کو مشرق میں فتح کیا، لیکن اس قلعہ کو درمیان سے وہ بھی چھوڑ گئے۔

سکندر رومی کی یلغار

پھر مَیں نے سکندر رومی کو بڑھتے ہوئے دیکھا وہ بجلی کی طرح کوندا اور یورپ سے نکل کر ایشیائے کوچک وغیرہ کے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے ہندوستان تک بڑھ آیا، لیکن اس قلعہ کو وہ بھی درمیان میں چھوڑ گیا۔

رومی حکومت کا مشرق پر اقتدار

پھر میں نے رومی حکومت کو مشرق کی طرف آتے ہوئے دیکھا اُس نے مصر فتح کیا، طرابلس فتح کیا، ایبے سینیا جو مکہ کے مقابل پر ہے اسے فتح کیا، شام اور فلسطین کو فتح کیا، شمالی عرب سے بعض علاقوں کو فتح کیا اور آخر عراق تک فتح کرتے ہوئے نکل گئے، لیکن درمیان میں اس قلعہ کی طرف انہوں نے بھی رُخ نہ کیا۔

ابرہہ کا بیت اللہ پر حملہ

جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے کہا یہ قلعہ واقعہ میں زمانہ کے عجائبات میں سے ہے کہ مشرق سے آندھی اُٹھتی ہے تو وہ اسے چھوڑ جاتی ہے اور مغرب سے طوفان اٹھتا ہے تو اسے چھوڑ جاتا ہے مگر میں نے کہا کہ ابھی ایک سوال حل طلب ہے اور وہ یہ کہ ممکن ہے اس قلعہ کے جائے وقوع کے لحاظ سے فاتحین کو خیال بھی نہ آیا ہو کہ وہ اسے فتح کریں کیونکہ وہ اس میں کوئی فائدہ نہ دیکھتے تھے۔ اس خیال کے آنے پر میں نے تاریخ پر نگاہ ڈالی اور میں نے دیکھا کہ چھٹی صدی مسیحی میں ایبے سینیا کی حکومت بہت طاقتور ہوگئی تھی اور اُس نے عرب کے بعض علاقوں کو فتح کر لیا تھا اُس کی طرف سے ابرہہ نامی ایک شخص یمن میں گورنر مقرر ہوا اور اس نے عرب میں مسیحیت کی اشاعت کے لئے کوشش شروع کی اور یمن کے دارالحکومت صنعاء میں اس نے ایک بہت بڑا گرجا بنایا اور

خوف اور لالچ سے لوگوں کو اس گرجا کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا، مگر جب کچھ عرصہ کی کوششوں کے بعد اُس نے اپنے ارادہ میں ناکامی دیکھی اور اسے محسوس ہؤا کہ عرب اس کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تو اس نے اپنے درباریوں کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا کہ کیوں میری کوششیں کامیاب نہیں ہوتیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مکہ میں ایک گھر ہے، عرب کے لوگ اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ جب تک وہ گھر موجود ہے صنعاء کا گرجا آباد نہیں ہوگا۔ پس اگر صنعاء کو آباد کرنا چاہتے ہو تو اُسے جا کر گرا دو۔ چنانچہ ابرہہ نے ۵۶۹ء میں ایک بہت بڑی فوج اور ہاتھی ساتھ لے کر مکہ کا رُخ کیا عرب قبائل نے مقابلہ کیا مگر ایک کے بعد دوسرا شکست کھاتا چلا گیا اور وہ مکہ سے تین دن کے فاصلہ پر مشرق کی طرف طائف تک جا پہنچا اور طائف کے لوگوں سے کہا کہ مکہ تک پہنچنے میں میری مدد کرو۔ طائف والے جو مکہ پر اس لئے حسد کرتے تھے کہ ان کے بُت کی خانہ کعبہ کے آگے کچھ نہ چلتی تھی انہوں نے انعامات کے لالچ اور مکہ والوں کے بُغض کی وجہ سے ایک راہنما دیا مگر وہ رستہ میں ہی مر گیا۔ آخر ابرہہ کا لشکر مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر جا ٹھہرا اور ابرہہ نے ایک وفد بھجوایا اور مکہ والوں کو کہلا بھیجا کہ ہم عیسائی ہیں اور فطرتاً رحمدل ہیں اس لئے میں تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا اور نہ تم سے مجھے کوئی گِلہ ہے۔ میں صرف کعبہ کے پتھر گرا کر واپس چلا جاؤں گا یا خود ہی کعبہ کو گرا دو تو میں آگے نہیں بڑھوں گا اور واپس چلا جاؤنگا۔ مکہ اور حجاز کے لوگوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ ہم تمہاری حکومت ماننے کے لئے تیار ہیں ہم اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہیں کہ تمہیں اپنی آمد کا ایک ثُلث ہر سال دیتے رہیں مگر خدا کے لئے کعبہ کو نہ گراؤ۔ لیکن وہ نہ مانا۔ آخر سفیروں نے اہل مکہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ابرہہ کے پاس وفد لے کر جائیں اور اُسے اپنے خیالات سے آگاہ کریں۔ چنانچہ عبدالمطلب اور بعض دوسرے عمائدینِ مکہ ابرہہ کے پاس گئے۔ ابرہہ، عبدالمطلب کی وجاہت سے بہت متاثر ہؤا اور خوش ہو کر کہنے لگا کہ مجھ سے آپ جو بھی خواہش کریں میں اسے ماننے کے لئے تیار ہوں۔ اس سے پہلے ابرہہ کے سپاہیوں نے چھاپہ مار کر عبدالمطلب کے دوسَو اونٹ پکڑ لئے تھے۔ جب ابرہہ نے کچھ مانگنے کو کہا تو انہوں نے اپنے دوسَو اونٹ جو اس کے سپاہیوں نے پکڑ لئے تھے طلب کئے اور کہا کہ وہ مجھے واپس کر دیئے جائیں۔ اس پر ابرہہ نے کہا کہ میں تو آپ کو بڑا عقلمند سمجھتا تھا مگر آپ کے اس جواب نے میرے دل پر سے ان اثرات کو بالکل دھو دیا ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے کس خیال سے ایسا معمولی

مطالبہ کیا۔ اِس وقت حالت یہ ہے کہ کعبہ خطرے میں ہے اور آپ مجھ سے بجائے یہ خواہش کرنے کے کہ میں کعبہ پر حملہ کا ارادہ ترک کر دوں یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے دوسَو اونٹ آپ کو واپس دِلوادوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کو اونٹوں کی تو فکر ہے مگر کعبہ کی کوئی فکر نہیں۔ عبدالمطلب کہنے لگے، بات یہ ہے کہ وہ اونٹ میرے ہیں اس لئے مجھے ان کی فکر ہے، لیکن کعبہ خدا کا گھر ہے اس لئے اس کی فکر خدا کو ہوگی مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے اور یہ کہہ کر واپس آ گئے۔ ابرہہ نے نوٹس دیدیا کہ فلاں دن حملہ ہوگا۔ انہوں نے واپس آ کر مکہ والوں کو اطلاع دیدی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مقابلہ فضول ہے۔ اس قدیم قلعہ کو خالی کر کے پہاڑوں پر چڑھ جاؤ پاس ہی جبلِ حراء اور جبلِ ثور ہے، انہوں نے مکہ کو خالی کر دیا اور تمام لوگ پہاڑوں پر چلے گئے۔

حضرت عبدالمطلب کی عاجزانہ دُعا

جب وہ اس قدیم قلعہ کو چھوڑ رہے تھے تو اُس وقت عبدالمطلب نے اُس حُکم کو یاد کیا کہ جو فَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی میں دیا گیا ہے کہ جب کبھی مصیبت کا وقت آئے تم اِس توپ خانہ یعنی کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے عاجزی اور زاری سے دعائیں کرو۔ چنانچہ وہ بیت اللہ کے دروازہ پر آئے اور اُس کی زنجیر کو پکڑ کر کہا اے خدا! ہم میں طاقت نہیں کہ دشمن کا مقابلہ کرسکیں یہ تیرا گھر ہے تُو اپنے اس گھر کی آپ حفاظت کر اور صلیب کو کعبہ پر فتح نہ پانے دے۔ یہ کہا اور سب لوگوں سمیت مکہ کو چھوڑ کر پہاڑوں کو چل دیئے۔

انسانی آنکھوں سے دکھائی نہ دینے والے سپاہیوں کی گولہ باری

اب یہ قلعہ خالی تھا اور اس کی بظاہر کمزور دیواریں ابرہہ کو چیلنج کر رہی تھیں کہ دیکھو میں اب انسانوں سے خالی ہوں آ اور مقابلہ کر۔ پھر کہا کہ سُن تُو تو یہاں آ کر حملہ کرے گا میں یہیں سے تُجھ پر گولہ باری کرتا ہوں۔ چنانچہ کعبہ کی دیواروں سے نہ نظر آنے والے سپاہیوں نے گولہ باری شروع کر دی ابرہہ کے ہاتھی چِھد گئے، اس کے اونٹ چِھد گئے، اُس کے گھوڑے چِھد گئے اس کے سپاہی ان گولیوں کی بے پناہ بوچھاڑ سے زخمی ہوکر گرنے لگ گئے، لشکر کا نظام ٹوٹ گیا اور اُس میں بھاگڑ پڑ گئی اور سر پر پاؤں رکھ کر لشکر واپس لوٹا۔ ابرہہ بھی یمن پہنچنے سے پہلے پہلے ان گولیوں سے مارا گیا اور سب لشکر تباہ و برباد ہو گیا اور مسیحی حکومت یمن میں ایسی کمزور ہوگئی کہ اس علاقہ پر ایرانی حکومت نے قبضہ کرلیا۔ یہ کعبہ سے چلنے والی گولیاں جب وہاں تک پہنچتی تھیں تو چیچک کی صورت میں اُس

کے لشکر کو چمٹ جاتیں جس سے دانوں کو کُھجلا کُھجلا کر سپاہی مر جاتے اور پرندے اُن کی بوٹیاں نوچ نوچ کر اُن کو پتھروں پر مار مار کر کھاتے۔ اور جس طرح وہ کعبہ کے پتھر توڑنے آیا تھا اسی طرح کعبہ کے گرد کے پتھروں نے ان کی بوٹیوں کو توڑا۔ یہ سپاہی جو گولیاں چلا رہے تھے خدا تعالیٰ کے فرشتے تھے اور وہ جو ان گولیوں کے نشانہ بنے وہ ابرہہ اور اُس کے ساتھی تھے چنانچہ قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر آتا ہے وہ فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ - اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ - وَّ اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۙ تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ [۸۷]

فرماتا ہے دیکھو ایک شخص تھا جو مکہ پر حملہ کرنے کے لئے آیا اور کہنے لگا کہ میں کعبہ کے پتھروں کو توڑ دونگا۔ ہم نے اس کی سزا کے لئے پرندوں کو بھیجا اور وہ جو کعبہ کے پتھر توڑنے کے لئے آئے تھے انہی کی بوٹیاں اُن پتھروں پر مار مار کر توڑیں یہ بتانے کے لئے کہ کیا تم نے کعبہ کے پتھروں کو توڑ لیا؟ عربی زبان میں ب کے معنے علیٰ کے بھی ہوتے ہیں اور کبھی قلبِ نسبت بھی ہو جاتی ہے جیسے کہتے ہیں ''پرنالہ چلتا ہے'' تو تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ کے معنے یہی ہیں کہ وہ ان کی بوٹیاں پتھروں پر مار مار کر کھاتے تھے اور یہی چیلوں وغیرہ کا طریق ہے۔ وہ بوٹی کو پتھر پر مارتی اور پھر کھاتی ہیں۔ تو وہ جو کعبہ کے پتھر توڑنے چلا تھا اس کی بوٹیاں جانوروں نے پتھر پر مار مار کر کھائیں۔

مسیحی اس روحانی قلعہ کی طرف نہ بڑھ سکے

جب میں نے یہ نظارہ دیکھا تو میں نے کہا کون کہہ سکتا ہے کہ اس قلعہ پر حملہ نہیں ہؤا۔ حملہ ہؤا اور اس میں یہ قلعہ مضبوطی سے قائم رہا۔ اس کے بعد اور زمانہ گزرا۔ ایک دفعہ مسیحیوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا اور میں نے دیکھا کہ وہ باوجود اس غصہ کے کہ مسلمانوں نے اُن کے معابد پر قبضہ کیا ہے اس قلعہ کی طرف نہ بڑھ سکے۔

ہلاکو خاں بھی اس قلعہ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا

اور ایک دفعہ ہلاکو خاں نے بغداد اور اسلامی ممالک کو تباہ کیا مگر اس قلعہ کو وہ بھی کوئی گزند نہ پہنچا سکا۔ پھر جنگِ عظیم کا وقت آیا اور تُرک جن کے قبضہ میں یہ قلعہ تھا وہ فاتح اقوام کے خلاف کھڑے ہوگئے۔ میں نے کہا اب اس قلعہ کے لئے خطرہ ہے مگر تب بھی یہ محفوظ رہا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص سامان پیدا کر دیئے پھر یہ نئی جنگ شروع ہوئی تو

میں نے دیکھا کہ اب کے پھر دونوں فریق اس کی حفاظت کا اعلان کر رہے تھے۔

غرض ہزاروں سال کی تاریخ میں اس عجیب و غریب قلعہ کو دنیا کا مقابلہ کرتے ہوئے میں نے دیکھا اور ہمیشہ مجھے یہ محفوظ و مصئون ہی نظر آیا۔ یہ نہیں کہ اس کے کبھی مغلوب ہونے کی خبر ہو۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ ایک وقت یہ مغلوب ہوگا اور کعبہ گرایا جائے گا مگر ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ بات قیامت کی علامت ہوگی۔[۸۸] اب اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ عارضی طور پر دشمن اس پر قبضہ کرے گا مگر اس پر قیامت آ جائے گی اور وہ فتنہ اور خونریزی ہوگی کہ اَلْاَمَان اور یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ حقیقی قیامت کے وقت جب اس کی ضرورت نہ رہے گی، اس قلعہ کا مالک اسے گرنے دے گا۔

اس عظیم الشان قلعہ کی حفاظت کیلئے ایک اور چھوٹے قلعہ کی تعمیر

اب اس زمانہ میں کہ اس قلعہ کے گرد یاجوج و ماجوج چکر لگا رہے ہیں جیسا کہ قلعوں کے متعلق قاعدہ ہے کہ جب قلعہ پر حملہ ہو تو لشکر باہر نکل کر چھوٹے چھوٹے قلعے اور چوکیاں بنا کر مدافعت کرتا ہے تاکہ دشمن وہیں حملہ کرتا رہے اور قلعہ کی طرف نہ بڑھ سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لئے ایک اور قلعہ بنا دیا ہے اور اس کے سپرد اس بڑے قلعہ کی حفاظت کا کام کیا ہے اور چونکہ یہ قلعہ بھی دین کی اسی طرح حفاظت کر رہا ہے اس لئے اسے بھی ارضِ حرم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے چنانچہ اس قلعہ کی تعمیر میں جس نے حصہ لیا وہ خود کہتا ہے:-

خدا کا ہم پہ بس لطف و کرم ہے ۔۔۔ وہ نعمت کونسی باقی جو کم ہے
زمینِ قادیاں اب محترم ہے ۔۔۔ ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے
ظہورِ عون و نصرت دمبدم ہے ۔۔۔ حسد سے دشمنوں کی پُشت خم ہے
سنو! اب وقت توحیدِ اتم ہے ۔۔۔ سِتم اب مائلِ ملکِ عدم ہے
خدا نے روک ظلمت کی اُٹھا دی ۔۔۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ [۸۹]

ساکنینِ ارضِ حرم کے فرائض

یہ قلعہ خدا نے خانۂ کعبہ کی حفاظت کے لئے قائم کیا ہے، یہ قلعہ اس لئے قائم ہوا ہے تاکہ دشمن کے حملوں کو وہ اپنے اوپر لے اور اُسے خانہ کعبہ کی طرف ایک قدم بھی بڑھنے نہ دے اور چونکہ یہ قلعہ خانۂ کعبہ کی حفاظت کر رہا ہے اس لئے لازماً یہ بھی ارضِ حرم کا جزو ہے اور جو لوگ اس قلعہ کے سپاہیوں

میں اپنے آپ کو شامل کر رہے ہیں وہ یقیناً ارضِ حرم کے ساکن ہیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ دشمن کی گولیاں اپنے سینوں پر کھائیں اور اسے کعبہ کی طرف بڑھنے نہ دیں۔ پس اے قادیان کے رہنے والو! اور اے دوسرے احمدی مراکز کے رہنے والو! آج خانۂ کعبہ کی حفاظت کے لئے گولیاں کھانا تمہارا فرض ہے تم ان لوگوں میں سے ہو جو بڑے قلعوں کی حفاظت کے لئے باہر کی طرف بٹھا دیئے جاتے ہیں تا کہ وہ دشمن کی مدافعت کریں اور گولیوں کو اپنے اوپر لیں۔ پس تم بہادری کے ساتھ اپنے سینوں کو آگے کرو اور دشمن کے ہر حملہ کا پوری شدت کے ساتھ مقابلہ کرو۔

طاعون کے طوفانی حملہ میں اس قلعہ کی حفاظت

میں تمہیں اس قلعہ کی حفاظت کا بھی ایک واقعہ سنا دیتا ہوں کچھ عرصہ ہوُا دنیا پر ایک غنیم نے حملہ کیا وہ قلعہ پر قلعہ توڑتا چلا آیا۔ آبادیوں پر آبادیاں اُس نے ہلاک کر دیں اور گاؤں کے بعد گاؤں اُس نے ویران کر دیئے۔ اُس وقت اِس قلعہ کی تعمیر کرنے والا ابھی زندہ تھا اُس نے دنیا کو پکار کر کہہ دیا کہ اِس حملہ سے میرا قلعہ محفوظ رہے گا۔ گولہ باری سے تھوڑا صدمہ پہنچے تو پہنچے مگر اِس قلعہ کو اس حملہ آور کا حملہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا یہ حملہ آور بڑھا اور قادیان پر حملہ آور ہوُا کئی سال تک اس نے متواتر حملہ پر حملہ کیا مگر ناکام رہا یہ قلعہ محفوظ رہا اور دشمن سے دشمن نے بھی اس قلعہ کی حفاظت کا اقرار کیا۔ یہ حملہ آور مرضِ طاعون تھا جس کے حملوں سے حفاظت کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے سے خبر دیدی۔

احمدی نوجوانوں سے خطاب

اب مَیں احمدی نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ اس قلعۂ عظیمہ کی حفاظت کا کام ان کے سپرد ہوُا ہے انہیں یہ امر اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ محض ایک جماعت کے فرد نہیں بلکہ خانۂ کعبہ کی حفاظت کے لئے اس کے اِردگرد جو قلعے بنائے گئے ہیں اس کے وہ سپاہی ہیں۔ پس اے عزیزو! جس طرح قلعہ پر جب دشمن حملہ آور ہو تو فوج کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کے حملوں کی مدافعت کرے اور اس کی گولیاں اپنے سینوں پر کھائے اسی طرح اے احمدی نوجوانو! تم آگے بڑھو اور دجّالی سنگینوں کو اپنے سینوں پر روکتے ہوئے کعبہ کے دشمنوں پر حملہ آور ہو۔ یاد رکھو! خدائے قہار تمہارا کمانڈر ہے اور شیطانی فوجیں حملہ آور ہیں۔ پس اس قدیم صداقت کے دشمن کو کُچلتے اور اپنے پاؤں تلے مَسلتے ہوئے آگے بڑھو اور اس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دو تا کہ پھر کعبہ کے قلعہ کی طرف کوئی بُری نگاہ

سے نہ دیکھ سکے اور یہ گڑھی جو اِس قلعہ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اپنے وجود کی ضرورت کو دنیا سے منوا لے اور لوگ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں کہ فِی الواقع یہ زمین ارضِ حرم کا ہی حصہ ہے کیونکہ وہ جس نے حرم کی حفاظت کی وہ حرم ہی کا حصہ ہے وہ جس کی رگوں میں ماں کا خون دَوڑ رہا ہوتا ہے وہی ماں کی حفاظت کرتا ہے اور جو ماں پر حملہ ہوتے ہوئے خاموش رہتا ہے وہ ہرگز حلال کا بچہ نہیں ہوتا اور نہ اُس کا لڑکا کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے۔ پس دنیا کے اعتراضوں کی پروا مت کرو۔ تمہارے سپرد خدا تعالیٰ نے خانۂ کعبہ اور اسلام کی حفاظت کا کام کیا ہے، پس تم دلیری دکھاؤ اور جرأت سے کام لو۔ خدا تمہارے آگے چل رہا ہے اور اُس کی فوجیں تمہارے دائیں اور بائیں ہیں جس دن تم ہمت کرکے دشمن کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوگے اُس دن خدا تمہارے لئے وہی نشان دکھائی گا جو اُس نے ابرہہ کے لشکر کے لئے دکھایا۔

خدائے قادر کا ایک عظیم الشان معجزہ

لوگ کہتے ہیں کہ معجزہ کیا ہوتا ہے مگر یہ کیا معمولی معجزہ ہے۔ تاریخی شہادت موجود ہے کہ ایسے حالات میں جبکہ اس کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں تھا ایک لشکر کعبہ کی طرف حملہ کرنے کے لئے بڑھا مگر پیشتر اسکے کہ وہ کعبہ تک پہنچتا خدا نے اُس کو تباہ و برباد کر دیا۔ غرض جب دُنیوی طور پر کعبہ پر حملہ ہوا تو اس نے چیچک بھیج دی اور جب دینی طور پر اس پر حملہ ہونے لگا تو اس کے مقابلہ کیلئے اُس نے مسیح موعودؑ کو بھیج دیا۔

پس احمدیوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض خانۂ کعبہ کی حفاظت ہے یعنی جن اغراض کے لئے خانۂ کعبہ کو قائم کیا گیا ہے وہی اغراض ہماری جماعت کے قیام کی ہیں۔ پس ہماری جماعت اس لئے قائم کی گئی ہے تا کہ تمام دنیا میں امن قائم کیا جائے۔ خدائے واحد کی عبادت کو رائج کیا جائے، شرک اور بدعت کو مٹایا دیا جائے۔ مسافر اور مقیم دونوں کی ترقی کی تدابیر سوچی جائیں اور نظام کو ایسا مکمل کیا جائے کہ لوگوں کا ایک حصہ رات دن بنی نوع انسان کی خیر خواہی کے کاموں میں مصروف رہے جب تک ہم اس کام کو نہیں کریں گے اُس وقت تک ہم اپنی ذمہ داری کو پوری طرح ادا کرنے والے قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ پس صرف چندے دینا کافی نہیں، صرف جلسہ سالانہ پر مرکز میں آجانا کافی نہیں، صرف نمازیں ہی پڑھنا کافی نہیں بلکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اِس دجّالی فتنہ

کو روکے جو خانہ کعبہ کے خلاف برپا ہے۔ اس کے لئے ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو ساری دنیا پر چھا جائیں اور اس لئے واقفینِ زندگی کی تحریک شروع کی گئی ہے مگر افسوس ہے کہ جماعت نے اس تحریک کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔

شیطان کو کان سے پکڑ کر اس کی غاروں سے باہر نکال دو

یادرکھو! خدا نے قادیان کو بھی ایک چھوٹا قلعہ بنایا ہے اور قلعہ اسی لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس میں سے آسانی سے حملہ کیا جا سکے جو جرنیل یہ سمجھتا ہے کہ اس کے لئے صرف مدافعت کرنا کافی ہے وہ کبھی فتح نہیں پا سکتا۔ یادرکھو! تم مدافعت سے نہیں بلکہ حملہ سے جیتو گے۔ اگر تم قادیان میں بیٹھے رہے تو دشمن شکست نہیں کھائے گا بلکہ دشمن اُس وقت شکست کھائے گا جب تم جاپان میں جاکر دشمن سے لڑو گے، چین میں جاکر دشمن سے لڑو گے، افریقہ میں جاکر دشمن سے لڑو گے، انگلستان میں جاکر دشمن سے لڑو گے، امریکہ میں جاکر دشمن سے لڑو گے اور شیطان کو اُس کی غاروں سے کان سے پکڑ کر نکال دو گے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم یقیناً کامیاب ہو گے اور یقیناً تمہارا دشمن ناکامی کی موت مرے گا۔

خلاصہ یہ کہ میں نے قرآن کریم کے ذریعہ سے ایک ایسا قلعہ دیکھا جو تمام قلعوں کے اصول کے خلاف تعمیر ہوُا تھا مگر میں نے دیکھا کہ ہزاروں سال کا عرصہ بھی اس قلعہ کو کمزور نہ کر سکا بلکہ اس کی مضبوطی بڑھتی ہی گئی یہاں تک کہ وہ ساری دنیا کا مرجع ہو گیا اور میں نے کہا انسان، بے وقوف انسان قطب شاہیوں کے گولکنڈہ کے قلعہ کو دیکھتا ہے اور اس پر تعجب کرتا ہے اور فتح پور سیکری کے قلعہ کو دیکھتا ہے اور اس پر حیران ہوتا ہے اور دہلی کے تُغلقوں کے قلعہ کو دیکھتا ہے اور اس پر واہ واہ کہتا ہے حالانکہ یہ قلعے سَو دوسَو سال بھی نہ گزار سکے اور اب ان کی مرمت کرنے والا بھی کوئی نہیں اور لوگ موجود ہیں جنھوں نے ان قلعوں کو فتح کیا مگر وہ اس حیرت انگیز قلعہ کے دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا اور اس کی تعمیر کی داد نہیں دیتا جو انجینئرنگ کے تمام معلومہ اصول کے خلاف پایا گیا۔ فنِ حرب کے تمام اصول کے خلاف اس کے لئے مقام چُنا گیا۔ قیادت کے تمام اصولوں کے خلاف اس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا، پھر بھی وہ کھڑا رہا، کھڑا ہے کھڑا رہے گا۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

---

[۱] اٰل عمران: ۹۷

۲؎ ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب اتخاذ المساجد فِی الدُّوَرِ
۳؎ البقرۃ:۱۲۶
۴؎ اقرب الموارد الجزء الاول صفحہ ۹۷۔مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء
۵؎ مسلم کتاب الحج باب فضل الصلٰوۃِ بمسجدی مَکَّۃَ و المدیْنَۃ
۶؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۱ مطبوعہ ۱۳۱۳ھ مطبع میمنۃ مصر
۷؎ الحجرٰت :۸ ۸؎ اٰل عمران:۱۱۱ ۹؎ المائدۃ :۵۵
۱۰؎ محمد :۵
۱۱؎ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد ۲ صفحہ ۲۲۵۔مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ
۱۲؎ تاریخ الامم و الملوک لابی جعفرمحمد بن جریر الطبری جلد ۴ صفحہ ۴۶ دارالفکر بیروت ۱۹۸۷ء
۱۳؎ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب ذکر اُسامۃ بن زید
۱۴؎ بخاری کتاب الاشربۃ باب اَلْاَیْمَنُ فِی الشُّرْبِ۔
۱۵؎ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۷ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۱۶؎
۱۷؎ بخاری کتاب الزکٰوۃ باب وجوب الزکٰوۃ۔
۱۸؎ الحشر :۸ ۱۹؎ ہود:۷
۲۰؎ مسلم کتاب البر والصلۃ و الادب باب فضل عیادۃ المریض
۲۱؎ الحج :۴۱ ۲۲؎ النور :۳۷،۳۸
۲۳؎ مسلم کتاب الصلٰوۃ باب استحباب الذکر بعد الصلٰوۃ
۲۴؎ الجمعۃ :۳ ۲۵؎ التوبۃ :۱۰۰ ۲۶؎ الاحزاب :۲۴
۲۷؎ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۴ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۲۸؎ الاعراف :۱۸۲
۲۹؎ مشکٰوۃ کتاب المناقب باب مناقب الصحابۃ
۳۰؎،۳۱؎،۳۲؎ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد ۳ صفحہ ۳۸۵،۳۸۶ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ
۳۳؎ **پُشْتارہ** :ڈھیر،انبار

۳۴؎ الحشر :۱۰

۳۵؎ تاریخ طبری اُردو حصہ دوم صفحہ ۳۱،۲ ۳۲ مطبوعہ کراچی۔

۳۶؎ العنکبوت :۴۶ ۳۷؎ المائدۃ :۹۲

۳۸؎ بخاری کتاب التفسیر ۔ تفسیر سورۃ المائدۃ باب لیس علی الذین اٰمَنُوا و عملوا الصّٰلحٰت (۔۔۔)

۳۹؎ البقرۃ :۲۲۹ ۴۰؎ الرعد :۲۴،۲۵

۴۱؎ بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہٖ۔

۴۲؎ الحجرات: ۱۳

۴۳؎ تاریخ اہل عرب مصنفہ سائمن او کلے

۴۴؎ الحجرات :۱۳ ۴۵؎ البقرۃ :۱۸۹ ۴۶؎ النساء :۳۰

۴۷؎ المطفّفین :۲ تا ۴ ۴۸؎ بنی اسرآءیل :۳۸ ۴۹؎ النساء :۱۴۹

۵۰؎ الحجرات :۱۰

۵۱؎ **معاہدہ وارسا:** مغربی ممالک کے حملوں کی روک تھام کے لئے ۱۴ مئی ۱۹۵۵ء کو ایک معاہدہ ہوا۔ مشرقی یورپ کے کمیونسٹ ممالک البانیہ، بلغاریہ، چیکوسلواکیہ، مشرقی جرمنی، ھنگری، رومانیہ، پولینڈ اور روس کے درمیان اس معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ یہ معاہدہ رکن ممالک کے درمیان بیس سال کے عرصہ کے لئے باہمی مفادات کے تحفظ کے سلسلہ میں طے پایا تھا۔ اس کا صدر دفتر ماسکو میں ہے۔

(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۱، ۱۷۸۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۵۲؎ النہایۃ لابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ مطبع الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

۵۳؎ المائدۃ :۱۰۶ ۵۴؎ النساء :۳۷ ۵۵؎ البقرۃ :۱۴۴

۵۶؎ اٰل عمران:۱۳۵

۵۷؎ بخاری کتاب الادب باب الحذر من الغضب

۵۸؎ النساء :۵۵ ۵۹؎ النساء :۳۳ ۶۰؎ الحشر :۱۱

۶۱؎ بخاری کتاب الایمان باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہٖ

۶۲؎ الاعراف :۲۰۰ ۶۳؎ النور :۲۳ ۶۴؎ النحل:۹۱

۶۵؎ الاعلیٰ :۱۷، ۱۸ ۶۶؎ الاعلیٰ :۱۹، ۲۰ ۶۷؎ البقرة :۱۲۵، ۱۲۶

۶۸؎ بخاری کتاب مناقب الانصار باب قول اللّٰه عَزَّوَ جَلَّ وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ ۔۔۔

۶۹؎ بخاری کتابُ الْاَدَب باب اِکْرام الضیف و خدمته

۷۰؎ اٰل عمران :۱۰۵

۷۱؎ بخاری کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی صلی الله علیه وسلم ۔۔۔

۷۲؎

۷۳؎ البقرة :۱۲۶، ۱۲۷

۷۴؎، ۷۵؎ اقرب الموارد الجزء الاول صفحہ ۹۷ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۷۶؎ المائدة :۹۸

۷۷؎، ۷۸؎ اقرب الموارد الجزء الثانی صفحہ ۱۰۵۴ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۷۹؎ ابراهیم :۳۸ ۸۰؎ الحج :۲۸ ۸۱؎ الحج :۳۰

۸۲؎ اٰل عمران:۹۷، ۹۸

۸۳؎ بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب یزفُّوْن

۸۴؎ **ھیروڈوٹس** (HERODOTUS) یونانی مؤرخ اور نثر نگار۔ اس نے عالَمِ شباب میں یونان، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے سفر کئے اور اس دوران مختلف اقوام کی عادات اور مذاہب کا مطالعہ کیا۔ چار سال میں ایتھنز میں رہنے کے بعد ۴۴۳ ق م میں جنوبی اٹلی میں تھوری(THURII) کے مقام پر رہائش اختیار کی اور پھر وفات تک وہیں مقیم رہا۔ اس کی تاریخ یونانی اور اہلِ فارس کی جِدّ وجُہد کی وضاحت کے لئے کافی مواد پیش کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس نے تاریخ کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ وہ تاریخ عالَم کا پہلا مؤرخ ہے جس نے تنقیدی احساس کے ساتھ تاریخ کو قلمبند کیا ہے۔ (اُردو جامع انسا ئیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۸۵؎، ۸۶؎ - LIFE OF MAHOMET- BY SIR WILLIAM MUIR LONDON 1877 PAGE XIV

۸۷؎ الفیل:۲ تا آخر ۸۸؎ بخاری کتاب الحج باب هَدْم الْکَعْبَة

۸۹؎ درثمین اُردو صفحہ ۵۶، ۵۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیرِ روحانی (۳)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۱ء برموقع جلسہ سالانہ قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

(۶) جسمانی مقبرے اور روحانی مقبرے

چھٹی بات جو مَیں نے مذکورہ بالا سفر میں دیکھی تھی شاندار مقبرے تھے جو بادشاہوں کے بھی تھے اور وزیروں کے بھی تھے، امیروں کے بھی تھے اور فقیروں کے بھی تھے، اولیاء اللہ کے بھی تھے اور غیر اولیاء اللہ کے بھی تھے، حتّٰی کہ کُتّوں کے بھی مقبرے تھے مگر ان مقبروں میں کوئی پہلو فن کے لحاظ سے صحیح معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یوں عمارتیں بڑی شاندار تھیں اور وقتی طور پر اُن کو دیکھ کر دل پر بڑا اثر ہوتا تھا چنانچہ آگرہ کا تاج محل بڑا پسندیدہ نظر آتا ہے، ہمایوں کا مقبرہ بڑا دل پسند ہے، اسی طرح منصور اور عماد الدولہ کے مقبرے وہیں ہیں اور جہانگیر کا مقبرہ شاہدرہ لاہور میں سب اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر جب ان مقابر کو ہم مجموعی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ لوگوں نے ان کی تعمیر میں فن کو مدّ نظر نہیں رکھا۔

جسمانی مقابر میں تاریخی حقائق اور باہمی توازن کا فُقدان

چنانچہ دیکھ لو مقبرہ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اُس شخص کی زندگی کا ایک نشان ہو جس کا وہ مقبرہ ہے اور اُس کی تاریخ کو وہ دنیا میں محفوظ رکھے، مگر ہمیں ان بادشاہوں، وزیروں، امیروں اور فقیروں وغیرہ کی زندگی کا نشان ان مقبروں میں کچھ بھی نظر نہیں آتا اور نہ ان مقبروں میں کوئی باہمی توازن دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً بعض ادنیٰ درجہ کے لوگ نہایت اعلیٰ مقبروں میں تھے اور بعض اعلیٰ درجے کے لوگ نہایت ادنیٰ مقبروں میں تھے۔ اسی طرح جو دُنیوی لوگ ہیں اور جو روحانی لحاظ سے ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں، مجھے نظر آیا

کہ ان دُنیوی لوگوں کے مقبرے تو بڑے اعلیٰ ہیں مگر وہ روحانی لوگ جو سردار تھے بادشاہوں کے اور سردار تھے وزیروں کے، ان کے مقبرے نہایت ادنیٰ ہیں پھر مجھے حیرت ہوئی کہ نہ صرف ان کے مقبرے دوسروں کے مقابل میں نہایت ادنیٰ ہیں بلکہ جس صورت میں بھی ہیں وہ اس شخص کے مذہب اور عقیدہ کے خلاف ہیں جس کی غلامی اختیار کر کے انہوں نے دنیا میں عزّت حاصل کی۔ چنانچہ حضرت نظام الدین صاحب اولیاء اور بعض دوسرے بزرگوں کی قبروں پر فرش ہے اور بعض کے اِرد گِرد سنگِ مرمر کے کٹہرے ہیں اور یہ چیزیں ہماری شریعت میں جائز نہیں۔ پس مجھے حیرت ہوئی کہ اوّل تو ظاہری لحاظ سے مقبروں میں کوئی نسبت ہی قائم نہیں بعض ادنیٰ لوگوں کے اعلیٰ مقبرے ہیں اور بعض اعلیٰ کے ادنیٰ۔ اور پھر روحانی لوگوں کے جو مقبرے ہیں اوّل تو وہ جسمانی بادشاہوں کے مقابر سے ادنیٰ ہیں حالانکہ وہ ان بادشاہوں کے بھی سردار تھے پھر جو کچھ بھی ظاہر میں ہے وہ ان کے اپنے اصول اور دین کے خلاف ہے۔ گویا ان کے مقبرے ایک طرف اپنے غلاموں سے بھی ادنیٰ تھے اور دوسری طرف ان کے اپنے آقا کے حُکم کے خلاف تھے اور اس طرح ان میں کوئی بھی جوڑ اور مناسبت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ پس مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ کوئی انصاف کی تقسیم نہیں۔ ہمایوں جو مغلیہ خاندان کا ایک مشہور بادشاہ ہندوستان کا فاتح اور اکبر کا باپ تھا اُس کے مقبرہ کا اگر شاہجہان کے مقبرہ سے مقابلہ کیا جائے تو ان دونوں میں کوئی بھی نسبت دکھائی نہیں دیتی۔ وہ شخص جس نے مغلیہ سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط کیا، جس نے ہندوستان کو فتح کیا اور جس کا بیٹا آگے اکبر جیسا ہؤا اُس کا مقبرہ تو بہت ادنیٰ ہے مگر شاہجہان جو اُس کا پڑپوتا ہے اُس کا مقبرہ بہت اعلیٰ ہے۔ پھر شاہجہان کے مقبرہ کے مقابلہ میں جہانگیر کے مقبرہ کی کوئی حیثیت نہیں اور اورنگ زیب جو ظاہری حکومت کے لحاظ سے بڑا تھا اُس کا مقبرہ ان دونوں کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ پھر ان کے مقابلہ میں خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکی اور خواجہ نظام الدین صاحب اولیاء کے مقبروں کی کوئی حیثیت نہ تھی اور ان دونوں کے مقابلہ میں خواجہ باقی باللہؒ، خواجہ میر دردؒ، شاہ ولی اللہؒ اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کی قبروں کو کوئی نسبت نہ تھی بلکہ کسی نے ان کا مقبرہ بنانے کی کوشش بھی نہیں کی مگر جیسا کہ مَیں نے کہا ہے جو کچھ تھا اور جن بزرگوں کا مقبرہ بناہؤا تھا وہ بھی ہماری شریعت کے خلاف تھا۔

کُتّوں کے مقبرے

پس مجھے حیرت ہوئی کہ یہ نظارے دنیا میں نظر آتے ہیں کہ اوّل تو ظاہری لحاظ سے ادنیٰ و اعلیٰ میں کوئی نسبت ہی نہیں اور اگر ہے تو وہ

دین اور دنیا کے سراسر خلاف ہے۔ پھر جب مَیں نے بعض جگہ کُتّوں کے مقبرے بھی دیکھے تو مَیں اور زیادہ حیران ہؤا کیونکہ کُتّوں کے مقبرے ہندوستان کے اکثر بزرگوں کے مقبروں سے بھی بہت اعلیٰ تھے۔ مَیں نے سوچا کہ یہ مقبرے بیشک عبرت کا کام تو دیتے ہیں مگر انصاف اور حقیقت ان سے ظاہر نہیں ہوتی اور انسان ان شخصیتوں کا غلط اندازہ لگانے پر مجبور ہوتا ہے حالانکہ مقبرہ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مرنے والے کے حقیقی مقام کی حفاظت کی جائے اور مقبرہ کے ذریعہ اس کے اعمال کے نشان کو قائم رکھا جائے، اس سے زیادہ مقبرہ کی کوئی غرض نہیں ہوتی۔ مگر یہ غرض ان مقبروں سے ظاہر نہیں ہوتی اور بجائے اس کے کہ انصاف اور حقیقت ان سے ظاہر ہو وہ انسانی شخصیتوں کا غلط اندازہ پیش کرتے ہیں اور بجائے علم دینے کے دوسروں کو جہالت میں مبتلاء کرتے ہیں۔

مقبروں کی عمارات سے صرف چار امور کا علم

پس مَیں نے سمجھا کہ یہ مقبرے زیادہ سے زیادہ ان باتوں پر دلالت کر سکتے ہیں:-

اوّل: اِس وقت عمارت کا فن کیسا ہے یعنی مرنے والوں کو ان مقبروں کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا صرف یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اُس وقت عمارتیں کیسی بنتی تھیں۔

دوم: مرنے والے یا اس کے رشتہ دار کے پاس کس قدر مال تھا۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بادشاہ اچھا تھا یا بُرا، عالم تھا یا جاہل، البتہ یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کے یا اس کے رشتہ داروں کے پاس کس قدر روپیہ تھا۔

سوم: مرنے والے یا اس کے پس ماندگان کا تعمیرِ مقبرہ کے متعلق کیا عقیدہ یا رُجحان تھا یعنی ان مقبروں سے صرف اتنا معلوم ہوسکتا ہے کہ مرنیوالے یا اس کے پس ماندگان کا عقیدہ کیا تھا آیا اُن کے نزدیک اس قسم کا مقبرہ بنانا جائز تھا یا نہیں۔

چہارم: ان مقبروں سے ہمیں یہ بھی پتہ لگ سکتا ہے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کو ان کے لُوٹنے سے کس قدر دلچسپی تھی یا یوں کہو کہ ان کے لئے اس میں دلچسپی کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ اسے باقی رہنے دیا جائے۔ چنانچہ کئی مقبرے ٹُوٹے ہوئے نظر آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ سنگِ مرمر بعد میں لوگ لُوٹ کر لے گئے اور بعض اب تک بڑے شاندار نظر آتے ہیں۔ پس چوتھی بات ان مقبروں سے یہ معلوم ہوسکتی ہے کہ اس بادشاہ کے مرنے کے بعد کوئی تنزّل کا زمانہ آیا ہے یا نہیں۔ غرض ان مقابر کو اگر دیکھا جائے تو یہی چار باتیں ان

سے ظاہر ہوتی ہیں۔ پس مَیں نے افسوس کیا کہ مقبرہ کی اصل غرض تو یہ ہوتی ہے کہ مرنیوالے کی حقیقی عظمت کا پتہ چلے اور اس کا نشان قائم رہے مگر ان مقبروں سے تو یہ معلوم نہیں ہوتا۔ ان سے تو شاہجہان اکبر اور اورنگ زیب سے بڑا، شمس الدین تغلق، شیر شاہ سوری سے بڑا، اور وزیر منصور اور عمادالدولہ تمام خلجی تغلقوں اور لودھیوں وغیرہ سے بڑے نظر آتے ہیں، اور پھر یہ سب کے سب روحانی بادشاہوں سے بڑے دکھائی دیتے ہیں۔

آثارِ قدیمہ سے مرتب کردہ مضحکہ خیز تاریخ

مَیں نے سوچا کہ اگر دنیا سے تاریخ مٹ جائے اور آثارِ قدیمہ سے تاریخ مرتب کی جائے تو تاریخ لکھنے والے یوں لکھیں گے کہ ہندوستان کا سب سے بڑا بادشاہ شاہجہان تھا اس سے اُتر کر جہانگیر پھر اس سے اُتر کر اکبر بادشاہ تھا۔ اکبر بادشاہ سے اُتر کر عمادالدولہ (جو محض ایک نواب تھا) پھر ہمایوں بادشاہ ہوُا ان کے بعد منصور بادشاہ ہوئے پھر شمس الدین بادشاہ بنے اس کے بعد بعض کُتّے ہندوستان کے بادشاہ ہوئے۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے اندر بعض ادنیٰ درجہ کے اُمراء کا بھی پتہ لگتا ہے۔جیسے خواجہ قطب الدین صاحب اور خواجہ نظام الدین صاحب۔ پھر کچھ غلاموں اور امیر نوکروں کے بھی نشان ملتے ہیں جیسے خواجہ باقی بِاللہ صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب، مرزا مظہر جان جاناں صاحب اور خواجہ میر درد صاحب۔ اگر کوئی شخص ایسی تاریخ لکھے اور ہندوستان کی اصل تاریخ دنیا سے مٹ جائے تو اس پر بڑے بڑے ریویو لکھے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اس شخص نے تحقیق میں کمال کر دیا ہے اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ مقبروں کے لحاظ سے وہ نہایت سچی تاریخ ہوگی مگر واقعات کے لحاظ سے وہ اوّل درجہ کی جھوٹی اور مُفتریات سے پُر کتاب ہوگی۔ وہ الف لیلہ کا قصہ تو کہلا سکتی ہے مگر کوئی عقلمند انسان اسے تاریخ کی کتاب نہیں کہہ سکتا، لیکن اگر مقبرے کسی کی شان اور کام کو بتانے کے لئے ہوتے ہیں اور اُن سے غرض یہ ہوتی ہے کہ مرنے والے کی حقیقی عظمت کا پتہ چلے اور اس کا نشان دنیا میں قائم رہے تو پھر ہندوستان میں سب سے زیادہ شاندار مقبرے حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ فریدالدین صاحب شکر گنجؒ، حضرت شاہ محمد غوث صاحبؒ، حضرت سید علی ہجویری صاحبؒ، حضرت خواجہ نظام الدین صاحب اولیاءؒ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، حضرت خواجہ باقی باللہ صاحبؒ،

حضرت مرزا جان جاناں صاحب، حضرت خواجہ میر درد صاحبؒ اور حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ کے ہوتے اور ان سے اُتر کر چھوٹے چھوٹے مقبرے اکبر، ہمایوں، شاہجہان، جہانگیر اور دوسرے غلاموں، خلجیوں، تغلقوں، لودھیوں، مُغلوں اور سُوریوں کے ہوتے اور کُتّوں کی ہڈیاں بجائے مقبروں میں ہونے کے مَیلے کے ڈھیروں پر پڑی ہوئی ہوتیں۔ ہم لکھنؤ تو نہیں گئے مگر مَیں نے سُنا ہے کہ لکھنؤ میں بٹیروں کے بھی مقبرے ہیں۔ کسی نواب کا بٹیرہ مر جاتا تو لوگ کہنا شروع کر دیتے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اس بٹیرے کا کیا کہنا ہے وہ تو ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا تھا اور نواب صاحب بھی کہتے کہ تم سچ کہتے ہو ولی اللہ جو تھا، آخر اُس کا مقبرہ بنا دیا جاتا۔

اُن لوگوں کا تصور جن کی قبریں اُکھیڑ دی گئیں یا جنہیں قبریں بھی نصیب نہیں ہوئیں!

پھر مَیں نے سوچا یہ تو مقبرہ والوں سے بے انصافی ہو رہی تھی وہ ہزاروں ہزار لوگ جن کے مقبرے بنے ہی نہیں ان کا حال ہمیں کس طرح معلوم ہوسکتا ہے، آخر ان کا کوئی نشان بھی تو دنیا میں ہونا چاہئے مگر ہمیں دنیا میں ان کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ پھر جب مَیں نے دِلّی میں پُرانی آبادیوں کو کُھدتے ہوئے دیکھا اور قبرستانوں میں عمارتوں کو بنتے دیکھا تو مَیں نے خیال کیا کہ افسوس ان جگہوں کے مکینوں کے لئے مقبرے تو الگ رہے قبریں تک بھی نہیں رہیں۔ ان کی ہڈیاں نکال کر پھینک دی گئی ہیں اور ان کی قبریں کھود کر وہاں سیمنٹ کی بلند اور عالیشان عمارتیں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ پس مَیں نے کہا ایک تو وہ ہیں جن کے مقبرے بنے مگر غلط اصول کے مطابق اور ایک یہ ہیں کہ ان کی صرف قبریں بنیں مگر لوگوں نے ان کی قبروں کا رہنا بھی پسند نہ کیا اور انہیں کھود کر ہڈیوں کو پرے پھینک دیا۔ پھر مَیں نے خیال کیا کہ گو ان کی قبریں آج اُکھیڑ دی گئی ہیں مگر چلو دو چار سَو سال تو انہیں قبروں میں سونے کا موقع مل گیا، لیکن وہ لاکھوں اور کروڑوں ہندو جو مذہبی تعلیم کے ماتحت جلا دیئے جاتے ہیں اُن کو تو یہ قبریں بھی نصیب نہ ہوئیں۔ پھر مجھے پارسیوں کا خیال آیا کہ وہ لاش پر دہی لگا کر چِیلوں کے آگے رکھ دیتے ہیں اور وہ نوچ نوچ کر اُسے کھا جاتی ہیں یا کُتّوں کے آگے اُسے ڈال دیتے ہیں اور وہ کھا جاتے ہیں۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ افسوس! انہیں تو قبر بھی نصیب نہ ہوئی۔ پھر مجھے ان لوگوں کا خیال آیا جو جل کر مر جاتے ہیں اور جن کی راکھ عمارت کی

مٹی سے مل جاتی ہے۔ مجھے ان لوگوں کا خیال آیا جو ڈوب کر مر جاتے ہیں اور جنہیں مچھلیاں کھا جاتی ہیں۔ چنانچہ کئی جہاز ڈوب جاتے ہیں اور وہ بڑے بڑے امیر آدمی جنہیں مخمل کے فرش پر بھی نیند نہیں آیا کرتی، مچھلیوں کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر مجھے ان لوگوں کا خیال آیا جو کھڈّوں میں گر جاتے اور پرندے یا گیدڑ وغیرہ کھا جاتے ہیں۔

دنیا میں عجیب اندھیر

پھر میری توجہ ان لوگوں کی طرف پھری جن کو جنگلوں میں شیر اور بھیڑیئے کھا جاتے ہیں اور مَیں نے کہا کہ دنیا میں عجیب اندھیر ہے کہ:-

اوّل: مقبرے بے انصافی سے بنے۔

دوم: قبروں کی آرام گاہوں کو عمارتوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

سوم: بعض کو خود ان کی قوم نے جلا کر راکھ کر دیا یا پرندوں کو کِھلا دیا اور بعض کو حوادث نے خاک میں، پانی میں، درندوں کے پیٹوں میں پہنچا دیا۔ پس مَیں نے کہا اگر مقبرے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ مرنے والے کا نشان قائم رکھا جائے تو یہ غرض سب کو حاصل ہونی چاہئے تھی نہ یہ کہ جس کے رشتہ دار امیر ہوتے وہ تو مقبرہ بنا لیتے اور باقی لوگوں کے مقبرے نہ بنتے۔ پھر جن کے مقبرے بنے تھے یا جو قبروں میں مدفون ہوئے تھے اُن کے مقبرے اور ان کی قبریں محفوظ رہنی چاہئے تھیں مگر نہ تو سب کے مقبرے بنے اور نہ سب کی قبریں محفوظ رہیں۔ پس مَیں نے کہا یہ تجویز تو بڑی اچھی ہے اور مقبرہ بنانے کا خیال جس شخص کے دل میں پہلی مرتبہ آیا اسے واقعہ میں نہایت اچھا خیال سُوجھا مگر انسانی عقل دنیا کے مقبروں کو دیکھ کر تسلی نہیں پاتی اس لئے کیا کوئی ایسا مقبرہ بھی ہے جس سے وہ غرض پوری ہوتی ہو جو مقبرہ کا موجب بنی ہے اور جس میں کوئی بے انصافی نہ ہوتی ہو، بلکہ ہر ایک کا نشان اس کے حق کے مطابق قائم رکھا جاتا ہو۔

ایک اور مقبرہ

مَیں نے دیکھا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مقبرہ بھی ہے اور اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو مقبرہ میں ہونی چاہئیں، چنانچہ اس میں لکھا تھا **خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ**[1]

فرماتا ہے ہم نے انسان کو پیدا کیا **فَقَدَّرَهٗ** پھر ہم نے انسان کے اندر اس کی پیدائش کے وقت ہی جس حد تک اس کا نشوونما ممکن تھا اس کے مطابق تمام طاقتیں اور قوتیں پیدا کر دیں، اسے دماغ دیا، دماغ کے اندر سیلز بنائے اور ہر سیل کے اندر بات کو محفوظ رکھنے کی

طاقت پیدا کی۔ اسی طرح ہم نے اسے ذہانت دی اور اس ذہانت کے لئے اس کے دماغ کے کچھ حصے مخصوص کئے۔ کچھ فہم کے لئے مخصوص کئے، کچھ جرأت اور دلیری کے لئے مخصوص کئے، پھر ہاتھوں اور پیروں کو طاقت دی تا کہ وہ اپنا اپنا کام کر سکیں۔ معدہ کو طاقت دی کہ وہ غذا ہضم کر کے تمام اعضاء کو قوت پہنچائے۔ ہڈیوں کو طاقت دی، قوی کو طاقت دی غرض اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کے قوی کا اندازہ مقرر کیا اور ہر عضو کو اس کے مناسبِ حال طاقت دی تا کہ وہ خاص اندازہ کے مطابق ترقی کر سکے۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز بنائی جائے وہ اسی معیّن حلقہ میں کام کرتی ہے جس معیّن حلقہ میں کام کرنے کے لئے اُسے بنایا جاتا ہے مگر فرمایا ہم نے انسان کو ایسا نہیں بنایا جیسے پتھر وغیرہ ہیں کہ وہ اپنی شکل نہ بدل سکے بلکہ آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی قابلیت اس میں رکھی ہے۔ **ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ** جب ہم نے اس میں طاقتیں اور قوتیں رکھیں تو ہم نے محسوس کیا کہ اب ان طاقتوں اور قوتوں سے کام بھی لیا جانا چاہئے اور ایسا رستہ ہونا چاہئے جس پر چل کر انسان ان طاقتوں سے کام لے کر چل سکے۔ آخر جب خدا نے ہر انسان میں سوچنے کی طاقت رکھی ہے تو لازماً ایسی باتیں ہونی چاہئیں جن پر انسان غور کرے اور اس طرح اپنی اس طاقت سے فائدہ اُٹھائے یا جب خدا نے ہر انسان کے اندر یہ طاقت پیدا کی ہے کہ وہ خدا کے قُرب میں بڑھ سکتا ہے تو کوئی ایسا رستہ بھی ہونا چاہئے جس پر چل کر اُسے قُرب حاصل ہو سکے۔ پھر جب خدا نے انسان کو اندازہ لگانے کی طاقت دیدی ہے تو اس کے نتیجہ میں لازماً وہ بعض کو اچھا قرار دیگا اور بعض کو بُرا۔ چنانچہ دیکھ لو کچھ کھانے اچھے ہوتے ہیں کچھ بُرے ہوتے ہیں۔ پھر کام بھی کچھ اچھے ہوتے ہیں اور کچھ بُرے ہوتے ہیں۔ پھر آپس کے مقابلوں میں سے بھی کچھ مقابلے مشکل ہوتے ہیں اور کچھ آسان ہوتے ہیں اور انسان اپنی ذہانت اور ان طاقتوں سے کام لے کر جو خدا نے ہر انسان کے اندر ودیعت کی ہوئی ہیں فیصلہ کرتا ہے کہ کونسی بات اچھی ہے اور کونسی بُری۔

اسلام کی مطابقِ فطرت تعلیم

پس چونکہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی طاقتیں پیدا کی تھیں اس لئے کوئی راستہ بھی ہونا چاہئے تھا چنانچہ یہ راستہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی تجویز کر دیا مگر یہ راستہ مشکل نہیں بلکہ فرماتا ہے **ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ** خدا نے اس راستہ کو آسان بنایا ہے یعنی اسے (۱) الہام اور (۲) مطابقِ فطرت تعلیم دی ہے۔ ایسا راستہ نہیں بنایا کہ جس پر انسان چل ہی نہ سکے جیسے انجیل نے کہہ دیا کہ اگر کوئی شخص تیرے ایک

گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اب یہ تعلیم بظاہر بڑی خوش کُن معلوم ہوتی ہے مگر کوئی شخص اس پر عمل نہیں کر سکتا۔

مصر کا ایک لطیفہ مشہور ہے وہاں چند سال ہوئے ایک عیسائی مبلغ نے تقریریں شروع کر دیں اور لوگوں پر ان کا اثر ہونا شروع ہو گیا۔ ایک پُرانی طرز کا مسلمان وہاں سے جب بھی گزرتا دیکھتا کہ پادری وعظ کر رہا ہے اور مسلمان خاموشی سے سُن رہے ہیں اس نے سمجھا کہ شاید کوئی مسلمان مولوی اس کی باتوں کا جواب دے گا۔ مگر وہ اس طرف متوجہ نہ ہوئے اور خود اس کی علمی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اُس کے اعتراضوں کا جواب دے سکتا اس لئے وہ اندر ہی اندر کڑھتا رہتا۔ ایک روز خدا تعالیٰ نے اُس کے دل میں جوش پیدا کر دیا اور جب پادری وعظ کرنے لگا تو اُس نے زور سے اُس کے مُنہ پر تھپڑ دے مارا۔ پادری نے سمجھا کہ اگر مَیں نے اس کا مقابلہ نہ کیا تو یہ اَور زیادہ دلیر ہو جائے گا چنانچہ اس نے مارنے کے لئے اپنا ہاتھ اُٹھایا۔ مصری کہنے لگا میں نے تو اپنے مذہب پر عمل کیا ہے تم اپنے مذہب پر عمل کر کے دکھادو۔ تمہاری تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک گال پر تھپڑ مارے تو اُس کی طرف تمہیں اپنا دوسرا گال بھی پھیر دینا چاہیئے۔ مَیں تو اس امید میں تھا کہ تم اپنے مذہب کی تعلیم کے مطابق اپنا دوسرا گال بھی میری طرف پھیر دو گے مگر تم تو مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے ہو، اگر تمہاری تعلیم قابلِ عمل ہی نہیں تو تم وعظ کیا کرتے ہو۔ پادری اس وقت جوش کی حالت میں تھا اس نے زور سے اُسے گھونسا مار کر کہا اِس وقت تو میں تمہارے قرآن پر ہی عمل کروں گا۔ انجیل پر عمل کروں گا تو تم مجھے اور مارا کرو گے۔ تو ہماری شریعت میں کوئی بات ایسی نہیں جو ناممکن العمل ہو۔ وہ کہتا ہے کہ اگر تم سے کوئی شخص بدی کے ساتھ پیش آتا ہے تو تم عفو سے کام لو بشرطیکہ تم سمجھو کہ عفو سے اس کی اصلاح ہو جائے گی، لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ عفو سے اس کے اندر نیکی اور تقویٰ پیدا نہیں ہو گا بلکہ وہ اور زیادہ بدی پر دلیر ہو جائے گا تو تم اس سے انتقام بھی لے سکتے ہو۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کو ایسا بنایا ہے کہ ہر شخص ہر حالت میں اس پر عمل کر سکتا ہے اور کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کے متعلق کہا جا سکے کہ انسان کے لئے اس پر عمل کرنا ناممکن ہے، لیکن دوسری شریعتوں کا یہ حال نہیں۔ انجیل نے ہی تعلیم تو یہ دے دی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دو، لیکن عملی رنگ میں انگریز اس کے خلاف کرتے ہیں حالانکہ وہ عیسائی ہیں، جرمن اس کے خلاف کرتے ہیں حالانکہ وہ عیسائی ہیں، فرانسیسی اس کے خلاف

کرتے ہیں حالانکہ وہ عیسائی ہیں، اور وہ سب آپس میں لڑتے رہتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اس تعلیم پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۔ پھر ہماری غرض چونکہ اس تعلیم کے بھیجنے سے یہ تھی کہ انسان اس پر عمل کریں اور ہمارے انعامات کے مستحق ٹھہریں اس لئے جب کوئی شخص عمل ختم کر لیتا اور امتحان کا پرچہ ہمیں دے دیتا ہے اور امتحان کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو ہم اسے قبر میں ڈال دیتے ہیں۔

ہر انسان کو خدا تعالیٰ خود قبر میں ڈالتا ہے

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو خدا تعالیٰ خود قبر میں ڈالتا ہے یہ مٹی کی قبر جس میں ہم انسان کو دفن کر کے آجاتے ہیں یہ اصل میں مادی جسم کا ایک نشان ہوتا ہے ورنہ اصل قبر وہی ہے جو خدا بناتا ہے۔ اس مادی قبر میں مُردے کو دفن کرنے، گڑھا کھودنے، میّت کو غسل دینے اور کفن پہنانے کا تمام کام ہمارے ذمہ ہوتا ہے مگر اصلی قبر میں ڈالنے کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہوُا ہے۔

اس مقبرہ کے متعلق مجھے کم سے کم یہ معلوم ہوُا کہ اس میں سب انسانوں سے یکساں سلوک ہوتا ہے یعنی سب کا مقبرہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اکبر کا مقبرہ ہو اور ابوالفضل کا نہ ہو بلکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کا اللہ تعالیٰ نے مقبرہ بنایا ہے اکبر کا بھی اور اکبر کی دایہ کا بھی، اکبر کے بچہ کی کھلائی کا بھی، اکبر کے درزی، اکبر کے دھوبی اور اکبر کے چوہڑے کا بھی کیونکہ انہوں نے بھی کوئی نہ کوئی کام اپنے درجہ اور لیاقت کے مطابق کئے تھے اور اُن کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ پس یہ قبرستان ایسا ہے جس میں کسی سے بے انصافی نہیں کی گئی بلکہ ہر ایک کا مقبرہ موجود ہے۔ نیز مَیں نے دیکھا کہ جن کو لوگ جَلا دیتے ہیں ان کے مقبرے بھی یہاں موجود تھے، جن کو شیر کھا جاتے ہیں ان کے مقبرے بھی یہاں موجود تھے، جو سمندر میں ڈوب جاتے ہیں ان کے مقبرے بھی یہاں موجود تھے، جو مکانوں میں جل جاتے ہیں ان کے مقبرے بھی یہاں موجود تھے، جن کی قبروں کو لوگوں نے اُکھیڑ دیا ان کے مقبرے بھی یہاں موجود تھے، وہ اس دنیا کی قبروں کو اُکھاڑ کر پھینک سکے مگر اس مقبرہ کو تو چُھو بھی نہیں سکے۔ غرض کوئی انسان ایسا نہ تھا جس کا مقبرہ یہاں نہ ہو خواہ اُسے جلا دیا گیا ہو، مٹا دیا گیا ہو، مشینوں سے راکھ کر دیا گیا ہو، چیلوں اور کُتّوں نے اسے کھا لیا ہو، مچھلیوں کے پیٹ میں چلا گیا ہو، شیروں اور بھیڑیوں نے اُسے لُقمہ بنا لیا ہو، کھڈّوں میں گر کر مرا ہو اور گیدڑ اور

دوسرے جنگلی جانور اُسے کھا گئے ہوں، ہر شخص کا مقبرہ یہاں موجود تھا، غرض چھوٹے بڑے، امیر غریب، عالم جاہل سب کو مقبرہ حاصل تھا۔ مَیں نے جب اس مقبرہ کو دیکھا تو کہا دنیا نے بہتیری کوشش کی کہ لوگوں کی قبروں کو مٹا ڈالے اور حوادثِ زمانہ نے بھی نشانوں کو محو کرنے میں کوئی کمی نہ کی مگر پھر بھی ایک نہ ایک مقام تو ایسا ہے جس میں تمام انسانوں کے مقبرے موجود ہیں۔

ثواب عذاب ظاہری قبر میں نہیں بلکہ عالَمِ برزخ کی قبر میں ملتا ہے

جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اس آیت میں قبر کا لفظ جو آتا ہے اس سے مراد وہ مقام ہے جس میں مرنے کے بعد ارواح رکھی جاتی ہیں خواہ مؤمن کی رُوح ہو یا کافر کی۔ سب کی روحیں اس مقام پر رکھی جاتی ہیں اور درحقیقت یہی قبر ہے جس میں ثواب یا عذاب ملتا ہے۔ وہ جو حدیثوں میں آتا ہے کہ مرنے کے بعد کافروں کو قبر کا عذاب دیا جاتا ہے اس سے مراد یہی قبر ہے ظاہری قبر مراد نہیں۔ کئی بیوقوفوں کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے بعض منافقین کی قبریں کھولیں یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا قبر میں اُن کے لئے دوزخ کی کھڑکی کُھلی ہے یا نہیں؟ مگر جب انہوں نے قبر کو کھولا تو انہیں کوئی آثار دکھائی نہ دیئے۔ درحقیقت یہ ان کی غلطی تھی، اگر اسی قبر میں ثواب وعذاب ہوتو وہ پارسی جو اپنے مُردے چیلوں کو کھلا دیتے ہیں، وہ ہندو جو اپنے مُردوں کو جَلا دیتے ہیں اور وہ لوگ جو ڈوب یا جل کر مر جاتے ہیں ان کو تو قبر کا عذاب یا ثواب ملے ہی نہ۔ کیونکہ ان کی تو قبریں ہی نہیں بنیں صرف مسلمان اسلام پر عمل کر کے گھاٹے میں رہے۔ مگر یہ بات غلط ہے اور حدیث میں تو ظاہری قبر مراد نہیں، ظاہری قبر میں تو بعض دفعہ یکے بعد دیگرے بیس بیس مُردوں کو دفن کر دیا جاتا ہے اور ہر شہر میں یہ نظارہ نظر آتا ہے۔ ایک قبر بنائی جاتی ہے۔ مگر پندرہ بیس سال کے بعد اس کا نشان مٹ جاتا ہے اور اس جگہ اور قبر بن جاتی ہے۔ لاہور کا قبرستان پانچ سَو سال سے چلا آ رہا ہے، اس میں ایک ایک قبر میں پندرہ پندرہ بیس بیس آدمی دفن ہو چکے ہونگے۔ ایسی حالت میں ان میں سے کوئی تو شدید دوزخی ہوگا اور کوئی ادنیٰ قسم کا دوزخی ہوگا۔ کوئی اعلیٰ جنتی ہوگا اور کوئی ادنیٰ جنتی ہوگا۔ اگر دوزخ اور جنت کی کھڑکی اسی قبر میں کُھلتی ہو تو بالکل ممکن ہے کہ پہلے ایک دوزخی اس میں دفن ہو اور پھر کوئی جنتی اس میں دفن ہو جائے۔ ایسی صورت میں لازماً دوزخ کی آگ جنتی کو لگے گی اور جنت کی ہوا دوزخی کو پہنچے گی اور ثواب وعذاب

بالکل مضحکہ خیز صورت اختیار کر لیں گے۔ پس یہ غلط ہے کہ وہ قبر جس میں ثواب یا عذاب ملتا ہے یہ ظاہری قبر ہی ہے۔ وہ قبر وہ ہے جس میں خدا تعالیٰ خود انسان کو ڈالتا ہے چنانچہ اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے **ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّہٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ** [۲]

فرماتا ہے ہم نے جو بات کہی ہے کہ اللہ ہی اصل چیز ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں **وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ**۔ اور یہ کہ قیامت کے دن جو لوگ قبروں میں ہونگے اللہ تعالیٰ اُن کو زندہ کر دیگا۔ اب اگر قبر سے مراد یہی ظاہری قبر ہو تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ قیامت کے دن صرف مسلمان زندہ کئے جائیں گے۔ ہندو جو اپنے مُردے کو جلا دیتے ہیں، پارسی جو اپنے مُردے چیلوں کو کھلا دیتے ہیں اور عیسائی کہ وہ بھی اب زیادہ تر مُردوں کو جلاتے ہیں زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ عیسائی پہلے تو مُردوں کو دفن کیا کرتے تھے مگر اب بجلی سے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔ پس اگر یہی مفہوم ہو تو لازم آئے گا کہ قیامت کے دن مسلمانوں کے سِوا اور کوئی زندہ نہ ہو کیونکہ **مَنْ فِی الْقُبُوْرِ** کی حالت اب دنیا کے اکثر حصہ میں نہیں پائی جاتی۔ اس صورت میں مسلمان اور یہودی تو اپنے اعمال کا جواب دینے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے مگر باقی سب چُھوٹ جائیں گے۔ پس یہ معنے درست نہیں بلکہ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان قبروں میں سے جو اس کی بنائی ہوئی ہیں سب مُردوں کو زندہ کرے گا اور ان خدائی قبروں میں وہ بھی دفن ہوتے ہیں جو مادی قبروں میں دفن ہیں اور وہ بھی جو جلائے جاتے ہیں اور وہ بھی جن کو درندے یا کیڑے مکوڑے کھا جاتے ہیں۔ پس **اَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ** کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس سے مراد وہی قبر ہے جس میں خدا رکھتا ہے، وہ قبر نہیں جس میں انسان رکھتا ہے۔ اور سب مُردوں کو خواہ وہ دریا میں ڈوب جائیں خواہ انہیں پرندے کھا جائیں خواہ وہ جلائے جائیں قبر والا قرار دیا گیا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قبر اصل میں وہ مقام ہے جس میں اللہ تعالیٰ ہر روح کو رکھتا ہے خواہ وہ مٹی کی قبر میں جائے خواہ ڈوب کر مرے اور خواہ جلایا جائے۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

اس مقام پر کوئی شخص اعتراض کر سکتا ہے کہ تم بیشک مانتے ہو کہ قرآن خدا کا کلام ہے مگر ہم تو اسے درست نہیں سمجھتے ہمارے نزدیک قرآن کے مصنف نَعُوْذُ بِاللّٰہِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور انہوں نے اَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ کے الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ انہیں اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ بعض لوگ اپنے مُردوں کو جلا بھی دیتے ہیں وہ یہی سمجھتے تھے کہ سب لوگ مُردوں کو دفن کرتے ہیں اس لئے انہوں نے اَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ کے الفاظ استعمال کر دیئے پس آیت کا یہ حصہ ان کی ناواقفی پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ سمندر میں ڈوبنے والا بھی کسی قبر میں جاتا ہے اور درندوں کے پیٹ میں جانے والا بھی کسی قبر میں جاتا ہے اور جسے راکھ بنا کر اُڑا دیا گیا ہو وہ بھی کسی قبر میں جاتا ہے اور پھر ان سب کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُٹھائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کو جلانے والوں کا علم نہیں تھا تو آیا ڈوبنے والوں کا علم تھا یا نہیں، مکہ سے سمندر چالیس میل کے فاصلہ پر ہے اور کشتیاں اُس زمانہ میں بھی چلا کرتی تھیں اور ڈوبنے والے ڈوبتے تھے۔ پس اگر مان بھی لیا جائے کہ آپ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ کچھ لوگ اپنے مُردے جلاتے ہیں تو کم از کم آپ کو یہ تو معلوم تھا کہ بعض لوگ ڈوب جاتے ہیں اور وہ قبر میں دفن نہیں ہو سکتے۔ پھر اس کو بھی جانے دو کیا مکہ میں کبھی کسی گھر میں آگ لگتی تھی یا نہیں اور کیا آپ نہیں جانتے تھے کہ بعض لوگ جل کر راکھ ہو جاتے ہیں؟ پھر کیا مکہ کے اردگرد جو کچھ فاصلہ پر جنگلات ہیں وہاں کے شیر اور بھیڑیئے مشہور نہیں تھے؟ اور کیا آپ کے زمانہ میں یہ جانور کبھی کسی آدمی کو پھاڑ کر کھاتے تھے؟ یا نہیں اور آپ کو علم تھا یا نہیں کہ قبر میں دفن ہونے کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنہیں شیر اور بھیڑیئے کھا جائیں؟ جو آگ میں جل کر مر جائیں اور جو سمندر میں ڈوب مریں؟ پھر اس کو بھی جانے دو عرب کے ساحل کے ساتھ مجوسی لوگ تھے اور وہ اپنے مُردوں کو دفن نہیں کرتے تھے بلکہ چیلوں اور کُتّوں کو کھلا دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ بوجہ عرب کے قُرب کے آپؐ کو ملتے تھے بلکہ ان لوگوں میں سے بعض مسلمان بھی ہوئے آپؐ ان کے حالات کو خوب جانتے تھے اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ آپ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ بعض قومیں اپنے مُردے جلا دیا کرتی ہیں۔ پھر کیا عجیب بات نہیں کہ جب یہ لوگ قرآن کریم کی جامع و مانع تعلیم پر اعتراض کرتے ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجوسیوں اور یہودیوں کی تعلیم سے واقف تھے،

آپ نے ان کی اچھی باتیں اپنی کتاب میں درج کر لیں حتیٰ کہ بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ آپؐ نے فلاں فلاں بات ویدوں سے لی ہے مگر دوسری طرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ کو یہ علم تک نہیں تھا کہ بعض لوگ مُردے دفن کرنے کی بجائے جلایا کرتے ہیں حالانکہ جو شخص مجوسیوں اور یہودیوں کی تعلیم سے واقف ہوسکتا ہے جو بقول معترضین کے ژند اَوستا، توراۃ، انجیل اور ویدوں سے واقف ہوسکتا تھا کیا وہ اس امر سے ناواقف ہوسکتا تھا کہ بعض لوگ مُردے دفن نہیں کرتے بلکہ جلا دیتے ہیں یا جانوروں کو کھلا دیتے ہیں۔

الٰہی مغفرت کا ایک ایمان افروز واقعہ

پھر علاوہ ان دلائل کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم تھا کہ بعض لوگ جلائے جاتے ہیں اور گو اس میں صرف ایک شخص کا ذکر آتا ہے مگر مسئلہ ایک کے ذکر سے بھی ثابت ہو جاتا ہے وہ حدیث یہ ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اِنَّ رَجُلا حَضَرَہُ الْمَوْتُ فَلَمَّا یَئِسَ مِنَ الْحَیٰوۃِ اَوْصٰی اَھْلَہٗ اِذَا اَنَامِتُّ فَاجْمَعُوْا اِلَیَّ حَطَبًا کَثِیْرًا وَاَوْقِدُوْا فِیْہِ نَارًا حَتّٰی اِذَا اَکَلَتْ لَحْمِیْ وَخَلَصَتْ اِلٰی عِظَامِیْ فَامْتَحَشَتْ فَخُذُوْھَا فَاطْحَنُوْھَا ثُمَّ انْظُرُوْا یَوْمًا رَاحًا فَاذْرُوْہُ فِی الْیَمِّ فَفَعَلُوْا فَجَمَعَہُ اللّٰہُ فَقَالَ لَہٗ لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِکَ قَالَ مِنْ خَشْیَتِکَ فَغَفَرَاللّٰہُ لَہٗ**[۳] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا اور کہا کہ جب میں مر جاؤں تو لکڑیاں جمع کر کے اُن کو آگ لگانا اور پھر اس آگ میں مجھے ڈال دینا یہاں تک کہ میرا سارا گوشت کھایا جائے اور ہڈیاں گل جائیں پھر جو جلی ہوئی ہڈیاں باقی رہ جائیں ان کو خوب پیسنا اور جب کسی دن تیز آندھی آئے تو میری ان پسی ہوئی ہڈیوں کو دریا میں بہا دینا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُس کو پھر زندہ کر دیا اور اس سے پوچھا کہ تُو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ خدایا! میں سخت گنہگار تھا اور میں ڈرتا تھا کہ اگر میری روح تیرے قابو آئی تو تُو مجھے ضرور سزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا جب تُو مجھ سے اس قدر ڈرتا تھا تو جا مَیں نے تجھے معاف کر دیا۔

اب دیکھو اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ بعض لوگ جلائے جاتے ہیں کم سے کم ایک شخص کے متعلق آپ کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ

اُسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ آگ میں جلایا گیا مگر پھر بھی وہ خدا کے قابو چڑھ گیا اور اسے زندہ کر کے اس نے اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔ پس درحقیقت وہ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ میں ہی شامل تھا اور گو وہ جَلا کر ہَوا میں اُڑا دیا گیا مگر پھر بھی قرآنی اصطلاح میں اسے قبر والا ہی قرار دیا گیا ہے۔

غرض اوّل تو قرآن کریم خدا کا کلام ہے جسے سب کچھ علم ہے، لیکن اگر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہی سمجھ لیا جائے تب بھی آپ پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ بعض لوگ دفن نہیں ہوتے بلکہ جلائے جاتے ہیں۔ پس باوجود لوگوں کے ڈوبنے، جلنے اور درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں جانے کے پھر بھی قبر کے لفظ کا استعمال بتاتا ہے کہ قبر سے مراد وہی مقام ہے جس میں سب ارواح رکھی جاتی ہیں نہ کہ مادی قبر جو ہر ایک کو نصیب نہیں۔

غرض قرآن کریم نے وہ مقبرہ پیش کیا ہے کہ رشتہ دار میت سے خواہ کچھ سلوک کریں وہ اُسے جلا دیں وہ اُس کی ہڈیاں پیس دیں وہ اُسے چیلوں اور کُتّوں کے آگے ڈال دیں اور اس سے کیسی ہی بے انصافی کریں اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے مقبرہ بناتا ہے اور اسے زندگی بخش کر اپنے پاس جگہ دیتا ہے اور اس میں کافر اور مؤمن کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ مرنے والے کے لواحقین اپنے مذہب کے غلط عقائد کے ماتحت اُسے کُتّوں کے آگے ڈال دیتے ہیں، وہ اپنے مذہب کے غلط عقائد کے ماتحت اسے چیلوں اور گِدھوں کو کِھلا دیتے ہیں، مگر خدا کافر اور مؤمن سب کی ارواح کو قبر میں جگہ دیتا ہے۔

ہر شخص کا روحانی مقبرہ اس کے اعمال کے مطابق ہوگا

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر ایک کا مقبرہ اس کے اعمال کے مطابق ہوسکتا ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہر شخص کا مقبرہ اس کے عمل کے مطابق ہو۔ دنیا میں بڑے بڑے فریبی اور دغاباز ہوتے ہیں جن کی عمریں فریب اور دغا میں ہی گزر جاتی ہیں مگر ظاہر میں وہ بڑے متقی اور پرہیزگار دکھائی دیتے ہیں اور ان کے دل میں تو کچھ ہوتا ہے مگر ظاہر کچھ کرتے ہیں۔

حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب سنایا کرتے تھے کہ ایک انگریز سرحد میں جا کر دس سال تک لوگوں کو نمازیں پڑھاتا رہا اور کسی کو یہ احساس تک نہ ہؤا کہ وہ مسلمان نہیں بلکہ انگریز ہے۔ اسی طرح برٹن ایک عیسائی تھا جو نام بدل کر حج کے لئے چلا گیا۔ اب فرض کرو وہ شخص اسی جگہ

مرجاتا تو لوگ اس کا مقبرہ بنادیتے اور اُس پر لکھ دیتے کہ یہ فلاں حاجی صاحب تھے جو حج کرنے کے لئے آئے اور مکہ میں ہی فوت ہو گئے حالانکہ وہ منافق تھا۔ اسی طرح ہزاروں ایسے آدمی ہوتے ہیں جو دوسرے مذہب میں شامل ہو جاتے ہیں مگر درحقیقت وہ شامل نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں ہی منافقوں کا ذکر آتا ہے اور منافق وہی ہوتا ہے جو چُھپ کر رہے۔ اوپر سے تو ظاہر کرے مگر دل میں اس کے کچھ اور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کا بیشک یہ کہہ کر ردّ کیا ہے کہ **وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ** [۲] وہ مؤمن نہیں ہیں مگر ان کا نام تو ظاہر نہیں کیا کہ پتہ لگ جاتا فلاں مؤمن نہیں بلکہ منافق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقوں کا علم دیا گیا تھا اور بعض کے نام آپؐ نے ظاہر بھی فرمائے مگر کئی ایسے منافق تھے جن پر پردہ پڑا رہا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عام لوگوں کو نہیں بتایا کہ وہ منافق ہیں۔ حضرت حذیفہؓ ایک صحابی تھے انہیں اس بات کا بڑا شوق تھا کہ وہ یہ معلوم کریں کہ ہم میں منافق کون کون ہیں چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑے رہتے تھے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! مجھے ان کے نام بتا دیجئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے اصرار کو دیکھ کر آخر بتا دیئے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو پتہ لگ گیا کہ حذیفہؓ کو منافقین کا علم ہے چنانچہ جس کے جنازہ پر حذیفہؓ نہیں جاتے تھے اس کے جنازہ پر باقی صحابہ بھی نہیں جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ منافق ہی ہوگا تبھی حذیفہؓ اس کے جنازہ میں شامل نہیں ہوئے۔

صحابہؓ میں بھی بعض منافق لوگ تھے

اب دیکھو وہ منافق تو تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان پر پردہ ڈال دیا اور لوگوں کے لئے یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا کہ کون کون منافق ہیں۔ ایسی حالت میں کسی منافق کا بھی مقبرہ بنا دیا جائے اور اس پر اس کی بڑی تعریف لکھ دی جائے تو دُنیوی لحاظ سے یہ بالکل صحیح ہوگا مگر واقعات کے لحاظ سے اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی نہیں ہوگا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول جو منافقین کا سردار تھا اسے تو خدا تعالیٰ نے ظاہر کر دیا مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اور بھی کئی منافق تھے جو ظاہر نہیں ہوئے قرآن کریم اس پر شاہد ہے ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ ہم لوگ صحابہ میں ان کا نام دیکھ کر ان کی تعریفیں کرتے ہوں مگر وہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے مورِد ہوں۔ آخر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں بتایا کہ کون کون منافق ہے تو ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ مخفی رہے ہوں۔ بڑے لوگوں میں سے نہیں بلکہ ادنیٰ درجہ کے صحابی جن میں سے بعض کے نام بھی اسلامی کارناموں میں نہیں آتے ممکن ہے کہ ان میں سے بعض منافق ہوں۔ اب بالکل ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کے مقابر

پر کوئی شخص لکھدے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ مقربانِ بارگاہِ صمدی، مگر واقعہ یہ ہو کہ وہ راندۂ درگاہ ہوں نہ کہ خدا کے مقرب اور اس کی رضا حاصل کرنے والے۔ اس جگہ کوئی شیعہ صاحب اگر یہ اعتراض کر دیں کہ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ صحابہ میں بعض منافق تھے اور وہ پوشیدہ رہتے تھے پھر اگر ہم صحابہ کو منافق کہتے ہیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں منافقوں کو منافق کہنے پر اعتراض نہیں بلکہ مؤمنوں مخلصوں اَلسَّابِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ کو منافق کہنے پر اعتراض ہے قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے کچھ ساتھی منافق تھے، لیکن وہ صحابہ کی بڑی جماعت کو مخلص اور رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ [۵] کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اَلسَّابِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ ابتدائی زمانہ اسلام میں ثُلَّۃٌ تھے یعنی ایک بڑی جماعت تھے اور عام مؤمن اور مخلص بھی بڑی جماعت تھے ہمیں صرف یہ اعتراض ہے کہ شیعہ صاحبان بڑی جماعت کو منافق اور صرف چند اصحاب کو مؤمن کہہ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام اور نامراد قرار دیتے ہیں۔ نَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ ذَالِکَ۔ حالانکہ قرآن کریم آپ کی قوتِ قدسیہ کو کامیاب و بامراد فرماتا ہے اور تاریخ اور واقعات بھی اس پر شاہد ہیں اور دشمن بھی اقراری ہیں۔ وَالۡفَضۡلُ مَا شَھِدَتۡ بِہِ الۡاَعۡدَاءُ

کاموں کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے میں مشکلات

دوسری مشکل ہمیں یہ پیش آتی ہے کہ علاوہ منافقت کے کاموں کی اہمیت کا بھی صحیح اندازہ دنیا میں نہیں لگایا جاسکتا۔ بعض کام بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں مگر بعد میں ان سے بڑے بڑے اہم نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ بعض فقرات چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں مگر ان کے اثرات بڑے وسیع ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں کئی باتیں وقتی طور پر بڑی دکھائی دیتی ہیں مگر نتائج کے اعتبار سے بالکل بے حقیقت ہوتی ہیں پھر کئی کام ایسے ہوتے ہیں جنہیں دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا حالانکہ اُن سے بھی انسان کے اخلاق وعادات پر نہایت گہری روشنی پڑتی ہے پس مَیں نے سوچا کہ جب تک یہ مشکل حل نہیں ہوگی اُس وقت تک کام نہیں بنے گا۔ بیشک قرآن سے ایک مقبرے کا تو پتہ لگ گیا مگر جب تک مقبرہ ہر شخص کے اعمال کے مطابق نہ ہو اُس وقت تک مقبرہ کی غرض پوری نہیں ہوسکتی۔

روحانی مقبرہ میں انسان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کو محفوظ رکھا جاتا ہے

جب مَیں نے اس کے متعلق قرآن کریم پر غور کیا تو مجھے دکھائی دیا کہ قرآن کریم نے اس مشکل کا حل کیا ہؤا ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اس مقبرہ کے متعلق ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ اس میں ہر شخص کا چھوٹا بڑا عمل لکھ کر رکھ دیا جاتا ہے اور اس طرح مقبرہ کی اصل غرض پوری ہو جاتی ہے چنانچہ فرماتا ہے وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّافِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآاَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَايَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا [٦]

یہاں چونکہ دوزخیوں کا ذکر ہے اس لئے فرماتا ہے وَوُضِعَ الْكِتٰبُ اور ان کے اعمال نامے ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے اور جب انہیں معلوم ہوگا کہ ان کے سارے اعمال اس میں آ گئے ہیں تو تُو مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ کانپنے لگ جائیں گے اور کہیں گے اوہو! جو اعمال ہم نے چُھپائے تھے وہ تو آج سب ظاہر ہو گئے اور کہیں گے ارے موت! تُو کیسی میٹھی چیز ہے تُو کیسی اچھی چیز ہے تو آ تاکہ ہم مر جائیں اور اِس ذلّت اور رُسوائی کو نہ دیکھیں مگر وہاں موت کہاں۔ پھر وہ کہیں گے یہ کیسی کتاب اور کیسا اعمال نامہ ہے کہ کوئی چھوٹا یا بڑا عمل نہیں چھوڑتی خواہ گھر میں کیا جائے خواہ باہر کیا جائے، خواہ بیوی بچوں کی موجودگی میں کیا جائے اور خواہ ان سے چُھپ کر کیا جائے، خواہ دوستوں میں کیا جائے خواہ دوستوں کی عدم موجودگی میں کیا جائے، پھر چاہے وہ عمل کسی غار میں کیا جائے اور چاہے میدان میں اور جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا، سینما کی تصویروں کی طرح ان کے سامنے آ جائے گا اور ان کے ہر عمل کی فلم ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگ جائے گی گویا ان کے خلاف ڈبل شہادت ہوگی۔ ایک طرف تو ان کے اعمال کی فہرست ان کے سامنے پیش ہوگی اور دوسری طرف انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے جو کیا ہوگا اس عمل کی فلم بنا کر ان کے سامنے لائی جائے گی، اسی مفہوم کو ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں بیان فرمایا ہے کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے یعنی انسان نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں وغیرہ سے جو جو اعمال کئے ہونگے ان کو ظاہر کرنے کے لئے اعمال کے ریکارڈ پر گراموفون کی سوئی لگا دی جائے گی جس سے ان کے اپنے گزشتہ اعمال کی تمام تفصیل

ان کے سامنے آ جائے گی وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ یہ نہیں کرسکتا تھا کہ بغیر حُجّت کے انہیں سزا دے اسی لئے وہ ایک طرف تو فرشتوں کو بطور گواہ پیش کرے گا جو اعمالنامہ اس کے سامنے رکھ دیں گے اور دوسری طرف اس کے اعمال کی فلم اس کی آنکھوں کے سامنے لائی جائے گی۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے عمل چھوٹے ہوں یا بڑے، اس مقبرہ میں محفوظ رکھے جاتے ہیں تا کہ مقبرہ کی جو اصل غرض ہے کہ انسان کی گزشتہ زندگی کا نشان قائم رہے وہ پورا ہو۔

ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے مطابق سلوک بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہر شخص کے عمل محفوظ رکھے جاتے ہیں مگر کیا اس کے مطابق ہر شخص کا مقبرہ بھی بنایا جاتا ہے یا نہیں اس کے متعلق جب ہم غور کرتے ہیں تو قرآن کریم سے ہی ہمیں اس کا یہ جواب ملتا ہے وَاِنَّ کُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّھُمْ رَبُّکَ اَعْمَالَھُمْ اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ [۷]

کسی شخص کو بھی اس کے اعمال کا اب تک پورا بدلہ نہیں ملا لیکن ایک دن ایسا آئے گا کہ ہر ایک شخص کو اس کے اعمال کا اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دیگا کیونکہ وہ تمہارے اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے۔

بعض دفعہ لوگ کسی معمولی ابتلاء پر ہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے اور اس طرح وہ اس بات پر خوش ہو جاتے ہیں کہ جو سزا انہیں ملنی تھی وہ مل گئی ہے اسی طرح مؤمنوں کو دنیا میں جو ترقی حاصل ہوتی ہے اس کو دیکھ کر بھی خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید مؤمنوں کو جو انعامات ملنے تھے وہ مل گئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَمَّا ہرگز نہیں۔ ابھی تک نہ مؤمنوں کو انعامات ملے ہیں نہ کافروں کو سزا ملی ہے۔ لَمَّا کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اب تک یہ فعل نہیں ہؤا۔ اس آیت میں لَمَّا کا فعل حذف ہے جو یُوَفَّوْا اَعْمَالَھُمْ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ابھی تک انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ نہیں ملا مگر ایک دن ضرور تیرا رب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ پس وہ تمام کام جو تم راتوں کو کرتے ہو، لوگوں سے چُھپ کر کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ لوگوں پر ظاہر نہ ہوں، اسی طرح وہ تمام کام جو تم لوگوں کے سامنے

کرتے ہو، ان تمام اعمال کو اگر توبہ قبول نہ ہوئی تو خدا تعالیٰ اُس دن ظاہر کر دے گا اور جس رنگ کے اعمال ہوں گے اُسی کے مطابق مقبرہ دیا جائے گا۔

اسی طرح سورۃ نبأ میں فرماتا ہے کہ **جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا** [8] قیامت کے دن جو بدلہ ملے گا وہ تیرے رب کی طرف سے حساب کے مطابق ہوگا یعنی جس طرح بنیا پیسہ لیتا ہے اور سَودا دے دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عطاء بھی اُس دن حسابی ہوگی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اعمال کے مطابق بدلہ ہوگا اور جو شخص جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ میں رہے گا یہ نہیں کہ اوّل کو دوم اور دوم کو اوّل کر دیا جائے گا۔

عَطَآءً حِسَاباً اور یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ میں کوئی اختلاف نہیں

اس جگہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم میں اس بارہ میں دو قسم کی آیات آتی ہیں ایک قسم کی تو وہ آیات ہیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں مگر ایک قسم کی وہ آیات ہیں جن میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ مؤمنوں کو بغیر حساب رزق دیا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ** [9]

وہ لوگ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور انہیں بغیر حساب کے رزق دیا جائے گا۔

اب پہلی آیت میں تو یہ بتایا گیا تھا کہ وہاں **عَطَآءً حِسَابًا** پیسے پیسے کا حساب ہوگا مگر یہاں یہ فرمایا کہ انہیں بغیر حساب کے رزق دیا جائے گا۔ اسی طرح دوزخیوں کے متعلق فرماتا ہے **فَاِنَّ جَھَنَّمَ جَزَاؤُکُمْ جَزَاءً مَّوْفُوْرًا** [10]

کافروں کو مَوْفُوْر یعنی کثرت والا عذاب ملے گا۔ اب بظاہر یہ اختلاف نظر آتا ہے کیونکہ پہلی آیات میں مؤمنوں کے متعلق بتایا گیا تھا کہ انہیں حساب کے مطابق جزاء ملے گی اور دوسری آیات میں یہ بتایا کہ انہیں بغیر حساب کے رزق ملے گا۔ اسی طرح دوزخیوں کے متعلق پہلے تو یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ ان کے چھوٹے بڑے اعمال کو مدِّنظر رکھ کر سزا دے گا مگر اس آیت میں یہ بتایا کہ انہیں کثرت سے سزا دی جائے گی جس کے معنے بظاہر یہ معلوم ہوتے ہیں کہ وہ عذاب ان کے حق سے زائد ہوگا، مگر درحقیقت ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مَوۡفُوۡر کا منشاء صرف یہ ہے کہ عذاب جو بھی ہو وہ زیادہ ہی معلوم ہُوا کرتا ہے خواہ وہ استحقاق سے تھوڑا ہی کیوں نہ ملے پس جَزَآؤُکُمۡ جَزَآءً مَوۡفُوۡرًا کے یہ معنے نہیں کہ تمہیں تمہارے حق سے زیادہ عذاب دیا جائے گا بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ تم جو بھی گناہ کرتے ہو اس کا بدلہ تمہاری برداشت سے باہر ہوگا پس زیادتی سے مراد عمل سے زیادہ سزا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ گناہ تو انسان دلیری سے کر لیتا ہے مگر اس کی سزا برداشت نہیں کر سکتا بلکہ پوری سزا کا تو کیا ذکر ہے آدھی سزا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ دوسرے مَوۡفُوۡر کے معنے پورے کے بھی ہوتے ہیں اس لحاظ سے اس آیت پر کوئی اعتراض ہی نہیں ہو سکتا۔

یہ تو مَوۡفُوۡر کی تشریح ہے باقی رہا جنتیوں کا سوال سو وہ بھی پہلے اصل کے خلاف نہیں کیونکہ بغیر حساب کسی ایک شخص کے بارہ میں نہیں بلکہ تمام جنتیوں کے بارہ میں ہے پس اگر الف کو بغیر حساب کے ملے گا تو ب کو بھی بغیر حساب کے ملے گا اور ج کو بھی بغیر حساب کے ملے گا اور ظاہر ہے کہ جب سب کو بغیر حساب کے انعام ملے تو یہ کسی کے حق کو زائل نہیں کرتا بلکہ سب کا درجہ بڑھاتا ہے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے کہا کہ انعام حساب سے ملے گا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ کسی کا درجہ کم نہ ہوگا بلکہ اسی حساب سے ہر ایک کو زیادہ ملے گا پس اس کے یہ معنے ہوئے کہ جنتیوں کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں بغیر حساب زیادہ ملے گا۔ اور ان کے محدود اعمال کو مدّ نظر نہیں رکھا جائے گا، لیکن یہ بغیر حساب ایک حساب کے ماتحت بھی ہوگا اور اس امر کا لحاظ رکھا جائے گا کہ نمبر ۲ نمبر اوّل سے نہ بڑھ جائے اور جب ہر ایک کو بغیر حساب یعنی استحقاق سے بہت زیادہ ملنا ہے تو ظاہر ہے کہ نمبر ۲ نمبر ایک سے بڑھ ہی نہیں سکتا کیونکہ اسے بھی بغیر حساب ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے بغیر حساب کہا تو اس کے معنی ہیں اپنے عمل کے مقابل پر۔ اور جب حساب سے کہا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اپنے سے اوپر والے نمبر کے مقابل پر۔ یعنی ہر ایک کے درجہ کو قائم رکھا جائے گا اور نمبر اوّل والا دوم نہیں ہوگا اور دوم اوّل نہیں ہوگا اور ایک کا درجہ دوسرا نہیں لے سکے گا، اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے ایک شخص کے پاس ایک کروڑ روپیہ ہو دوسرے شخص کے پاس دو کروڑ روپیہ ہو اور تیسرے کے پاس تین کروڑ روپیہ ہو۔ اب اگر کوئی دوسرا شخص یہ فیصلہ کرے کہ سب کو ایک ایک کروڑ اور روپیہ دیدیا جائے تو لازماً سب کا مال بڑھ جائے گا اور جو درجہ ان کا قائم ہو چکا تھا اس میں بھی کوئی نقص واقعہ نہیں ہوگا درجہ اوّل والا پھر بھی درجہ اوّل میں ہی شمار ہوگا اور درجہ دوم اور سوم والے پھر بھی دوم اور سوم درجوں

میں ہی شمار ہوں گے۔ پس جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ مؤمنوں کو حسابی عطا ملے گی وہاں یہ مطلب ہے کہ جنتیوں کے درجے نہیں توڑے جائیں گے اور جہاں یہ فرمایا کہ بغیر حساب کے رزق دیا جائے گا تو وہاں یہ مفہوم ہے کہ عمل کی نسبت جزائیں بہت زیادہ ہونگی۔ پس ہر ایک کا مقام قائم رہے گا اور کسی کا بھی ریکارڈ خراب نہیں ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ مثلاً اگر اکبر کا مقبرہ پہلے درجہ پر ہے اور شاہجہان کا مقبرہ دوسرے درجہ پر، تو شاہجہان کا مقبرہ اکبر سے بڑھ جائے بلکہ اللہ تعالیٰ اگر شاہجہان کو کبھی زیادہ انعام دے گا تو ساتھ ہی اکبر کو بھی اور دے گا اور فرمائے گا اس کے مقبرہ کو اور اونچا کرو تاکہ تفاوتِ مراتب قائم رہے۔

غرض بغیر حساب کے الفاظ بتاتے ہیں کہ عمل کے مقابلہ میں جزاء زیادہ ہوگی اور عَطَآءً حِسَابًا کے الفاظ بتاتے ہیں کہ نمبر توڑ کر نچلے درجہ والے کو اوپر نہیں لے جایا جائے گا۔

مرنیوالوں کا صحیح مقام روحانی مقبرہ سے ہی ظاہر ہوتا ہے

خلاصہ یہ کہ اس انتظام میں ہر ایک کا مقبرہ ہے اور ہر ایک کا مقبرہ اس کے درجہ کے مطابق ہے اور یہی انتظام مقبروں کی غرض کو پورا کرنے والا ہے اس میں صرف نام یا شُہرتِ ظاہری کے مطابق مقبرہ نہیں بنتا بلکہ خالص عمل اور حقیقی درجہ کے مطابق مقبرہ بنتا ہے اور یہ مقبرے گویا مرنے والوں کے صحیح مقام کو ظاہر کرتے ہیں۔

دنیا میں بعض دفعہ ایک شخص بڑا نیک ہوتا ہے مگر اس کے گھر کھانے کے لئے سُوکھی روٹی بھی نہیں ہوتی اور دوسرا شخص خدا تعالیٰ کو گالیاں دیتا ہے مگر اس کے گھر میں پلاؤ زردہ پکتا ہے۔ ایک کی ڈیوڑھی پر دربان بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور کسی کو اندر گُھسنے نہیں دیتے اور دوسرے کے پاس اپنا سر چھپانے کے لئے جھونپڑی بھی نہیں ہوتی حالانکہ وہ بہت نیک اور خدا رسیدہ ہوتا ہے۔ اگر عمارتیں نیکی اور تقویٰ کی بناء پر بنائی جائیں اور جو زیادہ نیک ہو اس کی عمارت زیادہ شاندار ہو جو اس سے کم نیک ہو اس کی عمارت اس سے کم شاندار ہو تو شہر میں داخل ہوتے ہی پتہ لگ جائے گا کہ یہاں کے لوگوں کے اعمال کیسے ہیں۔ مگر دنیا میں ایسا نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ایسے مقبرے بنائے ہیں کہ جن میں داخل ہوتے ہی ساری دنیا کی تاریخ کُھل جائے گی اور ساری ہسٹری (HISTORY) آنکھوں کے سامنے آجائے گی کیونکہ وہ ہسٹری ان کے مکانوں اور ثوابوں اور عذابوں کی صورت میں لکھی ہوئی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاک لوگوں کے مقبروں کی حفاظت کا انتظام

پھر جو دنیا کے مقبرے ہیں ان میں اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ مقابر پر کُتّے پاخانہ پھر جاتے ہیں اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں ہوتا۔ انگریزوں نے آثارِ قدیمہ کا ایک محکمہ بنا کر پُرانے آثار کو کسی قدر محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے مگر پھر بھی وہ مقبروں کی پوری حفاظت نہیں کر سکے اور حال یہ ہوتا ہے کہ مقبرے پر تو پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ صَرف ہو چکا ہوتا ہے مگر وہاں جا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کُتّے آتے اور پاخانہ کر کے چلے جاتے ہیں۔ مگر وہ مقبرے جو اللہ تعالیٰ بناتا ہے ان کی یہ حالت نہیں ہوتی بلکہ وہاں ہر شخص قابلِ عزت ہوتا ہے اس کے مقبرہ کی حفاظت کی جاتی ہے اور صرف گندے لوگوں کے مقبروں کی حالت ہی خراب ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ [۱۱] جو نیک لوگ ہونگے انہیں جنت میں جگہ دی جائے گی اور ان کے اعزاز کو ہمیشہ قائم رکھا جائے گا، کوئی ان پر الزام نہیں لگا سکے گا۔ کوئی ان کی بے عزتی نہیں کر سکے گا اور کوئی ان کے درجہ کو گرا نہیں سکے گا۔

ناپاک لوگ اس مقبرہ میں کوئی بہتر مقام حاصل نہیں کر سکیں گے

اس کے مقابلہ میں جو کافر ہیں ان کے متعلق فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ [۱۲] جو کافر ہیں ان کے اموال خدتعالیٰ کے مقابل پر ان کے کام نہ آئینگے نہ اولاد کام آئے گی اور وہ ضرور آگ کا ایندھن بنیں گے۔

دنیا کے مقبرے بنانے والے کون ہوتے ہیں وہی ہوتے ہیں جن کے پاس مال ہوتا ہے۔ ایک انسان گندہ ہوتا ہے فریبی اور مکّار ہوتا ہے مگر اُس کے پاس دس لاکھ روپے ہوتے ہیں جب وہ مرتا ہے تو وہی دس لاکھ روپے اُس کی اولاد کے قبضہ میں چلے جاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہمارا باپ خبیث تھا اس نے اپنی زندگی میں ہمیشہ جھوٹ اور فریب سے کام لیا اور کئی قسم کے ظلموں سے لوگوں کے مالوں کو لُوٹا مگر محض اس وجہ سے کہ روپیہ ان کے پاس بافراط ہوتا ہے وہ اس کا شاندار مقبرہ بنا دیتے ہیں اور اس طرح لوگوں کے سامنے وہ بات پیش کرتے ہیں جو واقعات کے لحاظ سے بالکل غلط ہوتی ہے۔ چنانچہ کئی بادشاہوں کے مقبرے بھی موجود ہیں۔ ان کے زمانہ کے لوگ کہا کرتے تھے کہ یا اللہ! ان کا بیڑا غرق کر مگر جب مر گئے تو ان کے وارثوں نے اُن کے

مقبرے بنا دیئے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہمارے نظام میں یہ خرابی نہیں۔ دنیا میں تو غیر مستحق لوگوں کی اولاد یا مالی وُسعت ان کے مقبروں کو شاندار بنائے رکھتی ہے اور اس طرح لوگوں کو دھوکا لگتا ہے مگر فرماتا ہے تم ہمارے مقبرہ میں ایسا نہ دیکھو گے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ جو لوگ کافر ہیں اگر وہ شاہجہان سے بھی زیادہ مال اپنے پاس رکھتے ہیں تو وہ ہمارے مقبرے میں اس روپیہ سے اپنے لئے کوئی بہتر جگہ حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر فرماتا ہے کہ ممکن ہے کہ ان کا یہ خیال ہو کہ ہماری اولاد ہمارا مقبرہ بنا دیگی جیسے جہانگیر مر گیا تو اس کے عزیزوں نے اس کا مقبرہ بنا دیا، مگر فرمایا یہ خیال بھی غلط ہے ان کی اولاد بھی ان کے کام نہیں آ سکتی وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ وَقُوْدُالنَّارِ ان کا مقبرہ تو آگ ہی ہے جس میں وہ ڈالے جائیں گے اور اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔

نوحؑ کا مقبرہ

پھر مَیں نے سوچا کہ کیا ان مقابر کا کوئی نشان اِس دنیا میں بھی ہے اور کیا اس کی کوئی علامت یہاں پائی جاتی ہے تا اسے دیکھ کر ہم ان غیر مرئی مقابر کا اندازہ لگا سکیں۔ یہ ساری باتیں تو اگلے جہان سے تعلق رکھتی ہیں اور بیشک ہم ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر لوگوں کو کس طرح دکھائیں کہ یہ باتیں سچی ہیں اس کی کوئی علامت یہاں بھی ہونی چاہیئے جسے دیکھ کر اگلے جہان کے مقابر کا اندازہ لگایا جا سکے۔ جب میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوُا کہ دنیا میں بھی ان مقابر کے نشان قائم کئے گئے ہیں چنانچہ مَیں نے قرآن کو دیکھا تو مجھے اس میں ایک مقبرہ نوح کا نظر آیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ - سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ - اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ [۱۳]

فرماتا ہے ہم نے نوح کا دنیا میں روحانی مقبرہ قائم کیا ہے وہ بڑا اچھا آدمی تھا اور اگلے جہان میں ہم نے اسے بڑی عزّت سے رکھا ہوُا ہے۔ اور چونکہ جنت کے مقبرے میں سلامتی ہی سلامتی ہوتی ہے اس لئے تم بھی جب نوح کا ذکر آئے تو کہا کرو نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ اور اس کے مقام کو یاد رکھو وہ خدا کی سلامتی کے نیچے ہے اور جب بھی اس کا نام لو اس کے ساتھ ''عَلَیْہِ السَّلَامُ'' کا اضافہ کر لیا کرو۔ فرماتا ہے اس مقبرہ کے ہم ذمہ دار ہیں اور ہم اعلان کئے دیتے ہیں کہ اس مقبرہ کو کوئی توڑ نہیں سکے گا۔ لوگوں کے مقبرے بنائے اور توڑے جاتے ہیں مگر نوح کا مقبرہ ہم نے ایسا بنایا ہے جسے کوئی شخص توڑ نہیں سکتا چنانچہ دیکھ لو آج اس مقبرہ کا محافظ خدا نے ہمیں مقرر فرمایا ہے یہود ان کو بھول چکے ہیں، عیسائی ان کو بھول چکے ہیں،

مگر آج بھی جب نوح کا ذکر آتا ہے تو سب مسلمان بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں عَلَیۡهِ السَّلَامُ۔

الیاسؑ کا مقبرہ

اسی طرح حضرت الیاسؑ کے متعلق فرماتا ہے وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلۡيَاسِيۡنَ - اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ [۱۴]

حضرت الیاس بھی ہمارے مقرب بندوں میں سے تھا اور ہم نے مناسب سمجھا کہ اگلے جہان میں اس کا بھی مقبرہ بنے اور اِس جہان میں بھی۔ تاکہ لوگوں کے لئے ایک نشان ہو اور ان کے دلوں میں بھی یہ تحریص پیدا ہو کہ ہم بھی ایسے ہی بنیں۔ پھر فرماتا ہے سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلۡيَاسِيۡنَ ہم نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تینوں الیاسوں پر سلام ہوا کرے چنانچہ آج بھی جب کوئی حضرت الیاس کا نام لیتا ہے تو کہتا ہے الیاس عَلَیۡهِ السَّلَامُ۔ اس جگہ اِلۡيَاسِيۡنَ کے بارے میں لوگوں کو تردّد ہوا ہے، لیکن یہ تردّد نہیں بلکہ ایک زبردست پیشگوئی ہے اور وہ یہ کہ الیاسین کا ظہور دُنیا میں تین دفعہ مقدر تھا۔ پہلا خود الیاس کے وجود میں دوسرا یحیٰ کے ذریعہ سے اور تیسرا پھر ایک دفعہ تا الیاس سے الیاسین بولا جا سکے۔ اس لفظ نے ثابت کر دیا ہے کہ مسیح کا دوبارہ نزول تمثیلی رنگ میں ہوگا کیونکہ اگر پہلے ہی مسیح نے دوبارہ آنا ہوتا تو اس کا الیاس تو یحیٰ کے رنگ میں ظاہر ہو چکا تھا پھر آسمان پر سے آنے والے کے لئے کسی راستہ صاف کرنے والے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پس تیسری دفعہ الیاس کے آنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دوسرا مسیح پہلے مسیح سے علیحدہ وجود ہوگا اور اِسی دنیا سے پیدا ہوگا تبھی اس کے لئے ایک اور الیاس پیدا کیا جائے گا۔ تاکہ اس کے راستہ کو صاف کرے۔ اس تیسرے الیاس کا سلام گو ابھی دنیا میں قائم نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ اس کا سلام بھی قائم ہوگا اور یہ سلام غیر نبی کے لئے جائز ہوتا ہے پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تیسرا الیاس جب نبی نہیں تو اس کے لئے سلام کا لفظ کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ غیر نبی کے لئے بھی سلام کا لفظ استعمال ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ عَلَیۡهِ السَّلَامُ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ پس غیر نبی کے نام کے ساتھ بھی عَلَیۡهِ السَّلَامُ کہا جا سکتا ہے اور تیسرے الیاس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ ہے کہ پہلے دو الیاسوں کی طرح اس کے متعلق بھی عَلَیۡهِ السَّلَامُ کہا جائے گا۔

مریمؑ اور مسیحؑ کا مقبرہ

پھر فرماتا ہے ہم نے ایک اور مقبرہ بھی بنایا ہے چنانچہ فرمایا وَالَّتِىۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ [۱۵] اُس عورت کو یاد کرو جس نے اپنے تمام قویٰ کو خدا کے لئے وقف کر دیا

ہم نے اس میں اپنی رُوح پھونکی اور اُسے اور اس کے بیٹے کو ہمیشہ کے لئے یادگار بنا دیا۔ یہ بھی ایک مقبرہ ہے جو خدا تعالیٰ نے بنایا چنانچہ آج بھی حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور حضرت مریم صدیقہ عَلَیْھَا السَّلَامُ ہی کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا مقبرہ

اسی طرح حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کے متعلق فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتٰبَ وَاٰتَیْنٰـہُ اَجْرَہٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ [۱۶]

ابراہیم بھی ہمارے مخصوص لوگوں میں سے تھا جس کے لئے ہم نے رُوحانی مقبرہ بنایا اور یہ مقبرہ دو طرح ظاہر ہؤا۔ ایک اس طرح کہ جب بھی ابراہیمؑ کا نام لیا جائے گا لوگ عَلَیْہِ السَّلَامُ کہیں گے اور دوسرے اس طرح کہ آئندہ ہم نے نبوت کا اس کی اولاد کے لئے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ان کے ذریعہ سے زندہ رہے گی خواہ وہ ذرّیت جسمانی ہو خواہ روحانی۔ اس طرح ہم نے اسے دنیا میں بھی اجر دیدیا اور آخرت میں بھی، کیونکہ وہ ہمارے صالح بندوں میں سے ہے چنانچہ ہمیشہ آپ پر درود بھیجا جاتا ہے اور جب بھی مسلمان کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ تو حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کا نام اور آپ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور یہی مقبرے کی غرض ہوتی ہے۔

مختلف انبیائے سابقین کے مقبرے

پھر فرماتا ہے وَتِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰھَآ اِبْرٰھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاءُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ۔ وَوَھَبْنَالَہٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ کُلًّا ھَدَیْنَا ۚ وَنُوْحاً ھَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ط وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطاً وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ وَ مِنْ اٰبَآئِھِمْ وَذُرِّیّٰتِھِمْ وَاِخْوَانِھِمْ وَاجْتَبَیْنٰھُمْ وَھَدَیْنٰھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْھُمْ مَّاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ فَاِنْ یَّکْفُرْبِھَا ھٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِھَا

قَوْماً لَّيْسُوْا بِهَابِكٰفِرِيْنَ - اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّاذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ؎

یہاں خدا تعالیٰ نے وہ سارے نام اکٹھے کر دیئے ہیں جن کی یاد کو اس نے قائم کیا ہے فرماتا ہیں یہ وہ حُجّت ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ یقیناً تیرا رب حکمت والا اور جاننے والا ہے اور ہم نے اسے اسحاقؑ اور یعقوبؑ دیئے اور ان میں سے ہر ایک کو ہدایت دی اور اس سے قبل ہم نے نوحؑ کو بھی ہدایت دی۔ اسی طرح اس کی اولاد میں سے داوٗدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ سب کو ہدایت دی اور ہم محسنوں کو اسی طرح جزاء دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح زکریاؑ اور یحییٰؑ اور الیاسؑ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ سب کو ہم نے دنیا پر فضیلت بخشی۔ اسی طرح ان کے آباء واجداد اور ان کی ذرّیت اور ان کے بھائیوں میں سے بھی ایسے لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی اور جنہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہم نے ہدایت دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اگر یہ لوگ مشرک ہوتے تو ان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی حکمت دی اور نبوت دی۔ اگر مشرک لوگ آج کل اس تعلیم کے خلاف چلتے ہیں تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہم نے مسلمانوں کی قوم کو کھڑا کر دیا ہے جو ان کی یاد کو تازہ اور ان کے قیام کی حفاظت کرے گی یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی پس اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تُو اِن کی ہدایت کے پیچھے چل کیونکہ ان کے ذکر کو تازہ رکھنا ضروری ہے۔ تو کہہ دے کہ مَیں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ قرآن تو سب دنیا کے لئے نصیحت کا موجب ہے اگر تم اس قرآن پر عمل کرو گے تو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر ہی عمل نہیں کرو گے بلکہ اس طرح وہ تعلیم بھی زندہ ہو گی جو موسیٰؑ کو ملی، وہ تعلیم بھی زندہ ہو گی جو عیسیٰؑ کو ملی، وہ تعلیم بھی زندہ ہو گی جو نوحؑ کو ملی، وہ تعلیم بھی زندہ ہو گی جو ابراہیمؑ کو ملی، وہ تعلیم بھی زندہ ہو گی جو داوٗدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور الیاسؑ اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور دوسرے نبیوں کو ملی (عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كُلِّهِمْ) اور اگر مسلمان سارے قرآن پر عمل کرینگے تو اس طرح ان کے مقبرے بھی قائم رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ناموں کو بھی زندہ رکھے گا۔

سردارِانبیاء حضرت محمّد مصطفٰی صَلَّی اللہ علیہ وسلم کے تین مقبرے

اب سب سے آخر سردارِ انبیاء حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کا مقبرہ کس طرح بنا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْاعَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا [۱۸]

فرماتا ہے لوگوں کے دو مقبرے ہوتے ہیں۔ایک جنت میں اور ایک اس دنیا میں ،مگر ہمارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین مقبرے ہیں۔ایک جنت میں ، ایک عرش پر اور ایک اس دنیا میں چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔عرش پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے فرشتوں کے نام ہمیشہ احکام جاری ہوتے رہتے ہیں کہ اس پر ہماری رحمتیں نازل کرو ہماری رحمتیں نازل کرو اور دوسرا مقبرہ جنت میں، تیسرا مقبرہ دنیا کا ہے چنانچہ فرماتا ہے ہم تمہیں یہ ہدایت دیتے ہیں کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اے مؤمنو! جب بھی تمہارے سامنے ہمارے رسول کا ذکر ہو تم کہو۔صلّی اللہ علیہ وسلم۔صلّی اللہ علیہ وسلم۔

انبیائے سابقین کے متّبعین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے مقبرے

اب دیکھو یہ بھی ایک مقبرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا پھر چونکہ انبیاء علیہم السلام کے اتباع میں سے بھی بعض بڑے نیک اور بزرگ تھے اس لئے جہاں پہلے انبیاء کا ذکر کیا وہاں یہ بھی فرمایا وَمِنْ اٰبَآئِھِمْ وَذُرِّیّٰتِھِمْ وَاِخْوَانِھِمْ یعنی ان کے باپ دادا، ان کی ذرّیت اور ان کے بھائی بھی ان انعامات میں شریک ہونگے۔اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ساتھی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے مقبرے بھی قائم کئے اور فرمایا وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ [۱۹]

فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ساتھی ہیں ان کو ہم نے یہ رُتبہ عطا فرمایا ہے کہ آئندہ کے لئے ہم نے یہ شرط قرار دیدی ہے کہ جو لوگ بعد میں آئیں ان میں سے کسی شخص کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ ایمان لانے کے بعد ہمیشہ یہ دعا نہ کرتا رہے کہ

اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش اور ان کے بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے گویا ایمان کی تکمیل کے لئے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ روزانہ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ اپنے سے پہلے مسلمانوں کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا رہے۔

پھر غَفَر کے معنی خالی گناہ کی معافی کے ہی نہیں بلکہ اصلاحِ حالات کے بھی ہوتے ہیں۔[۲] اس لحاظ سے اس کے یہ معنے بھی ہونگے کہ اے ہمارے رب! ہمارے حالات کو بہتر سے بہتر بناتا جا اور اسی طرح ان لوگوں کے حالات کو جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تیرے مؤمن تھے۔ گویا نہ صرف خدا تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ کے مؤمنوں کی یاد تازہ کی بلکہ یہ بھی سامان کئے کہ مقبرہ کی مرمت ہوتی رہے اور اس میں زیادتی ہوتی رہے اور اسے ہمیشہ پہلے سے زیادہ شاندار بنانے کی کوشش کی جائے کیونکہ جب مرنے کے بعد بھی اصلاحِ حالات کا امکان پایا جاتا ہے اور پہلوں کے لئے پچھلے یہ دعا کرتے رہتے ہیں تو لازماً مرنے والے اپنے مقام میں بڑھتے جاتے ہیں اور پھر لازماً ان کے شایانِ شان ان کا روحانی مقبرہ بھی زیادہ شاندار ہوتا جاتا ہے۔

شیعوں کا صحابہؓ کو بُرا بھلا کہنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے

پھر فرماتا ہے یہ بھی دعا کیا کرو کہ ہمارے دل میں ان کے متعلق کوئی بُغض پیدا نہ ہو، اس آیت سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ شیعوں کا یہ کیسا خطرناک عقیدہ ہے کہ وہ صحابہؓ سے عداوت رکھنے اور ان کو بُرا بھلا کہنے میں ہی اپنی نجات سمجھتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں تمہیں تب مؤمن سمجھوں گا جب تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے لئے دعائیں کرتے رہو گے اور اُن کا کینہ اور بُغض اپنے دلوں میں نہیں رکھو گے، مگر آج یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُن سے کینہ اور بُغض رکھنا ہی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

اب تھوڑے دنوں تک محرّم کا مہینہ آنیوالا ہے ان ایام میں کس طرح تبرّا کیا جاتا اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو گالیاں دی جاتی ہیں حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ ان کے متعلق دل میں کسی قسم کا بُغض نہ ہو اور نہ صرف بُغض نہ ہو بلکہ انسان محبت اور اخلاص کے ساتھ ان کے لئے ہمیشہ دُعائیں مانگتا رہے۔

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک شیعہ بادشاہ کے پاس ایک دفعہ ایک سنّی بزرگ گئے اور اس سے امداد کے طالب ہوئے۔ وہ آدمی نیک تھے مگر چونکہ ان کا گزارہ بہت مشکل سے ہوتا

تھا اس لئے انہیں خیال آیا کہ مَیں بادشاہ کے پاس جاؤں اور اس سے کچھ مانگ لاؤں وہ گئے تو وہاں اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے جو اپنی حاجات کے لئے آئے ہوئے تھے مگر وہ سب شیعہ تھے اور یہ سنّی ۔ جب بادشاہ مال بانٹنے کے لئے کھڑا ہؤا تو وزیر نے بادشاہ کے کان میں کچھ کہا اور اُس نے اس سنّی بزرگ کے علاوہ باقی سب کو مال تقسیم کر دیا اور وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے ۔ یہ سنّی بزرگ وہیں کھڑے رہے ۔آخر جب انہیں کھڑے کھڑے بہت دیر ہوگئی تو بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اسے بھی کچھ دیکر رخصت کردو۔ وزیر نے کہامَیں دے تو دُوں مگر یہ شخص شکل سے سنّی معلوم ہوتا ہے بادشاہ نے کہا ۔تمہیں کس طرح معلوم ہؤا وہ کہنے لگا بس شکل سے مَیں نے پہچان لیا ہے ۔ بادشاہ نے کہا اچھا تو اس کا امتحان کرلو ۔ چنانچہ وزیر نے حضرت علیؓ کی فضیلت بیان کرنی شروع کر دی ، وہ سنّی بزرگ بھی شوق سے سنتے رہے اور کہنے لگے حضور ! حضرت علیؓ کی شان میں کیا شبہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور آپ کے داماد تھے خدا تعالیٰ نے انہیں خلافت عطا فرمائی ۔آپ کی شان سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا ۔ بادشاہ کہنے لگا اب تو ثابت ہو گیا کہ یہ شیعہ ہے ، وزیر کہنے لگا ابھی نہیں مَیں بعض اور باتیں بھی دریافت کرلوں ۔ چنانچہ اُس نے اور کئی باتیں کیں ،مگر وہ بھی ان سب کی تصدیق کرتے چلے گئے بادشاہ نے کہا ۔بس اب تو تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ یہ سنّی نہیں بلکہ شیعہ ہے ۔ وزیر کہنے لگا ابھی نہیں ۔ تبرّا دیکر دیکھیں اگر یہ تبرّے میں شامل ہو گیا تو پتہ لگ جائے گا کہ شیعہ ہے اور اگر شامل نہ ہؤا تو معلوم ہو جائے گا کہ سنّی ہے ۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا بر ہر سہ لعنت ۔یعنی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ حضرت ابوبکرؓ ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پر لعنت ۔ وزیر نے بھی کہا بر ہر سہ لعنت ۔ وہ بزرگ سنّی بھی بول اُٹھے کہ بر ہر سہ لعنت ۔ بادشاہ نے کہا اب تو یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ شیعہ ہے ۔ وزیر نے کہا حضور ! میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ یہ شخص منافقت سے کام لے رہا ہے ۔ وہ کہنے لگا اچھا تو پھر اس سے پوچھو کہ تم کون ہو ۔ وزیر نے پوچھا کہ کیا آپ شیعہ ہیں ؟ وہ کہنے لگا نہیں مَیں تو سنّی ہوں ۔ وزیر کہنے لگا کہ مجھے آپ کی اور باتیں تو سمجھ آ گئی ہیں کہ جب میں حضرت علیؓ کی تعریف کرتا تھا تو آپ اس لئے اس تعریف میں شامل ہو جاتے تھے کہ حضرت علیؓ آپ کے نزدیک بھی واجب التعظیم ہیں مگر جب ہم نے یہ کہا کہ بر ہر سہ لعنت تو آپ نے بھی بر ہر سہ لعنت کہا ، اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی ۔ وہ کہنے لگے جب آپ نے کہا تھا بر ہر سہ لعنت ، تو آپ کی مراد تو یہ تھی کہ ابوبکرؓ ، عمرؓ اور عثمانؓ پر لعنت ہو مگر جب مَیں نے بر ہر سہ لعنت کہا تو میرا مطلب یہ تھا

کہ وزیر پر بھی لعنت اور بادشاہ پر بھی اور مجھ پر بھی جو ایسے گندے لوگوں کے گھر میں آ گیا ہوں۔ غرض شیعوں کا یہ طریق کہ صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں اور اکابر صحابہ کو منافق کہتے ہیں ناپسندیدہ اور مذکورہ بالا آیتِ قرآنی کے خلاف ہے حضرت علیؓ کا درجہ بلند ماننے کے لئے اس کی کیا ضرورت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ کو منافق کہا جائے اس کے بغیر بھی شیعیت قائم رہ سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم نہایت واضح طور پر فرماتا ہے کہ خداتعالیٰ کے جو پاک بندے گزر چکے ہیں تمہیں ان کے متعلق دُعاؤں سے کام لینا چاہئے اور کہنا چاہئے کہ خدایا! ہمارے دلوں میں ان کے متعلق بُغض پیدا نہ ہو کیونکہ اگر بُغض پیدا ہؤا تو ایمان ضائع ہو جائے گا گویا ہمیشہ کے لئے خدا نے اُن کے لئے دعاؤں کا سلسلہ جاری کر دیا اور اس طرح دنیا میں بھی ان کا مقبرہ بنا دیا۔

روحانی مقبرہ میں رشتہ داروں کو اکٹھا رکھنے کا انتظام

پھر مَیں نے سوچا کہ دُنیوی مقابر والوں نے تو یہ انتظام کیا ہوتا ہے کہ ان کے رشتہ دار بھی ان کے ساتھ مقبروں میں دفن ہوں۔ کیا اس مقبرہ میں بھی کوئی ایسا انتظام ہے تو مَیں نے دیکھا کہ دُنیوی مقبروں میں بیشک بعض قریبیوں کو دفن کیا گیا ہے جیسے شاہجہان کے ساتھ اس کی بیوی دفن ہے مگر سب کے لئے گنجائش نہیں تھی جیسے یہ نہیں ہؤا کہ شاہجہان کے بیٹے بھی اُس کے ساتھ دفن کئے جاتے اور نہ باہمی بُغض وعداوت کی وجہ سے وہ اکٹھے دفن کئے جا سکتے ہیں۔ جیسے شاہجہان کو نورجہاں سے بُغض تھا اس وجہ سے اس نے جہانگیر کے پاس اسے دفن نہ کیا بلکہ الگ دفن کیا اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بڑے نے ادنیٰ مقبرہ بنایا ہے اور بعد کے کسی چھوٹے درجہ والے نے بڑا مقبرہ بنایا ہے اس وجہ سے بھی بڑا اس کے ساتھ دفن نہ کیا جا سکا جیسے شاہجہان کے مقبرہ میں بابرؔ، ہمایوںؔ، اکبرؔ اور جہانگیرؔ کو لاکر دفن نہیں کیا گیا۔ یہ نہیں ہؤا کہ ان کی ہڈیاں کھود کر انہیں شاہجہان کے مقبرہ میں دفن کیا جاتا۔ پھر بعض حوادث نے ان کو الگ الگ رکھا جیسے اورنگ زیب حیدرآباد میں فوت ہؤا اور اورنگ آباد میں اس کا مقبرہ بنا۔ حیدرآباد چونکہ گرم علاقہ ہے اور وہاں سے لاش لانے میں دقّت تھی اس لئے وہ شاہجہان کے ساتھ اسے دفن نہ کر سکے بلکہ اگر چاہتے تب بھی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی تھی اور بعض دفعہ فاصلے کا سوال ایسا اہم ہوتا ہے جسے کسی صورت میں

نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور باوجود خواہش کے ایک جگہ سب قریبی دفن نہیں ہو سکتے غرض کئی وجوہ ایسے ہو سکتے ہیں جن کی بناء پر سب کو اکٹھا دفن نہیں کیا جا سکتا۔ بعض دفعہ بُغض وعناد، بعض دفعہ جگہ کی تنگی، بعض دفعہ فاصلہ کی زیادتی اور بعض دفعہ اچانک حادثات اِس قسم کے ارادوں میں حائل ہو جاتے ہیں۔ پس مَیں نے سوچا کہ کیا اس مقبرہ میں بھی کوئی ایسا انتظام ہے کہ سب رشتہ دار اکٹھے رہیں جب مَیں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ یہ مقبرہ بیشک ایسا ہے جس میں سب رشتہ داروں کے جمع کرنے کا انتظام ہے۔ بشرطیکہ ان کی طبائع ملتی ہوں تا کہ جھگڑا فساد نہ ہو چنانچہ مَیں نے دیکھا کہ اس مقبرہ کے متعلق حکم تھا جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَاصَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ[۲۱]

فرمایا وہ جو اگلے جہان کا مقبرہ ہے اس میں ہر شخص اپنے اپنے درجہ کے مطابق خدا تعالیٰ کا انعام پائے گا، مگر رشتہ داروں کے لحاظ سے ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ جس کے ایسے رشتہ دار ہونگے جن کے ساتھ وہ محبت سے رہ سکتا ہو اور جن کے عقائد اور خیالات سے وہ متفق ہو ایسے سب رشتہ داروں کو اکٹھا کر دیا جائے گا خواہ باپ ہوں، بیٹے ہوں، بیویاں ہوں۔ اور فرشتے اُن پر چاروں طرف سے داخل ہوں گے اور کہیں گے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔

ملائکہ کو تمام رشتہ داروں کی عزّت کرنے کا حکم

امیروں کے گھروں میں اگر ان کے غریب رشتہ دار آ جائیں تو وہ اُن کے ساتھ نہایت حقارت سے پیش آتے ہیں اور وہ رشتہ دار بھی ان کے پاس رہنے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لطیفہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک ہندو نے اپنے ایک بیٹے کو نہایت اعلیٰ تعلیم دلائی اور اپنی زمین اور جائداد وغیرہ فروخت کر کے اسے پڑھایا۔ یہاں تک کہ وہ ڈپٹی بن گیا اس زمانہ میں ڈپٹی بڑا عہدہ تھا۔ ایک دن وہ امراء ورؤساء کے ساتھ اپنے مکان کے صحن میں بیٹھا تھا کُرسیاں بچھی ہوئی تھیں کہ اتفاقاً اُس کا باپ ملنے کے لئے آ گیا۔ اس نے ایک میلی کچیلی دھوتی پہنی ہوئی تھی، وہ آیا اور بے تکلفی سے ایک کُرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے گندے اور غلیظ کپڑے دیکھ کر جو ای، اے، سی اور دوسرے معززین بیٹھے ہوئے تھے انہیں بڑی تکلیف محسوس ہوئی مگر انہوں نے سمجھا کہ مالک مکان اسے خود ہی اُٹھا دیگا، ہمیں کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن مالک مکان نے کچھ نہ کہا آخر انہوں نے

ڈپٹی صاحب سے پوچھا کہ ان کی کیا تعریف ہے؟ اس پر وہ لڑکا جسے اُس کے باپ نے فاقے برداشت کر کر کے تعلیم دلائی تھی بولا کہ یہ ہمارے ٹہلیے ہیں، یعنی ہمارے گھر کے نوکر ہیں۔ اس پر باپ کو سخت غصہ آیا اور وہ کہنے لگا مَیں ان کا ٹہلیا تو نہیں ان کی والدہ کا ضرور ہوں۔ اس فقرہ سے سب لوگ سمجھ گئے کہ یہ شخص ڈپٹی صاحب کا والد ہے اور انہوں نے ان کو سخت ملامت کی کہ آپ بڑے نالائق ہیں کہ اس طرح اپنے باپ کی ہتک کرتے ہیں۔ تو دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ غریب رشتہ دار جب اپنے کسی امیر رشتہ دار کے ہاں جاتے ہیں تو ان کی عزّت میں فرق آ جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم فرشتوں کو حکم دیں گے کہ دیکھو **سَلَامٌ عَلَیْکَ** نہ کہنا بلکہ **سَلَامٌ عَلَیْکُمْ** کہنا اور ان سب رشتہ داروں کی عزت کرنا جو اس کے پاس جمع کئے گئے ہوں گے پس **سَلَامٌ عَلَیْکُمْ** کہہ کر اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت کو بھی قائم کر دیا۔

جماعت کو نصیحت

یہ وہ مقبرے ہیں جو مَیں نے دیکھے اور خوش قسمت ہے وہ جو ان مقبروں میں اچھی جگہ پائے، مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک ہماری جماعت کے بعض دوستوں نے بھی اس حقیقت کو نہیں سمجھا۔ میں ایک دن بچوں کے قبرستان میں گیا تو وہاں میں نے دیکھا کہ قریباً ہر قبر پر بڑے بڑے کتبے لگے ہوئے تھے حالانکہ قبریں بالکل سادہ بنانی چاہئیں اور نمود و نمائش پر اپنا روپیہ برباد نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود **عَلَیْہِ السَّلَامُ** کی قبر کو دیکھو وہ کیسی سادہ ہے اسی طرح تمہیں بھی اپنے عزیزوں کی قبروں میں سادگی مدّ نظر رکھنی چاہئے اور بلا ضرورت اپنے روپیہ کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے اندر یہ طبعی خواہش پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کی قبروں کی حفاظت کرے، لیکن تمہارے مرنے کے بعد ان قبروں کی حفاظت کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعد میں آنے والے ان قبروں کو اُکھیڑ کر ان میں اپنے مُردے دفن کر دیں اور تمہارے مُردوں کا کسی کو نشان تک بھی نہ ملے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے ہاں جو مقبرہ بنتا ہے اسے کوئی شخص اُکھیڑنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس اپنی قبریں اُسی جگہ بناؤ جہاں خدا تعالیٰ تمہاری قبروں کی حفاظت کا خود ذمّہ دار ہوگا اور اگر دنیا میں اپنی قبریں کسی اچھی جگہ بنانے کی خواہش رکھتے ہو تو پھر بہشتی مقبرہ میں بناؤ۔ اور یاد رکھو کہ اگر وصیت کے بعد تم کسی مقام پر قتل کر دیئے جاتے ہو یا کسی چھت کے نیچے دب کر ہلاک ہو جاتے ہو یا آگ میں گر کر جل جاتے ہو یا دریا میں غرق ہو جاتے ہو یا شیر کا شکار بن جاتے اور اس طرح بہشتی مقبرہ میں تمہارا جسم

دفن نہیں ہوسکتا تو مت سمجھو کہ تمہارا خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ جب کوئی شخص شیر کے پیٹ میں جا رہا ہوگا تو اُس شیر کے پیچھے جبریل ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوگا کہ کب اس کی رُوح نکلتی ہے کہ میں اسے اپنی آغوش میں لے لُوں۔ اسی طرح جب کوئی شخص آگ میں جل رہا ہوگا تو گو لوگوں کو یہی نظر آ رہا ہوگا کہ وہ جل کر فنا ہو گیا مگر خدا کے دربار میں وہ اُس کی محبت کی آگ میں جل رہا ہوگا اور خدا کے فرشتے اس کی عزّت کر رہے ہونگے۔

پس دنیا کے مقبروں پر اپنا روپیہ ضائع مت کرو، بلکہ اپنی قبریں بہشتی مقبرہ میں بناؤ۔ اور یا پھر اُس بہشتی مقبرہ میں بناؤ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، جہاں نوحؑ بھی ہیں، جہاں ابراہیمؑ بھی ہیں، جہاں موسیٰؑ بھی ہیں، جہاں عیسیٰؑ بھی ہیں اور جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں۔ اسی طرح تمہارے آباء واجداد بھی وہیں ہیں۔ پس کوشش کرو کہ وہاں تمہیں اچھے مقبرے نصیب ہوں اور تمہیں اُس کے رسولوں کا قرب حاصل ہو۔

(۷)۔ مِینا بازار

ساتویں چیز جس کے نشان میں نے اس سفر میں دیکھے اور جن سے میں متأثر ہؤا وہ مینا بازار تھے۔ چنانچہ میں نے ان یادگاروں میں بازاروں کی جگہ بھی دیکھی جہاں شاہی نگرانی میں بازار لگتے تھے اور ہر قسم کی چیزیں وہاں فروخت ہوتی تھیں۔ یہ بازار شاہانہ کرّوفر کا ایک نمونہ ہوتے تھے اور بادشاہ خود اِن بازاروں میں آ کر چیزیں خریدا کرتے تھے۔ آج کل بھی شاہی نگرانی میں بعض دفعہ بازار لگتے ہیں، چنانچہ لاہور میں کبھی کبھی نمائش ہوتی ہے جس میں تمام قسم کی دکانیں ہوتی ہیں اور انسان کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اُسے مل جاتی ہے۔ لنڈن میں بھی ایک دفعہ ویمبلے کی نمائش ہوئی تھی۔ اسی موقع پر ایک مذہبی کانفرنس بھی ہوئی جس میں مَیں نے مضمون پڑھا تھا۔ اُس وقت مَیں نے بھی اس بازار کو دیکھا تھا، مگر جو دُھندلا نقش میرے دماغ پر رہ گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں اس سے کچھ زیادہ متأثر نہ ہؤا تھا۔ پُرانے زمانہ کے بادشاہ بھی اسی قسم کے بازار لگایا کرتے تھے اور وہاں قسم قسم کی چیزیں فروخت ہؤا کرتی تھیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کیا ہی اچھے بازار ہوتے ہوں گے جہاں بادشاہ اور وزراء خود خریدار بن کر آتے ہوں گے اور اچھی سے اچھی چیزیں بکتی ہوں گی۔

مینابازار میں فروخت ہونیوالی اشیاء

پھر مَیں نے اپنے ذہن میں سوچا کہ وہاں کیا کیا چیزیں فروخت ہوتی ہوں گی؟ اور اس سوال کا میرے دل نے مجھے یہ جواب دیا کہ:-

اول: وہاں نہایت اعلیٰ درجہ کے مؤدب اور سیکھے ہوئے غلام فروخت ہوتے ہونگے۔

دوم: وہاں عُمدہ سے عُمدہ سواریاں بِکتی ہوں گی۔

سوم: میں نے اپنے دل میں سوچا کہ وہاں پینے کی چیزیں بھی فروخت ہوتی ہوں گی۔ کوئی کہتا ہوگا برف والا پانی لے لو، کوئی کیوڑہ اور بیدِمشک کا شربت فروخت کرتا ہوگا، کوئی تازہ دُودھ فروخت کرتا ہوگا، کوئی شہد فروخت کرتا ہوگا، کوئی اُس وقت کے ملک کے رواج کے مطابق شراب فروخت کرتا ہوگا اور کوئی گرم چائے فروخت کرتا ہوگا۔

چہارم: پھر کھانے کے لئے عُمدہ سے عُمدہ چیزیں فروخت ہوتی ہوں گی، کہیں پرندوں کے کباب فروخت ہوتے ہوں گے، کہیں انگور، کیلے، انار اور سنگترے وغیرہ فروخت ہوتے ہوں گے۔

پنجم: کسی جگہ لباس کی دُکانیں ہوں گی اور اچھے سے اچھے لباس فروخت ہوتے ہونگے۔

ششم: کہیں زینت کے سامان آئینے، کنگھیاں، رِبن اور پاؤڈر وغیرہ فروخت ہوتے ہوں گے۔

ہفتم: کسی دُکان پر خوشبوئیں اور عطر وغیرہ فروخت ہوتا ہوگا۔

ہشتم: بعض ایسی دُکانیں ہوں گی، جہاں سے طاقت کی دوائیں ملتی ہوں گی جن سے زندگی کی حفاظت ہو۔

نہم: کسی دُکان پر نہایت اعلیٰ اور نفیس برتن فروخت ہوتے ہوں گے۔

دھم: کسی دُکان پر جنگ کے سامان یعنی تلواریں اور **طپنچے**[۲۲] وغیرہ فروخت ہوتے ہونگے۔

یازدھم: کسی دُکان پر گھروں کا سامان قالین، تکیے اور تخت وغیرہ فروخت ہوتے ہونگے۔

ایک اَور روحانی بازار

میں نے سوچا کہ یہ بازار نہایت دلکش ہوتے ہوں گے اور دیکھنے کے قابل اور بہت اعلیٰ درجہ کی چیزیں یہاں آتی ہوں گی۔ مگر جب میں اس قلعہ پر تھا تو مَیں نے سوچا کہ کیا اس سے اچھے بازار بھی کہیں ہو سکتے ہیں؟ تو مَیں نے دیکھا ایک اور روحانی بازار کا ذکر قرآن کریم میں ہے جس میں نہ صرف یہ سب چیزیں بلکہ ان سے بھی اعلیٰ درجہ کی چیزیں ملتی ہیں۔ مگر مَیں نے اس بازار کا طریق ان بازاروں سے ذرا نرالا دیکھا یعنی اُن بازاروں میں تو یہ ہوتا ہے کہ الگ الگ دکاندار ہوتے ہیں۔ کوئی

شربت فروخت کر رہا ہوتا ہے، کوئی شہد لے کر بیٹھا ہوتا ہے، کسی کے پاس قالین اور تکیے وغیرہ ہوتے ہیں، کسی دُکان پر لباس اور کسی پر پھل وغیرہ فروخت ہوتا ہے اور باہر سے گاہک آتا ہے جیب سے پیسے نکالتا ہے اور چیز خرید لیتا ہے۔ مگر اس بازار کا مَیں نے عجیب حساب دیکھا کہ بیچنے والے بہت سے تھے مگر گاہک ایک ہی تھا اور پھر جتنے بیچنے والے تھے وہ سب کے سب صرف دو چیزیں بیچتے تھے اور جو گاہک تھا وہ ان دو چیزوں کے بدلہ میں انہیں بہت کچھ دے دیتا تھا۔ مَیں نے کہا یہ عجیب قسم کا مینا بازار ہے اَور بازاروں میں تو یہ ہوتا ہے کہ پچاس دُکانیں ہوں تو سَو خریدار ہوتا ہے مگر یہاں دُکانیں تو لاکھوں اور کروڑوں تھیں مگر خریدار ایک ہی تھا اور پھر ان دُکانوں کی خوبی یہ تھی کہ ان میں صرف دو ہی چیزیں بکتی تھیں زیادہ نہیں اور وہاں تو خریدار پیسے دیتے تھے مگر یہ عجیب گاہک تھا کہ فروخت کرنیوالے کو ہر قسم کا سامان بدلہ میں دے دیتا تھا اور یہ بھی کہہ دیتا کہ اپنی ان دو چیزوں کو بھی اپنے پاس ہی رکھو، چنانچہ اس بازار کا یہ نقشہ مَیں نے قرآن کریم میں دیکھا۔ **اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَیُقۡتَلُوۡنَ وَعۡدًا عَلَیۡهِ حَقًّافِی التَّوۡرٰةِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِهٖ وَذٰلِکَ هُوَالۡفَوۡزُالۡعَظِیۡمُ** [۲۳]

فرماتا ہے مینا بازار لگ گیا، شاہی بازار آراستہ و پیراستہ ہو گیا تم سب آ جاؤ مگر خریدار ہو کر نہیں بلکہ اپنا سامان لے کر یہاں بیچنے کیلئے آ جاؤ، بادشاہ خود خریدار بن کر آیا ہے اور اُس نے تمہارے مال یعنی اموالِ مادی اور جانیں دونوں تم سے خرید لیں۔ وہ مال ادنیٰ تھا یا اعلیٰ، قیمتی تھا یا حقیر، تھوڑا تھا یا بہت، سب ہی خرید لیا اور قیمت تمہاری نیتوں کے مطابق ڈالی اور سب کو اس مال کے بدلہ جنت قیمت میں ادا کی۔ گویا سارا مینا بازار اُن کو بخش دیا اور سب مال فروشوں کو حقیر مال کے بدلہ میں مالا مال کر دیا۔ اتنی بڑی قیمت ہم اس لئے ادا کرتے ہیں کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں یا دشمن کو مارتے ہیں یا خود مارے جاتے ہیں۔ پس چونکہ وہ ہماری راہ میں اپنی تھوڑی پونجی سے بُخل نہیں برتتے، ہم بڑے مالدار ہو کر کیوں بُخل سے کام لیں۔ پھر ہم وعدہ وفا ہیں اور ان فروخت کنندوں سے یہ وعدہ ہمارا آج کا نہیں پُرانا ہے۔ یہ وعدہ ہم نے تورات میں بھی کیا تھا اور پھر انجیل میں بھی کیا تھا اور حال میں

اُسی وعدے کو قرآن میں دُہرایا تھا اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ وعدہ وفا کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ پس اے لوگو! آج جو سودا تم نے کیا ہے اس کے نتائج پر خوش ہو جاؤ اور یقیناً ایسا ہی سَودا بڑی کامیابی کہلا سکتا ہے گویا خریدار ایک ہے فروخت کرنے والے بہت سے ہیں مگر وہ سب دو ہی چیزیں فروخت کرتے ہیں اور اس کے بدلہ میں اُن کو وہ سب چیزیں ملتی ہیں جو مینا بازاروں میں ہؤا کرتی تھیں اور اس طرح ایک ہی سَودے میں سب سَودے ہو جاتے ہیں۔

دُنیوی اور روحانی مینا بازار میں عظیم الشان فرق

پھر مَیں نے جب اس بازار کو دیکھا تو مَیں نے کہا ایک اور فرق بھی اس مینا بازار اور دُنیوی مینا بازاروں میں ہے اور وہ یہ کہ مینا بازاروں کی اشیاء کو خریدنے کی طاقت تو کسی انسان میں ہوتی تھی اور کسی میں نہیں، مثلاً وہاں کہا جاتا تھا کہ یہ چیز دس ہزار روپیہ کی ہے اور خریدار کے دل میں اُس کو خریدنے کی خواہش بھی ہوتی تھی مگر وہ خرید نہیں سکتا تھا، کیونکہ اس کے پاس دس ہزار روپے نہیں ہوتے تھے۔

اسی طرح کسی کو کوئی اور چیز پسند آئی اور وہ قیمت دریافت کرتا تو اُسے بتایا جاتا کہ ایک سَو روپیہ ہے، مگر وہ ایک سَو روپیہ دینے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور اس طرح اس کو خریدنے سے محروم رہتا تھا، کیونکہ وہاں قیمتیں مقرر ہوتی تھیں اور ان میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی تھی، یہ نہیں کہ زید آیا تو اُسے کہہ دیا اس کی قیمت بیس ہزار روپیہ ہے اور بکر آیا تو کہہ دیا پانچ ہزار روپیہ ہے اور خالد آیا تو کہہ دیا ایک ہزار روپیہ ہے، عمرو آ گیا تو اُسے وہی چیز سَو روپیہ میں دے دی۔ بدر دین آ گیا تو وہی چیز اُسے آٹھ آنے میں دے دی، شمس الدین پہنچا تو اُسے ایک پیسے میں دیدی اور علاؤالدین آیا تو اُسے ایک کوڑی میں دے دی۔ یہ طریقہ دُنیوی مینا بازاروں میں نظر نہیں آتا، مگر اس مینا بازار میں ہمیں یہی حساب نظر آتا ہے۔ ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے مجھے جنت چاہئے، اُس سے پوچھا جاتا ہے تیرے پاس کتنا مال ہے؟ وہ کہتا ہے ایک کروڑ روپیہ۔ اُسے کہا جاتا ہے اچھا لاؤ اپنی جان اور ایک کروڑ روپیہ اور لے لو جنت۔ پھر ایک اور شخص آتا ہے اور کہتا ہے مجھے بھی جنت چاہئے، اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پاس کتنا روپیہ ہے؟ وہ کہتا ہے ایک لاکھ روپیہ۔ اُسے کہا جاتا ہے اچھا لاؤ اپنی جان اور ایک لاکھ روپیہ اور لے لو جنت۔ اُسی وقت ایک تیسرا شخص آجاتا ہے اور وہ کہتا ہے میرے پاس صرف سَو روپیہ ہے مگر میں بھی جنت لینا چاہتا ہوں اُسے کہا جاتا ہے اچھا تم بھی اپنی جان اور سَو روپیہ لاؤ اور جنت

لے لو۔ پھر ایک اور شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس سَو روپیہ تو کیا ایک پیسہ بھی نہیں ہے صرف مُٹھی جَو کے دانے ہیں مگر خواہش میری بھی یہی ہے کہ مجھے جنت ملے۔ اُسے کہا جاتا ہے کہ تمہارا سَودا منظور لاؤ جان اور مُٹھی بھر دانے اور لے لو جنت۔ [۲۴] بلکہ اس بازار میں ہمیں ایسے ایسے بھی دکھائی دیئے کہ چشمِ حیرت کُھلی کی کُھلی رہ گئی۔ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مجھ سے ایسا ایسا گناہ ہو گیا ہے، آپؐ نے فرمایا تو پھر اس کا کفارہ ادا کرو اور اتنے روزے رکھو۔ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مجھ میں تو روزے رکھنے کی طاقت نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا روزے رکھنے کی طاقت نہیں تو غلام آزاد کردو۔ وہ کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میں نے تو کبھی غلام دیکھے بھی نہیں اُن کو آزاد کرنے کے کیا معنی۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تو اتنے غریبوں کو کھانا کھلا دو، کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! خود تو کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھانا نصیب نہیں ہؤا، غریبوں کو کہاں سے کھلاؤں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ لاؤ دو ٹوکرے کھجوروں کے اور وہ اُسے دیکر فرمایا کہ جاؤ اور غریبوں کو کِھلا دو، وہ کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا سارے مدینہ میں مجھ سے بھی زیادہ کوئی غریب ہے؟ آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا اچھا جاؤ اور تم ہی یہ کھجوریں کھالو، [۲۵] میں نے کہا یہ عجیب نظارے ہیں جو اس مینا بازار میں نظر آتے ہیں کہ جنت یعنی مینا بازار کا سب سامان صرف اس طرح مل جاتا ہے کہ جو پاس ہے وہ دے دو۔ جس کے پاس کروڑ روپیہ ہوتا ہے وہ کروڑ روپیہ دے کر سب چیزوں کا مالک ہو جاتا ہے اور جس کے پاس ایک پیسہ ہوتا ہے وہ ایک پیسہ دے کر سب چیزوں کا مالک ہو جاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا اُسے خریدار اپنے پاس سے کچھ رقم دے کر کہتا ہے لو اس مال سے تم سَودا کر لو تم کو جنت مل جائیگی۔

روحانی مینا بازار میں گاہک کا تاجروں سے نرالا سلوک

پھر میں نے ایک اَور فرق دیکھا کہ عام مینا بازاروں میں تو یہ ہوتا ہے کہ گاہک آئے انہوں نے چیزیں خریدیں اور انہیں اُٹھا کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور دکاندار بھی شام کے وقت پیسے سمیٹ کر اپنے اپنے مکانوں کو روانہ ہو گئے۔ مگر اس مینا بازار میں گاہک چیزیں خریدنے کے بعد وہیں چیزیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جاتا گویا وہی یوسفؑ والا معاملہ ہے کہ غلّہ بھی دے دیا اور پیسے بھی بوریوں میں واپس کر دیئے۔ اسی طرح ایک طرف تو قرآنی گاہک جان اور مال لیتا ہے اور اُدھر چُپ کر

کے کھسک جاتا ہے، دکاندار سمجھتا ہے کہ شاید وہ بھول گیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے آپ اپنی چیزیں لے جائیں، مگر وہ کہہ کر چلا جاتا ہے کہ ان چیزوں کو اپنے پاس ہی امانتاً رکھو اور مناسب طور پر اس میں سے خرچ کرنے کی بھی تم کو اجازت ہے مجھے جب ضرورت ہوئی لے لوں گا۔ گویا قیمت لے کر وہ پھر قیمت واپس کر دیتا ہے اور کہتا ہے تم اسے اپنے پاس ہی رکھو، جس قدر موقع کے مناسب ہوگا میں تم سے لے لونگا چنانچہ میں نے دیکھا کہ مال اور جان مینا بازار کی سب چیزوں کے مقابل پر لے کر وہ جان اور مال دینے والوں سے کہتا ہے ۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [۲۶] وہ ساری جان اور سارا مال گو میرے حوالے کر دیتے ہیں، مگر میں ساری جان اور سارا مال اُن سے عملاً نہیں لیتا، بلکہ اُنہی کو دیکر کہتا ہوں کہ اس میں سے کچھ میرے لئے خرچ کرو اور باقی اپنے پاس رکھو اور اپنے کام میں لاؤ اور اس سے نہ ڈرو کہ میں نے جو قیمت دی ہے اُس میں کمی ہوگی وہ تم کو پوری ملے گی۔

جان اور مال کا مطالبہ

اب مَیں نے غور کیا کہ گو یہ نرالا اور عجیب سَودا ہے، لیکن آخر اس میں عجیب سَودے کا مطالبہ بھی تو کیا گیا ہے، یعنی اپنے آپ کو غلام بنا دینے کا۔ بیشک اس مینا بازار میں اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں ملتی ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ کیا غلام بننا کوئی آسان کام ہے اور کیا جان اور مال دوسرے کو دے دینا معمولی بات ہے۔ دنیا میں کون شخص ہے جو غلامی کو پسند کرتا ہو پس میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے غور کر لینا چاہئے کہ کیا یہ سَودا مجھے مہنگا تو نہیں پڑے گا اور کیا اعلیٰ سے اعلیٰ چیزوں کے لالچ میں اپنا آپ دوسرے کے حوالے کر دینا موزوں ہے؟ پس مَیں نے کہا پہلے سوچ لو کہ غلام ہونا اچھا ہے یا یہ چیزیں اچھی ہیں۔

غلامی کیوں بُری سمجھی جاتی ہے؟

جب میں نے اس غلامی پر غور کیا کہ یہ کس قسم کی غلامی ہے اور یہ کہ کیا اس غلامی کو قبول کرنا اس بازار کے سامان کے مقابلہ میں گراں تو نہیں؟ تو میں نے سوچا کہ غلامی کیوں بُری ہوتی ہے اور پھر میرے دل نے ہی جواب دیا اس لئے کہ:-

اوّل: اس میں انسان کی آزادی چھن جاتی ہے۔

دوم: انسان کا سب کچھ دوسرے کا ہو جاتا ہے۔

سوم: اس میں انسان کی خواہشات ماری جاتی ہیں۔

چہارم: اس میں غلام اپنے عزیزوں سے جُدا ہو جاتا ہے۔ بیوی بچوں سے نہیں مل سکتا بلکہ جہاں آقا کہے وہیں رہنا پڑتا ہے۔

مَیں نے کہا یہ چار بُرائیاں ہیں جن کی وجہ سے غلامی کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ پس میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں آزاد ہو کر غلام کس طرح بن جاؤں اور کس طرح اس دھوکا اور فریب میں آجاؤں۔

قیدوبند میں مبتلا انسان اپنی حماقت سے اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے

میں انہی خیالات میں تھا کہ یکدم مَیں نے دیکھا کہ مَیں (اور مَیں سے مراد اس وقت انسان ہے نہ کہ میرا ذاتی وجود) جو اپنے آپ کو آزاد سمجھ رہا تھا، درحقیقت قید وبند میں پڑا ہوا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ میری گردن میں طَوق تھا، میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور میرے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں، مگر مَیں یونہی اپنے آپ کو آزاد سمجھ رہا تھا، حالانکہ نہ ہتھکڑیاں مجھے کام کرنے دیتی تھیں، نہ پاؤں کی بیڑیاں مجھے چلنے دیتی تھیں، نہ گردن کا طَوق مجھے گردن اونچی کرنے دیتا تھا۔ یہ طَوق اُن گناہوں ،غلطیوں اور بیوقوفیوں کا تھا جو مجھے گردن نہیں اُٹھانے دیتی تھیں اور یہ زنجیریں، اُن بدعادات کی تھیں جو مجھے آزادی سے کوئی کام نہیں کرنے دیتی تھیں۔ بس میں اسی طرح ہاتھ ہلانے پر مجبور تھا جس طرح میری زنجیریں مجھے ہلانے کی اجازت دیتی تھیں اور یہ بیڑیاں اُن غلط تعلیموں کی تھیں جو غلط مذاہب اور غلط قومی رواجوں نے میرے پاؤں میں ڈال رکھی تھیں اور جو مجھے چلنے پھرنے سے روکتی تھیں۔ تب میں حیران ہؤا کہ انسان اپنے آپ کو کیوں آزاد کہتا ہے حالانکہ وہ بدترین غلامی میں جکڑا ہؤا ہے نہ ہاتھوں کی ہتھکڑیاں اُسے کام کرنے دیتی ہیں، نہ پاؤں کی بیڑیاں اُسے ہلنے دیتی ہیں اور نہ گردن کا طَوق اُسے سر اُٹھانے دیتا ہے۔ یہ طَوق اُن گناہوں ،غلطیوں اور بیوقوفیوں کا ہوتا ہے جو اس کی گردن میں ہوتا ہے۔ مختلف گناہ، مختلف غلطیاں اور مختلف بیوقوفیاں وہ کر چکا ہوتا ہے اور اس کے نتائج اس کے اردگرد گھوم رہے ہوتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ان سے نجات حاصل کرے مگر انہوں نے اُس کو گردن سے پکڑا ہؤا ہوتا ہے اور اُسے کوئی بھاگنے کی جگہ نظر نہیں آتی۔ اسی طرح جو زنجیریں ہوتی ہیں وہ بدعادات کی ہوتی ہیں۔ درحقیقت بدعادات اور بدعمل میں فرق ہے۔ بدعمل ایک انفرادی شئے ہے کبھی ہؤا کبھی نہ ہؤا، مگر بدعادت ہمیشہ زنجیر کے طور پر چلتی ہے اور وہ انسان کو آزادی سے کوئی کام نہیں کرنے دیتی

وہ چاہتا ہے کہ نماز پڑھے مگر اُسے عادت پڑی ہوئی ہے کہ کسی بُری مجلس میں بیٹھ کر شطرنج یا جوٗا یا تاش کھیلنے لگ جاتا ہے تو اب باوجود نماز کی خواہش کے وہ نماز پڑھنے نہیں جائے گا بلکہ شطرنج یا تاش کھیلنے چلا جائیگا۔ اسی طرح بیڑیاں غلط تعلیموں کی ہوتی ہیں جو غلط مذاہب یا غلط قومی رواجوں کے ماتحت اس کے پاؤں میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں اور جس طرح درخت زمین نہیں چھوڑ سکتا اسی طرح وہ انسان اپنی قوم سے الگ نہیں ہوسکتا۔ تب مَیں حیران ہوٗا کہ اوہو! انسان تو اپنے آپ کو آزاد سمجھ رہا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک خطرناک قیدی ہے۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں، اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں اور اس کے گلے میں طَوق ہیں۔ پس یہ تو پہلے ہی غلام ہے اور غلام بھی ایسے ظالم مالک کا جو اُسے ہر وقت تباہی کی طرف لئے جاتا ہے۔ پس میں نے کہا جب انسان پہلے ہی غلام ہے اور غلام بھی ایسے مالک کا جو اسے کچھ نہیں دیتا تو اس دوسری غلامی کے اختیار کر لینے میں اس کا کیا حرج ہے اس کے ساتھ تو ایک جنت کا وعدہ بھی ہے۔

داروغۂ جنت نے تمام بیڑیاں کاٹ دیں!

تب مَیں نے اُس داروغہ کی طرف دیکھا جس کے سپرد مجھے کیا گیا تھا اور مَیں نے یہ کہنا چاہا کہ اب تم مجھے اپنی بیڑیاں اور زنجیریں اور طَوق ڈال دو میں پہلے ہی غلام تھا اور اب بھی غلام بننے کو تیار ہوں، مگر مَیں نے یہ عجیب بات دیکھی کہ بجائے اس کے کہ اُس داروغہ کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں، بیڑیاں اور طَوق ہوں اُس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کلہاڑا تھا اور جب میں نے کہا میں غلام بننے کو تیار ہوں، تو وہ داروغہ محبت سے میری طرف دیکھنے لگا اور بجائے اس کے کہ میرے گلے اور ہاتھوں اور پاؤں میں نئی ہتھکڑیاں، نئی بیڑیاں اور نئے طَوق ڈالتا اُس نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر اُس کلہاڑے سے میری سب زنجیریں، سب بیڑیاں اور سب طَوق کاٹ دیئے اور مَیں نے پہلی مرتبہ آزادی کا سانس لیا مگر ساتھ ہی مَیں اس امید میں رہا کہ پہلی زنجیریں، بیڑیاں اور طَوق کاٹنے کے بعد اب یہ نئی زنجیریں، نئی بیڑیاں اور نئے طَوق مجھے ڈالے گا مگر ایسا نہ ہونا تھا نہ ہوٗا بلکہ آسمان سے ایک نہایت ہی پیاری آواز آئی جو یہ تھی کہ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ

كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [۲۷]

وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں اُس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہمارا نبی ہے اور اُمّی ہے اور جس کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی موجود ہے وہ انہیں اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں بُری باتوں سے روکتا ہے اور ساری حلال چیزوں کی انہیں اجازت دیتا ہے اور ان باتوں سے انہیں روکتا ہے جو مُضِرّ ہوتی ہیں اور انہوں نے غلاموں کی طرح اپنے سروں پر جو بوجھ لادے ہوئے تھے انہیں ان کے اوپر سے دُور کر دیتا ہے، اسی طرح لوگوں کے گلوں میں جو طَوق پڑے ہوئے تھے انہیں ہمارا یہ رسول کاٹ کر الگ پھینک دیتا ہے۔ پس وہ لوگ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں آپ کی مدد کرتے اور اس نور کے پیچھے چلتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے، اُن کے ہاتھوں اور پاؤں میں کبھی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں نہیں رہ سکتیں اور نہ اُن کی گردنوں میں طَوق ہو سکتے ہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جاتے ہیں۔

مَیں نے کہا مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پاؤں میں بیڑیاں اور گردن میں طَوق پڑے ہوئے ہیں، میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتا تھا مگر جب مجھے اپنی حقیقت کا علم ہؤا تو میں اس خیال کے ماتحت اس داروغہ کے سامنے گیا کہ جب میں پہلے غلام ہوں تو ایک نئی مگر پہلے سے اچھی غلامی برداشت کرنے میں کیا حرج ہے مگر یہاں جس کے حوالے کیا گیا اس نے بجائے طَوق اور بیڑیاں پہنانے کے پہلے طَوق اور بیڑیوں کو کاٹ دیا اور کہا کہ اب ان کے قریب بھی نہ جانا۔

داروغۂ غلاماں کا مسرّت افزا پیغام

میں یہ نظارہ دیکھ کر سخت حیران ہؤا اور میں یہ سمجھا کہ آج انسان نے اس داروغۂ غلاماں کے ذریعے پہلی دفعہ آزادی کا سانس لیا ہے مگر میں نے سوچا بیڑیاں اور زنجیریں تو کٹ گئیں، لیکن آخر انسان غلام تو ہؤا۔ غلامی کی دوسری باتیں تو ہوں گی اور جو کچھ اس کا ہے وہ لازماً اس کے آقا کا ہو جائے گا۔ چنانچہ میں اب اس انتظار میں رہا کہ مجھ سے کہا جائے گا کہ لاؤ اپنی سب چیزیں ہمارے حوالے کر دو، تم کون ہو جو یہ چیزیں اپنے پاس رکھو، مگر بجائے اس کے کہ غلاموں کا داروغہ یہ کہتا کہ لاؤ اپنی سب چیزیں میرے حوالے کرو اُس نے مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ اب جو تم میرے آقا کے غلام بنے ہو تو لو سُنو! اُس نے مجھے یہ پیغام دیا ہے کہ

وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ [۲۸] اگر اچھی طرح غلامی کرو گے تو وہ تمہارا پوری طرح کفیل ہوگا اور تمہاری سب ضرورتوں کو پورا کرے گا، میں نے کہا یہ اچھی غلامی ہے۔ دنیا میں غلام تو آقا کو کما کر دیا کرتے ہیں اور یہ آقا کہتا ہے کہ ہم تمہاری سب ضرورتوں کے کفیل ہوتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو دنیا میں غلاموں سے مختلف قسم کے کام لئے جاتے ہیں کوئی نجاری کا کام کرتا ہے، کوئی لوہارے کا کام کرتا ہے، کوئی مزدوری کا کام کرتا ہے، کوئی درزی کا کام کرتا ہے، اسی طرح اور کئی قسم کے کام اُن سے لئے جاتے ہیں اور وہ جو کچھ کماتے ہیں اپنے آقا کے سامنے لاکر رکھ دیتے ہیں۔ مگر یہاں اُلٹی بات ہوتی ہے کہ جب کوئی غلام بنتا ہے تو اسے یہ پیغام دے دیا جاتا ہے کہ چونکہ تم غلام ہو گئے ہو اس لئے تمہاری سب ضرورتوں کے ہم کفیل ہو گئے ہیں۔

ایک بزرگ کا دلچسپ واقعہ

ایک بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ روزی کمانے کے لئے کوئی کام نہیں کرتے تھے اور توکّل پر گزارہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جو کچھ بھیج دیتا کھا لیتے۔ ایک دفعہ اُنہیں ایک اَور بزرگ نے سمجھایا کہ یہ آپ ٹھیک نہیں کرتے آپ کو کوئی کام کرنا چاہئے اس طرح لوگوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ وہ کہنے لگے بات یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوں اور مہمان اگر اپنے کھانے کا خود فکر کرے تو اس میں میزبان کی ہتک ہوتی ہے، اس لئے مَیں کوئی کام نہیں کرتا وہ کہنے لگے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین دن سے زیادہ مہمانی جائز نہیں [۲۹] اور اگر تین دن کوئی شخص مہمان بنتا ہے تو وہ سوال کرتا ہے آپ کے تین دن ہو چکے ہیں اس لئے آپ اب کام کریں۔ انہوں نے کہا حضرت مجھے بالکل منظور ہے مگر میں جس کے گھر کا مہمان ہوں وہ کہتا ہے اِنَّ یَوْماً عِنْدَرَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّاتَعُدُّوْنَ۔ [۳۰] تیرے رب کا ایک دن تمہارے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے پس تین ہزار سال تو مجھے کچھ نہ کہیں۔ جس دن تین ہزار سال گزر گئے میں اپنا انتظام کر لونگا ابھی تو میں خدا تعالیٰ کا مہمان ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پاک بندوں کی الگ الگ کی مہمانیاں ہوتی ہیں اور جیسے انسان مختلف ہوتے ہیں اسی طرح اس کا سلوک بھی مختلف قسم کا ہوتا ہے مگر بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا غلام بن جائے تو پھر وہ اُس کی ضروریات کا آپ متکفّل ہو جاتا ہے۔

تمام خواہشات کے پورا ہونے کی خوشخبری

پھر میں نے سوچا کہ اچھا غلام بن کر ایک بات تو ضرور ہوگی کہ مجھے اپنی خواہشات کو چھوڑنا پڑے گا اور خواہشات کی قربانی بھی بڑی بھاری ہوتی ہے۔ اس پر مجھے اسی غلاموں کے داروغہ نے کہا، آقا کی طرف سے ایک اور پیغام بھی آیا ہے اور وہ یہ کہ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ [۳۱]

اے میرے بندے! چونکہ اب تُو ہمارا غلام بن گیا ہے اس لئے جہاں آقا ہوگا وہیں غلام رہے گا تُو جا اور ہماری جنت میں رہ۔ مگر اس جنت میں آ کر یہ خیال نہ کرنا کہ آقا کا مال میں کس طرح استعمال کروں گا۔ وَلَکُمْ فِیْهَا مَاتَشْتَهِیْۤ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَاتَدَّعُوْنَ [۳۲] تمہارے دلوں میں جو بھی خواہش پیدا ہوگی وہ وہاں پوری کر دی جائے گی یعنی اِدھر تمہارے دلوں میں خواہش پیدا ہوگی، اُدھر اس کے مطابق چیز تیار ہوگی اور جو مانگو گے ملے گا۔

اَعِزّہ واقرباء کی دائمی رفاقت

پھر مجھے خیال آیا کہ بہرحال غلامی کی یہ شرط تو باقی رہے گی کہ مجھے اب اپنے عزیز واقرباء چھوڑنے پڑیں گے۔ کیونکہ جب غلام ہؤا تو اُن کے ساتھ رہنے پر میرا کیا اختیار لیکن اس بارہ میں بھی داروغۂ غلامان نے مجھے حیران کر دیا اور کہا کہ دیکھو میاں! آقا نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ

یعنی بجائے اس کے رشتہ داروں کو الگ الگ رکھا جائے سب کو اکٹھا رکھا جائے گا، اگر ان میں سے بعض ادنیٰ عمل والے ہوں گے تب بھی اُن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اعلیٰ مقام والوں کے پاس لے جائے گا اور رشتہ داروں کو جُدا جُدا نہیں رکھے گا۔

روحانی مینا بازار میں ملنے والی نعماء

تب مَیں نے کہا یہ تو بڑے مزے کی غلامی ہے کہ اس غلامی کو قبول کر کے قید و بند سے نجات ہوئی، ہمیشہ کے لئے آقا نے کفالت لے لی، خواہشات نہ صرف قربان نہ ہوئیں بلکہ ان میں وہ وسعت پیدا ہوئی کہ پہلے اس کا خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا، پھر رشتہ دار اور عزیز بھی ساتھ کے ساتھ رہے۔ تب مَیں نے شوق سے اس بات کو معلوم کرنا چاہا کہ یہ تو اجتماعی انعام ہؤا، وہ جو

مینا بازار کی چیزوں کا مجھ سے وعدہ تھا اس کی تفصیلات بھی تو دیکھوں کہ کیا ہیں اور کس رنگ میں حاصل ہوں گی۔

بے عیب غلام

مَیں نے سوچا کہ اُن مینا بازاروں میں غلام فروخت ہوتے تھے اور مَیں گو ایک لحاظ سے آزاد ہوں مگر بہر حال غلام ہوں اس لئے غلام تو مجھے نہیں مل سکتے۔ یہ کمی تو ضرور رہے گی، مگر مَیں نے دیکھا اس جگہ دربار سے اعلان کیا جا رہا ہے کہ جو اس آقا کے غلام ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں گے وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَارَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْراً [۳۳]

اُن کی خدمت پر نوجوان غلام مقرر ہوں گے جو ہمیشہ وہاں رہیں گے اور وہ موتیوں کی طرح بے عیب ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔

میں نے کہا دیکھو یہ کیسا فرق ہے اس مینا بازار اور دنیا کے مینا بازاروں میں، دُنیوی مینا بازاروں میں جو غلام خریدے جاتے ہیں اُن کے متعلق پہلا سوال تو یہی کیا جاتا ہے کہ قیمت کتنی ہے؟ اب بالکل ممکن ہے کہ ایک غلام کی قیمت زیادہ ہو اور انسان باوجود خواہش کے اسے خرید نہ سکے، پھر اگر خرید بھی لے تو ممکن تھا کہ وہ غلام چند دنوں کے بعد بھاگ جاتا، اگر نہ بھاگتا تو ہوسکتا تھا کہ مر جاتا، اگر وہ نہ مرتا تو خریدنے والا مر سکتا تھا۔ غرض کوئی نہ کوئی نقص کا پہلو اس میں ضرور تھا، مگر مَیں نے کہا یہ عجیب قسم کے غلام ملیں گے جو نہ بھاگیں گے نہ مریں گے بلکہ مُخَلَّدُوْنَ ہونگے یعنی ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

پھر دُنیوی مینا بازاروں میں تو انسان شاید ایک غلام خرید کر رہ جاتا یا دو غلام خرید لیتا یا تین یا چار خرید لیتا، مگر اس مینا بازار میں تو بے انتہاء غلام ملیں گے چنانچہ فرماتا ہے اِذَارَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا جس طرح سمندر سے سینکڑوں موتی نکلتے ہیں اسی طرح وہ غلام سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں ہوں گے۔ پھر دُنیوی غلاموں میں سے تو بعض بدمعاش بھی نکل آتے ہیں، مگر ان کے متعلق فرمایا وہ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا کی طرح ہونگے، دیکھو کیا لطیف تشبیہہ بیان کی گئی ہے۔ دنیا میں موتی کو بے عیب سمجھا جاتا ہے اور کسی کی اعلیٰ درجہ کی خوبی بیان کرنے کے لئے موتی کی ہی مثال پیش کرتے ہیں۔ پس اس مثال کے لحاظ سے لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا کا مفہوم یہ ہؤا کہ اُن میں کسی قسم کا جھوٹ، فریب، دغا، کینہ اور کپٹ نہیں ہوگا، مگر موتی میں ایک عیب بھی ہے اور وہ یہ کہ اُسے چور چُرا کر لے جاتا ہے، اسی لئے اُسے چُھپا چُھپا کر رکھا جاتا ہے مگر فرمایا کہ وہ بیشک

اپنی خوبیوں میں موتیوں کی طرح ہونگے مگر وہ اتنے بے عیب ہوں گے کہ تم بیشک انہیں کُھلے طور پر پھینک دو اُن پر کوئی خراب اثر نہیں ہوگا۔ دنیا میں غلام ایک دوسرے کا بداثر قبول کر لیتے ہیں اس لئے انہیں بُری صحبت سے بچانے کی ضرورت ہوتی ہے مگر فرمایا وہ بداثر کو قبول ہی نہیں کرینگے اس لئے ان کو چُھپانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوگی بلکہ تم نے ان کو بے پروائی سے بکھیرا ہؤا ہوگا اور تمہیں ان کے متعلق کسی قسم کا خوف اور تردّد نہیں ہوگا۔

اعلیٰ درجہ کی سواریاں

پھر میں نے سوچا کہ اُس مینا بازار میں بڑی عُمدہ سواریاں ملتی تھیں کیا یہاں بھی کوئی سواری ملے گی۔ تو مَیں نے دیکھا کہ اس جگہ بھی سواری کا انتظام تھا چنانچہ لکھا تھا **اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** [۴۳] وہ متقی لوگ جو غلام بن چکے ہیں اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی سواریاں آئیں گی جن پر سوار ہوکر وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچیں گے، مَیں نے کہا یہ سواری تو عجیب ہے مینا بازار سے تو ہگنے، مُوتنے اور گھاس کھانے والا گھوڑا ملتا تھا مگر یہاں ہدایت کی سواری ملے گی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے گی۔ مَیں نے سمجھا کہ اگر وہاں گھوڑا ملتا تو وہ لِید کرتا اور اس کی صفائی میرے ذمہ ہوتی، وہ گھاس کھاتا اور اس کا لانا میرے ذمہ ہوتا، پھر شاید کبھی مُنہ زوری کرتا، میں اُسے مشرق کو لے جانا چاہتا اور وہ مجھے مغرب کو لے جاتا اور شاید مجھے گِرا بھی دیتا، مگر یہ گھوڑا جو مجھے ملا ہے، یہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ ہگتا ہے نہ مُوتتا ہے، نہ مُنہ زوری کرتا ہے اور نہ اپنے سوار کو گِراتا ہے بلکہ سیدھا اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتا ہے۔

پھر اُس گھوڑے پر چڑھ کر کوئی خاص عزّت نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ ہر شخص جس کے پاس سَو پچاس روپے ہوں، گھوڑا خرید سکتا ہے، مگر یہ گھوڑا خلعت کا گھوڑا ہوگا جو زمین وآسمان کے بادشاہ کی طرف سے بطور اعزاز آئے گا۔ پس معمولی ٹٹّو پر چڑھنا اور بات ہے اور یہ کہنا کہ بادشاہ کی طرف سے جو گھوڑا آیا ہے اُس پر سوار ہو جایئے یہ اور بات ہے۔

ٹھنڈے شربت

(۳) تیسرے میں نے دیکھا کہ مینا بازار میں ٹھنڈے پانی ملتے تھے مَیں نے کہا دیکھیں ہمارے مینا بازار میں بھی ٹھنڈے پانی ملتے ہیں یا نہیں؟ تو میں نے دیکھا کہ ان دنیا کے مینا بازاروں میں جو ٹھنڈے پانی ملتے تھے وہ تو بعض دفعہ پینے کے بعد آگ لگا دیتے تھے اور صرف عارضی تسکین دیتے تھے، چنانچہ ہر شخص کا تجربہ ہوگا کہ گرمی میں جتنی زیادہ برف استعمال کی جائے اتنی ہی زیادہ پیاس لگتی ہے۔ مگر یہ پانی جو آسمانی مینا بازار

میں ملتے تھے ان کی یہ کیفیت تھی کہ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا[۳۵] اس جنت کے مینا بازار میں مؤمنوں کو ایسے بھرے ہوئے پیالے ملیں گے جن کی ملونی اور جن کی خاصیت ٹھنڈی ہوگی، وہ کافوری طرز کے ہونگے اور ان کے پینے کے بعد گرمی نہیں لگے گی۔ یعنی نہ صرف جسمانی ٹھنڈک پیدا ہوگی بلکہ ان کے پینے سے دل کی گرمی بھی دُور ہو جائے گی اور گھبراہٹ جاتی رہے گی اور اطمینان اور سکون پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کافوری پیالے اُن کو اس لئے ملیں گے کہ اُن کے دلوں پر خدا تعالیٰ کا خوف طاری تھا اور وہ اُس کے جلال سے ڈرتے تھے اس وجہ سے اُن کا خوف دُور کرنے اور اُن کے دلوں کو تسکین عطا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اُن کو کافوری مزاج والے پیالے پلائے جاتے۔ چنانچہ فرماتا ہے فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا [۳۶]

وہ لوگ خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ہیبت ان کے دلوں پر طاری تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اُن کی ہیبت دُور کرنے کے لئے ان کو کافوری پیالے پلائے۔

گرم چائے پھر مَیں نے سوچا کہ اچھا ٹھنڈے شربت تو ہوئے مگر کبھی گرم چائے کی بھی ضرورت ہوتی ہے تاکہ سردی کے وقت اس سے جسم کو گرمی پہنچائی جائے۔ ایسے وقت میں تو سرد یا سرد مزاج پانی سخت تکلیف دیتا ہے۔ پس اگر یہ کافوری پیالے ہی ملے تو ایسے وقت وہ کفایت نہ کریں گے، ایسے وقت میں تو گرم چائے کی ضرورت ہوگی۔ جب مجھے یہ خیال آیا تو میں نے دیکھا کہ اس آسمانی مینا بازار میں چائے کا بھی انتظام تھا۔ چنانچہ لکھا ہے وَیُسْقَوْنَ فِیْهَا کَاْسًا کَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا [۳۷]

چونکہ انسان کو کبھی گرمی کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس لئے جنتیوں کو ایسے پیالے بھی ملیں گے جن کے اندر سونٹھ کی طرح گرم خاصیت ہوگی۔

تو دیکھو دونوں ضرورتوں کو خدا تعالیٰ نے پورا کر دیا، گرمی دُور کرنے کے لئے مؤمنوں کو ایسے پیالے پلانے کا انتظام کر دیا جو کافوری مزاج والے ہوں گے اور سردی کے اثرات کو دُور کرنے کے لئے ایسے پیالے پلانے کا انتظام فرما دیا جو زنجبیلی مزاج والے ہوں گے۔ پھر اس کی وجہ بھی بتا دی کہ کافوری پیالوں کی کیوں ضرورت ہوگی اور زنجبیلی پیالوں کی

کیوں؟ کافوری پیالوں کی تو اس لئے ضرورت ہو گی کہ مؤمن خداتعالیٰ کا خوف اپنے دل میں رکھتے تھے اور اُن کے دل ودماغ میں گھبراہٹ رہتی تھی کہ نہ معلوم وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے مقام کو حاصل کرتے ہیں یا نہیں، اس لئے اگلے جہاں میں انہیں تسکین کے لئے کافوری پیالے پلائے جائیں گے اور زنجبیلی پیالے اس لئے پلائے جائیں گے کہ انہوں نے دین کے لئے گرمی دکھائی تھی اور بے تاب ہوکر اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلتے رہے تھے، اس لئے جب اُن کو گرمی کی ضرورت ہوگی انہیں گرمی پیدا کرنے کے سامان دیئے جائیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں لوگوں کو نکمّا بنا کر نہیں بٹھا دیا جائے گا بلکہ اُن کی ساری لذّت ہی کام میں ہوگی اور انہیں زنجبیلی پیالے پلائے جائیں گے تا کہ اُن میں کام کی اور زیادہ قوت پیدا ہو۔ پس یہ خیال غلط ہے جو بعض مسلمانوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے کہ جنت میں کوئی کام نہیں ہوگا، اگر ایسا ہی ہوتو ایک ایک منٹ جنتیوں کے لئے مصیبت بن جائے۔

اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے اِنَّ ھٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَآءً وَّکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا [۳۸] چونکہ تم نے دنیا میں بڑے بڑے نیک اعمال کئے تھے اس لئے تمہارے اُن کاموں کو قائم رکھنے اور تمہاری ہمتوں کو تیز کرنے کے لئے زنجبیلی پیالے پلائے جائیں گے تا کہ تم میں نیکی، تقویٰ اور قوتِ عمل اَور بھی بڑھے اور تا تم پہلے سے بھی زیادہ ذکرِ الٰہی کرو پس جنت نکمّوں کی جگہ نہیں بلکہ اس دنیا سے زیادہ کام کرنے کی جگہ ہے۔

شیریں چشمے

پھر میں نے ایک اَور فرق دیکھا کہ دُنیوی مینا بازاروں کا کام تو ختم ہو جاتا تھا گلاس پیا اور ختم۔ بعض دفعہ کہا جاتا شربت کیوڑہ دو تو جواب ملتا کہ شربت کیوڑہ ختم ہو چکا ہے۔ بعض دفعہ برف مانگی جاتی تو کہہ دیا جاتا کہ برف ختم ہوگئی ہے۔ اسی طرح بعض مذہبی آدمی زمزم کا پانی یا گنگا جل بوتلوں میں بھر کر لاتے ہیں وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ آسمانی پانی نرالا تھا جو ختم ہی نہ ہوتا تھا بلکہ اُس کے چشمے پھوڑے گئے تھے چنانچہ فرماتا ہے یُطَافُ عَلَیْھِمْ بِکَأْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ [۳۹] وہاں ان کو ایسے بھرے ہوئے پیالے پلائے جائیں گے جو اُن چشموں سے لائے جائیں گے جو بہتے پانی والے ہوں گے یعنی وہ پانی محدود نہیں ہوگا جاری رہے گا۔

دُودھ کی نہریں

پھر مَیں نے کہا کہ اُن مینا بازاروں میں دودھ بھی بِکتا ہے کیا وہاں دُودھ بھی ملے گا کہ وہ ایک ضروری غذاء ہے۔ تو مَیں نے دیکھا کہ ان

بازاروں میں تو دُودھ بوتلوں اور پاؤنڈوں اور سیروں کے حساب سے بِکتا ہے پھر بھی کبھی خراب نکلتا ہے یا خراب ہو جانے کا ڈر ہوتا ہے اور جلدی پینا پڑتا ہے۔ مگر وہاں کے دُودھ کا یہ حال ہے کہ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ[۴۰]

مؤمنوں سے جن جنتوں کا وعدہ ہے اُن کی کیفیت یہ ہے کہ وہاں پانی کی نہریں ہوں گی جو کبھی سڑے گا نہیں اور دُودھ کی نہریں ہوں گی جس کا مزہ کبھی بدلے گا نہیں بلکہ وہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہوگا۔ دنیا میں آج تک کبھی کسی بھینس نے ایسا دُودھ نہیں دیا جو لَمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ کا مصداق ہو مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے مینا بازار میں ایسا ہی دودھ ملے گا پھر یہاں تو کسی جگہ روپیہ کا آٹھ سیر دودھ ملتا ہے اور کسی جگہ دس سیر اور کسی جگہ روپے سیر مگر وہاں دُودھ کی نہر بہہ رہی ہوگی اور نہر بھی ایسی ہوگی کہ لَمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ اس کے دودھ کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ اسے جلدی اُبال لو، ایسا نہ ہو خراب ہو جائے یا شام کا دودھ ہے جلدی سے ناشتہ میں ہی استعمال کر لیا جائے دوپہر تک خراب ہو جائے گا، وہاں کا دُودھ کبھی خراب نہیں ہوگا۔

اس آیت سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ دُودھ کی بڑی کثرت ہوگی مگر سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ کیا اس دُودھ کے استعمال پر کوئی روک تو نہیں ہوگی؟ اس کا ازالہ اللہ تعالیٰ نے ایک اَور مقام پر کیا ہے فرماتا ہے وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ[۴۱]

تو مؤمنوں کو بشارت دے کہ اُن کو ایسی جنتیں ملیں گی جن کی نہریں اُن باغوں کے متعلق ہونگی یعنی جن کے باغ اُن کی نہریں۔ یہ نہیں ہوگا کہ جس طرح دنیا میں نہری پانی کے استعمال کی اور اس کی مقدار کی گورنمنٹ سے اجازت لی جاتی ہے اسی طرح وہاں بھی اجازت لینی پڑے بلکہ جب چاہو ان نہروں سے فائدہ اُٹھا سکتے ہو، خواہ وہ دُودھ کی نہریں ہوں یا شہد کی نہریں ہوں یا پانی کی نہریں ہوں سب باغ والوں کے قبضہ میں ہوں گی۔

مصفّٰی شہد

پھر مَیں نے کہا کہ دنیا کے مینا بازاروں میں شہد بھی ملتا ہے آیا اُس مینا بازار میں بھی شہد ملتا ہے یا نہیں؟ جب میرے دل میں یہ خیال آیا تو معاً میں نے یہ لکھا ہُوا دیکھا کہ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی[۴۲] وہاں خالص شہد کی نہریں بھی بہتی ہونگی دنیا میں عام طور پر اوّل تو خالص شہد ملتا ہی نہیں۔ لوگ مصری کا شربت بنا کر اور تھوڑا سا اس میں شہد ملا کر

کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ خالص شہد ہے اور اگر خالص شہد کا کچھ حصہ ہو بھی تو موم ضرور ہوتا ہے اور اگر شہد کا شربت بنا کر پیا جائے تو زبان پر موم لگ جاتا ہے، لیکن اگر کسی جگہ سے خالص شہد مل بھی جائے تو وہ پونڈوں اور ڈبّوں کی شکل میں ملتا ہے مگر فرمایا ہمارے ہاں یہ نہیں ہوگا کہ پونڈوں کے وزن کے ڈبّے پڑے ہوئے ہوں اور ہم کہیں کہ یہ چینیے کا شہد ہے اور یہ آسٹریلیا کا شہد ہے بلکہ شہد کی نہریں بہتی ہونگی اور تمہارا اختیار ہوگا کہ جتنا شہد چاہو لے لو۔

پُر لذّت شراب

پھر مَیں نے سوچا کہ دُنیوی مینا بازاروں میں شراب بھی بکتی تھی اور گو شراب ایک بُری چیز ہے اور مسلمانوں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں، مگر قرآن کریم یہ تو مانتا ہے کہ اس میں کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے یَسۡئَلُوۡنَکَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ قُلۡ فِیۡہِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ [۴۳]

لوگ تم سے شراب اور جُوئے کے متعلق پوچھتے ہیں تم کہہ دو کہ اُن کے استعمال میں بڑا گناہ ہے مگر لوگوں کے لئے ان میں کچھ منافع بھی ہیں۔ پس میں نے کہا جب قرآن خود یہ مانتا ہے کہ شراب میں کچھ فائدے بھی ہیں تو بہر حال شراب کے نہ ہونے سے ہم ان منافع سے تو محروم ہو گئے جو شراب سے حاصل ہو سکتے تھے، بیشک دُنیوی مینا بازاروں میں جو شراب ملتی تھی، اُس کے پینے سے انسان گناہوں میں ملوّث ہو جاتا تھا، مگر بہر حال اُسے شراب کے فائدے بھی پہنچتے تھے۔ اس لئے شراب میں کچھ منافع بھی ہیں تو کیا اس کی خرابیوں سے بچا کر مجھے اس کے منافع سے فائدہ نہیں پہنچایا جا سکتا؟ یہ خیال میرے دل میں آیا تو مَیں نے دیکھا کہ یہ چیز اس مینا بازار میں بھی موجود تھی چنانچہ میں نے ایک بورڈ دیکھا جس پر لکھا تھا وَاَنۡھَارٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیۡنَ [۴۴] وہاں شراب کی نہریں بہتی ہوں گی جو پینے والوں کے لئے بڑی لذّت کا موجب ہوں گی۔

ایک اعلیٰ درجہ کی سر بمہر شراب

میں نے کہا اوہو! دنیا میں شراب تو صرف مٹکوں میں ہوتی ہے مگر یہاں نہروں کی صورت میں ہوگی اور اتنی کثرت سے ہوگی کہ اس کی کوئی حد بندی ہی نہیں ہوگی مگر اس کے ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ مٹکوں کی شراب کو گورنمنٹ اعلیٰ نہیں سمجھتی اور وہ اس کی بجائے ولایتی شراب بوتلوں میں بند کر کے بھیجتی ہے جو اپنے اثر اور ذائقہ میں زیادہ بہتر سمجھی جاتی ہے، مَیں نے کہا کہ اس مینا بازار میں تو شراب میں فرق کیا جاتا ہے، کیا اُس مینا بازار میں بھی ایسا فرق ہے؟ جب میں نے غور

کیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ وہاں بھی دو قسم کی شراب ہو گی ایک وہ جو نہروں کی صورت میں ہوگی اور گویا مٹکوں والی شراب کی قائم مقام ہوگی اور دوسری شراب وہ ہوگی جو بوتلوں میں بند ہوگی چنانچہ فرماتا ہے یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ [۴۵] اس نہروں والی شراب کے علاوہ ایک اَور شراب بھی وہاں ہوگی جو بوتلوں میں بند ہوگی جس پر مُہریں لگی ہوئی ہوں گی اور جو ایسی اعلیٰ درجہ کی ہوگی کہ اُس کی تلچھٹ [۴۶] بھی مُشک کی خوشبو اپنے اندر رکھتی ہوگی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی شراب میں فرق ہو گا، ایک تو عام شراب ہو گی جیسے بیئر (BEAR) وغیرہ اور ایک اعلیٰ درجہ کی شراب ہوگی جو آقا کا خاص تحفہ ہوگی اور سربمہر ہو گی اور اس کی دُرد [۴۷] مُشک کی ہوگی۔

روحانی شراب کی ایک عجیب خصوصیّت

تب میں نے سوچا کہ دُنیوی شراب تو عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے صحت برباد کر دیتی ہے انسان کو خمار ہو جاتا ہے وہ گند بکنے لگ جاتا ہے اور اس کے خیالات ناپاک اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ بیشک شراب میں کچھ فائدے بھی پائے جاتے ہیں لیکن انہی عیوب کی وجہ سے دنیا کی پچاس ساٹھ سالہ زندگی بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ شراب نہ پیو، پھر ہمیشہ کی زندگی میں اس کے استعمال کو جائز کیوں رکھا گیا اور کیا ایسا تو نہیں ہوگا کہ اس شراب کو پی کر مَیں اپنی عبودیت کو بھول جاؤں؟ اس پر مَیں نے دیکھا کہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے لَا فِیۡہَا غَوۡلٌ وَّلَا ہُمۡ عَنۡہَا یُنۡزَفُوۡنَ [۴۸]

غَوۡلٌ کے معنی عربی میں عقل اور بدن کی صحت کے چلے جانے اور خمار کے پیدا ہو جانے کے ہیں۔[۴۹] پس لَا فِیۡہَا غَوۡلٌ کے معنے یہ ہوئے کہ اس سے عقل ضائع نہیں ہوگی، بدن کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا اور پینے کے بعد خمار نہیں ہوگا۔ یہ تین عیب ہیں جو دنیا میں شراب پینے سے پیدا ہوتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے مینا بازار کی جو شراب ملے گی اُس سے نہ عقل خراب ہوگی اور نہ صحت کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ یہاں شراب پینے والوں کو رعشہ ہو جاتا ہے گنٹھیا کی شکایت ہو جاتی ہے اور جب نشہ اُترتا ہے تو اُس وقت بھی اُنہیں خمار سا ہوتا ہے اور اُن کے سر میں درد ہوتا ہے، لیکن اس مینا بازار میں جو شراب ملے گی اُس میں اِن نقائص میں سے کوئی نقص نہیں ہوگا۔

اسی طرح نزف کے معنے ہوتے ہیں ذَھَبَ عَقۡلُہٗ اَوۡ سُکِّرَ [۵۰] یعنی عقل کا چلے جانا

اور بہکی بہکی باتیں کرنا۔ یہ بات بھی ہر شرابی میں نظر آ سکتی ہے۔خود مجھے ایک شرابی کا واقعہ یاد ہے جو میرے ساتھ پیش آیا، اب تو میں حفاظت کے خیال سے سیکنڈ کلاس میں سفر کیا کرتا ہوں لیکن جس زمانہ کی یہ بات ہے اس زمانہ میں مَیں تھرڈ کلاس میں سفر کیا کرتا تھا،مگر اتفاق ایسا ہوُا کہ اُس دن تھرڈ کلاس میں سخت بھیڑ تھی مَیں نے سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیا مگر سیکنڈ کلاس کا کمرہ بھی ایسا بھرا ہوُا تھا کہ بظاہر اس میں کسی اور کے لئے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی تھی۔ چھوٹا سا کمرہ تھا اور اٹھارہ بیس آدمی اس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بہرحال جب میں اس کمرہ میں گُھسا تو ایک صاحب جو اندر بیٹھے ہوئے تھے وہ مجھے دیکھتے ہی فوراً کھڑے ہوگئے اور لوگوں سے کہنے لگے تمہیں شرم نہیں آتی کہ خود بیٹھے ہو اور یہ کھڑے ہیں ان کے لئے بھی جگہ بناؤ تا کہ یہ بیٹھیں۔ مَیں نے سمجھا کہ گو مَیں انہیں نہیں جانتا مگر یہ میرے واقف ہوں گے۔ چنانچہ اُن کے زور دینے پر لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے اور میرے بیٹھنے کے لئے جگہ نکل آئی۔ جب میں بیٹھ گیا تو وُہی صاحب کہنے لگے کہ آپ کیا کھائیں گے؟ مَیں نے کہا آپ کی بڑی مہربانی ہے مگر یہ کھانے کا وقت نہیں میں لاہور جا رہا ہوں وہاں میرے عزیز ہیں وہاں سے کھانا کھا لوں گا۔ کہنے لگے نہیں پھر بھی کیا کھائیں گے؟ مَیں نے کہا عرض تو کر دیا کہ کچھ نہیں۔ اس پر وہ اور زیادہ اصرار کرنے لگے اور کہنے لگے اچھا فرمایئے کیا کھائیں گے؟ مَیں نے کہا بہت بہت شکریہ میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ کہنے لگے اچھا تو پھر فرمایئے نا کہ آپ کیا کھائیں گے؟ مَیں اب گھبرایا کہ یہ کیا مصیبت آ گئی ہے۔ اس سے پہلے مَیں نے کسی شرابی کو نہیں دیکھا تھا اس لئے میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں۔ اتنے میں ایک سکھ صاحب کمرہ میں داخل ہوئے اس پر وہ پھر کھڑے ہوگئے اور لوگوں سے کہنے لگے،تمہیں شرم نہیں آتی کمرہ میں ایک بھلا مانس آیا ہے اور تم اُس کے لئے جگہ نہیں نکالتے۔اور یہ بات کچھ ایسے رُعب سے کہی کہ لوگوں نے اس کے لئے بھی جگہ نکال دی۔ جب وہ سکھ صاحب بیٹھ چکے تو دو منٹ کے بعد وہ اُن سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے سردار صاحب کچھ کھائیں گے؟ مَیں نے اُس وقت سمجھا کہ یہ شخص پاگل ہے اتنے میں ایک اور شخص کمرہ میں داخل ہوگیا۔ اس پر وہ انہی سردار صاحب کو جن کو چند منٹ پہلے بڑے اعزاز سے بٹھا چکا تھا کہنے لگا تمہیں شرم نہیں آتی کہ خود بیٹھے ہو اور اس کے لئے جگہ نہیں نکالتے۔ آخر مَیں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو اس نے بتایا کہ انہوں نے شراب پی ہوئی ہے اس پر مَیں اگلے سٹیشن کے آتے ہی وہاں سے کھسک گیا اور میں نے شکر کیا

کہ اُس نے مجھ کو جھاڑ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔

تو شراب انسانی عقل پر بالکل پردہ ڈال دیتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَاھُمْ عَنْھَا یُنْزَفُوْنَ نہ انہیں نشہ چڑھے گا اور نہ بیہودہ باتیں کریں گے۔

پاکیزہ مذاق

اسی طرح فرماتا ہے یَتَنَازَعُوْنَ فِیْھَا کَأْسًا لَّالَغْوٌ فِیْھَا وَلَاتَأْثِیْمٌ [۵۱] مؤمن وہاں آپس میں بڑی صلح صفائی اور محبت پیار سے رہیں گے اور جس ہنسی مذاق میں ایک بھائی دوسرے بھائی سے کوئی چیز چھین کر لے جاتا ہے اسی طرح وہ ایک دوسرے سے چھین چھین کر کھائیں گے۔ یہ نہیں کہ اُن کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہوگا جس کی وجہ سے انہیں چھیننا پڑے گا بلکہ اُن کے پاس ہر چیز کی کثرت ہوگی، یہاں تک کہ دُودھ اور شہد اور پانی کی نہریں چل رہی ہوں گی مگر پھر بھی وہ محبت اور پیار کے اظہار کے لئے ایک دوسرے سے پیالے چھین چھین کر پئیں گے۔ مگر دنیا میں تو اِس چھیننے کے نتیجہ میں کئی دفعہ لڑائی ہو جاتی ہے اور لوگ ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے تم بڑے خبیث ہو اور دوسرا کہتا ہے تم بڑے خبیث ہو مگر فرمایا لَا لَغْوٌ فِیْھَا وَلَا تَأْثِیْمٌ وہاں قلوب اتنے صاف ہوں گے کہ انسان کے دل میں اس سے کوئی رنجش پیدا نہیں ہوگی کہ اُس کے بھائی نے اس سے پیالہ چھین لیا ہے بلکہ اُن کی آپس کی محبت اور زیادہ ترقی کرے گی اور وہ اور زیادہ نیک اور پاک بن جائیں گے۔ اس سے معلوم ہؤا کہ نہ صرف وہ شراب پاک ہوگی بلکہ جتنا زیادہ اُس شراب کو پئیں گے اُتنا ہی اُن کا دل پاک ہوگا اس سے صاف ظاہر ہے کہ دُنیوی شراب کی بُرائیاں اُس میں نہیں ہوں گی۔

تزکیۂ نفس پیدا کرنے والی شراب

مگر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس کی خوبیاں کیا ہیں جن کی وجہ سے وہ پلائی جائے گی۔ تو اس کا جواب مَیں نے یہ پایا کہ وَ سَقٰھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا [۵۲] طَھُوْر کے معنے پاک کے بھی اور پاک کرنے والے کے بھی ہوتے ہیں اور طَاھِر کے معنے ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں پاک ہو پس سَقٰھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا کے معنے یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو ایسی شراب پلائے گا جو اُن کے دلوں کو بالکل پاک کر دے گی، معلوم ہؤا کہ وہ شراب صرف نام کے لحاظ سے شراب ہے ورنہ اصل میں کوئی ایسی چیز ہوگی جس سے دل پاک ہوں گے پھر طَھُوْر کے لفظ سے جس کے معنے پاک کرنے والی شَے کے ہوتے ہیں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ شراب

چیزوں کو سڑا کر نہیں بنائی جائے گی بلکہ اللہ تعالیٰ کے کُنْ کہنے کے نتیجہ میں پیدا ہوگی۔

اسی طرح ایک اور لطیف اشارہ اس میں یہ کیا گیا ہے کہ شراب خود گندی ہوتی ہے اور جو چیز آپ گندی اور سڑی ہوئی ہو وہ دوسروں کو بھی گند میں مبتلاء کرتی ہے مگر فرمایا وہ شراب نہ خود سڑی ہوئی ہوگی اور نہ دوسروں کو گند میں مبتلاء کرے گی، گویا اس کے دونوں طرف پاکیزگی ہوگی۔ وہ نہ آپ گندی اور سڑی ہوئی ہوگی اور نہ دوسروں کو گندگی میں مبتلاء کرے گی۔

''تسنیم واٹر'' پھر فرماتا ہے وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ [۵۳] اس شراب میں ایک پانی ملایا جائے گا جو شرف، بلندی اور کثرت کا ہوگا جیسے انگریز شراب پیتے ہیں تو اُس میں سوڈا واٹر ملا لیتے ہیں۔ اسی طرح فرمایا ہم اس شراب میں تسنیم واٹر ملائیں گے گویا وہاں بھی سوڈا واٹر ہوگا، مگر اس کا نام ہوگا تسنیم واٹر۔ اور تسنیم کے معنے بلندی، شرف اور کثرت کے ہیں، گویا اُس پانی کو پی کر یہ تینوں باتیں انسان کو حاصل ہوں گی۔ کیونکہ یہ معمولی پانی نہیں ہوگا بلکہ بلندی، شرف اور کثرت کے چشمہ کا ہوگا جو جنت میں بہتا ہوگا اور عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ [۵۴] یہ ایک ایسا چشمہ ہوگا جس سے مقرب لوگ پانی پئیں گے، گویا دو گروہوں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ ایک گروہ تو وہ ہوگا جس کی شراب میں ذائقہ کے لئے تسنیم کا پانی ملایا جائے گا اور جب بھی وہ شراب پینا چاہیں گے انہیں اس کے مطابق تسنیم کا پانی شراب میں ملانے کے لئے دیدیا جائے گا، مگر ایک اور گروہ مقربین کا ہوگا جنہیں معمولی مقدار میں تسنیم کا پانی نہیں دیا جائے گا، بلکہ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ کے مطابق انہیں اجازت ہوگی کہ وہ جب بھی چاہیں تسنیم کے چشمہ سے پانی لے لیں جو بلندی، شرف اور کثرت کا چشمہ ہوگا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جنت میں جس شراب وغیرہ کا ذکر آتا ہے اُس سے مراد رُوحانی چیزیں ہیں ورنہ دُنیا میں کیا کبھی شرف، بلندی اور کثرت کا پانی بھی ہؤا کرتا ہے یا کوئی ایسی شراب بھی ہؤا کرتی ہے جو سڑے نہیں؟ اور پھر وہ شراب ہی کیا ہے جس میں نشہ نہ

☆ سَالَ يَسِيْلُ سے قاعدہ کے ماتحت تو سِلْ آنا چاہئے لیکن الفاظ میں دوسرے لفظ کی حرکت کے مناسب پہلے لفظ پر بھی حرکتِ فتحہ دیدی جاتی ہے۔ **لِكَوْنِهٖ اَخَفُّ عَلَى اللِّسَانِ وَ اَسْهَلُ عَلَى الْقَارِیْ**۔ کیونکہ اس سے لفظ کا ثقل دور ہو جاتا اور بولنے میں آسانی ہوتی ہے۔

ہو، بلکہ شراب میں جتنا زیادہ نشہ ہو اتنی ہی وہ اعلیٰ سمجھی جاتی ہے اور اُسی قدر ہمارے شاعر اس کی تعریف کرتے ہیں۔ ذوقؔ کہتا ہے

؎ یہ وہ نشہ نہیں جسے تُرشی اُتار دے

مگر جنت میں جو شراب دی جائے گی اس میں نہ نشہ ہوگا نہ وہ سڑی ہوئی ہوگی اور نہ صحت اور عقل کو نقصان پہنچائے گی۔

اسی طرح فرماتا ہے اس شراب میں ایک چشمہ کا پانی ملایا جائے گا جس کا نام سَلْسَبِیْلا[۵۵] ہوگا سَبِیْل کے معنے راستہ کے ہیں اور سَلْ☆ کے معنے اگر اس کے سَالَ یَسِیْلُ سے سمجھا جائے تو یہ ہوں گے کہ چل اپنے راستہ پر۔ یا دَوڑ پڑ۔ یعنی دنیاوی شراب پی کر تو انسان لڑکھڑا جاتے ہیں مگر وہ شراب ایسی ہوگی کہ اُسے پی کر انسان دَوڑنے لگے گا اور اُس کو پیتے ہی کہا جائے گا کہ اب سب کمزوری رفع ہوگئی چل اپنے راستہ پر۔

یہ فرق بھی بتا رہا ہے کہ شراب مادی نہیں، ورنہ دنیا کی شراب پی کر انسان کے پاؤں لڑکھڑا جاتے ہیں اور وہ کبھی بھی دَوڑ نہیں سکتا۔

مادی شراب کے نشہ کی کیفیت

مجھے ایک لطیفہ یاد ہے، قادیان میں جہاں آج کل صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر ہیں اور جہاں سے ایک گلی ہمارے مکانوں کے نیچے سے گزرتی ہے، وہاں ایک دن مَیں اپنے مکان کے صحن میں ٹہلتا ہوا مضمون لکھ رہا تھا کہ نیچے گلی سے مجھے دو آدمیوں کی آواز آئی۔ ان میں سے ایک تو گھوڑے پر سوار تھا اور دوسرا پیدل تھا۔ جو پیدل تھا وہ دوسرے شخص سے کہہ رہا تھا کہ سُندر سنگھا! پکوڑے کھائیں گا؟ میں نے سمجھا کہ آپس میں باتیں ہو رہی ہیں اور ایک شخص دوسرے سے پوچھ رہا ہے کہ تم پکوڑے کھاؤ گے؟ مگر تھوڑی دیر کے بعد مجھے پھر آواز آئی کہ سُندر سنگھا پکوڑے کھائیں گا اور وہ شخص جو گھوڑے پر سوار تھا برابر آگے بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ اُس موڑ پر جا پہنچا جو مسجد مبارک کی طرف جاتا ہے مگر وہ برابر یہی کہتا چلا گیا کہ سُندر سنگھا! پکوڑے کھائیں گا؟ سندر سنگھا! پکوڑے کھائیں گا؟ آخر گھوڑے کے قدموں کی آواز غائب ہوگئی اور آدھ گھنٹہ اس پر گزر گیا مگر مَیں نے دیکھا وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہیں گلی میں بیٹھا ہوا یہ کہتا چلا جاتا تھا کہ سُندر سنگھا! پکوڑے کھائیں گا؟ سُندر سنگھا! پکوڑے کھائیں گا؟ حالانکہ سُندر سنگھ اُس وقت گھر میں بیٹھا ہوا پُھلکے کھا رہا ہوگا۔ دراصل وہ شراب کے نشے کی وجہ سے اُس سے چلا نہیں جاتا

تھا اور عقل پر ایسا پردہ پڑا ہؤا تھا کہ وہیں دیوار کے ساتھ بیٹھا ہؤا وہ سُندر سنگھ کو پکوڑوں کی دعوت دیتا چلا جاتا تھا۔

تو شراب کی کثرت کی وجہ سے ٹانگوں کی طاقت جاتی رہتی ہے، عقل زائل ہو جاتی ہے قویٰ کو نقصان پہنچتا ہے اور انسان بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ شراب پلا کر ہم کہیں گے۔ سَلْ سَبِیْلًا۔ اب تمہاری سب کمزوری رفع ہوگئی ہے تو اپنے راستہ پر دَوڑ پڑو۔

دوسرے معنے اس کے سَأَلَ یَسْأَلُ کے بھی ہو سکتے ہیں، یعنی سوال کر، پوچھ، دریافت کر۔ اس کا امر بھی سَلْ ہی بنتا ہے۔ یعنی دنیا میں شراب پینے والا جب بہت سی شراب پی لیتا ہے تو اُس کی عقل ماری جاتی ہے، مگر وہ شراب ایسی ہوگی کہ جب وہ پلائی جائے گی تو اُسے کہا جائے گا کہ اب تیری عقل تیز ہوگئی ہے تو روحانیت اور معرفت کی ہم سے نئی نئی باتیں پوچھ۔ گویا اُس شراب سے ایک طرف قوتِ عملیہ بڑھ جائے گی اور دوسری طرف قوتِ عقلیہ بڑھ جائے گی اور وُہ خدا تعالیٰ سے کہے گا کہ خدایا مجھے اور رُوحانی علوم دیئے جائیں اور اس کے بدن میں ایسی طاقت آ جائے گی کہ جس طرح دریا اپنی روانی میں بہتا ہے اسی طرح وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں بہنے لگ جائے گا۔

پھل اور گوشت

(۴) چوتھی بات جو دُنیوی مینا بازاروں میں پائی جاتی ہے وہ کھانے کی چیزیں ہیں، مَیں نے اس جنت میں دیکھا تو اس میں بھی یہ سب سامان موجود تھے چنانچہ فرماتا ہے وَفَاکِھَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ - وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَھُوْنَ [۵۶]

کہ جنت میں کھانے کو پھل ملیں گے جو بھی وہ پسند کریں گے، یہاں ہم بعض دفعہ بعض پھلوں کو پسند کرتے ہیں مگر ہمیں ملتے نہیں۔ ہمارا جی چاہتا ہے ہمیں انگور کھانے کو ملیں مگر جب بازار سے دریافت کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے تمہاری عقل ماری گئی ہے یہ بھی کوئی انگور کا موسم ہے۔ رنگترے کو جی چاہے تو دُکاندار کہہ دیگا، آج کل تو رنگترے کا موسم ہی نہیں، کیلا موجود ہے یہ لے لیں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہاں یہ سوال نہیں ہوگا کہ انگوروں کا موسم نہیں یا اناروں کا موسم نہیں یا کیلے کا موسم نہیں یا سردے کا موسم نہیں، وہاں جو بھی پھل انسان چاہے گا، اُسے فوراً مل جائے گا۔ اسی طرح جس پرندے کا گوشت وہ چاہیں گے اُس کا گوشت انہیں دیا جائے گا، پھر فرماتا ہے وَاَمْدَدْنٰھُمْ بِفَاکِھَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَھُوْنَ [۵۷]

کہ انہیں کھانے کے لئے پھل ملیں گے اور گوشت بھی جس قسم کا وہ چاہیں گے، یہ شرط نہیں کہ انہیں پرندوں کا ہی گوشت ملے گا بلکہ اگر وہ مچھلی چاہیں گے تو مچھلی ملے گی ، دُنبے کا گوشت چاہیں گے تو دُنبے کا گوشت مل جائے گا۔

جنّتی پھلوں کی دلچسپ خصوصیات

اسی طرح فرماتا ہے۔ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيلًا [۵۸] کہ جنت میں مؤمنوں کو جو پھل ملیں گے، اُن کی یہ ایک عجیب خصوصیت ہوگی کہ وہ پھل بہت ہی جُھکے ہوئے ہوں گے اور جب اُن کا جی چاہے گا انہیں ہاتھ سے توڑ لیں گے، یہاں پھل اُتارنے کے لئے لوگوں کو درختوں پر چڑھنا پڑتا ہے، مگر فرمایا وہاں ایسا نہیں ہوگا۔ وہاں پھل اس قدر جُھکے ہوئے ہونگے کہ جس کا جی چاہے گا ہاتھ سے توڑ لے گا۔

اسی طرح فرماتا ہے۔ وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّامَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ [۵۹] کہ انہیں وہاں کھانے کے لئے کثرت سے پھل ملیں گے اور وہ پھل ایسے ہوں گے، جو کبھی مقطوعہ نہیں ہوں گے یعنی کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ کہہ دیا جائے آج رنگترے نہیں ملیں گے، صرف شہتوت ملیں گے۔ وَلَا مَمْنُوْعَةً اور نہ وہ ممنوع ہوں گے۔ یعنی یہ ایک عجیب خاصیت اُن میں ہوگی کہ کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ وہ انسان کو بیمار کر دیں۔ دنیا میں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کہہ دیتا ہے تمہارے لئے کیلا کھانا منع ہے یا تم صرف انار کا پانی پی سکتے ہو اَور کوئی پھل نہیں کھا سکتے، مگر جنت میں جو پھل ملیں گے انہیں کوئی بُرا کہنے والا نہیں ہوگا کیونکہ وہ بیماریاں پیدا کرنے والے نہیں ہوں گے بلکہ تندرستی اور صحت پیدا کرنے والے ہونگے پس وَلَا مَمْنُوْعَةٍ کے یہ معنے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا کہ ان پھلوں کے کھانے سے بدہضمی ہو خواہ وہ کسی قدر کھا لئے جائیں انسان کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی ۔ دنیا میں انسان ذرا بے احتیاطی کرے تو بیمار ہو جاتا ہے مگر وہاں ایسا نہیں ہوگا۔ لیکچر دیتے وقت میری عادت ہے کہ میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد گرم چائے کا ایک گھونٹ لے لیتا ہوں چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میرے آگے چائے کی پیالیاں رکھی جاتی ہیں اور اُن میں سے اکثر بغیر چکھے کے اُٹھالی جاتی ہیں۔ کیونکہ میرے سامنے پڑی پڑی ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور بعض دفعہ میں ایک گھونٹ پی بھی لیتا ہوں، مگر اس تمام عرصہ میں تیس چالیس دفعہ پیالیاں میرے سامنے سے گزر جاتی ہیں اور جو ناواقف ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ شاید میں ساری پیالیاں پی جاتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک نئے دوست احمدی ہوئے جو بعد میں بہت مخلص ہو

گئے، ڈپٹی آصف زمان صاحب اُن کا نام تھا۔ وہ پہلے سال جلسہ میں شریک ہوئے تو انہوں نے بعد میں مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب سے کہا کہ خان صاحب! یہ کیا غضب کرتے ہیں۔ خلیفۃ المسیح کو تو لیکچر میں ہوش ہی نہیں رہتی اور آپ لوگ تیس چالیس پیالیاں چائے کی اُن کے آگے رکھ دیتے ہیں۔ اتنی چائے انہیں سخت نقصان دے گی۔ تو دنیا میں جب کسی چیز کو بے احتیاطی سے استعمال کیا جائے تو اس کی وجہ سے انسان کو تکلیف ہو جاتی ہے مگر فرمایا: وہ پھل عجیب خاصیت اپنے اندر رکھتے ہوں گے کہ نہ تو کسی موسم میں ختم ہوں گے اور نہ کوئی بد اثر جسم پر پڑیگا بلکہ ہر حالت میں انسان اُن کو کھا سکے گا۔ دنیا کی غذاؤں کو تو روکنا پڑتا ہے مگر رُوحانی چیزیں چونکہ ایسی نہیں ہوتیں اور اُن کی بڑی غرض یہی ہوتی ہے کہ انسان اپنے علم اور معرفت میں بڑھ جائے اس لئے جنت کی چیزیں انسان رات اور دن کھاتا چلا جائے گا اور اسے کسی وقفہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ یہ خواص بتاتے ہیں کہ ان پھلوں سے مادی پھل نہیں بلکہ روحانی پھل مراد ہیں۔ اسی وجہ سے احادیث میں آتا ہے کہ جنت کے رزق کا کوئی پاخانہ نہیں آئے گا اور آئے کس طرح جب کہ وہ رزق مادی ہوگا ہی نہیں بلکہ رُوحانی ہوگا۔

نعماء کے پہلو بہ پہلو مغفرت کا دَور

جب مَیں یہاں پہنچا تو مجھے خیال آیا کہ اُف! کھانے اور پینے کی جہاں اتنی چیزیں ہوں گی، وہاں تو دن اور رات میں کھانے اور پینے میں ہی مشغول رہوں گا اور میرا آقا مجھ سے ناراض ہوگا کہ یہ کیسا غلام ہے جو رات دن کھاتا پیتا رہتا ہے۔ پس میرے دل میں خوف پیدا ہؤا کہ کہیں میں ان کھانے پینے کی چیزوں کے ذریعہ اپنے آقا کی ناراضگی تو مول نہیں لے لونگا اور کیا وہ مجھے یہ نہیں کہے گا کہ میں نے تم کو اس لئے غلام بنایا تھا کہ تم رات اور دن کھاتے پیتے رہو۔؟

جب میرے دل میں یہ ڈر پیدا ہؤا تو مَیں نے پھر قرآن کریم کی طرف نظر کی کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے اور مَیں نے وہاں یہ لکھا ہؤا دیکھا کہ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَا اَنْهَارٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ [60]

اس جنت کی حالت اور کیفیت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ لوگ اپنے باغوں کو پانی دیتے ہیں تو وہ زمین کے پتوں کے ساتھ مل کر بدبُودار ہو جاتا ہے اور اس کے اندر

ایسی سڑاند پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگوں کے لئے وہاں سے گزرنا مشکل ہو جاتا ہے مگر وہاں ایسا پانی ہوگا جو بِالکل پاک اور صاف ہوگا جس میں مٹی اور ریت ملی ہوئی نہیں ہوگی اور جب کھیتوں کو پانی دیا جائے گا تب بھی بدبُو پیدا نہیں ہوگی۔اور وہاں ایسے دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا مزہ کبھی خراب نہیں ہوگا اور وہاں شراب کی بھی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لئے لذت کا موجب ہوں گی اور وہاں خالص شہد کی بھی نہریں ہوں گی اور وہاں اُن کے لئے ہر قسم کے میوے ہوں گے جنہیں وہ خوب کھائے گا۔ اور جب دیکھے گا کہ اس نے خوب کھا لیا اور خوب پی لیا تو اُسے خیال آئے گا کہ میرا کام تو خدمت کرنا تھا، اب میرا آقا ضرور مجھ سے ناراض ہوگا اور کہے گا نالائق تُو کھاؤ پیؤ بن گیا۔ چنانچہ وہ ڈر کے مارے کھڑا ہو جائے گا مگر جونہی وہ گھبرا کر کھڑا ہوگا وہ دیکھے گا کہ اُس کا آقا اُس کے سامنے کھڑا ہے اور اُسے کہہ رہا ہے کہ میرے اس بندے کو بخش دو کہ اس نے میرا پانی پیا۔ میرے اس بندے کو بخش دو کہ اس نے میرا شہد پیا۔ میرے اس بندے کو معاف کرو کہ اس نے میرے دودھ کو استعمال کیا۔ اور میرے اس بندے کو معاف کرو کہ اس نے میرے پھلوں کو کھایا۔ گویا ہر کھانے اور ہر پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش نازل ہوگی اور مؤمنوں کے درجات میں اور زیادہ ترقی ہوگی۔ تب میں نے ایک طرف تو یہ سمجھا کہ یہ رُوحانی غذائیں ہیں تبھی ان کے نتیجہ میں مغفرت حاصل ہونے کے کوئی معنے نہیں دوسری طرف مَیں نے یہ بھی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو خدا خود کھلاتا اور پلاتا ہے اور ان کا کھانا اور پینا بھی عبادت میں شامل ہوتا ہے جیسے حضرت مسیح ناصری کو بھی کھاؤ اور پیؤ کہا گیا۔

سیّد عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کے ایک ارشاد کی حقیقت!

اسی طرح اس آیت سے میرے لئے سیّد عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کا یہ واقعہ بھی حل ہو گیا کہ مَیں نہیں کھاتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ذات ہی کی قسم تُو ضرور کھا اور مَیں نہیں پیتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ذات ہی کی قسم تُو ضرور پی۔ اور میں نہیں پہنتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ذات ہی کی قسم تُو ضرور پہن۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ ہر مؤمن سے کہے گا کہ کھاؤ مَیں تمہارے گناہ بخشوں گا، میری شراب پیو کہ مَیں تم سے حُسنِ سلوک کروں گا اور میرے پھل کھاؤ کہ میں تم پر اپنی رحمتیں نازل کروں گا۔ یہ الفاظ کتنی محبت پر دلالت کرتے ہیں اور کس طرح ان الفاظ سے اس

شفقت کا اظہار ہوتا ہے جو مؤمن بندے کے ساتھ خدا تعالیٰ کرے گا۔

اعلیٰ درجہ کے لباس

(۵) پھر مَیں نے سوچا کہ دُنیوی بازاروں میں تو لباس فروخت ہؤا کرتے ہیں۔ آیا ہمارے مینا بازار میں بھی لباس ملتے ہیں یا نہیں۔ مَیں نے غور کیا تو اس بارہ میں بھی یہ تشریح موجود تھی وِلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ۔ وَھُدُوْٓا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَھُدُوْٓا اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِیْدِ [۶۱]

یعنی اس کے اندر مؤمنوں کو ایسا لباس دیا جائے گا جو ریشمی ہوگا وَھُدُوْٓا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ۔ اور دنیا میں تو لوگ ریشمی لباس پہن کر متکبر ہو جاتے ہیں اور دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا تو میرا مقابلہ کر سکتا ہے؟ مگر وہاں ایسا نہیں ہوگا۔ ہمارے ملک میں تو ایسی بُری عادت ہے کہ ذرا کسی کی تنخواہ زیادہ ہو جائے اور اس کا غریب بھائی اور رشتہ دار اس سے ملنے کیلئے آئے تو وہ گردن موڑ کر چلا جاتا ہے۔ اب اُس کی گردن آپ ہی نہیں مُڑتی بلکہ اُسے جو تنخواہ مل رہی ہوتی ہے وہ اس کی گردن کو موڑ دیتی ہے مگر فرماتا ہے وہ حریر جو جنت میں ملے گا عجیب قسم کا ہوگا کہ وَھُدُوْٓا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ اِدھر انسان وہ حریر پہنے گا اور اُدھر اس میں انکسار پیدا ہو جائے گا اور اس ریشم کے پہنتے ہی اس میں محبت اور پیار اور خلوص کے جذبات پیدا ہو جائیں گے وَھُدُوْٓا اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِیْدِ اور دنیا میں تو لوگ ریشم پہن کر خوب اکڑ اکڑ کر مال روڈ پر چلتے ہیں۔ عورتیں ان کو دیکھتی ہیں اور وہ عورتوں کی طرف دیکھتے ہیں اور اس طرح بداخلاقی کے مرتکب ہوتے ہیں مگر وہ حریر اس قسم کا ہوگا کہ اسے پہن کر مؤمن اللہ تعالیٰ کی طرف دَوڑنے لگ جائیں گے اور اللہ میاں کے دربار میں جانے کی خواہش اُن کے دلوں میں زیادہ زور سے پیدا ہو جائے گی۔

پھر اس لباس کے علاوہ ایک اور لباس کا بھی پتہ چلتا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ [۶۲] تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہوتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا یہ تقویٰ کا لباس بھی اس مینا بازار میں ملتا ہے یا نہیں؟ اس کے لئے جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں قرآن کریم میں یہ لکھا ہؤا دکھائی دیتا ہے وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی وَّاٰتٰـھُمْ تَقْوٰھُم [۶۳]

کہ جو لوگ ہدایت پاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت میں اور زیادہ بڑھاتا ہے یہاں تک کہ اُن کو تقویٰ عطا کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر ایک کو اُس کی ہدایت کے مطابق لباس ملے

گا اور جس قدر کسی نے روحانیت میں ترقی کی ہوگی اُسی قدر اس کا لباس زیادہ اعلیٰ ہوگا۔

زیب وزینت کے سامان

(٦) چھٹے میں نے دیکھا کہ مینا بازار میں زینت کے سامان یعنی آئینے اور کنگھیاں اور رِبن اور پاؤڈر وغیرہ فروخت ہوتے تھے۔ مَیں نے سوچا کہ یہ تو پُرانے زمانے کے مینا بازاروں کی بات ہے، آج کل تو انارکلی اور ڈبی بازار میں پوڈروں اور لپ سٹکوں اور رُوج وغیرہ کی وہ کثرت ہے کہ پُرانے مینا بازار ان کے آگے ماند پڑ جاتے ہیں اور عورتوں کو ان کے بغیر چَین ہی نہیں آتا، گو آج کل کے مرد بھی کچھ کم نہیں اور وہ بھی اپنے بالوں میں مانگ نکال کر اور یوڈی کلون اور پوڈر وغیرہ چھِڑک کر ضرور خوش ہوتے ہیں مگر عورتیں تو اپنی زینت کے لئے ضروری سمجھتی ہیں کہ منہ پر کریم ملیں، پھر اس پر پوڈر چھِڑکیں، پھر لپ سٹک لگائیں پھر رُوج اور عطر وغیرہ استعمال کریں یہاں تک کہ اپنے بچوں کے منہ پر بھی وہ کئی قسم کی کریمیں اور چکنائیاں ملتی رہتی ہیں۔ چنانچہ بعض بچوں کو جب پیار کیا جاتا ہے تو ہاتھ پر ضرور کچھ سُرخی، کچھ چکنائی اور کچھ پوڈر لگ جاتا ہے اور جلد جلد غسلخانہ جانا پڑتا ہے۔ پس میں نے کہا آؤ میں دیکھوں کہ آیا یہ چیزیں بھی وہاں ملتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اگر یہ چیزیں وہاں نہ ہوئیں تو اوّل تو آج کل کے مرد بھی وہاں جانے سے انکار کر دیں گے ورنہ عورتیں تو ضرور اَڑ کر بیٹھ جائیں گی اور کہیں گی بتاؤ جنت میں سرخی اور پوڈر ملے گا یا نہیں؟ اگر سرخی، پوڈر اور کریمیں وغیرہ ملتی ہوں تو ہم جانے کے لئے تیار ہیں ورنہ نہیں۔

زینت کے لئے سب سے پہلی چیز ذاتی خوبصورتی ہے مگر کئی عورتیں اس کو نظر انداز کر دیتی ہیں اور وہ خیال کرتی ہیں کہ شاید پوڈر مَل کر وہ اچھی معلوم ہونے لگیں گی اور بیوقوفی سے زیادہ سے زیادہ پوڈر مَلنے کو وہ حُسن کی ضمانت سمجھتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب انہوں نے پوڈر مَلا ہؤا ہوتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے آٹے کی بوری جھاڑی ہے۔ انگریزوں کا رنگ چونکہ سفید ہے اس لئے اُن کے چہروں پر پوڈر بدزیب معلوم نہیں ہوتا، مگر ہمارے ملک میں نقل چونکہ عقل کے بغیر کی جاتی ہے، اس لئے اندھا دُھند انگریزوں کی اتباع میں پوڈر کے ڈِبے صرف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور کئی تو بے چارے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر کہ شاید اُن کا رنگ سفید ہو جائے، صابن کی کئی کئی ٹِکیاں خرچ کر دیتے ہیں اور اپنا منہ خوب مَل مَل کر دھوتے ہیں مگر جو رنگ قدرتی طور پر سیاہ ہو وہ سفید کس طرح ہو جائے۔

سیاہ اور بدنما چہرہ کو خوبصورت بنانے کا نسخہ

ایک دفعہ ایک اینگلوانڈین اُستانی میرے پاس آئی وہ چاہتی تھی کہ مَیں اس کی ملازمت کے لئے کہیں سفارش کر دوں۔مَیں نے کہا۔غور کروں گا۔اس طرح اُسے چند دن ہمارے ہاں ٹھہرنا پڑا۔وہ اپنے متعلق کہا کرتی تھی کہ میرا رنگ اتنا سفید نہیں جتنا ہونا چاہئے اور واقعہ یہ تھا کہ اُس کا رنگ صرف اتنا کالا نہیں تھا جتنا حبشیوں کا ہوتا ہے۔ میں اُن دنوں تبدیلئ آب وہوا کے لئے دریا پر جا رہا تھا اور اتفاقاً اُن دنوں میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب (مرحوم جو میرے سالے تھے) وہ بھی قادیان آئے ہوئے تھے۔انہوں نے ایک انگریز عورت سے شادی کی ہوئی ہے، وہ بھی میرے ساتھ چل پڑے کیونکہ اُن کی ہمشیرہ اُمِّ طاہر مرحومہ اس سفر میں میرے ساتھ جا رہی تھیں۔اُن کی بیوی نے اُس اُستانی کی بھی سفارش کی کہ میری ہم جولی ہوگی اسے بھی ساتھ لے لو، چنانچہ اُسے بھی ساتھ لے لیا۔وہاں پہنچ کر ہم نے دو کشتیاں لیں۔ایک میں مَیں، اُمِّ طاہر اور میری سالی تھی اور دوسری میں وہ اُستانی،میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تھے۔کشتیاں پاس پاس چل رہی تھیں۔اتنے میں مجھے آوازیں آنی شروع ہوئیں وہ اُستانی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب سے باتیں کر رہی تھیں کہ فلاں وجہ سے میرا رنگ کالا ہو گیا ہے اور میں فلاں فلاں دوائی رنگ کو گورا کرنے کے لئے استعمال کر چکی ہوں آپ چونکہ تجربہ کار ہیں اس لئے مجھے کوئی ایسی دوا بتائیں جس سے میرا رنگ سفید ہوجائے اور ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ فلاں دوائی استعمال کی ہے یا نہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ بھی استعمال کر چکی ہوں غرض اسی طرح اُن کی آپس میں باتیں ہو رہی تھیں۔ مجھے ان کی باتوں سے بڑا لُطف آ رہا تھا۔وہ ڈاکٹر صاحب سے بار بار کہتی تھی کہ ڈاکٹر صاحب یہ بیماری ایسی شدید ہے کہ باوجود کئی علاجوں کے آرام نہیں آتا حالانکہ یہ تو کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ رنگ تھا،سید حبیب اللہ شاہ صاحب بچپن میں میرے دوست ہوا کرتے تھے اور بعد میں بھی میرے اُن سے گہرے تعلقات رہے۔انہیں قرآن مجید پڑھنے کا بہت شوق تھا وہ اُس وقت بھی کشتی میں حسبِ عادت اونچی آواز میں قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔ میں یہ تماشہ دیکھنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب اُس کا رنگ کس طرح سفید کرتے ہیں۔آخر تھوڑی دیر کے بعد سید حبیب اللہ شاہ صاحب نے قرآن کریم بند کیا اور درمیان میں بول پڑے اور اُسے کہنے لگے ڈاکٹر صاحب تم کو کوئی نسخہ نہیں بتا سکتے۔اس دنیا میں تمہارا رنگ کالا ہی رہے گا البتہ ایک نسخہ

میں تمہیں بتاتا ہوں قرآن کریم میں لکھا ہے کہ جو شخص نیک عمل کرے گا اُس کا قیامت کے دن مُنہ سفید ہوگا۔ پس اِس دنیا میں تو تمہارا رنگ سفید نہیں ہوسکتا، تم قرآن پر عمل کرو تو قیامت کے دن تمہارا رنگ ضرور سفید ہو جائے گا۔ زینت کے یہ سامان بھی جو مَیں بتانے لگا ہوں اسی قسم کے ہیں جس قسم کی طرف سید حبیب اللہ شاہ صاحب نے اشارہ کیا تھا۔

سفید رنگ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ [۶۴] دُنیا میں اگر کوئی کالا ہے تو گورا نہیں ہوسکتا، بدصورت ہے تو خوبصورت نہیں ہوسکتا، اندھا ہے تو سوجاکھا نہیں ہوسکتا، نکٹا ہے تو ناک والا نہیں بن سکتا۔ کوئی شخص ہزار کوشش کرے صابن کی ٹکیوں سے اپنے مُنہ کو صبح وشام مل مل کر دھوئے۔ اگر اس کا رنگ سیاہ ہے تو وہ سفید نہیں ہوگا اور پیدائشی حالت کبھی بدل نہیں سکے گی۔ کالجوں کے طلباء میں بھی یہ مرض بہت ہوتا ہے اور وہ کئی قسم کی کریمیں ملتے رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی جو شکل بنا دی ہے وہ بدل نہیں سکتی۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم اپنا رنگ سفید کرنے کے لئے کہیں پیئرز سوپ ملتے ہو، کہیں ونولیا سوپ خریدتے ہو۔ کہیں پام آئل (PALM OIL) سوپ استعمال کرتے ہو مگر پھر بھی تمہارا رنگ نہیں بدلتا۔ آؤ ہم تمہیں بتاتے ہیں یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ ایک دن ایسا آنیوالا ہے جب مؤمنوں کے مُنہ سفید براق ہو جائیں گے، پھر دنیا میں تو سفید رنگ والے بھی کالے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ذرا بیمار ہوں تو اُن کے رنگ کالے ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ بیماریوں میں اندھے اور کانے ہو جاتے ہیں مگر فرمایا وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ [۶۵] ہمارے مینا بازار میں جن لوگوں کے مُنہ سفید ہوں گے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ تلے رہیں گے اور کبھی اُن کا رنگ خراب نہیں ہوگا۔

بعض لوگ اس موقع پر کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے اس قسم کے الفاظ ظاہری معنوں میں نہیں لینے چاہئیں، چنانچہ دیکھو قرآن کریم میں ہی آتا ہے۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا [۶۶] کہ جب کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اُس کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔ اب اس کے یہ معنے تو نہیں کہ اُس کا منہ واقعہ میں کالا ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُس کے دل پر بوجھ پڑتا ہے اور اُسے سخت صدمہ اور غم پہنچتا ہے۔ اسی طرح اُن کے نزدیک یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ کے یہ معنے ہیں کہ اُس دن جنتیوں کی نیکی اور تقویٰ اور عزّت کی وجہ سے اُن کے چہروں پر نور برستا معلوم ہوگا اور خدا تعالیٰ کے انوار ان پر نازل

ہونگے یہ معنے بھی درست ہیں اوران کا انکارنہیں ہوسکتا۔

کریمیں، پوڈراورسُرخی

اب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں مرد وعورت اپنی زینت کے لئے کیا کیا چیزیں استعمال کرتے ہیں سو:-

اوّل:- وہ ایسی کریمیں مَلتے ہیں جن سے جسم نرم اور ڈھیلا ہو جائے، مسام کُھل جائیں، مساموں سے زہراورمَیل نکل جائے اورسفیدی پیدا ہو جائے۔

دوم:- وہ ایسی کریمیں ملتے ہیں جن سے وہ پھر چُست ہو جائیں، اُن کے مسام سُکڑ جائیں اوراُن کے چہروں پر رونق پیدا ہو جائے، گویا پہلے تو وہ ایسی چیزیں ملتے ہیں جن سے اُن کے مسام کُھل جائیں اورمَیل وغیرہ نکل جائے اور پھر ایسی چیزیں ملتے ہیں جن سے اضمحلال اور اعضاء کا اِسترخاء جاتا رہے۔ اسی طرح پوڈر لگاتے ہیں تا کہ سفیدی ظاہر ہو اور پھر سُرخیاں لگاتے ہیں تا کہ دوسروں کو جسم سے صحت کے آثارنظر آئیں۔

اب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو وہ فرماتا ہے۔ وُجُوہٌ یَّوْمَئِذٍنَّاضِرَۃٌ [۶۷] یہاں تم پوڈر اور کریمیں وغیرہ لگاتے ہو اورتم نہیں جانتے کہ قیامت کے دن کچھ منہ ہوں گے جو نَاضِرَہ ہوں گے نَاضِرَہ کے معنے عربی میں حُسن اور رونق کے ہیں [۶۸] اور یہ دونوں الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں۔حُسن کے معنے تناسبِ اعضاء کے ہوتے ہیں اور رونق کے معنے صحت کے اُن آثار کے ہوتے ہیں جو چہرے اورقویٰ سے ظاہر ہوتے ہیں۔اگر ایک شخص کا ناک پچکا ہؤا ہو، مگراس کے کلّے اور ہونٹ سُرخ ہوں اوراُس کا رنگ سفید ہوتو اس کے چہرے کی رنگت اُسے کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی آنکھیں خراب ہیں یا اتنی بڑی بڑی ہیں جیسے مٹکے ہوتے ہیں یا ماتھا ایسا چھوٹا ہوتا ہے کہ سر کے بال بھوؤں سے ملے ہوئے ہیں۔ یا کلّے اتنے پچکے ہوئے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہو گویا کہ دوتختیاں جوڑ کر رکھدی گئی ہیں تو وہ ہرگز حسین نہیں کہلا سکتا۔ میں نے غور کر کے دیکھا ہے،مختلف انسانی چہرے مختلف جانوروں سے مشابہت رکھتے ہیں اور اگر ایک پہلو سے انسانی چہروں کو دیکھا جائے تو بعض انسانی چہرے گیدڑ سے مشابہ معلوم ہوتے ہیں،بعض کُتّے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں،بعض سؤر کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔بعض بلّی اوربعض چوہے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ کامل اوراچھا چہرہ وہ ہوتا ہے جس کی ان جانوروں سے کم سے کم مشابہت پائی جاتی ہو اوراگرلوگ کوشش کریں تو وہ اس نقص کو دُور کر سکتے ہیں مگر چونکہ میرا یہ مضمون نہیں اس لئے میں اس نقص کو دور کرنے کے طریق نہیں بتا

سکتا صرف اجمالاً ذکر کر دیا ہے کہ اکثر انسانی چہرے بعض جانوروں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ وہ زیادہ تر یہی کوشش کرتے ہیں کہ کریمیں مَل لیں یا لپ سٹکیں استعمال کرلیں یا روج لگالیں، مگر چہرہ کی بناوٹ کو درست کرنے کے جو صحیح طریق ہیں اُن کو اختیار کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کریموں اور غازوں اور لپ سٹکوں سے کیا بنتا ہے؟ اصل چیز تو چہرے کی بناوٹ درست ہونا ہے اور ہمارے مینا بازار میں جانیوالے سب ایسے ہی ہوں گے کہ انہیں کسی فیس پوڈر کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ اُن کے نقش ونگار درست کر کے انہیں وہاں لے جایا جائے گا۔ اگر کوئی شخص کانا ہوگا تو اُس کا کانا پن جاتا رہے گا، لنگڑا ہوگا تو اُس کا لنگڑا پن جاتا رہے گا، آنکھیں سانپ کی طرح باریک ہوں گی تو اُن کو موٹا کر دیا جائے گا، کسی کے دانت باہر نکلے ہوئے ہونگے تو اُس کے سب دانت موتیوں کی لڑی کی طرح بنا دیئے جائیں گے۔ آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ خدا کے مقرب ہوں اور پھر عیب دار ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کے تمام عیبوں کو دُور کر کے انہیں جنت میں داخل کریگا۔

ایک لطیفہ حدیثوں میں ایک لطیفہ آتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ وعظ فرما رہے تھے کہ ایک بڑھیا آئی اور کہنے لگی، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ باتیں چھوڑیں اور مجھے یہ بتائیں کہ میں جنت میں جاؤں گی یا نہیں؟ اب اُس کا یہ سوال بے وقوفی کا تھا مگر چونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے بھی بہت دِق کیا کرتی تھی اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس وقت مذاق سُوجھا اور آپؐ نے فرمایا، مائی! جہاں تک میرا علم ہے کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ وہ یہ سُنتے ہی رونے پیٹنے لگ گئی کہ ہائے ہائے! میں دوزخ میں جاؤنگی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَیں نے کب کہا ہے کہ تم دوزخ میں جاؤ گی۔ اُس نے کہا کہ آپؐ نے ابھی تو فرمایا ہے کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ آپؐ نے فرمایا روؤ نہیں وہاں سب کو جوان بنا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ بوڑھے ہونے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ اگلے جہان کی زندگی جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہے مگر میں چونکہ مینا بازار کے مقابلہ کی اشیاء کا ذکر کر رہا ہوں اس لئے جسمانی حصہ پر زیادہ زور دینا پڑتا ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ وہ روحانی دنیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی روح بغیر جسم کے نہیں ہوتی۔ جیسے خواب میں تمہیں بیٹا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو یہ خبر بعض دفعہ بیٹے

کی شکل میں نہیں بلکہ آم کی شکل میں ہوتی ہے حالانکہ مراد بیٹا ہوتا ہے۔اسی طرح بظاہر جنت میں جو شراب ملے گی وہ شراب ہی ہوگی اور یہی نظر آئے گا کہ ایک پیالہ میں شراب پڑی ہوئی ہے، مگر اس کے پینے کے نتیجہ میں عقل تیز ہوگی اور بجائے بکواس کرنے کے انسان علم اور عرفان میں ترقی کرے گا، بہرحال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ جو چیز دنیا میں تم درست نہیں کر سکے اُسے خدا درست کر دے گا نَاضِرَہ کے دوسرے معنے رونق کے ہیں ۔یعنی رنگ نِکھرا ہوُا ہو۔صحت اور تندرستی چہرہ سے ظاہر ہو۔ دنیا میں تو کئی لوگ چہروں پر کریم ملے ہوئے ہوتے ہیں، مگر اندر سے بیماریوں نے انہیں کھوکھلا کیا ہوُا ہوتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نہ صرف ظاہری نقش ونگار درست کر دیں گے اور فیس پوڈر اور کریم کی ضرورت ہی نہیں رہے گی بلکہ پیدائشِ جدیدہ کے وقت ایسی رونق پیدا کر دیں گے جو اُن کے چہروں سے پُھوٹ پُھوٹ کر ظاہر ہو رہی ہوگی۔

چمکتے ہوئے چہرے

اسی طرح فرماتا ہے۔ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ۔ ضَاحِکَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ [۶۹] اُس دن جنت میں جانے والوں کے چہرے چمک رہے ہوں گے۔ دنیا میں لوگ سفید تو ہوتے ہیں مگر مختلف قسم کے۔ کہتے ہیں فلاں فلاں کا جسم سفید تو ہے مگر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے موم ہے اور ایک سفیدی ایسی ہوتی ہے جس میں موتی کی طرح چمک ہوتی ہے فرماتا ہے جو سفیدی وہاں ہوگی وہ ایسی ہوگی کہ اُس کے اندر سے جَھلک پیدا ہوگی جیسے موتیوں کی جَھلک ہوتی ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ضَاحِکَۃٌ دنیا میں جو پوڈر ہوتے ہیں، ان کے لگانے سے دل خوش نہیں ہوتا بلکہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب عورتیں پوڈر لگا لیتی ہیں تو پھر وہ زیادہ ہنستی بھی نہیں، تا ایسا نہ ہو کہ شِکن پڑ کر پوڈر گر جائے، مگر فرمایا، ہمارا پوڈر ایسا ہو گا کہ بیشک جتنا چاہو ہنسو کوئی شِگاف پوڈر میں پیدا نہ ہوگا۔مَیں نے سُنا ہے کہ بعض عورتوں نے ایک چھوٹا سا شیشہ اور پوڈر وغیرہ اپنے پاس رکھا ہوُا ہوتا ہے اور جب کسی مجمع میں وہ محسوس کرتی ہیں کہ پوڈر کچھ اُتر گیا ہے تو علیحدہ جا کر وہ پھر پوڈر لگا لیتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہمارا پوڈر عجیب ہے کہ جتنا چاہو ہنسو وہ اُترے گا نہیں اور پھر وہ پوڈر ایسا اعلیٰ ہے کہ جس کے چہرہ پر وہ لگا ہوُا ہوگا اُس کا چہرہ نہایت ہی پُر رونق ہوگا۔

شگفتہ پیکر

اسی طرح فرماتا ہے مُسْتَبْشِرَۃ ان کی بڑی خوشیاں ہونگی، یہاں پوڈر لگانے والی عورتیں جب پوڈر لگاتی ہیں تو اُن کے دلوں میں یہ بے اطمینانی ہوتی ہے کہ

کہیں اُن کا خاوند کسی اور کا پوڈر دیکھ کر ریجھ نہ جائے اور اس طرح اُن کا گھر نہ اُجڑ جائے ،مگر فرمایا ہمارے ہاں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور ہر شخص اپنے رب کی نعمتوں پر خوش ہوگا۔

نرم ونازک اور ریشم کی طرح ملائم چہرے

اسی طرح فرماتا ہے وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ [۱] دنیا میں کریمیں اس لئے لگائی جاتی ہیں تا وہ جسم کو نرم کردیں، مگر فرمایا وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ہمارے ہاں اس قسم کی کریموں کی ضرورت ہی نہیں ہوگی کیونکہ جنتیوں کے چہروں کی بناوٹ ایسی ہوگی کہ اُن میں کوئی کھردرا پن نہیں ہوگا بلکہ وہ نرم اور ملائم ہوں گے نَاعِمَة کے معنے عربی زبان میں لَيِّنَ الْمَلْمَسِ [۱] کے ہیں، یعنی اُن کے جسم نرم ہوں گے یہ نہیں ہوگا کہ سردی آئے تو اُن کے جسم میں کھردرا پن پیدا ہو جائے اور اگر گرمی آئے تو ڈِھیلا پن پیدا ہو جائے ، بلکہ وہ ہمیشہ ہی نرم اور ملائم رہیں گے گویا نرم، سفید حسین، پُر رونق یعنی چمکدار اور خوش رنگ ہوں گے کریم ، پوڈر، لپ سٹک اور رُوج کسی کی ضرورت نہیں ہوگی ۔ یہ چیزیں آپ ہی آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے لگی ہوئی آئیں گی۔

اعلیٰ درجہ کے عطر اور خوشبوئیں

(۷) پھر میں نے سوچا کہ مینا بازار میں تو خوشبوئیں بھی ملتی تھیں ۔آیا اس مینا بازار میں بھی خوشبوئیں ہوں گی یا نہیں؟ جب میں نے اس نقطہ نگاہ سے غور کیا تو قرآن میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ [۳]

فرماتا ہے اگر یہ ہم سے سَودا کرنے والا مقرب ہوگا، تو اُسے پہلی چیز ہماری طرف سے روح دی جائے گی ، یہاں بھی خدا تعالیٰ نے دُنیوی اور اُخروی نعماء میں ایک عظیم الشان فرق کا اظہار کیا ہے۔جس طرح یہاں صرف کریمیں ملتی ہیں، پوڈر ملتے ہیں۔لپ سٹکیں ملتی ہیں، لیکن اگر کوئی چاہے کہ مجھے آنکھیں یا ہونٹ یا دانت یا منہ مل جائے تو نہیں مل سکتا۔ اسی طرح دنیا میں اسّی روپے تولہ کا عطر مل جائے گا، لیکن اگر کسی شخص کے ناک میں خوشبو سونگھنے کی حِس ہی نہ ہو، تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نیا ناک نہیں دے سکتی ۔اور ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو خوشبو اور بدبو میں اپنے ناک کی خرابی کی وجہ سے تمیز نہیں کر سکتے ۔حضرت خلیفہ اوّل نے جب ہمیں طِبّ پڑھائی، تو آپ نے فرمایا۔ایک بیماری ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں ناک کی حِسّ ماری جاتی ہے اور انسان خوشبو اور بدبو میں کوئی فرق نہیں کر سکتا۔ چنانچہ یہاں ایک شخص تھا آپ نے فرمایا آنکھیں بند کر کے اگر اس کے سامنے پاخانے کا ٹھیکرا اور اعلیٰ درجے کا کیوڑے کا عطر رکھ

دیا جائے تو وہ یہ نہیں بتا سکے گا کہ پاخانہ کونسا ہے اور عطر کونسا؟ ایک لڑکی میری ایک عزیز کے پاس نوکر تھی، ایک دن انہوں نے اُسے کہا کہ فلاں عطر اُٹھا کر لے آنا وہ کہنے لگی۔ بی بی! مجھے کبھی سمجھ نہیں آئی کہ یہ خوشبو وشبو کیا ہوتی ہے۔ جب اُسے عطر سُونگھایا گیا تو معلوم ہؤا کہ اُس کے ناک میں خوشبو سُونگھنے کی حِسّ ہی نہیں۔ تو جس طرح چہرہ پہلے ٹھیک ہو، پھر پوڈر سے خوبصورت معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ناک ٹھیک ہو تب خوشبو کا لُطف آتا ہے اور اگر کسی کی ناک درست نہ ہو اور تم اُسے باغوں میں بھی لے جاؤ تو اُسے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ دنیا میں مینا بازار والے عطر دے سکتے ہیں مگر ناک نہیں دے سکتے۔ لیکن ہم کیا دیتے ہیں۔ فَرَوْحٌ ہم سب سے پہلے خوشبو سونگھنے اور اس کو محسوس کرنے کی طاقت ناک میں پیدا کرتے ہیں رَوْحٌ کے معنے ہیں وِجْدَانُ الرَّائِحَةِ اور بھی معنے ہیں، لیکن ایک معنے یہ بھی ہیں پس فرمایا۔ دنیا والے تو صرف عطر بیچتے ہیں، مگر ہم پہلے لوگوں کو ایسا ناک دیتے ہیں جو عطروں اور خوشبوؤں کو محسوس کرے (رَوْحٌ) میرے اپنے ناک کی حِسّ غیر معمولی طور پر تیز ہے، یہاں تک کہ میں دُودھ سے پہچان جاتا ہوں کہ گائے یا بھینس نے کیا چارہ کھایا ہے۔ اسی لئے اگر میرے قریب ذرا بھی کوئی بدبودار چیز ہو تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے اور جو لوگ میرے واقف کار ہیں وہ مسجد میں داخل ہوتے وقت کھڑکیاں وغیرہ کھول دیتے ہیں کیونکہ اگر بند ہوں تو میرا دم گُھٹنے لگتا ہے، مَیں ہمیشہ کثرت سے عطر لگایا کرتا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کثرت سے عطر لگایا کرتے تھے مگر حضرت خلیفہ اوّل کو اس طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں تھی۔ میں آپ سے بخاری پڑھا کرتا تھا، ایک دن میں آپ سے بخاری پڑھنے کے لئے جانے لگا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے فرمانے لگے کہاں چلے ہو؟ مَیں نے کہا مولوی صاحب سے بخاری پڑھنے چلا ہوں۔ فرمانے لگے، مولوی صاحب سے پوچھنا کیا بخاری میں کوئی ایسی حدیث بھی آتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن غسل فرماتے اور نئے کپڑے بدلا کرتے تھے اور خوشبو استعمال فرماتے تھے اصل بات یہ ہے کہ حضرت مولوی صاحب جمعہ کے دن بھی کام میں ہی مشغول رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اذان ہو جاتی اور کئی دفعہ آپ وضو کر کے مسجد کی طرف چل پڑتے۔ آپ تھے تو میرے اُستاد مگر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات کہی تھی اس لئے مَیں نے اُسی طرح آپ سے جا کر کہہ دیا۔ آپ ہنس پڑے اور فرمایا، ہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی احتیاط کیا کرتے تھے، ہم تو اور کاموں میں بُھول ہی

جاتے ہیں۔

مَیں نے تاریخ الخلفاء میں پڑھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا، اگر میں خلیفہ نہ ہوتا تو عطر کی تجارت کیا کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ناک کی حِس بھی تیز تھی اور اس امر میں بھی میری اُن کے ساتھ مشابہت ہے۔ تو ناک کی حِس کا موجود ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی بھاری رحمت ہوتی ہے مگر دُنیا یہ حِس کہاں دے سکتی ہے، وہ اپنے مینا بازاروں میں عطر فروخت کر سکتی ہے مگر ناک نہیں دے سکتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم پہلے ناک دیں گے اور پھر عِطر (رَیْحَانٌ) دیں گے، ناک نہ ملا تو عطر کا کیا فائدہ۔ مثل مشہور ہے کہ ناک نہ ہؤا تو نتھ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم جنتیوں کے ناک کی حِس تیز کر دیں گے تا کہ وہ خوشبو کو محسوس کر سکیں اور اس کے بعد ریحان دیں گے رَیْحَانٌ کے معنے ہیں کُلُّ نَبَاتٍ طَيِّبِ الرِّيْحِ [٤٣] یعنی ہر خوشبودار چیز اُن کو ملے گی۔ وَجَنَّتُ نَعِيْمٍ اور پھر ساتھ اُن کے نعمتوں والی جنت بھی ہوگی۔ یعنی یہ نہیں کہ خوشبو باہر سے آئے گی بلکہ جنت خوشبو سے بھری ہوئی ہوگی۔

جسمانی طاقت کی دوائیں

(۸) آٹھویں میں نے مینا بازار میں طاقت کی دوائیں دیکھیں۔ کسی دوائی کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ معدہ کی طاقت کے لئے ہے، کسی دوائی کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ دل کی طاقت کے لئے ہے، کسی دوائی کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ دماغ کی طاقت کے لئے ہے اور اس طرح تحریص دلائی جاتی تھی کہ ان دواؤں کو کھاؤ پیو اور مضبوط بن کر دنیا کی نعمتوں سے حظ اُٹھاؤ۔ پس میں نے کہا کہ آیا مجھے وہاں بھی طاقت کی دوائیں ملیں گی یا نہیں؟ اس خیال کے آنے پر مجھے معلوم ہؤا کہ ایک رنگ میں اس بات کا بھی انتظام ہوگا، چنانچہ فرماتا ہے وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ [٤٤]

فرمایا طاقت کی دوائیں بیشک ہوتی ہیں مگر ہم وہاں نہیں دیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طاقت کی دوائیں وہاں دی جاتی ہیں جہاں کمزوری اور بیماری ہو، مگر جہاں بیماری اور کمزوری ہی نہ ہو وہاں طاقت کی دواؤں کی کیا ضرورت ہے؟ دنیا میں چونکہ انسان کمزور اور بیمار ہو جاتا ہے اس لئے اسے طاقت کی دواؤں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر وہاں ہم اسے بیمار ہی نہیں کریں گے اور ہمیشہ تندرست رکھیں گے، چنانچہ فرمایا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ تمہیں ہمیشہ کے لئے تندرستی دے دی جائے گی۔ طِبْتُمْ اور تمہاری اندرونی بیماریاں بھی ہر قسم کی دور کر دی

جائیگی، گویا ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے تندرستی دیدی جائے گی اور یہی دو ذریعے ہیں جن سے بیماری آتی ہے۔ یا تو بیماری جرمز (GERMS) کی تھیوری کے ماتحت آتی ہے کہ باہر سے مختلف امراض کے جراثیم آتے اور انسان کو مبتلائے مرض کر دیتے ہیں اور یا پھر افعال الاعضاء میں نقص واقع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔غرض بیماریاں دو ہی طرح پیدا ہوتی ہیں یا تو باہر سے طاعون یا ہیضہ یا ٹائیفائڈ کا کیڑا انسانی جسم میں داخل ہوتا اور اسے بیمار کر دیتا ہے یا افعال الاعضاء میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔مثلاً معدہ میں تیزابیت زیادہ ہو جائے یا ایسی ہی کوئی خرابی پیدا ہو جائے ،مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وہاں ہمارے فرشتے ان دونوں باتوں کا علاج کر دیں گے چنانچہ وہ جنتیوں سے کہیں گے کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ آج سے طاعون کا کوئی کیڑا تم پر حملہ نہیں کر سکے گا، ہیضہ کا کوئی کیڑا تم پر حملہ نہیں کر سکے گا، ٹائیفائیڈ کا کوئی کیڑا تم پر حملہ نہیں کر سکے گا، اسی طرح اور کسی مرض کا کوئی جَرم(GERM) تمہارے جسم میں داخل نہیں ہو گا، پھر ممکن تھا کہ باہر سے تو حفاظت ہو جاتی مگر افعال الاعضاء میں نقص واقع ہو جاتا اس لئے فرمایا طِبْتُمْ تمہارے اعضاء کو اندر سے بھی درست کر دیا گیا ہے۔ پھر خیال ہو سکتا تھا کہ شاید کچھ عرصہ کے بعد یہ حفاظت اُٹھالی جائے۔ اس لئے فرمایا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا یہ حالت عارضی نہیں بلکہ ہمیشہ رہے گی اور کبھی زائل نہیں ہو گی۔

نفیس برتن

(۹) نویں میں نے مینا بازاروں میں برتن دیکھے جو نہایت نفیس اور اعلیٰ قسم کے تھے،مَیں نے سوچا کہ کیا اس بازار میں بھی اس قسم کے برتن ملتے ہیں؟ اس پر میری نظر فوراً اس آیت پر پڑی کہ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠[۵۷]

کہ یہ جو ہمارے غلام بنیں گے اور مینا بازار میں ہم سے سودا کریں گے وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ اُن کے پاس چاندی کے برتنوں میں خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ خادم چیزیں لائیں گے وَاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ اور کُوب لائیں گے جو قواریر کی طرز پر ہونگے۔ قَوَارِيْرَا۠ کے معنے شیشہ کے برتن کے ہیں جس میں شراب ڈالی جائے۔ پس وہ برتن شیشے کی طرح ہوں گے مگر بنے ہوئے چاندی سے ہوں گے یعنی اُن کی رنگت میں وہ سفیدی بھی ہوگی جو چاندی میں ہوتی ہے اور ان میں وہ نزاکت بھی ہوگی جو شیشہ کے برتنوں میں ہوتی ہے گویا ان برتنوں میں ایک طرف تو اتنی صفائی ہوگی کہ جس طرح شیشہ کے برتن میں پڑی ہوئی چیز

باہر سے نظر آ جاتی ہے اسی طرح اُن کے اندر کی چیز باہر سے نظر آ جائے گی اور دوسری طرف ان میں اتنی سفیدی ہوگی کہ وہ چاندی کی طرح چمکتی ہوگی۔ درحقیقت مؤمن کا جنت میں ایک دوسرے سے اسی قسم کا معاملہ ہوگا۔ وہ ایک دوسرے کے قلب کو اسی طرح پڑھ لیں گے جس طرح شیشہ کے برتن میں سے شربت نظر آ جاتا ہے۔ یہاں انسان اپنی عزیز ترین بیوی کے متعلق بھی نہیں جانتا کہ اس کے دل میں کیا ہے مگر وہاں یہ حالت نہیں ہوگی اور ایسی چیزیں جو بظاہر شفاف نہیں ہوتیں جیسے چاندی، وہ بھی وہاں شفاف ہوں گی۔

فِضَّۃٌ کے معنے عربی زبان میں بے عیب سفیدی کے ہوتے ہیں، پس ان برتنوں کے چاندی سے بنائے جانے کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ ایک طرف تو جنتی بے عیب ہوں گے اور دوسری طرف ان میں کوئی اخفاء نہیں ہوگا، ہر شخص جانتا ہوگا کہ میرا دوست جو بات کہتا ہے درست کہتا ہے شُبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

چارپائیاں اور گاؤ تکیے

(۱۰) پھر میں نے مینا بازار میں گھر کے اسباب فروخت ہوتے دیکھے تھے۔ پس میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں دیکھوں آیا وہاں بھی گھر کا اسباب ملے گا یا نہیں؟ جب میں نے نظر دَوڑائی تو وہاں لکھا تھا عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَۃٍ مُّتَّکِئِیۡنَ عَلَیۡھَا مُتَقٰبِلِیۡنَ [۷۶]

مَوۡضُوۡنَۃٍ کے معنے بُنی ہوئی چارپائی کے ہوتے ہیں۔ پس عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَۃٍ کے معنے یہ ہوئے کہ وہ ایسی چارپائیوں پر ہوں گے جو بُنی ہوئی ہونگی۔ عربوں میں دو طرح کا رواج تھا۔ اکثر تو تخت پر سوتے تھے مگر بعض چارپائی بھی استعمال کر لیا کرتے تھے جب ہم حج کے لئے گئے تو مکہ مکرمہ میں ہم نے اچھا سا مکان لے لیا مگر اس میں کوئی چارپائی نہیں تھی، بلکہ اس میں سونے کے لئے جیسے شہ نشین ہوتے ہیں اسی قسم کے تخت بنے ہوئے تھے، لوگ وہاں گدّے بچھا لیتے اور سو جاتے مگر ہمیں چونکہ ان پر سونے کی عادت نہیں تھی اس لئے میں نے اپنے لئے ایک ہوٹل سے چارپائی منگوائی تب جا کر سویا لیکن وہ لوگ کثرت سے تختوں پر سوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَۃٍ وہاں جنت میں بُنی ہوئی چارپائیاں ہوں گی (جو لچکدار ہوتی ہیں) مُتَّکِئِیۡنَ عَلَیۡھَا مُتَقٰبِلِیۡنَ۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ دنیا میں تو چارپائی سونے کے لئے ہوتی ہے مگر جنت میں سونے کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ کہیں قرآن میں یہ نہیں لکھا کہ جنتی کبھی سوئیں گے بھی۔ درحقیقت سونا غفلت کی علامت ہے اور چونکہ جنت

میں غفلت نہیں ہوگی اس لئے وہاں سونے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس سے بھی ان لوگوں کا ردّ ہوتا ہے جو جنت کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ عیاشی کا مقام کہتے ہیں۔ عیاشی کے لئے سونا ضروری ہوتا ہے غالب کہتا ہے۔

ایک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے

وہ دن کو بھی سونے والی حالت بنانا چاہتا ہے گویا یہ کہ رات کو بھی سونا نصیب نہ ہو۔ اسی طرح عیاشی میں لوگ افیون کھا کھا کر غفلت پیدا کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے جنت میں کہیں بھی سونے کا ذکر نہیں کیا، ہمیشہ کام کی طرف ہی اشارہ کیا ہے اس لئے یہاں بھی یہ نہیں فرمایا کہ وہ وہاں چارپائیوں پر سورہے ہوں گے بلکہ فرمایا عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ وہ اس پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور تکیہ لگانا راحت اور استراحت پر دلالت کرتا ہے غفلت پر نہیں، ہم کتابیں پڑھتے ہیں، اعلیٰ مضامین پر غور کرتے ہیں تو تکیہ لگائے ہوئے ہوتے ہیں، مگر اُس وقت ہمارے اندر غفلت یا نیند نہیں ہوتی۔ مگر چونکہ تکیہ عموماً لوگ سوتے وقت لگاتے ہیں اور اس سے شُبہ پڑ سکتا تھا کہ شاید وہ سونے کے لئے تکیہ لگائیں گے اس لئے ساتھ ہی فرمادیا مُتَقٰبِلِيْنَ وہ ایک دوسرے کی طرف مُنہ کر کے بیٹھے ہوئے ہوں گے اور سوتے وقت کوئی ایک دوسرے کی طرف منُہ کر کے نہیں بیٹھا کرتا۔ ایک دوسرے کی طرف منہ کرنے کے معنے یہی ہیں کہ انہیں آرام کرنے کے لئے چارپائیاں ملی ہوئی ہوں گی اور وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے مگر سونے کے لئے نہیں، غفلت کے لئے نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے خدا تعالیٰ کی معرفت کی باتیں کر رہے ہونگے اور اس کا ذکر کر کے اپنے ایمان اور عرفان کو بڑھاتے رہیں گے۔

شاہانہ اعزاز و اکرام

اسی طرح فرماتا ہے فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ [۷۷]

پہلی آیت میں سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ کا ذکر آتا تھا مگر یہاں فرمایا کہ سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ہونگے سَرِيْر کا لفظ جب عربی زبان میں بولا جائے اور اس کی وضاحت نہ کی جائے تو اس کے معنے تختِ بادشاہی کے ہوتے ہیں چارپائی کے معنے تب ہوتے ہیں جب ساتھ کوئی ایسا لفظ ہو جو چارپائی کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔ جیسے سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ کے الفاظ تھے، لیکن اگر خالی سُرُرٌ کا لفظ آئے تو اس کے معنے تختِ شاہی کے ہوں گے اور جب کوئی اور معنی مراد ہوں تو سُرُرٌ کے ساتھ تشریح

کے لئے ضرور کوئی لفظ ہوگا۔ یہاں چونکہ خالی سُرُرٌ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس لئے اس سے مراد تختِ شاہی ہی ہے اور پھر تختِ شاہی کی طرف مزید اشارہ کرنے کے لئے مَرْفُوْعَةٌ کہہ دیا، کیونکہ تختِ شاہی اونچا رکھا جاتا ہے، مطلب یہ کہ جنتی وہاں بادشاہوں کی طرح رہیں گے۔ دنیا میں تو وہ غلام بنا کر رکھے جاتے تھے مگر جب انہوں نے خدا کے لئے غلامی اختیار کر لی اور اُسے کہہ دیا کہ اے ہمارے رب! ہم تیرے غلام بن گئے ہیں تو خدا نے بھی کہہ دیا کہ اے میرے بندو! چونکہ تم میرے غلام بنے ہو اس لئے میں تمہیں بادشاہ بنا دوں گا۔

خدا تعالیٰ کی سچی غلامی اختیار کرنے والے دنیا میں بھی بادشاہ بنا دیئے گئے

دنیا میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی نے سچے دل سے خدا تعالیٰ کی غلامی اختیار کر لی تو خدا نے اُسے بادشاہ بنا دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی کو خیال بھی نہیں آتا تھا کہ وہ حکومت کر سکتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی خیال کے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور انصار اور مہاجرین میں خلافت کے بارہ میں کچھ اختلاف ہو گیا اور اس اختلاف کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ فوراً اس مجلس میں گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ اس مجلس میں بولنے کا میرا حق ہے ابوبکرؓ خلافت کے متعلق کیا دلائل دے سکتے ہیں؟ مگر وہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جاتے ہی تقریر شروع کر دی اور ایسی تقریر کی کہ میں نے جس قدر دلیلیں سوچی ہوئی تھیں وہ سب اس میں آ گئیں مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر ختم نہ ہوئی اور وہ اَور زیادہ دلائل دیتے چلے گئے، یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ میں ابوبکرؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ابوبکرؓ مکہ کے رؤساء کے مقابل پر کوئی خاص اعزاز نہیں رکھتے تھے اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ وہ ایک معزز خاندان میں سے تھے، مگر معزز خاندان میں سے ہونا اور بات ہے اور ایسی وجاہت رکھنا کہ سارا عرب اُن کی حکومت کو برداشت کر لے بالکل اور بات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور مکہ میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہو گئے ہیں تو ایک مجلس جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باپ ابوقحافہ بھی بیٹھے ہوئے تھے وہاں بھی کسی نے جا کر یہ خبر سُنا دی ابوقحافہ یہ خبر سن کر کہنے لگے، کونسا ابوبکرؓ؟ وہ کہنے لگا وہی ابوبکر جو تمہارا بیٹا ہے۔ کہنے لگے کہ کیا میرے بیٹے کو عرب نے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا ہے؟ اُس نے کہا ہاں، ابوقحافہ آخر عمر

میں اسلام لائے تھے اور ابھی ایمان میں زیادہ پختہ نہیں تھے مگر جب انہوں نے یہ بات سُنی تو بے اختیار کہہ اُٹھے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔محمد رسول اللہ ضرور سچے ہیں جن کی غلامی اختیار کر کے ابوبکرؓ بادشاہ بن گیا اور عرب جیسی قوم نے اس کی بادشاہت کو قبول کرلیا۔

تو دُنیوی لحاظ سے کوئی شخص یہ خیال بھی نہیں کرسکتا تھا کہ آپ بادشاہ بن جائیں گے مگر خدا نے آپ کو بادشاہ بنا کر دکھا دیا۔

شاہِ ایران کی ایک ذلیل پیشکش جسے مسلمانوں نے پائے استحقار سے ٹُھکرادیا

ایران میں جب مسلمان گئے تو کسریٰ کے جرنیلوں نے اُس سے کہا کہ مسلمان اپنی طاقت وقوت میں بڑھتے چلے جاتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ ایران پر بھی چھا جائیں، ان کے متعلق کوئی انتظام کرنا چاہئے۔کسریٰ نے کہا تم میرے پاس اُن کے ایک وفد کو لاؤ، میں اُن سے خود باتیں کروں گا۔ جب مسلمان اس کے دربار میں پہنچے تو کسریٰ اُن سے کہنے لگا کہ تم لوگ وحشی اور گوہیں کھا کھا کر زندگی بسر کرنے والے ہو۔تمہیں یہ کیا خیال آیا کہ تم ہمارے ملک پر فوج لے کر حملہ آور ہوگئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے جو کچھ کہا بالکل ٹھیک ہے، ہم ایسے ہی تھے بلکہ اس سے بھی بدتر زندگی بسر کر رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل کیا اور اُس نے اپنا نبی بھیج کر ہماری کایا پلٹ دی، اب ہر قسم کی عزت خدا تعالیٰ نے ہمیں بخش دی ہے۔ کسریٰ کو یہ جواب سن کر سخت طیش آیا مگر اُس نے کہا مَیں اب بھی تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو ہم سے کچھ روپے لے لو اور چلے جاؤ۔ چنانچہ اس نے تجویز کیا کہ فی افسر دو دو اشرفی اور فی سپاہی ایک ایک اشرفی دیدی جائے۔گویا وہ مسلمان جو فتح کرتے ہوئے عراق تک پہنچ چکے تھے اور جن کی فوجیں ایران میں داخل ہو چکی تھیں اُن کا اُس نے اپنی ذہنیت کے مطابق یہ نہایت ہی گندہ اندازہ لگایا کہ سپاہیوں کو پندرہ اور افسروں کو تیس تیس روپے دیکر خریدا جا سکتا ہے۔مگر مسلمان اس ذلیل پیشکش کو کب قبول کرسکتے تھے انہوں نے نفرت اور حقارت کے ساتھ اُسے ٹُھکرا دیا۔تب کسریٰ کو غصّہ آ گیا اور اس نے اپنے مصاحبوں کو اشارہ کیا کہ مٹی کا ایک بورا بھر کر لاؤ۔تھوڑی دیر میں مٹی کا بورا آ گیا، بادشاہ نے اپنے نوکروں سے کہا کہ مسلمانوں کا جو شخص نمائندہ ہے یہ بورا اُس کے سر پر رکھ دیا جائے۔نوکر نے ایسا ہی کیا۔ جب بورا اس صحابیؓ کے سر پر رکھا گیا تو بادشاہ نے کہا چونکہ تم نے ہماری بات نہیں مانی تھی اس لئے

جاؤ اس مٹی کے بورے کے سِوا اب تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔ اللہ تعالیٰ جن کو بڑا بناتا ہے اُن کی عقل بھی تیز کر دیتا ہے، وہ صحابیؓ فوراً تاڑ گئے کہ یہ ایک مشرک قوم ہے اور مشرک قوم بہت وہمی ہوتی ہے۔ انہوں نے اِس بورے کو اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر رکھا اور اسے ایڑ لگا کر یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکل آئے کہ کسریٰ نے اپنا ملک خود ہمارے حوالے کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایسا فضل کیا تھا کہ اُن میں سے ہر شخص بادشاہ بن گیا تھا۔

ایک مسلمان غلام کا کُفّار سے معاہدہ

یہ بھی اُن کی بادشاہی کی علامت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک دفعہ مسلمانوں کی عیسائیوں سے جنگ ہوگئی۔ رفتہ رفتہ عیسائی ایک قلعہ میں محصور ہو گئے اور مسلمانوں نے چاروں طرف سے اُسے گھیر لیا اور کئی دن تک اُس کا محاصرہ کئے رکھا۔ ایک دن کیا دیکھتے ہیں کہ قلعہ کا دروازہ کُھلا ہے اور سب عیسائی اطمینان سے اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں مسلمان آگے بڑھے تو انہوں نے کہا ہماری تو تم سے صلح ہو چکی ہے۔ مسلمانوں نے کہا ہمیں تو اس صلح کا کوئی علم نہیں۔ انہوں نے کہا علم ہو یا نہ ہو، فلاں آدمی جو تمہارا حبشی غلام ہے اُس کے دستخط اس صلح نامہ پر موجود ہیں۔ کمانڈر انچیف کو بڑا غصہ آیا کہ ایک غلام کو پھُسلا کر دستخط کروالئے گئے ہیں اور اس کا نام صلح نامہ رکھ لیا گیا ہے۔ غلام سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہوئی تھی؟ اس نے کہا، مَیں پانی لینے آیا تھا کہ یہ لوگ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر تم لوگ یہ یہ شرطیں مان لو تو اس میں کیا حرج ہے؟ میں نے کہا کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے کہا تو پھر لگاؤ انگوٹھا (یا جو بھی اُس زمانہ میں دستخط کا طریق تھا) اور اس طرح انہوں نے میری تصدیق کرالی آخر اسلامی کمانڈر انچیف نے کہا مَیں حضرت عمرؓ سے اس بارہ میں دریافت کروں گا اور وہاں سے جو جواب آئے گا اُس کے مطابق عمل کیا جائے گا چنانچہ حضرت عمرؓ کو یہ تمام واقعہ لکھا گیا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ گو معاہدے کے لحاظ سے یہ طریق بالکل غلط ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ لوگ یہ کہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا مسلمان بھی ہے جس کی بات ردّ کر دی جاتی ہے اسلئے اس دفعہ بات مان لو آئندہ کے لئے اعلان کر دو کہ صلح نامہ صرف جنرل یا اس کے مقرر کردہ نمائندہ کا مصدّقہ تسلیم ہوگا۔ اب گو وہ ایک غلام تھا مگر اس وقت اس کی حیثیت ویسی ہی تسلیم کی گئی جیسے ایک بادشاہ کی ہوتی ہے۔

سامانِ جنگ

گیارہویں بات مَیں نے یہ دیکھی تھی کہ مینا بازار میں سامانِ جنگ ملتا ہے تلواریں ہوتی ہیں، نیزے ہوتے ہیں، ڈھالیں ہوتی ہیں اسی طرح کا

اور سامانِ جنگ ہوتا ہے پس میں نے کہا میں دیکھوں ۔آیا یہ چیزیں بھی ہمارے مینا بازار میں ملتی ہیں یا نہیں؟

روحانی ڈھال

جب میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ اس مینا بازار میں ڈھالیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے **لَهُمْ دَارُ السَّلامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ** [۸۷]

جنت میں ایسا انتظام کر دیا جائے گا کہ کسی جنتی پر کوئی حملہ نہیں ہو سکے گا۔ جس طرح ڈھال تمام حملوں کو روک دیتی ہے اسی طرح جب کسی شخص کو جنت ملتی ہے تو اس پر کوئی شخص حملہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح فرماتا ہے **وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ**

کہ ملائکہ اُن کے پاس ہر دروازہ سے آئیں گے اور کہیں گے اے مؤمنو! تم نے اپنے رب کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔ اب تم کسی مصیبت میں نہیں ڈالے جاؤ گے، کیونکہ خدا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم پر کوئی خوف اور کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ دیکھو! یہ انجام والا گھر کتنا اچھا اور کیسا آرام دِہ ہے۔

خدائی حفاظت کا ایک شاندار نمونہ

دنیا میں بھی اس بات کی مثالیں ملتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاک بندے خدا تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں اور دشمن اُن کو لاکھ نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے وہ ناکام و نامراد رہتا ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی جنگ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لئے ایک درخت کے نیچے سو گئے۔ باقی لشکر بھی اِدھر اُدھر متفرق ہو گیا۔ اتنے میں ایک شخص جس کے بعض رشتہ دار مسلمانوں کے ہاتھوں لڑائی میں مارے گئے تھے بلکہ اس کا ایک بھائی بھی مر چکا تھا اور اُس نے قسم کھائی تھی کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اس کے بدلہ میں ضرور قتل کرونگا۔

وہ وہاں آ پہنچا۔ درخت سے آپؐ کی تلوار لٹک رہی تھی۔ اُس نے تلوار کو اُتار لیا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جگا کر کہا بولو! اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ سب صحابہؓ اُس وقت اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اُس وقت کوئی شخص نہیں تھا، مگر ایسی حالت میں بھی آپؐ کے دل میں کوئی گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ آپؐ کو یقین تھا کہ جس خدا نے میری حفاظت کا وعدہ کیا ہؤا ہے وہ آپ میری

حفاظت کا سامان فرمائے گا چنانچہ جب اُس نے کہا کہ بولو! بتاؤ! اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُٹھنے کی کوشش نہیں کی اور نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کسی حرکت سے کوئی اضطراب ظاہر ہوا۔ آپ نے لیٹے لیٹے نہایت اطمینان سے فرمایا اللہ میری حفاظت کریگا۔ یہ سُننا تھا کہ اس کے ہاتھ شل ہو گئے اور تلوار اُس کے ہاتھ سے گر گئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فوراً تلوار اُٹھالی اور فرمایا بتاؤ! اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ وہ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا آپؐ بڑے شریف آدمی ہیں آپ ہی مجھ پر رحم کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کم بخت! تم مجھ سے سُن کر ہی کہہ دیتے کہ اللہ حفاظت کریگا۔ تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا کون مقابلہ کرسکتا ہے۔

ایک رؤیا

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر جب پادری مارٹن کلارک نے مقدمہ کیا تو مَیں نے گھبرا کر دعا کی۔ رات کو رؤیا میں دیکھا کہ میں سکول سے آرہا ہوں اور اس گلی میں سے جو مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے مکانات کے نیچے ہے اپنے مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہاں مجھے بہت سی باوردی پولیس دکھائی دیتی ہے پہلے تو اُن میں سے کسی نے مجھے اندر داخل ہونے سے روکا، مگر پھر کسی نے کہا یہ گھر کا ہی آدمی ہے اسے اندر جانے دینا چاہیئے۔ جب ڈیوڑھی میں داخل ہو کر اندر جانے لگا تو وہاں ایک تہہ خانہ ہؤا کرتا تھا جو ہمارے دادا صاحب مرحوم نے بنایا تھا۔ ڈیوڑھی کے ساتھ سیڑھیاں تھیں جو اس تہہ خانہ میں اُترتی تھیں۔ بعد میں یہاں صرف ایندھن اور پیپے پڑے رہتے تھے۔ جب میں گھر میں داخل ہونے لگا تو میں نے دیکھا کہ پولیس والوں نے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا ہؤا ہے اور آپ کے آگے بھی اور پیچھے بھی اوپلوں کا انبار لگایا ہؤا ہے۔ صرف آپ کی گردن مجھے نظر آرہی ہے اور مَیں نے دیکھا کہ وہ سپاہی ان اوپلوں پر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب مَیں نے انہیں آگ لگاتے دیکھا تو مَیں نے آگے بڑھ کر آگ بجھانے کی کوشش کی۔ اتنے میں دو چار سپاہیوں نے مجھے پکڑ لیا۔ کسی نے کمر سے اور کسی نے قمیص سے اور مَیں سخت گھبرایا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ اوپلوں کو آگ لگا دیں اِسی دَوران میں اچانک میری نظر اوپر اُٹھی اور میں نے دیکھا کہ دروازے کے اوپر نہایت موٹے اور خوبصورت حروف میں یہ لکھا ہؤا ہے کہ:-

’’جو خدا کے پیارے بندے ہوتے ہیں اُن کو کون جلا سکتا ہے‘‘

تو اگلے جہان میں ہی نہیں یہاں بھی مؤمنوں کے لئے سلامتی ہوتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ایسے بیسیوں واقعات دیکھے کہ آپ کے پاس گو نہ تلوار تھی نہ کوئی اور سامانِ حفاظت مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کے سامان کر دیئے۔

امام جماعت احمدیہ کے قتل کی نیّت سے آنیوالا ایک ہندوستانی عیسائی

ابھی ایک کیس میں ایک ہندوستانی عیسائی کو پھانسی کی سزا ہوئی ہے۔ اس کا جُرم یہ تھا کہ اس نے غصہ میں آ کر اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔ جب مقدمہ ہؤا تو مجسٹریٹ کے سامنے اُس نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریریں سُن سُن کر میرے دل میں احمدیوں کے متعلق یہ خیال پیدا ہؤا کہ وہ ہر مذہب کے دشمن ہیں۔ عیسائیت کے وہ دشمن ہیں، ہندو مذہب کے وہ دشمن ہیں، سکّھوں کے وہ دشمن ہیں، مسلمانوں کے وہ دشمن ہیں اور مَیں نے نیت کر لی کہ جماعت احمدیہ کے امام کو قتل کر دونگا۔ میں اس غرض کے لئے قادیان گیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ وہ پھیرو چیچی گئے ہوئے ہیں، چنانچہ میں وہاں چلا گیا۔ پستول مَیں نے فلاں جگہ سے لے لیا تھا اور ارادہ تھا کہ وہاں پہنچ کر اُن پر حملہ کر دوں گا، چنانچہ پھیرو چیچی پہنچ کر میں اُن سے ملنے کے لئے گیا تو میری نظر ایک شخص پر پڑ گئی جو اُن کے ساتھ تھا اور وہ بندوق صاف کر رہا تھا (یہ دراصل یحییٰ خاں صاحب مرحوم تھے) اور مَیں نے سمجھا کہ اِس وقت حملہ کرنا ٹھیک نہیں، کسی اور وقت حملہ کرونگا۔ پھر میں دوسری جگہ چلا گیا اور وہاں سے خیال آیا کہ گھر ہو آؤں۔ جب گھر پہنچا تو بیوی کے متعلق بعض باتیں سن کر برداشت نہ کر سکا اور اُسے پستول سے ہلاک کر دیا۔ پس یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا جو ہو گیا ورنہ میرا ارادہ تو کسی اور کو قتل کرنے کا تھا۔

اب دیکھو کس طرح اس شخص کو ایک ایک قدم پر خدا تعالیٰ روکتا اور اس کی تدبیروں کو ناکام بناتا رہا۔ پہلے وہ قادیان آتا ہے مگر مَیں قادیان میں نہیں بلکہ پھیرو چیچی ہوں، وہ پھیرو چیچی پہنچتا ہے تو وہاں بھی مَیں اُسے نہیں ملتا اور اگر ملتا ہوں تو ایسی حالت میں کہ میرے ساتھ ایک اور شخص ہوتا ہے، جس کے ہاتھ میں اتفاقاً بندوق ہے اور اُس کے دل میں خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اِس وقت حملہ کرنا درست نہیں۔ پھر وہ وہاں سے چلا جاتا ہے اور اِدھر اُدھر پھر کر گھر پہنچتا ہے اور بیوی کو مار کر پھانسی پر لٹک جاتا ہے۔

فتنہء احرار کے ایام میں ایک نوجوان پٹھان کا ارادہ قتل سے قادیان آنا

اسی طرح احرار کے فتنہ کے ایام میں ایک دفعہ ایک پٹھان لڑکا قادیان آیا اور میرا نام لے کر کہنے لگا میں نے اُن سے ملنا ہے۔ میاں عبدالاحد خاں صاحب افغان اس سے باتیں کرنے لگے۔ باتیں کرتے کرتے یک دم اُس نے ایک خاص طرز پر اپنی ٹانگ ہلائی اور پٹھان اس طرز پر اُسی وقت اپنی ٹانگ ہلاتے ہیں جب انہوں نے نیچے چھُرا چھپایا ہوُا ہو۔ میاں عبدالاحد خاں بھی چونکہ پٹھان ہیں اور وہ پٹھانوں کی اس عادت کو اچھی طرح جانتے تھے، اِس لئے جونہی اُس نے خاص طرز پر ٹانگ ہلائی انہوں نے یکدم ہاتھ ڈالا اور چُھری پکڑ لی۔ بعد میں اس نے اقرار بھی کرلیا کہ میرا ارادہ یہی تھا کہ ملاقات کے بہانے اُن پر حملہ کر دونگا۔ اب ایک پٹھان کا قادیان آنا اور اس کی باتوں کے وقت ایک احمدی پٹھان کا ہی موجود ہونا اور اس کا پکڑا جانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ تھا ورنہ اگر کوئی غیر پٹھان ہوتا تو وہ سمجھ بھی نہ سکتا تھا کہ اُس نے ٹانگ کو اس طرح کیوں حرکت دی ہے۔

زہر آلود بالائی کِھلانے کی کوشش

اسی طرح مَیں ایک دفعہ جلسہ سالانہ میں سٹیج پر تقریر کر رہا تھا کہ کسی نے ایک پرچ میں بالائی رکھ کر دی کہ یہ حضرت صاحب کو پہنچا دی جائے اور دوستوں نے دست بدست اُسے آگے پہنچانا شروع کر دیا۔ رستہ میں کسی دوست کو خیال آیا کہ یہ کوئی زہریلی چیز نہ ہو، چنانچہ اُس نے چکھنے کے لئے ذرا سی بالائی زبان کو لگائی تو اُس کی زبان کٹ گئی، مگر چونکہ وہ دست بدست پیچھے سے چلی آ رہی تھی اس لئے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کون شخص تھا جس نے زہر کھلانے کی کوشش کی۔ تو اس قسم کے کئی واقعات ہوتے رہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا پتہ چلتا ہے، مگر پھر بھی جب تک وہ چاہتا ہے حفاظت کا سامان رہتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے ان سامانوں کو ہٹا لیتا ہے بہرحال اس جہان کی سلامتی محدود ہے، لیکن اگلے جہان کی سلامتی غیر محدود اور ہمیشہ کے لئے ہے۔

مذہبی جنگوں میں مسلمانوں کی کامیابی کا وعدہ

پھر مَیں نے سوچا کہ اس دنیا میں تو جنگیں بھی ہوتی ہیں اور جنگوں میں حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ تلوار اور دوسرے ہتھیار سمجھے جاتے ہیں جو مینا بازار سے میسّر آ سکتے ہیں کیا اس مینا بازار سے بھی ہمیں کوئی ایسی ہی چیز مل سکتی ہے یا نہیں سو اس کے متعلق میں نے دیکھا تو قرآن میں لکھا تھا اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ

لَايُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙالَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْارَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَادَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِ یٌّ عَزِيْزٌ [۷۹]

فرماتا ہے ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی طرف سے دفاع کرنے والا ہے یعنی ہم تلوار تمہارے ہاتھ میں نہیں دیں گے بلکہ اپنے ہاتھ میں رکھیں گے ۔ اگر تمہارے ہاتھ میں تلوار دینگے تو وہ ایسی ہی ہوگی جیسے بچہ سے اس کی ماں کہتی ہے کہ فلاں چیز اُٹھا لا اور پھر خود ہی اُس چیز کو اُٹھا کر اُس کا صرف ہاتھ لگوا دیتی ہے اور بچہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے چیز اُٹھائی ہے ۔ پھر فرماتا ہے ، ہم تمہاری کیوں نہ مدد کریں گے جب کہ تم پر حملہ کرنے والے خائن اور کافر ہیں اور تم وہ ہو جو صداقتوں کا اقرار کرتے ہو ۔ یاد رکھو! اِس دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے لوگ جنگ کرتے ہیں اجازت دی گئی ہے کہ وہ بھی حملہ آوروں کا مقابلہ کریں کیونکہ اُن پر حد سے زیادہ ظلم کیا گیا ہے اور اُن پر ناواجب سختی کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ اُن کی مدد پر یقیناً قادر ہے ۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے بغیر حق کے جن کا صرف اتنا گناہ تھا کہ انہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ دُور نہ کرے تو دنیا میں عبادت خانے ، راہبوں کے رہنے کی جگہیں ، عیسائیوں کے گرجے ، یہودیوں کی جگہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا تعالیٰ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب مٹا دی جائیں ۔

فرماتا ہے ہم نے مذہب کی آزادی کے لئے لڑائی کی اجازت دی ہے مگر چونکہ سچے مخلص تھوڑے ہوتے ہیں اس لئے اس بات سے نہ گھبرانا کہ تم تھوڑے ہو، اللہ تعالیٰ خود اپنے مخلص بندوں کی تائید کے لئے تلوار لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ انہیں ہر میدان میں مظفر و منصور کرتا ہے اور خدا بڑا ہی قوی اور عزیز ہے ۔ جس طرف خدا ہو جائے گا اس کی قوت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا اور جس کی طرف خدا ہو جائے گا اُس پر کوئی دشمن غلبہ نہیں پا سکے گا ۔

دشمنوں پر غالب کرنے والا ایک تیز تر اور کامیاب ہتھیار

یہ تو دفاعی جنگ ہے ۔ مَیں نے سوچا کہ اس سامانِ جنگ سے تو میں دشمن کے فتنہ سے بچ سکتا ہوں ۔ پس یہ ہتھیار ایک ڈھال کی طرح ہؤا اِس میں مجھے دوسرے پر حملہ کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے پھر میں دنیا پر غالب کس

طرح آ ؤں گا؟ کیا اس مینا بازار میں کوئی ایسا ہتھیار بھی ہے جو ڈھال کی طرح نہ ہو بلکہ تلوار کی طرح ہو اور جس کی مدد سے مجھے غلبہ عطا ہو؟ تو میں نے دیکھا کہ ایسا ہتھیار بھی موجود ہے چنانچہ فرماتا ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا- وَلَوْشِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا- فَلا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا- وَهُوَالَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَامِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۸۰ ؎

ان آیات میں پہلے پانی کا ذکر ہے جو کلامِ الٰہی سے تشبیہہ دینے کے لئے کیا گیا ہے اور فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اُتارتا ہے اور مراد یہ ہے کہ قرآن بھی اسی طرز کا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس طرح ہم پانی کو لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں تا کہ وہ ہمارے نشانوں کی قدر کریں، اسی طرح ہم نے قرآن کو اُن کے سامنے پیش کر دیا ہے، مگر اکثر لوگ کُفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ وہ پانی کی نعمت تو قبول کر لیتے ہیں، مگر کلامِ الٰہی کی نعمت جو اس سے بہت زیادہ بہتر ہے اُسے ردّ کر دیتے ہیں، گویا وہ اشرفیاں تو نہیں لیتے مگر کوڑیوں پر جان دیتے ہیں، اور یہ بالکل بچوں والی حالت ہے۔ میں ایک دفعہ بمبئی گیا وہاں ایک تازہ کیس عدالت میں چل رہا تھا۔ جو اس طرح ہؤا کہ کسی جوہری کے ساٹھ ہیرے جو کئی ہزار روپیہ کی مالیت کے تھے کہیں گِر گئے، اس نے پولیس میں رپورٹ کر دی، پولیس نے تحقیق کرتے ہوئے ایک آدمی کو پکڑ لیا جس سے کچھ ہیرے بھی برآمد ہوگئے۔ جب اُس سے پوچھا گیا کہ اس نے یہ ہیرے کہاں سے لئے تھے؟ تو اس نے بتایا کہ میں بازار میں سے گزر رہا تھا کہ چند لڑکے ان ہیروں سے گولیاں کھیل رہے تھے، میں نے انہیں دو چار روپے دے کر ہیرے لے لئے۔ بعد میں معلوم ہؤا کہ اس جوہری نے کسی موقع پر اپنی جیب سے رومال نکالا تو یہ ہیرے جو ایک پُڑیہ میں تھے اس کے ساتھ ہی نکل کر زمین پر گر گئے اور بچوں نے یہ سمجھا کہ وہ کھیلنے کی گولیاں ہیں، حالانکہ وہ پچاس ہزار روپے کا مال تھا۔ یہی حال لوگوں کا ہے کہ اُس پانی کی قدر کریں گے جو سڑ جاتا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ناکارہ ہو جاتا ہے مگر جو پانی ان کے اور اُن کی آئندہ نسلوں کے کام آنے والا ہے اور جو نہ صرف اس زندگی میں بلکہ اگلے جہان میں بھی کام آتا اور انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے اُس کو ردّ کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کو نہیں لیتے۔ تو فرماتا ہے اکثر لوگ کُفر ہی کرتے ہیں حالانکہ اگر ہم چاہتے تو ساری دنیا میں ہی نذیر بھیجتے۔ یعنی اگر ہم لوگوں پر

جلدی حُجّت تمام کرنا چاہتے تو بجائے اس کے کہ ایک رسول بھیجتے اور اس کی تعلیم آہستہ آہستہ پھیلتی، ہر بستی میں ایک ایک نذیر بھیج دیتے، مگر ہم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس لئے کہ اگر سب لوگ ایک دم کُفر کرتے تو دنیا کی تمام بستیوں پر یکدم عذاب آ جاتا اور سب لوگ ہلاک ہو جاتے مگر اب ایسا نہیں ہوتا بلکہ اب پہلے عرب پر اتمام حُجّت ہوتی ہے اور اس پر عذاب آتا ہے۔ پھر کچھ اور عرصہ گزرتا ہے تو ایران پر اتمامِ حُجّت کے بعد عذاب آ جاتا ہے۔ اگر ہر بستی اور ہر گاؤں میں اللہ تعالیٰ کے نبی مبعوث ہوتے، تو ہر بستی اور ہر گاؤں پر وہ عذاب نازل ہوتا جواب براہ راست ایک حصۂ زمین کے مخالفوں پر نازل ہوتا ہے۔ پس تُو اُن کافروں کی باتیں مت مان، بلکہ قرآن کریم کے ذریعہ سے سب دنیا کے ساتھ وہ جہاد کر جو سب سے بڑا جہاد ہے یعنی تبلیغ کا جہاد۔ جس کے پاس جانے سے بھی آجکل کے مسلمان کا دم گھٹتا ہے (وہ اس سے تو اس بہانہ سے بھاگتا ہے کہ اصل جہاد تلوار کا ہے اور تلوار کے جہاد سے اس لئے بھاگتا ہے کہ دشمن طاقتور ہے۔ مولوی فتویٰ دیتا ہے کہ اے عام مسلمانو! بڑھو اور لڑو۔ اور عام مسلمان کہتے ہیں کہ علماء! آگے چلو کہ تم ہمارے لیڈر ہو اور پھر دونوں اپنے گھروں کی طرف بھاگتے ہیں) پس دنیا کے مینا بازار میں تو لوہے کی تلواریں ملا کرتی تھیں جنہیں کچھ عرصہ کے بعد زنگ لگ جاتا تھا اور جو ہمیشہ کیلئے لڑائی میں کام نہیں آ سکتی تھیں، بلکہ بسا اوقات لڑتے لڑتے ٹوٹ جاتی تھیں، مگر خدا نے ہمیں وہ تلوار دی ہے جسے کبھی زنگ نہیں لگتا اور جو کسی لڑائی میں بھی نہیں ٹوٹ سکتی، تیرہ سَو سال گزر گئے اور دنیا کی سخت سے سخت قوموں نے چاہا کہ وہ اس تلوار کو توڑ دیں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور اسے ہمیشہ کے لئے ناکارہ بنا دیں مگر دُنیا جانتی ہے کہ جو قوم اس کو توڑنے کے لئے آگے بڑھی وہ خود ٹوٹ گئی مگر یہ تلوار اُن سے نہ ٹوٹ سکی۔

جہاد بِالقرآن سب سے بڑا جہاد ہے

یہ وہ قرآن ہے جو خدا نے ہم کو دیا ہے اور یہ وہ تلوار ہے جس سے ہم ساری دنیا کو فتح کر سکتے ہیں فرماتا ہے جَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا تلوار کا جہاد اور دوسرے اور جہاد سب چھوٹے ہیں قرآن کا جہاد ہی ہے جو سب سے بڑا اور عظیم الشان جہاد ہے۔ یہ وہ تلوار ہے کہ جو شخص اس پر پڑے گا اُس کا سر کاٹا جائے گا اور جس پر یہ پڑے گی وہ بھی مارا جائے گا یا مسلمانوں کی غلامی اختیار کرنے پر مجبور ہوگا۔ اگر تیرہ سَو سال میں بھی ساری دنیا میں اسلام نہیں پھیلا تو اِس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ تلوار کُند تھی بلکہ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے اس تلوار

سے کام لینا چھوڑ دیا۔ آج خدا نے پھر احمدیت کو یہ تلوار دیکر کھڑا کیا ہے اور پھر اپنے دین کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرنے کا ارادہ کیا ہے مگر نادان اور احمق مسلمان احمدیت پر حملہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ احمدی جہاد کے قائل نہیں۔ اُن کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص غلیلے لے کر قلعہ پر حملہ کر رہا ہو، تو یہ دیکھ کر کہ غلیلوں سے قلعہ کب فتح ہوسکتا ہے کچھ اور لوگ توپ خانہ لے کر آ جائیں، مگر غلیلے چلانے والا بجائے اُن کا شکر گزار ہونے کے اُن پر اعتراض کرنا شروع کر دے کہ یہ لوگ غلیلے کیوں نہیں چلاتے؟ وہ نادان بھی اپنی نادانی اور حماقت کی وجہ سے قرآن کی طاقت کے قائل نہیں، ہوش سنبھالنے سے لیکر بڈّھے ہونے تک وہ نحو اور صَرف پڑھتے رہتے ہیں اور یہی دو علم پڑھ پڑھ کر ان کے دماغ خالی ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے ساری عمر کبھی قرآن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا ہوتا اور نہ اس کے مطالب اور معانی پر غور کیا ہوتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل پھر یہ تلوار ہمارے ہاتھوں میں دی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ دنیا میں کوئی سچا مسئلہ اور کوئی حقیقی خوبی ایسی نہیں، نہ زمین میں نہ آسمان میں جو اِس کتاب میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح کوئی ایسی بات نہیں جس سے دنیا کے دماغ تسلی پا سکتے ہوں مگر وہ بات قرآن کریم میں نہ پائی جاتی ہو۔ پھر فرماتا ہے وَھُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ ھٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وہ خدا ہی ہے جس نے دو سمندر دُنیا میں ملا دیئے ہیں موج کے معنے ہوتے ہیں ملا دینے کے پس وَھُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ کے معنے یہ ہوئے کہ وہ خدا ہی ہے جس نے دو سمندر دنیا میں ملا دیئے ہیں ھٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ ایک سمندر اپنی خاصیت کے لحاظ سے میٹھا ہے اور اس کا پانی انسان کے لئے تسکین بخش ہے۔ وَھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ مگر دوسرا زخم ڈال دینے والا نمکین ہے۔ اور آگ کی طرح گرم وَجَعَلَ بَیْنَھُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا مگر باجود اس کے کہ دونوں سمندر ملا دیئے گئے ہیں اِس کے درمیان اور اُس کے درمیان ایک فاصلہ پایا جاتا ہے۔

دنیا میں قاعدہ ہے کہ جب میٹھی اور نمکین چیز ملائی جائے تو ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جو ان دونوں سے مختلف ہوتی ہے۔ جیسے بعض لوگ میٹھی چائے میں نمک ملا لیا کرتے ہیں، مَیں ایسی چائے کو ''منافق چائے'' کہا کرتا ہوں اور مجھے اس سے بڑی نفرت ہے۔ تھوڑے ہی دن ہوئے ایک شادی ہوئی جس میں لڑکی والوں نے دعا کے لئے مجھے بھی بُلایا، ایسے موقع پر جو چیز بھی سامنے آئے میزبان کی خواہش کے مطابق استعمال کرنی پڑتی ہے، اتفاق ایسا ہؤا کہ

انہوں نے جو چائے تیار کرائی اُس میں نمک بھی ملا دیا۔ میرے ساتھ ایک دوست بیٹھے ہوئے تھے وہ آہستہ سے میرے کان میں کہنے لگے ایسی چائے کو کیا کہتے ہیں، مَیں نے کہا کہتے تو منافق ہی ہیں مگر اِس وقت پیٔے ہی جائیں۔ وہ دوست کچھ دلیر سے واقعہ ہوئے ہیں، مَیں ڈرا کہ کہیں وہ میز بان کے سامنے ہی نہ کہہ بیٹھیں اور اُن کی دل شکنی نہ ہو، مگر خیر گزری کہ انہوں نے میز بان کے سامنے کچھ نہ کہا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ پانی منافق نہیں ہوں گے باوجود اس کے کہ وہ دونوں ملے ہوئے ہوں گے اور بظاہر جب دو چیزیں مل جائیں تو دونوں کا ذائقہ بدل کر کچھ اور ہو جاتا ہے، مگر ہماری طرف سے یہ اعلان ہو رہا ہوگا کہ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔ اے ملنے والو! تمہارے ملنے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ تم ایک دوسرے میں جذب ہو جاؤ بلکہ باوجود ملنے کے الگ الگ رہو۔ دیکھ لو یہ وہی پیشگوئی ہے جس کا سورہ رحمٰن میں بھی ان الفاظ میں ذکر ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ[۸۱] کہ خدا نے دو سمندر اس زمانہ میں بنائے ہونگے، ایک میٹھے پانی کا ہوگا اور ایک کڑوے پانی کا، وہ دونوں آپس میں مل جائینگے مگر باوجود اس کے کہ وہ ملے ہوئے ہونگے ان میں ایسی برزخ حائل ہوگی کہ میٹھا پانی کڑوے میں جذب نہیں ہوگا اور کڑوا پانی میٹھے میں جذب نہیں ہوگا۔

مغربیّت کی کبھی نقل نہ کرو

یہ پیشگوئی درحقیقت مغربیت اور دجّالیت کے متعلق ہے، چنانچہ دیکھ لو قرآن کریم نے اپنے الفاظ میں ہی اس طرف اشارہ کر دیا ہے فرماتا ہے هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ اور اُجَاج سے یاجوج اور ماجوج دونوں قوموں کی طرف اشارہ ہے اس کے مقابلہ میں عَذْبٌ فُرَاتٌ رکھا ہے اور حِجْرًا مَّحْجُوْرًا میں بتا دیا کہ تمہیں ان قوموں سے مل کر رہنا پڑے گا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت تمہیں عیسائی حکومت کے ماتحت رکھا جائے گا۔ ایسی حالت میں تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ تم میٹھے پانی کا سمندر ہو اور وہ کڑوے پانی کا سمندر ہیں، تم مغربیت کی نقل کبھی نہ کرو اور باوجود ان میں ملے ہونے کے ایسے امور کے متعلق صاف طور پر کہہ دیا کرو کہ تم اَور ہو اور ہم اَور ہیں گویا ایک برزخ تمہارے اور اُن کے درمیان ضرور قائم رہنی چاہئے یہی وہ برزخ ہے جس کو قائم کرنے کے لئے مَیں تحریک جدید کے ذریعہ جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ مغربی اثرات کو قبول نہ کریں جو احمدی میٹھے پانی کا ہے وہ ضرور ان سے الگ رہے گا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ کڑوا اور میٹھا

پانی ایک دوسرے میں جذب ہو جائے۔اسی طرح جو غیر احمدی ہیں وہ خواہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ مانتے ہوں، انہیں مغربیّت کی نقل نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ یہ مسیح موعود کی تعلیم نہیں یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اُن کے بھیجنے والے خدا کی تعلیم ہے۔مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو کھانے پینے، پہننے اور تمدن ومعاشرت کے دوسرے کئی امور میں مغربیت کی نقل کرتا اور اس نقل میں خوشی اور فخر محسوس کرتا ہے، ایسے لوگ درحقیقت مِلۡحٌ اُجَاجٌ ہیں، عَذۡبٌ فُرَاتٌ سے تعلق نہیں رکھتے۔

جماعت احمدیہ کے قیام میں ایک بہت بڑی حکمت

ایک دفعہ بعض غیر احمدیوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ شادی بیاہ اور دوسرے معاملات میں آپ اپنی جماعت کے لوگوں کو کیوں اجازت نہیں دیتے کہ وہ ہمارے ساتھ تعلقات قائم کریں۔آپ نے فرمایا اگر ایک مٹکا دودھ کا بھرا ہؤا ہو اور اس میں کھٹی لسّی کے تین چار قطرے بھی ڈال دیئے جائیں تو سارا دُودھ خراب ہو جاتا ہے۔تو لوگ اس حکمت کو نہیں سمجھتے کہ قوم کی قوتِ عملیہ کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اسے دوسروں سے الگ رکھا جائے اور اُن کے بداثرات سے اُسے بچایا جائے۔آخر ہم نے دشمنانِ اسلام سے روحانی جنگ لڑنی ہے۔اگر اُن سے مغلوب اور ان کی نقل کرنے والے غیر احمدیوں سے ہم مل جُل گئے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم بھی یورپ کے نقّال ہو جائیں گے اور ہم بھی جہادِقرآنی سے غافل ہو جائیں گے۔پس خود اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کے لئے حکومتی اور سیاسی اور معاشرتی اتحاد کے آگے ہم کو دوسری جماعتوں سے نہیں ملنا چاہیئے تاکہ ہم غافل ہوکر اپنا فرض جو تبلیغِ اسلام کا ہے بُھول نہ جائیں جس طرح دوسرے مسلمان بھول گئے ہیں۔خدا تعالیٰ اُن کو بھی ہدایت دے اور انہیں بھی یہ فرض ادا کرنے کی توفیق بخشے۔اسلام میں پہلے ہی سپاہیوں کی کمی ہے اگر تھوڑے بہت سپاہی جو اُسے میسّر آئیں وہ بھی سُست ہو جائیں تو انہوں نے اسلام کی طرف سے مقابلہ کیا کرنا ہے۔پس حق یہی ہے کہ یہ میٹھا پانی کڑوے پانی سے الگ رہے گا اور ایک برزخ ان دونوں کو جُدا جُدا رکھے گا، کاش! دوسرے مسلمانوں میں بھی یہ حِس پیدا ہو۔

طبعی اور علمی تقاضوں کے پورا کرنے کا سامان

جب مَیں نے یہ سب کچھ دیکھا تو خیال کیا کہ شاید مینا بازار میں

کوئی ایسی چیزیں بھی ہوتی ہوں گی جن کا مجھے اِس وقت علم نہیں، لیکن میرے نفس میں اُن کی طلب اور خواہش بعد میں کسی وقت پیدا ہو جائے۔ پس میں نے کہا مجھے یہ چیزیں تو مل گئیں، لیکن ممکن ہے آئندہ کسی چیز کے متعلق میرے دل میں کوئی خواہش پیدا ہو اور وہ ملے یا نہ ملے۔ جب میرے دل میں یہ خیال آیا، تو معاً مجھے معلوم ہوا کہ جو غیر معلوم چیزیں ہوتی ہیں وہ عموماً دو قسم کی ہوتی ہیں۔

(۱) ایک وہ جو طبعی تقاضوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۲) دوسری وہ جو علمی تقاضوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

پہلی قسم کی چیزوں کی مثال میں بُھوک کو پیش کیا جا سکتا ہے جو ایک طبعی تقاضا ہے۔ انسانی دماغ سوچے یا نہ سوچے وہ خود بخود بُھوک اور پیاس محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح نفسانی خواہشات غور اور فکر سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ اگر غور اور فکر سے پیدا ہوں تو وہ جھوٹی خواہشات سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر اچھے کھانے کو دیکھ کر کھانا کھانے کا خیال پیدا ہو تو یہ جھوٹی خواہش ہوگی، جائز اور صحیح خواہش وہی ہوتی ہے جو بغیر غور و فکر طبعی طور پر انسان کے اندر پیدا ہو۔ اسی طرح بعض چیزیں انکار سے تعلق رکھتی ہیں۔ انسان بعض دفعہ چاہتا ہے کہ اُسے کوئی علمی بات معلوم ہو یا اس کے کسی اعتراض کا ازالہ ہو۔ یہ ایک علمی تقاضا ہے جو پورا ہونا چاہئے۔ گویا تقاضے دو قسم کے ہیں، ایک طبعی اور ایک عقلی۔ طبعی تقاضا تو یہی ہے کہ مثلاً بھوک کی خواہش پیدا ہو، اب روٹی کی خواہش انسان کے اندر سے پیدا ہوتی ہے باہر سے نہیں آتی، لیکن نیویارک دیکھنے کی خواہش طبعی طور پر بھوک پیاس کی طرح اس کے اندر سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ جب وہ کسی کتاب میں نیویارک کے حالات پڑھتا یا کسی شخص سے وہاں کے حالات سنتا ہے تو اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں بھی نیویارک دیکھوں۔ تو نیویارک دیکھنے کی خواہش اور قسم کی ہے اور روٹی کھانے کی خواہش اور قسم کی۔ نیویارک یا ایسا ہی دنیا کا کوئی اور شہر دیکھنے کی خواہش کبھی اندر سے پیدا نہیں ہوتی لیکن روٹی کھانے کی خواہش اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ تو ان دونوں تقاضوں میں فرق ہے۔ مَیں نے سوچا کہ اگر میرے طبعی تقاضے پورے نہ ہوئے تب بھی میں کمزور ہو کر مر جاؤں گا اور اگر میری علمی زیادتی نہ ہوئی اور مجھے اپنی ذہنی اور عقلی پیاس کو بجھانے کا موقع نہ ملا تو اس صورت میں بھی میرا دماغ کمزور ہو جائے گا۔ پس طبعی تقاضوں کا پورا ہونا بھی ضروری ہے تا کہ میرا جسم مکمل ہو اور عقلی تقاضوں کا پورا ہونا بھی ضروری ہے تا کہ میرا دماغ مکمل ہو۔

قرآنی بشارت

مَیں اسی اُدھیڑ بُن میں تھا کہ معاً میرے کان میں آواز آئی وَفِیۡھَا مَاتَشۡتَھِیۡہِ الۡاَ نۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ وَاَنۡتُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ [۸۲] کہ جو جو چیزیں ہم پہلے بتا چکے ہیں وہ بھی جنت میں ملیں گی اور اُن کے علاوہ جو طبعی تقاضے ہیں جیسے اشتہاء کہ وہ اندر سے پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں کی یہ حس کہ اس کے سامنے ایسی چیزیں آئیں جنہیں دیکھ کر وہ لذت اُٹھائے ہم ان تمام تقاضوں کو پورا کریں گے۔ گویا قرآن کریم نے ان خواہشات کو تسلیم کیا ہے جو اندرونی ضرورتوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور فرماتا ہے کہ ان خواہشات کو ہم ضرور پورا کریں گے۔ یہ خواہشات ہر شخص کے اندر پائی جاتی ہیں اور اگر ہم تجزیہ کریں تو بعض دفعہ ایک ایک چیز کی خواہش ہی نہیں ہوتی بلکہ اس چیز کے ایک ایک حصہ کی خواہش انسانی قلب میں پائی جاتی ہے۔

حاملہ عورتوں میں مٹی کھانے کی خواہش

عورتوں کے پیٹ میں جب بچہ ہوتا ہے تو اُن کی حِس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ بچے کو جس غذاء کی ضرورت ہوتی ہے، ماں کے دل میں اُسی غذا کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ غذاء کے بعض اجزاء مٹی میں سے نکلتے ہیں جس کی وجہ سے ایامِ حمل میں عورتوں کو مٹی کھانے کی عادت ہو جاتی ہے۔ درحقیقت انسان کو خدا تعالیٰ نے مٹی سے ہی ترقی دیکر بنایا ہے، اس لئے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو ماں کے دل میں مٹی کھانے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ ایسی مٹی ہو جس میں کچھ پانی ملا ہؤا ہو، یا چکنی مٹی ہو اور سَو میں سے پچاس ایسی عورتیں ہوتی ہیں جو مٹی کھاتی ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتیں کہ ہمیں بھوک لگتی ہے اس لئے ہم مٹی کھاتی ہیں، بلکہ وہ کہتی ہیں ہمارے دل میں مٹی کھانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ حاملہ عورتوں کو سیب کھانے کی شدید طور پر خواہش پیدا ہوتی ہے اور یہ خواہش اتنی سخت ہوتی ہے کہ بعض دفعہ اگر سیب نہیں ملتا تو عورتوں کا حمل گر جاتا ہے۔ اب دنیا کی کوئی طبّ ایسی نہیں جو یہ بتا سکے کہ سیب کے کون سے ایسے اجزاء ہیں جو نہ ملیں تو حمل ضائع ہو جاتا ہے یا مٹی میں کون سے ایسے اجزاء ہیں جن کا حاملہ عورتوں کو دِیا جانا ضروری ہوتا ہے مگر واقعہ یہی ہوتا ہے اور طبیب بھی مانتے ہیں کہ بعض دفعہ ان چیزوں کے نہ ملنے کی وجہ سے حمل گر جاتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ اُن کے اندر دُودھ پینے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے ایک عجیب مرض ہے، میں دُودھ پی لوں تو مجھے سر درد کا دورہ ہو جاتا ہے مگر کسی کسی دن مجھے اتنا شدید شوق

پیدا ہوتا ہے کہ میں برداشت نہیں کرسکتا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے سردرد ہو جائے گی پھر بھی دُودھ پی لیتا ہوں اور اس کے بعد دورہ ہو جاتا ہے۔

تو کئی قسم کی باریک خواہشات انسان کے اندر پائی جاتی ہیں اور وہ ایسی شدید ہوتی ہیں کہ پوری نہ ہوں تو زندگی بے مزہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَفِیْھَا مَاتَشْتَھِیْهِ الْاَنْفُسُ دنیا میں تو بعض دفعہ انسان کا جی چاہتا ہے کہ اُسے سیب کھانے کو ملے مگر اُسے سیب نہیں ملتا۔ عورت چاہتی ہے کہ مٹی کھائے مگر دوسرے لوگ اُسے کھانے نہیں دیتے، مگر فرمایا وہاں جو بھی طبعی خواہش پیدا ہوگی اس کو پورا کر دیا جائے گا۔

دماغی خواہشات کی تکمیل

پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے کچھ دماغی خواہشیں بھی ہوتی ہیں اور انسان چاہتا ہے کہ ان خواہشوں کے پورا ہونے کا بھی سامان ہو۔ پس مَیں نے سوچا کہ اگر کبھی عقلی ضرورت محسوس ہوگی، گو اس کے ساتھ طبعی خواہش نہ ہوئی تو کیا یہ ضرورت بھی پوری ہوگی یا نہیں؟ اس پر میں نے دیکھا تو اس کا بھی انتظام تھا۔ چنانچہ لکھا تھا لَھُمْ فِیْھَا مَایَشَآءُوْنَ [۸۳] وہاں جنتی جو کچھ چاہیں گے انہیں مل جائے گا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ مشیت دل کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، مگر اشتہاء نفسانی خواہشات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ پس وہاں انسان کی اشتہاء بھی پوری ہوگی اور انسان کی مشیّت بھی پوری ہوگی۔ گویا جن کے اندر طبعی خواہشات پیدا ہوں گی جو اُن کے روحانی جسموں کے مطابق ہوں گی ان کے لئے ان کی طبعی خواہشوں کے پورا کرنے کے سامان کئے جائیں گے اور جنہیں عقلی ضرورت محسوس ہوگی ان کی اس ضرورت کو بھی وہاں پورا کر دیا جائے گا۔

ہمارے خدا کا عجیب وغریب مینا بازار

میں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو کہا سُبْحَانَ اللّٰہِ وہ مینا بازار اور مارکیٹیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی چیزیں یا تو میری طاقت سے باہر ہوتی ہیں اور اگر طاقت کے اندر ہوتی ہیں تو ضروری نہیں ہوتا کہ میری اشتہاء یا میری مشیّت کو پورا کرنے والی ہوں۔ اور اگر میری اشتہاء یا میری مشیّت کو پورا کرنے والی ہوں تو ضروری نہیں ہوتا کہ میں اُن سے فائدہ اٹھا سکوں۔ مثلاً اگر پینے کے لئے دُودھ مل جاتا ہے لیکن میں بیمار ہو جاتا ہوں تو اس دودھ کا مجھے کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔ اور اگر میں اُن سے فائدہ اُٹھا بھی لوں، تو ایک دن یا وہ فنا ہو جائیں گی یا میں فنا ہو جاؤں گا۔ مگر یہ عجیب مینا بازار ہے ہمارے خدا کا کہ اس میں مجھ سے جان اور مال

طلب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے بدلہ میں سارے مینا بازار کی چیزیں اور خود مینا بازار کی عمارت تمہارے سپرد کی جاتی ہے۔ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ لاؤ اپنا مال اور لاؤ اپنی جان کہ میں مینا بازار کی سب چیزیں اور خود مینا بازار کی عمارت تمہارے سپرد کردوں تو بندہ اِدھر اُدھر حیران ہو کر دیکھتا ہے کہ میرے پاس تو نہ مال ہے نہ جان میں کہاں سے یہ دونوں چیزیں لاؤں۔ اتنے میں چُپ چاپ اللہ تعالیٰ خود ہی ایک جان اور کچھ مال اُس کے لئے مہیا کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ لومَیں یہ تمہیں جان اور مال دے رہا ہوں تم یہ مال اور جان میرے پاس فروخت کر دو۔

غالب تھا تو شرابی مگر اس کا یہ شعر کروڑوں روپیہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے کہ:-

؎ جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے ایسا ہی معاملہ کرتا ہے وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

خدا نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور مال خرید لئے اور ان کے بدلہ میں انہیں جنت دے دی حالانکہ کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ جان اس کی ہے یا کون ہے جو کہہ سکے کہ مال اس کا ہے باوجود اس کے کہ نہ مال اس کے پاس ہوتا ہے نہ جان اس کے پاس ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے سَودا کرنے آتا ہے اور کہتا ہے مجھ سے جان لو اور پھر مجھے یہ جان واپس دے کر مجھ سے سَودا کرلو۔ مجھ سے مال لو اور پھر یہ مال مجھے واپس دے کر مجھ سے سودا کرلو۔ پس عجیب مینا بازار ہے کہ خود ہی ایک جان اور کچھ مال مہیا کیا جاتا ہے اور پھر کہا جاتا ہے لو اسے ہمارے پاس فروخت کر دو۔ اور جب میں اس جان اور مال کو اس کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ بے شک مجھے اپنا غلام بنا لو تو یکدم وہ مجھے آزاد کر دیتا ہے اور میرے سارے طوق، ساری زنجیریں، ساری بیڑیاں اور ساری ہتھکڑیاں کاٹ ڈالتا ہے۔ اور پھر مجھے مینا بازار کی چیزیں ہی نہیں دیتا بلکہ سارا مینا بازار میرے حوالے کر دیا جاتا ہے اور اس کی تمام چیزوں کا مجھے مالک بنا دیا جاتا ہے اور پھر انہی چیزوں کا ہی نہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی انتظام کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی نئی طبعی خواہش پیدا ہوگی تو وہ بھی پوری کی جائے گی۔ اور اگر کوئی نئی علمی خواہش پیدا ہوگی تو اُس کو پورا کرنے کے بھی ہم ذمہ دار ہوں گے۔ اور پھر مجھے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں کے متعلق تسلّی رکھنا، نہ یہ

چیزیں ختم ہوں گی اور نہ تم ختم ہو گے گویا ان سب چیزوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے مجھ پر سے بھی اوران چیزوں پر سے بھی فنا کا اثر مٹا دیا جائے گا۔

جب مَیں نے یہ نظارہ دیکھا اور روحانی طور پر مجھے ان الٰہی اسرار کا علم ہؤا تو مَیں اپنے ناقص علم پر جو مجھے آزادی اور غلامی کے متعلق تھا، سخت شرمندہ ہؤا۔ اور میں حیران ہو گیا کہ میں کس چیز کو آزادی سمجھتا تھا اور کس چیز کو غلامی قرار دیتا تھا۔ جس چیز کو مَیں آزادی سمجھتا تھا وہ ایک خطرناک غلامی تھی اور جس چیز کو میں غلامی سمجھتا تھا وہ حقیقی آزادی اور حُریّت تھی۔ میں شرمندہ ہؤا اپنے علم پر، میں حیران ہؤا اس عظیم الشان حقیقت پر اور فی الواقع اُس وقت سر سے لے کر پاؤں تک میرا تمام جسم کانپ اُٹھا اور میری روح ننگی اور عُریاں ہو کر خدا کے سامنے کھڑی ہو گئی اور بے اختیار میں نے کہا اے میرے آقا! یہ غلامی جو تُو پیش کر رہا ہے، اس پر ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔ اے آقا! مجھے جلد سے جلد اپنا غلام بنا لے، مجھے بھی اور میرے سب عزیزوں اور دوستوں کو بھی۔ بلکہ اے خدا! تُو ساری دنیا کو ہی اپنا غلام بنا لے تا کہ ہم سب اس غلامی کے ذریعہ حقیقی آزادی کا مزہ چکھیں اور حقیقی غلامی سے نجات پائیں۔ پس کان منتظر ہیں اُس دن کے جب یہ آواز ہمارے کان سنیں گے کہ **يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ - ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً - فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ - وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ** - اے اپنے رب کے تعلق پر مطمئن ہونے والی جان! آ آ اپنے رب کی طرف آ۔ تُو اُس سے خوش ہے اور وہ تجھ سے خوش ہے۔ آ اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور آ میری جنت میں داخل ہو جا۔

اپنی جانیں اور اپنے اموال خدا تعالیٰ کے حضور جلد تر پیش کرو!

یہ وہ عظیم الشان نعمت ہے جو تمہارا خدا تمہیں دینے کے لئے تیار ہے۔ اب تمہارا فرض ہے کہ تم آگے بڑھو اور اس نعمت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ وہ اِس زمانہ میں پھر تمہارے پاس ایک گاہک کی صورت میں آیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اُس کی یہ آواز بلند ہوئی ہے کہ اپنی جانیں اور مال مجھے دو اور جنت مجھ سے لے لو۔ وہ تم سے سَودا کرنا چاہتا ہے مگر سَودا کرنے کے لئے اُس نے خود اپنے پاس سے تم کو جان اور مال دیا ہے۔ پس جان بھی اُسی کی ہے اور مال بھی اُسی کا۔ مگر وہ یہ فرض کر کے کہ یہ چیزیں اُس کی نہیں بلکہ تمہاری ہیں تمہارے پاس ایک گاہک کی صورت

میں چل کر آیا ہے اور وہ تم سے تمہاری جانوں اور مالوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تمہاری خوش قسمتی ہوگی اگر تم اس آواز کو سنتے ہی کھڑے ہو جاؤ اور کہو کہ اے ہمارے آقا! آپ ہم سے اپنی ہی چیز مانگ کر ہمیں کیوں شرمندہ کر رہے ہیں، ہم اپنی جانیں آپ کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے تیار ہیں اور اپنے اموال آپ کی راہ میں لُٹانے کے لئے حاضر ہیں۔ جب تم اس طرح اپنی جانوں اور اپنے اموال کی قربانی کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ گے تو تم دیکھو گے کہ تمہاری جان بھی تمہارے پاس ہی رہتی ہے اور تمہارا مال بھی تم سے چھینا نہیں جاتا۔ مگر اس ارادۂ نیک اور عملی پیشکش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا آقا تم سے ہمیشہ کے لئے خوش ہو جائے گا اور وہ تمہیں اُس ابدی جنت میں داخل کرے گا جس کی نعمتیں لازوال ہیں اور جس کے مقابلہ میں دُنیوی مینا بازار اتنی بھی حقیقت نہیں رکھتے جتنی ایک سورج کے مقابلہ میں ایک ٹمٹماتی ہوئی شمع کی حقیقت ہوتی ہے۔ وہ اس اقرار کے نتیجہ میں ہی تمہاری غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر پرے پھینک دے گا۔ وہ تمہارے سلاسل اور آہنی طوق تمہاری گردنوں سے دُور کر دے گا۔ تم پھر دنیا میں سر بلند ہو گے، پھر اپنی گردن فخر سے اونچی کر سکو گے۔ پھر ایک عزت اور وقار کی زندگی بسر کر سکو گے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اتنا چھوٹا سا کام بھی اس کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا، پس آؤ ہم اُس کے حضور جھکیں اور اُسی سے یہ التجا کریں کہ اے ہمارے آقا! تُو ہمیں اپنی محبت سے حصہ دے، تُو اپنے عشق کی آگ ہمارے دلوں میں سُلگا، تو اپنے نور کی چادر میں ہم کو لپیٹ لے اور ہر قسم کی شیطانی راہوں سے بچا کر ہمیں اپنے قُرب اور اپنی محبت کے راستوں پر چلا، کیونکہ حقیقی حُرّیت وہی ہے جو تیری غلامی میں حاصل ہوتی ہے اور بدترین غلامی وہی ہے جو تُجھ سے دُوری کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ پس آؤ اس جُھوٹی حُرّیت کے خیالات کو جو دنیا میں بدترین غلامی پیدا کرنے کا موجب ہیں اپنے دلوں سے دُور کرو اور جلد سے جلد اُس خدائی آواز پر جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ بلند ہوئی ہے اپنی جانیں اور اپنے اموال اُس کے حضور پیش کر دو تا کہ تمہیں حقیقی آزادی میسّر ہو اور تمہاری وساطت سے پھر باقی دنیا کو بھی شیطان کی غلامی سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہو جائے۔

۱؎ عبس: ۲۰ تا ۲۲ ۲؎ الحج: ۸،۷

۳؎ بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسراء یل

۴ البقرة : ۹ ۵ التوبة : ۱۰۰ ۶ الکھف : ۵۰
۷ ھود : ۱۱۲ ۸ النباء : ۳۷ ۹ المؤمن : ۴۱
۱۰ بنی اسراء یل : ۶۴ ۱۱ المعارج:۳۶ ۱۲ اٰل عمرٰن : ۱۱
۱۳ الصّٰفّٰت : ۷۹ تا ۸۱ ۱۴ الصّٰفّٰت :۱۳۰تا۱۳۲ ۱۵ الانبیاء : ۹۲
۱۶ العنکبوت: ۲۸ ۱۷ الانعام : ۸۴ تا ۹۱ ۱۸ الاحزاب : ۵۷
۱۹ الحشر : ۱۱
۲۰ اقرب الموارد الجزء الثانی صفحہ ۸۷۹ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء
۲۱ الرّعد : ۲۴، ۲۵
۲۲ طمنچے : طمنچہ کی جمع ۔ پستول ۔ چھوٹی بندوق
۲۳ التوبة : ۱۱۱
۲۴ بخاری کتاب الزکٰوة باب اتَّقُوا النَّارَ وَ لَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ
۲۵ بخاری کتاب الصوم باب المجامع فی رمضان
۲۶ البقرة: ۴ ۲۷ الاعراف: ۱۵۸ ۲۸ الاعراف: ۱۹۷
۲۹ بخاری کتاب الادب باب اِکْرَام الضیف (الخ)
۳۰ الحج : ۴۸ ۳۱ الفجر : ۲۸ تا ۳۱ ۳۲ حٰمٓ السجدة : ۳۲
۳۳ الدھر : ۲۰ ۳۴ البقرة : ۶ ۳۵ الدھر : ۶
۳۶ الدھر : ۱۲ ۳۷ الدھر : ۱۸ ۳۸ الدھر : ۲۳
۳۹ الصّٰفّٰت : ۴۶ ۴۰ محمّد : ۱۶ ۴۱ البقرة : ۲۶
۴۲ محمّد : ۱۶ ۴۳ البقرة : ۲۲۰ ۴۴ محمّد : ۱۶
۴۵ المطفّفین : ۲۶ ، ۲۷
۴۶ تلچھٹ ۔ وہ چیز جو نیچے بیٹھ جائے ۔
۴۷ دُرد ۔ تلچھٹ
۴۸ الصّٰفّٰت :۴۸
۴۹ اقرب الموارد۔ الجزء الثانی صفحہ ۱۲۹۱ ۔ مطبوعہ بیروت۱۸۸۹ء
۵۰ اقرب الموارد۔ الجزء الثانی صفحہ ۸۹۳۔ مطبوعہ بیروت۱۸۸۹ء

۵۱؎ الطّور : ۲۴ ۵۲؎ الدّھر : ۲۲ ۵۳؎ المطفّفین : ۲۸

۵۴؎ المطفّفین : ۲۹ ۵۵؎ الدھر : ۱۹ ۵۶؎ الواقعة : ۲۱، ۲۲

۵۷؎ الطّور : ۲۳ ۵۸ الدھر : ۱۵ ۵۹؎ الواقعة : ۳۳، ۳۴

۶۰؎ محمد : ۱۶ ۶۱؎ الحج : ۲۴، ۲۵ ۶۲؎ الاعراف : ۲۷

۶۳؎ محمد : ۱۸ ۶۴؎ اٰل عمران : ۱۰۷ ۶۵؎ اٰل عمران : ۱۰۸

۶۶؎ النّحل : ۵۹ ۶۷؎ القیامة : ۲۳

۶۸؎ لسان العرب المجلد الرّابع صفحہ ۱۷۸ مطبوعہ بیروت لبنان ۱۹۸۸ء

۶۹؎ عبس : ۳۹، ۴۰ ۷۰؎ الغاشیة : ۹

۷۱؎ اقرب الموارد۔ الجزء الثانی صفحہ ۱۳۲۱۔ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۷۲؎ الواقعة : ۸۹، ۹۰

۷۳؎ لسان العرب المجلد الخامس صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء

۷۴؎ الزمر : ۷۴ ۷۵؎ الدھر : ۱۶

۷۶؎ الواقعة : ۱۶، ۱۷ ۷۷؎ الغاشیة : ۱۴ تا ۱۷ ۷۸؎ الانعام : ۱۲۸

۷۹؎ الحج : ۳۹ تا ۴۱ ۸۰؎ الفرقان : ۵۱ تا ۵۴ ۸۱؎ الرحمٰن : ۲۰، ۲۱

۸۲؎ الزخرف : ۲۷ ۸۳؎ النّحل : ۳۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سیرِ روحانی (۴)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء بمقام لاہور)

عالَمِ روحانی کا بلند ترین مینار

یا

مقامِ محمدیت

تشہّد،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

میری آج کی تقریر کا موضوع ''سیرِ روحانی'' ہے یہ میری اِس مضمون کی تقریروں کا چوتھا نمبر ہے۔ ان تقریروں کا محرّک میرا ایک سفر ہؤا تھا جو مَیں نے ۱۹۳۸ء میں کیا میں اس سال پہلے سندھ گیا وہاں سے کراچی، کراچی سے بمبئی اور بمبئی سے حیدر آباد کا سفر کیا۔ ہر جگہ کے دوستوں نے مجھے وہاں کی اہم اور قابلِ دید جگہیں دکھانے پر اصرار کیا اور چونکہ میری ایک بیوی، بیٹی اور ہمشیرہ بھی ساتھ تھیں، اس لئے مَیں نے ضروری سمجھا کہ یہ قدیم آثار خود بھی دیکھوں اور ان کو بھی دکھاؤں، خصوصاً حیدر آباد، آگرہ اور دلّی کے پُرانے آثار دیکھنے کا ہمیں موقع ملا۔ جب ہم دلّی پہنچے تو ہم غیاث الدین تغلق کا قلعہ دیکھنے کے لئے گئے یہ قلعہ ایک اونچی جگہ پر واقع ہے اور ٹوٹا ہؤا ہے، لیکن سیڑھیاں قائم ہیں میری ایک بیوی اور لڑکی اس قلعہ کے اوپر چڑھ گئیں۔ میں اُس وقت نیچے ہی تھا اوپر چڑھ کر انہوں نے مجھے کہا کہ یہاں بڑا اچھا نظارہ ہے، ساری دلّی اس قلعہ پر سے نظر آ رہی ہے آپ بھی آئیں اور اس نظارہ سے لُطف اندوز ہوں۔ میرا سر چونکہ اونچائی پر چڑھنے سے چکرانے لگتا ہے اس لئے پہلے تو مَیں نے انکار کیا، لیکن پھر ان کے اصرار پر مَیں بھی اوپر چڑھ گیا اور مَیں نے دیکھا کہ واقعہ میں وہ ایک عجیب نظارہ تھا۔ ساری دلّی نظر آ رہی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ایک فلم آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہو، نہ

صرف نئی اور پُرانی دلّی بلکہ اس کے قلعے، مزار، لاٹیں اور مسجدیں سب آنکھوں کے سامنے تھیں اور ایک ہی وقت دلّی کے یہ پُرانے آثار تاریخی شواہد کو میرے سامنے پیش کر رہے تھے۔

مَیں نے ان آثار کو دیکھا اور اپنے دل میں کہا کہ ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جس کی کسی نہ کسی خاندان سے یا کسی نہ کسی قوم یا مذہب سے نسبت ہے۔ یہ آثار اِن قوموں کے لئے فخر کا موجب تھے، لیکن آج وہ قومیں مٹ چکی ہیں اور ان آثار کو بنانے والوں کا نام ونشان بھی نہیں پایا جاتا، بلکہ بعض جگہوں پر تو اُن کا دشمن قابض ہے اور وہ قومیں جنہوں نے یہ یادگاریں قائم کی تھیں محکومیت اور ذلّت کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ یہ ایک عبرت کی بات تھی جو میرے دل میں پیدا ہوئی اور مَیں سوچتے سوچتے انہی خیالات کی رَو میں کھو یا گیا اور میری توجہ ان یادگاروں پر مرکوز ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے پیچھے سے آواز آئی کہ اب آجائیں بہت دیر ہوگئی ہے، لیکن میرے خیالات کی رَو میرے قابو سے باہر تھی۔ مَیں نے اُس وقت سوچا اور غور کیا کہ یہ مادی آثار جو دنیا میں اپنی یادگاریں قائم کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں، کیا ان کے مقابلہ میں ہمارے خدا نے بھی کچھ آثار بنائے ہیں؟ اور اگر بنائے ہیں تو ان خدائی آثار اور یادگاروں کی کیا کیفیت ہے اور یہ مادی آثار ان کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں؟ مَیں نے سوچنا شروع کیا کہ جن لوگوں نے یہ قلعے بنائے اور دنیا کے سامنے اپنی طاقت اور قوت کا مظاہرہ کیا، کیا اس کے مقابلہ میں ہمارے خدا نے بھی کوئی قلعہ بنایا ہے۔ یا جن لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے مینار بنائے ہیں کیا ان کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے بھی کوئی مینار قائم کیا ہے۔ اسی طرح دنیوی مینا بازاروں کے مقابلہ میں کیا خدا تعالیٰ نے بھی کوئی مینا بازار بنایا ہے یا دُنیوی دیوانِ عام اور دُنیوی دیوانِ خاص جو بادشاہوں نے بنائے، کیا ان کے مقابلہ میں روحانی عالَم میں بھی کوئی دیوانِ عام اور دیوانِ خاص پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ دریا اور سمندر جو قدرتی طور پر دنیا میں بہہ رہے ہیں، کیا ان کے مقابلہ میں اسلام میں بھی کوئی ایسی یادگاریں پائی جاتی ہیں؟ آخر سوچنے اور غور کرنے کے نتیجہ میں میرے دل میں قرآن کریم کی کئی آیات آتی چلی گئیں اور مجھے معلوم ہؤا کہ یہ دنیا کی یادگاریں انہی یادگاروں کا صرف ایک ظاہری نشان ہیں اور یہ آثار ان روحانی آثار کی طرف توجہ دلانے کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ ورنہ اصل یادگاریں وہی ہیں جو خدا تعالیٰ نے بنائی ہیں اور جو دنیا کی دست بُرد سے پاک ہیں۔ جب میں یہاں تک پہنچا تو بے اختیار میرے مُنہ سے یہ فقرہ نکلا، **''مَیں نے پالیا۔ مَیں نے پالیا''** میری لڑکی امتہ القیوم بیگم جو میرے پیچھے ہی کھڑی تھی، اس

نے کہا ابا جان آپ نے کیا پا لیا؟ میں نے کہا میں نے بہت کچھ پا لیا ہے لیکن میں اب تمہیں نہیں بتا سکتا، میں جلسہ سالانہ پر تقریر کرونگا تو تم بھی سُن لینا کہ مَیں نے کیا پایا ہے۔

سیرِ روحانی پر پہلی تقریر

چنانچہ مَیں نے پہلی تقریر ۱۹۳۸ء میں کی جس میں مَیں نے تین مضامین بیان کئے تھے۔

اوّل وہ آثار قدیمہ جو قرآن کریم نے پیش کئے ہیں۔

دوم قرآن کریم ایک وسیع سمندر کو پیش کرتا ہے۔

سوم قرآن کریم ایک وسیع جنتر منتر کو پیش کرتا ہے۔

دوسری تقریر

۱۹۴۰ء میں مَیں نے دوسری تقریر کی جس میں مَیں نے یہ ذکر کیا کہ قرآن کریم بھی ایک قلعہ پیش کرتا ہے جس کے مقابلہ میں دُنیوی قلعے کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور قرآن کریم بھی ایک وسیع مسجد پیش کرتا ہے ایسی مسجد جس کے مقابلہ میں مٹی اور اینٹوں کی بنائی ہوئی مسجدیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

تیسری تقریر

۱۹۴۱ء میں مَیں نے یہ بیان کیا کہ دنیا کے مقابر کے مقابلہ میں اسلام نے کونسے مقابر پیش کئے ہیں اور دُنیوی مینا بازاروں کے مقابلہ میں اسلام نے کونسا مینا بازار پیش کیا ہے۔ نو(۹) مضمون ابھی باقی ہیں جن میں مَیں نے اپنے خیالات کا ابھی تک اظہار نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ ان نو(۹) مضامین میں سے آج صرف ایک مضمون کو بیان کر دوں۔

فضائل القرآن پر لیکچر

۱۹۴۱ء کے بعد اس وقت تک مجھے اس مضمون پر بولنے کا موقع نہیں ملا، کیونکہ درمیان میں بعض اور ضروری مضامین آ گئے تھے جن کے متعلق تقریر کرنا ضروری تھا، اسی طرح ایک اور مضمون بھی نامکمل چلا آ رہا ہے جو فضائل القرآن کا مضمون ہے۔

پانچ لیکچر مَیں اس مضمون پر دے چکا ہوں، لیکن ابھی بہت سے لیکچر باقی ہیں۔ درمیانی عرصہ میں مختلف حالات کی وجہ سے جو مضامین آ جاتے رہے ہیں ان کی وجہ سے یہ دونوں مضمون ابھی نامکمل ہیں، لیکن بہرحال مَیں آج سیر روحانی کے ایک پہلو کو بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

مادی میناروں کے مقابلہ میں اسلام کا پیش کردہ مینار

میں نے بیان کیا تھا کہ میں نے اپنے سفر میں

بڑے بڑے بلند مینار دیکھے، ایسے مینار جو آسمان سے باتیں کر رہے تھے، جیسے قطب صاحب کی لاٹ ہے یا تغلق شاہ کی لاٹ ہے۔ میں نے ان بلند و بالا میناروں کے دیکھنے کے بعد غور کیا کہ کیا قرآن کریم میں بھی کسی بلند تر روحانی مینار کا ذکر پایا جاتا ہے اور یہ کہ اس مینار کے مقابلہ میں دُنیوی مینار کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

مینار کیوں بنائے جاتے ہیں؟

جب میں نے یہ سوچا تو پہلا سوال میرے دل میں یہ پیدا ہؤا کہ مینار کیوں بنائے جاتے ہیں؟ اور کیا وہی اغراض قرآن کریم کی کسی پیش کردہ چیز سے پوری ہوتی ہیں یا نہیں؟

عالَمِ بالا کے اسرار معلوم کرنے کی جستجو

اس نقطہ نگاہ سے جب میں نے میناروں کی تاریخ پر غور کیا، تو مجھے معلوم ہؤا کہ مینار بنانے کا پہلا موجب یہ تھا کہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ آسمان کسی محدود فاصلہ پر واقع ہے اور وہ کسی اونچی جگہ پر جا کر یا تو آسمان پر چڑھ جائیں گے اور یا اس قابل ہو جائیں گے کہ فرشتوں اور ارواح کے ساتھ باتیں کر سکیں اور آسمانی نظاروں کو دیکھ سکیں۔ گویا میناروں کی تعمیر کا ایک محرّک بنی نوع انسان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اوپر چڑھ کر آسمان کے قریب ہو جائیں گے اور عالم بالا کے اسرار کو آسمانی ارواح سے معلوم کر سکیں گے۔ قرآن کریم اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ یٰهَامٰنُ ابۡنِ لِیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ۔ اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوۡسٰی وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّهٗ کَاذِبًا وَکَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیۡلِ وَمَا کَیۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِیۡ تَبَابٍ۔[1]

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کیا تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات سن کر کہا کہ اس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، یہ کہتا ہے کہ مجھ سے خدا اور اس کے فرشتے باتیں کرتے ہیں، یہ جھوٹ بولتا ہے، میں اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اے ہامان! تم میرے لئے ایک اونچا سا مینار تیار کرو، میں بھی اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ آسمان پر کیا ہوتا ہے اور آسمانی اسباب اور ذرائع سے پتہ لوں کہ کیا موسیٰ سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ۔

پُرانے زمانے میں سب سے اونچے مینار مصر میں ہی بنا کرتے تھے اور یہ اونچے مینار اسی خیال کے تحت بنائے جاتے تھے کہ مصری سمجھتے تھے کہ ارواحِ سماویہ آسمان سے اُترتی ہیں تو بلندی پر رہنے کی وجہ سے وہ بلند جگہوں کو پسند کرتی ہیں اسی لئے وہ اپنے بزرگوں اور

بادشاہوں کی قبریں بلند میناروں کی شکل میں بنایا کرتے تھے مگر چونکہ اُس وقت تک حساب کا علم ابھی مکمل نہیں ہؤا تھا اس لئے وہ سیدھا اور گول مینار بنانے کی بجائے اس شکل کی عمارات بنایا کرتے تھے △ یعنی ان کی چوٹی تو صرف چند مربع گز کی ہوتی تھی ،لیکن بنیاد ہزاروں مربع گز میں ہوتی تھی ، بعد میں جب حساب مکمل ہؤا اور بنیادوں اور سدھائی کا علم ہؤا تو سیدھے گول میناروں کا رواج ہوگیا۔ میں جب مصر میں گیا تھا تو مَیں نے بھی ان میناروں کو دیکھا تھا یہ اتنے بلند مینار ہیں کہ اچھا قوی اور مضبوط آدمی بھی ان پر چڑھتے چڑھتے تھک جاتا ہے ۔ آج بھی انجینئر جب ان میناروں کو دیکھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ اُس زمانہ میں ناقص انجینئرنگ کے باوجود انہوں نے کتنی بلند وبالا عمارتیں کھڑی کر دیں۔

درحقیقت یہ مینار نہیں بلکہ قبریں ہیں جو بادشاہوں کے لئے بنائی جاتی تھیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ان میناروں کے ذریعہ سے آسمانی ارواح ان کے بزرگوں کے نزدیک ہو جاتی ہیں۔

حضرت مسیح کے مینار پر اُترنے کا عقیدہ مسلمانوں میں کس طرح آیا

غرض مصری لوگ یہ مینار آسمانی روحوں کے ساتھ ملنے کے لئے بنایا کرتے تھے،مسلمانوں میں حضرت مسیحؑ کے مینار پر سے اُترنے کا عقیدہ بھی اسی بناء پر پیدا ہؤا ہے۔ احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسیحؑ عِنْدَالْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ نازل ہوگا[۲] یعنی وہ سفید مینار کے قریب اُترے گا۔

اس حدیث کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمان اس عقیدہ میں مبتلا ہو گئے کہ مسیحؑ مینار پر اُترے گا حالانکہ حدیثوں میں عَلَی الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ کے الفاظ نہیں بلکہ عِنْدَالْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ کے الفاظ ہیں جو ان کے اس خیال کی تردید کر رہے ہیں کہ مسیح مینار پر اُترے گا بہرحال مسلمانوں میں اس خیال کا پیدا ہوجانا کہ مسیح مینار پر اُترے گا بتاتا ہے کہ انہوں نے پُرانی روایات اور احادیث کو محفوظ کر دیا۔انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ حدیث میں عِنْدَ کا لفظ ہے عَلٰی کا لفظ نہیں اس کی وجہ درحقیقت یہی تھی کہ جب اسلام مصر میں پھیلا تو کئی مصری عقائد مسلمانوں میں بھی آ گئے جن میں سے ایک یہ بھی عقیدہ تھا کہ ارواح مینار پر اُترتی ہیں۔ پہلے انہوں نے سمجھا کہ مسیح آسمان سے اُترے گا پھر انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب روحیں مینار پر اُترا کرتی ہیں تو

یہاں عِنْدَ کے معنے درحقیقت عَلٰی کے ہیں۔ اِسی قسم کے بعض اور بھی عقائد ہیں جو مصریوں سے مسلمانوں نے لئے۔ مثلاً مصری لوگ تناسخ کے قائل تھے اور یہ عقیدہ بھی مصریوں سے مسلمانوں میں آیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریباً نو(۹) سال بعد ہی مصر میں ایک شخص عبداللہ بن سبا[۳] نامی پیدا ہوگیا تھا اور اُس نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح دوبارہ دنیا میں آئے گی اور وہ قرآن کریم کی کئی آیتوں سے بھی استدلال کیا کرتا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اور بعد میں اس نے اور اس کے ساتھیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی۔ دراصل یہ مصری فلسفہ سے متأثر تھا اور مصری فلسفہ یہ تھا کہ روحیں مینار پر اُترتی ہیں۔ شاید ان کے دلوں میں یہ خیال ہو کہ بزرگوں کی روحوں کے متعلق اگر یہ عقیدہ نہ رکھا گیا تو اس سے ان کی ہتک ہوگی اس لئے انہوں نے چاہا کہ کچھ ہم اپنے آپ کو اونچا کریں اور کچھ وہ نیچے اُتریں تا کہ اُن کا زمین پر نزول ان کے لئے ہتک کا موجب نہ ہو۔ بہرحال کسی نہ کسی خیال کے ماتحت مصریوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ ارواح بلند جگہوں پر اُترا کرتی ہیں اور اسی غرض کے لئے وہ مینار تعمیر کیا کرتے تھے۔

روشنی کا انتظام

(۲) پھر مینار اس لئے بھی بنائے جاتے تھے کہ ان پر روشنی کی جائے اور دُور دُور سے لوگوں کو اس سے راہنمائی حاصل ہو چنانچہ چھاؤنیوں میں عموماً مینار بنائے جاتے ہیں اور ان میں روشنی کا باقاعدہ انتظام رکھا جاتا ہے اس روشنی کو دیکھ کر دُور سے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ فلاں جگہ ہے یا فلاں جہت پر سفر کرنا زیادہ مفید ہے۔ چونکہ پُرانے زمانے میں رات کو قافلے چلا کرتے تھے اس لئے میناروں کی روشنی سے انہیں بہت کچھ سہولت حاصل ہو جاتی تھی۔ مینار کے معنوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے چنانچہ عربی زبان میں مینار کے معنے مقامِ نور کے ہیں[۴] یعنی جہاں نور کا سامان موجود ہو۔ پس مینار اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ ان پر روشنی کی جاسکے اور اسی وجہ سے ان کا نام مینار ہؤا۔

ستاروں کی گردشیں معلوم کرنے کی خواہش

(۳) تیسرے مینار اس لئے بنائے جاتے تھے کہ اُن کے ذریعہ سے آسمانی گردشوں کا پوری طرح علم ہو اور غیب کی خبریں معلوم کی جاسکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ زمین پر ہیئت کے سامان اتنی صفائی کے ساتھ ان گردشوں کو نہیں دیکھ سکتے جتنی صفائی کے ساتھ

اونچی جگہ سے دیکھ سکتے ہیں اسی لئے دُوربینیں ہمیشہ اونچی جگہ پر لگائی جاتی ہیں۔ پس مینار بنانے کی تیسری وجہ یہ ہؤا کرتی تھی کہ لوگ ان پر آلاتِ ہیئت رکھ کر ستاروں کی گردشوں کا علم حاصل کرتے تھے تاکہ انہیں غیب کی خبریں معلوم ہوسکیں اور آئندہ کے اسرار اُن پر کُھلیں۔

ابھی پچھلے دنوں لاہور میں ایک رات ہزاروں ہزار لوگ کمروں سے نکل کر باہر میدانوں اور صحنوں میں سوئے کیونکہ کسی منجم نے یہ خبر اُڑادی کہ اس رات ایک شدید زلزلہ آئے گا۔ لوگ ڈر گئے اور وہ اپنے مکان چھوڑ کر باہر میدانوں اور باغوں میں نکل گئے حالانکہ یہ سب باتیں اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءٍ کَذَا وَ کَذَا فَذٰلِکَ فَھُوَ کَافِرٌ بِیْ وَ مُؤْمِنٌ بِالْکَوْکَبِ [۵]

جو شخص یہ کہے کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی ہے یا فلاں ستارہ کا یہ اثر ہے، وہ اسلام سے خارج ہے۔ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے منشاء اور اس کے قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ یہ خیال کہ ستاروں کی گردش سے انسان آئندہ کے حالات معلوم کرسکتا ہے، قطعی طور پر غلط ہے اور لاہور والوں نے اس کا اندازہ بھی لگالیا، مگر مشکل یہ ہے کہ وہ لوگ جو دین سے پوری واقفیت نہیں رکھتے اس قسم کی غلط فہمیوں میں عموماً مبتلاء رہتے ہیں اور منجم بھی بڑی آسانی سے کہہ دیتا ہے کہ مینار کے نہ ہونے کی وجہ سے مجھے ستاروں کی گردش معلوم کرنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ یہی حال رمّالوں، جوتشیوں اور پامسٹوں کا ہوتا ہے۔

ایک احمدی نجومی کا واقعہ

میرے پاس ایک دفعہ ایک احمدی نجومی آیا اور اس نے کہا، میں آپ کو کچھ کرتب دکھانا چاہتا ہوں۔ مَیں نے کہا، میں اس کو سمجھتا تو لغو ہی ہوں، مگر تمہاری خواہش ہے تو دکھادو۔ اس نے کہا مَیں نے یہ بات آپ سے اس لئے کہی ہے کہ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے یہ فخر حاصل ہو جائے کہ مَیں نے آپ کے سامنے بھی اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا، آپ اپنے دل میں کوئی فارسی شعر رکھیں۔ مَیں نے فارسی نہیں پڑھی کیونکہ ہمارے اُستاد یہ سمجھتے تھے کہ فارسی کی تعلیم سے عربی کو نقصان پہنچتا ہے۔ گو مثنوی رومی وغیرہ تو میں نے پڑھی ہیں مگر فارسی کی باقاعدہ تعلیم مَیں نے حاصل نہیں کی اور ایسے آدمی کو عموماً معروف شعر ہی یاد ہوتے ہیں، بہرحال میں نے اپنے دل میں سوچا کہ:-

؎ کریما بہ بخشائے برحالِ ما
کہ ہستم اسیر کمندِ ہَوا

اُس نے ایک کاغذ میرے سامنے رکھ دیا جس پر یہی شعر لکھا ہوا تھا، اس کے بعد اس نے کہا کہ آپ ایک سے دس تک کوئی ہندسہ اپنے دل میں سوچیں، میں نے سات کا ہندسہ سوچا اور اس نے ایک کاغذ اُٹھا کر مجھے دکھایا جس پر لکھا تھا کہ آپ سات کا ہندسہ سوچیں گے۔ پھر کہنے لگا کہ آپ اپنی پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھائیں آپ کے دائیں طرف ایک مسّہ ہے میں نے کُرتا اُٹھایا تو وہاں مسّہ بھی موجود تھا۔مَیں نے کہا تمہاری پہلی دو چالاکیاں تو مجھے معلوم ہوگئیں، تم یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کس طرح پتہ لگالیا کہ میرے جسم کے دائیں طرف ایک مسّہ ہے۔ اس نے کہا ہماری راول قوم اِس فن میں بہت مشہور ہے اور اُس نے بڑی کثرت سے انسانی جسموں کو دیکھا ہوا ہے۔ ایک لمبے مشاہدہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اسّی فی صدی لوگوں کی کمر کے دائیں طرف کوئی نہ کوئی مسّہ ضرور ہوتا ہے، اگر تین چار آدمیوں کو یہ بات بتائی جائے اور تین آدمیوں کے مسّے نکل آئیں اور چوتھے کے نہ نکلیں تو عام طور پر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کوئی حسابی غلطی ہوگئی ہوگی، وہ ہمارے علم پر شُبہ نہیں کرتے۔

ان دنوں قادیان میں ایک اہلِ حدیث لیڈر آئے ہوئے تھے وہ مجھے ملنے کے لئے آئے تو اتفاقاً ان سے بھی اس بات کا ذکر آ گیا۔ کہنے لگے ان لوگوں کو کوئی علم نہیں آتا۔محض اَرڑپوپو[۶] ہوتے ہیں لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ اس شخص کو دیکھوں، وہ اب کی دفعہ آئے تو اسے میرے پاس ضرور بھجوادیں۔ وہ قادیان کے قریب ہی ایک گاؤں کا رہنے والا تھا، اتفاق سے دوسرے تیسرے دن پھر آ گیا اور مَیں نے اسے انہی اہلِ حدیث مولوی صاحب کے پاس بھجوادیا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد وہ میرے پاس دَوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے یہ تو معجزہ ہے معجزہ۔ اُس نے جتنی باتیں بتائیں وہ ساری کی ساری صحیح تھیں۔معلوم ہوتا ہے اسے غیب کا علم آتا ہے آپ اسے کہیں کہ کسی طرح یہ علم مجھے بھی سکھادے۔ میں نے ہنس کر کہا تم تو اہلِ حدیث ہو اور جانتے ہو کہ خداتعالیٰ کے سِوا کسی کو علم غیب نہیں، پھر یہ کیسی باتیں کرتے ہو۔ پھر مَیں نے انہیں کہا کہ ایک دفعہ تو اس نے باتیں دریافت کرلیں، اب اسے کہو کہ وہ مجھ سے پھر وہ دو باتیں دریافت کر کے دیکھے مَیں نے خود بھی اسے کہا، مگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوا۔ جس چیز کا مجھ پر اثر تھا وہ صرف یہ تھی کہ اسے مسّے کا کس طرح پتہ لگ گیا؟ اس کے متعلق اس نے بتایا کہ ہماری قوم کے لوگ ساری جگہ پھرتے رہتے ہیں اور وہ انڈونیشیا اور جاپان تک بھی جاتے ہیں، انہوں نے انسانی جسموں کو کثرت کے ساتھ دیکھنے کے بعد بعض نتائج

قائم کئے ہوئے ہیں جو عموماً ستّر، اسّی فی صدی صحیح نکلتے ہیں۔ جیسے انشورنس والوں نے اندازے لگائے ہوئے ہیں کہ اتنے آدمی بیمہ کرائیں تو ان میں سے اتنے مرتے ہیں اور اتنے زندہ رہتے ہیں۔ چونکہ ستّر فی صدی لوگوں کا مسّہ نکل آتا ہے اس لئے تیس فی صدی لوگ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ یہ جانتے تو سب کچھ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حساب میں ان سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔

میناروں کے ذریعہ اپنے نام کو زندہ رکھنے کی خواہش

(۴) مینار بنانے والوں کی ایک غرض یہ بھی ہؤا کرتی تھی کہ ان میناروں کے ذریعہ سے بنانے والوں کا نام روشن رہے۔ بنانے والے بنا جاتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کا تعمیر کردہ مینار ہے۔

حصولِ مقاصد میں ناکامی

مگر مَیں نے دیکھا کہ ان میناروں سے یہ چاروں اغراض پوری طرح حاصل نہیں ہوئیں۔ **اوّل** تو آسمانی روحوں کے اترنے کا کوئی ثبوت نہیں، مصریوں نے مینار بنا دیئے، کروڑوں کروڑ روپیہ خرچ کر دیا، مُردوں کے ساتھ زیورات اور سامان بھی دفن کر دیئے مگر اب یورپین قومیں وہی سامان اُٹھا کر اپنے ملکوں کو لے گئیں۔ اور وہ مُردے جو انہوں نے وہاں دفن کئے تھے اُن کو بھی انہوں نے اپنے عجائب گھروں میں رکھا ہؤا ہے۔ کوئی لاش امریکہ کے عجائب گھر میں پڑی ہے اور کوئی فرانس کے عجائب گھر میں، گویا قیمتی سامان بھی ضائع ہؤا اور مُردوں کی بھی ہتک ہوئی۔ کسی فرعون کی لاش امریکہ کو دیدی گئی، کسی کی فرانس کو دے دی گئی اور کسی کی برطانیہ کو دے دی گئی اور اس طرح ان مُردوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔ **دوم** قرآن کریم کی ابھی میں نے ایک آیت پڑھی ہے جس میں فرعون نے ہامان سے یہ کہا کہ تم ایک اونچا اور بلند مینار بناؤ تا کہ میں دیکھوں کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے؟ تورات سے پتہ لگتا ہے کہ رعمسیس وہ فرعون تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پالا اور منفتاح وہ فرعون تھا جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھا اور جو آپ کے مقابلہ میں آ کر تباہ ہؤا۔ وہ بنی اسرائیل سے اینٹیں پتھوایا کرتا تھا اور اسی طرح ان پر اور بھی بہت سے مظالم کیا کرتا تھا۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ جب اس نے ہامان سے یہ کہا کہ میرے لئے ایک اونچا سا مینار بناؤ تا کہ میں یہ دیکھوں کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے تو خدا تعالیٰ نے اس کی اس خواہش کو رائیگاں نہیں جانے دیا، اس نے اپنا وجود تو اسے دکھا دیا مگر مینار کی چوٹی پر نہیں بلکہ سمندر کی تہہ میں۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر چھوڑ کر بھاگے اور فرعون نے ان کا تعاقب کیا اور آخر وہ سمندر کی موجوں میں گھر گیا تو جب وہ غرق ہونے لگا اُس وقت اس نے یہ الفاظ کہے کہ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ[ك]

گویا اُسے خدا تو نظر آ گیا مگر وہ فرعون جس نے آسمان پر خدا کو دیکھنا چاہا تھا اسے خدا پاتال میں نظر آیا۔ پس مینار پر چڑھ کر خدا دیکھنے کا ایک غلط خیال اس کے دل میں موجود تھا جو پورا نہ ہو سکا۔

روشنی کا فُقدان

باقی رہا یہ امر کہ مینار روشنی دیتے ہیں یہ بھی ہمیں ان میناروں سے پورا ہوتا نظر نہیں آتا، دنیا میں سینکڑوں مینار کھڑے ہیں مگر ان پر روشنی کا کوئی سامان نہیں، درحقیقت مینار بنانا اور بات ہے اور اس پر روشنی کرنا اور بات۔ جن لوگوں نے وہ مینار بنائے تھے جب ان کی اپنی نسلیں باقی نہ رہیں تو روشنی کون کرتا؟ یوں کہلانے کو سب ہی مینار کہلاتے ہیں، لیکن روشنی کہیں بھی نہیں ہوتی یا کچھ عرصہ کے بعد مٹ جاتی ہے۔ قطب صاحب کے مینار کو ہی لے لو آج اس پر کہاں روشنی ہوتی ہے بیشک وہ کچھ عرصہ تک روشنی دیتے رہے مگر پھر تاریک ہو گئے اور اب نہ وہ دن میں کام آتے ہیں اور نہ رات کو کام آتے ہیں، بنانے والوں کی نسلیں تک باقی نہ رہیں تو روشنی کرنے والے کہاں سے آتے؟

مینار بنانے والے خود زمانہ کی گردش کا شکار ہو گئے

تیسری غرض یہ سمجھی جاتی ہے کہ میناروں کے ذریعہ غیبی علوم حاصل ہؤا کرتے ہیں، لیکن یہ غرض بھی ہمیں کہیں پوری نظر نہیں آتی بلکہ مینار بنانے والوں نے آسمانی گردشوں سے غیب کیا معلوم کرنا تھا وہ خود اپنے آپ کو گردشوں سے نہ بچا سکے اور ختم ہو گئے۔

انبیاء ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں

اس جگہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ لوگ جن کو روحانی مینار کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ بھی تو ختم ہو گئے۔ اگر اشو کا ختم ہؤا تو آدمؑ بھی ختم ہو گیا۔ اگر دارا ختم ہؤا تو نوحؑ بھی ختم ہو گیا۔ پھر ان میں اور اُن میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک جہاں تک ظاہر میں ختم ہونے کا سوال ہے ہمیں دونوں ہی ختم دکھائی دیتے ہیں لیکن جہاں تک سلسلہ مذہبیہ کا سوال ہے وہ ختم نہیں

ہوئے اور کبھی ختم نہیں ہو سکتے چنانچہ دیکھ لو اشوکا کا نام لیوا آج دنیا میں کوئی باقی نہیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں اور گوشوں میں پھر کر دیکھ لو، دارا اور اشوکا کو کوئی اگر گالیاں بھی دے تو دنیا کی کوئی قوم اسے مطعون نہیں کر سکتی۔ کوئی مذہبی یا سیاسی اقتدار ان لوگوں کو حاصل نہیں مگر آج بھی آدمؑ اور موسیٰؑ پر ایمان لانے والے یہودی اور عیسائی دنیا میں موجود ہیں۔ بے شک جہاں تک قابلِ عمل شریعت کا سوال ہے ان انبیاء کی تعلیم ختم ہو چکی ہے، لیکن جہاں تک اُن کی عزّت اور ان کے مقام کا سوال ہے وہ اب بھی قائم ہے اور اب بھی ان کا نام دنیا میں روشن ہے۔ اب بھی ہر شخص مجبور ہے کہ ان کا نام عزّت اور احترام کے ساتھ لے، پس وہ ختم نہیں ہوئے بلکہ قیامت تک بھی ختم نہیں ہو سکتے۔

مینار بنانے والوں کے نام تک محفوظ نہیں

پھر میناروں کے ذریعہ نام روشن ہونے کی غرض بھی پوری نہ ہوئی بلکہ کسی کا نام روشن ہونا تو الگ رہا ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ مینار بنائے کس نے تھے؟ ہر مینار کے متعلق یہ بحث ہے کہ اسے کس نے بنایا تھا۔ قطب صاحب کی لاٹ بھی زیر بحث ہے اور تغلق کی لوہے کی لاٹ بھی زیر بحث ہے اور لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یہ ہے اصل میں کس کی؟ اشوکا کی کہ تغلق کی؟ کسی ہندو بادشاہ کی یا ایبک کی؟ قطب صاحب کی لاٹ کے متعلق ہی مسلمان کہتے ہیں کہ قطب الدین ایبک نے اسے بنایا تھا اور ہندو کہتا ہے کہ یہ فلاں راجہ کی بنائی ہوئی ہے۔ فیروز تغلق کی لاٹ کے پاس کھڑے ہو کر ایک مسلمان کہتا ہے یہ فیروز تغلق کی لاٹ ہے اور ایک ہندو کہتا ہے کہ یہ اشوکا کی لاٹ ہے مگر جن روحانی میناروں کا ہم ذکر کرتے ہیں اُن کے ناموں کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ نہیں پایا جاتا۔

غرض دُنیوی مینار جن اغراض کے لئے تعمیر کئے جاتے ہیں وہ اغراض ان کے ذریعہ کبھی پوری نہیں ہوئیں۔ اس طرح جو فوائد ان کے بتائے جاتے ہیں وہ بھی بنی نوع انسان کو کبھی حاصل نہیں ہوئے۔

قرآن کریم سے ایک عظیم الشان روحانی مینار کی خبر

لیکن اس کے مقابل پر قرآن کریم نے ایک ایسے مینار کی خبر دی ہے جو روحانی طور پر تعمیر ہؤا، جس پر چڑھ کر آسمان کی سب سے بڑی ہستی کا بھی پتہ چلا اور وہ زمین پر بھی اُتری۔

مصریوں کا تو محض خیال تھا کہ روحیں مینار کے ذریعہ نیچے اُترتی ہیں اس کا کوئی عملی ثبوت ہمیں نہیں ملتا لیکن جس مینار کا میں ذکر کرنے والا ہوں اُس پر آسمان کی سب سے بڑی ہستی کے اُترنے کا زندہ ثبوت نظر آتا ہے۔ پھر اس مینار پر روشنی بھی ہوتی تھی اور ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اس پر چڑھ کر آسمانی گردشوں کا بھی علم ہؤا اور غیب کی خبریں معلوم ہوئیں، اس کے بنانے والے کا نام اس سے اب تک روشن ہے اور ہمیشہ روشن رہے گا اس کے بنانے کا کوئی اور مدعی کبھی پیدا نہیں ہؤا اور نہ اس کے بنانے والے کے متعلق کبھی شک ہؤا کہ شاید اس کو کسی اَور نے بنایا ہو۔

مقامِ محمدیت

غرض قرآن کریم ایک ایسے مینار کی خبر دیتا ہے جس پر انسان چڑھا جس پر چڑھ کر اُسے آسمان کی سب سے بڑی ہستی کا پتہ چلا اور وہ عظیم الشان ہستی زمین پر بھی اُتری، جس مینار سے دنیا میں روشنی پھیلی اور پھیلتی چلی جائے گی، جس مینار سے غیب کی خبریں ملیں اور ملتی چلی جائیں گی وہ مینار کیا ہے؟ وہ مینار مقامِ محمدؐیت ہے سورۃ نجم میں اللہ تعالیٰ اس مینار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے **وَالنَّجْمِ اِذَاھَوٰی- مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی- وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی- اِنْ ھُوَاِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی- عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی- ذُوْمِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی- وَھُوَ بِا لْاُ فُقِ الْاَعْلٰی- ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی- فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰی- فَاَوْحٰیٓ اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی- مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی- اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَایَرٰی- وَلَقَدرَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی- عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی- عِنْدَھَاجَنَّۃُ الْمَاْوٰی- اِذْیَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی- مَازَاغَ الْبَصَرُوَمَا طَغٰی- لَقَدْرَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی** [8]

فرماتا ہے ہم شہادت کے طور پر ایک ستارہ کو پیش کرتے ہیں خصوصاً ثریا کو اِذَاھَوٰی جب وہ نیچے اُترا۔ کس بات کے ثبوت کے طور پر اُسے پیش کرتے ہیں اس بات کے ثبوت کے طور پر کہ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰی تمہارا ساتھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ گمراہ ہؤا ہے اور نہ غلطی میں پڑا ہے وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اور نہ وہ ہَوا و ہوس میں مبتلاء ہو کر اپنی نفسانی خواہشات

کو دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی بلکہ وہ جو کچھ پیش کر رہا ہے اس وحی کا نتیجہ ہے جو اس پر نازل ہوئی ہے۔

کلام چار طریق پر سُنا جاتا ہے

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان چار طرح کلام سن سکتا ہے۔

اوّل اس کے افکار پراگندہ ہو جائیں۔
دوم اس کا دل پراگندہ ہو کر شیطان سے اُس کا تعلق قائم ہو جائے۔
سوم اس کی ہَوا و حرص تیز ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں اُس کے دل کے خیالات غالب آجائیں۔
چہارم کلام الٰہی نازل ہو۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے یہ نہ تو ضلالت کا نتیجہ ہے نہ غوائت کا نتیجہ ہے اور نہ ہَوا و ہوس کا نتیجہ ہے بلکہ اس وحی کا نتیجہ ہے جو اس پر نازل ہوگئی ہے اور جسے وہ بنی نوع انسان کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

نجم سے کیا مراد ہے

یہ نجم کیا ہے جسے خدا تعالیٰ اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضلالت میں مبتلاء نہیں ہوئے، افکار کی غلطی میں مبتلاء نہیں ہوئے، کسی فلسفیانہ غلطی میں مبتلاء نہیں ہوئے وَمَا غَوٰی اور نہ کسی شیطان کے قبضہ میں آئے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اور نہ ہوا و ہوس اور لالچ کی وجہ سے ان کے اندر ایسے خیالات پیدا ہوئے کہ وہ ایسی تعلیم پیش کرتے جو دنیا کے لئے گمراہی کا موجب ہوتی۔ ان دعووٴں کا ثبوت کیا ہے؟ فرماتا ہے ہمارے ان دعووٴں کا ثبوت ایک ستارہ ہے جو اوپر سے نیچے گرا، یہ اوپر سے نیچے گرنے والا ستارہ کیا ہے؟ اور ستارہ بھی ایسا جو تین زاویوں سے نیچے جُھکا اور اس نے تین خیالات کا قلع قمع کیا۔ دنیا میں بعض فلسفی لوگ تھے جو یہ خیال کرتے تھے کہ فلسفیانہ باتیں پڑھ پڑھ کر اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے، بعض لوگ یہ فقرہ چُست کر کے تسلّی پا لیتے تھے کہ کیسا بُرا آدمی ہے شیطان نے اس پر قبضہ کر لیا ہے اور اب یہ شیطانی باتیں لوگوں کو سناتا چلا جاتا ہے، کچھ اور لوگ تھے جو یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے تھے کہ اس کے نفس میں ہوا و ہوس پیدا ہوگئی اور اس نے چاہا کہ مَیں بھی بڑا آدمی بن جاوٴں اس لئے یہ ایسی باتیں کہہ رہا ہے۔ ان تین خیالات کا ایک ہی ردّ ان آیات میں کیا گیا ہے فرماتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضلالت پر نہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ایک ستارہ اوپر سے نیچے آیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غوائت پر نہ ہونیکا ثبوت یہ ہے کہ ایک ستارہ اوپر سے نیچے آیا،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا وہوس میں مبتلاء نہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ایک ستارہ اوپر سے نیچے آیا۔ وہ کون سا ستارہ ہے جو اوپر سے نیچے آیا، اور وہ کونسا ستارہ ہے جس کے نیچے آنے کی وجہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضالّ نہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غاوی نہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **نَاطِق عَنِ الْهَوٰی** نہیں جب تک ہم وہ ستارہ پیش نہ کریں ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کم ازکم اس اعتراض سے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے بچا نہیں سکتے۔

احادیثِ نبویہ میں آخری زمانہ کی خرابیوں کا ذکر

اس نقطہ نگاہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم احادیث کو دیکھتے ہیں تو ہمیں وہاں سے اس امر کے متعلق بعض معلومات میسر آتی ہیں چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میری اُمّت پر ایسا آنے والا ہے جب اسلام مٹ جائے گا اور اس کی ایسی حالت ہوجائیگی کہ لَایَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّااسْمُهٗ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا وَلَایَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّارَسْمُهٗ [9] اورقرآن کریم کی صرف تحریر باقی رہ جائیگی۔ اس کا مضمون لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائے گا۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تو صحابہ کرام گھبرائے اور انہوں نے کہا یارسول اللہ! اس کا علاج کیا ہے اُس وقت سلمان فارسی آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے ان پر ہاتھ رکھا اور فرمایا **لَوْكَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ اَوْ رَجُلٌ مِّنْ هٰٓؤُلَآءِ** [10]

کہ اگر ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تب بھی ان فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جو پھر آسمان سے ایمان اور قرآن کو واپس لے آئے گا۔

آسمانِ روحانی کے ایک ستارہ کی خبر

اس پیشگوئی میں آسمانِ روحانی کے ایک ستارہ کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس سے مراد وہ انسان ہے جو ثریّا سے ایمان کو واپس لائے گا۔قرآن کریم نے تو صرف اتنا بتایا تھا کہ آسمان سے ستارہ آئے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ جب دنیا ظلمت اور تاریکی میں مبتلاء ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ایک ایسے انسان کو مبعوث فرمائے گا جو ثریا سے ایمان کو واپس لے آئے گا، گویا ان معنوں کی رو سے اِذَاهَوٰی

تقلیبِ نسبت کا رنگ رکھے گا جیسے ہماری زبان میں عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ پرنالہ چلتا ہے، لیکن کیا کبھی پرنالہ چلتے کسی نے دیکھا ہے، پرنالہ نہیں چلتا پانی چلتا ہے۔ یا لوگ کہتے ہیں ناک بہتا ہے آنکھیں بہتی ہیں؟ کان بہتا ہے تو کیا واقعہ میں کان بہا کرتا ہے یا ناک بہتا ہے یا آنکھیں بہتی ہیں، آنکھوں میں سے پانی بہتا ہے، ناک میں سے پانی بہتا ہے، کان میں سے پانی بہتا ہے مگر کہا یہ جاتا ہے کہ آنکھ بہتی ہے یا ناک بہتا ہے یا کان بہتا ہے۔ یہ تقلیبِ نسبت ہوتی ہے یعنی ایک چیز کی جگہ بعض دفعہ دوسری چیز کا نام لے لیتے ہیں یا کہتے ہیں یہ چیز خدا نے میرے قریب کر دی اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اُس چیز کے قریب ہو گیا۔ اس نقطہ نگاہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس انسان کا ذکر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ **لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ اَوْ رَجُلٌ مِّنْ هٰٓؤُلَآءِ**

کہ اگر ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تو وہ شخص اسے واپس لے آئے گا، قرآن کریم نے تقلیبِ نسبت کے طور پر اُس کا ان الفاظ میں ذکر کر دیا ہے کہ ایک ستارہ اوپر سے نیچے آئے گا جیسے کان میں سوزش ہوتی ہے اور اُس کی وجہ سے رطوبت بہتی ہے تو ہم کہتے ہیں ہمارے کان بہتے ہیں حالانکہ کان نہیں بہہ رہے ہوتے، کانوں سے رطوبت بہہ رہی ہوتی ہے اسی طرح قرآن کریم نے تو یہ فرمایا کہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی آسمان سے ایک ستارہ آئے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تشریح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرستادہ آئے گا جو ایمان کو ثریّا سے واپس لے آئے گا اور پھر قلوب کو نورِ ایمان سے بھر دیگا۔

ایک شُبہ کا ازالہ

کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم قرآن کریم کے لفظوں کو کیوں نہ ترجیح دیں اور کیوں نہ یہ سمجھیں کہ کوئی ستارہ ہی آسمان سے گرے گا کسی خاص آدمی کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تشریح کر دی تو ہمارا فرض ہے کہ ہم قرآن کریم کے ان الفاظ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ روشنی میں دیکھیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک ایسا انسان آئے گا جو ثریا سے ایمان واپس لائے گا اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ وَالنَّجْمِ اذا هَوٰی پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معیّن رنگ میں ایک تشریح فرما دی تو اب ہمارا یہ حق نہیں کہ ہم اس تشریح کو نظر انداز کر دیں، ایسا کرنا ہمارے لئے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ مگر اس حدیث کے ایک اور معنے بھی ہو سکتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن کریم تو نجم کی نسبت

ھَوٰی کا لفظ استعمال فرماتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ مسیح ثریا کو زمین پر کھینچ لائے گا جو دشمنوں کے لئے ہلاکت اور دوستوں کے لئے ایمان لانے کا موجب ہوگا۔

شیاطین پر ہمیشہ شہابِ مبین گرا کرتا ہے

قرآن کریم میں یہ مضمون مختلف مقامات پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔سورۃ حجر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ [۱۱]

یعنی ہم نے اس دنیا میں ایک دینی نظام بھی قائم کیا ہؤا ہے جس طرح مادی آسمان میں تمہیں مختلف ستارے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح اس دینی نظام میں بھی ہم نے ستارے بنائے ہیں اور اسے ہر قسم کے شیطانوں کی دست بُرد سے بچایا ہے اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ مگر جب کبھی بے دین کی کوئی روح غالب آنے لگے تو آسمان سے ایک حقیقت ظاہر کرنے والا روشن ستارہ گرتا ہے جو جھوٹ کا پول کھول دیتا ہے اِسْتَرَقَ السَّمْعَ کے معنے عام طور پر یہ کئے جاتے ہیں کہ جو آسمان کی باتیں سنتا ہے حالانکہ آسمان کی باتیں سننے کا تو حکم ہے اور پھر وہ ہوتی ہی سنانے کے لئے ہیں، اس لئے اس کے یہ معنے نہیں ہو سکتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی دنیا میں خدا تعالیٰ کی باتوں کو بگاڑ کر پیش کیا جاتا ہے اور دنیا میں فساد واقعہ ہو جاتا ہے اُس وقت آسمان سے ایک ستارہ گرا کرتا ہے جو پھر صداقت کو دنیا میں قائم کر دیتا ہے اور بگڑی ہوئی مخلوق کو درست کر دیتا ہے۔

مجدّدین کی بعثت کی خبر

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کونسا ستارہ ہے جو اس موقع پر گرا کرتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیا تشریح کی ہے؟ اس غرض کے لئے جب ہم احادیث کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اُن میں یہ ارشاد نظر آتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا [۱۲]

یعنی میری امت کے لئے اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک ایسا شخص مبعوث فرمایا کرے گا جو امت کی خرابیوں کو دور کرے گا اور دین کا از سرِ نو احیاء کرے گا گویا جس چیز کو قرآن کریم نے شہاب مُبین قرار دیا ہے، اُس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روحانی انسان قرار دیا ہے۔قرآن کریم کہتا ہے کہ جب کبھی دنیا میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو

بگاڑ کر پیش کیا جاتا ہے اُس وقت آسمان سے ایک ستارہ گرا کرتا ہے جو مبین ہوتا ہے، یعنی چاروں طرف اس کے ظہور سے روشنی ہو جاتی ہے اور لوگوں پر دین کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ ایک ایسا آدمی میری امت میں مبعوث کیا کرے گا جو یُجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا دین کی خرابیوں کو دُور کرے گا اور اسلام کی تجدید کرے گا گویا وہی چیز جس کا نام قرآن کریم نے شہاب مبین رکھا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا نام مجدّد رکھا۔

ہر نبی ایک شہاب ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہاب مبین ہیں

اس تشریح کے ماتحت ہم کہہ سکتے ہیں کہ ”شہابِ مبین“ سے مراد ہمیشہ وقت کا نبی اور مجدّد ہوتا ہے جو شیطان کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اور دین کو ہر قسم کی رخنہ اندازیوں سے پاک کر دیتا ہے، لیکن اس نقطہ نگاہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کا ہر نبی ایک شہاب ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شہاب مبین بھی ہے کیونکہ وہ لوگ جو دین میں رخنہ اندازی کرتے ہیں ان کی ہلاکت اور بربادی کا وہ اس وقت موجب نہیں ہیں، یہ کام صرف وقت کا نبی یا مجدّد کر سکتا ہے اور یا پھر وہ نبی کر سکتا ہے جس کی نبوت قیامت تک زندہ ہو اور جس کی شریعت ہر زمانہ میں قابلِ عمل ہو۔ اس لحاظ سے گو ہر مجدّد اور ہر نبی ایک شہاب ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہابِ مبین ہیں، کیونکہ آپ صرف نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النّبیّٖن بھی ہیں اور آپ کی نبوت قیامت تک زندہ ہے۔ اب جو شخص بھی دین کے احیاء کے لئے مبعوث ہو گا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہو گا، آپ سے الگ ہو کر اور آپ کی غلامی سے انکار کرتے ہوئے کوئی شخص اس منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

آسمانی باتیں سننے کے معنے

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے تو یہ فرمایا ہے کہ جب کوئی میری باتیں سنتا ہے یا آسمان کی باتیں سنتا ہے تو اس پر ایک شہاب گرتا ہے جو اُسے تباہ کر دیتا ہے، حالانکہ قرآن کریم نے ہی آسمانی باتوں کے سننے کا ہم کو حکم دیا ہے پھر یہ کہنا کہ جو آسمانی باتیں سنتا ہے اس پر ستارہ گرتا ہے ایک بے معنی سی بات ہو جاتی ہے۔ اس سوال کے متعلق یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں خالی آسمان کی باتیں سننے کا ذکر نہیں بلکہ اِسْتَرَقَ السَّمْعَ کا ذکر ہے اِسْتَرَقَ ، سَرَقَ سے نکلا ہے

جس کے معنے چوری کے ہوتے ہیں اور اِسۡتَرَقَ السَّمۡعَ کے معنے چوری چُھپے سننے کے ہیں۔ پس اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ وہ شخص جو الٰہی جماعت میں داخل ہو کر اس کے کلام کو کُھلے بندوں سنتا ہے، جماعتِ حقّہ میں اپنے آپ کو شامل کر لیتا ہے اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ دین کی اشاعت کرے اور بھولے بھٹکوں کو راہِ راست پر لائے وہ اللہ تعالیٰ کی تائید سے حصہ لیتا ہے لیکن وہ لوگ جن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی باتوں کو سننے کے بعد انہیں بگاڑ کر پیش کریں اور لوگوں کو دھوکا اور فریب میں مبتلاء کریں یا وہ منافق جو اس لئے کسی سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں کہ اُس مشن کو نقصان پہنچائیں اور آسمانی کلام کے اُلٹ پُلٹ معنے کر کے لوگوں میں بے ایمانی پیدا کریں، ان کے لئے آسمان سے ہمیشہ ایک شہاب گِرا کرتا ہے، ایسے لوگ جب بھی کسی فتنہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کا فتنہ ایسا رنگ اختیار کر لیتا ہے جو دین کے لئے ضُعف کا موجب ہو تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کسی مأمور یا مصلح یا مجدّدِ وقت کو ان کی بیخ کنی کے لئے کھڑا کر دیتا ہے جو شہاب بن کر ان پر گرتا ہے اور منافقت' کفر و ارتداد کے خیالات کا قلع قمع کر دیتا ہے۔

شرارتوں کا قلع قمع کرنے کے لئے آسمانی تدبیر

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ جن میں بھی بیان فرمایا ہے وہ فرماتا ہے۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ فَمَنۡ يَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ يَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا [۱۳]

یعنی اس سے پہلے تو ہم آسمان سے سننے کی جگہوں پر بیٹھا کرتے تھے مگر اب تو جو شخص بھی آسمان کی باتیں سننے کے لئے جاتا ہے اس پر آسمان سے ایک ستارہ گرتا ہے۔

یہاں بھی وہی مضمون بیان کیا گیا ہے جو اس سے پہلی آیات میں بیان کیا جا چکا ہے یعنی جب شرارت کرنے والے دین کی باتیں بگاڑ کر پیش کرتے ہیں اور لوگوں کو غلط فہمیوں میں مبتلاء کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی شرارتوں کے انسداد کے لئے آسمان سے ایک نور نازل کرتا ہے مسلمانوں نے غلطی سے ان آیات کا یہ مفہوم سمجھ لیا ہے کہ شیطان آسمان پر جاتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی باتیں سُن لیتا ہے، حالانکہ قرآن کریم نے متعدد مقامات میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ شیطان آسمان کی باتیں سُن نہیں سکتا اس نے یہاں تک کہا ہے کہ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ [۱۴]

شیطان آسمانی کلام کے سننے کی طاقت ہی نہیں رکھتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے انہیں ان باتوں کے سننے سے محروم کیا ہوا ہے، اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ يَّسۡتَمِعُوۡنَ فِيهِ فَلۡيَاۡتِ مُسۡتَمِعُهُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ** [۱۵]

کیا ان کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس کے ذریعہ سے وہ آسمان پر جا کر خدا تعالیٰ کی باتیں سُن سکتے ہیں، اگر ان میں کوئی اس امر کا مدعی ہے کہ وہ آسمان پر گیا اور اس نے خدا تعالیٰ کی باتیں سنیں تو وہ اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرے۔

کُفّار اور منافقین کی عادت

ان آیات سے ظاہر ہے کہ آسمان پر جا کر باتیں سننا تو الگ رہا وہاں تک کسی کے جانے کی اہلیت بھی قرآن کریم نے تسلیم نہیں کی۔ پس درحقیقت اس جگہ آسمانی باتیں سننے کے معنے یہ ہیں کہ کُفّار اور منافقین کی عادت یہ ہے کہ وہ سچے دین کی باتوں کو اس نقطہ نگاہ سے سنتے ہیں اور اس لئے ان کو سیکھتے ہیں کہ وہ ان سے نئے نئے اعتراض پیدا کریں گے اور ان میں اپنی طرف سے جھوٹ ملا کر لوگوں کو بَرانگیختہ کریں گے۔ یہ معنے نہیں کہ وہ عرش پر جا کر اللہ تعالیٰ کی باتوں کو سُن لیتے ہیں، خدا تو خدا ہے اس دنیا کے معمولی معمولی بادشاہوں کے پاس پھٹکنے کی بھی لوگوں میں طاقت نہیں ہوتی اور وہ ان کے قُرب میں جانے سے گھبراتے اور لرزتے ہیں، مگر عجیب بات یہ ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیطان آسمان پر جاتا ہے اور وہ مَلَاءِ اعلیٰ اور جبرائیل اور عرش کی باتوں کو سُن کر زمین پر آ جاتا ہے **لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ**۔ شیطان کی طاقت ہی کہاں ہے کہ وہ آسمان کی کوئی بات سُن سکے، ہاں وہ لوگ جو شیطان کے مثیل ہوتے ہیں جنہوں نے ابلیسی جامہ زیبِ تَن کیا ہوا ہوتا ہے وہ بے شک آسمان کی باتیں سنتے ہیں اور انہیں ایسے رنگ میں بگاڑ کر پیش کرتے ہیں کہ دنیا میں ایک فتنہ برپا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو اس زمانہ کا پادری وہیری قرآن کریم پڑھتا ہے وہ ایک مولوی کو ملازم رکھتا ہے، اس سے قرآنی تعلیم حاصل کرتا ہے اور پھر لدھیانہ میں بیس سال تک کام کرتا ہے اور اس عرصہ میں قرآن کریم کی ایک تفسیر شائع کرتا ہے، وہ اس کا نام تفسیرِ قرآن رکھتا ہے مگر اُسے پڑھا جائے تو وہ اسلام کے خلاف ہر قسم کے اعتراضات سے بھری ہوئی ہے۔ قرآن کریم ایک آسمانی کتاب ہے زمینی نہیں، قرآن کریم سننے کے لئے انسان کو آسمان کی طرف کان رکھنا پڑتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس لئے آسمان کی طرف کان رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آواز کو سنیں اور اُس پر عمل کریں۔ اور شیطان اس لئے کان

رکھتے ہیں کہ آسمانی باتوں کو سنیں اوران پر اعتراض کریں۔ فرماتا ہے جب بھی ایسے لوگ دنیا میں پیدا ہو جائیں گے جو دین پر اعتراض کرنے والے ہوں اور ان کی وجہ سے مذہب میں کئی خرابیاں واقع ہو جائیں اور دلوں میں گندے خیالات ڈیرا جمالیں تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک ستارہ بھیجے گا جو ظلمت کو دور کر دے گا اور پھر لوگوں کے دلوں میں ایمان اور اخلاص پیدا کرے گا۔

عالَمِ روحانی کے کواکب

اسی طرح سورہ الصّٰفّٰت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَۃِ نِالۡکَوَاکِبِ وَحِفۡظاً مِّنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ - لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی وَیُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ کُلِّ جَانِبٍ - دُحُوۡرًا وَّلَھُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ - اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَۃَ فَاَتۡبَعَہٗ شِھَابٌ ثَاقِبٌ[۱۶]

فرماتا ہے ہم نے دُنیوی آسمان کو ستاروں سے مزیّن کیا ہے تا کہ ہر شیطان جس کو اللہ تعالیٰ روکنا چاہتا ہے، اس کے حملہ سے محفوظ رکھے وہ ملاءِ اعلیٰ کی بات نہیں سن سکتے، ان پر ہر طرف سے پتھراؤ ہوتا ہے اور اس کے علاوہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم رہنے والا عذاب ملے گا۔ اس کے بعد فرماتا ہے وہ آسمان کی کوئی بات سُن تو نہیں سکتے لیکن اگر کوئی بات اُچک کر لے جائیں تو ان کے پیچھے ایک چمکتا ہوٗا شہاب جاتا ہے اور انہیں تباہ کر دیتا ہے۔

مادی اور روحانی نظام میں شدید مشابہت

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اس جگہ کواکب سے ظاہری ستارے اور سورج وغیرہ مراد نہیں بلکہ عالَمِ رُوحانی کے کواکب مراد ہیں جن سے دینی نظام کو مزّین کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں دو نظام پائے جاتے ہیں ایک روحانی نظام ہے اور ایک مادی۔ اور ان دونوں نظاموں میں ایک شدید مشابہت پائی جاتی ہے جس طرح زمین کے رہنے والوں کو اپنے سروں پر ایک آسمان نظر آتا ہے اور اس میں ستاروں کا ایک نظام موجود ہے جو اپنے اپنے دائرہ میں کام کر رہے ہیں اور اس نظام کو بدلنے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا اسی طرح روحانی نظام بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کیا ہوٗا ہے اور جسمانی نظام کی طرح وہ بھی کئی طبقوں میں منقسم ہے اوپر کے طبقے تو محفوظ ہی ہیں السَّمَآءَ الدُّنۡیَا جس میں شرارت کا امکان ہوسکتا تھا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے بھی ہم نے ستاروں سے مزیّن کیا ہے اور اس کے ذریعہ اس آسمان کی حفاظت کی ہے۔ ستارے اور چاند جو اس مادی دنیا

میں ہمیں دکھائی دیتے ہیں یہ نہ تو گرتے ہیں اور نہ ان کے ذریعہ ایسی کوئی تباہی آتی ہے جو شیاطین کے لئے ہلاکت کا موجب ہوتی ہو۔ اس جگہ جن ستاروں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے خدا تعالیٰ کے نبی، مجدّد اور نیک بندے مراد ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن سے روحانی آسمان کی زینت ہے۔ یہ لوگ اس لئے کھڑے کئے جاتے ہیں کہ جب شیاطین اس روحانی نظام میں رخنہ ڈالیں تو وہ ان کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور انہیں اپنی کوششوں میں ناکام کر دیں۔ آدمؑ سے لے کر اب تک کبھی بھی ظلمت کا کوئی دَور ایسا نہیں آیا جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے رُشد اور ہدایت کے لئے کوئی مأمور نہ آیا ہو۔

ایک معزّز وکیل سے گفتگو

ابھی گزشتہ دنوں مَیں سندھ میں تھا کہ وہاں ایک وکیل مجھ سے ملنے کے لئے آئے، وہ پُرانے شاہی خاندان میں سے تھے۔ باتوں باتوں میں مَیں نے ان سے پوچھا کہ آپ کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مَیں نوے فیصدی خاکسار ہوں۔ مَیں نے کہا نوے فیصدی کس طرح؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ خاکساروں کی باتیں تو میں ٹھیک سمجھتا ہوں لیکن لیڈر پر مجھے بدظنی ہے اس لئے دس فیصدی کی گنجائش میں نے رکھ لی ہے۔ پھر مَیں نے ان سے کہا کہ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ آدمؑ سے لے کر اب تک دنیا میں جب کبھی خرابی پیدا ہوتی رہی ہے کیا اس کا ازالہ کبھی کسی دُنیوی لیڈر نے کیا ہے؟ مَیں نے کہا آج ہر جگہ مسلمانوں کی حالت خراب ہے آپ ایک مثال ہی مجھے بتا دیں کہ دنیا میں کبھی ایسی خرابی پیدا ہوئی ہو اور اس کے دُور کرنے کے لئے کوئی انجمن قائم کی گئی ہو اور وہ کامیاب رہی ہو یا کسی خودساختہ لیڈر نے اس کو دُور کر دیا ہو۔ آخر ہزاروں سال کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، آپ بتائیں کہ مثلاً نوحؑ کے زمانہ میں خرابی پیدا ہوئی اور اُس وقت فلاں مجلس کی طرف سے فلاں لیڈر کھڑا کیا گیا اور اس نے اس خرابی کو دُور کر دیا، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں خرابی پیدا ہوئی اور اسے فلاں فلاں دُنیوی لیڈر نے مٹا دیا۔ قرآن کریم جہاں بھی مثال دیتا ہے مأمور کی دیتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے ایک مأمور بھیجا اور اُس نے دنیا کی اصلاح کی۔ اگر اس کے خلاف کوئی مثال ہو تو آپ پیش کریں۔ کہنے لگے مثال تو کوئی نہیں، مَیں نے کہا لوگ خواہ کتنی ٹکریں ماریں جب بھی عالمگیر خرابی پیدا ہوگی اس کا مداوا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوگا۔ دنیا کی تدبیروں سے دنیا ٹھیک ہو سکتی ہے، حکومتیں بن سکتی ہیں، تعلیمی ترقی حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن مذہب کی طرف منسوب کئے

ہوئے غلط خیالات تبھی دُور ہو سکتے ہیں جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مأ مور مبعوث ہو۔ علماء یہ کام نہیں کر سکتے وہ لوگوں کے مقابلہ سے ڈرتے ہیں ان میں یہ جرأت ہی نہیں ہوتی کہ وہ کسی ایک مسئلہ ہی کو منوا سکیں، کُجا یہ کہ سر سے لے کر پیر تک خرابی واقع ہو چکی اور پھر یہ خیال کیا جائے کہ کوئی عالم یا صوفی یا گدّی نشین اس خرابی کو دُور کر دے گا۔ اب تک خدا تعالیٰ کا یہی طریق نظر آتا ہے کہ اس نے ہمیشہ اپنی طرف سے کسی کو مبعوث کیا اور وہ دنیا کی راہنمائی اور ہدایت کا موجب بنا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایسی عالمگیر خرابی کے زمانہ میں خدا ہر شخص کے کان میں آ کر کہے کہ تیرے اندر یہ یہ نقص پایا جاتا ہے۔ اس کا طریق یہی ہے کہ وہ ایک مأ مور مبعوث فرماتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ کچھ لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور پھر ان کی تبلیغ کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ اور آدمی اس سلسلہ میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ عمارت کا کوئی ایک حصہ خراب ہو تو اس کی مرمت کی جا سکتی ہے، لیکن جب چھت میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے دیواروں میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے، فرش میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے، الماریوں میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے، دروازوں میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے تو اُس وقت اس کی اصلاح کسی ایسے شخص کے ذریعہ ہی کی جا سکتی ہے جو پورا انجینئر ہو۔

عالمگیر خرابی واقع ہونے پر خدائی سنّت

غرض قرآن کریم بار بار اس مضمون کو بیان فرماتا ہے کہ جب کبھی دنیا میں خرابی واقع ہوتی ہے آسمان سے ایک ستارہ گرتا ہے فرماتا ہے **وَالنَّجْمِ اِذَاهَوٰی مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰی**

ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں ایک ستارہ کو پیش کرتے ہیں جب وہ ستارہ گرے گا دنیا پر ثابت ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ضالّ ہیں نہ غَاوِی اور نہ نَاطِقُ عَنِ الْھَوٰی ہیں بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔

پیشگوئیوں میں استعارات کا استعمال

قرآن کریم ایک الہامی کتاب ہے اور الہامی زبان میں نازل ہوئی ہے مگر مسلمانوں کو یہ ایک عجیب غلطی لگی ہوئی ہے کہ وہ الہامی باتوں کا ترجمہ اپنی زبانوں میں کرتے ہیں حالانکہ وہ باتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں یا موسیٰ علیہ السلام کہیں یا عیسیٰ علیہ السلام

کہیں بہر حال جب بھی وہ آئندہ کے متعلق کوئی بات کہیں گے پیشگوئی ہی ہو گی اور پیشگوئی تمثیلی رنگ میں ہؤا کرتی ہے دکھایا اَور شکل میں جاتا ہے اور ظاہر اَور شکل میں ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیا میں انگوروں کا ایک خوشہ دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ ابوجہل کے لئے ہے۔ آپ نے یہ رؤیا دیکھی تو گھبرا کر آپ کی آنکھ کُھل گئی کہ ابوجہل کے لئے جنت سے انگوروں کا خوشہ آنے کے کیا معنے ہیں؟ مگر بعد میں جب اس کا بیٹا عکرمہؓ مسلمان ہو گیا تب اس خواب کی حقیقت آپ پر ظاہر ہوئی اور آپ نے فرمایا ابوجہل کے لئے جنت کے انگوروں کا خوشہ بھجوانے کی تعبیر یہ تھی کہ اس کا بیٹا مسلمان ہو جائے گا۔ آپ کو دکھایا گیا کہ آپ ایک مقام کی طرف ہجرت کریں گے جہاں کثرت سے کھجوروں کے درخت ہوں گے آپ کا ذہن نخلہ مقام کی طرف گیا کہ غالبًا وہاں ہجرت مقدر ہے اسی لئے آپ طائف بھی تشریف لے گئے تھے مگر وہاں کے لوگوں نے آپ کی شدید مخالفت کی پتھروں سے آپ زخمی ہوئے اور کوئی شخص آپ کے دعویٰ پر غور کرنے کے لئے تیار نہ ہؤا۔ یا مثلاً ایک صحابیؓ کے ہاتھ میں آپ نے کسریٰ شاہِ ایران کے کنگن دیکھے جس کی تعبیر یہ تھی کہ کسریٰ کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونے والی ہے مگر دکھایا یہ گیا کہ کسریٰ کے کنگن ایک شخص نے پہنے ہوئے ہیں۔

اسی طرح آپ نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں خزائنُ الْاَرْض کی چابیاں دی گئی ہیں، مگر یہ چابیاں آپ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئیں۔

پھر آپ کو بتایا گیا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں میں سے سب سے پہلے لمبے ہاتھوں والی بیوی فوت ہوگی۔ آپ کی بیویوں نے یہ بات سُنی تو انہوں نے فوراً اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے کہ دیکھیں سب سے لمبے ہاتھ کس کے ہیں؟ انہیں معلوم ہؤا کہ سب سے لمبے ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہیں مگر جب وفات ہوئی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہوئی تب معلوم ہؤا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد ظاہری ہاتھوں کی لمبائی نہیں تھی بلکہ یہ سخاوت کی طرف اشارہ تھا۔ عربی محاورہ کے مطابق جب کسی کو لمبے ہاتھ والا کہا جائے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ بہت بڑا سخی ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا چونکہ تمام بیویوں میں سے سب سے زیادہ سخی تھیں اس لئے پیشگوئی کے مطابق سب سے پہلے انہی کا انتقال ہؤا۔

علم تعبیر الرؤیا کے رو سے ثریّا کا مفہوم

اسی طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا

لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ هٰؤُلَآءِ

توایمان کسی تھیلی کا نام نہیں تھا جو ثریّا سے لٹکی ہوئی ہو یا ثریا کوئی بنک کی والٹ (VAULT) نہیں تھا جس میں ایمان کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔ بہر حال یہ ایک تمثیلی کلام تھا اور اس لفظ کا استعمال استعارہ کے رنگ میں ہوًا تھا پس ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر خواب میں کوئی ثریّا دیکھے تو اس کی کیا تعبیر ہوًا کرتی ہے۔ اس غرض کے لئے جب ہم تعطیر الانام کو دیکھتے ہیں جو الشیخ عبدالغنی النابلسی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور علم تعبیر الرؤیا کی نہایت معتبر اسلامی کتاب ہے تو اس میں ہمیں یہ لکھاہوًا نظر آتا ہے کہ هِیَ فِی الْمَنَامِ رَجُلٌ حَازِمٌ فِی الْاُمُوْرِ [۱۷] یعنی ثریا سے مراد ایسا آدمی ہوتا ہے جو اپنے تمام کام نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ سرانجام دینے والا ہو۔ اسی طرح ابن سیرین جو مشہور تابعی گزرے ہیں اپنی کتاب ''منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام'' میں لکھتے ہیں کہ هُوَ رَجُلٌ حَازِمُ الرَّأْیِ یَرَی الْاُمُوْرَ فِی الْمُسْتَقْبِلِ [۱۸]

یعنی ثریّا سے مراد ایسا انسان ہوتا ہے جو نہایت پختہ اور صحیح رائے رکھنے والا ہو، اور آئندہ زمانہ میں رونما ہونے والے واقعات کو بھی اپنی روحانی بصیرت سے دیکھ لیتا ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی افاضہ کے نتیجہ میں مسیح موعودؑ کا ظہور

ان معنوں کے لحاظ سے ثریّا سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے اُن تمام فرائض کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے سُپرد کئے گئے تھے انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیا اور ہمیشہ کامیابیوں اور کامرانیوں نے آپ کے قدم چومے۔ لیکن چونکہ آپ نے ہمیشہ زندہ نہیں رہنا تھا اور زمانۂ نبوت سے بُعد کی وجہ سے لوگوں نے کئی قسم کی خرابیوں میں مبتلاء ہو جانا تھا جن کو دُور کرنے کے لئے کسی آسمانی راہنما کی ضرورت تھی اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ اگر کسی وقت ایمان سمٹ کر ثریّا تک بھی چلا گیا یعنی دنیا میں گمراہی پھیل گئی اور ایمان صرف آپؐ کی ذات تک محدود رہ گیا تو اُس وقت پھر اللہ تعالیٰ آپ کے روحانی افاضہ کے نتیجہ میں ایک ایسا انسان مبعوث فرمائے گا جو آپ سے فیض اور برکت پا کر ایمان دنیا میں قائم کر دے گا اور کفر کی تاریکیوں کو پھاڑ دے گا یہی وجہ ہے کہ مسیح موعود کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل شاگرد ہونے کی وجہ سے ثریّا قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس نے بھی ظلمت کو دُور کرنا تھا اور اسلام کا نور دنیا میں پھیلانا تھا چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کو النّجم کہا ہے جس

کے معنے ثریّا کے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے ہیں کہ **اصحابی کالنّجوم**[19] میرے سب صحابہ نجوم کی مانند ہیں، پس اس حدیث نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ مسیح موعود بھی صحابہ میں سے ہوگا اور وہ بھی آپ کے شاگردوں اور غلاموں میں شامل ہوگا۔

تمام اہم امور کا فیصلہ آسمان پر ہوتا ہے

اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے مطابق تمام بڑے اور اہم کام آسمان سے ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی بڑا تغیر رونما ہونے والا ہوتا ہے تو اس کے متعلق پہلا فیصلہ آسمان پر ہوتا ہے اور اس کے بعد اس کا زمین پر ظہور ہوتا ہے۔ حدیثوں میں صاف طور پر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کوئی بڑا کام کرنا ہوتا ہے تو پہلے وہ اپنے مقرب فرشتوں کو بتاتا ہے کہ میرا یہ ارادہ ہے۔ وہ فرشتے اپنے سے نچلے طبقہ کے فرشتوں کو اطلاع دیتے ہیں وہ اپنے سے نچلے طبقہ کے فرشتوں کو اطلاع دیتے ہیں یہاں تک کہ ہوتے ہوتے اُس کا دنیا میں ظہور شروع ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کے متعلق چاہتا ہے اُس کی مقبولیت کو دنیا میں پھیلا دیتا ہے۔[20] غرض جتنے بڑے کام ہوتے ہیں سب آسمان پر ہوتے ہیں زمین پر نہیں ہوتے۔ صرف زمین پر تغیرات ہونے کا عقیدہ ان لوگوں کا ہے جو دہریہ ہیں ورنہ خدا تعالیٰ کے ماننے والے تو جانتے ہیں کہ ہر بات کا فیصلہ پہلے آسمان پر ہوتا ہے اور پھر اس کا زمین پر ظہور ہوتا ہے گویا اگر ہم تمثیلی زبان اختیار کریں اور دنیا کو ایک تھیٹر کا ہال سمجھ لیں تو ڈرامہ آسمان پر لکھا جاتا ہے اور کھیل دنیا کے پردہ پر کھیلا جاتا ہے جب تک آسمان پر کوئی ڈرامہ نہیں لکھا جاتا زمین پر وہ کھیل نہیں کھیلی جاتی۔

محمد ؐرسول اللہ اور مسیح موعودؑ بھی آسمان سے ہی نازل ہوئے ہیں

میں سمجھتا ہوں اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمانوں کو غلطی لگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آنے والا مسیح آسمان سے اُترے گا[21] اور قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ وَالنَّجْمِ اِذَاھَوٰی ایک ستارہ آسمان سے اُترے گا اور ظلمت کا قلع قمع کر دے گا۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے ہم بھی اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِس زمانہ میں جو اعتراضات ہوئے اُن کو دُور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے آسمان سے مسیح موعودؑ کو بھیجا، کیونکہ وہ شخص جو دنیا میں اپنے ماں باپ کے گھر پیدا ہؤا وہ مرزا غلام احمد قادیانی تھا مسیح موعود نہیں تھا جب وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو

خدا تعالیٰ نے اسے مسیح موعود بنا دیا اور تب وہ گویا آسمان سے نازل ہوا۔ اسی طرح عرب کی سرزمین میں آمنہ کے گھر میں پیدا ہونے والا محمدؐ تھا لیکن محمد رسول اللہ آسمان سے ہی آیا چنانچہ قرآن کریم اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ [۲۲]

یہ آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتی اور آپ کے آسمان سے نازل ہونے کو ظاہر کرتی ہے اگر مسیح پیدا ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کے ماں باپ بھی اپنے اندر مسیحی صفات رکھتے۔ اور اگر آمنہ کے گھر میں خاتم النّبیّن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتا تو ضروری تھا کہ منصبِ رسالت سے تعلق رکھنے والے علوم آمنہ میں بھی پائے جاتے، انہوں نے اپنے بیٹے کا نام محمدؐ رکھا اور خدا تعالیٰ نے چالیس سال کے بعد اسی محمدؐ کو ایک دوسرا روحانی جُبّہ پہنا کر رسول اللہ اور خاتم النّبیّن بنا دیا اور اس طرح گویا اُن کو آسمان سے نازل فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزا غلام احمد جو قادیان کے رہنے والے تھے اُن کی یہ حیثیت ہی نہیں تھی کہ وہ دنیا میں کوئی روحانی انقلاب پیدا کر سکتے۔ نہ مکہ یا ازہر کا کوئی عالم اتنے بڑے بگاڑ کے وقت یہ کام کرسکتا تھا یہ کام محض آسمان سے اُترنے والے کیا کرتے ہیں اور مسیح موعود زمین پر نہیں بنا بلکہ آسمان سے اُترا۔ ماں باپ نے آپ کا نام غلام احمد رکھا لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کا نام مسیح اور مہدی رکھا اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آسمان سے مسیح موعود نازل ہؤا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آسمان سے مہدی معہود اُترا۔

الطَّارِق اور النَّجْمُ الثَّاقِب میں مسیح موعود کی پیشگوئی

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ بھی بیان فرمایا ہے وہ فرماتا ہے وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَاالطَّارِقُ۔ النَّجْمُ الثَّاقِبُ [۲۳]

یعنی ہم شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں رات کے آنے والے کو اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ رات کو آنیوالا کون ہے؟ وہ ایک چمکنے والا ستارہ ہے نجم کے معنے عام ستارہ کے بھی ہیں اور ثریا کے بھی ہیں پس اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک ظلمت اور تاریکی کا زمانہ اسلام پر آنے والا ہے۔ اُس وقت ایک رات کو آنے والا آئے گا اور لوگوں کے دروازہ پر دستک دے گا کہ میں تمہیں بچانے کے لئے آ گیا ہوں۔ اب دیکھو یہ دستک دینے والا کوئی آدمی ہی ہوگا ورنہ

آسمانی ستارہ کو ہم طارق نہیں کہہ سکتے۔

پس اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ میں مہدی معہود کی خبر دی گئی ہے جس کا نور مؤمنوں کے لئے برکت اور زندگی کا موجب ہوگا اور اس کی چوٹ دشمنوں کے لئے مُہلک ہوگی۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ نجم ثاقب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک زندہ نشان ہوگا گویا یہ الزام جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگایا جاتا ہے کہ آپ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ضَالّ ہیں، غَاوِی ہیں نَاطِقُ عَنِ الْھَوٰی ہیں اس کو دُور کرنے کے لئے ایک ستارہ اُترے گا اور اس کا اُترنا ثبوت ہوگا اس بات کا کہ آپ ضالّ نہیں غَاوِیْ نہیں، نَاطِقُ عَنِ الْھَوٰی نہیں۔

صداقت معلوم کرنے کا ایک اہم اصول

یہ ثبوت کیونکر ہوگا، اس کے لئے ایک موٹی بات جو ہر شخص سمجھ سکتا ہے یہ ہے کہ کوئی جھوٹا آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو تعلیم مَیں پیش کر رہا ہوں اس میں جب کبھی رخنہ واقع ہو گا اُس وقت کوئی اور آدمی پیدا ہو جائے گا جو میرے کام کو سنبھال لے گا۔ یہ اتنی نمایاں بات ہے کہ عیسائی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی سختی سے اعتراضات کرنے کے عادی ہیں وہ بھی اس بات پر قائم ہیں کہ کسی نبی کی صداقت کی علامت ہی یہ ہوتی ہے کہ اس کی کسی اور نبی نے خبر دی ہو اور اس نے اپنے بعد کسی اور نبی کے ظہور کی پیشگوئی کی ہو۔

عیسائیوں کی دو غلطیاں

اب جہاں تک اس اصول کا تعلق ہے ان کی یہ بات تو سچی ہے مگر وہ اس بات کو پیش کرتے وقت دو غلطیاں کرتے ہیں۔

اوّل تو یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی آسمانی وجود کی خبر نہیں دی اور اس طرح یہ بات ان کی صداقت کو ردّ کر دیتی ہے حالانکہ قرآن کریم نے متواتر اس مضمون کو بیان کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہی یہ ہے کہ جب بھی ان کے دین پر حملہ ہوگا آسمان سے ایک ستارہ گرے گا جو حملہ آور کو مٹا کر یہ ثابت کر دیگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضَالّ، غَاوِی اور نَاطِقُ عَنِ الْھَوٰی نہیں۔

دوسرے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پہلی کتب میں کوئی پیشگوئی نہیں پائی جاتی وہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو مسیح علیہ السلام سے دس گنا پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں لیکن میں کہتا ہوں اگر انہی کی بات مان لی جائے کہ وہی شخص سچا ہوتا ہے جس کے ظہور کی پہلے کسی نے خبر دی ہو تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ ملاکی نبی نے اس کے متعلق پیشگوئی کی۔ ہم کہیں گے ملاکی کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے متعلق پیشگوئی کی ہے۔ ہم کہیں گے داؤد علیہ السلام کو تم کیوں سچا سمجھتے ہوں؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے اس کے متعلق پیشگوئی کی تھی۔ ہم کہیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تم کیوں سچے سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے متعلق پیشگوئی کی تھی۔ ہم کہیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے متعلق پیشگوئی کی تھی۔ ہم کہیں گے کہ نوح علیہ السلام کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس کے متعلق پیشگوئی کی تھی۔ ہم کہیں گے کہ آدمؑ کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ آدمؑ کی تو کسی نے پیشگوئی نہیں کی اور جب اس اصول کے مطابق آدمؑ جھوٹا ہو گیا تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ نوح بھی جھوٹا ہو گیا، ابراہیم بھی جھوٹا ہو گیا، موسیٰ بھی جھوٹا ہو گیا، داؤد بھی جھوٹا ہو گیا، ملاکی بھی جھوٹا ہو گیا اور عیسیٰؑ بھی جھوٹا ہو گیا۔ غرض اوپر چلو تب بھی عیسائیوں کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق جھوٹے ثابت ہوتے ہیں اور نیچے اُترو تب بھی عیسائیوں کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق وہ جھوٹے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مسیح آخری منجّی تھا جس نے اپنے بعد کسی اور کے ظہور کی خبر نہیں دی۔

غرض غلطی سے انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی مجددِ دین اور مأمور کی خبر نہیں دی۔ لیکن اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ان کی بات درست ہے سوائے اس کے کہ جس سے سلسلہ نبوت کا آغاز ہو اس کی کوئی خبر دے ہی نہیں سکتا اور جو قیامت کے قریب آئے گا وہ کسی بعد میں آنے والے کی خبر نہیں دے سکتا۔ لیکن بہرحال جب بھی کوئی مأمور آئے گا یہ یقینی بات ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی خرابی کو دُور کرے گا اس کے بعد اگر کسی اور زمانہ میں نئی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو پھر دنیا کو ایک نئے مأمور کی ضرورت محسوس ہو گی اور یہ سلسلہ آدمؑ سے لے کر اِس وقت تک جاری رہا۔

تاریکی کے ہر دَور میں اسلام کے احیاء کی خبر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ جب بھی اسلام پر تاریکی کا کوئی دَور آئے گا اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا آدمی کھڑا کیا جائے گا جو دوبارہ اسلام کو اپنی بنیادوں پر قائم کرے گا اور یہ ثبوت ہو گا اِس بات کا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضالّ نہیں کیونکہ کوئی ضالّ ہزار بارہ سَو سال

کے بعد اپنے لئے ہمدرد پیدا نہیں کر سکتا اور کوئی شخص یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ کہہ سکے کہ جب بھی میرے مشن کو نقصان پہنچے گا خواہ کسی زمانہ میں پہنچے اور خواہ دنیا کے کسی علاقہ میں پہنچے اُس وقت آسمان سے ایک ایسا آدمی بھیجا جائے گا جو اس فتنہ کو دُور کر دیگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہؤا ہے کہ:-

''موت کے بعد مَیں پھر تجھے حیات بخشوں گا'' [۲۴]

یعنی جب کبھی آپ کے مشن کو کوئی نقصان پہنچنے والا ہوگا خدا تعالیٰ اُس کی زندگی کے پھر سامان پیدا کر دے گا۔

آئندہ زمانوں میں پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا فائدہ

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر یہ پیشگوئی اتنے عرصے کے بعد پوری بھی ہوئی تو اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ملا؟ میں ایسے نادانوں سے کہتا ہوں کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف مکہ کے لئے تھے؟ کیا اس زمانہ کے لوگ آپ کی امت میں شامل نہیں تھے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک زندہ نبی ہیں اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے ہیں اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی پیشگوئیاں ہر زمانہ میں پوری ہوتیں تا کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے ایمانوں کو تازہ کر سکتے اور انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک زندہ اور تازہ ایمان میسّر آتا۔ پس یہ کہنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے کیا ملا۔ محض نادانی ہے اس پیشگوئی نے پورا ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو روشن کر دیا اب اگر کوئی یہودی اور عیسائی آپ پر اعتراض کرتا ہے تو ہم ان پیشگوئیوں کو اس کے سامنے رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو! یہ وہ پیشگوئیاں تھیں جن کے مطابق اِس زمانہ میں ایک شخص مبعوث ہؤا اور اُس نے کہا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت اور اس کی اشاعت کے لئے مبعوث ہؤا ہوں اب اگر کوئی اسلام کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک شخص کا عین وقت پر اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو منجدھار سے نکالنے کے لئے آجانا اس بات کا ثبوت نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے، یقیناً کوئی جھوٹا آدمی اس قسم کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

سابق الہامی کتب کی پیشگوئیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہیں

قرآن کریم نے بھی اس دلیل کو لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تو موسیٰ کے وقت میں تھا کہ تو نے جھوٹے طور پر اپنے متعلق تورات میں بشارت لکھوا دی۔ یا تو عیسیٰؑ کے وقت میں تھا کہ تو نے ان سے کہہ کر اپنے متعلق انجیل میں پیشگوئیاں درج کروالیں۔ ان پیشگوئیوں کا پہلی الہامی کتب میں پایا جانا اور پھر ان پیشگوئیوں کے عین مطابق ایک شخص کا دنیا میں ظاہر ہونا بتاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے تمام انبیاء آپ کے مُصَدِّق تھے کیونکہ انہوں نے اپنی کتب میں آپ کے متعلق پیشگوئیاں کی تھیں۔

شَدِیدُ الْقُویٰ ہستی کی طرف سے قرآن کریم کا نزول

دوسری بات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک واضح اور روشن دلیل ہے وہ یہ ہے کہ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قرآن ملا ہے وہ ایک زبردست طاقتوں والے خدا کی طرف سے ملا ہے یہ سیدھی بات ہے کہ پیغام کی اہمیت کا تعلق پیغام بھجوانے والے کے ساتھ ہوتا ہے اگر پیغام بھجوانے والا کمزور ہو تو وہ اپنے پیغامبر کی حفاظت نہیں کر سکے گا اور اگر پیغام بھجوانے والا طاقتور ہو تو اس کے پیغامبر کو کوئی شخص چھیڑنے کی طاقت نہیں رکھے گا۔ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ہستی نے قرآن کریم دے کر بھیجا ہے وہ ایک طاقتور ہستی ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔

ایک روسی بادشاہ کا واقعہ

ٹالسٹائے روس کا ایک مشہور مصنّف گزرا ہے جو لینن اور مارکس وغیرہ کے بعد ان چوٹی کے لوگوں میں سے تھا جنہوں نے بالشویزم کی اشاعت میں سب سے بڑا حصہ لیا ہے۔ اب بھی دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کی تصانیف کے تراجم پائے جاتے ہیں اس شخص کا ایک دادا سات آٹھ پُشت پہلے پیٹر بادشاہ کے زمانہ میں اس کا دربان ہؤا کرتا تھا ایک دن بادشاہ کو کوئی ضروری کام تھا اور وہ اپنی قوم کی بہتری کے لئے کوئی سکیم سوچ رہا تھا۔ اس نے ٹالسٹائے کو حکم دیا کہ آج کسی شخص کو اندر آنے

کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ اگر کوئی شخص اندر آئے گا تو میرا دماغ مشوش[۲۵] ہو جائے گا اور میں سکیم کو پوری طرح تیار نہیں کرسکوں گا۔ وہ ٹالسٹائے کو تاکید کر کے اپنے کمرہ میں آ گیا مگر بدقسمتی سے اُسی وقت ایک شہزادہ آیا اور اس نے اندر داخل ہونا چاہا۔ ٹالسٹائے نے اپنے ہاتھ اس کے دروازہ کے آگے پھیلا دیئے اور کہا آپ اندر نہیں جا سکتے بادشاہ کا حکم ہے کہ کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ اُس وقت تک روس کا قانون ابھی منظّم نہیں ہوا تھا اور لارڈوں، نوابوں اور شاہی خاندان والوں کے بڑے حقوق سمجھے جاتے تھے اس دستور کے مطابق شہزادہ کو قلعہ کے اندر داخل ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا بلکہ اُن سے اُتر کر بعض اور لوگوں کے لئے بھی یہی دستور تھا۔ جب دربان نے شہزادہ کو روکا تو وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ مَیں کون ہوں؟ اس نے کہا میں خوب جانتا ہوں آپ فلاں گرینڈ ڈیوک ہیں۔ اس نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں کہ مجھ کو ہر وقت اندر جانے کی اجازت ہے؟ دربان نے جواب دیا میں خوب جانتا ہوں۔ یہ سن کر وہ پھر آگے بڑھا اور اندر داخل ہونے لگا۔ دربان نے پھر اُسے روکا اور کہا حضور بادشاہ سلامت کا حکم ہے کہ آج کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ اُسے سخت غصّہ آیا اس نے کوڑا اُٹھایا اور دربان کو مارنا شروع کیا کچھ دیر مارنے کے بعد اس نے سمجھا کہ اب اسے ہوش آ گیا ہو گا وہ پھر اندر داخل ہونے لگا مگر ٹالسٹائے پھر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا حضور بادشاہ کا حکم ہے کہ کوئی شخص اندر داخل نہ ہو۔ شہزادہ نے پھر اسے مارنا شروع کر دیا وہ سر جُھکا کر مار کھاتا رہا مگر جب تیسری دفعہ شہزادہ اندر داخل ہونے لگا تو پھر اس نے ہاتھ پھیلا دیئے اور کہا اندر جانے کی اجازت نہیں بادشاہ نے منع کیا ہوا ہے۔ شہزادہ نے پھر اسے مارنا شروع کر دیا اتفاق کی بات ہے کہ جب پہلی دفعہ شہزادہ نے دربان کو مارا تو شور کی آواز بادشاہ کے کان تک پہنچ گئی اور اُس نے بالاخانہ کی کھڑکی سے یہ نظارہ دیکھنا شروع کر دیا۔ جب تیسری دفعہ شہزادہ اُسے مار رہا تھا تو بادشاہ نے اُسے آواز دی کہ ٹالسٹائے اِدھر آؤ۔ ٹالسٹائے اندر گیا اور اُس کے ساتھ شہزادہ بھی بڑے غصّے کی حالت میں بادشاہ کے پاس پہنچا اور اُس نے کہا آج دربان نے میری سخت ہتک کی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہوا؟ شہزادہ نے کہا میں اندر آنا چاہتا تھا مگر ٹالسٹائے مجھے اندر نہیں آنے دیتا تھا۔ بادشاہ نے ایسی شکل بنا کر کہ گویا اس واقعہ کا اسے کوئی علم نہیں کہا ٹالسٹائے تم نے شہزادے کو اندر داخل ہونے سے کیوں روکا؟ اس نے کہا حضور آپ کا حکم تھا کہ آج کسی شخص کو

اندر داخل نہ ہونے دیا جائے۔ بادشاہ نے شہزادے کی طرف دیکھا اور کہا کیا اس نے تم کو بتایا تھا کہ مَیں نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے؟ اس نے کہا بتایا تو تھا مگر شہزادہ کو کوئی دربان روک نہیں سکتا۔ بادشاہ نے کہا مَیں جانتا ہوں کہ شہزادہ کو کوئی روک نہیں سکتا مگر بادشاہ روک سکتا ہے۔تم نے شہزادہ ہو کر قانون کی بے حُرمتی کی ہے اور اس نے دربان ہو کر قانون کی عظمت کو سمجھا ہے۔ اور پھر باوجود اس کے کہ اس نے تمہیں بتا دیا تھا کہ یہ میرا حکم ہے پھر بھی تم نے اسے مارا اب اس کی سزا یہ ہے کہ تم اس دربان کے ہاتھوں اسی طرح مار کھاؤ جس طرح تم نے اسے مارا ہے۔ اس کے بعد اُس نے ٹالسٹائے کو کہا ٹالسٹائے اُٹھو اور اِس شہزادے کو مارو۔ روسی قانون کے مطابق کسی فوجی کو کوئی غیر فوجی نہیں مار سکتا۔شہزادہ نے کہا میں فوجی ہوں اور یہ ٹالسٹائے سویلین ہے یہ مجھے مار نہیں سکتا۔ بادشاہ نے کہا کیپٹن ٹالسٹائے مَیں تمہیں کہتا ہوں کہ تم شہزادہ کو مارو۔ اُس نے مارنے کے لئے کوڑا اُٹھایا تو شہزادہ نے کہا مَیں زارِ روس کا جرنیل ہوں اور جرنیل کو کوئی غیر جرنیل نہیں مار سکتا۔ بادشاہ نے کہا جنرل ٹالسٹائے! مَیں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم شہزادہ کو مارو۔ اس پر شہزادہ نے پھر روسی کانسٹی ٹیوشن کا حوالہ دے کر کہا کہ کسی نواب کو کوئی غیر نواب نہیں مار سکتا۔ بادشاہ نے کہا اچھا کاؤنٹ ٹالسٹائے! اُٹھو اور شہزادہ کو مارو۔ گویا دربان سے اُسی وقت اُس نے اُس کو کاؤنٹ بنا دیا اور شہزادہ کو اس کے ہاتھوں سے سزا دلوائی۔

کُفّار کو انتباہ

اسی طرح فرماتا ہے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبردست طاقتیں رکھنے والے خدا نے مبعوث فرمایا ہے۔تم سمجھتے ہو کہ یہ ایک غریب انسان ہے،تم سمجھتے ہو کہ یہ ایک بیوہ کا بیٹا ہے، اگر تم نے اس کے پیغام پر کان نہ دھرا تو کیا ہوگا۔ جس کا خط لے کر یہ تمہاری طرف آیا ہے، جس کے پیغام کا حامل بنا کر یہ تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے وہ شَدِيْدُ الْقُوٰى ہے تم نے اسے ہاتھ لگایا تو تم شدید سزا پاؤ گے چنانچہ دیکھ لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیڑنے والوں کو کیسا عذاب ملا اور وہ کتنی عبرت ناک حالت کو پہنچے۔

کسریٰ شاہِ ایران کا عبرت ناک انجام

یہودی مسلمانوں کے ہمیشہ ہی ممنونِ احسان رہے ہیں مگر وہ مسلمانوں کے ممنونِ احسان بھی رہے اور پھر دشمنی بھی کرتے رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بڑے بڑے

احسانات کئے تھے مگر انہوں نے ہمیشہ آپ کی مخالفت کی اور بیرونی حکومتوں کو آپ کے خلاف اُکسانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی ۔ جب ان کے تاجر ایران جاتے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہمیشہ کسریٰ کے کان بھرتے ۔ اسی طرح خطوں میں بھی اسے لکھتے رہتے کہ عرب میں ایک ایسا ایسا آدمی طاقت پکڑتا جاتا ہے اگر اس کی حکومت قائم ہوگئی تو وہ ایران پر حملہ کر دے گا ۔ بادشاہ کم عقل تھا وہ یہودیوں کے اس فریب میں آ گیا اور اس نے یمن کے گورنر کو خط لکھا کہ عرب میں جو نیا مدعی نبوت پیدا ہؤا ہے تم اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو ۔ یمن کے گورنر نے دو آدمی بھجوائے ۔ اُس وقت ایران کی طاقت ویسی ہی تھی جیسے اس وقت امریکہ اور روس کی ہے اور عرب والوں کی حالت ایسی تھی جیسے سرحدی قبائل کی ہے ۔ گورنر یمن نے اپنے سپاہیوں کو بھیجتے ہوئے ان کے ذریعہ آپ کو یہ پیغام بھجوایا کہ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ آپ کا قصور کیا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ آپ چلے آئیں میں آپ کی سفارش کر کے شاہِ ایران کے پاس بھجوا دونگا کہ اگر اس شخص کا کوئی قصور بھی ہے تو اسے معاف کر دیا جائے ۔ وہ دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں گورنر یمن نے آپ کو اپنے ساتھ لانے کے لئے بھیجا ہے اور یہ یہ پیغام بھی دیا ہے ۔ اگر آپ نے انکار کیا تو بادشاہ کی فوجیں عرب پر دھاوا بول دیں گی اور تمام ملک ایک مصیبت میں مبتلاء ہو جائے گا اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں ، گورنر یمن نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کی سفارش کر دیں گے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کا جواب تمہیں پھر دونگا ۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی شروع کی کہ وہ اس معاملہ میں آپ کی مدد فرمائے دوسرے دن جب وہ ملے تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن اور ٹھہر جاؤ ۔ جب تیسرا دن ہؤا تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا آج ہمیں آئے ہوئے تین دن ہو گئے ہیں آپ ساتھ چلئے ایسا نہ ہو کہ یہ معاملہ بگڑ جائے اور تمام عرب پر مصیبت آ جائے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو ! اپنے گورنر سے جا کر کہدو کہ میرے خدا نے آج رات تمہارے خداوند کو مار دیا ہے ۔ ایرانی لوگ اپنے بادشاہ کو خداوند کہا کرتے تھے انہوں نے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہیں ؟ اپنے آپ پر اور اپنی قوم پر رحم کیجئے اور ہمارے ساتھ چلئے ۔ آپ نے فرمایا مَیں نے تمہیں جواب تو دے دیا ہے جاؤ اور گورنرِ یمن کو یہی بات کہہ دو ۔ وہ واپس آ گئے اور انہوں نے یمن کے گورنر سے یہ بات کہہ دی ۔ اُس نے سن کر کہا کہ یا

تو یہ شخص پاگل ہے اور یا واقعہ میں خدا تعالیٰ کا نبی ہے ہم چند دن انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا اِس کی بات سچی ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان نشان

تھوڑے دنوں کے بعد یمن کی بندرگاہ پر ایران کا ایک جہاز لنگر انداز ہؤا اوراس میں سے ایک سفیر اُترا جو یمن کے گورنر کے نام ایک شاہی خط لایا۔یمن کے گورنر نے اسے دیکھا تو اس پر ایک نئے بادشاہ کی مُہر تھی اُس نے خط اپنے ہاتھ میں لیتے ہی درباریوں سے کہا وہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے جو اس عرب نے کہی تھی۔ اس نے خط کھولا تو وہ کسریٰ کے بیٹے کا تھا اوراس میں یہ لکھا تھا کہ ہمارا باپ نہایت ظالم اور سفّاک انسان تھا اور اس نے تمام ملک میں ایک تباہی مچا رکھی تھی ہم نے فلاں رات اسے مار دیا ہے اوراب ہم خوداس کی جگہ تخت پر بیٹھ گئے ہیں اب تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی مملکت کے لوگوں سے ہماری اطاعت کا اقرار لو، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہؤا کہ انہی سفّاکیوں میں سے جو ہمارے باپ نے کیں ایک یہ بھی سفّاکی تھی کہ اس نے عرب کے ایک شخص کے متعلق لکھا تھا کہ اسے گرفتار کر کے ہمارے پاس بھجوا دیا جائے ہم اِس حکم کو منسوخ کرتے ہیں۔

یہی حقیقت عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی میں بیان کی گئی ہے کہ ایک طاقتور ہستی اس کی نگران ہوگی اوراس کو چھیڑنا کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہت سے مواقع ایسے آئے ہیں جنہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ کو چھیڑنا خدا تعالیٰ کو چھیڑنا تھا۔

اصلاحِ خلق کے لئے ایک کامل انسان کی پیدائش

پھر فرماتا ہے ذُوْ مِرَّۃٍ وہ طاقتور ہی نہیں بلکہ مِرَّۃ والا ہے ذُوْمِرَّۃٍ کے اصل معنے پیدائش کی طاقت بلکہ بہت بڑی طاقت رکھنے والے کے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ بار بار پیدائش کی طاقت کا ظہور اس سے ہوتا رہتا ہے گویا بتایا کہ وہ شَدِیْدُ الْقُوٰی ہی نہیں بلکہ اس میں اعلیٰ درجہ کی کامل پیدائش کی طاقت بھی موجود ہے فَاسْتَوٰی پھر اس طاقتور خدا اور اعلیٰ سے اعلیٰ مخلوق پیدا کرنے والے خدا نے ارادہ کیا کہ مَیں دنیا میں اپنی مخلوق پر ظاہر ہوں وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی اور وہ خدا بہت اونچا تھا اور بنی نوع انسان زمین پر رینگ رہے تھے اور ہر قسم کی کمزوریاں اور گناہ ان میں پائے جاتے تھے بائبل میں بھی لکھا ہے۔

”اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اوراس کے
دل کے تصور اور خیال سدا بُرے ہی ہوتے ہیں تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا

کرنے سے ملول ہؤا اور دل میں غم کیا اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے مَیں
نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے
والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک کیونکہ مَیں ان کے بنانے سے ملول ہوں''۔
۲۶ے

غرض خدا آسمان پر بیٹھا ہؤا تھا اس نے جب بنی نوع انسان کی خرابی دیکھی تو چاہا کہ میں ایک نئی مخلوق پیدا کروں کیونکہ وہ ذُو مِرّۃ تھا وہ چاہتا تھا کہ ایک کامل اور اکمل انسان کو پیدا کرے جو لوگوں کو گمراہی سے بچا کر نور و ہدایت کی طرف لائے یہاں آ کر خدا تعالیٰ نے درمیان میں سے اس مضمون کو حذف کر دیا ہے کہ اس ارادہ کے مطابق اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چُنا اور چن کر کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو اس قابل ہے کہ میں اسے برکت دوں اور اسے دنیا کے لئے ایک نمونہ بناؤں۔

محمد رسول اللہ کا خدا تعالیٰ کی طرف صعود

اس کے بعد فرماتا ہے دَنَا جب خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چُنا اور انہیں آواز دی کہ اے محمد رسول اللہ! تو میرے پاس آ کہ مَیں نے تجھے دنیا کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے چُن لیا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچا ہونا شروع کیا۔ یہاں مینار کا لفظ استعمال نہیں ہؤا مگر تمثیلی زبان میں ایک مینار کا ہی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ وَھُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی خدا تعالیٰ اوپر بیٹھا ہؤا ہے اور وہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتا ہے اور انہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ اس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی طرف صعود شروع کیا دَنٰی کے معنی یہی ہیں کہ وہ قریب ہوتے گئے یعنی خدا سے ملنے کے لئے اوپر ہوتے گئے گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ محمدیؐ سے اوپر چڑھنے شروع ہوئے اور آخر آپ عرش تک جا پہنچے (چنانچہ معراج میں ایسا ہی ہؤا)۔

خدا تعالیٰ کا بنی نوع انسان کی نجات کے لئے آسمان سے نزول

مگر سوال یہ ہے کہ ان میں تو طاقت تھی کہ وہ خدا تعالیٰ تک پہنچ جائیں ہر شخص تو اتنا اونچا نہیں جا سکتا۔ بے شک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاص اور محبت اور فدائیت کے لحاظ سے اپنے اندر یہ استعداد رکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے قُرب کو حاصل کر سکیں لیکن وہ لوگ جن کی اصلاح کے لئے آپ مقرر ہوئے تھے

ان میں سے ہر شخص میں تو یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ اتنا اونچا جا سکتا ان لوگوں کے لئے ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ نیچے کی طرف نزول کرتا۔ چنانچہ فرماتا ہے فَتَدَلّٰی۔ تَدَلّٰی کے معنے ہیں اوپر کی چیز نیچے آ گئی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اوپر چڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ چڑھتے چڑھتے آپ نے اپنے مقصود کو پالیا مگر جب آپ نے اوپر چڑھنا شروع کیا تو خدا تعالیٰ نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آ گئے باقی لوگ نہیں آ سکتے تب خدا تعالیٰ کچھ نیچے آیا تا کہ کمزور مخلوق کی نجات کی بھی صورت بنے اور اُس نے ایک زاویہ بنا دیا جہاں ہر انسان بشرطیکہ وہ اپنی استعدادوں سے کام لے پہنچ سکتا اور خدا تعالیٰ کے قُرب کو حاصل کر سکتا ہے۔

مغفرت اور قُربِ الٰہی کے ذرائع

یہ مضمون ایک لمبی تشریح کا حامل ہے مگر اِس وقت میں صرف ایک دو باتیں اور بیان کر دیتا ہوں جن سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس طرح بنی نوع انسان کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے خدا تعالیٰ جو اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ہے ان سے ملنے کے لئے نیچے آیا اور اُس نے اپنے قُرب کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے۔ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث پائی جاتی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پچاس نمازیں بنی نوع انسان کے لئے مقرر فرمائی تھیں لیکن پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کم کرتے کرتے اُمّتِ محمدیہ کے لئے صرف پانچ نمازیں مقرر فرمائیں مگر ساتھ ہی فرمایا کہ گو نمازیں پانچ ہی ہونگی مگر ان کو شمار پچاس کیا جائے گا یعنی ایک شخص پڑھے گا تو پانچ نمازیں مگر خدا تعالیٰ کے دربار میں اس کی پچاس نمازیں لکھی جائیں گی۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر ایک نیکی کے بدلہ میں انسان کو دس گناہ اجر دیا جاتا ہے اور بدی یا تو معاف کر دی جاتی ہے اور یا اس کے اعمال نامہ میں صرف ایک بدی ہی لکھی جاتی ہے۔ یہ طریق ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے اوپر چڑھنے کے لئے مقرر فرمایا ہے بندہ ایک نیکی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کی دس نیکیاں لکھتا ہے اور پھر قیامت کے دن اُن دسوں کو ایک ایک سمجھ کر پھر دس دس بنا دیتا ہے اور بندہ ایک بدی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ صرف ایک ہی بدی لکھتا ہے اور بعض دفعہ تو ایک بھی نہیں لکھتا توبہ پر اُس کو معاف فرما دیتا ہے۔

روحانی ارتقاء کے غیر معمولی سامان

غرض دَنَا فَتَدَلّٰی میں وہ طریق بیان کیا گیا ہے جس کے ذریعہ انسانی ارواح نے ارتقاء

کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قُرب کو حاصل کرنا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بغیر اس گُر کے بھی خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کر سکتے تھے بغیر اس کے کہ آپ کی ایک نیکی کو دس گُنا شمار کیا جاتا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ قابلیت موجود تھی کہ آپ خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتے اور اس کے قُرب کو حاصل کر لیتے مگر تمام لوگوں میں یہ قابلیت موجود نہیں تھی ان کے لئے خدا تعالیٰ نے عرش سے نیچے اُترنا گوارا کیا اور اس نے ان کی چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو بڑھانا شروع کیا تاکہ اس ذریعہ سے ان کی کمی پوری ہو جائے اور وہ روحانی دَوڑ میں پیچھے نہ رہ جائیں اور یہ فضیلت صرف اسلام ہی کو حاصل ہے جس میں روحانی ارتقاء کے لئے ہر قسم کی سہولتیں رکھی گئی ہیں اور ترقیات کا دروازہ تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں کھولا گیا ہے۔

خدائی کمان کا محمد رسول اللہ کی کمان سے اتّصال

فرماتا ہے فَكَانَ قَابَ قَوسَينِ اَوْ اَدْنٰى جب یہ حالت ہوئی اور خدا تعالیٰ نیچے آیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ دو قوسیں آپس میں متوازی ہوگئیں اور اونچائی نیچائی کے لحاظ سے بھی اور نشانہ کی سیدھ کے لحاظ سے بھی کہ جِدھر ایک تیر چلتا تھا اُسی طرف دوسرا تیر پڑتا تھا۔ یا یوں سمجھ لو کہ ایک کمان زمین سے اوپر جانی شروع ہوئی اور ایک کمان اوپر سے نیچے آنی شروع ہوئی۔ خدا تعالیٰ کی کمان اوپر سے نیچے اُتری اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان نیچے سے اوپر گئی چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں جو انقلاب پیدا کیا جانا مقدر تھا وہ ایسا تھا جس میں شیطان کا شکست کھانا یقینی تھا اس لئے لازمی تھا کہ آپ کے ظہور پر شیطان کا لشکر اپنی پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اسی حملہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اپنی کمان لے کر اوپر آؤ ہم اپنی کمان لے کر نیچے اُترتے ہیں۔ یہ ایک روحانی استعارہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اُوپر چڑھنی شروع ہوئیں اور خدا تعالیٰ کی قبولیت نیچے اُترنی شروع ہوئی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى اور ایسی بن گئیں جیسے دو کمانوں کو ساتھ ساتھ ملا دیا جائے یا دو کمانیں آپس میں جوڑ دی جائیں تو جو کیفیت ان کی ہوتی ہے وہی کیفیت اس اتحاد کی تھی اَوْ اَدْنٰى بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ دو کمانیں رہی ہی نہیں ایک بن گئیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان کا خدا تعالیٰ کی کمان کے ساتھ ایسا اتحاد ہوا کہ خدا تعالیٰ کی کمان کوئی الگ نہیں رہی وہ وہی تھی جو خدا تعالیٰ کی تھی گویا آسمان اور زمین کا مقصد ایک ہو گیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اتباع نے ارادے چھوڑ کر خدا کے ارادے قبول

کر لئے اور خدا نے اپنے ارادے چھوڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اتباع کے ارادے قبول کر لئے۔

تمہارے ارادے خدا تعالیٰ کے ارادوں کے تابع ہونے چاہئیں

اِسی نکتہ کو اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ یوں بیان فرماتا ہے کہ وَمَاتَشَآءُ وْنَ اِلَّآاَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْماً حَکِیْمًا [۲۷] یعنی اے مسلمانو! آج سے تم یہ عہد کر لو کہ تمہارے دل میں کوئی خواہش پیدا نہ ہو جب تک کہ تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی بھی وہی خواہش ہے۔ گویا تمہارا ارادہ خدا تعالیٰ کے ارادہ سے اور تمہاری خواہش خدا تعالیٰ کی خواہش سے مل جائے اور کسی امر میں بھی تمہاری نفسانیت کا کوئی دخل نہ رہے۔ چنانچہ دیکھ لو ہجرت کے موقع پر صحابہؓ نے بڑا زور لگایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ سے مدینہ تشریف لے چلیں مگر باوجود اُس کے کہ اس وقت سب سے زیادہ خطرناک مقام مکہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی ہجرت کا حکم نہیں ہوا گویا جو کچھ خدا تعالیٰ کی مشیّت تھی اُس پر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلے گئے۔ پس جو کچھ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰی میں مضمون بیان کیا گیا ہے وہی مضمون وَمَاتَشَآءُ وْنَ اِلَّآاَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ میں بیان کیا گیا ہے خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے دیا کہ تم اپنی کمان پھینک دو اور میری کمان لے لو مَیں بھی اپنی کمان پھینکتا ہوں اور تمہاری کمان اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہوں۔

محمد رسول اللہ کے دشمن آسمانی تیروں کی زد میں

ایک اور جگہ بھی قرآن کریم میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَارَمَیْتَ اِذْرَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی [۲۸]

اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب تُو نے اپنی کمان سے تیر چھوڑا تو ہم سچ کہتے ہیں کہ وہ تیر تیری کمان نے نہیں چھوڑا بلکہ وہ تیر ہماری کمان نے چھوڑا مَارَمَیْتَ تُو نے تیر نہیں چلایا اِذْرَمَیْتَ جب تُو نے تیر چلایا وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی بلکہ وہ تیر خدا تعالیٰ نے چلایا گویا اگر ہم غور کریں تو نقشہ یوں بن گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنی کمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی اور فرمایا اب جو بھی تیرے سامنے آئے گا اس پر زمینی تیر ہی نہیں چلے گا بلکہ آسمانی تیر بھی چلے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور بے لوث حیات

عملی طور پر بھی دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ زندگی میں آپ کے ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں دشمن تھے حکومتیں آپ کے خلاف تھیں، عرب کے آزاد قبائل آپ سے برسرِ پیکار تھے، قیصر و کسریٰ کی حکومتیں بھی آپ سے نبرد آزما تھیں یہودی الگ فتنہ برپا کئے ہوئے تھے اور منافقین اسلام کو مٹانے کے لئے علیحدہ سازش میں مصروف تھے مگر اتنی شدید مخالفتوں کے باوجود ایک مثال بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسی نہیں ملتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص پر تیر چلایا ہو جس پر خدا تعالیٰ نے تیر نہ چلایا ہو۔ اسی طرح آپ کی زندگی کا گہرا مطالعہ اس حقیقت کو روشن کرتا ہے کہ آپ نے کبھی کسی ایسے شخص پر تیر نہیں چلایا جو مُجرم نہ ہو۔ حکومتیں کئی بے قصوروں کو مار ڈالتی ہیں، کئی ایسے لوگوں کو بھی ان کے ہاتھوں نقصان پہنچ جاتا ہے جو بے گناہ ہوتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جو ایک کھلی کتاب کے طور پر تھی اس میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نظر نہیں آتی کہ آپ کا تیر ایسے طور پر چلا ہو کہ کوئی بے گناہ اس کا شکار ہؤا ہو۔ صحابہ کرامؓ سے بعض دفعہ ایسی غلطیاں ہوئی ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی اس کا علم ہؤا آپ نے ان پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت اسامہؓ پر ناراضگی

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کو نہایت عزیز تھے ان کے باپ کو آپ نے اپنا بیٹا بنایا ہؤا تھا ایک غزوہ میں حضرت اسامہؓ شریک تھے کہ ایک مخالف کے تعاقب میں انہوں نے اپنا گھوڑا ڈال دیا جب اُس نے دیکھا کہ اب میں قابو آ گیا ہوں تو اس نے کہا لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں مگر حضرت اسامہؓ نے اُس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اُسے قتل کر دیا بعد میں کسی شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی، آپ حضرت اسامہؓ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تو نے کیوں مارا جب کہ وہ اسلام کا اقرار کر چکا تھا۔ حضرت اسامہؓ نے کہا وہ جھوٹا اور دھوکے باز تھا وہ دل سے ایمان نہیں لایا صرف ڈر کے مارے اُس نے اسلام کا اقرار کیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا کہ وہ سچے دل سے اسلام کا اظہار نہیں کر رہا تھا یعنی جب وہ کہہ رہا تھا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں تو تمہارا کوئی حق نہیں تھا کہ تم یہ کہتے کہ تم مسلمان نہیں۔ اسامہ بن زیدؓ نے

اپنی بات پر پھر اصرار کیا اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ تو یونہی باتیں بنا رہا تھا ورنہ اسلام اس کے دل میں کہاں داخل ہوا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسامہؓ تم قیامت کے دن کیا جواب دو گے جب اس کا لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تمہارے سامنے پیش کیا جائے گا اور تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اسامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ناراضگی کو دیکھ کر اس دن میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! میں اس سے پہلے کافر ہی ہوتا اور آج مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق ملتی تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے فعل کی وجہ سے اتنا دُکھ نہ پہنچتا۔ [۲۹]

حضرت خالد بن ولید کے ایک فعل سے اظہارِ براءت

اسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا اس زمانہ میں کفار عام طور پر مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے جیسے آجکل ہمیں مرزائی یا قادیانی کہا جاتا ہے یہ دراصل جہلاء کی ایک غلطی ہے جس میں بعض لکھے پڑھے بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا نام اس کے ماں باپ نے عبدالرحمٰن رکھا ہے تو اسے عبدالشیطان کہنے سے نہ وہ عبدالشیطان بن جائے گا اور نہ عبدالشیطان کہنا کوئی شرافت ہوگی۔ اسی طرح صحیح طریقہ تو یہی ہے کہ اگر کوئی اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے تو اُسے حنفی کہو، شیعہ کہتا ہے تو شیعہ کہو، سنّی کہتا ہے تو سنّی کہو، مگر جس طرح لوگ ہمیں مرزائی یا قادیانی کہتے ہیں یا مشرقی پنجاب میں سِکھ ہماری جماعت کے ہر شخص کو مولوی کہتے تھے گو وہ ایک لفظ بھی عربی کا نہ جانتا ہو اسی طرح اُس زمانہ میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو صابی کہا جاتا تھا اور چونکہ عوام الناس میں یہی نام رائج تھا اس لئے جب خالد بن ولید نے انہیں دعوت اسلام دی تو انہوں نے بجائے یہ کہنے کے کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں کہہ دیا کہ صبانا، صبانا ہم صابی ہوتے ہیں ہم صابی ہوتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید نے ان الفاظ کی کوئی پرواہ نہ کی اور اُن میں سے بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو قیدی بنا لیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَبْرَءُ اِلَیْکَ مِمَّاصَنَعَ خَالِدٌ اے خدا میں اُس فعل سے اپنی نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جس کا ارتکاب خالد نے کیا ہے اور آپ نے یہ فقرہ دو دفعہ دُہرایا۔ [۳۰]

آسمانی اور زمینی تیر ایک نشانہ پر

ان مثالوں سے پتہ لگتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی غیر مُجرم پر تیر نہیں چلایا جہاں خدا تعالیٰ کا تیر چلا وہیں آپ کا بھی تیر چلا اور جہاں آپ کا تیر چلا وہیں خدا تعالیٰ نے بھی تیر چلایا، اسی طرح آپ کی زندگی میں کوئی ایک بھی مثال ایسی نظر نہیں آتی، جہاں آپ نے تیر چلانا مناسب سمجھا ہو اور خدا تعالیٰ نے تیر نہ چلایا ہو، جہاں آپ کی ساری زندگی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں پائی جاتی کہ خدا تعالیٰ نے تیر نہ چلایا ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چلا دیا ہو، وہاں ایسی بھی کوئی مثال نظر نہیں آتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر چلانا مناسب سمجھا ہو اور خدا تعالیٰ نے نہ چلایا ہو۔ یہی مضمون اللہ تعالیٰ نے فَكَانَ قَابَ قَوسَيْنِ اَوْ اَدنٰى میں بیان فرمایا ہے کہ دونوں کی کمانیں ایک ہو گئیں اور دونوں کے تیر ایک ہی نشانہ پر پڑنے لگے غرض مَاتَشَآءُ وْنَ اِلَّآاَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اور مَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کے ماتحت دونوں ایک مینار پر جمع ہو گئے انسانیت بھی بلند مینار پر جا کھڑی ہوئی اور اُلوہیت بھی انسان کی ملاقات کے لئے بے تاب ہو کر آسمان سے اُتر آئی۔

صعود و نزول کا پُر کیف نظارہ

بے شک فرعون نے بھی ایک مینار بنایا تھا مگر اسے اس مینار پر خدا تعالیٰ نظر نہ آیا کیونکہ وہ جھوٹا تھا اُسے نظر آیا تو سمندر کی پاتال میں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور راستباز انسان تھے آپ کے دل میں اپنے خدا کا سچا عشق تھا اور خدا تعالیٰ کے دل میں مقامِ محمدیت کی بے انتہاء محبت تھی پس وہ دونوں بے قرار ہو کر ایک دوسرے کی طرف دوڑے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:-

؎ وصل کا مزہ تب ہے کہ دونوں ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا نے ملنے کے لئے اوپر کی طرف صعود کیا اور خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے نیچے کی طرف نزول کیا اور اس کے نتیجہ میں دونوں کی قوسیں ایک بن گئیں اور دونوں کے تیر ایک نشانہ پر پڑنے لگے۔

تین خوبیوں والا کلام

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى مَاكَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى تب اللہ تعالیٰ کا کلام اس مینار پر نازل ہوا جس میں یہ تین خوبیاں تھیں۔

اوّل اُس نے الفاظ میں کلام کیا

دوم   آنکھوں سے نظارہ دیکھا
سوم   دل سے اُسے قبول کیا اور اس پر ایمان لایا۔

مخالفینِ اسلام کے شکوک کا ازالہ

پھر فرماتا ہے اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَايَرٰى وَلَقَدْرَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَسِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى

کیا تم نے اس کی بات پر شک کرتے ہو کہ:-

(۱)   شاید فلسفیانہ خیالات کی رو میں بہہ گیا ہے۔
(۲)   شاید شیطان نے اس پر کلام نازل کیا ہے۔
(۳)   شاید ہوا وحرص کے جذبات چھچھڑے بن کر اسے نظر آ رہے ہیں۔

مگر تم اِس کا کیا جواب دو گے کہ اُس نے یہ مینار پر نزول ایک دفعہ نہیں دیکھا بلکہ دو دفعہ دیکھا ہے اور پھر اس نزول کو سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى کے نزدیک دیکھا ہے یعنی پیشگوئیوں کے مطابق دیکھا ہے ان کے بغیر نہیں۔ کیا کسی جھوٹے کے لئے یہ ممکن ہے کہ جب جب اس کی قوم مصیبت میں مبتلاء ہو ایک آسمانی وحی کا مدّعی اس کی تائید کے لئے کھڑا ہو جائے اور وہ کھڑا بھی اِس جھوٹے کے دعویٰ کے مطابق ہو اور پھر دنیا میں کامیاب بھی ہو جائے۔

اُفُقِ مُبین میں ظاہر ہونے والا ستارہ

یہ پیشگوئیاں کیا تھیں، جن کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ پیشگوئیاں یہ تھیں۔

اوّل   وہ النجم ہوگا، یعنی دشمنانِ محمدؐ کو تباہ کریگا۔
دوم   وَلَقَدْرَاٰهُ بِا لْاُفُقِ الْمُبِيْنِ [۴۱] وہ مشرق سے ظاہر ہوگا، حدیثوں میں بھی آتا ہے کہ وہ شَرْقِيَّ دِمَشْق [۴۲] نازل ہوگا۔
سوم   وہ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ نازل ہوگا۔ [۴۳]

اَلْمَنَارَةُ الْبَيْضَاءُ سے کیا مراد ہے؟

اس جگہ اَلْمَنَارَةُ الْبَيْضَاءُ سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے اور عِنْدَ کے معنے قریب کے ہیں پس عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ کے معنے یہ ہیں کہ وہ مقامِ محمدؐیت سے غایت درجہ کا قُرب رکھنے والا ہوگا۔

غرض وَالنَّجْمِ اِذَاهَوٰى میں مسیح موعودؑ کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ

آخری زمانہ میں جب ظلمت کا دور دورہ ہوگا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک شخص مبعوث ہوگا جو عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ نازل ہوگا، یعنی وہ مقامِ محمدیت سے انتہائی قرب رکھنے والا ہوگا۔

عِنْدِیّت کے مقام سے معیّت کے مقام تک

اس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کی ابتداء کو عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ سے تعبیر کیا ہے لیکن آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کی انتہاء اس سے بھی زیادہ مبارک ہو گی اور وہ میری قبر میں میرے ساتھ دفن ہوگا چنانچہ آپ فرماتے ہیں یُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ [۳۴] وہ میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوگا، جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے نزول کا ایک استعارہ کے رنگ میں ذکر فرمایا ہے اسی طرح اس کی وفات کے لئے بھی آپ نے استعارہ استعمال کیا ہے اور بتایا ہے کہ آنے والے مسیح کا میری ذات کے ساتھ ایسا اتحاد ہوگا کہ یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ مسیح کسی اور قبر میں دفن ہؤا ہے بلکہ وہ میری قبر میں میرے ساتھ دفن کیا جائے گا گویا عِنْدِیّت کے مقام سے وہ ارتقاء شروع کرے گا اور معیّت کے مقام کو جا پہنچے گا۔ غرض اَلْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جن سے غایتِ قُرب رکھنے والے ایک عظیم الشان مصلح کی قرآن کریم نے وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی میں خبر دی ہے۔

قادیان کا مینار کیوں بنایا گیا؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قادیان میں ایک منارہ بیضاء بنایا جو درحقیقت تصویری زبان میں یہ معنے رکھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے اپنے گھروں سے نکال دیا ہے مگر ہم ان کو لا کر اپنی مسجد یعنی جماعت کے اندر رکھتے ہیں یہی اس منارۂ بیضاء کی اصل غرض تھی ورنہ اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ مینار اس لئے بنایا گیا تھا کہ آنے والے مسیح نے اس کے پاس اُترنا تھا تو یہ ایک پاگل پن کی بات بن جاتی ہے کیونکہ مرزا صاحب تو خود اس بات کے مدعی تھے کہ میں مسیح موعود ہوں پھر کسی نئے اُترنے والے کے ذکر کے کیا معنے تھے؟ پس اس منار کے بنانے کے صرف یہی معنی ہو سکتے تھے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا کر اپنے گھروں میں جگہ دی ہے اور یہی اس مینار کی اصل غرض ہے۔ اس مینار کے بنانے کی یہ غرض نہیں تھی کہ اس مسجد میں جس میں یہ مینار کھڑا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا

مسیح موعود نے اُترنا تھا بلکہ جیسے اَلْمَنَارَةُ الْبَیْضَاءُ کے الفاظ استعارةً استعمال کئے گئے تھے اسی طرح یہ بھی ایک تصویری نشان ہے جس کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اَلْمَنَارَةُ الْبَیْضَاءُ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور منارة المسیح تصویری زبان میں لوگوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احمدیہ جماعت اپنے گھر لے آئی ہے پس تم اپنی مسجد میں منارہ بیضاء بنا کر اس امر کا اقرار کرتے ہو کہ آج سے ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے رہے ہیں آج سے ہم اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم ان کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے لئے تیار رہیں گے۔

جماعت احمدیہ کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے جھنڈے کو کبھی نیچا نہ ہونے دے

مسجد اقصیٰ کا مینار ظاہر میں اینٹوں اور چونا سے بنی ہوئی ایک عمارت ہے لیکن تصویری زبان میں اس مینار کے ذریعہ ہم میں سے ہر شخص نے یہ اقرار کیا ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں لائے ہیں دنیا خواہ آپ کو چھوڑ دے مگر ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے اور ہم آپ کے دین کی اشاعت کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے یہ وہ عہد ہے جو اس منارۂ بیضاء کے ذریعہ ہم میں سے ہر شخص نے کیا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم مرتے دم تک اِس عہد کو اپنے سامنے رکھیں اور اسلام کا جھنڈا کبھی نیچا نہ ہونے دیں۔

مسجد اقصیٰ کا قرآن کریم میں ذکر

حقیقت یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ میں منارہ بیضاء بنانے کی خبر بھی قرآن کریم میں موجود تھی اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ[۳۵]

یعنی پاک ہے وہ خدا جو راتوں رات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو بھی ہم نے برکت دیدی۔ اقصیٰ کے معنی دُور کی مسجد کے ہیں اور رات کی تاریکی سے زمانہ کی ظلمت مراد ہے جو فیج اعوج میں پھیلی اور جس نے مسلمانوں کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ اسی پیشگوئی کو ظاہر میں پورا کرنے کے لئے مسجد اقصیٰ میں ایک مینار بنایا گیا وہ مینار ظاہر میں مٹی اور چونے کی ایک عمارت ہے مگر درحقیقت وہ اس اقرار کا ایک

نشان ہے جو اس زمانہ میں ہر احمدی نے اپنی زبانِ حال سے کیا ہے۔ اس مینار کے ذریعہ ہر احمدی نے اقرار کیا ہے کہ مَیں اس تاریکی اور ظلمت کے زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے رہا ہوں، آج سے میں اسلام کے لئے ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں اور ایک لمحہ بھی میری زندگی پر ایسا نہیں آئے گا جب میں اس فرض کو نظرانداز کردوں۔

پس منارۃ المسیح محمدیت کے ساتھ تعلق کی علامت ہے جس طرح قرآن نے کہا تھا کہ رات کے وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ چلے گئے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی الہام ہؤا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ گزیں ہوئے قلعۂ ہند میں''[۳۶]

اور پناہ ہمیشہ ظلمات کے وقت یعنی رات کو ہی لی جاتی ہے پس جس طرح سورہ نجم سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مینار ہونا ثابت ہوتا ہے مسجد اقصیٰ میں منارہ بنانے کے یہ معنے ہیں کہ جماعت احمدیہ نے پھر دوسری دفعہ مدینہ کے انصارؓ کی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اندر پناہ دی ہے اور ہر احمدی نے آپ کی حفاظت کا اور آپ کے اردگرد اپنی جانیں لڑا دینے کا اقرار کیا ہے جس اقرار کو پورا کرنا آج ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے۔

پابندیٔ عہد کی ایک شاندار مثال

عرب لوگ تو اپنے اقرار کے اتنے پابند تھے کہ تاریخوں میں لکھا ہے سپین کا ایک رئیس تھا جس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ ایک دن اُس کے پاس ایک شخص دَوڑتا ہؤا آیا اور اس نے کہا کہ پولیس میرے تعاقب میں آ رہی ہے مجھے خدا کے لئے پناہ دو۔ اُس نے اپنے مکان میں اُسے چُھپا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس ایک نوجوان کی لاش اٹھا کر لائی۔ یہ اس کے بیٹے کی لاش تھی۔ پولیس والوں نے اُسے کہا ہمیں افسوس ہے کہ کسی بدبخت نے آج آپ کے بیٹے کو مار ڈالا ہے قاتل بھاگ کر اِسی طرف آیا تھا کیا آپ نے اُسے دیکھا نہیں؟ اُس نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ یہ سن کر پولیس والے چلے گئے۔ اُس نے اپنے بیٹے کی لاش کو کمرے میں بند کیا اور قاتل کی طرف گیا اور اسے اشارہ سے اپنے پاس بُلا کر کہا کہ یہ شخص جس کو تم نے قتل کیا ہے میرا بیٹا تھا لیکن چونکہ میں تمہیں پناہ دے چکا ہوں اس لئے مَیں اب تمہیں کچھ نہیں کہتا اس کے بعد اُس نے اسے اپنی جیب میں سے کچھ روپے نکال کر دیئے اور کہا یہ روپے لو اور کسی اور جگہ چلے

جاؤ اگر تم سپین میں ہی رہے تو ممکن ہے میرا نفس کبھی مجھے اشتعال دلائے کہ یہ میرے بیٹے کا قاتل ہے اور میں تجھے مار ڈالوں اس لئے روپے لو اور سپین سے کہیں باہر چلے جاؤ۔ چنانچہ اس نے روپے دیئے اور اپنے اکلوتے بیٹے کے قاتل کو اپنے مکان کے پچھواڑے سے باہر نکال دیا۔ اب دیکھو یہ ایک سچے مسلمان کی حالت تھی کہ نہ صرف وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے قاتل کی جان بچاتا ہے بلکہ اُسے بھاگنے کے لئے روپے بھی دیتا ہے اس لئے کہ اس نے اُسے پناہ دی تھی پھر کتنی بڑی ذمہ داری ہے اُس مسلمان پر جو اپنے بیٹے کے قاتل کو نہیں بلکہ اپنی جان بچانے والے کو، اپنے بیٹوں کی جان بچانے والے کو، اپنی بیوی اور بچوں کی جان بچانے والے کو اپنے گھر میں پناہ دیتا ہے اور پھر اس سے غدّاری کرتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت احمدیہ کا ایک نیا عہد

ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نیا عہد کیا ہے ہم نے یہ اقرار کیا ہے کہ دنیا کا ہر انسان خواہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے ہم آپ کو مرتے دم تک نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے اِس عہد کے نشان کے طور پر اپنے گھروں میں مینار کھڑا کیا اور ہم نے اقرار کیا کہ ہم صرف مُنہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ہم اس فتنۂ عظیمہ کے زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں سچے طور پر پناہ دیں گے اور اپنی ہر چیز آپ کے لئے قربان کر دیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انصار کا معاہدہ

صحابہ کرامؓ نے بھی آج سے تیرہ سَو سال پہلے آپ کو اپنے گھروں میں پناہ دی تھی۔ دعویٔ نبوّت کے تیرھویں سال حج کے موقع پر جب اوس اور خزرج کے کئی سو آدمی مکہ آئے تو ان میں سے ستّر لوگ ایسے بھی شامل تھے جو یا تو مسلمان تھے اور یا مسلمان ہونا چاہتے تھے۔ ایک رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی ایک گھاٹی میں ان کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور جو آپ سے صرف ایک سال بڑے تھے وہ بھی آپ کے ساتھ تھے آدھی رات کے قریب مکہ کی ایک وادی میں جب دشمن، اسلام کے خلاف ہر قسم کے منصوبے کر رہا تھا یہ ستّر آدمی جمع ہوئے اور آپس میں بحث شروع ہوئی کہ اگر مکہ کے لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام

سے نہیں رہنے دیتے تو مدینہ کے لوگ اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا وعدے کرنے بڑے آسان ہوتے ہیں لیکن انہیں پورا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا ہم جو کچھ وعدہ کر رہے ہیں سوچ سمجھ کر کر رہے ہیں اور ہم اس اقرار پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میرا یہ بھتیجا مدینہ چلا گیا تو تمام عرب قبائل تمہارے خلاف ہو جائیں گے اور ہوسکتا ہے کہ وہ مدینہ پر بھی حملہ کر دیں اس لئے تم یہ اقرار کرو کہ اگر کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو تم اپنی جان، مال، عزّت اور آبرو کو قربان کر کے اس کی حفاظت کرو گے۔ انہوں نے کہا ہاں ہم اس غرض کے لئے تیار ہیں اور جوش میں جیسے ہمارے ملک کے لوگ نعرے لگاتے ہیں انہوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاموش رہو اِس وقت دشمن چاروں طرف پھیلا ہوُا ہے۔ اگر اسے ہمارے اس اجتماع کی خبر ہوگئی تو ممکن ہے کہ وہ ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے مگر اب ان کے دلوں میں ایمان کی چنگاری سُلگ اُٹھی تھی خدا کا نور اُن کے دلوں میں پیدا ہو چکا تھا انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! بے شک ہم بے وطن ہیں مگر ہم آپ کی وجہ سے چُپ ہیں ورنہ آپ اجازت دیں تو ہم ابھی مکہ والوں کو اُن کی شرارت کا مزہ چکھا دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں نہیں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت نہیں اس کے بعد انہوں نے یہ معاہدہ کیا کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کے لئے ہم اپنی جان، مال اور عزت سب کچھ قربان کر دیں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر لڑائی ہوئی تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ حضرت عباسؓ کا بھی یہی مشورہ تھا چنانچہ آخر یہی معاہدہ ہوُا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر کے چلے گئے۔

جنگ بدر کے موقع پر انصار کا جوشِ اخلاص

جب بدر کے موقع پر مدینہ سے باہر جنگ ہونے لگی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو کیونکہ مجھے معلوم ہوُا ہے کہ ہماری قافلہ سے مُڈ بھیڑ نہیں ہوگی بلکہ مکہ کے لشکر سے ہمارا مقابلہ ہوگا۔ اِس پر یکے بعد دیگرے مہاجرین کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ بے شک جنگ کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں مگر ہر دفعہ جب اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد کوئی مہاجر بیٹھ جاتا تو آپ فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ مہاجرین تو مشورہ دے ہی رہے

ہیں اصل سوال انصار کا ہے اور انصار اس لئے چُپ تھے کہ لڑنے والے مکہ کے لوگ تھے وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے یہ کہا کہ ہم مکہ والوں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں تو شاید ہماری یہ بات مہاجرین کو بُری لگے اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ہمارے بھائی بندوں کا گلا کاٹنے کے لئے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہے ہیں مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو تو ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مشورہ تو آپ کو مل رہا ہے ایک کے بعد دوسرا مہاجر اُٹھتا ہے اور وہ کہتا ہے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! لڑیئے مگر آپ بار بار یہی فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو اس سے مَیں سمجھتا ہوں کہ آپؐ کی مراد غالباً ہم انصار سے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم تو اس لئے چُپ تھے کہ ہم ڈرتے تھے کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کا دل نہ دُکھے اگر ہم نے کہا ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں تو ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ ہمارے بھائیوں اور رشتہ داروں کو مارنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ پھر اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! شاید آپ کا اشارہ اس بیعتِ عقبہ کی طرف ہے جس میں ہم نے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر مدینہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہؤا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر جا کر لڑنا پڑا تو ہم پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! جس وقت ہم نے وہ معاہدہ کیا تھا اُس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپؐ کی کیا شان ہے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اب تو آپ کی صداقت ہم پر کھل چکی ہے اور آپ کا مقام ہم پر واضح ہوگیا ہے اب کسی معاہدہ کا کیا سوال ہے۔ سامنے سمندر ہے آپ حُکم دیجئے تو ہم اس میں اپنے گھوڑے ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور اگر لڑائی ہوئی تو خدا کی قسم! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہؤا نہ گزرے۔ [۳۷]

صحابہ کا نمونہ ہمارے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے

یہ وہ وفاداری تھی جو صحابہ کرامؓ نے دکھائی یہ وہ اقرار تھا جس کو انہوں نے پورا کیا۔ نمونہ سامنے نہ ہو تو انسان کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو صحابہؓ نے اقرار کیا اس کو پورا کرنے کا نمونہ تمہارے سامنے موجود ہے۔ ایک قوم تھی جس نے یہ اقرار کیا اور تاریخ کے صفحات اس بات پر شاہد ہیں کہ

انہوں نے اپنے اقرار کو پورا کر دیا۔ پس ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں پتہ نہیں کہ عہد کی کیا قیمت ہوتی ہے، ہمیں پتہ نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ ہم کو پتہ لگ چکا ہے اور انصارؓ اور صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل اور اپنی قربانی اور اپنے ایثار سے اس کی ایک ایک شِق کھول دی ہے، ایک ایک شرط واضح کر دی ہے پس ہم خدا تعالیٰ کے سامنے یہ جواب نہیں دے سکتے کہ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ اس اقرار کی کیا قیمت ہے۔ اس جواب سے سوائے مُجرم بننے کے ہم کچھ اور فائدہ حاصل نہیں کر سکتے ہمیں یا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کے لئے اپنی جانیں دینی ہونگی اور یا ہمیں ذِلّت اور رُسوائی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے ایک مُجرم کی حیثیت میں کھڑا ہونا پڑے گا۔ بہرحال یہ مینار ہر وقت ہمارے فرض کی طرف ہمیں توجہ دلاتا ہے جس طرح مدینہ کے لوگ خود بُلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئے تھے ہم نے بھی یہ مینار اپنی مرضی سے بنایا ہے اور اس امر کا اقرار کیا ہے کہ آئندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی حفاظت کا ہم ذمہ لیتے ہیں۔ مینار کی چوٹی بھی اپنا وعدہ یاد دلاتی رہتی ہے اور اس کی روشنی بھی ہمیں بیدار رہنے کی تعلیم دیتی ہے پس جو کچھ انصار نے کیا ہمیں ان سے بڑھ کر نمونہ دکھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراجِ منیر ہیں

(۲) پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مینارہ بیضاء کہا گیا ہے اس کی مناسبت سے ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں آپ کو سِرَاجًا مُّنِیْرًا[۳۸] بھی کہا گیا ہے ان الفاظ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دوسرے لوگ مینار بناتے ہیں تو اوّل مینار خود تاریک ہوتا ہے۔ دوم انہیں محنت کر کے اس پر روشنی کرنی پڑتی ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراج کی طرح تھے یعنی ان کی روشنی ذاتی تھی اور پھر وہ روشنی مستقل اور دائمی تھی۔ چاند کی روشنی سورج سے حاصل کردہ ہوتی ہے لیکن سورج میں ذاتی روشنی ہوتی ہے پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مینار نہیں جس پر کوئی اور روشنی رکھے تو وہ روشن ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں ایک چمکنے والے مینار ہیں لوگوں کو دُنیوی میناروں کے لئے بہت کچھ محنت اور تگ ودَو کرنی پڑتی ہے۔ ان کے لئے بجلی کے قمقموں یا تیل بتی اور دِیا سلائی وغیرہ کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ پھر دوسرے مینار دن کے وقت کام نہیں آتے صرف رات کے وقت ان کی روشنی سے استفادہ کیا جاتا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ تعالیٰ نے سِرَاجًا مُّنِیْرًا رکھا ہے

جس میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ وہ روشن چراغ ہے جو دن کو بھی روشنی دیتا ہے اور رات کو بھی روشنی دیتا ہے۔ پھر اس کے لئے نہ تیل کی ضرورت ہے نہ بتی کی ضرورت ہے اور نہ کسی جلانے والے کی ضرورت ہے آپ ہی آپ سورج کی طرح ہر وقت روشن اور ضیا پاش رہتا ہے۔

محمد رسول اللہ کی غلامی میں الٰہی انوار و برکات کا نزول

پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے جو لوگ مینار بناتے تھے وہ اس لئے بناتے تھے کہ ان کے ذریعہ وہ خدا تعالیٰ تک پہنچ جائیں مگر وہ ہمیشہ اس سے محروم رہتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی خدا سے ملے اور جنہوں نے آپ کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو ملنا چاہا وہ بھی خدا سے ملے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** [۳۹]

یعنی اے لوگو! اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو اور اس سے ملنے کے خواہشمند ہو تو اس کا ذریعہ یہ ہے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑو وہ تمہیں مل جائے گا۔

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے مینار ہیں جن کے ذریعہ انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے ہزاروں ہزار مثالیں اُمتِ محمّدیہ میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور آپؐ کی متابعت میں اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کیا اور اس کے کلام سے مشرف ہوئے اور اس کے نشانات ان کے لئے ظاہر ہوئے بلکہ میں سمجھتا ہوں اگر دوسری تمام قوموں کے فاسقوں اور فاجروں کو نکال دیا جائے اور صرف ان کے نیک اور پاک بندوں کا شمار کیا جائے تب بھی ان میں خدا رسیدہ لوگوں کی اتنی مثالیں نہیں مل سکتیں جتنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں ہر زمانہ میں نظر آتی ہیں۔ ہزاروں ہزار لوگ ہر زمانہ میں سے ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کیا اور ان کی برکات سے دوسرے لوگ بھی متمتع ہوئے۔

حضرت عمرؓ سے قیصر کی درخواست

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک دفعہ قیصر کے سر میں شدید درد ہوُا اور باوجود ہر قسم کے علاجوں کے اُسے آرام نہ آیا۔ کسی نے اسے کہا کہ حضرت عمرؓ کو اپنے حالات لکھ کر بھجوا دو اور

ان سے تبرک کے طور پرکوئی چیز منگواؤ وہ تمہارے لئے دُعا بھی کریں گے اور تبرک بھی بھجوا دیں گے ان کی دعا سے تمہیں ضرور شفا حاصل ہو جائے گی۔ اُس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا سفیر بھیجا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ متکبر لوگ ہیں میرے پاس اس نے کہاں آنا تھا اب یہ دُکھ میں مبتلاء ہوا ہے تو اس نے اپنا سفیر میرے پاس بھیج دیا ہے اگر مَیں نے اسے کوئی اور تبرک بھیجا تو ممکن ہے وہ اسے حقیر سمجھ کر استعمال نہ کرے اس لئے مجھے کوئی ایسی چیز بھجوانی چاہئے جو تبرک کا بھی کام دے اور اس کے تکبر کو بھی توڑ دے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک پُرانی ٹوپی جس پر جگہ جگہ داغ لگے ہوئے تھے اور جو میل کی وجہ سے کالی ہو چکی تھی اُسے تبرک کے طور پر بھجوا دی۔ اُس نے جب یہ ٹوپی دیکھی تو اُسے بہت بُرا لگا تو اُس نے ٹوپی نہ پہنی مگر خدا تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ تمہیں برکت اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ اسے اتنا شدید دردِ سر ہوا کہ اس نے اپنے نوکروں سے کہا وہی ٹوپی لاؤ جو عمرؓ نے بھجوائی تھی تا کہ میں اُسے اپنے سر پر رکھوں چنانچہ اُس نے ٹوپی پہنی اور اُس کا درد جاتا رہا۔ چونکہ اُس کو ہر آٹھویں دسویں دن سر درد ہوجایا کرتا تھا، اس لئے پھر تو اس کا یہ معمول ہوگیا کہ وہ دربار میں بیٹھتا تو وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی میلی کچیلی ٹوپی اس نے اپنے سر پر رکھی ہوئی ہوتی۔

ایک صحابی کی قیصر کے مظالم سے نجات

یہ نشان جو خدا تعالیٰ نے اسے دکھایا اس میں ایک اور بات بھی مخفی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ قیصر کے پاس قید تھے اور اُس نے حکم دے دیا تھا کہ انہیں سؤر کا گوشت کھلایا جائے وہ فاقے برداشت کرتے تھے مگر سؤر کے قریب نہیں جاتے تھے اور گو اسلام نے یہ کہا ہے کہ اضطرار کی حالت میں سؤر کا گوشت کھا لینا جائز ہے مگر وہ کہتے تھے کہ میں صحابی ہوں میں ایسا نہیں کرسکتا۔ جب کئی کئی دن کے فاقوں کے بعد وہ مرنے لگتے تو قیصر انہیں روٹی دے دیتا جب پھر انہیں کچھ طاقت آ جاتی تو وہ پھر کہتا کہ انہیں سؤر کھلایا جائے اس طرح نہ وہ انہیں مرنے دیتا نہ جینے۔ کسی نے اُسے کہا کہ تجھے یہ سر درد اس لئے ہے کہ تُو نے اِس مسلمان کو قید رکھا ہوا ہے اور اب اس کا علاج یہی ہے کہ تم عمرؓ سے اپنے لئے دُعا کراؤ اور ان سے کوئی تبرک منگواؤ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ نے اُسے ٹوپی بھیجی اور اُس کے درد میں افاقہ ہوگیا تو وہ اس سے اتنا متأثر ہوا کہ اُس نے اِس صحابی کو بھی چھوڑ دیا۔ اب دیکھو کہاں قیصر ایک صحابی کو

تکلیف دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی سزا کے طور اس کے سر میں درد پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی اور شخص اسے مشورہ دیتا ہے کہ عمرؓ سے تبرّک منگواؤ اور ان سے دُعا کراؤ وہ تبرّک بھیجتے ہیں اور قیصر کا درد جاتا رہتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اس صحابیؓ کی نجات کے بھی سامان پیدا کر دیتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔

علومِ غیبیہ کا دروازہ کُھل گیا

(۳) مینار بنانے کی تیسری غرض اجرامِ فلکی سے علومِ غیبیہ کا معلوم کرنا ہوتی ہے لیکن یہ غرض بھی ان میناروں سے کبھی پوری نہیں ہوئی۔ لوگ مینار بناتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اَرواحِ سماویہ سے غیبی علوم ان کو حاصل ہو جائیں مگر کسی مینار سے بھی ان کو غیب کا علم حاصل نہیں ہوتا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے علومِ غیبیہ عطا ہوئے کہ جن کی مثال دنیا کے کسی نبی میں نظر نہیں آ سکتی بلکہ آپ تو الگ رہے آپ کے اتباع میں بھی ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں دی ہیں اور ان پر اپنے آسمانی اسرار کھولے ہیں۔ مَیں نے خود اللہ تعالیٰ کے فضل سے محض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے فیوض کی وجہ سے علومِ غیبیہ سے جو حصہ پایا ہے اس کی مثال موجودہ زمانہ میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ سینکڑوں غیب کی خبریں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر فرمائیں اور ان میں سے کئی ایسی ہیں جو دنیا میں ایک تہلکہ مچانے کا موجب ہوئیں۔

لیبر پارٹی کی کامیابی کے متعلق رؤیا

مثلاً لیبر پارٹی کی کامیابی کے متعلق جو مَیں نے رؤیا دیکھا وہ خدا تعالیٰ کے علمِ غیب کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ مسٹر ایٹلی (ATTLEE) جو لیبر پارٹی کے لیڈر اور برطانیہ کے وزیر اعظم تھے خود انہیں اس امر کی کوئی امید نہیں تھی کہ وہ انتخابات میں اکثریت بھی حاصل کر لیں گے یا نہیں۔ پچیس جولائی ۱۹۴۵ء کی شام تک انگلستان کے اخبارات یہی لکھتے رہے کہ کنزرویٹو پارٹی میدان جیت جائے گی۔ مسٹر چرچل اپنی کامیابی کے متعلق انتہائی پُر اُمید تھے وہ سمجھتے تھے کہ لوگوں کے دلوں پر میری جنگی خدمات کا اثر ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ لیبر پارٹی برسرِ اقتدار آ سکے مگر چند ہی گھنٹوں کے بعد جو نتائج برآمد ہوئے انہوں نے تمام اخبارات اور کنزرویٹو پارٹی کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور دُنیا دیکھ کر حیران رہ گئی کہ لیبر پارٹی کامیاب ہوگئی ہے۔ مَیں نے قبل از وقت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو یہ رؤیا سنا دیا تھا اور انہوں نے انگلستان جا کر

تمام بڑے بڑے لیڈروں کو یہ بات بتا دی تھی اور آخر وہی ہؤا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا تھا۔

لیبیا کے محاذ پر انگریزی اور اطالوی فوجوں کی جنگ

اسی طرح جنگِ عظیم کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی اور جو اپنے وقت پر حیرت انگیز رنگ میں پورے ہوئے۔ دنیا کا کوئی شخص ان واقعات کا جو مجھے بتائے گئے قبل از وقت قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا۔مثلاً ۱۹۴۰ء میں مجھے بتایا گیا کہ لیبیا کے محاذ پر دشمن کی فوجوں اور انگریزی فوجوں کے درمیان شدید جنگ ہوگی مگر پھر وہ آگے بڑھیں گے اور فتح حاصل کریں گے۔اس کے بعد پھر انگریزوں کو پیچھے ہٹنا پڑے گا اور دشمن کا دباؤ بڑھ جائے گا لیکن دوبارہ پھر انگریز انہیں دھکیل کر پیچھے لے جائیں گے غرض اسی طرح دو تین بار ہوگا مگر آخر انگریزی فوج اپنے دشمن کو دباتی ہوئی اسے شکست دے دیگی۔جن دنوں مَیں نے یہ رؤیا دیکھا میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے مکان پر شملہ میں ٹھہرا ہؤا تھا مَیں نے چوہدری صاحب سے اِس خواب کا ذکر کیا۔ وہ اُس وقت وائسرائے کی کونسل کے اجلاس میں شامل ہونے کے لئے جا رہے تھے جب واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ مَیں نے اس رؤیا کا اور لوگوں کے علاوہ ہز ایکسی لینسی وائسرائے کے پرائیوٹ سیکرٹری سر لیتھویٹ سے بھی ذکر کیا تھا اور انہوں نے اس رؤیا کو بہت تعجب سے سنا۔ دوسرے دن وہ چوہدری صاحب کے ہاں چائے پر آئے تو انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں خود آپ کی زبان سے یہ رؤیا سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے انہیں دوبارہ رؤیا سُنایا۔اس رؤیا کے بعد بعینہٖ اسی طرح واقعات رونما ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھائے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں اطالوی فوجیں آگے بڑھیں اور انہوں نے انگریزی فوجوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ ۱۹۴۰ء کے آخر میں پھر انگریزی فوجیں آگے بڑھیں اور اطالوی فوجیں شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ ۱۹۴۱ء میں دشمن پھر آگے بڑھا اور انگریزی فوجوں کو دھکیلتا ہؤا مصر کی سرحد پر لے آیا۔ ۱۹۴۱ء کے آخر میں انگریز پھر آگے بڑھے اور دشمن کی فوجوں کو شکست دیتے ہوئے اسے کئی سَو میل تک لے گئے۔ جون ۱۹۴۲ء میں پھر دشمن کی فوجیں انگریزی فوجوں کو دھکیل کر مصر کی سرحد پر لے آئیں اور ۱۹۴۲ء کے آخر میں پھر انگریزوں نے بڑھنا شروع کر دیا اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رؤیا مجھے دکھایا گیا تھا وہ متواتر پورا ہؤا اور لفظاً لفظاً پورا ہؤا۔

۲۸سَو ہوائی جہاز بھجوائے جانے کے متعلق رؤیا

اسی طرح جن دنوں فرانس، جرمنی کے مقابلہ میں شکست کھا چکا تھا اور انگریز سخت خطرہ میں گھرے ہوئے تھے مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں انگلستان گیا ہوں اور انگریزوں نے انگلستان کی حفاظت کا کام میرے سُپرد کیا ہے۔ مَیں نے کہا مَیں پہلے فوجی مقامات کو دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ یہ اندازہ لگاؤں کہ ہمارے پاس کسی چیز کی کمی تو نہیں اور اگر ہے تو اسے کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے تمام فوجی ہیڈکوارٹرز اور سرکاری دفاتر دیکھے اور مَیں نے وزارت کو رپورٹ کی کہ انگلستان کے پاس صرف ہوائی جہازوں کی کمی ہے اگر مجھے ہوائی جہاز مل جائیں، تو میں انگلستان کی حفاظت کا کام بخوبی کر سکتا ہوں۔ اتنے میں رؤیا میں ہی ایک شخص میرے پاس آیا اور اُس نے مجھے ایک تار دی جس کے الفاظ یہ تھے کہ:-

The British Representative from America Wires,
that the American Government has delivered 2800
Aeroplanes to the British Government.

یعنی برطانوی نمائندہ امریکہ سے تار دیتا ہے کہ دو ہزار آٹھ سَو ہوائی جہاز امریکن گورنمنٹ نے برطانوی گورنمنٹ کو دیئے ہیں۔ مَیں نے تار پڑھ کر کہا کہ اب کام ہو گیا ہے اب ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں رہی۔ مَیں نے یہ رؤیا انہی دِنوں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو سُنا دیا اور انہوں نے کئی برطانوی نمائندوں اور گورنمنٹ کے دوسرے ہندوستانی معزز افسروں میں اس کا ذکر کر دیا۔

یہ رؤیا جون ۱۹۴۰ء میں مَیں نے دیکھا تھا۔ جولائی کے مہینہ میں مَیں ایک دن مسجد مبارک میں بیٹھا ہؤا تھا کہ ایک شخص دَوڑتا ہؤا آیا اور اُس نے کہا کہ آپ کے نام ایک ضروری فون آیا ہے۔ مَیں گیا تو مجھے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی آواز آئی مگر مَیں نے محسوس کیا کہ ان کی آواز کانپ رہی ہے۔ وہ اچھے حوصلے والے آدمی ہیں مگر اس وقت ان کی آواز میں ارتعاش تھا انہوں نے کہا کہ آپ نے آج کی تازہ خبریں پڑھ لی ہیں؟ مَیں نے کہا پڑھ تو لی ہیں مگر مجھے تو ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ انہوں نے کہا مبارک ہو آپ کی خواب پوری ہو گئی ابھی تار آئی ہے جس میں لکھا ہے:-

The British Representative from America Wires, that the American Government has delivered 2800 Aeroplanes to the British Government.

گویا وہی الفاظ جو رؤیا میں مجھے دکھائے گئے تھے ایک مہینہ کے اندر اندر پورے ہو گئے اور برطانوی نمائندے نے امریکہ سے حکومتِ انگلستان کو اطلاع دی ہے کہ امریکی گورنمنٹ، گورنمنٹِ برطانیہ کو ۲۸۰۰ ہوائی جہاز دے رہی ہے۔

سرکلو پر اتمامِ حُجّت

پھر انہوں نے کہا جن لوگوں کو مَیں نے یہ خبر سنائی تھی ان میں سے ایک سرکلو بھی تھے (جو اُس وقت ریلوے بورڈ کے ممبر تھے اور بعد میں آسام کے گورنر مقرر ہوئے) چونکہ خدا تعالیٰ نے اِس رؤیا کی صداقت کو ان پر ظاہر کرنا تھا اس لئے انہوں نے تار ایسی طرز پر پڑھی کہ ان کا خیال اس طرف چلا گیا کہ جو بات رؤیا میں بتائی گئی تھی وہ صحیح طور پر پوری نہیں ہوئی۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے بتایا کہ مَیں نے سرکلو کو فون کیا کہ سرکلو تم کو یاد ہے مَیں نے تمہیں امام جماعت احمدیہ کی ایک رؤیا سنائی تھی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ امریکن گورنمنٹ برطانوی گورنمنٹ کو ۲۸۰۰ ہوائی جہاز دے گی اور آج یہ رؤیا پوری ہو گئی ہے کیونکہ ابھی تار آئی ہے کہ امریکن گورنمنٹ نے ۲۸۰۰ ہوائی جہاز برطانوی گورنمنٹ کو دے دیئے ہیں انہوں نے کہا بات تو ٹھیک ہے کہ آپ نے مجھے امام جماعت احمدیہ کی خواب سنائی تھی مگر وہ ساری پوری نہیں ہوئی آپ نے تو مجھے ۲۸۰۰ ہوائی جہاز بتائے تھے اور تار میں یہ لکھا ہے کہ امریکن گورنمنٹ نے ۲۵۰۰ (پچیس سَو) ہوائی جہاز دیئے ہیں۔مَیں نے کہا سرکلو تار کو دوبارہ پڑھو۔اُس نے دوبارہ پڑھا تو کہنے لگا اوہو! یہ تو وہی الفاظ نکل آئے جو آپ نے مجھے بتائے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس خبر کو ایسے رنگ میں پورا کیا کہ سرکلو پر بھی حُجّت تمام ہو گئی اور انہوں نے اقرار کیا کہ واقعہ میں جو بات بتائی گئی تھی وہ پوری ہو گئی ہے۔

قادیان سے ہجرت کی خبر

اس طرح ۱۹۴۱ء میں مجھے قادیان سے نکلنے کی خبر دی گئی اور مجھے دکھایا گیا کہ لڑائی ہو رہی ہے گولیاں چل رہی ہیں اور ہم ایک نئے مرکز کی تلاش میں کسی دوسری جگہ گئے ہیں حالانکہ ۱۹۴۱ء میں کسی کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ہمیں قادیان سے ہجرت کرنی پڑے گی اور ایک نیا مرکز ہمیں بنانا پڑے گا۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہزار ہا غیبی خبریں ملیں اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پیدا کر کے خود مسلمانوں کے لئے بھی علومِ غیبیہ کا منبع کُھل گیا۔

چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے متعلق ایک رؤیا!

ابھی مجھے ایک تازہ رؤیا ہؤا ہے۔ میں گزشتہ دنوں ناصر آباد سندھ میں تھا کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں اپنے مکان کے برآمدہ میں ایک پیڑھی پر بیٹھا ہوں کہ اتنے میں اخبار آیا اور مَیں نے اُسے کھولا تو اُس میں یہ خبر درج تھی کہ رات نیویارک ریڈیو سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اِس خواب کے اچھے معنے بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ شہادت ایک بڑا رُتبہ ہے پس اس سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ انہیں کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوگی لیکن ظاہری تعبیر کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ خواب منذر بھی ہوسکتی ہے اور اس کے یہ معنے بھی کئے جا سکتے ہیں کہ ان کے کام میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور دشمن انہیں ناکام کرنے کی کوشش کریگا۔ چنانچہ اس رؤیا کے بعد جب میں کراچی پہنچا تو تیرہ مارچ (۱۹۴۸ء) کو مَیں نے انہیں تار دیا کہ مَیں نے ایسا رؤیا دیکھا ہے اور مَیں نے لکھا کہ گو خواب میں قتل سے مراد کوئی بڑی کامیابی بھی ہوسکتی ہے لیکن ظاہری تعبیر کے لحاظ سے چونکہ یہ رؤیا منذر ہے اس لئے انہیں احتیاط رکھنی چاہئے۔ اس کے جواب میں مجھے ان کی طرف سے تار بھی ملا اور پھر تفصیلی خط بھی آ گیا جس میں ذکر تھا کہ بعض حکومتیں اپنی ذاتی اغراض کے لئے مخالفت کر رہی ہیں اور کام میں مشکلات پیدا ہوتی جا رہی ہیں۔ چوہدری صاحب کی بیوی مجھ سے ملنے کے لئے آئیں تو مَیں نے ان سے بھی اس رؤیا کا ذکر کر دیا۔ انہوں نے بتایا کہ مَیں نے بھی چوہدری صاحب کے متعلق ایک منذر رؤیا دیکھا ہے جس میں کسی حملہ کی طرف اشارہ ہے اور آپ کی خواب بھی یہی بتا رہی ہے۔ مَیں نے کہا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ واقعہ میں کوئی دشمن غصہ میں آ کر ان پر حملہ کر دے مگر اصل تعبیر یہی معلوم ہوتی ہے کہ جو کام وہ کر رہے ہیں اس میں دشمن انہیں ناکام کرنے کی کوشش کرے گا۔

محمدی مینار تاابدٓ آپؐ کے نام کو قائم رکھنے والا ہے

(۴) پھر مینار بنانے کی چوتھی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ چاہتے ہیں ان میناروں کے ذریعہ ان کا نام دنیا میں قائم رہے اور لوگ انہیں عزت کے

ساتھ یاد کریں مگر ہمیں دکھائی یہ دیتا ہے کہ خود بنانے والوں کے ناموں میں ہی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک کہتا ہے یہ قطب الدین ایبک کی لاٹ ہے اور دوسرا کہتا ہے یہ فلاں راجہ کی لاٹ ہے ایک کہتا ہے یہ فلاں بادشاہ کا مینار ہے اور دوسرا کہتا ہے یہ فلاں راجہ کا مینار ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مینار تاابَدْ آپؐ کے نام کو قائم کرنے والا ہے اور پھر اس کے بنانے والے کے متعلق کسی کو شبہ نہیں۔ ہر شخص دوست اور دشمن مانتا ہے کہ یہ منارہ محمدؐ کی ہے دنیا میں اس کا کبھی کوئی اور مدعی ہو ہی نہیں سکتا اور یہ جامہ کسی اور کے بدن پر زیب ہی نہیں دے سکتا۔

محمدی مینار دنیا کے ہر مقام پر کھڑا کیا جا سکتا ہے

پھر دُنیوی میناروں اور اس مینار میں ایک اور فرق یہ ہے کہ ان میناروں کو خواہ کتنی ضرورت ہو اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا۔ دلّی سے مسلمان چلے گئے مگر فیروز شاہ کی لاٹ وہیں کھڑی رہی۔ دلّی سے مسلمان چلے گئے مگر قطب الدین کی لاٹ وہ اپنے ساتھ نہیں لے گئے لیکن دنیا کے کسی خطہ میں تم چلے جاؤ اور جہاں بھی چاہو رہو تم اس مقام پر محمدی مینار کھڑا کر سکتے ہو یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کر سکتے ہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو آجکل یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے اب ہندوستان میں محمدی مینار کھڑا کرنا ان کے ذمہ ہے خصوصاً احمدی جماعت کے، اِن کو تو ایک منٹ کے لئے بھی یہ بات نہیں بھولنی چاہئے اور ہندوؤں اور سکھوں میں تبلیغ جاری رکھنی چاہئے مایوس ہونے والی بات نہیں جس خدا نے اسلام کو دنیا میں اتنا پھیلایا ہے وہ پھر بھی اُن کی زبانوں میں تاثیر پیدا کر سکتا ہے اور لوگوں کے دلوں کو صاف کر سکتا ہے۔

بہرحال یہ محمدی مینار اپنے اندر یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ تم جہاں چاہو اِس کو کھڑا کر سکتے ہو اور جس جگہ بھی تم اِس مینار کو کھڑا کرو گے وہیں خدا تعالیٰ کے انوار اُترنے لگ جائیں گے اور ہر جگہ تم اِس مینار سے روشنی حاصل کر سکو گے۔ قطب الدین کی لاٹ پر اگر بڑے سے بڑا روشن چراغ بھی جلاؤ تو وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس میل تک روشنی پہنچا سکتا ہے۔ سمندر کی تاریکیوں میں جب کہ بڑی بڑی چٹانوں سے جہاز ٹکرا کر پاش پاش ہو رہے ہوتے ہیں ان میناروں کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا اور ہزار دو ہزار میل تک تو دنیا کا کوئی مینار بھی روشنی نہیں پہنچا سکتا لیکن اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہو تو خواہ انسان طوفانوں میں گھر جائے،

حوادث اور مصائب کے بادل اس پر اُمڈ آئیں، اگر وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر خدا تعالیٰ سے دعا کریگا تو وہیں مینارِ محمدی کھڑا ہو جائے گا اس کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں، اس کے لئے کوئی وقت معیّن نہیں، سمندروں پر یہ مینار کھڑا کیا جاسکتا ہے، پہاڑوں پر یہ مینار کھڑا کیا جاسکتا ہے، غاروں میں یہ مینار لے جایا سکتا ہے، غرض ہر مقام اور ہر جگہ پر اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے اور یہ وہ خوبی ہے جو دنیا کے کسی اور مینار میں نہیں پائی جاتی۔

محمدی مینار ہر انسان کو اس کے درجہ کے مطابق روشنی دیتا ہے

پھر اس مینار میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس سے ہر شخص اپنے درجہ کے مطابق روشنی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر قطب الدین کی لاٹ پر دس ہزار وولٹ کی روشنی ہے اور تمہیں اس سے کم روشنی کی ضرورت ہے تو وہ اتنی ہی روشنی دے گا یا زیادہ روشنی کی ضرورت ہو تب بھی وہ دس ہزار وولٹ سے زیادہ روشنی نہیں دے گا اور اگر اس پر پندرہ ہزار وولٹ کی روشنی ہے تو وہ پندرہ ہزار وولٹ کی روشنی ہی ہر شخص کو دے گا لیکن منارہ محمدؐی میں یہ خوبی ہے کہ انسان خواہ کتنی ترقی کر جائے یہ مینار اس کے درجہ کے مطابق اسے روشنی دیتا چلا جاتا ہے۔ اگر تمہیں دس ہزار وولٹ کی روشنی چاہئے تو وہ تمہیں دس ہزار وولٹ روشنی مہیا کرے گا، اگر تمہیں پچاس ہزار وولٹ کی ضرورت ہے تو وہ تمہیں پچاس ہزار وولٹ روشنی دے گا، اگر تمہیں ایک لاکھ وولٹ کی ضرورت ہے تو وہ تمہیں ایک لاکھ وولٹ روشنی مہیا کرے گا۔ غرض روحانی ارتقاء کے راستہ میں کوئی مقام ایسا نہیں آ سکتا جہاں یہ کہا جاسکے کہ اب منارہ محمدی سے روشنی حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کے وراء الورٰی مقامات پر بھی اگر انسان پہنچ جائے تب بھی وہ محمدؐی مینار کی روشنی کا محتاج ہے۔

یہی وہ نکتہ تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ:-

ے ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلامِ احمدؐ ہے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی عظمت

تھوڑے ہی دن ہوئے، ایک مسلمان اخبار میں مَیں نے پڑھا کہ مرزا صاحب نے حضرت مسیح ناصری کی کتنی بڑی ہتک کی ہے کہ وہ کہتے ہیں:-

ے ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلامِ احمدؐ ہے

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جب تک وہ لوگ جو اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج روحانیہ کے حامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قُرب کے بلند ترین مقامات کو طے کر چکے ہیں یہ نہ کہیں کہ ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں حاصل کیا ہے اور یہ کہ اس قدر ترقی کرنے کے باوجود ہم اب بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور آپ کے خاکِ پا ہیں اس وقت تک مقامِ محمدیؐ کی فضیلت کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتی اور نہ ختمِ نبوت کی حقیقت روشن ہوسکتی ہے۔ کوئی عیسیٰ کا مُرید اگر اس پر بُرا مناتا ہے تو بیشک بُرا منائے ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سچّا غلام بڑے سے بڑا مقام حاصل کر سکتا ہے اور جتنا بھی وہ بڑھتا چلا جائے گا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے ہی استفادہ کریگا اور ہمیشہ آپ کے غلاموں اور چاکروں میں ہی اس کا شمار ہوگا۔ ہمیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس دعویٰ کے نتیجہ میں ہم مارے جائیں یا قتل کئے جائیں یا اپنے وطنوں سے نکال دیئے جائیں ہم فخر سمجھیں گے کہ ہم نے ماریں کھا کر اور گالیاں سن کر اور وطنوں سے بے وطن ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کیا اور آپ کی عظمت کو دنیا میں روشن کیا۔

نسخہ کیمیا

پھر اس مینار کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ ہر شخص کو اس کی استعدادِ روحانیہ کے مطابق روشنی دیتا ہے اور دوسری طرف اس پُرانی مثل کے مطابق جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ جب کوئی شخص ''سِم سِم کُھل جا'' کہتا تھا تو خزانے کا دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا یہاں بھی ایک ایسا ہی سِم سِم کا نسخہ موجود ہے جس کو استعمال کرنے سے منارہ محمدیؐ کی روشنی فوراً زیادہ ہو جاتی ہے گو اس وقت اس کا ساتھی کم روشنی حاصل کر رہا ہو یہ روشنی بڑھانے والا نسخہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

یہ ایک کنجی ہے جو اس مینار سے روشنی حاصل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہے تم خدا تعالیٰ سے یہ کہتے ہو کہ اے خدا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بڑھا جس طرح تُو نے حضرت ابراہیمؑ اور آل ابرہیمؑ کا نور بڑھایا جب کوئی بندہ اس نسخہ کو استعمال

کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کہتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بڑھانے کا وعدہ تو مَیں نے کیا ہؤا ہی ہے اس بندہ نے جو مجھے وعدہ یاد دلایا ہے تو میں اس کے بدلہ میں اس بندے کا بھی نور بڑھاؤں گا اور اسے بھی ایک چھوٹا محمد بناؤں گا۔

پس اِس نسخہ کو استعمال کر کے اس مینارِ محمدی کی نقل میں اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے مینار تیار ہونے لگ جاتے ہیں۔

یہ مینار ہمیشہ تیار ہوتے رہے اور ہوتے چلے جائیں گے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اُمت میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہو سکتے جو خدا کے مقرب ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف رکھتے ہوں وہ جھوٹا ہے۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتا ہے وہ آپ کے فیضان کو بند کرتا ہے ہم جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت بھی زندہ تھے جب آپ جسدِ عنصری کے ساتھ اِس دنیا میں موجود تھے اور اِس وقت بھی زندہ ہیں جب آپ دنیا سے جا چکے ہیں۔ دنیا پیدا ہوگی اور فنا ہوگی لوگ آئیں گے اور مریں گے انسانی نسل دنیا میں پیدا ہوگی اور مٹے گی مگر میرا رسول ہمیشہ کے لئے زندہ ہے جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور اگر اِس پر کوئی مجھے پھانسی بھی دینا چاہے تو مَیں پھانسی کے تختہ پر بھی چڑھنے کے لئے تیار ہوں۔

منارہ محمدی کی نقل میں بعض اور چھوٹے چھوٹے مینار

پھر اس منارۂ محمدی کی نقل میں بعض اور چھوٹے چھوٹے منارے بھی تیار ہوئے ہیں جس طرح کہ ایک بڑا منارہ تیار ہؤا ہے جس کے متعلق خود اَلْمَنَارَۃ الْبَیْضَاء نے خبر دی تھی اور قرآن کریم نے بھی کہا تھا کہ وَلَقَدْرَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی اور ان مناروں کی خبر قرآن کریم میں یوں دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ لا یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ

وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْماً تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْاوَیَزِیْدَھُم مِّنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِحِسَابٍ

یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَامِصْبَاحٌ اس کے نور کی کیفیت یہ ہے کہ جیسے ایک طاقچہ ہواوراُس طاقچہ میں ایک چراغ ہو۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اُس طاقچے کے پیچھے ایک REFLECTOR لگاہؤا ہو اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَاکَوْکَبٌ دُرِّیٌّ اور وہ REFLECTOR اتنا صاف اور عمدہ ہو جیسے ایک چمکتا ہؤا ستارہ ہوتا ہے یُوْقَدُمِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ اور وہ چراغ ایک مبارک درخت سے جو زیتون کی قسم میں سے ہے جلایا جاتا ہو لَاشَرْقِیَّۃٍ وَّلَاغَرْبِیَّۃٍ نہ وہ شرقی ہے نہ غربی یَکَادُزَیْتُھَایُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ قریب ہے کہ اس کا تیل آپ ہی آپ جل اُٹھے خواہ اسے آگ نہ دکھائی جائے مگر چونکہ اسے آگ بھی دکھائی گئی ہے اس لئے نُوْرٌعَلٰی نُوْرٍنور پرنور نازل ہونا شروع ہوگیا ہے یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَشَآءُ اِس نور کے لئے جس کو چاہتا ہے وہ ہدایت دیتا ہےوَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اوراللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنے دین کی تفاصیل بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس مضمون کو بیان فرماتا ہے کہ خدا کا یہ نور کس مینار پر رکھا جاتا ہےفرماتا ہے فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَن تُرْفَعَ یہ نوراُن گھروں میں رکھا جائے گا جن کےمتعلق خداتعالیٰ نےحکم دیا ہے کہ وہ دنیا میں میناروں کی طرح بلند کئے جائیں۔ وَیُذْکَرَفِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّوَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّاتُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَابَیْعٌ عَنْ ذِکْرِاللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ اورجن میں رات اور دن خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اورصبح وشام اس کی تسبیح کی جاتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کوتجارت اورخریدوفروخت خدا کے ذکراور نمازوں کے قیام کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی۔ یَخَافُوْنَ یَوْماً تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَ بْصَارُ اور وہ اُس دن سے ڈرتے ہیں جس دن انسانوں کے دل دھڑکنے لگ جائیں گےاوران کی آنکھیں جھک جائیں گی۔ لِیَجْزِ یَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْاوَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے اعلیٰ حصے کا اُن کو بدلہ دے اور اپنے فضل سے ان کے انعامات میں اوربھی زیادتی کرے۔ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اور اللہ

تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

روحانی عظمت اور بلندی کے مستحق افراد کی تعیین!

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ روحانی طور پر بعض گھروں کو اونچا کر دیتا ہے یعنی دنیا میں انہیں ایک مینار کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے مگر فرماتا ہے کہ یہ کون سے گھر ہیں یہ وہی گھر ہیں یُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۔ رِجَالٌ لَّاتُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَابَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ یہ وہ گھر ہیں جن کے اندر صبح وشام خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اور صرف منہ سے ہی نام نہیں لیا جاتا بلکہ عملاً بھی وہ اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کرتے ہیں وہ تجارتیں بھی کرتے ہیں وہ سَودا بھی بیچتے ہیں وہ روپیہ بھی کماتے ہیں لیکن باوجود اس کے ان کا روپیہ انہیں خدا تعالیٰ سے غافل نہیں کر دیتا۔ان کی تجارت انہیں حقوق اللہ سے اور حقوق العباد کی ادائیگی سے روک نہیں دیتی وہ بندوں کا حق ادا کرتے ہیں، وہ غریبوں کی بھی ہمدردی کرتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کو بھی نہیں بھلاتے۔

ایک قابلِ غور نکتہ

جماعت احمدیہ ہمیشہ اِس نکتہ کو یاد رکھے کیونکہ اسی میں اس کی فلاح ہے۔ دین کے لئے روپیہ کمانا بھی اُس کا فرض ہے لیکن روپیہ کماتے وقت دین کی محبت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے دل میں رکھنا بھی اس کا فرض ہے بلکہ مَیں کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور شخص بھی اِس نُکتہ پر عمل کرے گا تو خواہ وہ کسی فرقہ کا ہو وہ یقیناً ہدایت پائے گا اور خدا تعالیٰ کی نصرت حاصل کرے گا کیونکہ جو شخص نیکی کی طرف ایک قدم اُٹھاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور قدم اُٹھانے کی بھی توفیق مل جاتی ہے۔

اپنے دائرہ میں ہر مسلمان کو ایک چھوٹا سا محمد بننے کی کوشش کرنی چاہئے

بہرحال یہ آیات بتاتی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپ کی اُمت کے ہر فرد کے لئے دنیا کا روحانی مینا ر بننے کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ وہ صرف دنیا کما کر کبھی اونچے نہیں ہو سکتے انہیں اصل اونچائی اُس وقت حاصل ہوگی جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جزو بن جائیں گے، جب وہ خدا تعالیٰ کا ذکر دنیا میں قائم کریں گے‘ جب وہ نمازوں پر التزام رکھیں گے، جب وہ زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہوں گے اور کسی قسم کے ظلم اور فتنہ میں حصہ نہیں لیں گے، یہ وہ نسخہ ہے جس کو استعمال کر کے دنیا کا ہر مسلمان روحانی دنیا کا ایک چھوٹا مینار بن سکتا

ہے مگر افسوس ہے کہ آج مسلمان اس نسخہ کو بُھول چکے ہیں وہ دنیا کی تمام بلندیوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ ترقی کرتے کرتے ایک چھوٹے شیکسپیئر بن جائیں، وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ وہ ایک چھوٹے ہیگل بن جائیں، وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ وہ ایک چھوٹے فلسفی بن جائیں' وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ اگر سائیکالوجی کا کوئی بہت بڑا ماہر گزرا ہے تو وہ اس کی نقل میں ایک چھوٹے سائیکالوجسٹ بن جائیں، وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ ایک چھوٹے جیمز یا ایک چھوٹے فرائڈ بن جائیں مگر آج مشرق سے لے کر مغرب تک کسی مسلمان کے دل میں یہ خواہش نہیں پائی جاتی کہ وہ ایک چھوٹا محمدؐ بن جائے حالانکہ ہمارے دل میں سِوائے اِس کے اور کوئی خواہش نہیں ہونی چاہیئے کہ خواہ کچھ بھی ہو اور خواہ ہمیں اِس کے لئے کوئی بھی قربانی کرنی پڑے ہم ایک چھوٹے محمدؐ بن جائیں۔

اپنے روحانی باپ کی نقل کرو

بچوں کو دیکھ لو دنیا میں ہر بچہ اپنے ماں باپ کی محبت کی وجہ سے ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جن کی مائیں اپنے بچوں سے توتلی زبان میں باتیں کرنے کی عادی ہوتی ہیں ان کے بچے بھی اسی رنگ میں بات کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور جن کے باپ باتیں کرتے وقت ہکلاتے ہیں اُن کے بچے بھی رُک رُک کر باتیں کرتے ہیں بلکہ میں نے تو دیکھا ہے کہ اگر باپ کی آنکھ یا ناک یا ہاتھ میں بات کرتے وقت کوئی معمولی سی حرکت بھی ہوتی ہے تو ویسی ہی حرکت بچے کی آنکھ یا ناک یا ہاتھ میں بھی پائی جاتی ہے یا اگر ماں اپنی آنکھ کو ذرا جھپک کر بات کرنے کی عادت ہو تو اس کی بیٹی میں بھی آنکھ کی ویسی ہی جھپک آ جاتی ہے۔ غرض بچے اپنے اخلاق اور اپنی عادات اور اپنی زبان اور اپنے لب ولہجہ میں اپنے ماں باپ کی نقل کرتے ہیں اور یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو ماں باپ سے بچوں میں آ جاتی ہیں مگر یہ کتنے بڑے افسوس کا مقام ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کامل باپ موجود ہے مگر مسلمان اس کی نقل کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے باپوں کے پیچھے بھاگے پھرتے ہیں۔ کوئی بچہ نادان سے نادان اور پاگل سے پاگل بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو اپنے باپ اور اپنی ماں کو چھوڑ کر دوسروں کے پیچھے بھاگا پھرے۔ انسان کے بچہ کو جانے دو کُتّے بھی ایسا نہیں کرتے۔ ایک کُتّے کو بھی اگر چند دن روٹی کھلاؤ تو وہ اپنے مالک کے گھر کا دروازہ نہیں چھوڑتا لیکن آج مسلمانوں کے دلوں میں اپنے عظیم الشان روحانی باپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرنے کی خواہش پیدا نہیں ہوتی وہ منہ سے تو

کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت قائم ہونی چاہئے مگر یہ حکومت وہ دوسروں سے منوانا چاہتے ہیں خود اس حکومت کا جؤا اُٹھانے کے لئے تیار نہیں حالانکہ ہزاروں ہزار احکام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہیں کہ نہ ان کے لئے کسی قانون کی ضرورت ہے نہ آئین کی ضرورت ہے نہ جتھے کی ضرورت ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور نماز شروع کر دی۔ کیا اس کے لئے کسی قانون کی ضرورت ہے یا رمضان آیا اور روزے رکھنے شروع کر دیئے کیا اس کے لئے کسی آئین کی ضرورت ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا کے چپہ چپہ پر بغیر کسی قانون اور آئین کے قائم کی جا سکتی ہے مگر مسلمان اس کے لئے تیار نہیں۔ وہ نعرے لگانا جانتے ہیں وہ منہ کی پھونکوں سے کُفر مٹانا چاہتے ہیں لیکن عملی رنگ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لئے کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

افرادِ جماعت کو نصیحت

مَیں اپنی جماعت سے کہتا ہوں **میں نے پہلے بھی کئی دفعہ نصیحت کی ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ تمہارا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ خواہ کتنا ہی چھوٹا سہی مگر بہرحال تم اپنے دائرہ میں چھوٹے محمد بن جاؤ۔ جس دن تم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو ایک چھوٹا محمد بنانے کی کوشش کرے گا، جس دن تم اُٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بن جاؤ گے اور جس دن تمہاری زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی جھلک پیدا ہو جائے گی دنیا سمجھ لے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور تمہارے اعمال اور اخلاق اور کردار کو دیکھ کر اس کے دل میں تمہاری محبت بڑھتی چلی جائے گی۔ تم ایک زندہ اور مجسم نمونہ ہو گے، تم چلتی پھرتی تبلیغ ہو گے، تم دنیا کے راہنما اور راہبر ہو گے، تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ کی طرف دنیا کو کھینچ کر لانے والے ہو گے اور وہ لوگ بھی آخر تمہارے نمونہ کو دیکھ کر بے تاب ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ جب تک ہم سب سے بڑے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ لیں ہم صبر نہیں کر سکتے تب دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہو جائے گی اور تمام بنی نوع انسان آپ کی غلامی میں شامل ہو جائیں گے۔**

اللہ تعالیٰ سے دُعا

اب مَیں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ لوگوں کو بھی اور ہمارے بیوی بچوں کو بھی اور ہمارے دوستوں کو بھی اور ہمارے ملنے والوں کو بھی اور ہمارے ہم قوموں کو بھی اور ہمارے ہم مذہبوں کو بھی اور ہمارے ساتھ نام میں اشتراک رکھنے والے مسلمانوں کو بھی بلکہ ہمارے ساتھ انسانیت میں اشتراک رکھنے والے تمام غیر مُسلموں کو بھی میرے آقا کی محبت بخش دے اور ساری دنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں شامل ہو جائے۔ پس آؤ! ہم خدا تعالیٰ سے التجا کریں کہ اے خدا! ہم کمزور ہیں، ہم نحیف اور ناتواں ہیں، ہمارے دل تاریک ہیں، ہماری زُبانیں زنگ آلود ہیں تو اپنے بندوں پر رحم فرما اور ہماری زاری کو قبول کرتے ہوئے پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا میں قائم کر دے، پھر قرآن کی حکومت دنیا میں قائم کر دے، پھر تیرا نور دنیا کو روشنی دینے والا بنے، پھر دنیا کی ساری ظلمتیں اور تاریکیاں مٹ جائیں اور دنیا میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نور باقی رہے۔ اٰمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔

---

۱ المؤمن: ۳۷، ۳۸ ۲ مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال۔

۳ **عبداللہ بن سبا:** یہ صنعا کا یہودی اور سبائی تحریک کا بانی تھا۔ بعض روایات کے مطابق شیعہ مسلک کا بانی تھا۔ اس نے حضرت عثمان کے زمانہ میں مسلمانوں میں نِفاق پھیلایا۔ بقول اس کے حضرت علی حضورؐ کے وصی ہیں نیز خدا کے اوتار تھے۔ حضرت علیؓ نے اسے سزائے موت دی۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۹۷۳۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۴ المنجد عربی اُردو صفحہ ۱۰۵۸۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء۔

۵ مسلم کتاب الاذان باب بیان کفر مَنْ قَال مطرنا بالنوء۔

۶ **ارڑ پوپو:** نجومی۔ ضدی۔ احمق (یہ پنجابی لفظ ہے)

۷ یونس: ۹۱ ۸ النّجم: ۲ تا ۱۹

۹ کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ حلب ۱۹۷۴ء۔

۱۰ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الجمعۃ باب قوله وَ اٰخرِیْنَ مِنھُم (الخ)

۱۱ الحجر: ۱۷ تا ۱۹

۱۲ ابوداؤد کتاب الملاحم باب مَایُذکَرُ فی قرن المائۃ۔

۱۳؎ الجنّ :۱۰ ۱۴؎ الشعراء :۲۱۳ ۱۵؎ الطّور :۳۹

۱۶؎ الصّٰفّٰت :۷ تا۱۱

۱۷؎ تعطیر الانام صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۸ء۔

۱۸؎ منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام مؤلفہ ابن سیرین بر حاشیہ تعطیر الانام الجزء الاول صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر ۱۳۲۰ھ

۱۹؎ مشکٰوۃ باب مناقب الصحابۃ

۲۰؎ بخاری کتاب الادب باب۔ المقۃ مِنَ اللّٰہ تعالٰی

۲۱؎ بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عِیْسی ابْنِ مریم عَلَیْہِمَا السَّلام۔

۲۲؎ الطلاق :۱۱، ۱۲ ۲۳؎ الطارق :۲ تا ۴

۲۴؎ تذکرہ صفحہ ۱۷۱۔ایڈیشن چہارم۔

۲۵؎ **مشوش:** پریشان۔مضطرب۔حیران۔

۲۶؎ پیدائش باب ۶ آیت ۵ تا ۷ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۴۳ء

۲۷؎ الدھر :۳۱ ۲۸؎ الانفال :۱۸

۲۹؎ بخاری کتاب الدیات باب مَنْ اَحْیَاھَا۔

۳۰؎ بخاری کتاب المغازی باب بعث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خالد بن ولید الی بنی جذیمۃ۔

۳۱؎ التکویر :۲۴

۳۲، ۳۳؎ مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال۔

۳۴؎ مشکٰوۃ کتاب الفتن باب نُزُوْلِ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصلٰوۃ والسلام۔

۳۵؎ بنی اسراء یل:۲

۳۶؎ تذکرہ صفحہ ۴۸۵۔ایڈیشن چہارم

۳۷؎ سیرت ابن ھشام الجزء الثانی صفحہ ۱۲، ۱۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۳۸؎ الاحزاب :۴۷

۳۹؎ اٰل عمران :۳۲ ۴۰؎ النور :۳۶تا۳۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (۵)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۰ء برموقع جلسہ سالانہ)

عالَمِ روحانی کا دیوانِ عام

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

سیرِ روحانی کے مضمون کا محرّک جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے ۱۹۳۸ء میں مَیں اپنے بعض کاموں کے سلسلہ میں سندھ گیا اور پھر وہاں سے کراچی چلا گیا میرا گلا ان دنوں بہت خراب تھا اور ڈاکٹر بتاتے تھے کہ گلے کی خرابی کے لئے سمندر کی ہوا بہت مفید ہوتی ہے اور تجربہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے چنانچہ جب سمندر کی سیر کا موقع ملا تو اس کے بعد ایک لمبے عرصہ تک مجھے گلے کی تکلیف نہیں ہوئی اسی نقطہ نگاہ کے ماتحت میں کراچی گیا اور ارادہ کیا کہ ہم جہاز میں سوار ہو کر بمبئی جائیں اور پھر حیدرآباد دکن کی جماعت سے بھی مل آئیں کیونکہ حیدرآباد کی جماعت دیر سے یہ اصرار کرتی چلی آ رہی تھی کہ کبھی موقع ملے تو میں وہاں ضرور آؤں۔

چنانچہ میں کراچی سے بمبئی اور بمبئی سے حیدرآباد گیا۔ اس سفر میں مَیں نے بہت سی چیزیں دیکھیں۔ مُغلیہ زمانہ کی بھی اور اس سے پہلے پٹھانوں کے زمانہ کی بھی۔ اسی طرح گولکنڈہ کا قلعہ دیکھا، پھر آگرہ میں آئے تو ہم نے آگرہ کا تاج محل اور فتح پور سیکری وغیرہ دیکھا۔ اس کے بعد دلّی آئے اور وہاں کے تاریخی مقامات دیکھے۔ اسی تسلسل میں جب ہم دلّی پہنچے اور ہم نے وہاں غیاث الدین تغلق کا قلعہ دیکھا تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو میرے اس مضمون کا محرّک ہوا۔ میں نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی پہلی تقریر میں بیان کیا ہے مَیں اُس جگہ پر پہنچ کر

کھڑا ہو گیا اور پہلے تو اس عبرت ناک نظارہ پر غور کرتا رہا کہ یہ بلند ترین عمارت جو دہلی پر بطور پہرہ دار کھڑی ہے اس کے بنانے والے کہاں چلے گئے۔ وہ کس قدر اولوالعزم، کس قدر باہمت اور کس قدر طاقت وقوت رکھنے والے بادشاہ تھے جنہوں نے ایسی یادگاریں قائم کیں۔ وہ کس شان کے ساتھ ہندوستان میں آئے اور کس شان کے ساتھ مرے مگر آج ان کی اولادوں کا کیا حال ہے۔ کوئی ان میں سے بڑھئی ہے، کوئی لوہار ہے، کوئی معمار ہے کوئی موچی ہے اور کوئی میراثی ہے۔ میں انہی خیالات میں تھا کہ میرے خیالات میرے قابو سے باہر نکل گئے اور مَیں کہیں کا کہیں جا پہنچا۔ سب عجائباتِ سفر جو سفر میں مَیں نے دیکھے تھے میری آنکھوں کے سامنے سے گزر گئے۔ دہلی کا یہ وسیع نظارہ جو میری آنکھوں کے سامنے تھا میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا اور آگرہ اور حیدرآباد اور سمندر کے نظارے ایک ایک کر کے سامنے سے گزرنے لگے آخر وہ سب ایک اور نظارہ کی طرف اشارہ کر کے خود غائب ہو گئے۔ میں اسی محویت کے عالم میں کھڑا رہا اور کھڑا رہا اور میرے ساتھی حیران تھے کہ اس کو کیا ہو گیا یہاں تک کہ مجھے اپنے پیچھے سے اپنی لڑکی کی آواز آئی کہ ابّا جان دیر ہو گئی ہے۔ مَیں اِس آواز کو سنکر پھر واپس اِسی مادی دنیا میں آ گیا مگر میرا دل اُس وقت رقّت انگیز جذبات سے پُر تھا۔ نہیں وہ خون ہو رہا تھا اور خون کے قطرے اس سے ٹپک رہے تھے مگر اس زخم میں ایک لذت بھی تھی اور وہ غم سرور سے ملا ہؤا تھا۔ میں نے افسوس سے اس دنیا کو دیکھا اور کہا کہ ’’میں نے پالیا میں نے پالیا‘‘۔ جب مَیں نے کہا ’’میں نے پالیا میں نے پالیا‘‘ تو اُس وقت میری وہی کیفیت تھی جس طرح آج سے دو ہزار سال پہلے گیا کے پاس ایک بانس کے درخت کے نیچے گوتم بدھ کی تھی جبکہ وہ خدا تعالیٰ کا قُرب اور اس کا وصال حاصل کرنے کے لئے بیٹھا اور بیٹھا رہا اور بیٹھا رہا یہاں تک کہ بُدھ مذہب کی روایات میں لکھا ہے کہ بانس کا درخت اس کے نیچے سے نکلا اور اُس کے سر کے پار ہو گیا مگر محویت کی وجہ سے اس کو کچھ پتہ نہ چلا۔ یہ تو ایک قصہ ہے جو بعد میں لوگوں نے بنا لیا اصل بات یہ ہے کہ بُدھ ایک بانس کے درخت کے نیچے بیٹھا اور وہ دنیا کے راز کو سوچنے لگا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے یہ راز اُس پر کھول دیا تب گوتم بُدھ نے یکدم اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا ’’میں نے پالیا میں نے پالیا‘‘۔ میری کیفیت بھی اُس وقت یہی تھی جب میں اس مادی دنیا کی طرف واپس لوٹا تو بے اختیار میں نے کہا ’’میں نے پالیا میں نے پالیا‘‘۔ اُس وقت میرے پیچھے میری لڑکی امۃ القیوم بیگم کھڑی تھی اُس نے کہا ابّا جان! آپ نے کیا پالیا مَیں

نے کہا میں نے بہت کچھ پالیا مگر میں اس وقت تم کو نہیں بتا سکتا اگر اللہ نے چاہا تو میں جلسہ سالانہ پر بتاؤں گا کہ میں نے کیا پایا اس وقت تم بھی سن لینا۔

سولہ عجائباتِ سفر میں نے جو چیزیں وہاں دیکھیں اور جو اپنے لیکچر میں مَیں نے گنی بھی ہیں وہ سولہ بڑی بڑی چیزیں تھیں۔

اوّل قلعے، دوم بادشاہوں کے مقابر، سوم مساجد، چوتھے ایک وسیع اور بلند تر مینار، پانچویں نوبت خانے، چھٹے باغات، ساتویں دیوانِ عام، آٹھویں دیوانِ خاص، نویں نہریں، دسویں لنگر خانے، گیارہویں دفاتر، بارہویں کتب خانے، تیرھویں مِینا بازار، چودھویں جنتر منتر، پندرھویں سمندر، سولہویں آثارِ قدیمہ۔

عبرت کا مقام یہ سولہ چیزیں تھیں جن کا میری طبیعت پر خاص اثر ہؤا مَیں نے جب ان کے متعلق غور کیا تو میں نے دیکھا کہ سمندر کے علاوہ کہ وہ خدا تعالےٰ کی پیدا کردہ چیز ہے اور سب کی سب تباہ و برباد ہوگئیں۔ نہریں سوکھ گئیں، مینار ٹوٹ پھوٹ گئے اور مسجدیں بہت سی برباد اور بہت سی غیر آباد ہوگئیں، کتب خانوں کی خبر گیری کرنے والے کوئی نہ رہے، جنتر منتر تماشا بن کر رہ گئے غرض تمام یادگاریں جو اپنے زمانہ میں دنیا کو محوِ حیرت بنا دیتی تھیں آج ویران ہوچکی تھیں، برباد ہوچکی تھیں، تباہ و خستہ حال ہوچکی تھیں اور اپنے بنانے والوں کے انجام پر رو رہی تھیں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو مَیں نے اپنے دل میں کہا یہ دنیا کیسی عبرت کی جگہ ہے کہ انسان جتنا اونچا ہوتا ہے اتنا ہی گِرتا ہے۔ ایک چُوڑھے کا بچہ آج سے ہزار سال پہلے بھی چوڑھا تھا اور اب بھی وہ چوڑھا ہے آج اُس کا چوڑھا ہونا اُس پر گراں نہیں گزرتا کیونکہ وہ جیسا پہلے تھا ویسا ہی آج بھی ہے۔ مگر یہاں یہ کیفیت ہے کہ آج سے پانچ یا چھ پُشت پہلے ایک شخص ہندوستان کا بادشاہ ہے اور آج وہ پانی بھرتا یا سڑکوں کی صفائی کرتا ہے۔ اگر وہ نسلاً بعد نسلٍ سقّے کا کام کر رہا ہوتا تو اس پر کوئی گراں نہ گزرتا مگر وہ ایک ایک قدم پر آہیں بھرتا ہے، وہ ایک ایک سانس پر حسرت اور اندوہ کے جذبات میں بہہ جاتا ہے، وہ حیران ہوتا ہے اپنے ماضی پر اور افسوس کرتا ہے اپنے حال پر۔ میں نے خود اپنی آنکھ سے دِلّی میں بعض شاہی گھرانوں کے شہزادوں کو مشکیں اُٹھائے لوگوں کو پانی پلاتے دیکھا ہے۔ میں چھوٹا تھا کہ ایکدفعہ میں دلّی گیا میرا ایک عزیز مجھے کہنے لگا چلو تم کو ایک تماشا دکھاؤں۔ وہ مجھے جامع مسجد کے پاس لے گیا وہاں سقّے مشکیں اُٹھائے آنے جانے والوں کو پانی پلا رہے تھے۔ وہ مجھے

ایک سقّے کے پاس لے گیا جو کٹورا ہاتھ میں لئے اسی طرح پانی تقسیم کر رہا تھا۔ میرے ساتھی نے اُس سے کہا کہ ہمیں پانی پلاؤ اُس نے کٹورا بھر کر دیا اور جب ہم پانی پی چکے تو وہ خاموشی کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو گیا اور تھوڑے توقّف کے بعد چلا گیا۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ کیا تماشا ہوا؟ اُس نے کہا، باقی سقّوں کو دیکھو سقّے پانی پلانے کے بعد اپنا ہاتھ بڑھا دیتے ہیں کہ لاؤ ہمیں کچھ معاوضہ دو اور پانی پینے والے انہیں پیسہ دو پیسے یا دھیلہ دے دیتے ہیں اور یہ کچھ نہیں کرتا، پانی پلاتا ہے اور پھر اکڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کچھ دیر توقّف کے بعد منہ پھیر کر چلا جاتا ہے مانگتا کچھ نہیں کیونکہ یہ شہزادہ ہے اور گو یہ اب لوگوں کو پانی پلاتا ہے مگر اس کی آن اَب بھی قائم ہے اگر کوئی دیدے تو لے لیتا ہے اور نہ دے تو چُپ کر کے واپس چلا جاتا ہے۔ چنانچہ بعد میں ہم نے اسے کچھ دیا بھی مگر یہ نظارہ بتاتا ہے کہ ان شہزادوں کی کیا سے کیا حالت ہو چکی ہے۔ یہ ساری کیفیت میری آنکھوں کے سامنے آ گئی۔

مسلمانوں کے شاندار عہدِ ماضی کی یاد

آخر سات سَو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی۔ راس کماری سے ہمالیہ کی چوٹیوں تک اور پشاور سے لیکر مشرقی پاکستان کے کناروں تک مسلمان حاکم تھا۔ مسلمان قوتِ فعّال تھا، مسلمان ہی کے پاس فوج تھی، مسلمان کے پاس تجارت تھی، مسلمان ہی کے پاس زراعت تھی، مسلمان ہی کے پاس علم تھا، مسلمان ہی کے پاس یونیورسٹیاں تھیں، مسلمان ہی کے پاس ہسپتال اور شفاخانے تھے اور مسلمان ہی کے پاس حکومت تھی مگر جس وقت مَیں تغلق کے قلعہ کی چوٹی پر کھڑا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا مَیں نے دیکھا کہ اب انگریز حاکم تھا، ہندو تمام محکموں پر قابض، تجارت پارسیوں اور میواڑیوں کے ہاتھ میں تھی، یونیورسٹیاں ہندوؤں اور انگریزوں کے ہاتھ میں تھیں اور مسلمان ہر جگہ دستر خوان کے گرے ہوئے ٹُکڑوں کا محتاج تھا۔ اگر کسی نے کچھ ڈال دیا تو ڈال دیا ورنہ اُس کا کسی چیز میں حق نہیں تھا۔ گھروں میں بیٹھے ہوئے بھی یہ گزشتہ تاریخ انسان کے دل کو کپکپا دیتی ہے مگر تغلق کے قلعہ پر جو ایسی جگہ بنا ہؤا تھا جہاں ساری دلّی پر نگاہ دَوڑائی جا سکتی تھی، یہ تاریخ تجسّم کا رنگ اختیار کر کے میری آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ میں نے سوچا اور غور کیا کہ جہاں قدم قدم پر اسلام کی شان بلند ہوتی تھی، جہاں قدم قدم پر نعرۂ ہائے تکبیر بلند کئے جاتے تھے، جہاں قدم قدم پر مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین روندی جاتی تھی اور بڑی بڑی طاقتیں ان سے ٹکر کھانے سے گھبراتی تھیں آج

مسلمان کس ذلّت میں ہے، کس مصیبت اور کسمپرسی کی حالت میں ہے؟ یہ زخم تھا جو تغلق کے قلعہ پر مجھے لگا اور میں نے سوچا کہ کیا کوئی مرہم ایسا بھی ہے جو میں اپنے دل پر لگا سکوں اور جس سے یہ دردناک تکلیف دور ہو سکے چنانچہ میں اس چیز میں کھویا گیا اور کھویا گیا اور کھویا گیا کہ ہماری کیا حالت تھی اور اب ہم کس حالت کو پہنچ گئے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد مسلمانوں نے فراموش کر دیا

تب معاً میری توجہ اِس بات کی طرف پھری کہ اے بندۂ خدا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جس عظیم الشان نعمت سے سرفراز کر کے بھیجا تھا اُس کو وہ بھول گئے اور یہ چیزیں جو اُن کی شوکت کا محض عارضی نشان تھیں ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے نہیں آئے تھے کہ بڑے بڑے قلعے بناتے۔ اگر وہ اس لئے آتے تو مدینہ منورہ میں کوئی بڑا قلعہ بھی ہوتا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے نہیں آئے تھے کہ نہریں بنائیں اگر وہ اس لئے آتے تو مدینہ منورہ میں نہریں بھی ہوتیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے نہیں آئے تھے کہ بڑے بڑے مقبرے بنائیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پکی قبر بنانے سے بھی منع فرمایا، اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بُھول بھلیاں بنانے کے لئے آئے تھے نہ مینا بازار بنانے کیلئے آئے تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ آؤ میں تمہیں خدا تعالیٰ سے ملا دوں۔ بیشک باقی چیزیں بھی مسلمانوں کو ملیں مگر وہ تابع تھیں اصل مقصود اور مطلوب نہیں تھیں۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی ذات میں مقصود ہوتی ہیں اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو توابع کے طور پر ملتی ہیں اور تابع چیزوں کو اپنے مدنظر رکھنا اور اُن کو اپنا مقصود قرار دے لینا نہایت شرمناک ہوتا ہے۔ ہم اپنے دوست کے گھر جاتے ہیں تو ہماری اصل خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہم اپنے دوست سے ملیں مگر ہمارا دوست ہمارے لئے پلاؤ بھی پکاتا ہے، مرغ بھی پکاتا ہے، کوفتے بھی پکاتا ہے، چائے بھی رکھتا ہے اگر ہم اپنے دوست سے اس لئے ملنے جائیں کہ وہاں ہمیں پلاؤ ملے گا، چائے ملے گی یا کوفتے ملیں گے تو ہم کتنے کمینے ہوں گے۔ اگر آپ لوگ اپنی ماں سے اس لئے ملنے جائیں کہ وہ آپ کی خاطر تواضع کرے گی تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ بڑے کمینے ہیں۔ اگر آپ اپنے باپ سے اس لئے ملنے جائیں کہ وہ آپ کو اچھے اچھے کھانے کھلائے گا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ بڑے کمینے

ہیں۔ اگر آپ اپنے دوست سے اس لئے ملنے جاتے ہیں کہ وہ آپ کو پلاؤ کھلائے گا یا مُرغ آپ کے لئے ذبح کریگا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ بڑے کمینے ہیں لیکن اگر آپ اپنی ماں سے ملنے کے لئے جائیں گے تو وہ آپ کے لئے چائے ضرور پکائے گی، آپ کے لئے پراٹھے ضرور تیار کرے گی۔ اگر آپ اپنے باپ کو ملنے جائیں گے تو وہ کچھ نہ کچھ کھانا ضرور پکائے گا۔ اگر آپ اپنے دوست کو ملنے جائیں گے تو وہ آپ کی کچھ نہ کچھ تواضع ضرور کریگا۔ تو دیکھو بات وہی بن جاتی ہے لیکن طریق مختلف ہو جاتا ہے۔ ایک صورت میں پلاؤ بھی ملے گا اور کمینے بھی بن جاؤ گے۔ لیکن اگر تم اپنے دوست کے پاس محض اس سے ملنے کے لئے جاؤ تو پلاؤ پھر بھی ملے گا مگر تم نہایت شریف الطبع اور بااخلاق انسان کہلاؤ گے۔ تو اسلام وہ طریق بتاتا ہے جس پر چلنے سے دُنیوی حکومتیں اور اُس کی نعمتیں خود بخود آ جاتی ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتّباع کرو تو یہ چیزیں تمہیں خود بخود مل جائیں گی مگر وہ ان چیزوں کو مقصود قرار نہیں دیتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو وہ نعمتیں ملیں کہ دنیا حیران رہ گئی۔

شہنشاہِ ایران کا رومال حضرت ابوہریرہؓ کے قبضہ میں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ہی دیکھ لو وہ آخری زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف تین سال پہلے ایمان لائے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اب بڑی عمر ہو چکی ہے اور آپ کی زندگی کے دن اب بظاہر تھوڑے رہ گئے ہیں تو انہوں نے قسم کھائی کہ اب میں آپ سے جُدا نہیں ہوں گا چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ انہیں صرف تین سال ملے سب سے زیادہ حدیثیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہیں۔ چونکہ یہ غریب آدمی تھے اور سارا دن مسجد میں بیٹھے رہتے تھے اس لئے بعض دفعہ سات سات وقت کا انہیں فاقہ ہو جاتا تھا اور شدّتِ بھوک کی وجہ سے وہ بیہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔ جب اسلام کی فتوحات کا دور آیا اور قیصر وکسریٰ کے خزانے اسلامی تصرف میں آئے تو کسریٰ شہنشاہِ ایران کا ایک خاص ریشمی رومال جو تخت پر بیٹھنے کے وقت وہ اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا مالِ غنیمت میں تقسیم ہو کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آیا۔ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نزلہ کی شکایت تھی کہ بیٹھے بیٹھے اُنہیں کھانسی آ گئی اور انہوں نے شہنشاہِ ایران کے اس رومال میں تھوک دیا اور

پھر کہا بَخٍ بَخٍ ابوہریرہ یعنی واہ واہ! تیری بھی کیا شان ہے کبھی تو سر میں جُوتیاں پڑا کرتی تھیں اور آج یہ حالت ہے کہ تو کسریٰ شہنشاہِ ایران کے رومال میں تُھوکتا ہے۔لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کہا؟ اس پر انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ مَیں آخری زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور میں نے قسم کھالی کہ اب میں رات اور دن آپ کے پاس رہوں گا اور آپ کی باتیں سنوں گا اور چونکہ میں ہر وقت وہیں بیٹھا رہتا تھا، اسلئے بعض دفعہ سات سات وقت کا فاقہ ہو جاتا تھا اور میں بیہوش ہو کر گر جاتا تھا۔لوگ سمجھتے تھے کہ مجھے مرگی ہو گئی ہے اور عربوں میں رواج تھا کہ جب کسی کو مرگی کا دَورہ ہوتا تو اس کے سر پر جُوتیاں مارا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ مرگی کا علاج ہے۔انہوں نے کہا اِدھر میں فاقہ سے مر رہا ہوتا تھا اور اُدھر میرے سر پر جُوتیاں پڑنے لگ جاتیں حالانکہ اُس وقت مجھے اندر سے ہوش ہوتا تھا مگر میری زبان میں اتنی طاقت نہیں ہوتی تھی کہ مَیں انہیں منع کرسکوں پس یا تو میرا وہ حال تھا اور یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا یہ نتیجہ ہے کہ اب مَیں اُس رومال میں جسے بادشاہ اپنی شان دکھانے کے لئے تخت پر بیٹھتے وقت اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا تھوک رہا ہوں۔ تو یہ چیزیں ملتی ہیں اور اسلام بھی ہمیں وہ چیزیں دیتا ہے جو دنیا کے پیچھے چلنے سے حاصل ہوتی ہیں مگر اسلام زیادہ شاندار طور پر یہ چیزیں دیتا ہے اور وہ لوگ ذلّت کے طور پر ان چیزوں کو حاصل کرتے ہیں۔لوگ کہتے ہیں کہ تم اپنے باپ کے پاس جاؤ مگر اس لئے کہ تمہیں حلوہ کھانے کو مل جائے، ماں کے پاس جاؤ مگر اس لئے کہ تمہیں پراٹھے کھانے کو ملیں۔ جب ہم اِس نیت اور اس ارادہ سے جاتے ہیں تو گو یہ چیزیں ہمیں مل جاتی ہیں مگر ہم ذلیل اور کمینے بھی قرار پاتے ہیں۔ اسلام کہتا ہے تم ماں کے پاس جاؤ مگر ماں کے پیار کے لئے، دوست کے پاس جاؤ مگر دوست کی محبت کے لئے حلوہ تمہیں پھر بھی ملے گا، پراٹھے تمہیں پھر بھی ملیں گے، پلاؤ پھر بھی تمہیں ملے گا مگر تم شریف اور بااخلاق کہلاؤ گے۔ یہ فرق ہے جو اسلامی تعلیم پر عمل کرنے اور دُنیوی طریقوں کو اختیار کرنے میں ہے اور اسی کی طرف میرا آج کا مضمون اشارہ کرتا ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت کا ایک اجمالی نقشہ

میرا یہ مضمون درحقیقت اسلامی طریقِ حکومت کی ایک تصویر ہے یا اسلام دنیا میں جو اصلاح پیدا کرنا چاہتا ہے اُس کا ایک اجمالی نقشہ اِس مضمون میں کھینچا گیا ہے۔ آجکل پاکستان میں اس بات پر بڑا زور دیا جاتا ہے کہ اسلامی نظام حکومت قائم ہونا چاہئے مگر عملی طور

پر وہ اس کو قائم کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اسلام جو کچھ بتا تا ہے اُس پر عمل کرنے کے لئے وہ لوگ تیار نہیں ہوتے۔ میں آج کے مضمون کے ذریعہ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ہے وہ اسلامی حکومت جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم کی اور یہ ہے وہ نظام جس کے متعلق قرآن کریم ہماری راہنمائی فرماتا ہے۔ اسلام نے نہریں بھی بنائی ہیں، قلعے بھی بنائے ہیں، مساجد بھی بنائی ہیں، مینار بھی بنائے ہیں، باغات بھی بنائے ہیں، بازار بھی بنائے ہیں۔ دیوانِ عام بھی بنائے ہیں اور دیوانِ خاص بھی بنائے ہیں مگر ان کے طریق اور رکھے ہیں۔ آج میں اِنہی میں سے ایک چیز کو اس موقع پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔

دیوانِ عام کے قیام کی اغراض

میں نے بتایا تھا کہ میں نے اپنے سفر میں دیوانِ عام بھی دیکھے جن میں بادشاہ اپنا دربار لگایا کرتے تھے اور عوام الناس آتے اور اپنی شکایات وغیرہ پیش کرتے۔ میں نے سوچا کہ یہ دیوانِ عام کیوں بنایا گیا تھا اور اس کی اغراض اور مقاصد کیا تھیں؟ جب میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ:۔

۱۔ دیوانِ عام کے قیام کی پہلی غرض یہ ہؤا کرتی تھی کہ اس دیوان میں بادشاہ کے خاص قوانین کا اعلان کیا جائے جب بادشاہوں نے اپنی رعایا کے سامنے بڑے بڑے اعلان کرنے ہوتے تھے تو ہمیشہ دیوانِ عام میں ہی کیا کرتے تھے پس دیوانِ عام کی پہلی غرض بادشاہ کے خاص قوانین کا اعلان کرنا ہوتی تھی۔

۲۔ اس کی دوسری غرض یہ ہؤا کرتی تھی کہ بادشاہ لوگوں کے سامنے آئے اور انہیں اپنا دیدار کرنے کا موقع دے اور ان کے متعلق انعام واکرام کا اعلان کرے۔

۳۔ دیوانِ عام کی تیسری غرض یہ ہؤا کرتی تھی کہ عوام کو فریاد پیش کرنے کا موقع دیا جائے اور ان کے مظالم کا اِنسداد کیا جائے۔

۴۔ دیوانِ عام کی چوتھی غرض یہ ہؤا کرتی تھی کہ عوام کو اپنے مطالبات پیش کرنے کا موقع دیا جائے اور بادشاہ ان کی ضرورتیں پوری کرے۔ طریق یہ ہوتا تھا کہ بادشاہ دربارِ عام میں بیٹھتا تھا اور وزیر اعظم اُس کے اعلان سناتا تھا۔

دُنیوی دیوانِ عام اَغیار کے قبضہ میں

میں نے دیکھا کہ وہ دیوانِ عام جو بادشاہوں کا بنایا ہؤا تھا وہ اب ویران اور برباد ہے اس کی عمارت موجود تھی مگر انگریزوں کے قبضہ میں تھی۔ خود ان بادشاہوں کی اولاد موجود تھی مگر اسے ٹکٹ

حاصل کئے بغیر دیوانِ عام کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ تھی وہ مارے مارے پھر رہے تھے اور کوئی انہیں پوچھتا تک نہیں تھا۔ اب بھی بعض شہزادے ایسے ہیں جو نہایت تکلیف کے ساتھ اپنی زندگی کے دن بسر کر رہے ہیں حکومت موجود ہے مگر وہ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتی۔

قرآنی دیوانِ عام کی خصوصیت

پس میں نے سوچا کہ آیا اس کے مقابلہ میں قرآن کریم نے بھی کوئی دیوانِ عام پیش کیا ہے یا نہیں اور اگر کیا ہے تو وہ کیا ہے؟ جب اس نقطۂ نگاہ سے میں نے قرآن کریم پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے خدا نے بھی ایک دیوانِ عام بنایا ہے جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کوئی دشمن اس پر قبضہ نہیں کر سکتا وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے اور اسی کے قبضہ اور تصرف میں ہے۔ پہلے بادشاہوں کے دیوانِ عام ان کے ہاتھوں سے چھینے گئے، غیر قومیں آئیں اور ان پر قابض ہو گئیں پہلے یہ دیوان عام انگریزوں کے پاس گئے اور اب ہندو حکومت قائم ہوئی تو اس کے پاس چلے گئے۔ گویا جن مزدوروں نے یہ دیوانِ عام بنایا تھا وہ اب حاکم ہیں اور حاکم مزدور۔ لیکن قرآن کریم جس دیوانِ عام کو پیش کرتا ہے اس میں نہ کوئی تبدیلی کر سکتا ہے اور نہ اس پر کوئی مخالفانہ قبضہ کر سکتا ہے۔

محمد رسول اللہ کے تقرّر پر قرآنی دیوانِ عام سے اعلان

پھر میں نے دیکھا کہ مغل بادشاہ اور پٹھان بادشاہ اور دوسرے بادشاہ جب دیوانِ عام میں بیٹھتے تو وہ مثلاً یہ اعلان کرتے کہ ہم فلاں کو وزیر مقرر کرتے ہیں، فلاں کو گورنر مقرر کرتے ہیں، فلاں کو اپنا نائب مقرر کرتے ہیں اور پھر ساتھ ہی یہ کہتے کہ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ وفاداری سے حکومت کی خدمت بجالائے گا اور ہماری حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے اپنا تمام زور صرف کر دیگا لیکن میں نے دیکھا کہ قرآن کریم جس دیوان عام کو پیش کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کسی گورنر یا خلیفۃ اللہ کے تقرر کا اعلان ہوتا ہے تو بجائے یہ کہنے کے کہ ہم امید کرتے ہیں تم ہماری حکومت کو مستحکم کرو گے اور ہماری طاقت بڑھانے میں حصہ لو گے بادشاہ یہ کہتا ہے کہ ہم تمہیں طاقت دیں گے، ہم تمہیں مستحکم کریں گے، ہم تمہارے رُعب کو قائم کریں گے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ پُرانے زمانہ کے بادشاہوں کے مقابلہ میں قرآن کریم میں بھی ایک دیوانِ عام لگایا گیا اور تمام پبلک کو مخاطب کر کے کہا گیا اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ كَمَآ

اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًاo فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰـهُ اَخْذًا وَّ بِيْلًا o فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا نِالسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا o ؎

اعلان ہوتا ہے کہ ہم اِس دنیا میں ایک خلیفہ مقرر کر رہے ہیں اور اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ہم تمہاری طرف ایک رسول بنا کر بھیج رہے ہیں شَاهِدًا عَلَيْكُمْ جو تم پر نگران رہے گا اور دیکھے گا کہ تم ہماری مرضی کے مطابق چلتے ہو یا نہیں كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اور یاد رکھو کہ ہمارا اِس کو گورنر بنا کر بھیجنا کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پہلے بھی ہم اپنے گورنر بھیجتے رہے ہیں اور لوگ غلطی سے ان کا انکار کرتے رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی وہی غلطی کرو اور اُس انجام کو دیکھو جو پہلے لوگوں نے دیکھا فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ اُس وقت کے حاکم اور بادشاہ فرعون نے تکبر کیا اور موسیٰؑ کے ماننے سے اُس نے انکار کیا۔ فَاَخَذْنٰـهُ اَخْذًاوَّبِيْلًا اِس پر ہم نے اُس کو پکڑ کر تباہ و برباد کر دیا پس جس طرح ہم نے فرعون کو تباہ کیا ہے اگر تم ہمارے گورنر جنرل کی مخالفت کرو گے اور اس کے مقابلہ پر فرعون والا طریق اختیار کرو گے تو تم بھی تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا نِالسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ اگر تم نے بھی انکار کیا جس طرح فرعون نے موسیٰ کا انکار کیا تھا تو تم کس طرح یہ خیال کر سکتے ہو کہ تم ہمارے عذاب سے بچ جاؤ گے تم اُس دن سے ڈرو جو جوانوں کو بوڑھا کر دے گا۔ وہ دُنیوی بادشاہوں کی طرح یہ نہیں کہتا کہ ہم اپنے گورنر سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ ہماری بادشاہت کو مضبوط کرے گا بلکہ فرماتا ہے کہ ہم اس کی بادشاہت کو خود قائم کریں گے اگر تم اس کی مخالفت کرو گے تو ہم تم پر عذاب نازل کریں گے کہ جس سے آسمان بھی پھٹنا شروع ہو جائے گا۔ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا دُنیوی بادشاہ ڈرتے ہیں کہ اگر ہماری مخالفت ہوئی تو ہم کیا کریں گے مگر یہاں فرماتا ہے کہ یہ وہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو بدل نہیں سکتی۔

زمین و آسمان کا فرق

کتنا زمین و آسمان کا فرق اُس دیوان عام اور اِس دیوان عام میں ہے وہاں بادشاہ یہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں کو اپنا نائب مقرر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ ہماری حکومت کو مستحکم کرے، اس لئے کہ وہ ہماری طاقت کو مضبوط کرے، اس لئے کہ وہ ہماری جڑیں لگائے مگر یہاں دیوانِ عام میں یہ اعلان ہوتا ہے کہ اے لوگو سنو!

ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گورنر مقرر کر کے بھجواتے ہیں اگر تم اس کی فرمانبرداری نہیں کرو گے تو ہم خود اِس کو طاقت بخشیں گے اور خود اِس کو قوت بخشیں گے اور اگر اِس کا مقابلہ کرو گے تو ہم تمہیں ایسی سزا دیں گے کہ زمین تو زمین آسمان کا کلیجہ بھی شَق ہو جائے گا (السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌ بِہٖ) اور کوئی طاقت نہیں جو ہمارا مقابلہ کر سکے۔

قرآنی گورنر جنرل کا دائرہ حکومت

اس کے ساتھ ہی یہ اعلان ہوتا ہے کہ یہ گورنر ہے کس جگہ کے لئے؟ دُنیوی گورنر مقرر ہوتے ہیں تو ایک آدھ ملک کے لئے مگر فرماتا ہے کہ یہ گورنر سب دنیا کے لئے ہے گویا یہ گورنر نہیں بلکہ گورنر جنرلوں کے بھی اوپر گورنر جنرل ہے۔ چنانچہ دربار عام میں اعلان ہوتا ہے قُلۡ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا [۲]

اے یہودی مذہب کے ماننے والو سُنو! یہ شخص جس کو ہم نے بھجوایا ہے موسیٰ کی طرح صرف مصر کے لوگوں کے لئے نہیں۔ اے اسرائیلی انبیاء کے ماننے والو! یہ شخص صرف بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح کسی ایک قوم کی طرف نہیں۔ اے مسیح کے ماننے والو سُنو! مسیح کی طرح فلسطین کی طرف نہیں۔ اے کرشن اور رامچندر کے ماننے والو! یہ اس طرح نہیں آیا جس طرح رامچندر اور کرشن ہندوستان کی طرف آئے تھے۔ اے زرتشت کے ماننے والو سنو! یہ اس طرح نہیں آیا جس طرح زرتشت ایران کی طرف آیا تھا۔ اے تمام دوسری اقوام اور مملکتوں اور برّ اعظموں میں رہنے والو سنو! یہ اس طرح نہیں بھیجا گیا جس طرح انبیاء ایک ایک قوم اور ایک ایک بستی کی طرف بھیجے جاتے تھے بلکہ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اے تمام انسانو! خواہ تم روئے زمین کے کسی علاقہ میں رہتے ہو، اے برطانیہ کے رہنے والو! اے فرانس کے رہنے والو! اے جرمنی کے رہنے والو! اے امریکہ کے رہنے والو! اے یورپ کے رہنے والو! اے جزائر کے رہنے والو! اے افریقہ کے رہنے والو! اے دنیا کے کسی گوشے اور خطہ میں رہنے والو! اسے تم پر افسر بنا کر بھیجا گیا ہے یہ ہمارا گورنر جنرل ہے جس کی حکومت سے کوئی شخص باہر نہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی حکومت کا اعلان

(۲) پھر یہ تو اپنے زمانہ کی گورنری کے متعلق اعلانِ عام تھا اور گو اس میں سارے ملکوں کو شامل کر لیا گیا تھا مگر یہ شُبہ باقی رہتا تھا کہ ممکن ہے یہ سب دنیا کے لئے تو ہو لیکن سب زمانوں کے لئے نہ ہو۔ دنیا میں گورنر اور

وائسرائے مقرر ہوکر آتے ہیں تو پانچ سال کے بعد بدل جاتے ہیں اور پھر وہ انہی گلیوں میں عام لوگوں کی طرح پھرتے نظر آتے ہیں جن گلیوں میں شاہانہ شوکت کے ساتھ پھرا کرتے تھے۔ پس چونکہ یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا اس لئے پہلے اعلان کے ساتھ ہی خدائی دربارِ عام میں یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ یہ گورنر جنرل قیامت تک کے لئے ہے۔ یہ پانچ سال کے لئے یا دس سال کے لئے یا سَو سال کے لئے یا دوسَو سال کے لئے یا ہزار سال کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہے جب تک انسان تباہ نہیں ہو جاتا، جب تک ایک انسان بھی اِس دنیا میں زندہ ہے اُس وقت تک یہی گورنر جنرل رہے گا فرماتا ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۔ وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ھٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ۔ قُلۡ لَّکُمۡ مِّیۡعَادُ یَوۡمٍ لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡہُ سَاعَۃً وَّ لَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ [۳]

فرماتا ہے اے بنی نوع انسان! سن رکھو اس رسول کو ہم نے کہہ دیا ہے کہ وہ صرف اس زمانہ کے لئے نہیں بلکہ انسان کی تعریف کے نیچے جتنے انسان آتے ہیں ان سب کو یہ جمع کرنیوالا ہے خواہ وہ اِس صدی کے ہوں یا اگلی صدیوں کے، قیامت تک اس کا راج قائم ہے اور کوئی شخص اس کی حکومت سے باہر نہیں نکل سکتا بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا دنیا میں اصول یہ ہے کہ جب بادشاہت بدلتی ہے تو آنے والی حکومت کسی کو گرا دیتی ہے اور کسی کو اونچا کر دیتی ہے بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جو لوگ اس کے قانون کی پابندی کرنے والے ہوں گے اُن کو یہ بلند کریگا اور جو لوگ اس کے قانون کی نافرمانی کرنے والے ہوں گے اُن کو یہ گرا دے گا۔ گویا فرمایا کہ اے ہمارے رسول! دونوں طاقتیں تجھ کو دی جاتی ہیں، تیرے ہی ذریعہ سے لوگوں کو بلند کیا جائے گا اور تیرے ہی ذریعہ سے لوگوں کو گرایا جائے گا، تیرے ہی ذریعہ سے ملزم سزا پائیں گے اور تیرے ہی ذریعہ سے متبعین انعام حاصل کریں گے۔ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ لیکن اس زمانہ کے اکثر لوگوں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا۔ کیونکہ اس سے پہلے جس قدر انبیاء گزرے ہیں ان میں سے کسی نبی کی نبوت سَو سال کے بعد ختم ہوگئی تھی اور کسی کی دوسَو سال کے بعد۔ ان کے لئے یہ سمجھنا بڑا مشکل ہے کہ کوئی ایسا نبی بھی آ سکتا ہے جس کی نبوت قیامت تک چلتی چلی جائے اور کبھی ختم ہونے میں نہ آئے چنانچہ فرمایا وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ھٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ یہ ہمیشہ ہمیش کے لئے نبی ہے اس کا ثبوت کیا ہے اس طرح تو ایک جھوٹا نبی بھی کہہ سکتا ہے کہ میری نبوت کبھی ختم نہیں ہوگی بہرحال کوئی نہ کوئی ایسی دلیل ہونی چاہئے جس سے ہم یہ

اندازہ لگا سکیں کہ ہمارے سامنے جو دعویٰ پیش کیا جا رہا ہے اس میں سچائی پائی جاتی ہے اور یہ ہمیشہ کے لئے ہے۔فرماتا ہے قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ فرمایا اس کا پتہ تم کو ایک ہزار سال میں لگے گا۔ بڑی سے بڑی نبوت جو آج تک چلی ہے وہ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی۔ آدم علیہ السلام کا زمانہ لے لو، نوح علیہ السلام کا زمانہ لے لو، موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ لے لو، کوئی زمانہ بھی ہزار سال سے زیادہ لمبا نہیں رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ بظاہر دو ہزار سال کا نظر آتا ہے لیکن وہاں تیرہ سَو سال کے بعد جو نبی آیا اُس نے آتے ہی یہ کہہ دیا کہ اب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ختم ہونے والی ہے اور وہ نبی دنیا میں ظاہر ہونے والا ہے جس کے متعلق تمام انبیاء اپنے اپنے زمانہ میں پیشگوئیاں کرتے چلے آئے ہیں۔ گویا مسیح علیہ السلام نے آمد کے ساتھ سلسلہ موسویہ کے امتداد کی خبر نہیں دی بلکہ ایک نئے دَور کے آغاز کی خبر دیدی اور بتایا کہ پہلا سلسلہ ختم ہونے والا ہے۔

مسلمانوں کے ہزار سالہ دَورِ تنزّل کی قرآن کریم میں خبر

غرض ہزار سال وہ میعاد ہوتی ہے جس میں کسی قوم کو یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ اب پُرانی نبوت ختم ہوگئی ہے اور نئی نبوت کا دَور شروع ہونے والا ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔ یہاں دن سے مراد ہزار سالہ زمانہ ہے چنانچہ قرآن کریم خود اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ [۴]

فرمایا ہم اِس دنیا میں ایک نیا نظام قائم کرینگے اور آسمان سے زمین پر اپنے انوار کی بارش برسائیں گے مگر پھر آہستہ آہستہ وہ نظام کمزور ہوتا چلا جائے گا اور دنیا یہ سمجھے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت اب ختم ہوگئی ہے۔ دنیا یہ سمجھے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت اب ختم ہوگئی ہے اور یہ دَورِ تنزل تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال تک چلتا چلا جائے گا۔

بہائیوں کا ایک غلط استدلال

بہائی لوگ قرآن کریم کی اس آیت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر کہتے ہیں کہ گویا ہزار سال کے بعد نَعُوْذُ بِاللّٰهِ شریعتِ اسلام منسوخ ہو جائے گی حالانکہ شریعتِ اسلام تو تب منسوخ ہوسکتی تھی جب کہ یکدم قرآن خراب ہو جاتا اور وہ دنیا کے لئے ناقابل عمل ہو جاتا، لیکن اس آیت میں یہ نہیں بتایا گیا

کہ یکدم قرآن خراب ہو جائے گا بلکہ اس میں یہ بتایا گیا کہ آہستہ آہستہ ایک ہزار سال میں ایمان اوپر چڑھ جائے گا۔ پس اس کے معنے سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتے کہ اسلام اور قرآن کا اثر آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں سے کم ہونا شروع ہوگا اور اِس پر ایک ہزار سال کا عرصہ صرف ہوگا۔ اگر کتاب نے منسوخ ہونا ہوتا تو کتاب کی منسوخی تو یکدم ہوتی ہے ہزار سال میں آہستہ آہستہ نہیں ہوتی۔ پس ہزار سال میں آہستہ آہستہ اسلام کے اُٹھ جانے کے یہی معنی تھے کہ اُس کا اثر لوگوں پر سے کم ہو جائے گا اور جب اثر کم ہو جائے تو اُس وقت کتاب منسوخ نہیں بلکہ ایک نیا معلّم بھیجا جاتا ہے جو اُس کتاب کی تعلیم کو دنیا میں پھر قائم کر دیتا ہے۔ پس بہائیت اس آیت سے بالکل ناجائز فائدہ اُٹھاتی اور لوگوں کو دھوکا میں مبتلاء کرتی ہے۔

بہرحال اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک ہزار سال میں ایمان دنیا سے اُٹھ جائے گا اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کے تین سَو سال کو مبارک زمانہ قرار دیا ہے جس میں اسلام کے متعلق یہ مقدر تھا کہ وہ دنیا میں ترقی کرتا جائے گا اور دَورِ تنزل قرآن کریم نے ہزار سال بتایا ہے اس لئے ہزار سال میں پہلے تین سو سال جمع کئے جائیں تو یہ تیرہ سَو سال کا عرصہ بن جاتا ہے پس **قُلۡ لَّکُمۡ مِّیۡعَادُ یَوۡمٍ لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡہُ سَاعَۃً وَّ لَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ** کے یہ معنے ہوئے کہ تم اسلام کے دَورِ تنزل کو دیکھ کر اس واہمہ میں مبتلاء ہو سکتے ہو کہ شاید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ختم ہوگئی، لیکن تیرہ سو سال کے بعد تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ اس کی حکومت ختم نہیں ہوئی بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔

اِحیائے اسلام کے لئے مسیح موعود کی بعثت چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عین تیرہ سَو سال کے ختم ہونے پر اُمتِ محمدؐیہ میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ مَیں مسیح موعود ہوں اور مجھے خدا تعالیٰ نے ان پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے بھیجا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سَو سال پہلے فرمائی تھیں۔ میں اس لئے نہیں آیا کہ کوئی نیا مذہب قائم کروں، مَیں اس لئے نہیں آیا کہ موسوی مذہب کو قائم کروں، میں اس لئے نہیں آیا کہ عیسوی مذہب کو قائم کروں بلکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کو دوبارہ دنیا میں قائم کروں۔ گویا تیرہ سَو سال کے بعد جو تغیر ہؤا وہ یہی تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قیامت تک ہے اور اس میں کوئی وقفہ نہیں دُنیا کی تمام تاریخیں بتاتی ہیں کہ تیرہ سَو سال کے بعد کوئی

نبوت نہیں چلی موسیٰ علیہ السلام کے تیرہ سَو سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے مگر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اب موسوی سلسلہ ہی قیامت تک قائم رہے گا بلکہ انہوں نے کہا تو یہ کہ:-

''دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے تم مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے جب تک نہ کہو گے کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے۔'' [۵]

لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سو سال کے بعد جو شخص آیا اُس نے کہا مَیں اس لئے آیا ہوں تا قیامت تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنر جنرل ہونے کا اعلان کروں۔

دُنیاوی حکومتوں کی ناپائیداری

دنیا میں بادشاہ اپنی حکومت کا اعلان کرتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان کی حکومت ایک لمبے عرصہ تک قائم رہے گی لیکن چند سال کے بعد ہی ایک نیا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور اُن کی جگہ کوئی اور حکومت ملک پر قابض ہو جاتی ہے۔ دیکھو ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم نے دلّی میں ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا اور اس بات پر بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا کہ اب انگریزی حکومت ہندوستان میں مستحکم ہوگئی ہے لیکن اس اعلان پر ابھی چھتیس سال گزرے تھے کہ ۱۹۴۷ء میں انگریز اپنا بوریا بستر باندھ کر یہاں سے چلے گئے۔ یہ کتنا عظیم الشان تغیر ہے جو چند سال میں ہی رونما ہو گیا۔ لیکن یہاں تیرہ سَو سال پہلے اعلان ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قیامت تک قائم رہے گی اور تیرہ سَو سال کے بعد کوئی سیّد نہیں، قریش نہیں بلکہ اُس قوم کا ایک فرد جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کافر تھی جو اسلام کو جانتی تک نہ تھی اور اُس نے بعد میں اسلام اور مسلمانوں کو مِٹانے کے لئے خون کی ندیاں تک بہا دیں اُٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اسلام کو دنیا کے تمام دوسرے اَدیان پر غالب کروں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کا جھنڈا دنیا میں گاڑ دوں۔ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس آنے والے موعود کی خبر دیتے ہوئے سلمان فارسی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا کہ اگر ایمان ثریّا پر بھی چلا گیا تو اس کی قوم میں سے ایک فارسی الاصل شخص اُٹھے گا جو ایمان کو پھر لوگوں کے قلوب میں زندہ کر دیگا۔[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اسلام کے دوبارہ عروج کی یہ بشارت دی اُس وقت وہ قوم جس میں سے اِس عظیم الشان انسان نے کھڑا ہونا تھا کافر تھی، وہ بے دین اور لامذہب تھی وہ جانتی تک نہ تھی کہ اسلام کس چیز کا نام ہے مگر صدیوں بعد چین اور تبّت اور ترکستان کے پہاڑوں سے یہ قوم اُٹھتی ہے اور دیوانہ وار تمام پہاڑوں اور دریاؤں اور صحراؤں کو عبور کرتے ہوئے اسلامی حکومت کو تباہ کر دیتی ہے۔ بغداد جو اسلام کا ایک عظیم الشان مرکز تھا اس پر یہ قوم حملہ آور ہوتی ہے اور اٹھارہ لاکھ مسلمانوں کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کر دیتی ہے۔ مگر ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ وہی ہلاکو جس نے بغداد میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا تھا اس کی نسل میں سے ایک مغل شہزادہ مسلمان ہو جاتا ہے اور وہی قوم جس کی تلوار نے مسلمانوں کو مٹایا تھا خود اسلام کی تلوار کا شکار بن کر رہ جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق تیرہ سَو سال بعد ایک مغل اُٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے کھڑا کیا ہے اور مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا میں قائم کر کے رہونگا۔ یہ کتنا عظیم الشان نشان ہے اور کتنے عظیم الشان طریق پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کا ایفاء کیا جو اُس نے اپنے دربار میں کیا تھا کیا دنیا کا کوئی دیوانِ عام اس کی مثال پیش کر سکتا ہے۔

دربارِ عام کا ایک اور مقصد

دربارِ عام کا ایک مقصد جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے بادشاہ کے خاص قوانین کا اعلان کرنا ہوتا ہے۔ دلّی میں شاہی دربار منعقد ہوا تو اس کی غرض یہ تھی کہ بادشاہ بنگال کی تقسیم کی منسوخی کا اعلان کرے مگر یہ غرض کتنی چھوٹی اور کتنی حقیر تھی اور پھر کتنی عجیب بات ہے کہ وہی تقسیم جو ۱۹۱۱ء میں منسوخ کی گئی تھی چھتیس سال کے بعد دوبارہ ظہور میں آ گئی۔ اگر اُس وقت جارج پنجم کو یہ پتہ لگ جاتا کہ چھتیس سال کے بعد بنگال کی پھر تقسیم ہو جائے گی اور اس وقت دو صوبے ہی نہیں بلکہ دو الگ الگ حکومتیں بن جائیں گی تو شاید اُسے یہ اعلان کرتے ہوئے ہنسی آ جاتی اور وہ سوچتا کہ میں کیا حماقت کر رہا ہوں۔

قرآنی آئین کا اعلان اور اس کی اہم خصوصیات

یہاں بھی ایک قانون کا اعلان ہوتا ہے مگر وہ قانون کس قسم کا ہے فرماتا ہے اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ ذٰلِکَ هُدَی اللّٰهِ یَهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنۡ هَادٍ ؎

فرماتا ہے ہم ایک نیا آئین جاری کرتے ہیں (جیسے انگریز آئے تو انہوں نے تعزیراتِ ہند کا نِفاذ کیا) ہم ایک نیا گورنر جنرل قیامت تک کے لئے مقرر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ دنیا کی ہدایت اور اس کی راہنمائی کے لئے ایک قانون بھی نازل کرتے ہیں مگر تمہارے قانونوں اور اس قانون میں بہت بڑا فرق ہے۔تمہارے قانون کی فرمانبرداری لوگ ڈر سے کرتے ہیں وہ اس لئے کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے بغاوت کی تو پولیس انہیں گرفتار کر لے گی ورنہ ان قوانین کی تائید کرنے والے بھی بعض دفعہ اپنے دلوں میں سمجھتے ہیں کہ یہ قوانین غلط ہیں اور جب انہیں اختیار ملتا ہے تو وہ ان کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ہمارا قانون اپنی ذات میں ایسی خوبیاں رکھتا ہے کہ جس سے کوئی سوچنے والا انسان انکار نہیں کرسکتا۔

اَحْسَنَ الحدیث نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ ہم ایک قانون جاری کر رہے ہیں مگر وہ کوئی جبری قانون نہیں وہ محض اپنی بادشاہت منوانے کے لئے نہیں بلکہ بہتر سے بہتر بات جو کہی جاسکتی ہے خواہ دینی رنگ میں یا دُنیوی رنگ میں، خواہ عقل سے خواہ نقل سے، خواہ روایت سے خواہ درایت سے، خواہ چھوٹوں کے لئے خواہ بڑوں کے لئے، خواہ مَردوں کے لئے، خواہ عورتوں کے لئے، ان تمام بہترین باتوں کو اِس قانون میں جمع کر دیا گیا ہے اور اب قیامت تک یہ قانون منسوخ نہیں ہوسکتا۔ دُنیوی حکومتیں بعض دفعہ بڑی سوچ بچار کے بعد قانون بناتی ہیں مگر تھوڑے عرصہ کے بعد ہی انہیں اپنا قانون اپنے ہاتھوں سے منسوخ کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ نے بڑا زور لگایا کہ وہ کسی طرح شراب کے استعمال کو روک دے اور اُس نے اِس پر قانونی پابندیاں بھی لگائیں مگر تھوڑے عرصہ کے بعد ہی امریکہ کو پھر شراب نوشی کی اجازت دینی پڑی اور شراب کی ممانعت کا قانون اسے منسوخ کرنا پڑا۔

مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم جس قانون کے نِفاذ کا اعلان کر رہے ہیں وہ اَحْسَنَ الْحَدِیْث پر مشتمل ہے ہر بہتر سے بہتر بات اس میں موجود ہے اور وہ انتہائی طور پر پاک اور بے لوث قانون ہے جس میں بنی نوع انسان کی تمام ضرورتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وہ ایسا قانون نہیں جو آج سے سَو یا ہزار سال کے بعد منسوخ ہو سکے یا جس میں ردّ و بدل کی گنجائش نکل سکے۔

ایک مکمل قانون اس کے بعد وہ اور زیادہ تشریح کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ قانون کیا ہے؟ فرماتا ہے کِتَابًا وہ قانون ایک مکمل کتاب ہے۔ جب بادشاہ نے دلّی میں اعلان کے لئے دربار منعقد کیا تو اس نے تعزیراتِ ہند کا اعلان نہیں کیا، اس نے اپنے تمام قوانین

کو پیش نہیں کیا، بلکہ صرف تقسیم بنگال کے منسوخ کرنے کا اعلان کیا۔مگر قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ اعلان فرماتا ہے کہ ہم تمہارے سامنے ایک ٹکڑا پیش نہیں کرتے بلکہ کامل شریعت پیش کرتے ہیں۔ ایک ٹکڑا بعض دفعہ انسان بھی اچھے سے اچھا بنا سکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ہزار یا دو ہزار سال تک قائم رہے۔سوال سارے قانون کا ہے کہ وہ شروع سے لیکر آخر تک مکمل ہو اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوسکتی ہو۔ یہ کمال کسی اور کلام کو حاصل نہیں۔ پس فرماتا ہے کہ ہم جس قانون کو پیش کرتے ہیں:-

اوّل وہ اَحْسَنَ الْحَدِیْث ہے یعنی اس میں بہتر سے بہتر اور پختہ سے پختہ باتیں بیان کی گئی ہیں اور وہ ایک خوبصورت اور بے عیب قانون ہے۔

دوم وہ کوئی ایک ٹکڑا نہیں بلکہ تمام قسم کے قانونوں پر حاوی ہے۔

انگلستان میں چند بہائی عورتوں سے گفتگو

میں جب انگلستان گیا تو وہاں ایک دن کچھ بہائی عورتیں مجھ سے ملنے کے لئے آئیں۔

بہائی لوگ بہاء اللہ کو خدا سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کو منسوخ قرار دیتے ہیں مگر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ ہماری دشمنی کی وجہ سے بہائیوں کو تو اچھا سمجھتے ہیں اور ہمارے سلسلہ کے خلاف شور مچاتے رہتے ہیں۔ کراچی کے بعض اخبارات میں صفحوں کے صفحے بہاء اللہ کی تعریف میں شائع کئے جاتے ہیں حالانکہ وہ خدائی کا دعویدار تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس کا یہ عقیدہ تھا کہ آپ کی حکومت ختم ہوچکی ہے اور اب نئی شریعت کی دنیا کو ضرورت ہے۔ بہرحال وہ عورتیں مجھ سے ملنے کے لئے آئیں ان عورتوں میں سے ایک تو شنگھائی بنک کے مینیجنگ ڈائریکٹر کی بیوی تھی دوسری امریکہ کی رہنے والی تھی اور تیسری ایک احمدی بیرسٹر کی بیوی تھی جو ایرانی اور بہائی تھی۔ ان کے ساتھ عبداللہ کوئلم تھے جو انگلستان کے سب سے پہلے نومسلم تھے اور جنہیں ٹرکی نے شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا۔ ان عورتوں نے آتے ہی مجھ سے سوال کیا کہ آپ بہاء اللہ کو کیوں نہیں مانتے؟ میں نے کہا اس لئے نہیں مانتا کہ مَیں قرآن کریم کو مانتا ہوں۔ وہ کہنے لگیں آپ قرآن کو کیوں مانتے ہیں کیا یہ کتاب منسوخ نہیں ہوسکتی؟ میں نے کہا یہ تو بحث ہی نہیں کہ ایسا ہوسکتا ہے یا نہیں کئی چیزیں ہوسکتی ہیں مگر ہوتی نہیں۔ میں نے کہا تم مرسکتی ہو یا نہیں؟ اگر مرسکتی ہو تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ تم مرچکی ہو تم نے یقیناً ایک دن مرنا ہے مگر اس وقت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تم مرچکی ہو۔ پس یہ سوال جانے دو کہ کوئی کتاب منسوخ ہوسکتی ہے یا نہیں سوال یہ ہے

کہ کیا اس وقت قرآن کریم منسوخ ہے یا نہیں؟ تم مجھے کوئی ایک بات بتادو جو قابلِ عمل ہو مگر قرآن کریم میں نہ ہو یا بہاء اللہ کی کوئی ایک بات ہی مجھے بتادو جو سب سے اچھی ہو اور وہ قرآن کریم میں بیان نہ ہوئی ہو۔ وہ کہنے لگی کہ بہاء اللہ نے علم سیکھنے کا حکم دیا ہے یہ کتنی اچھی بات ہے۔ میں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اِس حکم پر اتنا زور دیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں جس شخص کی دو لڑکیاں ہوں اور وہ ان کو اچھی تعلیم دلائے اور نیک تربیت کرے تو اُس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ اس پر وہ کہنے لگی بہاء اللہ نے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا حرام قرار دیا ہے لیکن قرآن اس کی تعلیم دیتا ہے۔ امریکہ اور انگلستان اور یورپ اسلام کی اس تعلیم کو نہیں مان سکتا اور دنیا اِس ظلم کو کبھی برداشت نہیں کرسکتی۔ میں نے کہا میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ دنیا اس ظلم کو برداشت کر سکتی ہے یا نہیں تم پہلے مجھے یقینی طور پر بتادو کہ بہاء اللہ نے ایک سے زیادہ شادیاں منع کی ہیں؟ اُس نے کہا ہاں بالکل منع ہے وہ ایرانی عورت جو ان کے ساتھ تھی وہ عبدالبہاء کے پاس چھ ماہ رہ کرآئی تھی اور اُس نے ان سے خاص تعلیم پائی تھی۔ میں نے کہا اس سے پوچھو کہ آیا بہاء اللہ کی اپنی دو بیویاں تھیں یا نہیں تم تو کہتی ہو کہ ایک سے زیادہ شادیاں منع ہیں اور بہاء اللہ نے آپ دو شادیاں کی ہیں۔ کہنے لگی آپ بِالکل الزام لگا رہے ہیں بہاء اللہ نے ہرگز دو شادیاں نہیں کیں۔ میں نے کہا اِس ایرانی عورت سے پوچھو۔ اُس سے پوچھا تو وہ کہنے لگی اجی مجھے اس جھگڑے میں کیوں گھسیٹتے ہیں آپ آپس میں بات کیجئے اور مجھے رہنے دیجئے۔ میں نے کہا اس میں گواہی کا سوال ہے آپ سچی گواہی کیوں چُھپاتی ہیں جو واقعہ ہو وہ آپ بتادیں۔ کہنے لگی کہ بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ دو شادیاں دعویٰ سے پہلے کی تھیں۔ اس پر پہلی عورت نے شور مچادیا کہ بس جواب ہو گیا یہ دعویٰ سے پہلے کی شادیاں تھیں۔ میں نے کہا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ امام اپنی پیدائش کے وقت سے علمِ غیب رکھتا ہے جب اسے پتہ تھا کہ ایک سے زیادہ شادیاں ردّ کی جائیں گی تو پھر اُس نے خود کیوں ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ یا تو یہ کہو کہ وہ علمِ غیب نہیں رکھتا تھا اور یا یہ کہو کہ اس نے خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف فعل کیا اور اگر وہ علمِ غیب نہیں رکھتا تھا تب بھی اس کی خدائی باطل ہے اور اگر خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف اس نے فعل کیا تب بھی وہ قابلِ اعتراض ٹھہرتا ہے اور پھر سوال یہ ہے کہ اگر یہ حکم بعد میں نازل ہوُا تھا تو اس نے دوسری بیوی رکھی کیوں؟ اسے اس نے طلاق کیوں نہ دیدی۔ اِس پر وہ کہنے لگی کہ ایک کو اس نے اپنی بہن قرار دیدیا تھا۔ میں نے کہا کہ اس پر اوّل تو پھر وہی اعتراض ہے کہ جب وہ عالم الغیب تھا اور جانتا تھا کہ مجھے اسے بہن

قرار دینا پڑے گا تو اس نے پہلے اسے بیوی کیوں بنایا؟ لیکن اِس کو بھی جانے دو سوال یہ ہے کہ آیا بہن سے شادی تمہارے نزدیک جائز ہے؟ وہ کہنے لگی آپ تو گالیاں دیتے ہیں۔ میں نے کہا اسی ایرانی بہن سے پوچھو اس نے پہلے تو بڑا زور لگایا کہ کسی طرح وہ اس بحث میں نہ پڑے اور بار بار کہے کہ میرا اِس سے کیا تعلق ہے میں تو یونہی آ گئی تھی لیکن آخر میرے اصرار پر اسے ماننا ہی پڑا کہ واقعہ میں بہاء اللہ کے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے۔

قیامت تک قائم رہنے والا لائحہ عمل

غرض کہنے کو تو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کس طرح مانیں کہ قرآن کریم منسوخ نہیں ہوسکتا جب کہ پہلی کتابیں ہمیشہ سے منسوخ ہوتی چلی آئی ہیں لیکن وہ کوئی ایسی بات بھی نہیں بتا سکتے جو دنیا کے لئے قابلِ عمل ہو اور قرآن کریم میں موجود نہ ہو یا قرآن کریم نے کوئی حُکم دیا ہو اور اس پر عمل نہ ہوسکتا ہو۔ تیرہ سَو سال ہو چکے دُنیا اس کے کسی حکم کو قابل تبدیل قرار نہیں دے سکی اور آئندہ کے متعلق بھی ہم اسی پر قیاس کر کے کہہ سکتے ہیں کہ وہ قیامت تک کے لئے ایک زندہ اور قائم رہنے والا لائحہ عمل ہے کیونکہ تیرہ سَو سال کے گزرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مأمور آیا اُس نے دنیا میں پھر یہ اعلان کر دیا کہ یہ کتاب قیامت تک قائم رہنے والی ہے اور اِس کا قانون ایک اٹل صداقت ہے دنیا ہزاروں تغیرات میں سے گزرتی چلی جائے اس کا کوئی قانون بدل نہیں سکتا، اس کی کوئی تعلیم تبدیل نہیں کی جاسکتی۔

فطرتِ انسانی سے مطابقت رکھنے والی تعلیم

پھر فرماتا ہے مُتَشَابِهًا اِس کامل کتاب کی ایک یہ بھی خوبی ہے کہ یہ متشابہ ہے۔ متشابہ کے دو معنے ہیں جن میں سے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ فطرت کے متشابہ ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن کریم جو تمہارے ہاتھوں میں ہے یہ فِیْ کِتَابٍ مَّکْنُوْنٍ [۸] ایک کتابِ مکنون میں ہے یعنی اس کا ایک ورق تو یہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور اِس کا دوسرا ورق ہر انسان کی فطرت پر لکھا ہوُا ہے۔ گویا دو قرآن ہیں ایک قرآن فطرت انسانی میں ہے اور ایک قرآن اس کتاب میں ہے۔ کوئی شخص ایسی چیز نہیں پیش کرسکتا جو قرآن کریم میں تو ہو مگر اس کا فطرتِ صحیحہ انکار کرتی ہو اور کوئی بات فطرتِ صحیحہ میں ایسی نہیں ہوسکتی جو قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ قرآن کریم قیامت تک قائم رہنے والی کتاب ہے کیونکہ جب یہ فطرت کے مطابق ہے تو جس طرح فطرت نہیں بدل سکتی اسی طرح قرآن کریم

بھی بدل نہیں سکتا۔ وہ لوگ جو قرآن کریم کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ہمارا ان سے یہ سوال ہے کہ کیا انسانی فطرت کبھی بدل سکتی ہے؟ اگر بدل نہیں سکتی تو پھر قرآن کریم بھی بدل نہیں سکتا۔ گویا صرف یہی نہیں کہ یہ کتاب اب تک نہیں بدلی بلکہ مُتشابہ کہہ کر اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یہ کتاب کبھی بدل ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ فطرت کے مطابق ہے اور فطرت اس کے مطابق۔ جب تک انسان کی فطرتِ صحیحہ قائم رہے گی یہ قرآن بھی قائم رہے گا۔

سابق الہامی کُتب کی تمام اعلیٰ تعلیمیں قرآن کریم میں جمع ہیں

دوسرے معنے اس کے یہ ہیں کہ پہلی الہامی کتابوں کی اعلیٰ تعلیم کو پیش کرتا ہے گویا یہ مُتشابہ ہے موسیٰ کی کتاب سے اور یہ مُتشابہ ہے زرتشت کی کتاب سے اور یہ مُتشابہ ہے رام اور کرشن کی کتاب سے اَحْسَنَ الْحَدِیْث میں تو یہ بتایا گیا تھا کہ قرآن کریم میں اچھی سے اچھی اور بہتر سے بہتر باتیں بیان کی گئی ہیں اور مُتشابہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم سے پہلے جو الہامی کتب نازل ہو چکی ہیں ان تمام کتابوں کی اچھی سے اچھی اور بہتر سے بہتر باتیں اس میں موجود ہیں، تورات کی اچھی باتیں اس میں موجود ہیں۔ وید کی اچھی باتیں اس میں موجود ہیں، ژنداَوِستا کی اچھی باتیں اس میں موجود ہیں۔ جب ساری اچھی باتیں اس میں موجود ہیں تو ہمیں اس بات کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ ہم دوسری کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

عیسائیوں کا ایک اعتراض

عیسائی اعتراض کیا کرتے ہیں اور انہوں نے ینابیع الاسلام وغیرہ بعض کتابیں بھی اِس موضوع پر لکھی ہیں کہ قرآن کریم نے فلاں بات فلاں جگہ سے نقل کی ہے اور فلاں فلاں جگہ سے حالانکہ قرآن کریم تو آپ کہتا ہے کہ میں نے ان باتوں کو نقل کیا ہے مگر قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے ان کی رڈی باتیں چھوڑ دی ہیں۔ اگر اس میں ساری اچھی باتیں نہیں آئیں تو پھر جو قرآن کریم نے اچھی باتیں چھوڑ دی ہیں تم ان کی نقل کر دو اور کہو کہ یہ باتیں قرآن کریم سے رہ گئی ہیں لیکن اگر باقی صرف پھوگ ہی رہ گیا ہے تو ہم نے اس پھوگ کو کیا کرنا ہے۔ گائے بھینس چارہ کھاتی ہے اور دودھ دیتی ہے تو اس دودھ کو دیکھ کر کہہ سکتے ہو کہ یہ وہی چارہ ہے جو ہم نے کھلایا تھا مگر پیتے دودھ ہی ہو چارہ نہیں کھاتے۔ قرآن کریم نے بھی بعض باتوں کی نقل ہی کی ہے مگر انہیں نقل کر کے اس نے دودھ بنا دیا ہے جسے ہم پی رہے ہیں۔ بائیبل صرف ایک گھاس کے مشابہ ہے، زرتشتی کتابیں صرف ایک گھاس کے مشابہ

ہیں، وید صرف گھاس کے مشابہ ہے لیکن قرآن کریم انہی باتوں کو نقل کر کے جس طرح گائے اور بھینس گھاس کھا کر دودھ دیتی ہیں ان کو گھاس سے دودھ کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

پس بیشک قرآن کریم میں بعض باتیں ایسی ہیں جو انجیل کے مطابق ہیں بعض باتیں ایسی ہیں جو تورات کے مطابق ہیں اور بعض باتیں ایسی ہیں جو دوسری کتب کے مطابق ہیں، مگر اس نے ان تعلیموں کو نہایت ادنیٰ حالت سے لیکر اعلیٰ حالت تک پہنچا دیا ہے۔ ہمارے مخالفوں کو گھاس کھانا ہی اچھا لگتا ہے تو وہ بے شک گھاس کھائیں ہم تو دودھ ہی پئیں گے۔

قرآن کریم کی افضلیت

پھر فرماتا ہے کہ یہ قرآن مَثَانِیْ ہے۔ مَثَانِیْ کے متعلق ہم عربی لغت میں دیکھتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ وہاں مَثَانِیْ کے کئی معنے لکھے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مَابَعْدَ الْاَوَّلِ مِنْ اَوْتَارِ الْعُوْدِ [9] یعنی مزامیر اور سرنگی کی تاروں میں سے پہلی تار کے بعد جو دوسری تاریں آتی ہیں ان کو مَثَانِیْ کہتے ہیں۔ پس قرآن کریم کو مَثَانِیْ قرار دینے کے یہ معنے ہوئے کہ یہ پہلی تاروں کے بعد دوسری تار ہے۔ قرآن کریم یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں دنیا میں پہلی الہامی کتاب ہوں جیسے ویدوں کا دعویٰ ہے بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں ان کتابوں کے پیچھے آیا ہوں اور پھر اوپر کی چوٹی پر ہوں تاکہ کوئی اعتراض نہ کرے کہ قرآن کریم پہلی کتابوں سے اُتر کر دوسرے درجہ کی کتاب ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ مَیں ہوں تو دوسری کتاب مگر پہلی کتابوں سے زیادہ شاندار ہوں۔ اگر ایک ڈاکٹر اپنے فن میں بڑا مشہور ہو اور اس کے بعد کوئی دوسرا ڈاکٹر آکر اپنے آپ کو اس سے بڑھا کر دکھاوے تو وہ چھوٹا سمجھا جاتا ہے یا بڑا سمجھا جاتا ہے۔ اگر ایک بیرسٹر بڑی کامیاب پریکٹس کرتا ہو اور اس کے بعد ایک دوسرا بیرسٹر آجائے جو اپنے کام میں اتنا شُہرہ حاصل کر لے کہ تمام لوگ پہلے بیرسٹر کو چھوڑ دیں اور اُس کے پاس آجائیں تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ دوسرا بیرسٹر ہے اس کو پہلے بیرسٹر پر کیا فضیلت حاصل ہے؟ پہلے کی موجودگی میں اپنے درجہ کو قائم کر لینا اور اپنی دھاک بٹھا لینا ایک فخر کی بات ہوتی ہے ورنہ جہاں عالم نہیں ہوتے وہاں بعض دفعہ جاہل بھی آکر عالم بن جاتے ہیں اور وہ جو کچھ اُوٹ پٹانگ کہہ دیں، لوگ سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے لگ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بڑے عالم ہیں۔

ایک لطیفہ

اِسی قسم کے مسخرے کا ایک لطیفہ ہے۔ لوگ اس سے مسئلے پوچھنے آتے تو کبھی وہ عقل کی بات کہہ دیتا اور کبھی بے وقوفی کی۔ ایک دفعہ عیسائی آئے اور انہوں

نے کہا بتاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر گئے تھے تو کس سیڑھی سے گئے تھے؟ اس نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر گئے تھے تو لوگ سیڑھی اُٹھانی بُھول گئے تھے اس پر چڑھ کر چلے گئے تھے۔ یہ تو معقول بات کہہ دی چاہے مذاق کی تھی، مگر اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا کہ جب چاند نکلتا ہے تو پہلے وہ نہایت باریک ہوتا ہے اور پھر ذرا موٹا ہوتا ہے پھر اَور بڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے پورا چاند بن جاتا ہے اور پھر تھوڑے دنوں کے بعد ہی غائب ہو جاتا ہے وہ چاند جاتا کہاں ہے؟ کہنے لگا اس کو کاٹ کر ستارے بنا لئے جاتے ہیں چونکہ قوم میں کوئی اور عالم نہیں تھا اس لئے لوگ اُسی کو بڑا عالم سمجھتے تھے۔

قرآن کریم کا کمال

تو پہلے پہل اگر کوئی شخص آ جائے جس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی دوسرا ڈاکٹر یا مقنّن یا انجینئر نہ ہو تو ایک معمولی آدمی بھی لوگوں پر اپنی حکومت جما لیتا ہے لیکن پہلوں کے مقابل پر آ کر کامیاب ہونا بہت بڑی ہمت چاہتا ہے۔ قرآن کریم اسی مضمون کی طرف لوگوں کو توجہ دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہم پہلوں کی موجودگی میں آ کر کامیاب ہوئے ہیں۔ تم اپنی طرح یہ نہ سمجھ لو کہ ملک میں کوئی حکومت نہ تھی، کوئی قانون نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے آ کر ایک تعلیم دی اور لوگوں نے اسے مان لیا، ایران میں کوئی قانون نہ تھا زرتشت آئے اور انہوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا، اکیلے اکیلے میدان مار لینا اور بات ہے اور مقابلہ میں آ کر میدان جیتنا اور بات ہے۔ ہم بعد میں آئے اور پھر ان کی چھاتیوں پر مُونگ دَل رہے ہیں، عیسائیوں کی کتابیں موجود ہیں، یہودیوں کی کتابیں موجود ہیں، زرتشتیوں کی کتابیں موجود ہیں، ہندوؤں کی کتابیں موجود ہیں مگر پھر ہم ان سب کے سامنے آ کر میدان مار رہے ہیں۔

خداتعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے والی کتاب

مَثَانِیْ کے دوسرے معنے مَعْطِفُ الْوَادِی [۱۰] کے ہیں چلتے چلتے جب وادی ایک طرف مُڑتی ہے تو اُس کے موڑ کو بھی مَثَانِیْ کہتے ہیں۔ پس قرآن کریم کی دوسری خوبی اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ یہ بنی نوع انسان کو موڑ کر ان کا رُخ ایک دوسری طرف پھیرنے والی کتاب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بنی نوع انسان جب علوم میں ترقی کرتے ہیں تو ان کا نقطۂ نگاہ صرف دنیا کا حصول ہوتا ہے وہ جغرافیہ میں یا سائنس یا تاریخ میں جب دسترس پیدا کرتے ہیں تو ان کا نقطۂ نظر صرف مادی ہوتا ہے اور وہ اُسی مادی راستے پر چلتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے

ان راستوں سے بنی نوع انسان کو روکا نہیں۔ وہ حساب کی بھی تصدیق کرتا ہے جُغرافیہ کی بھی تصدیق کرتا ہے، وہ سائنس کی بھی تصدیق کرتا ہے، وہ تاریخ کی بھی تصدیق کرتا ہے مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ایک اور طرف بھی ہے جس طرف تمہیں توجہ پھیرنے کی ضرورت ہے اور وہ موڑ وہ ہے جس کے پیچھے خدا تعالیٰ بیٹھا ہے۔ بے شک سائنس بھی اپنی ذات میں ایک مفید چیز ہے، جغرافیہ، حساب اور تاریخ بھی اپنی ذات میں مفید علوم ہیں مگر ان علوم کی وادی چلتے چلتے ایک طرف خم کھاتی ہے اور اس کے موڑ کے پیچھے خدا تعالیٰ کا وجود رونما ہوتا ہے۔تم بے شک ان علوم میں ترقی کرو مگر یہ بھی دیکھو کہ اس مادی دنیا کے علاوہ خدا تعالیٰ کی بھی ایک ذات ہے جس کا حصول تمہارا سب سے بڑا مقصد ہونا چاہئے پس قرآن کریم انسانی عقلوں کو موڑ کر انہیں خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے والی کتاب ہے اور یہی بات مثانی میں بیان کی گئی ہے۔

قرآنی تعلیم کے ذریعہ غیر معمولی طاقت کا حصول

مَثَانِیْ کے تیسرے معنے قُوَّةُ الشَّیْءِ وَ طَاقَتُهٗ[11] کے ہوتے ہیں یعنی کسی چیز کی قوت اور اس کی طاقت۔فرماتا ہے قرآن کریم کی آیتیں اور قرآن کریم کی تعلیم تمہاری قوت اور طاقت کا موجب ہیں یعنی قرآن کریم پر عمل کرنے والے ہمیشہ دُنیا پر غالب رہیں گے اور کسی جگہ نیچا نہیں دیکھیں گے۔قرآن کریم کہتا ہے کہ سچ بولو۔ دنیا میں کبھی سچ بولنے والے ذلیل نہیں ہوسکتے۔قرآن کریم کہتا ہے کہ علم سیکھو دنیا میں کبھی علم سیکھنے والا ذلیل نہیں ہوسکتا۔قرآن کریم کہتا ہے کہ دھوکا مت دو۔ دھوکا اور فریب سے بچنے والا دُنیا میں کبھی ذلیل نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ تم علومِ طبیعیات پر غور کرو اور قدرت کے رازوں کی جستجو کرو۔علومِ طبیعیات پر غور کرنے والا اور قدرت کے رازوں کی جستجو کرنے والا دنیا میں کبھی ذلیل نہیں ہوسکتا۔غرض جو کچھ قرآن کریم کہتا ہے وہ انسان کی طاقت کا موجب ہوتا ہے اُس کی کمزوری کا موجب نہیں ہوتا۔ یہی وہ چیز ہے جس کا قرآن کریم ایک اور جگہ ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ [12] کہ کافر بھی بعض دفعہ کہہ اُٹھتا ہے کہ کاش! مجھے اسلام کا نام نہ ملتا تو اس کی تعلیم ہی مل جاتی۔

یہود کا اعترافِ عجز

ایک دفعہ بعض یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا آپ کے قرآن میں ایک ایسی آیت موجود ہے کہ اگر وہ ہماری کتاب میں ہوتی تو ہم اس آیت کے نازل ہونے والے دن کو عید مناتے۔ آپ نے

پوچھا وہ کونسی آیت؟ ہے انہوں نے کہا اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا [۱۳]

یہ آیت اگر ہماری بائیبل میں ہوتی تو ہم اس خوشی میں عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تم کیا جانو جس دن یہ آیت اُتری ہے اُس دن ہمارے لئے دو عیدیں جمع تھیں، یہ حج کے دن نازل ہوئی ہے اور حج کے دن پہلے سے عید چلی آ رہی ہے اور پھر وہ جمعہ کا دن تھا اور جمعہ بھی ہمارے لئے عید کا دن ہے۔ [۱۴]

تعدّدِ ازواج پر بعض انگریزوں سے گفتگو

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی تعلیم ایسی نہیں ہے جس پر چل کر انسان ذلیل ہو سکے۔ وہ چیزیں جن پر دنیا اعتراض کرتی ہے وہ بھی ایسی ہیں کہ اگر ان کو لوگ صحیح طور پر سمجھ جائیں تو ان کے اعتراضات بند ہو جائیں۔ میں جب ولایت گیا تو ایک دفعہ بعض انگریز مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ چونکہ انگریزوں میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اسلام میں عورتوں پر بہت ظلم کیا جاتا ہے اور اس کی ایک وجہ وہ تعدّد ازواج کو بھی قرار دیتے ہیں اس لئے انہوں نے اس موضوع پر مجھ سے گفتگو شروع کر دی اور کہا کہ اسلام میں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی گئی ہے جو بڑی خطرناک بات ہے اور کوئی فطرت اسے برداشت نہیں کر سکتی۔ میں نے کہا کیا یہ بہت بُری تعلیم ہے؟ انہوں نے کہا بہت بُری تعلیم ہے۔ میں نے کہا میری اِس وقت تین بیویاں ہیں (اُس وقت میری تین بیویاں تھیں) کہنے لگے آپ کی تین بیویاں ہیں؟ آپ تو بڑے روشن خیال آدمی ہیں آپ نے یہ کیا کیا؟ میں نے کہا جب آپ مجھے روشن خیال تسلیم کرتے ہیں تو پھر آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ میں نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ پھر میں نے انہیں بتایا کہ اسلام نے بے شک بعض حالات میں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے مگر اسلام نے اس کے ساتھ کئی قسم کی پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں جن کی موجودگی میں کوئی شخص محض عیاشی کے لئے ایک سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکتا۔ اسلام کہتا ہے اگر تم ایک سے زیادہ شادیاں کرو تو ہر ایک کو برابر کی باری دو، اسلام کہتا ہے کہ جتنا خرچ تم ایک بیوی کو دو اتنا ہی خرچ دوسری بیوی کو دو، اسلام کہتا ہے کہ جس طرح تم ایک بیوی کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہو اسی طرح تم دوسری بیوی کی ضرورتوں کو بھی پورا کرو۔ ان احکام کی موجودگی میں اگر کوئی شخص دو شادیاں کرتا ہے یا چار کرتا ہے تو آخر وہ کیوں کرتا ہے؟ بڑی وجہ اس کی یہی

سمجھی جا سکتی ہے کہ اسے اپنی پہلی بیوی سے محبت نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اسے اپنی پہلی بیوی سے محبت نہیں تو کتنا جبر ہے جو شریعت اس پر کرتی ہے۔ وہ چوبیس گھنٹے اپنی اس بیوی کے پاس گزارتا ہے جس سے اسے محبت ہے تو شریعت کہتی ہے اُٹھاؤ اپنا بستر اور جاؤ دوسری بیوی کے پاس اور اس کے پاس بھی اسی طرح چوبیس گھنٹے گزارو۔ وہ اپنی نئی بیوی کے لئے جس سے اسے محبت ہوتی ہے کوئی زیور یا کپڑا تیار کر کے لاتا ہے تو شریعت کہتی ہے اب جاؤ اور اِسی قسم کا کپڑا اور اسی قِسم کا زیور اپنی دوسری بیوی کو دے آؤ۔ غرض قدم قدم پر شریعت اس کے جذبات پر ایسا جبر کرتی ہے کہ اس کے بعد یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دوسری شادی کرنے والا عیاشی کا ارتکاب کرتا ہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی ایک بیوی جنہیں ہم بچپن میں مولویانی کہا کرتے تھے وہ ایک دفعہ ہمارے ہاں آئیں۔ میں اُن دنوں شدید بیمار تھا اور مجھ سے اُٹھا بھی نہیں جاتا تھا، پھر بھی میں سہارا لے کر دوسری بیوی کے گھر گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر کہنے لگیں یہ کیسی قابلِ رحم حالت ہے کہ اُٹھا جاتا نہیں مگر دوسری بیوی کے گھر جا رہے ہیں۔ اب بتاؤ اِس میں عیاشی کی کونسی بات ہے، عیاشی تو تب ہو جب وہ صرف ایک بیوی سے تعلق رکھے اور دوسری کو نظر انداز کر دے۔ میری یہ بات سنکر وہ کہنے لگے کہ آپ کی اَور بات ہے۔ میں نے کہا اگر میرے جیسا بن جانے سے یہ بات قابلِ اعتراض نہیں رہتی تو آپ بھی اچھے آدمی بن جائیں بُرے کیوں بنے ہوئے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں میں حکمت

پھر میں نے انہیں کہا جب ہم ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں تو اس کی وجوہات ہوتی ہیں۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی شادیاں کیں مگر اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کے سپرد تمام عورتوں کی تعلیم و تربیت کا کام تھا اور یہ اتنا بڑا کام تھا کہ آپ اکیلے اسے سنبھال نہیں سکتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپ زیادہ شادیاں کرتے تا زیادہ سے زیادہ تعداد میں ایسی عورتیں تیار ہوسکتیں جو اسلام میں داخل ہونے والی مستورات کی نگرانی کرتیں اور ان کی تعلیم و تربیت کا کام سرانجام دیتیں۔ میں بھی ایک قوم کا لیڈر ہوں میرے پاس سینکڑوں عورتیں آتی ہیں اور وہ اپنی مصیبتیں اور مشکلات بیان کرتی ہیں، ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا، ان کی تعلیم کا انتظام کرنا اور ان کی تنظیم کو مکمل کرنا یہ ایک بہت بڑا کام ہے جو کوئی غیر عورت نہیں کرسکتی۔ یہ کام اِسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ میں اپنی بیویوں کو تعلیم

دوں اور وہ دوسری عورتوں کو تعلیم دیں اور ان کی تنظیم کا کام سرانجام دیں۔ اس پر انہیں خاموش ہونا پڑا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال نمونہ

غرض اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے ہر ضرورت کے متعلق احکام نازل کئے ہیں اگر اسلام نے اس قسم کے احکام نہ دیئے ہوتے تو ہمیں دشمن کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا مگر اب ہمارا سر اونچا رہتا ہے اور دشمن کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ آپ جب بیمار ہوئے تو باوجود سخت کمزوری کے ایک ہاتھ علی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر اور دوسرا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھ کر ایک گھر سے دوسرے گھر میں جاتے اور بعض دفعہ تو ایسی صورت ہوتی تھی کہ آپ کے پاؤں شدتِ کمزوری کی وجہ سے زمین کے ساتھ گھسٹتے چلے جاتے تھے۔ بیویوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اُن سب نے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانا مناسب نہیں۔ آپ کو کسی ایک ہی بیوی کے گھر میں ٹھہرنا چاہئے چنانچہ سب نے متفقہ طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! جب تک آپ اچھے نہیں ہو جاتے آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ٹھہریں وہ آپ کی سب سے زیادہ خدمت کرسکتی ہیں چنانچہ آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہے اور وہیں آپ نے وفات پائی۔

مسلمانوں کے تحفّظ اور ان کی بقاء کا صحیح طریق

غرض اسلام کے احکام پر عمل کرنا ایک بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم بغیر کسی حقیقی ضرورت کے ایک سے زیادہ شادیاں کرو۔ وہ ضرورتِ حقہ کے ساتھ اس کی اجازت کو مشروط قرار دیتا ہے اور جب ضرورتِ حقہ پیدا ہو جائے تو پھر ایک سے زیادہ شادیوں پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ جب بہار میں مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا تو وہاں کے کچھ لوگ قادیان آئے اور انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ اب ہمارے بچاؤ کا کیا طریق ہے؟ میں نے کہا قرآن کریم نے دو علاج بتائے تھے مگر وہ دونوں تم نے چھوڑ دیئے ہیں۔ قرآن کریم نے کہا تھا کہ تبلیغ کرو مگر تم نے تبلیغ ترک کر دی اگر سارے مسلمان تبلیغ پر زور دیتے تو آج انہیں ایک ہندو بھی ہندوستان میں نظر نہ آتا۔ دوسرا علاج اسلام نے یہ بتایا

تھا کہ تم چار چار شادیاں کرو تم ایک ہی نسل میں آٹھ گُنا ہو جاؤ گے دوسری نسل میں سولہ گُنا ہو جاؤ گے اور تیسری نسل میں بتّیس گُنا ہو جاؤ گے۔ میں نے کہا اِس وقت کئی اچھوت اقوام موجود ہیں اگر تم ان کی بیٹیاں لینی شروع کر دو تو وہ شوق سے اپنی لڑکیاں تمہارے ساتھ بیاہ دیں گے اور ہر عورت کم سے کم چار بچے جنے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ پچاس سال کے بعد تم آٹھ سے بتّیس کروڑ ہو جاؤ گے۔

غرض خدا تعالیٰ نے علاج تو بتایا ہے لیکن اگر تم عمل نہ کرو تو کیا کیا جائے۔ گزشتہ جنگ کے بعد کئی یورپین قوموں میں یہ تحریک پیدا ہوئی ہے کہ اگر وہ اپنی تعداد کو بڑھانا چاہتی ہیں تو انہیں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہونی چاہئے۔

اقلیت کے لئے طاقت حاصل کرنیکا نسخہ

غرض ایک سے زیادہ شادیاں اقلیت کے لئے طاقت حاصل کرنے کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔

دو نسلیں اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال لیں تو مسلمانوں کی تمام مشکلات دُور ہو سکتی ہیں اور وہ مغلوب ہونے کی بجائے ایک غالب قوم کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہماری اولاد ہوئی تو وہ کھائے گی کہاں سے؟ حالانکہ یہی تو وہ حکمت ہے جس کو وہ نہیں سمجھتے، تم بچے پیدا کرو اور کرتے چلے جاؤ، وہ بے شک بھوکے رہیں گے، وہ بیشک پیاسے رہیں گے، وہ بے شک ننگے رہیں گے، لیکن جس وقت بتّیس کروڑ بھوکے اور پیاسے اور ننگے اُٹھے، وہ بم کی طرح پھٹیں گے اور سارے ملک پر قبضہ کر لیں گے۔ کھاتے پیتے لوگ تو عیاشیاں کیا کرتے ہیں یہ بھوکے مرنے والے لوگ ہی ہیں جو قوموں کو تخت و تاج کا وارث بنایا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے اندر حرکت اور بیداری پیدا کرنیکا ذریعہ

مَثَانِیْ کے چوتھے معنے مفاصل یا جوڑ کے ہیں [۱۵]

جوڑ سے حرکت پیدا ہوتی ہے، کمر کا جوڑ بند ہو جائے تو تم چل نہیں سکتے، گُھٹنے کا جوڑ بند ہو جائے تو تم حرکت نہیں کر سکتے ہاتھ کا جوڑ بند ہو جائے تو تم کسی چیز کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ پر نہیں رکھ سکتے، گویا جوڑ حرکت کا ایک ذریعہ ہوتا ہے قرآن کریم کہتا ہے کہ اس کی آیتیں مسلمانوں کے لئے مفاصل ثابت ہونگی ان کے اندر ایک حرکت اور بیداری پیدا کر دیں گی اور

انہیں آناً فاناً کہیں سے کہیں پہنچا دیں گی۔

آٹھ خوبیوں والا کلام

یہ آٹھ خوبیاں اُس قانون کی بتائی گئی ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے دربارِ عام میں اعلان کیا۔ دُنیوی حکومتوں کی تعزیرات میں تو سزائیں ہی سزائیں ہوتی ہیں مگر یہ قانون بشارات پر بھی مشتمل ہے اور اِنذار پر بھی مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تمہارے سامنے ایک ایسی چیز پیش کر رہے ہیں جو آٹھ خوبیاں اپنے اندر رکھنے والی ہے وہ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡث ہے وہ کِتَاب ہے وہ مُتَشَابِہ ہے یعنی فطرت کے مطابق ہے اور نیز پہلی کتابوں کی تعلیم کے مقابلہ میں برتر تعلیم دیتی ہے اور پھر وہ مَثَانِیَ ہے اور مَثَانِیَ کے چار معنے بتائے جا چکے ہیں گویا یہ آٹھ خوبیوں والا قانون ہے جس کے نفاذ کا ہم اپنے دیوانِ عام میں اعلان کرتے ہیں۔

الٰہی عظمت اور محبت کا پُر کیف نظارہ

پھر فرماتا ہے تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ۔ یہ ایسی عجیب تعلیم ہے کہ جس وقت انسان اسے پڑھتا ہے تو پہلے اس کے رَونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ کانپنے لگ جاتا ہے مگر پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کے پیار کا مشاہدہ کرتا ہے تو اُسے یُوں معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی سزائیں بھی محبت اور پیار کا رنگ رکھتی ہیں۔ وہ سزا دیتا ہے تب بھی پیار کے طور پر اور اگر ڈانٹتا ہے تب بھی پیار کے طور پر۔ جب مؤمن اس بات کو سوچتے ہیں تو تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ ان کی جلدیں نرم ہو جاتی ہیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح کھِچے چلے جاتے ہیں کہ وہ سیدھے خدا تعالیٰ کے دربار میں پہنچ جاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! تیری مار بھی پیاری ہے اور تیرا پیار بھی پیارا ہے۔ یہ کتنا عظیم الشان اعلان ہے جو اسلام کے دیوانِ عام سے کیا گیا ہے کیا دنیا کی کوئی حکومت اس اعلان کا مقابلہ کر سکتی ہے؟

قانونِ الٰہی کی اتباع کرنے اور نہ کرنے والوں سے سلوک

پھر وہ بتاتا ہے کہ جو لوگ ہمارے اس قانون پر عمل کریں گے اُن سے ہمارا کیا سلوک ہوگا فرماتا ہے قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰهُ وَ یَغۡفِرۡلَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ [۱۶]

دُنیوی گورنمنٹیں دربارِ عام سے اعلان کرتی ہیں تو کہتی ہیں کہ دیکھو تم ہمارے قانون کی

پابندی کرو گے تو جیل خانوں سے بچ جاؤ گے، تمہیں بڑے بڑے خطاب دیئے جائیں گے، تمہیں زمین اور مال ملے گا اور ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ مگر یہاں ایک عجیب منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ خدائی دیوانِ عام میں بادشاہ یہ اعلان کرتا نظر آتا ہے کہ اے لوگو اگر تم ہمارے قانون کی پابندی نہیں کرو گے تب بھی تم حکومت کے منافع سے محروم نہیں کئے جاؤ گے فرماتا ہے کُلًّا نُّمِدُّ ھٰٓؤُلَاءِ وَ ھٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ وَ مَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا [۱۷]

یعنی تم اگر کافر بھی ہو گئے تب بھی ہم تمہیں اپنے رزق سے محروم نہیں کریں گے اور تمہاری کوششوں کے نتائج پیدا کرتے چلے جائیں گے۔ یہ کتنا عظیم الشان فرق ہے جو دُنیوی حکومتوں اور الٰہی حکومت میں نظر آتا ہے۔ دُنیوی حکومتیں اپنے قانون کی خلاف ورزی کرنیوالوں کو سزائیں دیتی ہیں اور اُنہیں جیل خانوں میں بند کر دیتی ہیں مگر خدائی گورنمنٹ یہ اعلان کرتی ہے کہ اگر تم ہمارے قانون کے ماننے سے انکار بھی کرو گے تب بھی ہم تمہیں رزق دیتے چلے جائیں گے اور تمہیں ان فوائد سے محروم نہیں کریں گے جو ہماری حکومت سے سب لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور اگر تم ہمارے قوانین کو تسلیم کرو گے تو تم بادشاہ کے محبوب بن جاؤ گے فرماتا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَا تَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اے ہمارے رسول تُو لوگوں میں یہ اعلان کر دے کہ میں تو اس قرآن پر عمل کر کے اور اس کی تعلیم کو مان کر خدا تعالیٰ کا پیارا بن گیا ہوں اگر تم بھی چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے محبوب بنو تو تم میرے نقشِ قدم پر چل پڑو خدا تعالیٰ تم سے بھی محبت کرنے لگ جائے گا اور تمہیں بھی اپنا محبوب بنا لے گا۔

دُنیوی بادشاہوں کا طریقِ عمل

دُنیوی بادشاہ جب کسی قانون کا اعلان کرتے ہیں تو اس قانون کی فرمانبرداری کرنے والوں کو کبھی کوئی انعام نہیں ملتا کیا تم نے کبھی دیکھا کہ کسی شخص کو اس لئے انعام ملا ہو کہ اُس نے چوری نہیں کی، یا کسی شخص کو اِس بات پر انعام ملا ہو کہ وہ سڑک کے بائیں طرف اپنی موٹر چلایا کرتا تھا، ہاں یہ نظارہ دیکھنے میں ضرور آتا ہے کہ کسی کو ذیلدار بنا دیا گیا محض اس لئے کہ جب ڈپٹی صاحب دَورے پر آتے ہیں تو وہ لوگوں کی مُرغیاں چُرا چُرا کر انہیں کِھلاتا ہے۔ پھر جو خطاب ملتے ہیں اُن کا حقیقت کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا خطاب ملتا ہے خان بہادر اور خان بہادر صاحب کی اپنی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر چوہا بھی چیں کرے تو اُن کی جان نکل جاتی ہے۔ گویا خطاب

ملتے ہیں تو جھوٹے اور خطاب ملتے ہیں تو انصاف کے خلاف۔ نہ خطاب کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ انصاف کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا ہے۔ جتنے خطاب لینے والے ہوتے ہیں اگر ان کے حالات پر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہیں خطاب محض اس وجہ سے دیئے گئے ہیں کہ وہ افسروں کو شکار کھلاتے رہے ہیں یا مُرغابیاں مار مار کر ان کے لئے لاتے رہے ہیں۔

ایک ذیلدار کا واقعہ

مجھے یاد ہے ہمارے ہاں ایک ڈپٹی کمشنر آیا وہ کچھ پاگل سا تھا مگر اُسے شکار کا بہت شوق تھا۔ ذیلدار صاحب اسے اپنے ساتھ شکار کے لئے لے گئے۔ چلتے چلتے اسے دور سے کچھ بطخیں نظر آئیں جو تالاب میں پھر رہی تھیں اس نے سمجھا کہ مرغابیاں ہیں ذیلدار سے کہنے لگا کہ دیکھو! وہ کیسی اچھی مرغابیاں ہیں، ذیلدار کو معلوم تھا کہ یہ مرغابیاں نہیں بطخیں ہیں مگر ڈپٹی کمشنر کے کہنے پر اُس نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ بڑی اچھی مُرغابیاں ہیں اُس نے فائر کیا جس سے ایک بطخ مرگئی۔ اب وہ شخص جس کی بطخ ماری گئی تھی وہ بھی ساتھ تھا مگر ڈر کے مارے وہ بھی اس کی تعریف کرتا چلا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ صاحب! ایسی مرغابی تو بہت کم آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ خود بھی سمجھ گیا کہ یہ مُرغابی نہیں بطخ تھی اور اُس نے پانچ روپے نکال کر بطخ والے کو دیئے کہ یہ لے لو مگر وہ بار بار یہی کہتا چلا جاتا تھا کہ آپ پانچ روپے کیوں دیتے ہیں یہ مرغابی ہی تھی۔ یہ تو خطاب لینے والوں کا حال تھا کہ اوّل تو جو انہیں خطاب ملتے تھے وہ انصاف کے خلاف ہوتے تھے یعنی محض خوشامد یا افسروں کی تعریفیں کرنے پر انہیں خطاب مل جاتے تھے اور پھر خطاب جھوٹے ہوتے تھے ان کا حقیقت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہوتا تھا اسی طرح اگر زمین ملتی تھی تو وہ عارضی ہوتی تھی اور اگر مال ملتا تھا تو وہ کھویا جانے والا ہوتا تھا مگر یہاں یہ اعلان ہوتا ہے کہ اگر تم اس گورنر کی اطاعت کرو گے تو بادشاہ کے محبوب بن جاؤ گے فرماتا ہے **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اور میری ''اتباع'' کے یہ معنے ہیں کہ جس شخص کی اتباع کرنی ہے وہ **اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ**[۱۸] کا مصداق ہے۔ تمام عظیم الشان اخلاق اور تمام اعلیٰ قسم کی خوبیاں اور کیریکٹر اس میں موجود ہیں۔ پس **فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** کے یہ معنے ہوئے کہ تم بھی تمام اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور خوبیاں اپنے اندر پیدا کرو، تب خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا۔

بغاوت کرنے والوں کے متعلق اعلان

(۵) پھر دُنیوی بادشاہ یہ بھی اعلان کیا کرتے ہیں کہ جولوگ بغاوت کریں گے اورحکومت کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے اُن کو یہ یہ سزائیں دی جائیں گی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آیا اِس روحانی دربارِ عام میں بھی کوئی ایسا اعلان کیا گیا ہے یانہیں؟ اِس نقطہ نگاہ سے جب ہم اس دربارِ عام پر نظر دَوڑاتے ہیں تو ہمیں باغیوں کے بارہ میں یہ اعلان سنائی دیتا ہے کہ لَایَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ۔ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِھَادُ [۱۹]

فرماتا ہے ہمارے دشمن دُنیوی طور پر بڑی بڑی طاقتیں رکھتے ہیں اور ہم نے ان کی طاقتیں چھینی بھی نہیں کیونکہ ہم نے کہہ دیا ہے کہ کُلًّا نُّمِدُّ ھٰـؤُلَآءِ وَ ھٰـؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ وَ مَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا۔

یعنی ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم اس مادی دنیا میں مؤمنوں کی بھی مدد کیا کرتے ہیں اور کافروں کی بھی مدد کیا کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم نے ان بغاوت کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دینا ہے وہ ہماری مخالفت میں لوگوں کو بیشک اُکسائیں، بیشک ان کو اشتعال دلائیں، بیشک ان کے خیالات کو بگاڑنے کی کوشش کریں نتیجہ یہی ہوگا کہ یہ مخالفت کرنیوالے مٹ جائیں گے اور دُنیا پر ہماری تعلیم غالب ہوکر رہے گی۔

مخالف تدابیر کرنیوالے ہلاک کئے جائیں گے

اسی طرح فرماتا ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَئِنْ جَآءَ ھُمْ نَذِیْرٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَھْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ نَذِیْرٌ مَّازَادَ ھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا۔ نِاسْتِکْبَارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَکْرَ السَّیِّئِ وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّءُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ فَھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْـلًا۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحْوِیْلًا [۲۰]

یہ بڑے بڑے دشمن جو ہماری حکومت کے مخالف ہیں قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس خداتعالیٰ کا کوئی رسول آجائے تو وہ پہلی قوموں یعنی موسوی اور عیسوی سلسلہ سے بھی بہتر ہو جائیں گے فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا مگر جب خداتعالیٰ کا ایک نذیران کے پاس آ گیا تو اب یہ اس کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور اس کی حکومت کا جُوّا اُٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے کیونکہ انہوں نے نمبرداریاں سنبھالی ہوئی تھیں اور اعلیٰ اور

بلند اخلاق کے عادی نہیں تھے۔ وَلَایَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّیءُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ مگر ہمیں اس بارہ میں کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں بدی خود اُس کے سر پر پڑا کرتی ہے جو اس میں مبتلاء ہوتا ہے ہماری طاقت اس میں ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ باتیں بتائی ہیں جو نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں اور جنہیں ہر فطرتِ صحیحہ قبول کرتی ہے ان کے لئے نہ کسی فوج کی ضرورت ہے نہ دشمن سے لڑائی کی ضرورت ہے یہ لوگ آپ ہی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

اسلام کی اشاعت اس کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم کی وجہ سے ہوئی ہے

چنانچہ دیکھ لو اسلام نے تلوار کے زور سے فتح نہیں پائی بلکہ اسلام نے اس اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ فتح پائی ہے جو دلوں میں اُتر جاتی تھی اور اخلاق میں ایک اعلیٰ درجہ کا تغیر پیدا کر دیتی تھی۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں میرے مسلمان ہونے کی وجہ محض یہ ہوئی کہ مَیں اس قوم میں مہمان ٹھہرا ہوا تھا جس نے غداری کرتے ہوئے مسلمانوں کے ستّر قاری شہید کر دیئے تھے جب انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو کچھ تو اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے اور کچھ ان کے مقابلہ میں کھڑے رہے۔ چونکہ دشمن بہت بڑی تعداد میں تھا اور مسلمان بہت تھوڑے تھے اور وہ بھی نہتے اور بے سروسامان اِس لئے انہوں نے ایک ایک کر کے تمام مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ آخر میں صرف ایک صحابی رہ گئے جو ہجرت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کا نام عامر بن فہیرہؓ تھا۔ بہت سے لوگوں نے مل کر ان کو پکڑ لیا اور ایک شخص نے زور سے نیزہ ان کے سینہ میں مارا۔ نیزے کا لگنا تھا کہ اُن کی زبان سے بے اختیار یہ فقرہ نکلا کہ فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ کعبہ کے رب کی قسم مَیں کامیاب ہو گیا۔ جب میں نے ان کی زبان سے یہ فقرہ سنا تو میں حیران ہوا اور میں نے کہا یہ شخص اپنے رشتہ داروں سے دُور، اپنے بیوی بچوں سے دُور، اتنی بڑی مصیبت میں مبتلاء ہوا اور نیزہ اِس کے سینہ میں مارا گیا مگر اس نے مرتے ہوئے اگر کچھ کہا تو صرف یہ کہ ’’کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا‘‘۔ کیا یہ شخص پاگل تو نہیں۔ چنانچہ مَیں نے بعض اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے اور اس کے منہ سے ایسا فقرہ کیوں نکلا؟ انہوں نے کہا تم نہیں جانتے یہ مسلمان لوگ واقعہ میں پاگل ہیں جب یہ خداتعالیٰ کی راہ میں مرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ خداتعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور انہوں نے کامیابی حاصل کر لی۔ میری طبیعت پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ میں ان لوگوں کا

مرکز جا کر دیکھوں گا اور خود ان لوگوں کے مذہب کا مطالعہ کروں گا۔ چنانچہ میں مدینہ پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔صحابہؓ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا کہ ایک شخص کے سینہ میں نیزہ مارا جاتا ہے اور وہ وطن سے کوسوں دُور ہے، اُس کا کوئی عزیز اور رشتہ دار اس کے پاس نہیں اور اس کی زبان سے یہ نکلتا ہے کہ فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَة اس کی طبیعت پر اتنا اثر تھا کہ جب وہ یہ واقعہ سنایا کرتا اور فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَة کے الفاظ پر پہنچتا تو اس واقعہ کی ہیبت کی وجہ سے یکدم اس کا جسم کانپنے لگ جاتا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے [۲۱] تو اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے پھیلا ہے زور سے نہیں۔

مسلمانوں کی تمام جنگیں مدافعانہ تھیں

اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ آسمان سے لشکر اُتریگا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو کامیاب کریگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کو لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں مگر جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں ابتداء کُفار کی طرف سے ہوئی ہے۔ کفار نے آپ حملہ کیا اور مسلمانوں کو ان کے دفاع کے لئے میدانِ جنگ میں اُترنا پڑا۔ پس سوال یہ نہیں کہ مسلمانوں نے جنگیں کی ہیں یا نہیں سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے یہ کہا تھا کہ اگر کفار کی طرف سے حملہ ہوا تب تم جیتو گے ورنہ نہیں اسلام نے تو یہ کہا تھا کہ میں خود جیتوں گا اور وہ اسی طرح جیتا کہ جو لوگ اسلامی تعلیم کا مطالعہ کرتے یا مسلمانوں کی قربانی کا نظارہ دیکھتے اُن کے دل مرعوب ہو جاتے اور وہ اسلامی تعلیم کے حُسن اور اس کی صداقت کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

کامیابی توپوں کے ساتھ نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ وابستہ ہے

افسوس کہ آج کے مسلمان توپ و تفنگ کی طرف دیکھ رہے ہیں بجائے اس کے کہ وہ اسلامی احکام پر عمل کریں، اخلاقِ فاضلہ پر زور دیں، دعا، نماز اور ذکرِ الٰہی کی طرف توجہ کریں وہ یورپ کی طرف آنکھ اُٹھائے اِس اُمید میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ کب یہ لوگ انہیں توپیں اور تلواریں دیتے ہیں جن کے زور سے وہ دنیا کو فتح کریں۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی طرف نہیں دیکھتے وہ کافر کی توپ اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے ہیں حالانکہ کامیابی توپوں کے ساتھ نہیں بلکہ اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کے ساتھ وابستہ ہے۔

کُفر کی مجموعی طاقت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

(۶) اب میں یہ بتاتا ہوں کہ طاقتِ مخالفانہ کے بارہ میں اس نے کیا حکم دیا ہے؟ طاقتِ مخالفانہ اور انفرادی مخالفت یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ مخالفوں اور باغیوں کے متعلق اُس نے جو حکم دیا ہے اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اب کفر کی مجموعی طاقت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ فرمایا ہے اُس کا ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا [۲۲]

یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ قرآن آ گیا اب کُفر اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ یہ کتنا عظیم الشان دعویٰ ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے کیا دنیا کی کوئی طاقت ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟ امریکہ اور انگلستان نے سائنس میں کتنی عظیم الشان ترقی کر لی ہے مگر کیا کوئی امریکن سائنسدان یا انگلستان کا مُقنّن یہ کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے ایسا مکمل اور جامع قانون تیار کر لیا ہے کہ ساری حکومتیں اس کی اتباع پر مجبور ہونگی۔ باوجود ایک بے مثال ترقی کر لینے کے امریکہ اور انگلستان ایسا دعویٰ نہیں کر سکتے، لیکن قرآن کریم تمام دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کرتا ہے کہ میرا قانون ایسا مکمل اور اتنا جامع ہے کہ قیامت تک یہ اپنی موجودہ شکل میں ہی قائم رہیگا۔ یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اِس کی مثال دنیا کی کسی حکومت میں نہیں مل سکتی قرآن کریم کہتا ہے جَآءَ الْحَقُّ حق آ گیا جس کے معنے یہ ہیں کہ ہم نے ایسی حکومت بھیج دی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی اور حکومت ٹھہر ہی نہیں سکتی۔

ایک شُبہ کا ازالہ

لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس دعوٰی کو کیا کریں؟ قرآن کریم کے مقابلہ میں اور کئی حکومتیں ٹھہری ہوئی ہیں، ہندو موجود ہیں، عیسائی موجود ہیں، زرتشتی موجود ہیں اور ان کی کتابیں بھی موجود ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا دنیا میں آج اسلام پر عمل کیا جاتا ہے یا ہندو اور عیسائی اور زرتشتی مذہب پر عمل کیا جاتا ہے؟ کیا اسلام کے سِوا دنیا میں کوئی ایک مذہب بھی ایسا ہے جس کے پیرو اپنے مذہب پر عمل کر رہے ہوں؟ وہ کہتے یہی ہیں کہ ہم عیسائیت پر عمل کرتے ہیں یا ہندو مذہب پر عمل کرتے ہیں یا زرتشتی مذہب پر عمل کرتے ہیں لیکن شروع سے لے کر آخر تک وہ اسلامی تعلیم کو اپنا رہے ہیں۔ ان کا عمل انجیل پر نہیں ان کا عمل ژنداَوِستا پر نہیں، ان کا عمل وید پر نہیں ان کا عمل اسلام پر ہے۔ چنانچہ دیکھ لو عیسائیت کی تعلیم کی رو سے شراب پینا جائز ہے خود حضرت مسیح ناصری نے بھی انجیل کے مطابق (گو ہم مسلمان اِس

کے قائل نہیں) شراب کا معجزہ دکھایا مگر آج سارے یورپ میں ایسی سوسائیٹیاں بنی ہوئی ہیں جو اِس بات پر زور دے رہی ہیں کہ شراب پینی بند کر دی جائے اور سارے یورپ کے ڈاکٹر شور مچا رہے ہیں کہ شراب ایک زہر ہے جس کا پینا انسانی جسم کے لئے مُہلک ہے اِس تمام جدوجہد میں کس مذہب کی فتح ہے؟ عیسائیت کی یا اسلام کی؟ اسلام نے کہا جَآءَ الْحَقُّ حق آ گیا اب باطل اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا قرآن کریم نے شراب کو حرام قرار دیا تھا اب دنیا مجبور ہو رہی ہے کہ شراب کو ناجائز قرار دے۔

قرآن کریم کی پیش کردہ توحید کی فتح

پھر جب قرآن کریم آیا اُس وقت دنیا کے چپے چپے پر لوگوں نے بُت بٹھائے ہوئے تھے مگر آج دنیا کا تعلیم یافتہ انسان بُت کے آگے سر جُھکانے کے لئے تیار نہیں۔ دنیا کے چپے چپے پر سے بُت اُٹھ گئے اور وہی توحید دنیا میں قائم ہوگئی جو قرآن کریم نے پیش کی تھی اِسی طرح اور ہزاروں امور میں تعلیمات اسلامیہ کے فائق ہونے کو پیش کیا جا سکتا ہے لوگوں نے ابھی ان حقائق کو نہیں مانا کیونکہ کَآفَّةً لِّلنَّاسِ کا اسلامی تعلیم پر برتری کو تسلیم کرنا مسیح موعود کے زمانہ کے ساتھ وابستہ تھا اور اب یہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے شروع ہو چکا ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام نے ہر معاملہ میں جو تعلیم پیش کی ہے اس کا مقابلہ دنیا کا کوئی اور مذہب نہیں کر سکتا۔

قضاء کے بارہ میں اسلام کی شاندار تعلیم

انصاف اور قضاء کو ہی لے لو۔ بادشاہ قاضی مقرر کرتے ہیں تو ان قاضیوں سے یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی خواہش اور منشاء کے مطابق فیصلے کئے جائیں۔ آج بھی پاکستان میں یہ بحث شروع ہے کہ گورنر جنرل کسی قانون کے ماتحت آ سکتا ہے یا نہیں آ سکتا؟ پاکستان کی دستور ساز کمیٹی نے جو رپورٹ تیار کی ہے اور جسے رائے عامہ کے لئے مُشتہر کیا گیا ہے اس میں ایک شِق یہ رکھی گئی ہے کہ:-

> ’’جب تک صدر حکومت یا صدر صوبہ اپنے عہدہ پر فائز رہیں، ان کے خلاف کسی قسم کی فوجداری نالش کسی عدالت میں دائر نہ ہونی چاہئے اور نہ جاری رہنی چاہئے۔‘‘

حالانکہ اسلامی تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نالش ہوئی۔ اسی طرح

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نالش ہوئی اور وہ عدالت میں پیش ہوئے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان جن کو ہم معصوم سمجھتے ہیں بلکہ میرا یہ کہنا کہ ہم ان کو معصوم سمجھتے ہیں ایک بے وقوفی کا فقرہ ہے وہ معصوم تھا اور یقیناً تھا میرے سمجھنے یا نہ سمجھنے کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ وہ انسان جس کو خدا تعالیٰ نے اپنا گورنر جنرل مقرر کر کے بھیجا، وہ انسان جسے اس نے اس دنیا میں خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجا اور ایسا خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجا ہے جس پر اُس نے وہ کامل قانون نازل کیا جس کے متعلق وہ خود کہتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس قانون کی مثال تیار کرنے پر قادر نہیں ہوسکتی اور ایسا آئین نازل کیا جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، اتنے بلند ترین مقام کا انسان اپنی وفات کے قریب صحابہؓ سے کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے دنیا میں انصاف قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا میں نے اِس دنیا میں اُس کی رضا اور خوشنودی کے لئے اُس کے احکام کو جاری کیا ہے لیکن ممکن ہے اِس جد و جہد میں مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہوگئی ہو اور میں نے دوسرے کا حق مار لیا ہو اے میرے صحابہؓ! تمہاری وفاداری یہ ہوگی کہ اگر مَیں نے غلطی سے کسی کا حق مار لیا ہے تو وہ اپنا بدلہ آج مجھ سے لے لے تا قیامت کے دن خدا تعالیٰ مجھ سے اس غلطی کا بدلہ نہ لے۔ کیا دنیا کا کوئی گورنر جنرل ایسا ہے؟ کیا دنیا میں کوئی ماں کا بیٹا ایسا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا یا آپ کے برابر ہی ہو؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہوگئی ہو اور اگر ایسا ہو گیا ہو تو مجھ سے بدلہ لے سکتے ہو۔

دردناک منظر

تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ عُشّاق، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فریفتہ اور شیدائی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی خاک بھی اپنے لئے اکسیر سمجھتے تھے اُن کا اِس فقرہ کو سُنکر کیا حال ہؤا ہوگا اور اُن کے دل پر اُس وقت کیا گزری ہوگی۔ تم اپنی حیثیت پر قیاس کرتے ہوئے اندازہ لگا سکتے ہو کہ ان کے دل پھٹ گئے ہوں گے، ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا ہوگا کہ ہمارا وہ آقا جو کُند تلوار سے بھی اگر ہماری گردنیں کاٹ ڈالے تو ہم یہ سمجھیں گے کہ اس سے زیادہ ہم پر کوئی احسان نہیں وہ کہتا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو آج مجھ سے بدلہ لے لو۔ مجمع پر خاموشی طاری تھی کہ ایک صحابیؓ اُٹھے اور انہوں نے کہا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مجھے آپ سے ایک تکلیف پہنچی ہے فلاں لڑائی کے موقع پر جب آپ صفیں ٹھیک کر رہے تھے ایک صف کو چیر کر آپ آگے آئے تو اس وقت آپؐ کی کُہنی میری پیٹھ پر لگی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم مجھے کُہنی مار کر اس کا بدلہ لے لو۔ تم سمجھ سکتے

ہو کہ اُس وقت صحابہ کرام کا کیا حال ہؤا ہوگا۔ یقیناً اُن کی تلواریں میانوں سے نکل رہی ہوں گی یقیناً وہ اُس کی تکّہ بوٹی کر دینے کے لئے تیار ہوں گے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رُعب انہیں کچھ کرنے نہیں دیتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ اور مجھے کُہنی مارلو۔ اس نے کہا، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! جب آپ کی کُہنی مجھے لگی تھی تو اُس وقت میرے جسم پر پورا کپڑا نہیں تھا اور میری پیٹھ ننگی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میری پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھا دو تا کہ میری ننگی پیٹھ پر یہ شخص کُہنی مار کر مجھ سے بدلہ لے لے۔ صحابہ کرامؓ کا دل تو اُس وقت یہی چاہتا ہوگا کہ اس شخص کی زبان کاٹ ڈالیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے نتیجہ میں وہ مجبور تھے۔ انہوں نے آپ کی پیٹھ ننگی کی اور اُسے کہا کہ وہ آئے اور کُہنی مارلے۔ وہ شخص آگے بڑھا اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اُس نے ادب کے ساتھ اپنا سر جُھکاتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کو چوم لیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا؟ اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کس کم بخت کے دل میں یہ خیال بھی آ سکتا تھا کہ وہ آپکو کہنی مارے، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! جب آپ نے ذکر فرمایا کہ میری موت اب قریب ہے تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں اِس بہانے سے آپ کو پیار تو کرلوں۔ [۲۳]

اسلامی کانسٹی ٹیوشن

یہ ہے اسلامی کانسٹی ٹیوشن۔ بے شک اسلامی قانون کے ماتحت خلیفہ یا امام پر اپنے قانون کے نِفاذ میں کوئی مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا چنانچہ تاریخ میں اس امر کی کوئی مثال نہیں ملے گی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس لئے کوئی مقدمہ دائر کیا گیا ہو کہ فلاں گورنر کیوں بنایا گیا؟ یا فلاں سکیم کیوں بنائی گئی؟ لیکن ذاتی معاملات میں امام یا خلیفہ پر نالش کی جاسکتی ہے اور اس کے بغیر دنیا میں کہیں انصاف قائم نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح اسلام اِس امر پر بھی زور دیتا ہے کہ دلیل دے کر کسی شخص کو مُجرم بنایا جائے یہ اسلامی کانسٹی ٹیوشن کی ہی خوبی ہے کہ وہ دوسرے کو دلیل کی بناء پر مُجرم بنانے کا فیصلہ کرتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے لِیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰ مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ [۲۴]

یعنی ہم نے قرآن کریم نازل کر دیا ہے اب دنیا میں ہمارا قانون یہ ہوگا کہ وہی شخص زندہ رکھا جائیگا جس کو دلیل زندہ رکھے گی اور وہی شخص تباہ ہوگا جس کو دلیل تباہ کرے گی گویا غلبہ بھی

دلیل کے ساتھ ہوگا اور شکست بھی دلیل کے ساتھ ہوگی۔

دلائل کے زور سے کُفر کی شکست

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ہم تلوار کے وار سے نہیں بلکہ دلیل کے زور سے کفر کو مٹائیں گے اور کُفر اس لئے شکست کھائے گا کہ صداقت روشن ہو جائے گی اور جب صداقت روشن ہو جائے تو کُفر اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا جیسے دنیا میں جب سورج چڑھتا ہے تو ڈنڈے مار مار کر ظلمت کو دُور نہیں کیا جاتا بلکہ سورج کی شُعاعیں ظلمت کو آپ ہی آپ دور کر دیتی ہیں۔

قیدیوں کی آزادی کے اعلانات

(۷) پھر دُنیوی گورنمنٹوں کی طرف سے بعض دفعہ اعلانات کئے جاتے ہیں کہ بادشاہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے اِس خوشی میں اتنے قیدی رہا کئے جاتے ہیں یا فلاں شہزادہ کی شادی ہوئی ہے اس خوشی میں اتنے مُجرموں کو رہا کیا جاتا ہے یا فلاں جشنِ مسرت منایا جا رہا ہے، اِس خوشی میں اتنے قیدی آزاد کئے جاتے ہیں۔

مَیں نے سوچا کہ کیا ہمارے دربار میں بھی کوئی قیدی آزاد کئے جاتے ہیں یانہیں؟ جب مَیں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ دُنیوی گورنمنٹوں کی طرف سے تو صرف بعض قیدی چھوڑے جاتے ہیں لیکن اِس دربارِ عام میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گورنر جنرل مقرر کرتے ہیں اور اسے اختیار دیتے ہیں کہ وہ ہماری طرف سے تمام گُنہگاروں اور قیدیوں کی آزادی کا اعلان کر دے وہ فرماتا ہے قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ [۲۵]

یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تم کو اس دنیا کا گورنر جنرل مقرر فرمایا ہے تم جاؤ اور ہماری طرف سے یہ اعلان کر دو کہ اے میرے بندو! اَلَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ جنہوں نے گُناہوں کو کمال تک پہنچا دیا یعنی کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے چھوڑا ہو لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ تمہارا بادشاہِ حقیقی جس نے مجھے گورنر جنرل مقرر کر کے بھیجا ہے اُس کی رحمت بہت وسیع ہے پس تمہارے لئے اُس کی رحمت سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں

اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعاً گورنمنٹیں تو یہ اعلان کرتی ہیں کہ دو مہینے یا چھ مہینے یا سال تک کی جن لوگوں کو سزا دی گئی ہے اُن کی قید معاف کی جاتی ہے یا وہ مُجرم جو اخلاقی ہیں اُن کو معاف کیا جاتا ہے یا بعض پولٹیکل مجرموں کو معاف کیا جاتا ہے مگر ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ تمہارا خدا تمام قسم کے گُناہوں کو چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے لیکر بڑے سے بڑے گناہ تک خواہ وہ اخلاقی ہوں، یا مذہبی ہوں یا سیاسی ہوں سب کو معاف کر سکتا ہے پس تمہارے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ کتنا عظیم الشان اعلان ہے جو اسلام نے دنیا کے سامنے کیا ہے۔

کیا توبہ سے گناہ بڑھتے ہیں یا کم ہوتے ہیں؟

عیسائی کہتے ہیں کہ اسلام نے گناہ بڑھا دیا ہے کیونکہ اسلام اِس تعلیم کا حامل ہے کہ توبہ سے انسان کے گُناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ عیسائیت خود کہتی ہے کہ خدا محبت ہے اور عیسائیت خود کہتی ہے کہ محبت سے دل صاف ہوتے ہیں۔ جب محبت اور پیار سے دل صاف ہوتا ہے تو توبہ سے گناہ کس طرح بڑھ سکتا ہے؟

احادیث میں آتا ہے قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے ایک مُجرم پیش ہوگا اُس سے کچھ سوالات کئے جائیں گے جن کا وہ جواب نہیں دے سکے گا مگر آخر اُس کے دل کی کسی مخفی نیکی کی وجہ سے خدا تعالیٰ اسے معاف کر دیگا اور اپنے فرشتوں سے کہے گا کہ دیکھو! میرے اس بندے نے فلاں گناہ کیا تھا اُس کے بدلہ میں اسے یہ انعام ملے۔ اس سے فلاں قصور سرزد ہوا تھا، اس کے بدلہ میں اسے یہ انعام دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کے بڑے بڑے گناہوں کا ذکر نہیں کرے گا صرف چھوٹے چھوٹے گناہوں کے ذکر پر ہی اکتفا کرے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہے گا کہ دیکھو! اس نے فلاں موقع پر پتھر مارا تھا اس کے بدلہ میں اسے یہ انعام دو۔ اس نے فلاں گالی دی تھی اس کے بدلہ میں یہ انعام دو۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے بعد خاموش ہو جائیگا تو وہ شخص ادب کے ساتھ کہے گا کہ حضور میری ایک عرض ہے میرے سارے گناہ ابھی آپ نے بیان نہیں کئے صرف چھوٹے چھوٹے گناہوں کا آپ نے ذکر فرمایا ہے بڑے بڑے گناہ تو ابھی رہتے ہیں۔[۲۶] غور کرو ہمارا خدا کتنی محبت کرنے والا ہے اور اس کی درگاہ کتنی پیاری ہے وہ تو دل کی صفائی چاہتا ہے اُسے مارنے اور سزا دینے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تم اپنے دل کو صاف کر لو تو تمہارے تمام گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیگا اور اِس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کریگا کہ وہ گُناہ کتنے ہیبت ناک تھے۔

مصیبت زدوں کی امداد کے اعلانات

پھر کئی مصیبت زدہ ہوتے ہیں ان کے لئے بھی دربارِ عام میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم تمہیں اِس اِس رنگ میں مدد دیں گے مثلاً گزشتہ دنوں سیلاب آیا تو گورنمنٹ نے یہ اعلان کیا کہ ہم زمینداروں کو بیج مہیا کر کے دیں گے لیکن ساتھ ہی اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ بطور تقاوی ہو گا اور اس پر تمہیں اتنا سُود دینا پڑے گا۔ غرض گورنمنٹیں ناگہانی مصائب اور آفات کے مواقع پر مصیبت زدوں کی ہمیشہ مدد کرتی ہیں مگر قسم قسم کی تدابیر سے بجائے کچھ دینے کے خود فائدہ اُٹھا لیتی ہیں۔ پھر اگر انہیں یہ پتہ لگ جائے کہ فلاں شخص جو امداد کے لئے آیا ہے وہ مثلاً باغی ہے یا باغی رہ چکا ہے تو وہ اُس کی امداد کے لئے اُس وقت تک تیار نہیں ہوتیں جب تک وہ اُن سے معافی نہ مانگے اور اِس بات کا اقرار نہ کرے کہ آئندہ وہ ہر قسم کی بغاوت سے مجتنب رہے گا۔ اخباروں والے ہی جب گورنمنٹ کے خلاف کوئی مضمون لکھتے ہیں اور وہ پکڑے جاتے ہیں تو پریس والوں کو یہ لکھ کر دینا پڑتا ہے کہ آئندہ وہ احتیاط سے کام لینگے۔ سیاسی مُجرم پکڑے جاتے ہیں تو وہ بھی جب تک گورنمنٹ کو یہ لکھ کر نہ دیں کہ ہم آئندہ محتاط رہیں گے اور گورنمنٹ کے خلاف کسی کارروائی میں حصہ نہیں لیں گے اُس وقت تک انہیں رہا نہیں کیا جاتا۔

الٰہی دربارِ عام سے ایک عجیب اعلان

لیکن اس دربارِ عام سے مَیں نے ایک عجیب اعلان ہوتے دیکھا، مَیں نے سنا کہ اس دربارِ عام میں یہ اعلان کیا جاتا ہے قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْکُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۔ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۔ [۲۷]

فرماتا ہے اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تُو دنیا میں اعلان کر اور لوگوں سے کہہ کہ تمہارا خدا ہر مصیبت میں تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہے۔ فرماتا ہے کون ہے جو تمہیں سمندر کی مصیبتوں اور خشکی کی مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے؟ جب مصیبتیں آتی ہیں تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَةً تم روتے ہوئے دعائیں کرتے ہو کہ وہ مصیبتیں تم سے ٹل جائیں مگر چونکہ تم اپنی قوم کو نہیں چھوڑ سکتے اِس لئے تم دعائیں چوری چوری کرتے ہو اونچی آواز سے نہیں کرتے تا ایسا نہ ہو کہ تمہاری قوم یہ سمجھ لے کہ اب تم بُتوں کو چھوڑنے لگے ہو اور تم بار بار یہ کہتے ہو کہ حضور! اب ہم کو چھوڑ دیجئے تو ہم توحید پر ایسا عمل کریں گے اور آپ کی ایسی فرمانبرداری اور

اطاعت کریں گے کہ آپ بھی ہم پر لٹو ہو جائیں گے۔فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ تو کہہ دے کہ خدا تعالیٰ تم کو اِس مصیبت سے بھی بچائے گا اور آئندہ آنے والی مصیبتوں سے بھی بچائے گا مگر تم نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ آج تو تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم توحید پر ایمان رکھیں گے مگر کل اِس مصیبت سے چُھٹکارا پانے کے بعد تم پھر شرک میں مبتلاء ہو جاؤ گے۔ لوگ بعض دفعہ سچے دل سے توبہ کرتے ہیں مگر پھر اپنے نفس کی کمزوری کی وجہ سے گُناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں مگر یہاں اُن کی اِس کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم آج تو توبہ کرتے ہیں مگر کل جھوٹ بولنا شروع کر دیں گے۔آج تو ہم توبہ کر رہے ہیں مگر کل پھر شرک میں ملوث ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی اُن کی اِس حالت کو جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ منافقت سے کام لے رہے ہیں، مگر اُس کا رحم بے انتہاء وسیع ہے وہ کہتا ہے اگر کل یہ شرک کریں گے تو دیکھا جائے گا اِس وقت تو یہ توبہ کر رہے ہیں چلو ان کو معاف کر دو۔کیا دنیا کی کوئی ایسی حکومت ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے مُجرموں کو اس طرح معاف کر دے؟

نظامِ آسمانی میں دخل دینے والوں سے سلوک

(۸) پھر نظامِ سماوی میں دخل دینے والے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِالْكَوَاكِبِ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ۔ لَايَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّ اصِبٌ۔ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۲۸؎

فرماتا ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو قانون شکنی کی کوشش کرتے ہیں وہ قانون کو بگاڑ کر اس کی اصل شکل کو مسخ کر دیتے ہیں اور اس طرح قانون کی غرض کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے اس قانون کے خلاف بھی لوگ کوششیں کریں گے اور اِس کو بگاڑنے کے لئے ہر قسم کی تدابیر سے کام لیں گے مگر ہم تمہیں پہلے سے بتا دیتے ہیں کہ ہمارے قانون کو کوئی بگاڑ نہیں سکتا کیونکہ ہم نے اپنے روحانی آسمان کو کواکب کے ساتھ مزیّن کیا ہے۔

اس جگہ روحانی آسمان سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کواکب سے مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی ایسے رنگ میں حفاظت کی کہ جس کی مثال دنیا کی کسی اور قوم میں نہیں مل سکتی۔

سماءِ روحانی کی کواکب سے حفاظت

اسی حقیقت کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ

اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ بِاَیِّہِمُ اقۡتَدَیۡتُمۡ اِھۡتَدَیۡتُمۡ ۲۹؎

میرے سب صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کے پیچھے بھی چلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ پس ستارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَۃِ ۣالۡکَوَاکِبِ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سماءِ دنیا ہے اس کی حفاظت کے لئے ہم نے کواکب مقرر کر دیئے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے لائے ہوئے قانون کو بگاڑنے کی کوشش کرے گا تو یہ ستارے اس پر ٹوٹ پڑیں گے اور اس کے ہاتھوں کو شل کر دیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو قرآن کریم کے خلاف دشمنانِ اسلام نے کس قدر منصوبے کئے اور کس طرح اسلام کو مٹانے کے لئے انہوں نے اپنی کوششیں صَرف کیں مگر پھر کس طرح صحابہ کرامؓ نے اس دین کی حفاظت کی اور اپنی جانیں قربان کر کے دنیا میں اس کو قائم کیا۔ مگر فرماتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئیگا جب مسلمانوں میں غفلت اور سُستی پیدا ہو جائے گی اور لوگ پھر اِس دین کو بگاڑنے کی کوشش کریں گے۔ جب دنیا میں وہ وقت آئے گا کہ مسلمان سو جائے گا، صحابہ کرامؓ فوت ہو جائیں گے اور اسلام کو مٹانے والے لوگ پیدا ہو جائیں گے فَاَتۡبَعَہٗ شِہَابٌ ثَاقِبٌ تو اُس وقت خدا تعالیٰ ایک شہاب پیدا کریگا جو آسمان سے گرے گا اور ایسے لوگوں کو کُچل کر رکھ دے یعنی مسیح موعود (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ظہور ہوگا اور اسلام کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

حکومتوں کی طرف سے تعلیم کا انتظام

(۹) پھر دنیا میں جو حکومتیں قائم ہوتی ہیں وہ اس بات کی کوشش کیا کرتی ہیں کہ مدرسے جاری کریں، سکول اور کالج کھولیں اور رعایا کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کریں۔ اور تو اور معمولی معمولی ریاستوں میں بھی لوگوں کی تعلیم کا خیال رکھا جاتا ہے اور بعض دفعہ ان کی طرف سے ایسا اعلان سننے میں آجاتا ہے کہ ہم اپنی رعایا کے بڑے خیر خواہ ہیں ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ریاست میں ایک مڈل سکول جاری کیا جائے مگر اسلام جس حکومت کو قائم کرتا ہے اس کا رنگ بالکل اور ہے اور اس کی تعلیم کا دستور بالکل نرالا ہے۔ سکول میں آخر وہی جائے گا جو فیس دے سکتا ہے، جو کتابیں خرید سکتا ہے، جو تعلیمی اخراجات کو برداشت کر سکتا ہے، جو مضبوط قویٰ اور اچھا دماغ

رکھتا ہے مگر اِس دربارِ عام سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم علومِ روحانیہ کی جو یونیورسٹی قائم کر رہے ہیں اس کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے تمہیں گھر سے نکلنے کی بھی ضرورت نہیں، تمہیں چارپائی سے بھی اُٹھنے کی ضرورت نہیں، تمہیں ہاتھ ہلانے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ [۳۰]

اور وہ لوگ جو اپنے دل میں ہمارا عشق رکھیں گے، جو ہماری طرف محبت اور پیار کے ساتھ رجوع کریں گے ہم اپنے علم کے دروازے اُن پر کھول دیں گے، نہ اس میں کتابیں خریدنے کی ضرورت ہے نہ قلم اور دوات کی ضرورت ہے، نہ کاغذ کی ضرورت ہے، نہ مدرسوں کی ضرورت ہے، نہ محنت و خوشامد کی ضرورت ہے، نہ فیس دینے کی ضرورت ہے، نہ گھر سے باہر جانے کی ضرورت ہے۔ ہر دل میں ایک یونیورسٹی بنا دی گئی ہے، ہر قلب میں علوم کے چشمے پھوڑ دیئے گئے ہیں۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم ہماری طرف متوجہ ہو کر یہ کہو کہ الٰہی! مجھے فلاں فلاں چیز کی ضرورت ہے اور ہم وہ چیزیں تمہیں دے دیں گے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ اُن کی طرف سرکاری سمن آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ آپ پر بعض لوگوں کی طرف سے ایک الزام لگایا گیا ہے اس کی جواب دہی کے لئے آپ فوراً حکومت کے سامنے حاضر ہوں۔ وہ یہ سنکر حیران رہ گئے کیونکہ وہ ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے مگر چونکہ سرکاری سمن تھا وہ چل پڑے۔ دس بیس میل گئے ہوں گے کہ آندھی آئی، اندھیرا چھا گیا، آسمان پر بادل اُمڈ آئے اور بارش شروع ہوگئی، وہ اُس وقت ایک جنگل میں سے گزر رہے تھے جس میں دُور دُور تک آبادی کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ صرف چند جھونپڑیاں اُس جنگل میں نظر آئیں وہ ایک جھونپڑی کے قریب پہنچے اور آواز دی کہ اگر اجازت ہو تو اندر آجاؤں۔ اندر سے آواز آئی کہ آجایئے۔ انہوں نے گھوڑا باہر باندھا اور اندر چلے گئے۔ دیکھا تو ایک اپاہج شخص چارپائی پر پڑا ہے اُس نے محبت اور پیار کے ساتھ انہیں اپنے پاس بٹھا لیا اور پوچھا کہ آپ کا کیا نام ہے اور آپ کس جگہ سے تشریف لا رہے ہیں؟ انہوں نے اپنا نام بتایا اور ساتھ ہی کہا کہ بادشاہ کی طرف سے مجھے ایک سمن پہنچا ہے جس کی تعمیل کے لئے مَیں جا رہا ہوں اور میں حیران ہوں کہ مجھے یہ سمن کیوں آیا کیونکہ میں نے کبھی دُنیوی جھگڑوں میں دخل نہیں دیا۔ وہ یہ واقعہ سنکر کہنے لگا کہ آپ گھبرائیں نہیں، یہ سامان اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے پاس پہنچانے کے لئے کیا ہے۔ میں اپاہج

ہوں، رات دن چار پائی پر پڑا رہتا ہوں، مجھ میں چلنے کی طاقت نہیں لیکن مَیں نے اپنے دوستوں سے آپ کا کئی بار ذکر سنا اور آپ کی بزرگی کی شُہرت میرے کانوں تک پہنچی۔ مَیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں کیا کرتا تھا کہ یا اللہ! قسمت والے تو وہاں چلے جاتے ہیں میں غریب مسکین اور عاجز انسان اس بزرگ کے قدموں تک کس طرح پہنچ سکتا ہوں تُو اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا فرما کہ میری ان سے ملاقات ہو جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سمن کے بہانے اللہ تعالیٰ آپ کو محض میرے لئے یہاں لایا ہے۔ ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ باہر سے آواز آئی، بارش ہو رہی ہے اگر اجازت ہو تو اندر آ جاؤں۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور ایک شخص اندر آیا۔ یہ سرکاری پیادہ تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں وہ کہنے لگا بادشاہ کی طرف سے مجھے حکم ملا ہے کہ فلاں بزرگ کے پاس جاؤں اور اُن سے کہوں کہ آپ کو بُلانے میں غلطی ہو گئی ہے دراصل وہ کسی اور کے نام سمن جاری ہونا چاہئے تھا مگر نام کی مشابہت کی وجہ سے وہ آپ کے نام جاری ہو گیا اِس لئے آپ کے آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات سُنکر وہ اپاہج مُسکرایا اور اُس نے کہا دیکھا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ محض میرے لئے یہاں لایا ہے سمن محض ایک ذریعہ تھا جس کی وجہ سے آپ میرے پاس پہنچے یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** جو لوگ ہم میں ہو کر اور ہم سے مدد مانگتے ہوئے اپنے مقاصد کے لئے جدوجہد کرتے ہیں ہم اس مقصد کے حصول کے لئے ان پر دروازے کھول دیتے ہیں۔

رؤیا و کشوف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

دیکھو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں اور اب آپؐ کے اور ہمارے درمیان چودہ سو سال کا لمبا عرصہ حائل ہو چکا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپؐ کی باتوں کو اپنے کانوں سے سُنا لیکن عشق ہمارے دلوں میں بھی گُدگُدیاں پیدا کرتا ہے۔ ہم زمانہ کے لحاظ سے پیچھے ہیں لیکن عشق کے لحاظ سے پیچھے نہیں چنانچہ باوجود اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پر صدیاں گزر چکی ہیں پھر بھی خدا تعالیٰ ہمیں خوابوں اور کشوف کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار تک پہنچا دیتا ہے اور ہم بھی اس کیف اور سرور سے اپنے عشق کے مطابق حصہ پا لیتے ہیں جس کیف اور سرور سے صحابہ کرامؓ نے حصہ پایا۔ خود مَیں نے

متعدد بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور کئی دفعہ تو آپ ایسی محبت سے آئے ہیں کہ اسے دیکھ کر تمام جسمانی کوفت دُور ہو جاتی رہی ہے۔

جن دنوں مصری فتنہ زوروں پر تھا میں ایک رات سخت بے قراری کی حالت میں اپنی چارپائی پر لوٹتا تھا اور مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ میں اس کا کیا علاج کروں۔ مَیں اسی حالت میں تھا کہ یکدم جاگتے جاگتے مَیں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ بچوں کی طرح دَوڑتا ہوُا آیا اور وہ میرے کندھے ہلا کر کہتا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں یہ سُنکر میرے دل میں عجیب کیفیت ہوگئی کہ میرے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی یہ حالت ہے کہ آپ میری تکلیف کا حال سُن کر برداشت نہیں کر سکے اور آپ خود میری دِلجوئی کے لئے تشریف لائے ہیں۔ تب میں نے کہا یہ فتنہ لغو ہے اور میں آرام سے سو گیا۔ غرض اللہ تعالیٰ کے دروازے ہر شخص کے لئے کُھلے ہیں اور جو بھی چاہے وہ ان دروازوں سے گزر کر اپنے مقصد کو حاصل کر سکتا ہے۔

روحانی اور مادی علوم کے متلاشیوں کو خوشخبری

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو دیدارِ الٰہی کے رستوں کا ذکر ہے ظاہری اور باطنی علوم کے عطا کئے جانے کا اللہ تعالیٰ نے کہاں وعدہ کیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف روحانی علوم کے متلاشیوں کو ہی سیر نہیں کیا بلکہ وہ علومِ جسمانی اور روحانی دونوں کے متلاشیوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ میرے دربار میں آؤ اور اپنے دامن کو گوہرِ مقصود سے بھر لو وہ فرماتا ہے **وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ** [۱۳۱]

ہم نے انسان کے لئے دونوں علوم کے راستے کھول دیئے ہیں۔ ہم نے خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا رستہ بھی اس کے لئے کھول رکھا ہے اور ہم نے علومِ جسمانی میں کمال حاصل کرنے کا رستہ بھی اس کے لئے کھول رکھا ہے۔

یہ الگ سوال ہے کہ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو اس راستہ پر چل کر علوم حاصل کرتے ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے راستہ کھول دیا ہے اور ہر انسان کے لئے ان علوم کے حاصل کرنے کا موقع موجود ہے اگر وہ حاصل نہیں کرتے تو اس میں ان کا اپنا قصور ہے۔ دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سب لوگ کتابیں ایک جیسی پڑھتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ سکولوں اور کالجوں میں بعض لڑکوں کو اور کتابیں پڑھائی جاتی ہوں اور بعض کو اور مگر ایک تو سائنس میں ترقی کرتے کرتے انتہائی کمال حاصل کر لیتا ہے اور دوسرا ابھی سائنس کے دروازے پر ہی بیٹھا ہوتا ہے۔

ایک اپنی زندگی میں سینکڑوں مُفید ایجادات کر لیتا ہے اور دنیا میں چاروں طرف شور مچ جاتا ہے کہ ایڈیسن بڑا موجد ہے مگر دوسرا کوئی ایک چیز بھی ایجاد نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے هَدَيۡنٰـهُ النَّجۡدَيۡنِ میں جس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قابلیتیں تمام انسانوں میں پیدا کر دی گئی ہیں اگر وہ ان قابلیتوں سے کام لیں تو وہ علومِ ظاہری اور باطنی دونوں میں کمال حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی اپنی قابلیت سے کام نہ لے تو اس میں خدا تعالیٰ کا قصور نہیں جیسے یونیورسٹی ہر طالب علم کے لئے اپنے دروازے کھول دیتی ہے لیکن یونیورسٹی کا ہر آدمی آئن سٹائین نہیں بنتا، یونیورسٹی کا ہر آدمی نیوٹن نہیں بنتا۔ آئن سٹائین اور نیوٹن وہی بنتا ہے جو اپنی دماغی قابلیتوں کو کام میں لاتا ہے۔ اسی طرح یہ روحانی یونیورسٹی سکھاتی تو ہر شخص کو ہے مگر سیکھتا وہی ہے جو اپنی استعدادوں کو کام میں لاتا ہے اور ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

تمام مخلوق کی جسمانی ضروریات پوری کرنے کا وعدہ

(۱۰) پھر تمام مخلوق کی جسمانی ضروریات کے متعلق اعلان فرماتا ہے وَمَا مِنۡ دَآ بَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَ يَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَ مُسۡتَوۡدَعَهَا كُلٌّ فِيۡ كِتَابٍ مُّبِيۡنٍ ۳۲

دنیا کی حکومتیں فوڈ ڈیپارٹمنٹ (FOOD DEPARTMENT) قائم کرتی ہیں جس کے سپرد مُلک کی غذائی حالت کی نگرانی ہوتی ہے اسی طرح جب کسی دوسرے ملک میں قحط پڑتا ہے یا ناگہانی حوادث سے اُس کی غذائی حالت خراب ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں بھی یہی ڈیپارٹمنٹ اس ضرورت کو پورا کرنے کا کام سرانجام دیتا ہے مگر دُنیوی حکومتوں کے فوڈ ڈیپارٹمنٹ کیا کرتے ہیں وہ ایک طرف سے بہت ہی سستے داموں پر ایک چیز خریدتے ہیں اور دوسری طرف بہت بڑے نفع کے ساتھ اسے فروخت کر دیتے ہیں۔ مثلاً ہمارے ملک میں ہی چھ روپے من گندم مل رہی ہے لیکن چھ روپے من گندم لے کر ہمارا فوڈ ڈیپارٹمنٹ سولہ روپے میں ہندوستان کو دے رہا ہے۔ اسی طرح انگریزی زمانہ میں اڑھائی اڑھائی تین تین کروڑ روپیہ سالانہ حکومت اس ذریعہ سے کماتی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہتی چلی جاتی تھی کہ ہم بنی نوع انسان کی کتنی خدمت کر رہے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آسمانی حکومت کا بھی یہی طریق ہے یا اس میں کوئی اور طریق رائج ہے۔ اِس بارہ میں جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس حکومت میں دُنیوی حکومتوں کے برعکس یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہر جاندار کو کھانا کھلانا

ہمارے ذمّہ ہے وہ فرماتا ہے وَمَا مِنۡ دَآ بَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُھَا کوئی حرکت کرنے والی زندہ اور جاندار چیز ایسی نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا تعالیٰ کی ذات پر نہ ہو اور کیوں نہ ہو، جب ہم نے ایک مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اس مخلوق کو کھانا کھلانا بھی ہمارا ہی فرض ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے اور کس طرح یہ مانا جا سکتا ہے کہ ہر جاندار کو خدا تعالیٰ خود رزق دیتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کا دینا اور طرح کا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا دینا اور طرح کا ہے۔ تم اپنے ہاتھ سے کپڑے بنتے ہو مگر روئی خدا تعالیٰ پیدا کرتا ہے، روٹی تم اپنے ہاتھ سے پکاتے ہو مگر گندم خدا تعالیٰ پیدا کرتا ہے، اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو رزق دینے کی جو تراکیب رکھی ہیں وہ اتنی عجیب ہیں کہ اُن کو دیکھ کر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے محض اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت ہو رہا ہے۔ زمیندار جانتے ہیں کہ وہ گندم بوتے ہیں اور انہیں اس کے لئے بہت بڑی محنت کرنی پڑتی ہے، وہ زمین میں ہل چلاتے ہیں، بیج ڈالتے ہیں، پانی دیتے ہیں اور مہینوں اس فصل کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتے ہیں۔ راتوں کی نیند اور دن کا آرام انہیں اس غرض کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے وہ خود بھی تکلیف اُٹھاتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کو بھی اس قربانی میں اپنے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اتنی بڑی محنت کے بعد اگر گندم ہی گندم انہیں مل جاتی جس کے ساتھ بھوسے کا کوئی حصہ نہ ہوتا تو کیا وہ دیانتداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی گندم میں سے بیل کو ایک دانہ دینے کے لئے بھی تیار ہوتے، وہ ساری کی ساری فصل اُٹھا کر اپنے گھر لے آتے اور بیل بُھوکے مر جاتے مگر چونکہ بیلوں کا رزق خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لئے وہ دانے تھوڑے پیدا کرتا ہے اور بُھوسہ زیادہ پیدا کرتا ہے، دانے تم اُٹھا کر اپنے گھر لے آتے ہو اور بُھوسہ اپنے جانوروں کے لئے رکھ لیتے ہو۔ یہ خدائی فعل ہے جو بتا رہا ہے کہ کس طرح اُس نے اپنی مخلوق کے رزق کا انتظام کیا ہے۔ تم صرف دانے کھا سکتے ہو بُھوسہ نہیں کھا سکتے اس لئے تم مجبور ہو کہ تم بھوسہ جانوروں کو دو۔ اگر تمہارے اختیار میں ہوتا تو یا تو تمہارے جانور مر جاتے اور یا پھر تم انہیں دوسروں کی فصل میں چھوڑ دیتے۔

سندھی مزارعین کی کیفیت

میں ایک دفعہ سندھ گیا وہاں سلسلہ کی زمینیں ہیں اور کچھ میری بھی زمینیں ہیں۔ ہم نے ان زمینوں پر مینیجر وغیرہ مقرر کئے ہوئے ہیں مگر مزارع اکثر سندھی ہیں۔ وہاں کے عملہ نے میرے پاس شکایت کی کہ سندھی

مزارع کھیتوں میں اپنے جانور چھوڑ دیتے ہیں اور فصلوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ آپ انہیں نصیحت کیجئے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ چنانچہ میں نے ان کو بُلوایا اور انہیں نصیحت کی کہ یہ جتنی جائیداد ہے سب انجمن کی ہے اور اس میں سے جتنی بھی آمد ہوتی ہے اس میں ایک پیسہ بھی کسی کو نفع کے طور پر نہیں ملتا بلکہ سب کا سب خدا تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کیا جاتا ہے اس لئے اگر آپ لوگ بھی دیانتداری سے کام لیں اور اپنے جانوروں کو فصلیں کھانے نہ دیں تو اِس ثواب میں برابر کے شریک ہو سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضا آپ کو حاصل ہوسکتی ہے۔ میں نے اِس موضوع پر ان کے سامنے پندرہ بیس منٹ تقریر کی اور میں نے دیکھا کہ ان سندھیوں کا لیڈر جو چانڈیہ قوم کے ساتھ تعلق رکھتا تھا سر ہلاتا چلا جاتا تھا جس سے میں نے یہ سمجھا کہ اس پر خوب اثر ہو رہا ہے مگر پندرہ بیس منٹ کے بعد جب میں تقریر ختم کر چکا تو ان سندھیوں کا سردار کہنے لگا سائیں! جے ڈھور ڈنگر نے کھیتی نہیں کھانی تے پھر بنّی پوکھنی ہی کیوں ہے؟ یعنی اگر جانوروں نے فصل نہیں کھانی تو پھر ہمیں فصل بونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اگر ان کی روزی انسان پر چھوڑ دیتا تو انہوں نے تو مر جانا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اس نے دیکھا کہ جانور کی محنت زیادہ ہے اور تمہاری کم ہے، ان کا پیٹ بڑا ہے اور تمہارا پیٹ چھوٹا ہے اس لئے اس نے تمہارے لئے تو دانے بنائے اور ان کے لئے بھوسہ بنا دیا۔ دانے اس نے کم بنائے اور بھوسہ اس نے زیادہ بنایا کیونکہ **عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا** ان جانوروں کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کے رزق کی فراوانی

پھر بنی نوع انسان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَاءً وَّ صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَ رَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۳۳

یعنی تمہارا خدا وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو تمہارے لئے چھت کے طور پر بنایا ہے پھر اس نے تم کو کام کرنے کی قابلیت عطا فرمائی ہے **فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ** اور قابلیت بھی بہت اعلیٰ درجہ کی پیدا کی ہے۔ اس جگہ صورت کے معنی ناک، کان، مُنہ اور آنکھیں وغیرہ نہیں کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے انسان کو بنایا، تو تمام اعضاء اُس نے اُسی وقت بنا دیئے تھے۔ اِس جگہ صورت سے مراد وہ قوتیں اور قابلیتیں ہیں جو بنی نوع انسان میں رکھی گئیں

اور جن سے وہ دنیا میں بہت بڑی ترقیات حاصل کرتا ہے۔ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ پھر اُس نے نہایت اعلیٰ درجہ کی چیزیں جو تمہارے جسم کے مناسبِ حال ہیں تمہارے لئے پیدا کیں۔ مثلاً زبان خواہش رکھتی ہے کہ وہ میٹھا کھائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے میٹھا پیدا کر دیا یا زبان چاہتی ہے کہ اسے نمک مرچ اور کباب ملیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے نمک مرچ اور کباب پیدا کر دیئے۔ یا مثلاً زبان چاہتی ہے کہ اسے کھانے کے لئے چاول ملیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے چاول پیدا کر دیئے۔ غرض جو بھی خواہشیں اور قوتیں انسان کے اندر پیدا کی گئی ہیں ویسی ہی چیزیں اللہ تعالیٰ نے اِس دنیا میں پیدا کر دی ہیں اور یہ ثبوت ہے اِس بات کا کہ اِس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کیونکہ انسان میں جو طاقتیں رکھی گئی ہیں ویسی ہی چیزیں دنیا میں بنا دی گئی ہیں۔ ان چیزوں کی پیدائش کو ہم اتفاقی نہیں کہہ سکتے یہ اتفاقی معاملہ تب ہوتا جب بنی نوع انسان کی کوئی ایسی طاقت ہوتی جس کا جواب قانونِ قدرت میں نہ ہوتا مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہر طاقت اور ہر قابلیت کا جواب خدا تعالیٰ کے قانون میں موجود ہے۔ اگر تمہارا منہ نرم نرم اور پلپلی سی چیز کو چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے چاول بنا دیئے ہیں۔ اگر تمہارے دانت سخت چیز کے چبانے کی طاقت رکھتے ہیں تو اس نے ہڈیاں اور دانے وغیرہ بنا دیئے ہیں۔ اگر تمہارا معدہ لذیذ اور شیریں چیزوں کا محتاج ہے تو اس نے تمہارے لئے شکر پیدا کر دی ہے۔ بچپن میں دانت نہیں ہوتے تو ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیتا ہے غرض تمام چیزیں جن کی عمر بھر کسی وقت بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے ان سب کا کائناتِ عالَم میں موجود ہونا دلالت کرتا ہے کہ ایک ایسی ہستی موجود ہے جس نے بِالارادہ اور حکمت کے ماتحت اس دنیا کو پیدا کیا ہے۔

بنی نوع انسان پر عظیم الشان احسان

پھر فرماتا ہے هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [۳۴]

فرماتا ہے وہ خدا ہی ہے جو (۱) پیدا کرتا ہے (۲) پھر وہ تراشتا ہے یعنی نقائص کو دُور کرتا ہے (۳) پھر وہ تصویر دیتا ہے یعنی کام کے مناسب حال قوتیں بخشتا ہے (۴) لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اِس کے علاوہ وہ اور بھی بہت سے نیک تغیرات پیدا کرتا ہے۔ مثلاً طاقتوں کے مطابق باہر سامان پیدا کرتا ہے جس کی طرف اس کی صفتِ رَحْمٰن اشارہ کرتی ہے اور پھر کام کرنے پر اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پیدا کرنے کے سامان مہیا کرتا ہے جس کی طرف اس کی صفتِ رَحِیْم اشارہ

کرتی ہے۔ مثلاً ہر کام دنیا میں ایک اچھا یا بُرا اثر چھوڑتا ہے وہ وہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ تم ہاتھ ہلاتے ہو تو ہاتھ ہلانے سے تمہارا کام ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے دوسری دفعہ تمہارے اندر ہاتھ ہلانے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے یا مثلاً بچہ کو دیکھ لو وہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے اور آخر کچھ عرصہ کے بعد اُس کے پاؤں میں کھڑا ہونے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس کا اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا کسی ایک حرکت کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی پہلی تمام حرکتوں کا ایک مجموعی نتیجہ ہوتا ہے۔

انسانی دماغ کی حیرت انگیز وُسعت

یہی حال حافظہ کی قوت کا ہے ہم ایک بچہ کو بتاتے ہیں کہ یہ چیز جو تم کھا رہے ہو اسے روٹی کہتے ہیں۔ اب اگر دس سال کے بعد بھی اس سے پوچھو کہ اس چیز کا کیا نام ہے تو وہ فوراً کہہ دیگا کہ روٹی۔ یہ چیز اس کے دماغ میں کس نے محفوظ رکھی ہے صرف اللہ تعالیٰ نے اور پھر یہ دماغ کے اندر کتنی بڑی لائبریری ہے جس میں لاکھوں لاکھ الفاظ سالہا سال سے محفوظ چلے آتے ہیں اور جب بھی کسی لفظ کی ہمیں ضرورت محسوس ہوتی ہے، ہمارے دماغ کا لائبریرین فوراً اس لفظ کو نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ برٹش میوزیم (BRITISH MUSEUM) میں تین لاکھ کتابیں محفوظ ہیں اور وہ اس میوزیم کی تعریف کرتے نہیں تھکتے لیکن اللہ تعالیٰ کے انعامات کی طرف دیکھو کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اور جاہل سے جاہل انسان کے دماغ میں بھی اُس نے پچاس لاکھ سوراخ بنا رکھے ہیں جن میں ہر فقرہ اور ہر لفظ اور ہر زبر اور ہر زیر کو محفوظ رکھنے کی الگ الگ الماری ہے اور جب بھی کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے فوراً بلا کسی توقف اور تأخیر کے وہ چیز ہمارے سامنے لا کر پیش کر دیتا ہے۔ دنیا کی لائبریریوں میں تو ایک ایک الماری میں سینکڑوں کتابیں ہوتی ہیں مگر یہاں ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ کے لئے ایک ایک سیل موجود ہے۔ وہ جب بھی کوئی لفظ سیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فوراً اُٹھا کر دماغ کی کوٹھڑی میں محفوظ کر دیتا ہے۔ پھر باہر تو لائبریریوں میں جو کام کرنے والے رکھے جاتے ہیں ان کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں مگر یہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے نوکر موجود ہیں جو تم سے کوئی تنخواہ طلب نہیں کرتے۔ تمہارے سامنے روٹی آتی ہے تو جھٹ لائبریرین تمہارے دماغ کے سوراخ میں سے روٹی کا لفظ نکال کر تمہارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ پانی آتا ہے تو پانی کا لفظ تمہارے سامنے آجاتا ہے اسی طرح ایک ایک فقرہ اور ایک ایک لفظ جو تمہاری زبان پر جاری ہوتا

ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے رات اور دن مسلسل کام کر رہے ہیں۔ گویا ساری حکومتِ امریکہ کا اتنا انتظام نہیں جتنا ایک جاہل سے جاہل آدمی کے دماغ میں خدا تعالیٰ نے انتظام قائم کیا ہوا ہے۔

دُنیوی حکومتوں کی احسان فراموشی

پھر دُنیوی حکومتیں وقت پر خدمت لے لیتی ہیں لیکن بعد میں بھول جاتی ہیں اور انہیں خیال بھی نہیں رہتا کہ فلاں شخص نے مصیبت اور تکلیف میں ہماری خدمت سرانجام دی تھی۔ ہمارے ایک دوست ہیں مجھے ہمیشہ ان پر ہنسی آیا کرتی ہے لیکن ان کے استقلال کو دیکھ کر تعجب بھی آتا ہے۔ انہوں نے گزشتہ جنگ میں کچھ رنگروٹ دیئے تھے افسروں نے انہیں خوب شاباش دی اور انہیں یہ امید پیدا ہوگئی کہ جنگ کے خاتمہ پر میری اِس خدمت کے بدلہ مجھے انعام کے طور پر کوئی زمین دیدی جائے گی جب جنگ ختم ہوگئی اور وہ کسی افسر سے ملنے کے لئے جاتے تو بعض دفعہ پیغام آجاتا کہ ہمیں ملنے کی فُرصت نہیں اور بعض دفعہ یہ کہہ دیا جاتا کہ صاحب بہادر اندر نہیں ہیں۔ مگر آدمی ہمت والے تھے انہوں نے چٹھیاں لکھتے لکھتے وائسرائے تک معاملہ پہنچا دیا۔ وائسرائے نے اُن کی درخواست پر لکھا ڈیفنس سیکرٹری فوراً کارروائی کرے۔ ڈیفنس سیکرٹری نے وہ درخواست گورنر کو بھجوا دی۔ گورنر نے کمشنر کے پاس بھجوا دی کمشنر نے ڈپٹی کمشنر کے پاس پہنچا دی۔ ڈپٹی کمشنر نے ریونیو آفیسر کے پاس پہنچا دی اور معاملہ پھر وہیں کا وہیں رہا۔ انہوں نے پھر اپنی درخواستیں نیچے سے اوپر پہنچانی شروع کیں اور افسروں نے پھر اسی طرح ان کی درخواستیں اوپر سے نیچے بھجوانی شروع کر دیں۔ غرض اسی تگ ودو میں ان کے کئی سال گزر گئے مگر انہیں مربع آج تک نہیں ملا بلکہ سیب کا مربّہ بھی نہیں ملا۔ مگر اس گورنمنٹ کو دیکھو کہ یہ بُھولتی نہیں بچپن میں ایک لفظ سیکھا جاتا ہے اور بڑے ہو کر برابر وہ سیکھا ہوُا یاد رہتا ہے یہ کبھی نہیں ہوُا کہ کوئی چیز سیکھی ہوئی ہو اور پھر وہ دماغ کے کسی گوشے میں محفوظ نہ رہے بلکہ اس حفاظت کا یہ حال ہے کہ فرانس میں ایک دفعہ ایک لڑکی کو دَورے پڑنے شروع ہوئے جب اُسے دَورہ پڑتا تو وہ جرمن زبان میں بعض مذہبی دعائیں پڑھنا شروع کر دیتی۔ وہ فرانسیسی لڑکی تھی اور جرمن زبان کا ایک حرف بھی نہیں جانتی تھی۔ جب دَورے میں اس نے جرمن زبان میں باتیں شروع کیں تو ڈاکٹروں نے شور مچا دیا کہ اب تو جِنّ ثابت ہوگئے۔ یہ لڑکی تو جرمن زبان نہیں جانتی یہ جو جرمن زبان بول رہی ہے تو ضرور اس کے سر پر جِنّ سوار ہے۔ آخر ایک ڈاکٹر نے اس کے

متعلق تحقیقات شروع کی وہ حافظہ کا بہت بڑا ماہر تھا۔ جب اُس نے تحقیق کی تو اسے معلوم ہوُا کہ جب یہ لڑکی دو اڑھائی سال کی تھی تو اُس وقت اس کی ماں ایک جرمن پادری کے پاس ملازم تھی۔ جب وہ پادری جرمن زبان میں سرمن پڑھتا تھا تو یہ لڑکی اُس وقت پنگھوڑے میں پڑی ہوتی تھی۔ جب اُسے یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اس جرمن پادری کی تلاش میں نکلا اسے معلوم ہوُا کہ وہ جرمن پادری اس وقت سپین میں ہے۔ سپین پہنچنے پر اسے معلوم ہوُا کہ وہ پادری ریٹائر ہو کر جرمن چلا گیا ہے اس کی تلاش میں جرمن پہنچا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوُا کہ وہ پادری مر گیا ہے۔ مگر اس نے اپنی کوشش نہ چھوڑی اور اس نے گھر والوں سے کہا کہ اگر اس پادری کے کوئی پُرانے کاغذات ہوں تو وہ مجھے دکھائے جائیں۔ گھر والوں نے تلاش کر کے اسے بعض کاغذات دیئے اور جب اس نے ان کاغذات کو دیکھا تو اسے معلوم ہوُا کہ وہ دعائیں جو بیہوشی کی حالت میں وہ لڑکی پڑھا کرتی تھی وہ وہی اس پادری کی سرمن تھی۔ اب دیکھو! دو اڑھائی سال کی عمر میں ایک پادری نے اس کے سامنے بعض باتیں کیں جو اس کے دماغ میں اللہ تعالیٰ نے محفوظ کر دیں۔

بچہ کے کان میں اذان اور اقامت کہنے کی حکمت

یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے گھر میں بچہ پیدا ہو تو فوراً اُس کے ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کہو۔ یورپ کے مدبّرین نے تو آج یہ معلوم کیا ہے کہ انسانی دماغ میں سالہا سال کی پُرانی چیزیں محفوظ رہتی ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سَو سال پہلے اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی تم اس کے کان میں اذان کہو کیونکہ اب وہ دنیا میں آ گیا ہے اور اس کا دماغ اس قابل ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو محفوظ رکھے۔

دنیا کا ذرّہ ذرّہ خدا تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے

پھر فرماتا ہے يُسَبِّحُ لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ دنیا کا ذرّہ ذرّہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ بے شک بادی النظر میں بعض چیزیں قابلِ اعتراض نظر آئیں گی لیکن جب بھی غور کیا جائے گا انسان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام بے عیب اور پُر حکمت ہے۔

لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی مُلّا دماغ کا آدمی ایک دفعہ باغ میں گیا اور اس نے دیکھا کہ آم کے درخت پر تو چھوٹے چھوٹے پھل لگے ہوئے ہیں اور ایک معمولی سی بیل کے ساتھ بڑا سا حلوہ کدّو لگا ہوا ہے۔ وہ دیکھ کر یہ کہنے لگا کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بڑا حکیم ہے مگر مجھے تو اس میں کوئی حکمت نظر نہیں آتی کہ اتنے بڑے درخت کے ساتھ تو چھوٹے چھوٹے پھل لگے ہوئے ہوں اور اتنی نازک سی بیل کے ساتھ اتنا بڑا حلوہ کدّو لگا ہوا ہو۔ اس کے بعد وہ آرام کرنے کے لئے اسی آم کے درخت کے نیچے سو گیا۔ سو یا ہوا تھا کہ اچانک ایک آم ٹوٹا اور زور سے اُس کے سر پر آلگا۔ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا خدایا! مجھے معاف فرما اب تیری حکمت میری سمجھ میں آ گئی ہے اگر اتنی دُور سے حلوہ کدّو میرے سر پر پڑتا تو میں تو مر ہی جاتا۔ غرض اس عالَم کا ذرّہ ذرّہ گواہی دے رہا ہے کہ اس نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ دنیا میں ہزاروں نہیں لاکھوں قسم کے جراثیم پائے جاتے ہیں اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیڑوں کو بلا وجہ پیدا کر دیا ہے مگر سائنس کی ترقی پر ثابت ہوا ہے کہ دنیا کا ہر کیڑا کسی اور کیڑے کے زہر کو مارنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور کوئی کیڑا ابھی ایسا نہیں جو مفید کام نہ کر رہا ہو۔ کئی لاکھ کیڑوں کے متعلق یہ تحقیق کی جا چکی ہے اور علمِ حیوانات والوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہر کیڑا کوئی نہ کوئی مفید کام کر رہا ہے اور کسی نہ کسی زہریلے مادے کو تباہ کرنے میں اس کا دخل ہے۔

پھر فرماتا ہے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وہ خدا غالب ہے اس کے فیصلہ کو کوئی ردّ نہیں کر سکتا۔ دُنیوی بادشاہتیں بدل جاتی ہیں تو ساتھ ہی ان کے فیصلے بھی بدل جاتے ہیں اور لوگوں کی گزشتہ خدمات پر پانی پھر جاتا ہے۔ انگریزوں نے اپنی حکومت کے دَوران میں لوگوں کو مربعے دیئے تھے مگر اب ایجیٹیشن (AGITATION) شروع ہے کہ بڑی بڑی زمینیں اور جاگیریں واپس لے لینی چاہئیں۔ اُس وقت لوگ سمجھتے تھے کہ شاید قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے گا مگر حکومت بدلی تو ساتھ ہی اس کے فیصلے بھی بدل گئے وہاں جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ [۳۵] کا قانون ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے کہہ دیا سو کہہ دیا وہ قیامت تک بدل نہیں سکتا۔ پھر وہ حکیم ہے اور اُس کے ہر حُکم میں کوئی نہ کوئی حکمت کام کر رہی ہے کوئی امر چٹّی کا موجب نہیں جیسا کہ دُنیوی حکومتوں میں ہوتا ہے۔

آسمانی علوم تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہیں

پھر فرماتا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ [۳۶]

دنیا میں تو کہا جاتا ہے کہ نوکری ملنے کے لئے بی۔اے ہونا ضروری ہے یا بی۔ایس۔سی ہونا ضروری ہے یا ایم۔اے ہو تب ہم اسے ملازم رکھ سکتے ہیں، یا ایم۔ایس۔سی کی ڈگری ضروری ہے مگر یہاں یہ بات نہیں، فرماتا ہے تم تقویٰ اختیار کرو ہم اُسی وقت تمہیں اپنے پاس سے علوم سکھانے شروع کر دیں گے۔ دنیا کے ملازموں کو تو علم سیکھ کر نوکری ملتی ہے بی۔ایس۔سی کی ڈگری حاصل کرنا پہلے ضروری ہے اور اس کے بعد ملازمت ملتی ہے وہ بھی اپنے اندر محدود ترقی رکھتی ہے مگر یہ الٰہی گورنمنٹ ساتھ ہی ساتھ ہر ترقی پر مزید علم بخشتی ہے اور جب بھی کوئی شخص تقویٰ میں آگے قدم بڑھاتا ہے اللہ تعالیٰ کے انعامات بھی اُس پر پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ نازل ہونے شروع ہو جاتے ہیں گویا اس علم کے لئے بی۔ایس۔سی ہونا ضروری نہیں صرف تقویٰ میں ترقی کرنا ضروری ہے۔ جُوں جُوں کوئی شخص تقویٰ میں ترقی کرتا جاتا ہے اُس کا علم بڑھتا چلا جاتا ہے اور اُسے پہلے سے زیادہ ڈگریاں ملنی شروع ہو جاتی ہیں۔

عالَمِ روحانی میں سب سے بڑی ڈگری محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی

چنانچہ دیکھ لو اِس عالَمِ روحانی میں سب سے بڑی ڈگری اس شخص کو ملی جس کے متعلق خود خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ وہ اُمّی اور اَن پڑھ ہے۔ [۳۷] دُنیوی حکومتوں میں ایک اُمّی کا کوئی مقام نہیں مگر خدا تعالیٰ کا دربار دیکھو کہ اُس نے دنیا کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ایک اُمّی کا ہی انتخاب کیا اور فرمایا کہ ہم اِس کو وہ علم سکھائیں گے کہ دنیا کے بڑے بڑے آدمی بھی اس کے سامنے اپنے گُھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوں گے۔

دیدارِ عام کی دعوت

دیوانِ عام کی دوسری غرض لوگوں کو بادشاہ کا دیدارِ عام دینا ہوتی ہے۔ بادشاہ دربار میں آکر بیٹھتے ہیں اور لوگ ان کے دیدار سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔مگر سوال یہ ہے کہ ان کو بادشاہ کے دیکھنے سے کیا مل جاتا ہے؟ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا وہ دیکھتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔مگر اِس دربارِ عام میں جو دیدارِ عام کرایا جاتا ہے اِس میں یہ خوبی ہے کہ اِدھر انسان کو دیدار حاصل ہوا اور اُدھر اس پر چودہ طبق کُھل گئے اور پھر یہ دیدار وہ ہے جس سے ہر شخص حصہ لے سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ وَ هُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ وَ هُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ** [۳۸]

فرماتا ہے ہم یہ جانتے ہیں کہ تمہارے دلوں میں ہمارے دیدار کی ایک نہ مٹنے والی خواہش پائی جاتی ہے مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم میں یہ طاقت نہیں کہ اپنی کوشش اور جدوجہد سے ہمارے دیدار سے فیضیاب ہوسکو اس لئے ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے خود تم پر جلوہ گر ہوتے ہیں تا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ رہے جو ہمارا دیدار نہ کر سکے۔

دُنیوی درباروں کے ناقص انتظامات

دنیا میں تو جب دیوانِ عام منعقد کیا جاتا ہے تو اوّل تو سب لوگوں کو اس دربار میں بیٹھنے کے لئے جگہ ہی نہیں ملتی صرف چند سَو آدمی اندر بیٹھ سکتے ہیں مثلاً دہلی میں دربارِ عام منعقد ہوًا تو دہلی کے رہنے والے لاکھوں کی تعداد میں تھے مگر دربار کے اندر بیٹھنے والے چار پانچ سَو سے زیادہ نہ تھے۔

دوسرا طریق بادشاہوں نے یہ مقرر کیا ہوًا ہوتا ہے کہ وہ جھروکے میں بیٹھ جاتے ہیں اور لوگ اردگرد کے میدانوں میں جمع ہوکر ان کا دیدار کرتے ہیں مگر اس طرح بھی زیادہ سے زیادہ چالیس پچاس ہزار آدمی دیدار کر سکتے ہیں اور چالیس پچاس ہزار آدمی جو ان کو دیکھنے کے لئے جمع ہوتا تھا وہ بھی ایسا ہوتا تھا جو اچھا تندرست اور مضبوط ہو ورنہ اس دیدارِ عام کے باوجود بیمار وہاں نہیں جا سکتا تھا۔ لولا، لنگڑا وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا پولیس والا جو کسی چوراہے پر آن ڈیوٹی ہوتا تھا وہ وہاں نہیں جا سکتا تھا اور پھر اگر شہر والے وہاں چلے بھی جاتے تو دو دو چار چار سَو میل کے علاقہ میں رہنے والے لوگ وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تمہاری اس خواہش کو دیکھا اور ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم تمہاری اس خواہش کو ضرور پورا کریں گے چنانچہ گو تمہاری آنکھیں خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتیں مگر خدا خود چل کر تمہاری آنکھوں کے سامنے آئے گا اور وہ کیوں ایسا کرے گا اس لئے کہ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ لطیف کے ایک معنی باریک اور پوشیدہ ہونے کے اور اَلْبَرُّ بِعِبَادِهٖ اَلْمُحْسِنُ اِلٰى خَلْقِهٖ[۳۹] کے بھی ہیں یعنی اپنے بندوں سے بہت نیکی کرنے والا اور ان کی ضرورتوں کے مطابق سامان مہیا کرنے والا۔ فرماتا ہے ہم کیوں تمہارے پاس چل کر آئیں گے؟ اس لئے آئیں گے کہ ہم بادشاہ ہیں اور ہم اپنے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والے ہیں اور اس لئے ہماری صفت یہ ہے کہ ہم اپنے بندوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرتے ہیں اور ان پر اپنے احسانات کی بارش نازل کرتے ہیں اور پھر اس لئے ہم خود چل کر تمہارے پاس آئیں گے کہ ہم خَبِيْرٌ ہیں یعنی ہم اس بات سے واقف ہیں

کہ تم خود اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ وہ دیدار ہے، جس کے مقابلہ میں دُنیوی بادشاہوں کے دیدار کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے۔

صفاتِ الٰہیہ پر بحث

پھر عملاً صفاتِ الٰہیہ کو جس طرح قرآن کریم نے ظاہر کیا ہے دنیا کی کسی اور کتاب نے ظاہر نہیں کیا، اس نے صفاتِ الٰہیہ پر ایسی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو اس نے انسان کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ مسئلہ توحید کو ہی لے لو اس سبق کو اس نے اس طرح ننگا کر کے رکھ دیا ہے کہ آج ساری دنیا اس بات پر مجبور ہے کہ خواہ وہ عملاً شرک ہی کا ارتکاب کر رہی ہو پھر بھی زبان سے وہ یہی کہے کہ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

خدا اور اُس کے بندے کے درمیان کوئی واسطہ نہیں

دیوانِ عام کی تیسری غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ اپنی فریاد بادشاہ تک براہِ راست پہنچا سکیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے بھی جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے دیوانِ عام کی اِس غرض کو پورا کیا۔ تمام مذاہب کہتے ہیں کہ خدا اور اس کے بندے میں کوئی نہ کوئی واسطہ ہونا چاہئے مگر اسلام کہتا ہے کہ خدا اور اس کے بندے کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ نبی کتنی بڑی شان رکھنے والا وجود ہوتا ہے مگر خواہ کوئی بڑے سے بڑا نبی ہو پھر بھی وہ خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ نہیں بن سکتا۔

احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ہے احسان یہ ہے تُو نماز اس یقین اور وثوق کے ساتھ پڑھے کہ گویا تُو خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مقام تمہیں حاصل نہیں تو تمہیں کم سے کم یہ یقین رکھنا چاہئے کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے[۴۰] اور جب کسی بندے کو خدا دیکھ رہا ہو تو اس کی فریاد کے پہنچنے میں کوئی روک ہی کیا ہوسکتی ہے۔ غرض تمام مذاہب ایک واسطہ کے قائل ہیں مگر اسلام اس چیز کا قائل نہیں۔ چنانچہ دیکھ لو وہ ایک طرف تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس قدر تعریف کرتا ہے کہ فرماتا ہے یہ قیامت تک کے لئے گورنر جنرل مقرر کئے گئے ہیں مگر دوسری طرف جہاں واسطے کا سوال آتا ہے وہاں فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ[۴۱] یعنی تُو لوگوں سے کہہ دے کہ میں تو تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ بشر ہونے کے لحاظ سے مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں۔ پس اسلام کے نزدیک کسی کو خدا اور بندہ کے

درمیان کھڑے ہونے کا حق حاصل نہیں۔

الٰہی دربار میں مظلوموں کی فریاد سننے کا طریق

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس نے فریاد سننے کا طریق کیا مقرر کیا ہؤا ہے وہ فرماتا ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکْشِفُ السُّوْٓءَ [۴۲]

یعنی ان سے پوچھو کہ کیا کوئی ہمارے جیسا دربار منعقد کرنے والا دنیا میں کوئی بادشاہ ہے؟ حکومتیں دربارِ عام منعقد کرتی ہیں تو بادشاہ اعلان کرتے ہیں کہ جس شخص پر کوئی ظلم ہؤا ہو وہ آئے اور ہمارے دربار میں فریاد کرے مگر دنیا میں لوگ اگر فریاد کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے افسر اُن سے کہتے ہیں کہ اگر تم نے ہمارے خلاف شکایت کی تو ہم تمہاری زبان گُدّی سے کھینچ لینگے۔ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں نے فریاد کی تو بعد میں وہی افسر مجھے اور رنگ میں مصیبتوں میں مبتلاء کر دیں گے۔ مگر یہاں یہ حالت ہے کہ رات کی تاریکی سایہ ڈالے ہوئے ہے، مصیبت زدہ بندہ اپنے لحاف میں پڑا آہیں بھر رہا ہے، دنیا کا کوئی فرد نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے یا کیا کہہ رہا ہے۔ کوئی افسر اسے دھمکا نہیں سکتا، کوئی افسر اسے فریاد سے روک نہیں سکتا وہ لحاف میں لیٹے لیٹے خدا تعالیٰ کے دربار میں اپنی آواز بلند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا! فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے تو میری طرف سے آپ اس کا بدلہ لے۔ ظالم نہیں جانتا کہ اس کے خلاف بادشاہ تک شکایت پہنچ چکی ہے، وہ نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا نہ اس کے دل پر کوئی خیال گزرتا ہے مگر مظلوم کی فریاد خدا تعالیٰ کے عرش کو ہلا دیتی ہے۔ وہ فرماتا ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکْشِفُ السُّوْٓءَ جب وہ اکیلے خدا تعالیٰ کے حضور مضطر ہو کر فریاد کرتا ہے۔ جب کوئی اس کے پاس نہیں ہوتا، اس وقت کون اس کی مدد کے لئے آتا ہے۔ دنیا غافل ہوتی ہے مگر خدا اپنے بندے کی مدد سے غافل نہیں ہوتا وہ خود آتا ہے اور کہتا ہے اے میرے بندے! میں تیری مدد کو آ گیا ہوں اور پھر اس سے ایسی محبت اور پیار کا سلوک کرتا ہے کہ اُس کا ہر دکھ دُور ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی عطاء کا بیمثال نمونہ

دیوانِ عام کی چوتھی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ بادشاہ کے سامنے اپنے مطالبات پیش کریں مگر ظاہر ہے کہ ہر شخص نہ دربارِ عام میں پہنچ سکتا ہے اور نہ بادشاہ اتنا وقت دے سکتا ہے۔ دس بیس کروڑ رعایا ہو تو بادشاہ کے پاس اتنا وقت کہاں ہو سکتا ہے کہ وہ ہر ایک کے مطالبہ کو سُنے اور اس کے بارہ میں

ضروری کارروائی کرے۔ پھر اگر مطالبات پیش کرنے کا موقع بھی ملے تو جو کچھ دل میں ہوتا ہے وہ سب کچھ انسان مانگ نہیں سکتا۔ اول تو وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں افسر خفا نہ ہو جائے اور پھر انہیں یہ بھی ڈر ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اپنے دل کی بات کہہ دی تو نہ معلوم بادشاہ اس کو مانے یا نہ مانے مگر اِس الٰہی دربار کی عجیب شان ہے اس دربارِ عام کے بارہ میں فرماتا ہے یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ [۴۳]

فرماتا ہے آسمان کا رہنے والا ہو یا زمین کا رہنے والا، ہر ایک اپنی ضرورت خداتعالیٰ سے مانگتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ کیا آدمی کی ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے؟ اس کے متعلق فرماتا ہے كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ نہ صرف ہر مانگنے والے کی ضرورت کو پورا کرتا ہے بلکہ ہر روز وہ نئی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ایک نئی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ پہلے بندہ کہتا ہے خدایا مجھے فلاں چیز چاہئے اور خداتعالیٰ اسے وہ چیز دے دیتا ہے۔ پھر وہ اور چیز مانگتا ہے اور خداتعالیٰ اسے وہ چیز بھی دے دیتا ہے اس طرح وہ مانگتا چلا جاتا ہے اور خداتعالیٰ اسے دیتا چلا جاتا ہے۔

خداتعالیٰ کی ہر روز ایک نئی شان سے جلوہ گری

آخر مانگتے مانگتے اسے خیال آتا ہے کہ اب میں کیا مانگوں؟ میں نے تو اس سے بہت کچھ مانگ لیا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا ہے اور فرماتا ہے آج تو ہم ایک نئی شان میں تمہارے سامنے جلوہ گر ہوئے ہیں پچھلی ضرورتوں کا خیال جانے دو اب ہم سے اور مانگو ہم تمہیں دینے کے لئے تیار ہیں۔ پہلے تم نے اس شان کو دیکھا تھا جو گزر چکی اب تم ہماری اس نئی شان کا مشاہدہ کرو اور جو کچھ مانگنا چاہتے ہو مجھ سے مانگو۔ غرض یہ دربارِ عام وہ ہے جس میں سب مانگتے ہیں ہر روز مانگتے ہیں اور ہر روز انہیں نئے انعام ملتے ہیں دُنیوی اور اُخروی ترقیات کا ایک تسلسل جاری ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔

علومِ قرآنیہ کے انکشاف کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوسکتا

کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ خداتعالیٰ ہر روز ایک نئی شان میں دنیا کے سامنے آتا ہے اور ہر روز وہ نیا احسان دنیا پر کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے مگر آج وہی مسلمان جن کی کتاب میں یہ تعلیم موجود تھی جو دنیا کی کسی اور کتاب میں موجود نہیں اِس قرآن کو ماننے والا مولوی یہ کہتا ہے کہ رازیؒ کے بعد

اب کوئی نئی تفسیر نہیں ہوسکتی، ابن حیان جو مضمون بیان کر چکا اس پر اب اور کوئی مضمون بڑھایا نہیں جاسکتا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان بزرگوں کی وفات کے بعد اب **نَعُوْذُ بِاللّٰہ** خدا تعالیٰ کا خزانہ خالی ہو چکا ہے جو معارف اور علوم وہ دے چکا سو دے چکا اب معرفت کی کوئی نئی بات بنی نوع انسان پر نہیں کُھل سکتی، روحانیت کا کوئی نیا راز بنی نوع انسان پر منکشف نہیں ہوسکتا۔ گویا وہ دروازہ جسے خدا تعالیٰ نے کُھلا قرار دیا تھا اُسے اِن مولویوں نے بند سمجھ لیا اور وہ روحانی انعامات جن کے متواتر نزول کی اُس نے بشارت دی تھی ان کے متعلق انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ ختم ہو چکے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ **کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ** ہم تو ہر روز ایک نئے روپ میں آتے ہیں اور نئی شان کے ساتھ نئے انعامات بنی نوع پر نازل کرتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس قرآن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے اسی قرآن کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی کوئی نئی تفسیر کرتا ہے وہ کُفر اور اِلحاد کا ارتکاب کرتا ہے حالانکہ یہ کُفر نہیں بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی کتاب کو ایک زندہ کتاب ثابت کرنے والی خوبی ہے، یہ اس دعویٰ کا ایک عملی ثبوت ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا کہ ہم ہر روز ایک نئی شان میں دنیا پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔

قرآن ایک زندہ کتاب ہے

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جبکہ دُنیوی انعامات بہت بڑھ چکے ہیں ضرورت تھی کہ اسی طرح روحانی انعامات کی بھی بارش ہوتی تاکہ دنیا کی طرف راغب لوگ دین داروں کو شرمندہ نہ کر سکتے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ انہی وعدوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں پھر ہمارے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور ہم دنیا میں یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ ہماری کتاب ایک زندہ کتاب ہے اور وہ اب بھی اپنے روحانی انعامات جس کو چاہے دے سکتا ہے ضرورت اِس بات کی ہے کہ لوگ اُس سے مانگیں۔ دینے والا نہیں تھکا تو مانگنے والے اس سے کیوں مایوس ہوں۔

بارگاہِ ربّ العزّت میں پُکار

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مجھے بھی اور آپ لوگوں کو بھی اپنی ذمہ داریوں کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ نور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم نے پایا ہے وہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلے اور ہم اپنی زندگیوں میں اسلام کی فتح کا دن دیکھ کر اِس بات پر فخر کر سکیں کہ ہم نے شیطان کی حکومت مٹا کر دنیا میں خدا اور اُس کے رسول کی حکومت قائم کر دی ہے۔ اِسی مقصد کو

پورا کرنے کے لئے ہماری جماعت کے بیسیوں مبلّغین اِس وقت غیر ممالک میں کام کر رہے ہیں اور وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ اُن کی کامیابی کے لئے دُعائیں کی جائیں۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ اسلام کی اشاعت کا فرض ادا کر رہے ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جو اسلامی ملک کہلاتا ہے۔ہم سے لوگ خواہ کتنے بھی اختلاف رکھتے ہوں وہ منہ سے یہی کہتے ہیں کہ **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** اور منہ سے یہی کہتے ہیں کہ اسلامی احکام پر ہی عمل کرنا چاہئے۔لیکن اِن مبلّغین کے اِردگرد وہ لوگ بستے ہیں جو **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کے قائل نہیں، ساری طرف سے انہیں یہی آوازیں آتی ہیں کہ **نَعُوْذُ بِاللّٰه** قرآن جھوٹا ہے، اسلام جھوٹا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے ہیں پس ذہنی لحاظ سے جو اطمینان کی کیفیت آپ لوگوں کو میسّر ہے وہ ان مبلّغوں کو میسّر نہیں۔ پس اُن کا حق ہے کہ آپ لوگ انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں میں ان کی غفلتوں کا انکار نہیں کرتا،لیکن اُن کی قربانیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔بعض دفعہ ان کے جانے کے بعد اُن کے گھروں میں بچے پیدا ہوئے ہیں اور وہ بڑے ہو کر اپنی ماؤں سے پوچھتے ہیں کہ ہمارے ابّا کی شکل کیسی ہے؟ اتنی بڑی قربانی کے بعد آپ لوگ خود ہی غور کریں کہ اُنکا ہم پر کتنا بڑا حق ہے پس چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ ہر جگہ اسلام کی اشاعت کے راستے کھولے اور انہیں اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے۔اس طرح ہماری جماعت کے باقی افراد کے قلوب کو بھی اس کام کی اہمیت سمجھنے کیلئے کھول دے اور تبلیغ کے متعلق اُن کے اندر ایک نئی زندگی اور بیداری پیدا فرمائے۔اب دنیا پر ایسا وقت آچکا ہے کہ ہماری جماعت کے ایک ایک فرد کو بیدار ہو جانا چاہئے اور ایسی کوشش کرنی چاہئے کہ لاکھوں لاکھ لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو جائیں اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے دوستوں کو تبلیغ کا ایسا جوش عطا فرمائے جو کبھی مِٹنے والا نہ ہو اور ایسا جنون بخشے جو کبھی دبنے والا نہ ہو اور جس کے نتیجہ میں فوج در فوج لوگ اسلام اور احمدیت میں داخل ہونے شروع ہو جائیں۔

دُعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ تمہیں اپنا قُرب نصیب کرے

اسی طرح ہمیں دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اپنا قُرب نصیب فرمائے کیونکہ یہی ایک غرض ہے جس کے لئے ہم جدوجہد کر رہے ہیں اگر ہمیں ذاتی طور پر خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل نہیں تو ہمیں اس سے کیا کہ اِس زمانہ میں

اُس نے اپنے قُرب کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خواہ کتنا بڑا مسیح اور مہدی ہمارے لئے بھیج دیا ہو، خواہ کتنے بڑے مدارج کے دروازے اُس نے ہمارے لئے کھول دیئے ہوں اگر ہم خود اِن دروازوں کے اندر داخل نہیں ہوئے تو ہماری کیا زندگی ہے۔ اگر واقعہ میں اُس نے اپنے قُرب کے دروازے کھول دیئے ہیں اور اپنی برکتیں نازل کر دی ہیں تو ہماری اِس سے زیادہ اور کیا بدقسمتی ہوگی کہ دروازے تو کُھلے ہوں مگر ہم اس کے قُرب سے محروم رہیں۔

پس دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور اُس کا عشق ہمارے دلوں میں اتنا پیدا ہو کہ دنیا کی کوئی چیز اسکو چُھپا نہ سکے۔ ہم خدا کے ہو جائیں اور خدا ہمارا ہو جائے۔ ہم خدا میں ہو جائیں اور خدا ہم میں ہو جائے۔ ہم خدا کو دیکھیں اور دنیا ہم میں خدا کو دیکھے۔ یہی چیزیں ہیں جو نبیوں کی جماعتوں کو حاصل ہؤا کرتی ہیں اگر یہ چیز نہیں تو پھر ہماری زندگی زندگی نہیں بلکہ ہم وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى [۴۴] کے مصداق ہیں پس آؤ ان باتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کریں، اپنی کمزوریوں کے دُور ہونے کے لئے اسلام کے غلبہ اور اس کے احیاء کے لئے اور دشمنوں کی ہدایت اور ان کی راہنمائی کے لئے اور یہ کہ اگر ہمارا اس کی راہ میں مرنا ہی ضروری ہے تو وہ اپنے فضل سے ہمارے دلوں کو وہ طاقت بخشے کہ دنیا کی ساری مصیبتیں اور تکلیفیں خدا تعالیٰ کے راستہ میں ہمیں ایسی ہی خوبصورت نظر آئیں جیسے گلاب کا پُھول، ہماری زندگیاں بدل جائیں ہم میں جوشِ عمل پیدا ہو جائے اور ہمارا رسمی ایمان حقیقی ایمان کی شکل اختیار کر لے۔ خدا تعالیٰ ہمارے ایمان کو مضبوط کرے اور ہمیں وہ قوتِ عمل عطا کرے جس سے دنیا کا نقشہ بدل جائے۔ وہ آپ آسمان سے اُتر آئے اور ہمیں اپنی گود میں اُٹھا لے اور ہمیں اپنی رحمت اور شفقت کے دامن میں چھپا لے اور ہمیں اپنی رضا کا وارث کرے۔

دُعائیں کرو کہ تثلیث کا بُت ہمارے ہاتھوں سے پاش پاش ہو جائے

اِسی طرح قادیان اور ہندوستان کے احمدیوں کے لئے بھی دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہمتوں کو بلند کرے اور ہمارا خدا اُن کا آپ حافظ و ناصر ہو اور اُن کو ایسی ترقی عطا فرمائے کہ وہ لاکھوں لاکھ اور کروڑوں کروڑ ہو جائیں۔ گویا اِدھر ہم ترقی کر رہے ہوں اور اُدھر وہ ترقی کر رہے ہوں اور جیسے نوحؑ کے زمانہ میں ہؤا کہ آسمان سے بھی پانی برسا اور

زمین سے بھی چشمے پُھوٹ پڑے اور پھر دونوں پانی آپس میں مل گئے اور کُفر وشیطنت کی دنیا ان پانیوں سے تباہ ہوگئی اس طرح خدا اِدھر ہمیں ترقی عطا فرمائے اور اُدھر اُن کو ترقی دیتا چلا جائے اور پھر یہ ترقیات ساری دنیا پر اس طرح چھا جائیں کہ اسلام اور احمدیت کو غلبہ میسّر آجائے۔ عیسائیت نے بہت لمبی عمر پائی ہے اب ہمیں خدا سے دُعا کرنی چاہئے کہ وہ اس ضلالت کو ہمارے ہاتھوں سے تباہ کرے اور یہ بُت ہمارے ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے جس طرح سومنات کا بُت محمود غزنوی کے ہاتھ سے توڑا گیا تھا اِسی طرح خدا اب تثلیث کا بُت میرے ہاتھوں سے پاش پاش کرے اور وہ دنیا میں دوبارہ کبھی غلبہ اور عروج حاصل نہ کرے۔ اَللّٰھُمَّ آمِیْنَ۔

۱؎ المزمّل:۱۶ تا ۱۹ ۲؎ الاعراف :۱۵۹ ۳؎ سبا :۲۹ تا ۳۱

۴؎ السّجدۃ :۶

۵؎ لوقا باب ۱۳ آیت ۳۵

۶؎ بخاری کتاب التفسیر تفسیرسورۃ الجمعۃ باب قولہٖ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ ...... الخ

۷؎ الزمر :۲۴ ۸؎ الواقعۃ :۷۹

۹؎ اقرب الموارد الجزء الاول صفحہ ۹۶ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۱۰؎

۱۱؎

۱۲؎ الحجر :۳ ۱۳؎ المائدہ :۴

۱۴؎ بخاری کتاب التفسیر تفسیرسورۃ المائدہ باب قولِہٖ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔

۱۵؎

۱۶؎ اٰل عمران :۳۲ ۱۷؎ بنی اسرائیل :۲۱

۱۸؎ القلم :۵

۱۹؎ اٰل عمران :۱۹۷، ۱۹۸ ۲۰؎ فاطر :۴۳، ۴۴

۲۱؎ بخاری کتاب الجھاد والسیرباب مَنْ یَّنْکُبُ اَوْیُطْعَنُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ، سیرت ابن ہشام

جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۲۲؎ بنی اسرائیل: ۸۲

۲۳؎ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۷ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۲۴؎ الانفال: ۴۳ ۲۵؎ الزمر: ۵۴، ۵۵

۲٦؎ مسلم کتاب الایمان باب اَدْنٰی اَھلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً فِیْھَا

۲۷؎ الانعام: ٦۴، ٦۵

۲۸؎ الصّٰفّٰت: ۷ تا ۱۱

۲۹؎ مشکٰوۃ کتاب الفتن باب مناقب الصحابة

۳۰؎ العنکبوت: ۷۰ ۳۱؎ البلد: ۱۱ ۳۲؎ ھود: ۷

۳۳؎ المؤمن: ٦۵ ۳۴؎ الحشر: ۲۵

۳۵؎ المعجم الکبیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ بغداد ۱۹۸۰ء

۳٦؎ البقرہ: ۲۸۳ ۳۷؎ الاعراف: ۱۵۸ ۳۸؎ الانعام: ۱۰۴

۳۹؎ اقرب الموارد جلد ۲ صفحہ ۱۱۴۴ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۴۰؎ بخاری کتاب الایمان باب سُؤال جبریل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

۴۱؎ الکہف: ۱۱۱ ۴۲؎ النمل: ٦۳ ۴۳؎ الرحمٰن: ۳۰، ۳۱

۴۴؎ بنی اسرائیل: ۴۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (٦)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۱ء برموقع جلسہ سالانہ ربوہ)

عالمِ روحانی کا دیوانِ خاص

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

مَیں نے گزشتہ سال اسلام کے دیوانِ عام کے متعلق تقریر کی تھی اور بتایا تھا کہ دلّی کی سیر میں ہم نے دیوانِ عام دیکھے جو آج اُجڑے ہوئے نظر آتے تھے۔ جہاں انگریزوں کے چپڑاسی تو بڑی شان سے پھرتے تھے اور مُغلوں کی نسلیں چُھپتی پھرتی اور نظریں بچاتی پھرتی تھیں اور مَیں نے بیان کیا تھا کہ قرآن کریم میں ایک دیوانِ عام کا ذکر آتا ہے جو کبھی غیر آباد نہیں ہوتا، جو کبھی دشمن کے قبضہ میں نہیں جاتا اور جس کو دیکھ کر مؤمنوں کے دلوں میں کبھی بھی حسرت پیدا نہیں ہوتی۔ آج میں اس مضمون کے تسلسل میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام نے دیوانِ عام ہی نہیں بلکہ ایک دیوانِ خاص بھی پیش کیا ہے اور اسلام کے دیوانِ خاص کے مقابلہ میں ان بادشاہوں کے بنائے ہوئے دیوانِ خاص اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتے جتنی ایک زندہ ہاتھی کے مقابلہ میں اُن مٹی کے بنے ہوئے ہاتھیوں کی حیثیت ہوتی ہے جنہیں کھلونوں کے طور پر خانہ بدوش عورتیں بیچتی پھرتی ہیں۔

دیوانِ خاص کی اغراض

دیوانِ خاص کیا چیز تھی؟ دیوانِ خاص شاہی قلعوں میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی عمارت یا وسیع ہال ہؤا کرتا تھا جو گویا خاص ملاقات کا کمرہ ہوتا تھا اس میں بادشاہ بیٹھتے تھے، شہزادے بیٹھتے تھے اور وہ وزراء، امراء جن سے امورِ مملکت کے متعلق مشورے لئے جاتے تھے بیٹھتے تھے عام لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح بادشاہ اگر کسی کو گورنر مقرر کرتے یا کمانڈر انچیف مقرر کرتے یا اور کسی بڑے عہدہ پر مقرر کرتے تو ان کو وہاں بُلوایا جاتا تھا اور بادشاہ کی طرف سے

وزراء اور امراء کے سامنے اعلان کیا جاتا تھا کہ ہم فلاں شخص کو گورنر مقرر کرتے ہیں یا کمانڈر انچیف مقرر کرتے ہیں یا جرنیل مقرر کرتے ہیں یا فلاں بڑے عہدہ پر مقرر کرتے ہیں۔ یا اگر کوئی خادمِ قوم یا خادمِ مُلک کوئی بڑی بھاری خدمت بجالاتا تو اس کو بلایا جاتا اور ان سب وزراء اور امراء کے سامنے اس کا اعزاز واکرام کیا جاتا اور کہا جاتا کہ اس کو یہ خلعت دی جاتی ہے یا اس کی عزت افزائی میں اسے یہ انعام دیا جاتا ہے۔ یا اہم ملکی مسائل پیش ہوتے اور بادشاہ ضروری سمجھتا کہ وزراء سے مشورہ لینا چاہئے تو اس مجلس میں جو لوگ مقررہ اوقات پر جمع ہوتے تھے اُن کے سامنے ان امور کو پیش کیا جاتا اور درباری اپنی اپنی رائے اور مشورہ دیتے یا جس جس سے پوچھا جاتا وہ رائے دیتا اور اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے ایک فیصلہ صادر ہو جاتا۔

گویا ''دیوانِ خاص کے قیام کی چار اہم اغراض ہؤا کرتی تھیں۔

اوّل بادشاہ کا اپنے وزراء کو اپنے قُرب میں جگہ دینا اور ان کا اعزاز کرنا یا مختلف مناصب پر اُن کا تقرر کرنا یا انہیں برطرف کرنا۔

دوم بادشاہ کا ان سے خاص امور کے بارہ میں مشورہ لینا اور خاص امور کے بارہ میں مشورہ دینا جن سے وہ اپنے فرائض کو عمدگی سے ادا کرسکیں۔

سوم اپنی مشکلات میں ان سے مدد لینا اور اُن کی مشکلات میں اُن کو مدد دینے کے وعدے کرنا۔

چہارم ان کے اچھے کاموں پر انعام واکرام دینا اور بُرے کاموں پر سرزنش کرنا۔ یہ وہ چار اغراض ہیں جن کے ماتحت ''دیوان خاص'' قائم کئے جاتے ہیں۔

دُنیوی بادشاہوں میں حقیقی محبت کا فُقدان

مگر مَیں نے دیکھا کہ بادشاہ جب اپنے درباریوں کو کوئی اعزاز دیتے تھے تو ان کا اعزاز محض قانونی ہوتا تھا۔ چنانچہ پہلی بات تو یہی ہے کہ بادشاہ اپنی محبت کا اور اپنے تعلقات کا اور اپنے اخلاص کا تو اظہار کرتا تھا لیکن بادشاہ کو ان لوگوں سے حقیقی محبت نہیں ہوتی تھی اس کی اصل محبت اپنے بیوی بچوں سے ہوتی تھی۔ یہ کبھی بھی نہیں ہوتا تھا کہ کسی شخص نے بڑی قربانی کی ہو اور اس نے اپنا تخت اُس کے سپرد کر دیا ہو یا اپنے اختیارات جو نیابت کے ہیں اُس کے سُپرد کر دیئے ہوں۔ اس کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ میں اپنی اولاد کی طاقت کو مضبوط کروں اور اُن کے لئے راستہ صاف کروں گویا یہ خدمت کرنے والے لوگ ایک قسم کے اجیر ہوتے تھے۔

نمائشی انعامات اور خطابات

(۲) پھر بسا اوقات جو انعام ملتے تھے محض نمائشی ہوتے تھے اور خدمت کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔ مثلاً اپنے زمانہ کو ہی لے لو۔ ابھی انگریزوں کی یاد تازہ ہے وہ کہتے تھے کہ فلاں کو خطاب دیا جاتا ہے اب وہ ''خان صاحب'' ہو گئے ہیں اور فلاں ''خان بہادر'' ہو گئے ہیں اور حقیقت یہ ہوتی تھی کہ بسا اوقات خان بہادر صاحب کی چارپائی کے نیچے چوہا بھی ملے تو اُن کی جان نکل جاتی تھی لیکن وہ خان بھی تھے اور بہادر بھی تھے۔ گویا بادشاہ ان کو ''خان بہادر'' تو بنا دیتا تھا لیکن حقیقتاً نہ وہ خان بنتے تھے اور نہ بہادر ہوتے تھے۔ یا مثلاً آجکل پٹھان بھی خان کہلاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے زمانۂ حکومت میں انہوں نے بڑے بڑے کام کئے تھے جن سے دنیا میں اُن کا شُہرہ ہؤا اور اُنہیں خطابِ عزّت کے طور پر خان صاحب کا نام دے دیا گیا۔ چنانچہ اُس زمانہ میں جو بادشاہ ہوتے تھے یا نواب اور امراء ہوتے تھے اُن کی عظمت کی وجہ سے انہیں خان ہی کہا جاتا تھا۔ مغل بھی اپنے ابتدائی زمانہ میں خان کہلاتے تھے بلکہ بچپن میں جب مَیں اپنے شجرۂ نسب کو سُنتا تو میں حیران ہوتا تھا کہ پہلے کہا جاتا ہے فلاں خان، فلاں خان، فلاں خان اور پھر شروع ہو جاتا ہے فلاں بیگ، فلاں بیگ، فلاں بیگ۔ مَیں حیران ہوتا تھا کہ یہ خان کہاں سے آ گیا۔ بعد میں معلوم ہؤا کہ خان ایک اعزاز کا لفظ تھا مگر آہستہ آہستہ اتنی کثرت سے قوم میں بڑے لوگ پیدا ہوئے کہ اُن کی کثرت کی وجہ سے ساری قوم ہی خان کہلانے لگ گئی اور اب تک کہلاتی ہے۔ ہر پٹھان جب تمہیں نظر آئے گا تم کہو گے خان صاحب بیٹھئے، خان صاحب تشریف لائیے، خان صاحب آپ کس طرح تشریف لائے ہیں؟ غرض وہ خان کہلاتا ہے مگر وہ تو محض ایک تسلسل کے طور پر خان بن گیا ہے درحقیقت خود اُس نے کوئی بڑا کام نہیں کیا، نہ اُس نے ذاتی طور پر کوئی ایسی قابلیت حاصل کی ہے جس کی وجہ سے اُسے کوئی خاص مقامِ عزّت حاصل ہوتا لیکن انگریز کا بنایا ہؤا ''خان صاحب'' بسا اوقات کسی جولاہے کی بیٹی مانگتا تو وہ کہتا تھا نہیں، ہم کمذاتوں کو نہیں دے سکتے۔ انگریز اُسے خان صاحب کہتا تھا اور ہمارے ملک کا جولاہا اسے کمذات کہتا تھا۔ یا اگر کوئی خان صاحب سید یا مغل یا پٹھان ہوتے تو وہ خان صاحب یا خان بہادر سمجھ کر اسے عزت نہیں دیتا تھا بلکہ سید یا مغل یا پٹھان ہونے کی وجہ سے عزت دیتا تھا۔ گویا لوگ اس نسل کی وجہ سے یا اس رشتہ داری کی وجہ سے تو عزت کرتے تھے جو اسے اپنے باپ دادا کی وجہ سے حاصل ہوتی تھی لیکن اس عزت کی

وجہ سے جو اسے گورنر جنرل کی طرف سے ملتی تھی اسے اپنے خاندان کا حصہ بنانے کے لئے تیار نہیں تھے۔

انگریزی خطابات حاصل کرنے والوں کی کیفیت

پھر بعض کو اُس زمانہ میں ''سر'' کا خطاب دیا جاتا تھا اب ''سر'' کے معنے جناب کے ہیں لیکن حقیقتاً بعض ''سر'' ایسے ذلیل ہوتے تھے اور ایسی پاجیانہ حرکتیں کرتے تھے کہ لوگ انہیں گالیاں دیتے تھے۔ پھر انگریز کے زمانہ میں خطاب ہوتے تھے سٹار آف انڈیا (Star of India) یا گرینڈ کراس آف انڈین ایمپائر (Grand Cross of Indian Empire) یعنی بڑی صلیب دیدی گئی لیکن بڑی صلیب لینے والے جو لوگ تھے ان میں سے کئی صلیب کے شدید دشمن ہوتے تھے۔ کئی مسلمان جن کے دلوں میں غیرت ہوتی تھی اُن کا جی چاہتا تھا کہ موقع ملے تو صلیب کو توڑ ڈالیں۔ کہلاتے تھے وہ بڑی صلیب کے حامل لیکن ان کے دل میں یہ ہوتا تھا کہ ہم چھوٹی صلیب کے بھی حامل نہیں۔ یہ خطاب کیا ہؤا کہ جس کو خطاب دیا جاتا ہے وہ اس کو ذلیل سمجھتا ہے، وہ اس کو حقیر سمجھتا ہے، وہ اس کو ناقابلِ اعتناء سمجھتا ہے، وہ اس کو قابلِ ہلاکت سمجھتا ہے۔ مغلوں کے زمانہ میں اعتماد الدولہ اور نظام الملک کے خطاب ملتے تھے لیکن وہی اعتماد الدولہ اور نظام الملک دوسرے دن فوج لے کر بادشاہ کے خلاف لڑنے کے لئے آجاتے تھے نہ دولت کا ان پر کوئی اعتماد ہوتا تھا، نہ ملک کے نظام کے ساتھ ان کی کوئی وابستگی ہوتی تھی۔ دیکھ لو نظام حیدر آباد کو نظام الملک کا خطاب حاصل تھا لیکن اورنگ زیب کے بعد اس نے ملک کی آزادی کا اعلان کر دیا اور بعد میں انگریزوں کے ساتھ مل گیا۔ اب بھی موجودہ نظام نے شروع میں ہندوؤں سے لڑنے کے لئے اپنی قوم کو اُبھارا اور اُکسایا جب قوم لڑنے کے لئے کھڑی ہو گئی تو اُس نے حکومت کو چِٹھی لکھ دی کہ بندہ تو حضور کا غلام ہے یہ لوگ باغی ہو کر لڑائی کر رہے ہیں جس طرح ارشاد ہو کیا جائے گا۔

شہزادوں کی غدّاری

اسی طرح ان بادشاہوں کی اولاد بسا اوقات خود اپنے باپ کی وفات کی متمنی ہوتی تھی۔ باپ صاحب بیٹھے ہوئے اپنے وزیروں سے کہتے تھے کہ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ لوگ ہمارے خاندان کے وفادار ثابت ہوں گے اور ہماری اور ہماری نسل کی بہی خواہی کریں گے۔ اور بیٹا پاس بیٹھا ہؤا اِس امید میں ہوتا تھا کہ رات کو موقع ملے تو کسی کی معرفت یا خود اسے قتل کر کے تخت پر بیٹھ جائے۔

درباریوں کی سازشیں

پھر اسی دربار میں جہاں بادشاہ کی طرف سے اعزاز مل رہا ہوتا تھا بسا اوقات جس کو اعزاز مل رہا ہوتا تھا وہ کسی بیگم یا شہزادہ یا

شہزادی سے مل کر بادشاہ کے خلاف منصوبہ کر رہا ہوتا تھا۔ اِدھر اعزاز مل رہا ہوتا تھا اور اُدھر ساز باز جاری ہوتی تھی کہ اس کو مٹا دیا جائے۔

ایک ہندو اخبار تھا اُس کا یہ طریق تھا کہ وہ بڑے بڑے لوگوں کے راز معلوم کر کے پھر کہانی کے طور پر ان کو شائع کیا کرتا تھا اور اس سلسلہ کا نام اس نے ''چوں چوں کا مربہ'' رکھا ہؤا تھا۔ یہ سلسلہ مضامین اخبارِ عام میں بھی چھپتا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس یہ اخبار آیا کرتا تھا۔ اس میں ایک ریاست کا واقعہ لکھا تھا اُس وقت تو مجھے معلوم نہیں تھا بعد میں پتہ چلا کہ یہ کپورتھلہ کی ریاست کا واقعہ تھا۔ کپورتھلہ کا راجہ جو پارٹیشن کے وقت تک زندہ تھا اب سُنا ہے فوت ہو چکا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ راجہ کی اولاد میں سے نہیں تھا بلکہ اُس کا باپ ایک جج تھا جس کو مَیں نے بھی دیکھا ہے (اصل راز کو اللہ بہتر جانتا ہے)۔

میں ایک دفعہ کپورتھلہ گیا تو دوستوں نے مجھے دکھایا تھا وہ اُس وقت کسی کام کیلئے پیلس میں آیا ہؤا تھا دوستوں نے بتایا کہ یہ شخص جو پھر رہا ہے راجہ کا باپ ہے۔ مَیں نے پوچھا کہ باپ جب دربار میں آتا ہے تو راجہ کی کیا حالت ہوتی ہے؟ کہنے لگے وہ ہمیشہ کتراتا ہے اور جب بھی کوئی ایسا موقع آئے وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا لیتا ہے اور ملنے میں شرم اور ذلّت محسوس کرتا ہے۔

بہرحال اِس اخبار میں یہ واقعہ لکھا تھا کہ پہلے زمانہ میں کپورتھلہ کے راجہ کی دو رانیاں تھیں اور دونوں کے اولاد نہیں تھی۔ وہ دونوں ایک دوسری سے رقابت رکھتی تھیں کچھ درباری ایک طرف تھے اور کچھ دوسری طرف۔ جس نے ایک کی غیبت کرنی ہو وہ دوسری کے پاس چلا جاتا اور جس نے دوسری کی غیبت کرنی ہو وہ اس کے پاس آ جاتا۔ یہ جھگڑے بڑھ گئے تو آخر ایک پارٹی کے لوگوں نے سوچا کہ کب تک راجہ اور کب تک رانیاں، یہ مرا تو خبر نہیں انگریز کس کو لاکر بٹھا دیں، اس لئے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ مستقل طور پر ہمارا دبدبہ قائم رہے۔ یہ سوچ کر انہوں نے ایک رانی کو اپنے ساتھ ملایا اور اُسے سکھایا کہ وہ مشہور کر دے کہ مجھے حمل ہے۔ چنانچہ وہ اس بات پر راضی ہوگئی اور تجویز یہ ہوئی کہ نویں مہینہ مشہور کر دیا جائے گا کہ بچہ پیدا ہو گیا ہے ادھر دو تین جگہ سے جن کے ہاں انہی دنوں میں بچے پیدا ہونے والے تھے وعدے لے لئے گئے کہ جس کے ہاں لڑکا پیدا ہؤا وہ اپنا لڑکا دے دیگا۔ انہوں نے انتظام یہ کیا ہؤا تھا کہ جس دن بچہ پیدا ہو رانی فوراً بیمار بن کر بیٹھ جائے گی اور اس کی گود میں بچہ ڈال

کر سب کو دکھا دیا جائے گا کہ رانی کے ہاں بچہ پیدا ہؤا ہے۔اتفاقاً اُسی شخص کا جو اُس وقت سرِشتہ دار تھا اور بعد میں ہائی کورٹ کا جج بن گیا بچہ پیدا ہؤا جو راجہ کا بیٹا قرار دیدیا گیا۔ انہوں نے یہ منصوبہ کر کے تمام شہر میں مشہور کر دیا کہ رانی حاملہ ہے راجہ محسوس کرتا تھا کہ یہ بات غلط ہے اس کی بڑی عمر ہو چکی تھی اور وہ سمجھتا تھا کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہوسکتی۔اس کے دل میں شُبہ پیدا ہؤا اور اُس نے ناراضگی کا اظہار شروع کر دیا کہ یہ بڑی غیر معقول بات ہے یہ دھوکا اور فریب ہے جو مجھ سے کیا جا رہا ہے۔اس سے دوسری رانی کو موقع مل گیا اور اس نے کہا یہ دھوکا فلاں فلاں وزیر کر رہا ہے۔راجہ نے ان کے خلاف باتیں کرنی شروع کر دیں اور ادھر گورنمنٹ کو لکھ دیا کہ کہا جاتا ہے کہ رانی حاملہ ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے، رانی ہرگز حاملہ نہیں۔مگر جہاں حکومت کا ایک بڑا حصہ سازش میں شریک ہو وہاں کسی لیڈی ڈاکٹر کا خرید لینا کونسی مشکل بات تھی۔چنانچہ معائنہ کرایا گیا اور لیڈی ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ رانی حاملہ ہے۔جب یہ جھگڑا بڑھا تو گورنمنٹ کے پاس رپورٹ کی گئی۔اُس وقت راجے وائسرائے کے ماتحت نہیں ہوتے تھے بلکہ پنجاب کے، پنجاب کے گورنر کے ماتحت اور یو، پی کے یو، پی کے گورنر کے ماتحت ہوتے تھے اور پھر آگے ان کا براہِ راست تعلق کمشنر کے ساتھ ہوتا تھا۔ جب رپورٹ کی گئی تو پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر نے کمشنر کو لکھا کہ تحقیقات کر کے فیصلہ کرو جھگڑا لمبا ہو رہا ہے۔ادھر سے اُس پارٹی کے افراد نے رپورٹ کرنی شروع کر دی کہ راجہ پاگل ہو گیا ہے تاکہ راجہ کی باتوں کا ازالہ ہو آخر دونوں طرف کی رپورٹوں پر کمشنر ایک دن سِول سرجن کو ساتھ لے کر چلا۔چونکہ دوسرے فریق نے خود اس بات کو مشہور کیا تھا اس لئے اسے بھی خیال تھا کہ کمشنر آجائے گا۔انہوں نے پہلے سے ایسا انتظام کیا ہؤا تھا کہ دفتر سے پتہ لگ جائے کہ کمشنر کب چلا ہے۔چنانچہ انہیں پتہ لگ گیا کہ کمشنر فلاں دن آرہا ہے انہوں نے آدمی مقرر کر دیئے کہ جب اس کی سواری قریب پہنچے تو اشارہ کر دیا جائے کہ کمشنر آرہا ہے اور پھر اندر بھی انہوں نے انتظام کیا ہؤا تھا۔راجہ تخت پر بیٹھا ہؤا اپنے دبدبہ اور شان کا اظہار کر رہا تھا کہ میں تم لوگوں کو سیدھا کروں گا اور تمہیں یوں سزا دوں گا۔اور اُدھر انہوں نے اُس چپڑاسی کو جو چوری[1] جھل رہا تھا اپنے ساتھ ملایا ہؤا تھا اور اس کو سکھایا ہؤا تھا کہ جونہی ہم اشارہ کریں تو کان میں جُھک کر راجہ کو ایک بڑی گندی گالی دے دینا۔بس اِدھر انہوں نے اشارہ کیا کہ کمشنر صاحب آرہے ہیں اور ادھر اُس چوری بردار نے جُھک کر ایک بڑی گندی گالی

راجہ کے کان میں دے دی۔ تم سمجھ لو کہ ایک چپڑاسی چوری بردار ایسی حرکت کرے تو راجہ کی کیا حالت ہوگی وہ واقعہ میں پاگل ہوجائے گا چنانچہ وہ بے تحاشا اُٹھا اور اُس نے ہاتھ اور پاؤں سے اُسے مارنا شروع کر دیا۔ دوسرے لوگ تو چاہتے تھے کہ اس نظارہ کو وسیع کریں چنانچہ دوسری پارٹی میں جو لوگ شامل تھے وہ آگے بڑھے اور انہوں نے کہا حضور! اس کا کوئی قصور نہیں، حضور! اس پر ایسی سختی نہیں کرنی چاہئے۔ اسے اور غصہ آیا اور اُس نے اُن کو بھی مارنا شروع کر دیا۔ اتنے میں کمشنر اور سِول سرجن اندر داخل ہوئے اور سارے درباری ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے کہ حضور! روز ہمارے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے، چنانچہ رپورٹ ہوگئی کہ راجہ پاگل ہوگیا ہے اور اس کا بیٹا قبول کر لیا گیا جو بڑا ہو کر ریاست کا حکمران بنا غرض یہ یہ کارروائیاں دربارِ خاص میں ہوتی تھیں۔

بیگمات کے جوڑ توڑ

پھر دُنیوی بادشاہوں کے دربارِ خاص میں جوڑ توڑ کے جو نتائج پیدا ہوتے تھے وہ زیادہ تر شہزادوں اور بیگمات کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے کیونکہ اُس زمانہ کے لحاظ سے شہزادے اور بیگمات حکومت کے حق دار سمجھے جاتے تھے بلکہ بہت سے ملکوں میں تو بیگمات کو اب بھی حکومت میں حصہ دار سمجھا جاتا ہے۔ آج تک انگلستان میں ملکہ تخت نشینی کے وقت بادشاہ کے ساتھ بیٹھتی ہے اور اُس کو ملک کا حصہ دار سمجھا جاتا ہے اور شہزادوں میں سے ہر شہزادہ خود بادشاہت حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا تھا۔ ایک کہتا تھا کہ میرا بڑا بھائی جو اتفاقاً مجھ سے بارہ مہینے پہلے پیدا ہوا ہے بادشاہ بن جائے گا۔ اگر بارہ مہینے پہلے میں پیدا ہوتا تو میں بادشاہ بن جاتا، چنانچہ وہ کہتا ہے اس کو مارو میں بادشاہ ہو جاتا ہوں۔ اگلا کہتا ہے اس کو مارو میں ہو جاتا ہوں۔ شاہجہان کے زمانہ میں اس کی زندگی میں ہی بیٹوں نے کہا کہ یہ تو نہ معلوم کب مرے پہلے اپنے لئے میدان تیار کرو۔ چنانچہ داؔرا اور مراؔد اور شجاؔع اور اورنگ زیبؔ نے لڑ لڑا کر اپنے باپ کی حکومت کو ختم کر دیا بادشاہ کی تخت نشینی کی جو ساری مدت بتائی جاتی ہے اس میں سے پچاس فی صدی زمانہ ایسا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بادشاہ سلامت اتنا عرصہ قید رہے۔

قرآنی دربارِ خاص کی نرالی شان

ان دُنیوی بادشاہوں کے دربارِ خاص کے مقابلہ میں مَیں نے قرآنی دربارِ خاص کو دیکھا تو مجھے اس کی شان ہی اور نظر آئی۔ مَیں نے دیکھا کہ یہ بادشاہ جو قرآنی دربارِ خاص کا مالک تھا اولاد

اور بیویوں سے بالکل آزاد تھا اس لئے یہاں اس قسم کے جوڑ توڑ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ نہ اس بات کا کوئی سوال تھا کہ درباریوں کی محبت اور درباریوں کے اخلاص کو بانٹنے والے لوگ دنیا میں موجود ہیں اور نہ اس بات کا کوئی سوال تھا کہ وہ بیٹھا ہؤا مخاطب ہم سے ہے اور غرض یہ ہے کہ ہم سے کام لے کر اپنے بیٹے کی عزّت بڑھائے۔ اس دربار میں وہ جو بھی عزّت دیتا تھا وہ ہمارے لئے ہی ہوتی تھی کوئی اور اس کو نہیں چھین سکتا تھا، چنانچہ قرآن کریم اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے وَقُلِ الْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْوَلَدًاوَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا [۲]

خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور حمد کا گہرا تعلق

دیکھو شرک ایک بڑی اہم چیز ہے اور تمام اسلام کی بنیاد اس کے ردّ پر ہے، تمام مذاہب کی بنیاد اس کے ردّ پر ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ شرک کی تردید کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا کیا تعلق ہے؟ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تو انسان اسی صورت میں کہہ سکتا ہے جب اس کا نتیجہ ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ اگر ایک خدا ہونے سے ہمیں کوئی خاص فائدہ پہنچتا ہے تو پھر بے شک ہم کہیں گے اَلْحَمْدُلِلّٰہِ خدا ایک ہے ورنہ جہاں تک خدا کے ایک ہونے کا سوال ہے یہ ایک صداقت ہے جسے ماننا پڑتا ہے مثلاً سورج ایک ہے کہنا پڑتا ہے کہ ایک ہے۔ سامنے پہاڑ ہو ماننا پڑے گا کہ پہاڑ ہے مگر یہ تو نہیں کہیں گے کہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ یہ پہاڑ ہے کیونکہ ہمارے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن اگر ہمیں گرمی لگ رہی ہو اور اُس وقت ٹھنڈی ہوا چل پڑے تو ہم کہیں گے اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہم خالی ہوا کے چلنے پر اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہہ رہے ہیں بلکہ ہم ہوا کے اُس اثر پر اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہتے ہیں جو ہم پر پڑتا ہے اسی طرح یہاں فرماتا ہے۔ وَقُلِ الْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْوَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ

شکر ہے خدا کا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیوی، نہیں تو ہمارے دربارِ خاص کا بھی وہی حال ہوتا جو دُنیوی درباروں کا ہوتا ہے کہ قربانیاں ہم کرتے اور بادشاہ کہتا کہ بیٹے صاحب کو تخت دے دیا جائے یا بیوی صاحبہ کی خوشامد کرنی پڑتی جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔؎

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں
مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

بادشاہوں کے لئے اپنی جانیں قربان کرنیوالوں کا حسرتناک انجام

درباریوں کو ہر وقت یہی مصیبت رہتی تھی کہ اِدھر بیویوں کو خوش کرو اور اُدھر شہزادوں کو خوش کرو گویا قربانیاں کرنے والے اَور، مرنے والے اَور، جہاد کرنے والے اَور، اپنے مال اور جائدادیں لُٹانے والے اَور، اور بادشاہت کرنے والے شہزادے اور بیگمات ۔ تو فرماتا ہے اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْوَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ دنیا میں قاعدہ یہ ہے کہ جو بادشاہ ہوتے ہیں ان کی اولادیں اور ان کی بیویاں سارا حق لے جاتی ہیں اور قربانیاں کرنے والے ہمیشہ وفادار غلام کہلاتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تُو کہہ دے میں اس بادشاہ کا غلام ہوں کہ لَمْ یَتَّخِذْوَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ جس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے؟ اس لئے نہ تو اس کی محبت مجھ میں اور ان میں تقسیم ہے، نہ مجھے دو مالکوں کے خوش کرنے کی ضرورت ہے ایک ہی خدا ہے جس سے میرا واسطہ ہے اور اس کی محبت کسی اور کے ساتھ بٹی ہوئی نہیں خالص میرے لئے ہے۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ پھر درباریوں میں سے بعض لوگ بڑی بڑی عزتیں پا جاتے ہیں اور وہ دربار میں خاص عزّت پا جانے کی وجہ سے بادشاہ پر ایسے حاوی ہو جاتے ہیں کہ بادشاہ سمجھتا ہے کہ بغیر ان کی مدد کے میرا کام نہیں چل سکتا لیکن ہمارا بادشاہ اس قسم کا نہیں اس کے دربار میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ ہمارا خدا اس بات کی احتیاج رکھتا ہو کہ وہ اس کی مدد کرے اسی لئے فرماتا ہے وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا اب تُو نڈر ہو کر خدائے واحد کی تکبیر کر کیونکہ اور کوئی شریک نہیں جو تجھ سے مطالبہ کرے کہ تھوڑی سی تکبیر میری بھی کر لیا کر۔ اس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی اور نہ کوئی شریک ہے۔ وہاں تو ڈرتے ہیں کہ بادشاہ کی تعریف کی تو ولیعہد ناراض ہو جائے گا ولیعہد کی تعریف کی تو چھوٹا شہزادہ ناراض ہو جائے گا یہ ایک ہی دربار ہے جو ان سارے جھگڑوں سے آزاد ہے۔

خوشامد، جھوٹ اور مداہنت کے اڈّے

حقیقت یہ ہے کہ دُنیوی بادشاہوں کے دیوانِ خاص میں یہ تین لہریں ہی پسِ پردہ چلتی ہیں، بیٹے اپنا رُسوخ چاہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ بِلا استحقاق حکومت ان کی ہو اور قربانی دوسروں کی، بیویاں علاوہ اپنے نفوذ کے اپنی اپنی اولاد کی تائید میں امراء کو کرنا

چاہتی ہیں۔ ایک کہتی ہے امراء میرے بیٹے کی طرف ہو جائیں اور دوسری کہتی ہے کہ میرے بیٹے کی طرف ہو جائیں۔ غدر کا سارا جھگڑا اِسی وجہ سے ہؤا کہ بعض بیگمات کہتی تھیں ہمارا بیٹا تخت نشین ہو جائے اور دوسری کہتی تھیں ہمارا ہو جائے۔ ظاہر میں بادشاہ کی خدمت کا دعویٰ ہوتا تھا لیکن باطن میں کسی خاص شہزادہ یا ملکہ کی امداد کا دم بھر رہے ہوتے تھے اور پھر ایک دوسرے کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتے تھے۔ قربانی اور اخلاص کی قدر نہیں ہوتی تھی خوشامد اور جھوٹ کی قدر ہوتی تھی یا بعض دفعہ کوئی جابر امیر بادشاہ پر حاوی ہو جاتا تھا اور درباریوں کو اسے خوش کرنے کی فکر رہتی لیکن قرآن کے دربارِ خاص میں یہ باتیں نہیں وہاں نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیوی، نہ کوئی جابر حاکم ہے بلکہ خالص خدا ہے جس کی نہ چُغلی کی جاسکتی ہے نہ غیبت کی جاسکتی ہے نہ کسی اَور کو خوش کرنے کے لئے اس سے مداہنت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا بادشاہ

پھر دُنیوی بادشاہوں کی اولاد ان کی موت کی متمنی ہوتی تھی اور چاہتی تھی کہ یہ مریں تو ہم بادشاہ ہو جائیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بادشاہ ایک شخص کو کوئی عُہدہ دیتا تھا لیکن دوسرے دن بادشاہ فوت ہو جاتا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوتا اور وہ اسے ذلیل کر دیتا، لیکن ہمارے دربار خاص میں بیٹھنے والا بادشاہ فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ [۳]

تمہارا بادشاہ وہ ہے جو زندہ ہے کبھی مرنے والا نہیں اس لئے تم کو ڈرنا نہیں چاہئے اس کی طرف سے جو رُتبہ تمہیں ملے گا اُسے کوئی چھینے گا نہیں۔

دُنیوی خطابات کا انجام

دیکھو انگریزوں نے لوگوں کو خطابات دیئے تھے مگر اب ہندوستان اور پاکستان میں روزانہ اعلان ہوتے ہیں کہ ہم ان خطابات کو چھوڑتے ہیں۔ صرف چند ڈھیٹ ابھی تک ہندوستان میں بھی اور پاکستان میں بھی ایسے ہیں جو ان خطابوں سے چمٹے بیٹھے ہیں ورنہ باقی سب اپنی اپنی قوم کو خوش کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں کہ مَیں نے ''خان بہادر'' کا خطاب چھوڑا، مَیں نے فلاں خطاب چھوڑا، میں نے ''جی۔سی۔آئی۔ای'' کا خطاب چھوڑا مَیں نے فلاں خطاب چھوڑا یہ سب لعنتی چیزیں ہیں۔ پہلے انہی خطابوں کے لئے خوشامدیں کرتے پھرتے تھے اور اب لعنتی چیزیں بن گئیں کیونکہ بادشاہت بدل گئی یا بادشاہ کی جگہ اس کا بیٹا آ گیا تو پھر بیٹے کی پارٹی برسرِ اقتدار آ جاتی ہے اور

باپ کی پارٹی رہ جاتی ہے۔لیکن اَللّٰہُ لَآاِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کہنے والا فرماتا ہے تمہیں گھبراہٹ کیوں ہو، تمہیں خطرہ کیوں گزرے، تمہارا دل کیوں دھڑکے، تمہارا جس بادشاہ سے تعلق ہے وہ جو خطاب بھی تمہیں دے گا وہ چلتا چلا جائے گا اس کو کوئی دوسرا بادشاہ بدلنے والا نہیں کیونکہ کوئی نئی حکومت نہیں آئے گی۔

بادشاہوں کے خلاف دربارِخاص میں منصوبے

پھر درباروں میں سازشوں کی وجہ سے یہ بھی ہوتا تھا کہ لوگ چوری چُھپے باتیں کرتے رہتے تھے یعنی بادشاہ کے سامنے تو قصیدے پڑھے جا رہے ہوتے تھے اور گھروں میں یا مجلسوں میں یہ کہا جاتا تھا کہ دیکھو! بادشاہ نے فلاں بات کی ہے اور ہمارے حقوق اس نے تلف کر دیئے ہیں اب اس اس طرح ہم کو فریب کرنا چاہیئے، یہ یہ چالاکیاں کرنی چاہئیں یہ دُنیوی بادشاہوں کے دربارِخاص کے نقائص ہوا کرتے تھے اس دربارِخاص کو میں نے دیکھا تو اس کے متعلق لکھا تھا لَایَعْزُبُ عَنْہُ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَآاَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآاَکْبَرُاِلَّافِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ؎

فرماتا ہے اس قرآنی دربارِخاص کا بادشاہ عالم الغیب ہے اس کا دیا ہوا انعام راستہ میں کہیں غائب نہیں ہوسکتا۔ یہاں تو یہ تھا کہ بادشاہ نے خلعت پہنایا اور گھر پہنچنے سے پہلے پہلے راستہ میں کسی نے خنجر مار دیا گویا انعام تو ملا مگر انعام سے وہ فائدہ نہ اُٹھا سکا مگر یہ وہ بادشاہ ہے کہ چونکہ یہ عالم الغیب ہے اس لئے جس شخص کو یہ انعام دیتا ہے اس کی نگرانی بھی کرتا ہے کہ انعام اس کو پہنچ جائے اور خواہ کوئی کتنا زور لگالے، کتنی ہی طاقت خرچ کر لے وہ اس خطاب سے محروم نہیں ہوسکتا وہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے اس کو کون لے سکتا ہے مگر دُنیوی بادشاہوں کی دی ہوئی چیز تو بسا اوقات ضائع ہو جاتی ہے بلکہ بعض دفعہ وہ آپ بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر دوسروں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

ایک مشہور تاریخی واقعہ

ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے شبلیؒ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں یہ امیر گھرانے کے تھے اور بغداد کے بادشاہ کے گورنر تھے۔ وہ کسی کام کے متعلق بادشاہ سے مشورہ کرنے کے لئے اپنے صوبہ سے دارالحکومت میں آئے۔ اُنہی دنوں ایک کمانڈر انچیف ایران کی طرف سے ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا جس سے کئی فوجیں پہلے شکست کھا چکی تھیں اُس نے دشمن کو شکست دی اور ملک کو دوبارہ مملکت

میں شامل کیا۔ جب وہ واپس آیا تو بغداد میں اس کا بڑا بھاری استقبال کیا گیا اور بادشاہ نے بھی ایک دربارِ خاص منعقد کیا تا کہ اُسے انعام دیا جائے اور اُس کے لئے ایک خلعت تجویز کیا جو اُس کے کارناموں کے بدلہ میں اسے دیا جانا تھا مگر بدقسمتی سے سفر سے آتے ہوئے اُسے نزلہ ہو گیا دوسری بدقسمتی یہ ہوئی کہ گھر سے آتے ہوئے وہ رومال لانا بھول گیا۔ جب اُس کو خلعت دیا گیا تو دستور کے مطابق اس کے بعد اُس نے تقریر کرنی تھی کہ مَیں آپ کا بڑا ممنون ہوں آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اور میری تو اولاد دراولاد اس چار گز کپڑے کے بدلے میں آپ کی غلام رہے گی۔ مگر جب وہ تقریر کے لئے آمادہ ہو رہا تھا تو یکدم اُسے چھینک آئی اور ناک سے بلغم ٹپک پڑا۔ بلغم کے ساتھ اگر وہ تقریر کرتا تو شاید قتل ہی کر دیا جاتا اُس نے گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر ہاتھ مارا جب دیکھا کہ رومال نہیں ملا تو نظر بچا کر اسی جُبّہ سے اُس نے ناک پونچھ لی۔ بادشاہ نے اسے دیکھ لیا وہ کہنے لگا اُتارلو اِس خبیث کا خلعت۔ یہ ہماری خلعت کی ہتک کرتا ہے اور ہمارے دیئے ہوئے تحفہ سے ناک پونچھتا ہے۔ اس نے یہ کہا اور شبلیؒ نے اپنی کُرسی پر چیخ ماری اور رونا شروع کر دیا چونکہ دل میں نیکی تھی اور تقویٰ تھا، خدا نے اُن کی ہدایت کے لئے ایک موقع رکھا ہؤا تھا انہوں نے چیخ ماری تو بادشاہ نے کہا خفا ہم اس پر ہوئے ہیں تم کیوں روتے ہو۔ وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا بادشاہ میں اَپنا استعفاء پیش کرتا ہوں ۔ بادشاہ نے کہا یہ کیا بے وقت کی راگنی ہے کیا ہؤا تم کو اور کیوں تم استعفاء پیش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا بادشاہ میں یہ کام نہیں کرسکتا اس نے کہا آخر ہؤا کیا؟ انہوں نے روتے ہوئے کہا کہ یہ شخص آج سے دو سال پہلے اس جگہ سے نکلا تھا اور ایک ایسی مُہم پر بھیجا گیا تھا جس میں ملک کے بڑے بڑے بہادر جرنیل شکست کھا کر آئے تھے اور ایک ایسے علاقہ کی طرف بھیجا گیا تھا جس کا دوبارہ فتح کرنا بالکل ناممکن سمجھا جاتا تھا یہ دو سال باہر رہا یہ جنگلوں میں گیا، یہ پہاڑوں میں گیا اور اِس نے دشمن سے متواتر لڑائیاں کیں، یہ ہر روز مرتا تھا، ہر صبح مرتا تھا، اور ہر شام مرتا تھا ہر شام اِس کی بیوی سوچتی تھی کہ صبح میں بیوہ ہو کر اُٹھوں گی اور ہر صبح جب وہ اُٹھتی تھی تو خیال کرتی تھی کہ شام مجھ پر بیوگی کی حالت میں آئے گی، ہر شام اس کے بچے سوتے تھے تو سمجھتے تھے کہ صبح ہم یتیم ہوں گے اور ہر صبح اس کے بچے اُٹھتے تھے تو وہ خیال کرتے تھے کہ شام کو ہم یتیم ہوں گے، ایک متواتر قربانی کے بعد اس نے اتنا بڑا ملک فتح کیا اور آپ کی مملکت میں لا کر شامل کیا اس کے بدلہ میں آپ نے اس کو چند گز کپڑا دیا جس کی حیثیت ہی کیا تھی مگر محض اس لئے کہ اس

نے مجبوراً اس خلعت سے ناک پونچھ لیا آپ اس پر اتنا خفا ہوئے۔ پھر میں کیا جواب دوں گا اُس خدا کے سامنے جس نے مجھے یہ جسم ایسا دیا ہے جس کو کوئی بادشاہ بھی نہیں بنا سکتا، جس نے مجھے یہ خلعت دی ہے اور میں اس کو تیری خاطر گندہ کر رہا ہوں مَیں اس کے متعلق اپنے خدا کو کیا جواب دونگا؟ یہ کہہ کر وہ دربار سے نکل گئے مگر وہ اتنے ظالم اور جابر تھے کہ جب مسجد میں گئے اور انہوں نے کہا کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں تو ہر ایک نے یہی کہا کہ کم بخت! کیا شیطانوں کی توبہ بھی کہیں قبول ہوسکتی ہے نکل جا یہاں سے۔

توبہ کی قبولیت

انہوں نے ہر جگہ پھرنا شروع کیا مگر کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ان کی توبہ قبول کرے۔ آخر وہ جنید بغدادیؒ کے پاس پہنچے کہ اِس اِس طرح مجھ سے قصور ہوئے ہیں اور اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں قبول ہوسکتی ہے مگر ایک شرط پر۔ پہلے اسے مانو۔ شبلی نے کہا مجھے وہ شرط بتائیں میں ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے کہا اُس شہر میں جاؤ جہاں تم گورنر رہے ہو اور ہر گھر پر دستک دے کر کہو کہ میں تم سے معافی مانگتا ہوں اور جو جو ظلم تم نے کئے تھے ان کی لوگوں سے معافی لو۔ انہوں نے کہا منظور ہے چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے ہر دروازہ پر دستک دینی شروع کر دی جب لوگ نکلتے وہ کہتے کہ مَیں شبلی ہوں جو یہاں کا گورنر تھا مَیں قصور کرتا رہا ہوں، خطائیں کرتا رہا ہوں اور تم لوگوں پر ظلم کرتا رہا ہوں اب میں اس کی معافی طلب کرتا ہوں۔ لوگ کہہ دیتے کہ اچھا ہم نے معاف کر دیا لیکن نیکی کا بیج ہمیشہ بڑھتا اور رنگ لاتا ہے دس بیس گھروں سے گزرے تو سارے شہر میں آگ کی طرح یہ بات پھیل گئی کہ وہ گورنر جو کل تک اتنا ظالم مشہور تھا وہ آج ہر دروازہ پر جا جا کر معافیاں مانگ رہا ہے اور لوگوں کے دلوں میں روحانیت کا چشمہ پُھوٹا اور انہوں نے کہا ہمارا خدا کتنا زبردست ہے کہ ایسے ایسے ظالموں کو بھی نیکی اور توبہ کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ پھر تو یہ ہؤا کہ شبلیؒ جنیدؒ کے کہنے کے ماتحت ننگے پاؤں ہر دروازہ پر جا کر دستک دیتے تھے لیکن بجائے اس کے کہ دروازہ کُھل کر شکوہ اور شکایت کا دروازہ کُھلتا اندر سے روتے ہوئے لوگ نکلتے اور کہتے تھے کہ آپ ہمیں شرمندہ نہ کریں آپ تو ہمارے لئے قابلِ قدر وجود ہیں اور ہمارے روحانی بزرگ ہیں آپ ہمیں اس طرح شرمندہ نہ کریں۔ غرض سارے شہر سے انہوں نے معافی لی اور پھر وہ جنیدؒ کے پاس آئے اور انہوں نے توبہ قبول کی اور انہیں اپنے شاگردوں میں شامل کیا اور اب وہ

مسلمانوں کے بڑے بڑے اولیاء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے عطیہ کی بے حُرمتی

تو دیکھو! شبلی کو کس بات سے ہدایت ملی؟ اس بات سے کہ خدا نے ہم کو کیا کچھ دیا ہے جس کو ہم گندہ اور ناپاک کر رہے ہیں مگر بادشاہ اس دربارِ خاص میں چند گز ریشم کا ٹکڑا چند سنہری تاگے لگے ہوئے یا چند موتی اور ہیرے جڑے ہوئے دیتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ لوگ خود چاہیں تو اس سے بہتر خلعت بنا سکتے ہیں مگر اس لئے کہ ان کی ہتک ہوگئی وہ انہیں ذلیل کر دیتا ہے۔ غرض ان خدمات کے بدلہ میں جو کچھ ملتا تھا وہ اتنا حقیر ہوتا تھا کہ اس کا خیال کر کے بھی انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کیا انسان اتنا بھی ذلیل ہو جاتا ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے پیچھے دَوڑتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعامات ملتے ہیں ان میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ کبھی واپس نہیں ہو سکتے اور جس کو انعام ملتا ہے اس کی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اس کی ہتک کرے بلکہ وہ ہمیشہ اس کی عزت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غیر متبدّل انعامات

دنیا میں کوئی ایک لاکھ بیس ہزار نبی جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے گزرا ہے[۵] اور معلوم نہیں کتنی دنیائیں ہیں اور کتنے اور نبی ہوں گے۔ درجنوں پیغمبروں کے حالات تو ہمیں بھی معلوم ہیں مگر کیا تم نے کبھی سُنا کہ فلاں وقت میں فلاں پیغمبر صاحب کے مستعفی ہونے کا وقت آ گیا اور انہیں کہا گیا کہ آپ اب استعفاء دیدیں یا کبھی تم نے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر خفا ہو کر کہا کہ اُتارلو اس کا خلعتِ پیغمبری اور اُس نے اسے چھوڑ دیا ہو۔ اس دربار میں سے جس کو ملتا ہے ہمیشہ کے لئے ملتا ہے اور جس کو ملتا ہے اس کے دل میں اپنے اس عُہدہ کی اتنی عظمت ہوتی ہے اور اتنی قدر ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کی قدر کرنے میں اس کی اس طرح مدد کرتا ہے کہ وہ اس عُہدہ کو کبھی نہیں چھوڑتا اور نہ اس کی ہتک کرتا ہے۔

الٰہی دربار میں کسی چھوٹے سے چھوٹے درباری کی ہتک بھی برداشت نہیں کی جاسکتی

پھر مَیں نے دیکھا کہ دُنیوی بادشاہوں کے دیوانِ خاص میں جو امراء ہوتے ہیں ان میں باہم رقابتیں اور بُغض اور کینے پائے جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس الٰہی دربار میں اگر کوئی

بڑا ہے تو بڑے نے چھوٹے پر کیا حسد کرنا ہے وہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کسی چھوٹے کی ہتک ہو جائے یا اس کی کسی رنگ میں تنقیص کی جائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان جن کے مقابلہ میں موسیٰؑ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے تھے، جن کے مقابلہ میں ابراہیمؑ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے تھے، جن کے مقابلہ میں نوحؑ کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے، ان موسیٰؑ اور ابراہیمؑ اور نوحؑ سے کم درجہ رکھنے والوں اور موسیٰ کے ماتحت نبیوں میں سے ایک یونسؑ نبی ہیں کوئی یہودی کسی جھگڑے میں کہہ دیتا ہے کہ یونسؑ بڑا آدمی تھا مسلمان آگے سے کہہ دیتا ہے محمد رسول اللہ کے مقابلہ میں یونس کی کیا حقیقت ہے۔ اب بجائے اس کے کہ دربارِ خاص کا آدمی خوش ہو کہ میری عزت کی گئی ہے جب اس کو خبر پہنچتی ہے تو اس کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے۔ **لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ ابْنِ مَتّٰی** [۶]

یونس ابن متّٰی پر مجھے فضیلت نہ دیا کرو حالانکہ فضیلت ہے لیکن کسی درباری کی وہ ہتک برداشت نہیں کرتا وہ کہتا ہے چاہے وہ چھوٹا ہی سہی پر تم نے کیوں اس کو چھوٹا کہا؟ تمہارا کام یہی ہے کہ اس کی عزّت کرو کیونکہ وہ خدا کے درباریوں میں سے ہے۔

ابوالبشر آدم کی پیدائش پر دربارِ خاص کا انعقاد

اب میں ایک دربارِ خاص کا ذکر کرتا ہوں جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَاءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّامَاعَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۔ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ ج فَلَمَّآ اَنْبَاَ ھُمْ بِاَ سْمَائِھِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَاکُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ۔** [۷]

فرمایا دربارِ شاہی لگا اور ملائکہ جمع ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقام ایک شخص کو عطا کیا تھا جس کی توثیق کی جانی تھی اور جس کے متعلق اس دربار میں آخری اعلان کرنا تھا۔ وہ مقام ابوالبشر آدم کے لئے تجویز کیا گیا تھا جسے عالم انسانی میں جلوۂ الٰہی کی ایک نئی تجلّی کے ظاہر کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ملائکہ نے اس بات کی ابتدائی خبر سن کر کہا کہ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس انسان کی ضرورت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم تمہیں اس کی ضرورت عملی طور پر دکھا دینگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام تجلیات جن کو وہ نئی شکل میں دکھانا چاہتا تھا آدم کے اندر ودیعت کر دیں اور پھر آدم کو ان کے سامنے بُلایا اور وہ تجلیات اس میں سے ظاہر ہوئیں جس طرح

فلم چلتی اور اس میں سے تصویریں نکلتی ہیں اسی طرح آدم کے وجود سے ان تجلّیات کا ظہور شروع ہؤا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ اگر تمہارا دعویٰ صحیح تھا تو تم مجھے بتاؤ کہ کیا تم ان تجلّیات کی پوری کیفیت بیان کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا اے خدا! تو پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی آتا ہے جتنا تو نے ہمارے اندر رکھا ہے تو سب کچھ جانتا ہے اور تیرے سارے کام حکمت پر مبنی ہیں جس کے سپرد تو کوئی کام کرتا ہے اُس کی طاقتیں بھی اس کے اندر ودیعت کر دیتا ہے۔ پھر فرمایا اے آدم! ہم نے جو علم تیرے اندر رکھے ہیں اور جو تجلیات تم سے ظاہر ہونے والی ہیں اُن کو ظاہر کرو۔ چنانچہ آدم نے ان تجلیاتِ مخفیہ کو اور ان صفاتِ انسانیہ کو جو اس کے لئے مخصوص تھیں ظاہر کیا پھر فرمایا اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَاکُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ۔

میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ مجھے زمین وآسمان کی وہ باریک باتیں معلوم ہیں جو تم معلوم نہیں کر سکتے اور ایک ایسے نئے وجود کی ضرورت ہے جو میرے ان علوم کو ظاہر کر سکے جو تم پر ظاہر نہیں ہو سکتے۔

آدم کی اہلیت کا اعلان

یہ ایک دربار ہے جو اللہ تعالیٰ نے لگایا اس دربار کی غرض آدم کو مقامِ انسانیت پر فائز کرنا یعنی اسے ابوالبشر بنانا تھا گویا یہ نہایت ہی اعلیٰ درباروں میں سے ایک دربار ہے گورنر کا تقرر ہو رہا ہے، بادشاہ بیٹھا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ اس پر یہ یہ ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں اور پھر بتایا جا رہا ہے کہ یہ ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے قابل ہے۔ دنیا کے درباروں میں تو جب کوئی کمانڈر مقرر کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ہمیں تمہاری وفاداری سے امید ہے کہ تم ہماری خواہشوں کو پورا کرو گے لیکن یہاں کہا جاتا ہے ہم نے اس کو مقرر کیا ہے اور ہم نے اس کا انتخاب غلط نہیں کیا جو کام ہم نے اس کے سپرد کیا ہے اس کا یہ اہل ہے اور یہ اسے کر کے دکھا دیگا۔

ظرفِ صحیح کے انتخاب کی اہمیّت

گویا خلاصہ اس دربار کا یہ تھا کہ ایک نیا گورنر مقرر ہو رہا تھا دوسرے درباری اس انتخاب کی وجہ سمجھنا چاہتے تھے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ سب علم ہماری طرف سے آتا ہے مگر اسے حاصل ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق کرتا ہے اور اگر ایک چوکونہ برتن ہوگا تو اس کے اندر جو پانی ہوگا وہ چوکونہ ہوگا، اگر ایک گول برتن ہوگا تو اس کے اندر پڑا ہؤا پانی بھی گول ہو جائے گا، اگر ہم پانی کو چوکونہ شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں تو گول شکلوں والے کتنے بھی برتن ہمارے

پاس لائے جائیں ہم کہیں گے یہ اس قابل نہیں کیونکہ ہم نے اس کو چوکونہ شکل دینی ہے۔ یا اگر فرض کرو کسی ایسی شکل میں ہم اس کو دیکھنا چاہتے ہیں جیسے تکون ہوتی ہے تو بے شک چار گوشیہ برتن لائے جائیں اور کہا جائے کہ ان میں پانی پڑ سکتا ہے ہم کہیں گے پڑ سکتا ہے مگر ہم نے اس کو دیکھنا سہ گوشہ ہے۔ یا اگر ہماری غرض یہ ہے کہ جیسے ایک سینگ ہوتا ہے اسی طرح سینگ کی شکل میں پانی کو دیکھیں تو اس غرض کے لئے ہم اسی قسم کے برتن کو پسند کریں گے جو سینگ کی شکل کا ہوگا یا اگر قُلفی جمانی ہو تو اب قُلفی کی شکل چاہے قُلفی کی ہو چاہے جوتی کی، مزہ ایک جیسا ہی رہے گا مگر ہمارے ملک میں قُلفی کی شکل کا رواج ہے اب اگر قُلفی بنانی ہو اور کوئی کہے کہ ٹِفن کیریئر میں قُلفی جما لو تو دوسرا شخص کبھی نہیں بنائے گا وہ کہے گا قلفی لاؤ۔ مَیں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ اس کی کیا حکمت ہے؟ بہرحال جس نے کام کرنا ہو وہ جس شکل کو پسند کرتا ہے اس قسم کا ظَرف لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ یہاں سوال ظرف کا ہے ہم جن صفات کو دُنیا میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں وہ ظرف فرشتوں کا نہیں بلکہ آدم کا ہے۔

پھر انسان چیز بھی اپنے ظرف کے مطابق حاصل کرتا ہے اگر دو سیر والا ظرف ہوگا تو دو سیر چیز آئے گی، اگر چھ چھٹانک والا ظرف ہوگا تو چھ چھٹانک آئے گی، اگر ایک تولہ والا ظرف ہوگا تو ایک تولہ آئے گی۔ اِس نقطہ نگاہ سے بھی فرمایا کہ جس علم اور قانون کی اس وقت ضرورت ہے اس کا ظرفِ صحیح یہی آدم ہے چنانچہ دیکھو! اس شخص کو ہم نے سکھایا اور سیکھ گیا یہی ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ شخص قابل تھا اور فرشتے اِس جواب کو سن کر فوراً سرِتسلیم خم کر دیتے ہیں اور سب کی تسلی ہو جاتی ہے۔ پھر انہیں حُکم دیا جاتا ہے کہ اب گورنر کے احکامات کو رائج کرو چنانچہ فَسَجَدُوْا[۸] سارے کے سارے تعمیلِ حکم میں لگ گئے اور سب نے اس حکم پر لَبَّیْکَ کہا اور فرمانبرداری اور امداد شروع کر دی۔

ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ فرشتوں کے ہمدرد بن کر اس آیت پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو سکھایا تو وہ سیکھ گیا فرشتوں کو نہ سکھایا وہ نہ سیکھے اس میں فرشتوں کا قصور کیا ہؤا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اصل سوال یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی مختلف تجلّیات کے لئے مختلف آئینوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک تجلّی کا آئینہ آدم ہے۔ فرشتے معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ نئی تجلّی کیا ہوگی جو کہ آدم کے ذریعہ ہی ظاہر ہوسکتی ہے؟ خدا تعالیٰ نے وہ تجلّی آدم پر ڈالی اور اس نے اسے صحیح طور پر اخذ کر لیا اور پھر اس کو اپنے

جسم سے ظاہر کر دیا فرشتے خاموش ہو گئے اور کہا کہ ہم سمجھ گئے ۔ اصل مضمون نہیں بلکہ یہ سمجھ گئے ہیں کہ اس تجلی کا حامل آدم ہی ہوسکتا تھا ہم نہیں ہو سکتے تھے ۔

آدم کا کام اَور ہے اور فرشتوں کا کام اَور

اصل حقیقت تو وہ اب بھی نہیں سمجھے جس دن اصل حقیقت سمجھنے لگ جائیں گے اس دن وہ آدمی بن جائینگے آج بھی فرشتہ اصل حقیقت کو نہیں سمجھا مگر فرشتہ اتنا سمجھ گیا ہے کہ آدم کا کام اَور ہے اور میرا کام اَور ۔ اگر فرشتے اسے نئی تجلی نہ سمجھتے تھے اور اگر وہ یہی سمجھتے تھے کہ آدم کو سکھایا تو وہ سیکھ گیا تو مَیں ان داناؤں سے جو فرشتوں کے وکیل بنتے ہیں پوچھتا ہوں کہ ان کی عقل کیوں ماری گئی ۔ اگر سوال یہی تھا کہ اس کو سکھایا وہ سیکھ گیا تو فرشتے کیوں نہ بولے وہ چُپ کیوں ہو گئے ؟ ان کو کہنا چاہئے تھا کہ اس کو سکھایا یہ سیکھ گیا ہمیں سکھاتے تو ہم سیکھ جاتے مگر ان کی تو تسلی ہو گئی اور اس معترض کی ابھی تک تسلی نہیں ہوئی اور پچاس ساٹھ ہزار سال سے جو اسے شبہ پیدا ہؤا ہے وہ ابھی دُور نہیں ہؤا ۔

آدم سے مختلف تجلّیات کا ظہور

اصل سوال کرنے والوں کا بیان ہے کہ ان کے لئے یہ سوال حل ہو گیا کیونکہ وہ آگے سے نہیں بولے اور اسی لئے نہیں بولے کہ درحقیقت وہ احمق ہے جو سمجھتا ہے کہ یہاں انسانیت کے سمجھنے کا سوال تھا ۔ انسانیت کے سمجھنے کا سوال نہیں تھا بلکہ فرشتوں کا سوال یہ تھا کہ وہ تجلّی جو آپ ظاہر کرنا چاہتے ہیں آیا ہم اس کے حامل نہیں ہو سکتے ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں ہم تمہیں عملاً تجلّی کر کے دکھا دیتے ہیں اس تجلّی کے بعد تم خود فیصلہ کر لینا کہ تم اسے ظاہر کر سکتے ہو یا نہیں ۔ چنانچہ آدم سے مختلف تجلّیات کا ظہور ہؤا مثلاً ایک تجلی تو یہی ظاہر ہوئی کہ انسان دوزخ میں ڈالا گیا فرشتہ دوزخ میں جا ہی نہیں سکتا ۔ آخر ابوجہل وغیرہ دوزخ میں گئے ہیں یا نہیں فرشتہ اس تجلی کو برداشت ہی نہیں کر سکتا یہ قہری تجلّی تھی جس کو برداشت کرنے کی صرف آدم میں طاقت رکھی گئی فرشتہ اس تجلّی کا حامل ہو ہی نہیں سکتا تھا ۔ ملائکہ سے تعلق رکھنے والی تجلّیات اور رنگ کی ہیں ان تجلّیات کو ہم نہیں اُٹھا سکتے وہ فرشتوں کے لئے مخصوص ہیں اور ہمارے لئے انسان کی تجلّیات مخصوص ہیں ۔

پس فرشتوں کا یہ سوال ہی نہیں تھا کہ وہ کونسی تجلّی ہے جس کے اظہار کے لئے آدم پیدا کیا گیا ہے بلکہ ان کا سوال یہ تھا کہ ایسی کونسی تجلّی ہے جو آدم ہی اُٹھا سکتا ہے ہم نہیں اُٹھا سکتے ؟ جب

آدم نے مختلف قسم کے افعال کا ارتکاب شروع کیا کسی نے خدا کو گالیاں دینی شروع کیں، کسی نے اس سے کھیل اور تمسخر شروع کیا، کسی نے نماز کا انکار کیا، کسی نے روزہ کا انکار کیا، کسی نے حج کا انکار کیا، کسی نے زکوٰۃ کا انکار کیا، کسی نے چوری کی، کسی نے ڈاکہ ڈالا تو فرشتوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کہا کہ اس کے لئے یہ آدم ہی موزوں ہے ہم اس کے اہل نہیں اسی لئے قرآن کریم میں انسان کے متعلق ہی ظَلُوْمًا جَھُوْلًا [9] کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، فرشتوں نے کہا ہم ظَلُوْمًا جَھُوْلًا نہیں بن سکتے یہ آدمی ہی کی ہمّت ہے وہ بیشک ظَلُوْمًا جَھُوْلًا بنتا پھرے۔

پس سوال یہ نہیں تھا کہ وہ نئی تجلی کیا ہے جس کا آدم کے ساتھ تعلق ہے بلکہ سوال یہ تھا کہ آیا انسان ہی اس تجلّی کا حامل ہوسکتا ہے؟ فرشتے نہیں ہو سکتے؟ خدا تعالیٰ نے عملاً تجلّی ظاہر کر کے دکھا دی اور فرشتوں نے مان لیا کہ ہم میں اس کی اہلیت نہیں لیکن آج ہزاروں سال کے بعد ایک انسان اُٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ فرشتے بیوقوف تھے اُن بیوقوفوں کو سوال کرنا آیا تھا جواب سمجھنا نہیں آیا حالانکہ فرشتوں کا چُپ ہو جانا بتا تا ہے کہ فرشتوں کا یہ سوال تھا ہی نہیں کہ آپ ہمیں سکھاتے تو ہم بھی سیکھ جاتے بلکہ فرشتوں کا سوال یہ تھا کہ وہ کونسی تجلّی ہے جس کا حامل انسان ہوسکتا تھا ہم نہیں ہو سکتے تھے۔ خدا کے بتانے یا نہ بتانے کا ذکر نہیں تھا بلکہ اس تجلّی کے قابل وجود کا ذکر تھا۔

روحانی دربارِ خاص کی بعض مخصوص کیفیات

اب میں اس دربار کی بعض مخصوص کیفیات کا ذکر کرتا ہوں۔

اوّل اس دربار میں بھی بادشاہ کے گِرد کچھ درباری یعنی ملائکہ نظر آتے ہیں۔

دوم وہ درباری کُلی طور پر بادشاہ کے کمالِ علم کے قائل ہیں دُنیوی دربارِ خاص میں تو بسا اوقات کمانڈر سمجھتا ہے کہ بادشاہ اگر چھوٹی سے چھوٹی لڑائی کے لئے بھی جائے گا تو ہار جائیگا مگر اس دربار میں ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ بادشاہ جانتا ہے وہ میں نہیں جانتا۔

سوم وہ اس سے زیادتیٔ علم کے لئے بھی سوال کرتے رہتے ہیں گویا وہ صرف یہی نہیں جانتے کہ یہ ہر بات جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے بلکہ ان کے دل میں تڑپ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرتے جائیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق اپنے آپ کو مقامِ تکمیل تک پہنچائیں۔ فرشتہ اپنی ملکیت کے لحاظ سے کامل ہونا چاہتا ہے اور انسان اپنی انسانیت کے لحاظ سے کامل ہونا چاہتا ہے مگر ترقی بہرحال موجود ہے کیونکہ استاد موجود ہے جب تک استاد موجود رہے گا شاگرد اس سے نئی نئی چیزیں سیکھتا رہے گا۔

چہارم بادشاہ ڈنڈے سے ان کو سیدھا نہیں کرتا جیسے دنیا میں کیا جاتا ہے بلکہ ان پر حقیقت کو واضح کرتا ہے اوران کے سینوں کو روشنی بخشتا ہے۔

پنجم جب کسی نئے کام پر کسی کو مقرر کیا جاتا ہے تو تمام سامان اسے مہیا کر کے دیئے جاتے ہیں۔ دنیا میں تو یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بادشاہ کی طرف سے کسی کو مقرر کیا جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ اب فوج بھرتی کرو یا لڑائی کے لئے سامان مہیا کرو مگر وہاں ساری چیزیں وہ خود مہیا کر کے دیتا ہے۔

ششم اس دربار کے درباری ایسے ہیں کہ بجائے رقابت میں مبتلاء ہونے کے وہ افسر مقررہ کی پوری طرح اعانت کرتے ہیں اوراس سے مخلصانہ تعاون کرتے ہیں چنانچہ فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے کہ فَسَجَدُوْا جب انہیں تعاون کے لئے کہا گیا تو انہوں نے تعاون کرنا شروع کر دیا اور جس نے تعاون نہ کیا اُس کو خود بادشاہ نے سزادی اور اُس کی شرارت کو بے ضرر کر دیا۔

قرآن کریم میں ایک اَور دربارِخاص کا ذکر

اب میں ایک اور روحانی دربارِ خاص کاذکرکرتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-قُلْ اِنَّمَآ اَنَامُنْذِرٌ وَّمَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَابَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۔ قُلْ هُوَ نَبَؤٌاعَظِيْمٌ۔ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ۔ مَاكَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْيَخْتَصِمُوْنَ۔ اِنْ يُّوْحٰى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ اِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْالَهٗ سٰجِدِيْنَ۔فَسَجَدَالْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ۔اِلَّآاِبْلِيْسَ اِسْتَكْبَرَوَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۔ قَالَ يَآاِبْلِيْسُ مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ۔ قَالَ اَنَاخَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ۔ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ۔اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۔قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ۔ لَا مْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ قُلْ مَآاَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۔[۱۰]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عظمیٰ کا دربارِ خاص میں اعلان

اس جگہ پھر ایک آدم کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے مگر جیسا کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہے یہ آیات قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ یہاں وہ آدم مراد نہیں جس سے نسلِ بشر کا آغاز ہوا بلکہ اس جگہ آدم سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے چنانچہ دیکھو ان آیات کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ قُلْ اِنَّمَا اَنَامُنْذِ رٌوَّمَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

تُو ان سے کہہ دے کہ مَیں خدا کی طرف سے ایک تنبیہہ کرنے والے کی حیثیت سے آیا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد اور قہار ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے وہ آسمان اور زمین کا ربّ ہے اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کا بھی ربّ ہے اور وہ بڑا غالب اور بخشنے والا ہے۔ تُو کہہ دے کہ یہ ایک عظیم الشان چیز ہے جس سے تم اِعراض کر رہے ہو اور مجھے کیا خبر ہے کہ فرشتے آسمان پر کس کے تقرر کے بارہ میں بحثیں کر رہے تھے۔ مجھے آسمان سے وحی آگئی اور پتہ لگ گیا کہ مَیں خدا کی طرف سے نذیر ہوں۔ دیکھو! جب خدا نے فرشتوں کو بُلایا اور ان سے کہا کہ میں ایک بہت بڑے انسان کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو پیدا کرلوں اور وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے اور کلام الٰہی اس پر نازل ہو جائے تو تم فوراً اس کی مدد کرنے لگ جاؤ۔

اب دیکھو یہاں کسی پہلے آدم کا یا پیدائشِ عام کا ذکر نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کی بعثت کا ذکر ہے اور پھر جہاں یہ ذکر ختم ہوتا ہے وہاں بھی ان باتوں کو بیان کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ یعنی خدا نے کہا اور میں مقرر ہو گیا۔ مَیں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں۔ اگر ابوالبشر آدم کا یہاں ذکر ہوتا تو آدم کو کہنا چاہئے تھا کہ خدا نے مجھے خلیفہ بنایا ہے مگر بنایا آدم کو اور کہہ رہے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا ان دونوں کا آپس میں جوڑ کیا ہؤا اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آدم سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قرآنی اصطلاح میں آدم سے مراد

درحقیقت قرآن کریم میں آدم کا جو لفظ استعمال ہؤا ہے وہ خالی ایک نام نہیں بلکہ آدم ایک عُہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کیا جاتا ہے۔ اس عُہدہ کے لحاظ سے جو آدمی بھی اس پر مقرر ہو جائے وہ آدم کہلاتا ہے اور قرآن کریم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عُہدہ اُس شخص کو دیا جاتا ہے جس سے

کسی چیز کی ابتداء ہو۔ جب کوئی ایسا سلسلہ قائم کیا جائے کہ جس نے قیامت تک جاری رہنا ہو اور اس سے متواتر تنوع پیدا ہونا ہو اور نئی نسلیں پیدا ہونی ہوں تو اُس کا نام آدم رکھا جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک عظیم الشان آدم ہیں

آدم اوّل دورِ بشری کا آدم تھا جس سے نسلِ انسانی چلی اور کروڑوں کروڑ آدمی اس دنیا میں پھیل گئے۔ اس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک آدمؑ تھے جن سے ایک روحانی نسل کا آغاز ہؤا۔

جس طرح آدمؑ کے پیدا ہونے کے بعد جنّ اور بُھوت وغیرہ سب غائب ہو گئے اور انسانی نسل چل پڑی اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کے بعد پہلے سارے نبیوں کی نسلیں ختم ہوگئیں اور وہ بے اولاد ہو گئے گویا بعینہٖ اسی طرح ہؤا جس طرح وہاں ہؤا تھا۔ جس طرح وہاں صرف آدم کی نسل چلی اسی طرح یہاں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی نسل چلی اور باقی نسلیں منقطع ہو گئیں۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے آدمی تو دنیا میں کروڑوں کروڑ پھرتے ہیں، ان کی نسلیں منقطع کس طرح ہوئیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ آدمی وہ ہوتے ہیں جو زندہ ہوں جن کے اندر روحانیت نہیں، جن کے اندر خدا کا خوف نہیں، جن کا خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں، جن کو خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل نہیں حالانکہ یہی باتیں انسان کی پیدائش کا مقصد ہیں وہ آدمی کہاں ہیں؟ اب آدمی وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے کیونکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہے، باقی صرف جانوروں کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ خدا سے دُور ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو آدم قرار دینے میں حکمت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی جو آدم کا نام دیا گیا ہے وہ بھی اسی لئے ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے خَاتَمُ الخلفاء قرار دیا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اب جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا چاہے اس کے لئے آپ کی غلامی اختیار کرنا ضروری ہے۔ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص خدا تک پہنچنا چاہے تو وہ نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے کیونکہ اب وہی نسل سمجھی جاتی ہے باقیوں کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہیں ہی نہیں اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وہی محمد رسول اللہ

کے سچے متبع سمجھے جائیں گے جو مسیح موعود کو مانتے ہیں اسی لئے آپ کا نام بھی آدم رکھا گیا۔

بہرحال ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ مَیں خدا کا رسول ہوں اور میرے ساتھ بہت بڑے واقعات وابستہ ہیں۔ مَیں عالَمِ روحانی کی مکمل سکیم کے ماتحت پیدا کیا گیا ہوں اور جب دربارِ خاص میں فرشتے بحث کر رہے تھے تو میں اُس وقت موجود نہ تھا۔ اس دربار میں مجھے چُنا گیا اور آسمانی بادشاہت کے دشمنوں کے خلاف مجھے نذیر یعنی کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔

مَلَأِ اعلیٰ کے فرائض

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید روحوں کے اثرات آسمان پر جمع ہونے شروع ہوتے ہیں اور الٰہی احکام کے نازل ہونے سے پہلے ملائکہ بھی فطرتاً ایک معیّن وجود کی طرف مائل ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہمارے ہدایت کے کام کو آسان کرنے کے لئے اِس وجود کو مقرر فرما۔ گویا ملائکہ کے جہاں اور کام ہیں وہاں جیسے فون میں تم نے دیکھا ہوگا کہ جب کسی کو فون کیا جاتا ہے تو درمیان میں کنٹیکٹ (CONTACT) کرنے والے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ کنکشن کو فون کرنے والے کے ریسیور (RECEIVER) سے ملا دیتے ہیں جس سے دونوں کا آپس میں تعلق قائم ہو جاتا ہے اسی طرح قرآن کریم کی ان آیتوں سے پتہ لگتا ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک واسطہ ہے اور اس کنکشن بورڈ (CONNECTION BOARD) کا نام مَلَأِ اعلیٰ ہے۔ خدا تعالیٰ جب کوئی بات بندوں تک پہنچانا چاہتا ہے تو بخاری میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ پہلے وہ بات جبرئیل کو بتاتا ہے پھر وہ نچلے فرشتوں کو بتاتا ہے، پھر وہ اس سے نچلے فرشتوں کو بتاتے ہیں یہاں تک کہ وہ زمین تک پہنچ جاتی ہے گویا خدا جب کوئی بات دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے تو پہلے وہ مَلَأِ اعلیٰ کو بتاتا ہے۔ اسی طرح زمین سے آسمان پر جب کوئی بات جاتی ہے تو پہلے وہ مَلَأِ اعلیٰ میں جاتی ہے اور پھر وہ خدا کے سامنے پیش ہو کر آخری فیصلہ ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا انتخاب ہمیشہ قابلیّت کی بناء پر ہوتا ہے

اسی نُکتہ سے ہم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یونہی اندھا دُھند نبی بنا دیتا ہے یہ بات غلط ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا عاشق ہو گیا تھا۔ پنجابی شعر پڑھو تو ان میں یہی مضمون ہوتا ہے کہ ''او کملی والیا تیرے تے رب عاشق ہو گیا''۔ حالانکہ قرآن یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں جب خرابی پیدا ہوتی ہے تو فرشتے انسانی روحوں کے ساتھ چُھونا شروع

کرتے ہیں اور چُھو کرمحسوس کرتے ہیں کہ کس روح میں کیا قابلیت ہے؟ پھر وہ مختلف اثرات لے کر ریکارڈ روم میں جمع ہوتے ہیں اور اس میں ان کی توجہ ایک روح کی طرف مرکوز ہوتی چلی جاتی ہے اور آخر تمام روحوں میں سے جو مکمل روح انہیں نظر آتی ہے اس کے چُنے جانے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور ایک وجود پر ان کا اتحاد ہو جاتا ہے کہ یہ روح ہے جس سے ہماری روحیں ملتی جلتی ہیں۔ جب وہ یہ فیصلہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُس شخص کو خدمت کے لئے مقرر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے اسے ضرورت نہیں کہ وہ ایسا کرے لیکن چونکہ اُس نے فرشتوں سے خدمت لینی ہوتی ہے اس لئے ان کے اندر بشاشت پیدا کرنے اور محبت پیدا کرنے اور ہمدردی پیدا کرنے کے لئے اُس نے یہ طریق رکھا ہے کہ وہ پہلے فرشتوں کو غور کرنے کا موقع دیتا ہے تا کہ وہ سمجھیں کہ ان کا بھی انتخاب میں حصہ ہے اس کے بعد حکم نازل ہوتا ہے اور وہ چونکہ ان کے منشاء کے ماتحت ہوتا ہے اس لئے ان کی تسلی ہو جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ [۱۱]

پھر ایسے انسان کی قبولیت دنیا میں پھیلا دی جاتی ہے اور لوگ اس کو ماننے لگ جاتے ہیں۔

اس سے پتہ لگ گیا کہ درحقیقت وہ قابلیت کی بناء پر ہی نبی ہوتا ہے اگر قابلیت کی بناء پر نہ ہوتا تو مَلَأِ اعلیٰ کے دنیا سے معلومات حاصل کرنے کے کیا معنے؟ پھر تو خدا آسمان پر بیٹھا ہؤا کہہ دیتا فلاں نبی بن جائے اور وہ بن جاتا۔

بہرحال ان آیات سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ پیدائشِ انسانی کے بعد کا تھا اور سلسلۂ نبوت کے جاری ہونے کے بعد کا تھا کیونکہ اس آیت میں فرشتوں کا جو سوال تھا اس کا ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ جہاں آدم اوّل کی پیدائش کا ذکر ہے وہاں اس سوال کا بھی ذکر ہے کہ آپ کیوں پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر یہاں یہ وہ سوال نہیں کرتے کیونکہ وہ سوال ایک دفعہ ہو چکا اور حل ہو چکا اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے موقع پر کوئی وجہ نہیں تھی کہ پھر دوبارہ وہی سوال کیا جاتا کیونکہ ملائکہ کا رُجحان خود وجودِ محمدی کی طرف آپ کی بعثت سے پہلے ہو چکا تھا۔ اب خدا نے بتا دیا کہ ہم اِس شخص کو نبی بنانے لگے ہیں جب ہم نبی بنائیں اور یہ اُس عمر کو پہنچ جائے کہ خدا کی وحی اس پر نازل ہونے لگے تو فوراً اس کے کام میں مدد دینے کے لئے کھڑے ہو جانا اور وہ کہتے ہیں اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا۔

ملائکہ کا شیطانی عنصر سے اختصام

یہاں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ فرشتوں کے متعلق یَخْتَصِمُوْنَ کا لفظ کیوں آتا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے

کہ وہ کیا جھگڑا کرتے تھے؟ صوفیاء نے اس پر بحث کی ہے کہ اختصام کیا تھا مگر وہ اس مضمون کو اس طرح بیان نہیں کرتے جس طرح میں نے بیان کیا ہے ورنہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس مضمون کو لیا ہے اور پُرانے صوفیاء نے بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ فرشتوں میں یہ سوال اُٹھتا ہے تو وہ یہ بحثیں کرتے ہیں کہ کون مستحق ہے اور کون نہیں؟ مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے جھگڑا تب ہوتا جب اختلاف ہوتا یا ووٹنگ والا سسٹم ہوتا مگر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں فرشتے تأثرات کو قبول کرتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ان کی توجہ ایک روح پر مرکوز ہو جاتی ہے اور چونکہ الٰہی منشاء بھی وہی ہوتا ہے اس لئے الٰہی حکم صادر ہو جاتا ہے اور وہ دنیا میں نافذ ہو جاتا ہے مگر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یَخْتَصِمُوْنَ کا لفظ کیوں آیا ہے؟

سو یاد رکھنا چاہئے کہ میرے نزدیک یہاں یَخْتَصِمُوْنَ کا ذکر اس رسول کے متعلق نہیں یعنی یہ نہیں کہ فرشتے اس رسول کے متعلق جھگڑ رہے تھے کہ یہ رسول بنے یا وہ بنے بلکہ وہ اس شیطانی عنصر کے ساتھ جھگڑ رہے تھے جس نے اس رسول کی مخالفت کرنی تھی گویا فرشتوں نے جب وجودِ محمدؐی میں نورِ الٰہی دیکھنا شروع کیا تو فوراً شیطانی طاقتیں جو راستہ میں حائل ہونے کے لئے جمع ہو رہی تھیں ان سے انہوں نے جھگڑنا شروع کر دیا پس یَخْتَصِمُوْنَ کا لفظ رسالت کے متعلق نہیں بلکہ یہ اختصام شیطانوں کے متعلق ہے اور انہی کے ساتھ ان کا سارا جھگڑا ہے۔

پس یَخْتَصِمُوْنَ کے معنے یہ ہیں کہ جُوں جُوں اُنہیں پتہ لگتا چلا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس عُہدہ کے قابل ہے شیطانی طاقتیں جو مقابل میں کھڑی ہوتی ہیں ان سے لڑائی شروع کر دیتی ہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت آخری جنگ میں شیطانی طاقتیں شکست کھا جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ کی حکومت دنیا میں قائم ہو جاتی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا الٰہی دربار میں شاندار اعزاز

اب ہم اس دربارِ خاص کا ذکر کرتے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز کے لئے منعقد ہؤا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے انتہائی قُرب کے مقام کو ظاہر کیا اور بتایا کہ آپ کو دوسرے درباریوں پر کیا فضیلت حاصل ہے۔ پہلے اُس دربار کا ذکر کیا گیا تھا جس میں آپ کا انتخاب عمل میں لایا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ ہم آپ کو اس منصب پر مقرر کر رہے ہیں اب اسی دربار کے دوسرے حصہ میں یہ بتایا جاتا ہے کہ آپ کا

کتنا بڑا اعزاز کیا گیا۔

محبت اور اتحاد کا کمال

اللہ تعالیٰ سورہ نجم میں فرماتا ہے وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى [۱۲] یعنی بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا اور پھر وہ درباری اس کے قریب ہؤا جس کے بعد بادشاہ اپنے عرش سے اُتر کر اُس کے پاس آ گیا اور اتنا اُس کے قریب ہو گیا کہ یوں نظر آتا تھا جیسے دو قوسیں آپس میں ملا کر کھڑی کر دی گئی ہیں۔

گویا دربار لگا بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا اور اُس نے اپنے اس درباری کو بلایا جس کے لئے دربارِ خاص منعقد کیا گیا تھا اور حکم بھیجا کہ ہمارے دربار میں حاضر ہو جاؤ ہم تمہارا اعزاز کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں تک تو باقی بادشاہوں سے بات ملتی ہے لیکن دنیا کے درباروں میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کو کسی عُہدے پر مقرر کیا جاتا ہے وہ کھِسک جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں اس کا اہل نہیں۔

لیکن اِس دربار کے متعلق فرماتا ہے کہ خدائی حکم کے ملتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے قریب ہو گئے اور دوسرے درباروں کے خلاف جن میں بادشاہ اپنی جگہ سے کھِسکتا نہیں خدا تعالیٰ عرشِ عظیم سے اُتر کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اور اتنا قریب ہؤا کہ یوں نظر آتا تھا گویا دو قوسیں آپس میں ملا کر کھڑی کر دی گئی ہیں۔

دوسری جگہ عام انسانوں کے متعلق بھی خدا تعالیٰ کا یہ فعل موجود ہے چنانچہ فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ [۱۳]

اَبصَار خدا تک نہیں پہنچتیں کیونکہ وہ ناکام رہ جاتی ہیں مگر خدا خود لوگوں کی آنکھوں تک پہنچ جاتا ہے۔

قَابَ قَوْسَيْنِ کا نظارہ

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا اور آپؐ اس کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے مگر جب چلے تو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے جذبہ میں اپنی جگہ پر نہ ٹھہرا بلکہ آپ نیچے اُتر آیا۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى

اور اُس نے اُتر کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم تجھے اپنا گورنر بنانا چاہتے ہیں مگر ہماری گورنری ایسی نہیں ہوتی جیسی دنیا کی گورنریاں ہوتی ہیں ہم تجھے گورنر بھی بنانا چاہتے ہیں اور اپنا دوست بھی بنانا چاہتے ہیں۔ اب ہم دونوں کی قَوسیں ایک ہو گئی ہیں۔ اے محمد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تیرے بھی دشمن ہوں گے اور کچھ میرے بھی دشمن ہونگے

آخر ہر ایک کے دشمن ہوتے ہیں کچھ میرے بھی دشمن ہیں یعنی توحید کے منکر اور کچھ تیرے بھی دشمن ہیں یعنی انسانیت اور اخلاق اور شرافت کے دشمن ۔ تجھے بھی ضرورت ہے ان پر تیر چلانے کی اور مجھے بھی ضرورت ہے اپنے دشمنوں پر تیر چلانے کی۔ پس آ! ہم دوست بنتے ہیں اب ہم دونوں اپنی کمانیں جوڑ لیتے ہیں اوران دونوں کمانوں کا ایک ہی وتر ہوگا یعنی وہ تار جو کمان میں ہوتی ہے ایک ہوگی اور پھر تیرا تیر بھی اور میرا تیر بھی اکٹھا ایک ہی طرف چلے گا، یہ کتنی دوستی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اظہار فرمایا۔

مقامِ محمدؐیت کی بلندی

پھر فرماتا ہے، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْاَدْنٰی۔ اَوْ عربی زبان میں یا کے معنے بھی دیتا ہے اور ترقی کے معنی بھی دیتا ہے گویا پہلے تو تیرا تیر بھی اور میرا تیر بھی ایک طرف چلتا تھا مگر پھر اس سے بھی ترقی ہوئی اور وہ ترقی یہ ہے کہ پہلے تو دو قوسیں تھیں اور دشمن بھی دو ہی تھے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن اور خدا کا دشمن ۔ بیشک تیر اکٹھا چلتا تھا مگر دشمن دو تھے پھر وہ دونوں ایک ہو گئے یعنی قوسیں بھی ایک بن گئیں اور ہاتھ بھی ایک بن گیا تیر بھی ایک بن گیا اور دشمن بھی ایک بن گیا۔

اسی کی طرف دوسری جگہ قرآن کریم میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ مَارَمَيْتَ اِذْرَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی [۴]۔

یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اور تُو دونوں اس طرح اکٹھے ہو چکے ہیں کہ تُو نے جو بدر کی جنگ میں پتھر پھینکے تھے وہ تو نے نہیں پھینکے بلکہ ہمارا ہاتھ تھا جو ان کو پھینک رہا تھا۔ گویا پہلا اتحاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کے درمیان یہ ہوُا کہ دو قوسوں سے ایک تیر چلنا شروع ہوُا اور پھر آخری اتحاد قوسوں کا آپس میں مدغم ہو جانا اور پھر ہاتھوں کا بھی آپس میں مدغم ہو جانا تھا گویا ہاتھ بھی ایک ہو گئے، قوس بھی ایک ہوگئی، دشمن بھی ایک ہو گیا اور تیر بھی ایک ہو گیا۔

عجیب دربار

یہ کیسا عجیب دربار ہے کہ ابھی کام شروع بھی نہیں کیا اور پہلے ہی دوستانہ تعلق اور پیار ہو گیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ دُنیوی بادشاہ جب کسی کو جرنیل مقرر کرتے ہیں تو کہتے ہیں معلوم نہیں وہ شکست کھا کر آتا ہے یا فتح حاصل کر کے؟ پہلے پتہ تو کر لینے دو۔ مگر یہ دربار ایسا ہے جس میں بادشاہ کو پہلے ہی پتہ ہوتا ہے کہ میرا جرنیل جیت کر آئے گا اس لئے اگر اسے پہلے سے ہی انعام دے دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بہرحال اسی نے جیتنا ہے۔

بادشاہوں کے خلاف درباریوں کی سرگوشیاں

پھر ہم دُنیوی بادشاہوں کے دربار میں جا کر دیکھتے ہیں تو وہاں بعض دفعہ عجیب تماشہ نظر آتا ہے۔ بادشاہ بیٹھا ہؤا ہوتا ہے اور دُور کناروں پر لوگ آپس میں کُھسر پُھسر کر رہے ہوتے ہیں کہ فلاں جس کو بادشاہ نے مُنہ چڑھایا ہؤا ہے بڑا خبیث آدمی ہے۔ دیکھنا کسی دن بادشاہ سے دھوکا کر کے رہے گا۔ یہ فلاں شہزادہ کا دشمن ہے، فلاں بیوی پر اس کو بدظنی ہے خبر نہیں کیا کرے گا غرض اِدھر دربار لگا ہؤا ہوتا ہے اور اُدھر سرگوشیاں ہو رہی ہوتی ہیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دربار لگا ہؤا ہے بادشاہ آیا اور اُس نے کسی کو خلعت دیا جب اسے خلعت دے کر رُخصت کیا تو کسی درباری نے کہا حضور! اگر یہ طاقت پکڑ گیا تو آپ کے خلاف کھڑا ہو جائے گا اور آپ کو نقصان پہنچائے گا۔ بادشاہ جواب دیتا ہے مَیں خوب جانتا ہوں لیکن موقع دیکھ رہا ہوں موقع پر گردن پکڑ لونگا۔

آسمانی دربار کی ایک سیر

ہم اس آسمانی دربار کو بھی جا کر دیکھتے ہیں کہ کیا یہاں بھی وہی کچھ ہے کہ ادھر گورنری دی جا رہی ہے اور اُدھر سازشیں اور شکائتیں ہو رہی ہیں اور گورنروں کے خلاف باتیں ہو رہی ہیں۔ سو قرآن کریم کی اجازت سے میں تم کو اس دربارِ خاص میں لے جاتا ہوں ورنہ اس دربار میں ہر ایک کو جانے کی اجازت نہیں۔ ہم اس دربار میں جاتے ہیں دروازہ کھولتے ہیں اور اندر سَر ڈال کر دیکھتے ہیں کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ کیا گورنروں کے خلاف باتیں ہو رہی ہیں، ان پر جرح وقدح ہو رہی ہے یا ان کے نقائص بیان کئے جا رہے ہیں یا تعریفیں ہو رہی ہیں۔ ہم جب اندر سر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے تو ہمارے سر ڈالتے ہی ہمارے کان میں ایک آواز آتی ہے کہ آ جاؤ بے شک آ ؤ کوئی حرج نہیں ہم جو کام کر رہے ہیں وہ تم کو بھی بتاتے ہیں تم بھی وہی کام کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [۱۵]

اس دربار میں بجائے گورنر کی شکائتیں ہونے کے، بجائے اس پر الزام قائم کرنے کے، بجائے اس کے متعلق شبہات پیدا کرنے کے ہم جو دیکھتے ہیں تو بادشاہ بھی اُس پر برکات نازل کرنے میں لگا ہؤا ہے اور درباری بھی اس کے لئے دعائیں کر رہے ہیں اور ہم جو چوری چھپے

دیکھنے جاتے ہیں تو ہمیں کہا جاتا ہے کہ تم بھی درود پڑھو اور سلام بھیجو۔

اخلاص اور محبت کے نظارے

کیا اخلاص اور کیسی سچی محبت اور کیسے سچے تعلق کا دربار ہے کہ جس پر ہر شخص اعتبار کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ یہاں نہ میرے ساتھ غداری کی جائے گی، نہ میرے دوستوں کے ساتھ غداری کی جائے گی، نہ میرے ساتھیوں کے ساتھ غداری کی جائے گی، اس دربار میں خالص سکّہ ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کام کر رہی ہے۔ دوسرا حصہ درباریوں کی برطرفی کا ہوتا ہے وہ مَیں بتا چکا ہوں کہ برطرفی اس دربار میں ہوتی ہی نہیں۔ درباری ختم بھی ہو گیا مر گیا نوحؑ کسی زمانہ میں پیدا ہوا اور ختم ہو گیا، اس کی نسل کا بھی پتہ نہیں، اس کی حکومت کوئی نہیں، مذہب کوئی نہیں، تعلیم کوئی نہیں لیکن مجال ہے جو نوحؑ کو کوئی گالی دے سکے، جھٹ خدا کے فرشتے اُس کی گردن پکڑ لیتے ہیں کہ خدا کے گورنر کو گالی دی جا رہی ہے۔

دربارِ خاص کی دوسری غرض

دوسری غرض دربارِ خاص کی یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ اپنے وزراء اور امراء کو خاص امور کے بارہ میں مشورہ دے اور بتائے کہ انہوں نے اِن اِن ہدایتوں کے ماتحت کام کرنا ہے تاکہ وہ اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کر سکیں۔ چنانچہ اب اس دربار کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں عُہدۂ رسالت کی تفویض کے احکام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے اور بتایا گیا کہ آپ نے دنیا میں کیا کرنا ہے اور کس طرح اپنے فرائض کو سرانجام دینا ہے۔

دُنیوی بادشاہوں کے مشوروں کی حقیقت

ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیوی درباروں میں اوّل تو بادشاہ خود مشورہ کا محتاج ہوتا ہے اور پھر جو وہ مشورے دیتا ہے بِالعموم غلط بھی ہوتے ہیں اور بعض اوقات اُن مشوروں سے وزراء کو اتفاق نہیں ہوتا اور بعض دفعہ وہ اُن پر عمل ہی نہیں کر سکتے اور سب کام خراب ہو جاتا ہے مگر یہ ایسا دربار ہے جس کا بادشاہ کسی کے مشورہ کا محتاج نہیں۔

کامیابی کے متعلق تذبذب کی کیفیت

پھر دُنیوی دربارِ خاص میں بادشاہ ایک افسر کو بلاتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہم تمہاری وفاداری پر یقین کر کے تم کو فلاں عُہدہ پر مقرر کرتے ہیں امید ہے تم ہمارے اعتبار کے اہل ثابت ہو گے تم فلاں فلاں کام دیانتداری سے کرو اور اگر تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گے تو

ہم تم سے بہت خوش ہونگے۔ مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ خوشی کتنی حقیر ہوتی ہے مگر بہرحال یہی سہی لیکن ان کلمات میں بھی کتنی کمزوری پائی جاتی ہے۔ اوّل بادشاہ کہتا ہے ہم تم کو چُنتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ تم کامیاب ہوگے گویا بادشاہ اس کو ایک تخمین (یعنی اندازہ) سے چُنتا ہے اور پھر اس شک میں رہتا ہے کہ معلوم نہیں وہ کامیاب بھی ہوگا یا نہیں۔ لیکن اس الٰہی دربار میں کوئی شک نہیں ہر شخص کو یقین کے ساتھ چُنا جاتا ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ وہ کامیاب ہوگا اور یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ وہ کیوں کامیاب نہیں ہوگا۔ جب کہ ہم اس کے ساتھ ہیں۔

بڑے بڑے جرنیلوں کی ناکامی

دنیا میں بسا اوقات بڑے بڑے جرنیل بڑے نکمّے ثابت ہوتے ہیں چنانچہ دیکھ لو پچھلی جنگِ عظیم میں کس طرح جرنیل بدلے گئے۔ پہلی جنگ عظیم میں تین جرنیل یکے بعد دیگرے بدلے گئے تھے دوسری جنگ عظیم میں بھی ایسا ہی ہؤا۔ ابھی تازہ واقعہ دیکھ لو میکارتھر نے کوریا کی جنگ میں کتنا بڑا شُہرہ حاصل کیا تھا لیکن ٹرومین سے اس کا اختلاف ہوگیا اور لوگوں نے اس کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ اگلی پریذیڈنٹی کے لئے یہ کھڑا ہونا چاہتا ہے اور آپ کا مدِّ مقابل بننا چاہتا ہے چنانچہ جھٹ فساد کی تاریں چھوٹنی شروع ہوئیں اور اسے نکال کر باہر پھینک دیا اب اسے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

دوسرے، دنیا میں جب کسی جرنیل پر بھروسہ کیا جاتا ہے تو وہ بھروسہ خیالی اور شکّی ہوتا ہے جو آگے چل کر غلط ہو جاتا ہے اور بعض جگہ وہ شکست کھا جاتا ہے یا بعض جگہ وہ کامیاب ہو جاتا ہے لیکن اتنا نتیجہ نہیں نکلتا جتنے نتیجہ کی امید کی جاتی ہے اور بعض دفعہ وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو خود بادشاہ کے خلاف لڑنا شروع کر دیتا ہے۔

دوسری قوموں کو جانے دو مسٹر چرچل کو ہی دیکھ لو۔ اس نے گزشتہ جنگ میں کتنی بڑی قربانی کی۔ مگر چند مہینوں کے اندر اندر اس کے ملک نے اسے ایسی خطرناک شکست دی کہ پارلیمنٹ میں اس کی اور اس کے ساتھیوں کی پارٹی نہایت ہی قلیل رہ گئی۔ پھر ہندوستان میں گاندھی جی نے کہا کہ مجھے اندر سے آواز آتی ہے اور لگے نبیوں کے سے دعوے کرنے آخر انہی کے ایک چیلے نے اُٹھ کر انہیں پستول مار دیا۔

قرآنی دربارِ خاص میں گورنر جنرل کی ہدایات

لیکن اب قرآنی دربار کی سُن لو یہاں ایک بڑے بھاری جرنیل کا تقرر ہوتا

ہے اسے دربارِ خاص میں بلایا جاتا ہے اور اعلان پڑھا جاتا ہے کہ ہم نے آپ کو مقرر کیا اب ہم آپ کو ہدائتیں دیتے ہیں کہ آپ نے کیا کرنا ہے کس طرح کرنا ہے اور کس کس طریق سے اس کام کو سرانجام دینا ہے چنانچہ فرماتا ہے یَآیُّھَاالْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ۔ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ۔ وَلَاتَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ۱۶؎

میلادالنبیؐ کے وعظ

یہ آیات تو قرآن کریم میں تیرہ سَو سال سے موجود ہیں اور علماء نے ان آیات کی تفسیریں بھی لکھی ہیں لیکن آج کل کے مولویوں کے وعظ خصوصاً میلادالنبیؐ کے تم نے سنے ہی ہوں گے ، جب وہ ان آیات کی تفسیر شروع کرتے ہیں تو کہتے ہیں ۔

؎ او کملی والیا! اے زُلفاں والیا !اے کملی والیا!

ایک ہندو وکیل سے گفتگو

مَیں ایک دفعہ فیروز پور گیا وہاں ایک ہندو وکیل جو اچھا ہوشیار اور آریہ سماج کا سیکرٹری تھا مجھ سے ملنے کے لئے آیا اور کہنے لگا آپ کہتے ہیں ہندو مسلمان لڑتے رہتے ہیں مگر کیا آپ نے کبھی بتایا بھی کہ اسلام کیا چیز ہے؟ مَیں نے کہا تمہیں کیا بتائیں؟ کہنے لگے، میلادالنبیؐ کا جلسہ ہوتا ہے تو ہم بھی جاتے ہیں کہ وہاں چل کر پتہ لگائیں گے کہ اسلام کیا ہوتا ہے مگر وہاں ہمیں یہ سنایا جاتا ہے کہ اے کملی والیا! اے زلفاں والیا! کہنے لگا ہم زُلفیں دیکھنا نہیں چاہتے ہم کملی دیکھنا نہیں چاہتے ہم تو تعلیم سُننا چاہتے ہیں مگر بجائے یہ بتانے کے کہ رسول اللہ کی تعلیم کیا تھی آپ کے کیا کام تھے اور آپ کی کیا خدمات تھیں ہمیں بتایا یہ جاتا ہے کہ آپ کی زُلفیں ایسی تھیں اور آپ کی کملی ایسی تھی ہم عشق مجازی تو نہیں کرنا چاہتے کہ ہمیں یہ باتیں بتائی جاتی ہیں۔ شرمندگی تو بہت ہوئی مگر خیر میں نے کہا لوگ غلطی کرتے ہیں ہمارا نقطہ نگاہ بھی آپ کبھی سن لیں۔ کہنے لگا میں نے آپ کی ایک تقریر سُنی ہے اور اس سے مَیں سمجھتا ہوں کہ آپ کا طرز اور ہے مگر میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے اس کے بعد یہ خواہش کرنا کہ ہم مسلمان ہو جائیں اور ہم سے اس کی امید رکھنا کس طرح درست ہوسکتا ہے کیا کملی دیکھ کر کوئی مسلمان ہو سکتا ہے یا زُلفیں دیکھ کر کوئی مسلمان ہوسکتا ہے؟

دربارِ خاص کا نقشہ دوسرے مسلمانوں کے نقطہ نگاہ سے

پس غیر احمدی بھی اس دربار کا نقشہ کھینچتے ہیں لیکن

ان کا نقشہ میں پہلے سُنا دیتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں دربارِ خاص لگا ہؤا ہے، بادشاہِ خلق وکون کی آمد آمد ہے، چھوٹے چھوٹے درباروں کے اہلکار تو ایسے موقع پر ہمہ تن مصروفِ عمل ہوتے ہیں، بھاگ دَوڑ ہو رہی ہوتی ہے، افسر قرینہ سے کھڑے ہوتے ہیں اور منتظر ہوتے ہیں کہ بادشاہ آئے تو فوراً اس کا استقبال کریں اور اس کا اعزاز کریں اور اس کی تعریف کریں۔لیکن ہمارے بادشاہ کے دربار کا یہ حال بتایا جاتا ہے کہ بادشاہ سلامت تشریف لاتے ہیں تمام دربار میں خاموشی طاری ہو جاتی ہے اور جس کی خاطر دربارِ خاص لگایا گیا تھا وہ ایک کمبل اوڑھ کر ایک گوشے میں سویا پڑا ہے اب بادشاہ اس کے پاس پہنچتا ہے، اُس نے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، گھُٹنے گھُٹنے تک اس کے جسم پر میل چڑھی ہوئی ہے، بادشاہ سلامت آ کر اُسے جگاتے ہیں کہ اُٹھ میاں! یہ سونے کا وقت ہے تجھے کام پر بھیجنا تھا تیری خاطر دربار خاص لگایا تھا اور تُو کمبل لے کر سو رہا ہے، اُٹھ! اُٹھ کے کمبل اُتار، کپڑے دھو، غسل کر، شرک چھوڑ دے، سُود خوری نہ کر اور مصیبتیں برداشت کر۔ یہ دربار ہے جس کا نقشہ ہمارے سامنے کھینچا جاتا ہے۔ بھلا جو معمولی معمولی ریاستیں ہیں مثلاً شملہ کی ریاستیں جو پانچ پانچ سات سات ہزار آبادی کی ہیں کیا تم نے کبھی وہاں بھی ایسا دربار دیکھا کہ راجہ نے کسی کو بُلایا ہو اور جس کے اعزاز میں دربار منعقد کیا گیا ہو اُس کی یہ حالت ہو کہ وہ کمبل میں سو رہا ہے اور اتنی میل چڑھی ہوئی ہے کہ حد نہیں۔ کپڑوں سے بدبُو آ رہی ہے، پاجامے سے بدبُو آ رہی ہے، راجہ آ کر جگاتا ہے اور جگانے کے بعد کچھ ملامت کرتا ہے اور ملامت کر کے کہتا ہے تیرے سپرد فلاں کام کیا جاتا ہے مگر ایسے گند میں باہر جانا بھی ٹھیک نہیں پہلے کپڑے دھو لے، غسل کر لے اور پھر جا کر یہ کام کر۔ یہ دربار ہے جو غیر احمدی پیش کرتے ہیں۔

حقیقی دربار کی جھلک

اب میں وہ دربار پیش کرتا ہوں جو حقیقتاً قرآن کا دربار ہے اور جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم سے ہمیں سمجھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ دِثَار کے ایک معنی عربی زبان میں اس کپڑے کے ہوتے ہیں جو سوتے وقت اوپر لیا جاتا ہے [۱] مثلاً کمبل، لوئی یا لحاف وغیرہ اور لوگوں نے یہاں یہی معنے مراد لئے ہیں۔مگر جب مدّثّر کہا جائے گا تو لغت کے لحاظ سے اس کے یہ معنی ہونگے کہ وہ کمبل یا لوئی اوڑھ کر بھی سو رہا ہے۔ کئی لوگ لوئیاں لے کر تو یہاں بھی بیٹھے ہیں مگر وہ جاگ رہے ہیں۔ مدّثّر تب کہا جائیگا جب کوئی لوئی لے کر سو رہا ہو۔لیکن آجکل کے مولوی کی یہ حالت ہے

کہ اِدھر تو ہمیں کفر کا فتویٰ دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اُدھر قرآن میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی لفظ استعمال ہو تو یہ ہمیشہ اس کے بُرے معنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لیتا ہے اور عیسیٰؑ کی نسبت وہی لفظ آ جائے تو خیر۔ معلوم نہیں عیسیٰؑ اس کا کیا لگتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے اچھے معنے کرتا ہے اور پھر بھی وہ مولوی کہلاتا ہے۔

مُدَّثِّر کے معنی

یہ درست ہے کہ مدثّر کے ایک معنی کمبل اوڑھ کر سونے والے کے بھی ہیں مگر مدثّر کے ایک اور معنی بھی ہیں جو اچھے ہیں اور اس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ نہیں سوجھتے اور وہ معنے ہیں:- کپڑے پہن کر تیار ہو جانے والا اور گھوڑے کے پاس کھڑا ہونے والا کہ حکم ملتے ہی فوراً چھلانگ مار کر اس پر سوار ہو جائے۔[۱۸] یہ بھی لغت میں لکھے ہوئے ہیں۔

چنانچہ دِثَار کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے معنے ہیں اَلثَّوْبُ الَّذِیْ فَوْقَ الشِّعَارِ [۱۹] یعنی دِثَار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو کُرتا وغیرہ کے اوپر پہنا جائے۔

جب انسان نے باہر جانا ہوتا ہے تو وہ خالی کُرتا نہیں پہنتا بلکہ کوٹ پہنتا ہے۔ یا فوج والے لڑنے کے لئے جاتے ہیں تو وردی پہن لیتے ہیں، پس اس کے معنے یہ ہیں کہ محمد رسول اللہ نے وردی پہنی ہوئی ہے۔

ان مفسّرین کو یہ تو نظر آتا ہے کہ مدثّر کے معنے کمبل اوڑھ کر سونے والے کے ہیں مگر یہ نظر نہیں آتا کہ اس کے ایک یہ معنے بھی ہیں کہ اے وردی پہن کر کھڑے ہونے والے انسان! اسی طرح اس کے دوسرے معنے گھوڑے پر چھلانگ لگا کر چڑھنے والے کے ہیں[۲۰] گویا وہ اس بات کے انتظار میں کھڑا ہے کہ حکم ملے تو گھوڑے پر چھلانگ لگا کر سوار ہو جاؤں اور کام کے لئے دوڑ پڑوں۔

اب ان معنوں کو دیکھو اور کمبل اوڑھ کر سو رہنے والے معنوں کو دیکھو کیا ان دونوں میں کوئی بھی نسبت ہے؟ کیا وہ دربار معلوم ہوتا ہے اور دربار بھی وہ جو محمد رسول اللہ کے تقرر کے لئے منعقد ہوًا۔ پیچھے مایوسی ہو جائے تو اور بات ہے لیکن یہاں تو ابتداء میں ہی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ گالیاں شروع ہو جاتی ہیں کہ:-

او سونے والے! تیری کام کی طرف توجہ ہی نہیں، میل سے بھرا ہوًا ہے اُٹھ اور تیار ہو اور اپنے کام کی طرف جا اور ہر قسم کے سُستی اور شرک وغیرہ کو چھوڑ۔

قُمْ فَاَنْذِرْ کی تشریح

آگے آتا ہے قُمْ فَاَنْذِرْ اِس کے معنے وہ یہ کرتے ہیں کہ کھڑا ہو جا اور اِنذار کر حالانکہ جو کمبل لے کر سویا پڑا ہے اس کے سُپرد کوئی عقلمند کام ہی کیوں کرے گا۔ وہ تو کہے گا کہ اگر وہ سویا ہوُا ہے تو سویا ہی رہے قُمْ فَاَنْذِرْ کے الفاظ تو بتا رہے ہیں کہ جس کے سُپرد کام کیا جاتا ہے وہ اپنے اندر کوئی شان رکھتا ہے، وہ اپنے اندر کوئی عزم رکھتا ہے، وہ اپنے اندر کوئی پختہ ارادہ رکھتا ہے۔ وہ قُمْ کا لفظ لے لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے معنے کھڑے ہو جانے کے ہیں حالانکہ جس طرح مدثّر کے دو معنے ہیں اسی طرح عربی زبان میں قُمْ کے بھی دو[۲] معنے ہیں قُمْ کے معنے کھڑے ہونے کے بھی ہیں اور قُمْ کے معنے کسی بات پر ہمیشہ کے لئے قائم ہو جانے کے بھی ہیں۔ انہوں نے پہلے کمبل کے معنے کئے پھر کہا اوسونے والے! کھڑا ہو جا۔ ہم نے یہ معنے کئے ہیں کہ اے وہ شخص جو عُہدہ کے مطابق وردی پہنے تیار کھڑا ہے کہ حکم ملتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے کام پر چلا جاؤں قُمْ ہمیشہ کے لئے اپنے کام پر لگ جا اور کبھی بھی اپنے کام میں سُستی مت دکھائیو اور کبھی بھی اپنے کام سے غفلت مت کیجیو فَاَنْذِرْ اب ہمیشہ ہمیش کے لئے انذار کا مقام اور نبوت کا کام تیرے سپرد کر دیا گیا ہے اب کوئی پنشن نہیں، کوئی چھٹی نہیں، ساری عمر کے لئے یہ کام تیرے سپرد کر دیا گیا ہے۔

رَبَّکَ فَکَبِّرْ کا پہلی آیات سے تعلق

تیسری آیت ہے وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ اور اپنے رب کی بڑائی کا دنیا میں ڈھنڈورا پیٹ۔ اب اس آیت کو ذرا پہلی آیت سے ملاؤ کہ ارے سوئے ہوئے! ارے کمبل اوڑھ کر لیٹے ہوئے! ارے نیند کے ماتے اُٹھ! ڈھنڈورا پیٹ۔ بھلا نیند والے نے کیا ڈھنڈورا پیٹنا ہے محض بے جوڑ معنے ہیں جن کا پہلی آیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لیکن مَیں نے جو معنے کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ اے وردی پہن کر کھڑے ہونے والے! اے حکم ملتے ہی گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر دنیا میں دَوڑ جانیوالے! اب ہمیشہ ہمیش کے لئے خدا کا پیغام پہنچانا تیرے سپرد کیا گیا ہے تو دنیا کو بتا کہ اگر مانو گے تو بچو گے نہیں مانو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔

ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کی مضحکہ خیز تفسیر

چوتھی آیت ہے وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ مولوی اس کے یہ معنے کرتے ہیں کہ اپنے کپڑے پاک کر۔ وہ کہتے ہیں نماز جو پڑھنی تھی کپڑے پاک کرنا ضروری تھا گویا صرف نماز کے لئے

کپڑے صاف کئے جاتے ہیں۔ انگریزوں نے کبھی کپڑے پاک نہیں رکھے، امریکنوں نے کبھی کپڑے پاک نہیں رکھے جب سے نماز شروع ہوئی ہے اُس وقت سے کپڑے پاک رکھے جانے شروع ہوئے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کے معنے یہ بنتے ہیں کہ ان کے نزدیک پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفائی کی طرف کوئی رغبت نہیں تھی نماز کا حکم آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کپڑے صاف رکھو۔

پھر سوچو کہ ان آیات کا آپس میں جوڑ کیا ہؤا ؟ پہلے معنے کئے او سونے والے اُٹھ ! پھر کہا اُٹھ اور دنیا میں جا کر انذار کر۔ پھر ساتھ ہی کہہ دیا جا اور کپڑے دھو۔ اب وہ کپڑے دھوئے کہ اِنذار کرے دونوں میں جوڑ کیا ہؤا ؟ اب یہ مولوی فیصلہ کر لیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے ؟ کپڑے دھونے لگتے تھے یا باہر جا کر تبلیغ کرتے تھے۔ غرض ایسی بے جوڑ باتیں کرتے ہیں اور اس قسم کی ہتک آمیز باتیں کرتے ہیں کہ درحقیقت اگر وہ غور کریں تو ان کو معلوم ہو کہ اسلام کے ساتھ ان باتوں کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ ایسی ایسی غیر معقول باتیں کرتے ہیں کہ ہر بُری بات محمد رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ بھلا کوئی سمجھائے کہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کا اس جگہ جوڑ کیا بنتا ہے۔ اگر پہلی آیت کے یہ معنے ہیں کہ اے کمبل لے کر سونے والے ! تو یہ اگلے معنے نہیں لگتے کہ اُٹھ اور دنیا میں شور مچا دے۔ کمبل لے کر سونے والے نے شور کیا مچانا ہے وہ تو پھر سو جائے گا مگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی مان لیا کہ اسے ہلایا پانی کے چھینٹے دیئے اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا مگر جب وہ تبلیغ کرنے کے لئے نکلا تو ہم نے کہا ٹھہر جا ٹھہر جا کپڑے دھو لے تیرے کپڑے بہت میلے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

تبلیغ بھی رہ گئی گویا محمد رسول اللہ علیہ وسلم جیسا پاکیزہ نفس انسان جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ کا وجود ایسا ہے کہ اگر اس پر خدائی نور نہ بھی گرتا تب بھی یہ روشن نظر آتا یعنی محمد رسول اللہ قرآن کے بغیر بھی پاکیزہ تھے اس مقدس انسان کے متعلق یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ جیسے کوئی پہاڑی گڈریا ہوتا ہے کہ مہینوں اُس کو کپڑے دھونے کی توفیق نہیں ملتی۔ محمد رسول اللہ کی شکل بھی نَعُوْذُ بِاللّٰهِ ویسی ہی تھی۔ پہلے تبلیغ کا حکم دیا پھر خیال آیا کہ بڑی شرمندگی ہوگی لوگوں کو خیال آئے گا کہ کیسے آدمی کو بھیج دیا اس لئے کہہ دیا کہ

کپڑے دھولے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تبلیغ کرنے کا ارشاد

اب ہم بتاتے ہیں کہ اس کے کیا معنے ہیں؟ لیکن میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ خالص میرے معنے نہیں بلکہ بعض پہلے صوفیاء نے بھی اس حصہ کے یہ معنے لکھے ہیں پہلے نہیں لکھے لیکن یہ معنے لکھے ہیں ثِیَاب عربی زبان میں لُغۃً تو کپڑوں اور دل کو کہتے ہیں۔[۲۱] لیکن محاورہ میں ثیاب اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ سے انسان کی حفاظت ہوتی ہے اس کے عیب چھپتے ہیں اور وہ اس کے گرد لپٹے ہوئے ہوتے ہیں جیسے کپڑا لپٹتا ہے۔ پس استعارہ اور مجاز کے طور پر جیسے لوگ کہتے ہیں فلاں سکندر ہے، حاتم ہے مجازاً اور استعارۃً ثیاب کے معنے دوست رشتہ دار اور قریبی لوگوں کے ہوتے ہیں اور لُغتاً اس کے معنے کپڑے اور دل کے ہیں۔ دل کے معنے مَیں اس جگہ نہیں لگا تا لیکن مَیں کہتا ہوں کہ جو معنے بھی لگاؤ سیاق وسباق کو مدنظر رکھو،

میرے نزدیک سیاق وسباق کو مدّنظر رکھتے ہوئے اِس کے جو معنے بنتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اے محمد رسول اللہ! تو پہلے اپنے بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو سمجھا پھر اپنے قریبی دوستوں کو سمجھا پھر اپنی قوم والوں کو سمجھا اور ان کو دینِ اسلام کی تعلیم کی طرف لا۔اب دیکھو یہ معنے یہاں چسپاں ہو جاتے ہیں اور آیات کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اے تقرر گورنری کی خبر سنتے ہی وردی پہن کر کھڑے ہونے والے! اور اس بات کی امید رکھنے والے کہ حکم ملتے ہی مَیں گھوڑے پر چڑھ جاؤں تیار ہو اور ہمیشہ کے لئے اس کام میں مشغول ہو جا جو ہم نے تیرے سپرد کیا ہے اور سب سے پہلے یہ اِنذار اپنے گھر سے، اپنی بیوی سے اور اپنے رشتہ داروں اور بچوں سے شروع کر۔

اب دیکھ لو یہاں کپڑے دھونے اور اِنذار کرنے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ کپڑے دھونا انذار کی تشریح ہے اور ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ سے انذار ختم نہیں ہوتا بلکہ جاری رہتا ہے صابن کے گُھت گُھت کرنے سے تو اِنذار ختم ہو جاتا ہے لیکن اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تبلیغ کرنے سے اِنذار ہوتا ہے ختم نہیں ہوتا۔ پس یہ تضاد نہیں بلکہ عین وہی چیز ہے۔

قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثِیاب کے معنوں کی تصدیق

وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔تو اُٹھ اور جا کر اپنی قوم کو سمجھا اپنے رشتہ داروں کو سمجھا، اپنے دوستوں اور عزیزوں کو سمجھا، چنانچہ ہم قرآن کریم میں اس کی تصدیق دیکھتے ہیں مثلاً بیویوں کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے۔ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ ۲۲؎ عورتیں تمہارا لباس ہیں۔اب دیکھ لو ان کو ثِیَاب بتایا گیا ہے پھر اسی آیت میں طَھِّرْ کا لفظ آتا ہے اور قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے متعلق یہی لفظ استعمال کرتا ہے، فرماتا ہے اِنَّمَایُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۵ ۲۳؎

ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نبوت سے کہہ دیا تھا کہ جا اور اپنے خاندان کو پاک کر۔اب ہم تجھ کو کہتے ہیں کہ وہ جو ہم نے حکم دیا تھا اس کا ہم بھی پکّا ارادہ کر چکے ہیں اور تیرے اہل وعیال کو پاکیزگی کے اعلیٰ مقام پر پہنچا کر چھوڑیں گے گویا وہ خبر اس جگہ آ کر بیان ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ ہم نے کہا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا لیکن ہم اسے خود پورا کرینگے کیونکہ ہم نبی کو جو کچھ کہا کرتے ہیں اس کی ذمہ داری ہم پر ہوتی ہے اسی طرح سورہ شعراء میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ ۔ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۲۴؎

یعنی اے محمد رسول اللہ ! تُو اپنے قبیلہ میں سے قریبی رشتہ داروں کو جا کر ہوشیار کر۔

پس ثِیاب سے مراد اس جگہ وہی لوگ ہیں جو کپڑوں کی طرح ساتھ لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور سورۃ شعراء میں اسی لفظ کو دوسرے رنگ میں ادا کر کے اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کے مجازاً ہونے کی تشریح کر دی اور بتا دیا کہ ہماری اس سے یہی مراد ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اِنذارِ قرآن پہنچا دے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کرنے سے بھی انہی معنوں کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ بخاری کو نکال لو دوسری حدیثوں کو نکال لو، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلا الہام نازل ہوُا تو سب سے پہلے آپ اپنے گھر گئے اور حضرت خدیجہؓ کو خبر دی کیونکہ ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کا حکم تھا کہ پہلے اسلام کی تعلیم اپنی بیوی اور رشتہ داروں کو دو پھر حضرت علی کو بتایا۔ چنانچہ تاریخ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے

آپ پر ایمان لانے والی اور سب سے پہلے طہارت کوقبول کرنے والی عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ تھیں۔ نابالغ جوانوں میں سے حضرت علیؓ تھے اور بالغ جوانوں میں سے حضرت زیدؓ تھے وہ بھی لوگوں میں آپ کے بیٹے کے طور پر مشہور تھے اسی طرح بڑی عمر کے لوگوں میں سے ابوبکرؓ تھے جو آپ کے جانی اور جوانی کی عمر کے دوست تھے گویا جس طرح ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کہا گیا تھا عملاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل اُسی طرح کیا۔لیکن کوئی حدیث نکال کر دکھا دو،ضعیف سے ضعیف نکال کر دکھا دو، منافقوں کی بیان کردہ حدیث نکال کر دکھا دو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس الہام کے بعد فوراً بازار گئے ہوں اور ریٹھے خریدنے شروع کر دیئے ہوں اور پھر کپڑوں کو ریٹھے اور صابن مَل مَل کر کوٹنے لگ گئے ہوں لیکن ہمارے پاس ثبوت موجود ہے، حدیث موجود ہے جو بتاتی ہے کہ آپ نے پہلے حضرت خدیجہؓ کو خدا تعالیٰ کی بات بتائی، پھر زیدؓ کو بتائی، پھر علیؓ کو بتائی، پھر ابوبکرؓ کو بتائی غرض جس طرح آپ نے عمل کیا وہ حدیثوں میں موجود ہے۔ پس ہمیں دیکھنا چاہئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریٹھے لے کر اور پَھٹہ لے کر کپڑے کُوٹنے شروع کر دیئے تھے یا خدیجہؓ اور علیؓ اور زیدؓ اور ابوبکرؓ کو مسلمان بنانے لگ گئے تھے؟ اور اگر آپ اپنے قریبیوں کو مسلمان بنانے لگ گئے تھے تو یہ اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کے یہی معنے ہیں کہ تُو اپنے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو قرآن کی تعلیم دے اور ان کو اسلام کی طرف لا۔

وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ کی غلط تفسیر

کپڑوں کی گندگی تو خیر کچھ برداشت بھی ہو جاتی ہے آگے آتا ہے وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ اس کے مولوی یہ معنے کرتے ہیں کہ تُو گندگیٔ جسمانی کو دُور کر۔گویا کپڑے ہی غلیظ نہیں تھے بلکہ آپ خود بھی (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) میلے تھے اب یہ اور بھی لمبا کام ہو گیا۔ انذار بیچارہ تو انتظار ہی کرتا رہے گا پہلے کپڑے دھوئے جائیں گے، حمام میں غسل کئے جائیں گے،میلیں اُتاری جائیں گی اور خبر نہیں کتنی دیر میں یہ کام پورا ہو اِنذار تو ختم ہو گیا لیکن ہم جو معنے کرتے ہیں اس کے لحاظ سے کوئی دقّت ہی پیش نہیں آتی کیونکہ رُجز کے ایک معنے نہیں بلکہ کئی ہیں اور فَاھْجُرْ کے بھی ایک معنے نہیں بلکہ کئی ہیں ہمیں سارے معنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا چاہئے کہ پچھلی آیتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کونسے معنے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لحاظ سے

تسلیم کئے جاسکتے ہیں۔ یہاں آپ کو گورنری پر مقرر کیا جا رہا ہے کوئی قیدی مجسٹریٹ کے سامنے پیش نہیں ہو رہا جس کو جھاڑ پلائی جا رہی ہو بلکہ اعلیٰ درجہ کے عہدہ اور خاتم النّبیین کے منصب پر ایک شخص مقرر ہو رہا ہے اور بات اس طرح شروع کی جاتی ہے جس طرح کوئی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ مجرم کو جھاڑ رہا ہے۔

رُجز اور هجر کے متعدد معانی

بیشک رُجز کے معنے عربی زبان میں غلاظت اور میل کچیل کے بھی ہیں[۲۵] لیکن اس کے ایک معنے اَلْعَذَابُ کے ہیں[۲۶] اور ایک معنی عِبَادَةُ الْاَوْثَانِ[۲۷] یعنی بُتوں کی پرستش کے ہیں۔ اسی طرح هَجْرٌ کے بھی کئی معنی ہیں هجر کے ایک معنی ہیں چھوڑ دینا اور اعراض کرنا[۲۸] دوسرے معنی ہیں کسی چیز کو پوری طرح کاٹ دینا[۲۹] اور تیسرے معنی ہیں اونٹ کے پیر میں رسّی باندھ کر وہی رسّی اس کی گردن سے باندھ دینا تا کہ پھندا پڑ جائے اور وہ نکلنا بھی چاہے تو نکل نہ سکے اور اس کی حرکت زیادہ سے زیادہ محدود رہ جائے۔[۳۰] پس وہ تو یہ معنی کرتے ہیں کہ اپنے جسم کی گندگی دُور کر یعنی کپڑے بھی دھو اور جسم کی گندگی بھی دُور کر، لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان معنوں کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کے متعلق یہ تسلیم شُدہ بات ہے کہ بعض دفعہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے اور مراد امت ہوتی۔ اس طرح ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ گندگی اور غلاظت دُور کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ کی اُمت ہے لیکن اس جگہ یہ معنے نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ تو گورنر کے تقرر کا اعلان ہے جب اس کی امت کوئی تھی ہی نہیں، جب امت تھی ہی نہیں اور آپ کو خاتم النّبیین کے عہدہ پر قائم کیا جا رہا تھا تو اس وقت اس کا کیا ذکر تھا کہ تیرے مرید کپڑے بھی دھوئیں اور جسم کی غلاظت بھی دُور کریں اُس وقت بہرحال کلام مخصوص تھا محمد رسول اللہ سے۔ اُس وقت میں دوسرے لوگوں کی شرکت کا کوئی سوال نہیں تھا پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے ان معنوں کا سیاق وسباق سے بھی کوئی جوڑ نہیں۔ پہلے کہا جاتا ہے ساری دنیا کو تبلیغ کر۔ پھر کہتا ہے ٹھہر جا پہلے کپڑے دھو لے۔ پھر کہتا ہے کپڑے بھی ابھی رہنے دے پہلے نہا لے۔ غرض بالکل غیر متعلق باتیں ہیں اور کسی اعلیٰ درجہ کے کلام میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہوسکتی۔

اب میں بتاتا ہوں کہ اس آیت کے اصل معنے کیا ہیں اور ہر معنی کے لحاظ سے اس آیت سے کتنے بڑے معارف نکلتے ہیں۔ مَیں نے بتایا کہ رُجزٌ کے تین معنے ہیں گندگی، عذاب اور شرک۔ اور ھجر کے معنے چھوڑنے کے بھی ہیں کاٹنے کے بھی ہیں اور گلے اور پیر میں رسّہ باندھ کر حرکت کو محدود کرنے کے ہیں۔ ان معنوں کے لحاظ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق جو معنے بنتے ہیں وہ یہ ہیں۔

دنیا میں غلاظت اور گندگی مٹا دینے کا حکم

اوّل، اے رسول! گندگی کو مٹا دے، گندگی کو چھوڑ دے نہیں! چھوڑنے کے یہ معنے ہیں کہ گندہ ہے اور مٹانے کے یہ معنے ہیں کہ لوگ گندے ہیں تو ان کی گندگی کو دُور کر۔ اور ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے جب ھجر کے معنے کاٹ دینے کے بھی پائے جاتے ہیں، جب ھجر کے معنے مٹا دینے کے بھی پائے جاتے ہیں، جب ھجر کے معنے توڑ دینے کے بھی پائے جاتے ہیں تو تم محمد رسول اللہ کو غلاظت میں کیوں پھنسانا چاہتے ہو۔ حقیقت تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے عیبوں پر پردہ ڈالتے ہیں، لوگ کہتے ہیں یہ ہمارا دوست ہے یہ ہمارے عیبوں کو چھپاتا ہے مگر یہ مولوی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بنے پھرتے ہیں اور پھر جھوٹے عیب آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جب ھجر کے معنے کاٹ دینے کے بھی ہیں تو وہ کیوں ایسے معنے نہیں لیتے جو محمد رسول اللہ کی شان کے مطابق ہیں کہ اے محمد رسول اللہ! تُو گندگی کو کاٹ ڈال یعنی دنیا سے اس کا نام ونشان مٹا دے اور یہ بالکل ٹھیک ہے ساری دنیا گندی تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اس گندگی کو مٹا دے اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کس طرح عمل کیا۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے تاریخ میں یہ کہیں ذکر نہیں آتا کہ آپ نے حضرت خدیجہؓ سے یہ کہا ہو کہ صابن لایا جائے اور آپ نے صابن مَل مَل کر میل اُتارنی شروع کر دی ہو اور پھر حدیثوں میں اس کی تفصیل آتی ہو مگر جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کتبِ اسلام میں لفظاً لفظاً موجود ہے۔

رِجزٌ کے معنے ہوتے ہیں گندگی۔ لیکن گندگی سے مراد صرف میل نہیں بلکہ رِجز کے معنے ہیں اشیاء ماحول کی گندگی، جسم کی گندگی، دماغ کی گندگی، دل کی گندگی، خیالات کی گندگی، زبان کی گندگی، یہ ساری باتیں رجز کے اندر شامل ہیں اب یہ کتنا شاندار کام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا ہے اگر محمد رسول اللہ کی نسبت یہ ثابت ہو

جائے کہ انہوں نے یہ کام کیا ہے تو آپ کی کتنی شان بلند ہو جاتی ہے، کوئی نبی ہے ہی نہیں جس نے یہ کام کیا ہو، انجیل لاؤ، توریت لاؤ، صُحفِ انبیاء لاؤ، آپ کے مقابلہ میں کوئی نبی ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

اسلام سے پہلے گندگی کو بزرگی کی علامت سمجھا جاتا تھا

اسلام سے پہلے دین کے یہ معنے سمجھے جاتے تھے کہ گندے رہو۔ عیسائی تاریخوں کو نکال کر دیکھ لو مَیں نے پڑھا ہے بعض پادری بڑے بزرگ سمجھے جاتے تھے اور ان کی بزرگی کی علامت یہ سمجھی جاتی تھی کہ چالیس سال سے انہوں نے غسل نہیں کیا اور ناخن اتنے بڑھے کہ کئی کئی انچ لمبے ناخن ہو گئے، گویا ان کے ہاں بزرگوں کا نشان یہی سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے بھی کچھ کمی نہیں کی، انہوں نے ایک زیارت گاہ بنائی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ ایک بزرگ وہاں بیٹھے تھے چالیس سال تک انہوں نے سر نہیں اُٹھایا اور دیوار میں بیٹھے بیٹھے گڑھا پڑ گیا گویا پیشاب اور پاخانہ بھی پاجامہ میں ہی کرتے رہے۔ اس میں عزّت کیا ہے، آخر سوچنا چاہئے کہ جو شخص بیٹھا رہا اور ہلا نہیں اور وہیں اس کے جسم کا نشان پڑ گیا اس کے معنے یہ ہیں کہ اس نے نہ نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا، نہ دین کا کوئی کام کیا، نہ کھانا کھایا، نہ نہایا، نہ پیشاب کیا، نہ پاخانہ کیا، مگر وہ تو ضروری ہے پھر یہی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ پیشاب، پاخانہ پاجامہ میں ہی کر ڈالتے ہونگے اور ان کا نام انہوں نے زیارت گاہ رکھا ہؤا ہے۔

ہندوؤں میں دیکھ لو ان میں بھی بزرگی کے یہی معنے سمجھے جاتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا بزرگ ہے کہ کوئی اس کو پرواہ ہی نہیں۔ جب سے پیدا ہؤا ہے نہایا نہیں، بُدھ جی کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ اتنے بزرگ تھے کہ انہوں نے دیوار کے پاس بیٹھ کر عبادت کرنی شروع کی نیچے سے بانس کا درخت نکلا اور ان کے پیٹ میں سے ہوتے ہوئے سَر میں سے پار نکل گیا مگر وہ ہلے ہی نہیں۔

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت دنیا میں آئے جب کہ ساری دنیا غلاظت کا پوٹلا بنی ہوئی تھی جب کہ مذہب اور روحانیت کے معنے یہ سمجھے جاتے تھے کہ انسان غلیظ اور گندہ ہو۔ اِس دنیا میں محمد رسول اللہ کا وجود پیدا ہوتا ہے اور ایسے خلافِ ماحول میں اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ! یہ جو تجھے اِردگرد نظر آتا ہے کہ گندگی کا نام مذہب اور غلاظت کا نام نیکی رکھا جا رہا ہے یہ سب جھوٹ ہے ان خیالات کو دنیا سے نیست و نابود کر دے۔

جسم کی صفائی کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جمعہ کو آؤ تو غسل کر کے آؤ، مسجد میں آؤ تو پیاز کھا کر یا لہسن کھا کر نہ آؤ، تا کہ تمہارے مُنہ سے بدبو نہ آئے۔ عطر لگا کر آؤ۔ پھر انسان کے ساتھ شہوت لگی ہوئی ہے اسلام نے حکم دیا ہے کہ اس کے بعد غسل کیا جائے لوگ پوچھتے ہیں کہ غسلِ جنابت کا فائدہ کیا ہے؟ وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ غسلِ جنابت ہی ہے جو تمہیں پاکیزہ رکھتا ہے۔ اب تم مجبور ہو جاتے ہو کہ غسل کرو اور اگر غسلِ جنابت نہیں کرتے تو بے دین سمجھے جاتے ہو۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر دنیا کی کایا پلٹ دی، مذہب کا نام غلاظت سمجھا جاتا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کا نام صفائی رکھ دیا۔ اسی طرح لباس کی صفائی کے متعلق آپ نے احکام دیئے کہ جمعہ کے دن نئے کپڑے یا دُھلے ہوئے کپڑے پہن کر آؤ، عیدوں پر تمہارے کپڑے دُھلے ہوئے ہوں، غرض جسمانی صفائی پر آپ نے اتنا زور دیا کہ دنیا میں روحانیت کا جو نقشہ تھا اس کو بالکل بدل دیا۔ پہلے گندے اور غلیظ آدمی کے متعلق کہتے تھے کہ یہ نیک ہے اب صاف اور پاکیزہ آدمی کو نیک کہتے ہیں کتنا بڑا تغیر ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا۔

حضرت خلیفہ اوّل کا ایک واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونکہ سر میں چکر آنے کی مرض تھی آپ بادام روغن اور مُشک کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول سناتے تھے کہ ایک دفعہ مَیں درس دے کر واپس آ رہا تھا کہ ایک ہندو جس کے مکانات میں بعد میں صدر انجمن احمدیہ کے دفتر بن گئے (کیونکہ ہم نے وہ مکان خرید لیا تھا) اور جو ریٹائرڈ ڈپٹی تھا اپنے صحن میں بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا حکیم صاحب! ایک بات پوچھنی ہے آپ خفا تو نہیں ہونگے؟ سنا ہے کہ مرزا صاحب پلاؤ اور بادام روغن کھا لیتے ہیں، مَیں نے کہا ٹھیک ہے کھا لیتے ہیں حیران ہو کر کہنے لگا کیا یہ ٹھیک بات ہے؟ مَیں نے کہا ڈپٹی صاحب ہمارے مذہب میں پلاؤ اور بادام روغن جائز ہے۔ کہنے لگا کیا فقراء کے لئے بھی جائز ہے؟ میں نے کہا ہاں ہمارے مذہب میں فقراء کو بھی پاک چیزیں کھانے کا حکم ہے۔ اس پر وہ ''اچھا''! کہہ کر واپس چلا گیا گویا جو طیّب

چیزیں کھائے وہ ان کی نگاہ میں بزرگ نہیں ہوسکتا تھا۔

یہ تو حضرت خلیفہ اوّل کا واقعہ ہے جو تہذیب سے بات کرتے تھے ہمارے ایک اور دوست تیز زبان تھے اور مذاقیہ طبیعت کے تھے امرتسر کے رہنے والے تھے ان کے جواب ہمیشہ اسی طرز کے ہؤا کرتے تھے۔ ان کو کوئی ہندو مجسٹریٹ مل گیا اور کہنے لگا کیا ہے تمہارا مرزا تم کہتے ہو وہ خدا کا مأمور ہے اور یہ ہے اور وہ ہے ہم نے سنا ہے کہ وہ بادام اور پستہ اور مُرغ سب چیزیں کھا لیتا ہے۔ وہ کہنے لگے آپ مرزا صاحب کو چِڑانے کے لئے پاخانہ کھایا کریں مجھے اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ غرض اس نے اپنے رنگ میں جیسے اس کا اپنا مذاق اور علم تھا جواب دیدیا تو بات یہ ہے کہ دنیا میں بزرگی کا نقشہ یہی کچھ رہ گیا تھا کہ انسان غلیظ اور گندہ ہو۔

مکان کی صفائی کے متعلق ارشادات

اسی طرح مکان کی صفائی بھی کوئی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان کی صفائی کا بھی حکم دیا[۳۱] چنانچہ آپ نے مسجد کی صفائی کے متعلق کئی احکام دیئے (اصل مکان جو آپ کے قبضہ میں تھا وہ وہی تھا) آپ نے فرمایا مسجد کو صاف رکھو اس میں جھاڑو دیا کرو، اس میں خوشبوئیں جلایا کرو تا کہ وہ صاف رہے۔[۳۲]

راستوں کی صفائی کا حکم

اسی طرح راستوں کی صفائی کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا آپ نے فرمایا اس شخص کو ثواب ملتا ہے جو راستہ میں سے پتھر وغیرہ اُٹھا دے۔[۳۳] پاخانہ کے متعلق فرمایا کہ جو شخص راستہ میں پاخانہ پھرتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہے،[۳۴] جو شخص کھڑے پانی میں پیشاب کرتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جو شخص راستہ سے پتھر یا کانٹوں کو ہٹا دیتا ہے یا گندی چیزوں کو ہٹا دیتا ہے اسے ثواب ملتا ہے۔ اگر کوئی مسجد میں تھوک بیٹھے تو فرمایا وہ اسے وہاں سے اُٹھا کر مٹی میں دفن کر دے۔[۳۵] غرض اتنے احکام ہیں صفائی کے کہ اس تہذیب یافتہ زمانہ میں بھی ہمارا ملک کم سے کم ان پر عمل نہیں کر رہا۔ یہ طہارت اور نظافت کے احکام ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں قائم ہوئے۔

افکار کی صفائی کے متعلق ہدایات

پھر آپ نے کہا کہ افکار کی صفائی بھی ضروری ہے گویا آپ نے ہر ایک چیز کی صفائی کا حکم دیا ہے صرف جسم کو مل مل کر دھونے کا حکم نہیں مثلاً فکر ہے اس کی صفائی کا بھی آپ نے حکم دیا فرمایا

بدظنی نہیں کرنی، [۳۶] بُغض اور کینہ دل میں نہیں رکھنا [۳۷] گویا دماغ اور خیالات کی پاکیزگی بھی آپ نے قائم کی اور حکم دیا کہ کسی قسم کے بدخیالات اور بدارادے تم نے نہیں رکھنے۔

قلب کی صفائی کا حکم

پھر قلب کی صفائی کو مدّنظر رکھتے ہوئے آپ نے محبتِ خالص کا حکم دیا، نفاق سے روکا، سچے تعلقات اور وفاداری پر زور دیا۔ [۳۸]

زبان کی صفائی کا حکم

پھر زبان کی صفائی کا حکم دیا فرمایا گالی گلوچ نہیں کرنی، سخت الفاظ نہیں بولنے، دوسرے سے محبت کے ساتھ پیش آنا ہے۔ [۳۹]

مُنہ کی صفائی کا حکم

پھر مُنہ کی صفائی ہے مُنہ کی صفائی کے لئے مسواک کا حکم دیا بلکہ یہاں تک فرمایا کہ فرشتے نے مُنہ کی صفائی کے متعلق اتنا زور دیا کہ میں نے سمجھا شاید فرض ہو جائے۔ پھر فرمایا میں ہر نماز کے لئے مسواک اس لئے ضروری قرار نہیں دیتا کہ کہیں میرے حکم کے بعد خدا اس کو فرض قرار نہ دیدے۔ [۴۰]

عظیم الشان تغیر

یہ کتنا عظیم الشان تغیر ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہؤا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی دنیا دیکھو، پہلی تاریخیں پڑھو، ہندوؤں کی تاریخیں پڑھو، عیسائیوں کی تاریخیں پڑھو، یہودیوں کی تاریخیں پڑھو وہ غلاظت کا ٹوکرا معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو دیکھو یہاں بڑا بزرگ تو الگ رہا جو چھوٹے سے چھوٹا بزرگ تھا وہ بھی پاکیزہ اور صاف سُتھرا اور نہایا دھویا ہؤا نظر آتا ہے۔

گندگی اور غلاظت کے ساتھ خدا نہیں ملتا

اب ان معنوں کے لحاظ سے وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ کے یہ معنے بنتے ہیں کہ اے ہمارے گورنر! جو یہ پتہ لگتے ہی کہ ہم اس کو ایک اہم کام سپرد کرنے لگے ہیں وردی پہن کر گھوڑے کے پاس تیار کھڑا ہو گیا ہے کہ چھلانگ لگا کر سوار ہو جاؤں دائمی طور پر اپنے کام میں لگ جا اور دنیا کو ہوشیار کر اور پہلے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی اصلاح کر، پھر باقی دنیا کی اصلاح کا فرض سرانجام دے اور ہر قسم کی صفائی دنیا میں قائم کر اور لوگوں کو بتا کہ گندگی اور غلاظت کے ساتھ خدا نہیں ملتا بلکہ انسان کا ذہن کُند ہو جاتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔

رُجز کے دوسرے معنوں کے لحاظ سے آیت کی تشریح

اب ہم اس آیت کو دوسرے معنوں کے لحاظ

سے لیتے ہیں۔ دوسرے معنے رِجُز کے عذاب کے تھے اس کے لحاظ سے آیت کے یہ معنے بن جائیں گے کہ تو عذاب کو دنیا سے مٹا دے ان معنوں کے رو سے مندرجہ ذیل مطالب اس آیت کے نکلتے ہیں۔

تعذیبِ نفس کی ممانعت

اوّل اسلام سے پہلے مختلف ادیان میں تعذیبِ نفس کو روحانیت کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا مثلاً کہتے تھے کہ بیٹے کی قربانی خدا کے قریب کر دیتی ہے۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ شادی نہ کرنا، رہبانیت اختیار کرنا اور اپنے نفس کا بیکار کر دینا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ ہتھیار کے ساتھ اپنے آپ کو ہیجڑا بنالینا یہ بڑی نیکی ہے۔ اپنے آپ کو اُلٹا لٹکائے رکھنا یعنی سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کر لینا، یہ بڑی نیکی ہے۔ ٹھنڈے موسم میں دریا میں بیٹھے رہنا یہ بڑی نیکی ہے، گرمی کے موسم میں دھوپ میں بیٹھ رہنا یہ بڑی نیکی ہے، جسم پر کوڑے لگانا یہ بڑی نیکی ہے۔ اچھی اور پاکیزہ چیزیں نہ کھانا یہ بڑی نیکی ہے۔

پس فرماتا ہے ہم نے ان تمام باتوں کی تیرے ذریعہ سے اصلاح کر دی ہے اور ہم تجھے حکم دیتے ہیں کہ وہ تمام احکام جن کو دین کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، جن کو روحانیت کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، جن میں انسان کے دل کو یا جسم کو یا دماغ کو عذاب دیا جاتا تھا وہ ساری کی ساری چیزیں منسوخ کی جاتی ہیں۔ خدا سے ملنے کے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ کسی کا ناک کاٹا جائے یا کسی کو اُلٹا لٹکایا جائے۔ خدا کے ملنے کے لئے روحانی ذرائع ہیں یہ غلط طریق تھے جو دنیا نے جاری کئے ہوئے تھے۔ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جا اور ان کو منسوخ کر اور دنیا کو بتا دے کہ یہ غلط طریق تھے جو اس نے اختیار کر لئے تھے۔

عورتوں کو مُعَلَّقه چھوڑنے اور

اسی طرح عورتوں کو مُعَلَّقه چھوڑا جاتا تھا یہ بھی تعذیب تھی، آگ کا عذاب دیا جاتا تھا

آگ کا عذاب دینے کی ممانعت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کسی کو آگ کا عذاب دینے کی اجازت نہیں یہ خدا کا حق ہے کہ وہ جہنّم میں ڈالتا ہے تمہیں حق نہیں کہ ایسا کرو۔

غلامی کی ممانعت

اسی طرح دنیا میں غلامی کا رواج تھا انسان کی آزادی کو چھین لیا جاتا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہ عذاب بند کیا جاتا ہے اب کوئی غلامی نہیں۔[۴۱]

جانوروں کو دُکھ دینے کی ممانعت

جانوروں کے مُنہ پر لوگ ٹھپّے لگاتے تھے اور اس طرح جانوروں کی مختلف قسمیں بناتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح جانور کو تکلیف ہوتی ہے اگر تم نے نشان ہی لگانا ہوتو جانوروں کی پیٹھ پر لگاؤ تا کہ انہیں کم سے کم تکلیف ہو۔[۴۲] جانوروں کے متعلق لوگ سمجھتے تھے کہ وہ حقیر اور ذلیل چیز ہیں اور ان کے احساسات کا خیال رکھنے کی ضرورت نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عورت کو محض اس لئے عذاب دیا گیا کہ اس نے بلّی کو باندھ رکھا اور اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مرگئی پس اسے دوزخ میں داخل کیا گیا۔[۴۳] اور فرمایا ایک عورت کو اس لئے جنت میں داخل کیا گیا کہ اس نے ایک کتّے کو جو پیاسا تھا وہ اپنا جوتا لے کر کنویں میں اُتری اور اس میں پانی بھر کر اُسے پلایا اس وجہ سے خدا نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔[۴۴]

ہر حصّہء زندگی سے تعذیب کا اخراج

یہ تعلیم بتا رہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا سے کس طرح عذاب کو مٹایا گیا اور عذاب دینے کو بُرا اور ناپسند قرار دیا گیا حالانکہ اس سے پہلے یہ باتیں ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ وہاں روحانیت کی ترقی کے لئے لوگ اپنے جسم پر کوڑے مارتے تھے اور یہاں ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک رسّی لٹکی ہوئی ہے آپ نے اپنی بیوی سے پوچھا یہ رسّی کس لئے لٹکائی ہے؟ اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! جب میں عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہوں تو رسّی پکڑ لیتی ہوں تا کہ مجھے نیند نہ آئے۔ آپ نے فرمایا خدا کو تمہارے نفس کو تکلیف میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں جب تک تمہارا نفس برداشت کرسکتا ہو عبادت کرو اور جب نہ کرے نہ کرو[۴۵] تو دیکھو تعذیب کو کس طرح ہر حصّہ زندگی سے مٹا دیا گیا ہے۔ پس فرماتا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا میں روحانیت کی ترقی کے لئے غلط معیار قائم ہو گئے ہیں لوگ کہتے ہیں روحانیت کی ترقی اور نفوس کی اصلاح کے لئے ہیجڑے بن جاؤ، پلاؤ کے اندر مٹی ملاؤ یا اس میں تیل ملاؤ یا سردیوں میں اُلٹے لٹک جاؤ، گرمیوں میں آگ کے سامنے بیٹھو یہ سب لغو باتیں ہیں ہم ان کو منسوخ کرتے ہیں خدا کو ان غلاظتوں اور تکلیفوں سے کوئی تعلق نہیں خدا تو تم کو آرام پہنچانا چاہتا ہے۔ خدا تم کو عذاب میں نہیں ڈالنا چاہتا خدا نے اپنے تک پہنچنے کے راستے اور قسم کے بنائے

ہیں جن سے بغیر نفس کی ذلّت کے، بغیر کسی نفس کو توڑ دینے کے، بغیر جذبات کو مار دینے کے خدا تک انسان پہنچ سکتا ہے خدا کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ان باتوں کو رائج کرے۔

رُجز کے تیسرے معنے

تیسرے معنے اَلرُّجز کے شرک کے ہیں[۴۶] اس لحاظ سے وَالرُّجزَ فَاھجُرْ کے یہ معنے ہوں گے کہ تو شرک مٹا دے دیکھو شرک کو چھوڑ دے اور شرک کو مٹا دے میں فرق ہے۔مولویوں نے اس کے یہ معنے کئے ہیں کہ تُو شرک چھوڑ دے حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک پہلے ہی چھوڑا ہؤا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ مَیں نے کبھی شرک نہیں کیا۔[۴۷] پس یہ معنے کرنا کہ ''شرک چھوڑ دے'' محمد رسول اللہ کی ہتک ہے اور یہ معنے کرنا کہ ''شرک کو مٹا دے'' یہ رسول اللہ کا اصل کام ہے۔ خدا فرماتا ہے تو شرک کو توڑ دے کیونکہ ھَجر کے معنے توڑ دینے اور مٹا دینے کے بھی ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی اتنی اعلیٰ تعلیم دی کہ شرک کی جڑ اُکھیڑ کر رکھ دی۔

انسانیت کی تذلیل کا ایک بھیانک نظارہ

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے تھے بھلا سوچو تو سہی کہ اُس وقت کیسا بھیانک نظارہ نظر آتا تھا کہ ابوجہل جیسا انسان جو باتیں کرتا تھا تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کے بڑے بڑے عقلمندوں میں سے ہے۔ابوسفیان جس کا اسلام لانے کے بعد بھی عرب پر سکّہ جما ہؤا تھا اور لوگ اُس کی عزّت کرتے تھے اُن کی یہ حالت تھی کہ اپنے سامنے مٹی کا بنا ہؤا بُت رکھتے ہیں اور اُس کے آگے گر جاتے ہیں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتنی ذلّت تک انسانی دماغ پہنچا ہؤا تھا۔

بُتوں کی بے بسی

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیم دینی شروع کی تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کیونکہ ماں باپ سے سُنا ہؤا تھا کہ بُتوں میں طاقت ہوتی ہے ہماری عادت تھی کہ جب ہم باہر کسی کام کے لئے جاتے تو ایک چھوٹا سا پتھر کا بنا ہؤا بُت اپنے ساتھ لے جاتے تا کہ اس کی برکت سے ہم مصیبتوں سے بچے رہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں سفر پر گیا اور بُت کو اپنے ساتھ لے لیا ایک جگہ پہنچ کر مجھے ایک ضروری کام پیش آیا مَیں نے اسباب رکھا اور بُت کو پاس بٹھا کر کہا حضور والا! آپ ذرا میرے اسباب کا خیال رکھئیے مَیں ایک ضروری کام کے لئے جا رہا ہوں

یہ کہہ کر مَیں چلا گیا۔ وہ کہنے لگے کام کر کے جب میں واپس آ رہا تھا تو مَیں نے دیکھا کہ گیدڑ نے اس کے سر پر پیر رکھا ہؤا ہے اور پیشاب کر رہا ہے۔ گیدڑ اور کُتّے کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ٹانگ اُٹھا کر اور کوئی سہارا ہو تو اُس پر رکھ کر پیشاب کرتا ہے میں نے آتے ہی اُسے اُٹھا کر پرے پھینک دیا اور مَیں نے کہا اپنے آپ کو تو پیشاب سے بچا نہیں سکتا میرے سامان کو تُو نے کیا بچانا ہے اور میں آ کر مسلمان ہو گیا[۴۸] تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تعلیم شرک کے خلاف پیش کی وہ ایسی نفسوں میں گڑ گئی کہ جو بھی سنتا تھا وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا تھا اس سے باہر نکلنے کی اس میں جرأت ہی نہیں تھی۔

ہندہ کا اعترافِ توحید

ہندہ کا واقعہ مشہور ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مسلمانوں کو جو لوگ دُکھ دینے والے تھے، جنہوں نے مسلمانوں پر بعض دفعہ انسانیت سوز مظالم کئے تھے یعنی ان کے ناک کان وغیرہ کاٹے تھے ان میں ہندہ بھی تھی۔ ایسے لوگوں کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ ان کو معافی نہیں ہو گی بلکہ ان کو پکڑ کر سزا دی جائے گی ہندہ کے متعلق بھی یہی احکام تھے مگر ہندہ بڑی ہوشیار عورت تھی چُھپ گئی اُسے تلاش کیا گیا مگر نہ ملی مسلمانوں نے سمجھا کہ کہیں بھاگ گئی ہے۔ درمیانی طرز کے لوگ جو غور کر رہے تھے اور اس لڑائی کا انجام دیکھنا چاہتے تھے جب مکہ فتح ہو گیا تو انہوں نے سمجھا کہ اسلام سچا ہے ان کے لئے آپ نے بیعت کا اعلان کر دیا۔ عورتوں کے لئے بھی اعلان ہؤا چنانچہ سینکڑوں عورتیں بیعت کے لئے آئیں اور ان میں ہندہ بھی چُھپ کر آ گئی۔ بیعت کے وقت جو الفاظ دُہرائے جاتے تھے ان میں یہ الفاظ بھی آتے تھے کہ ہم شرک نہیں کریں گی، باقی الفاظ تو وہ دُہراتی چلی گئی جب آپ ان الفاظ پر پہنچے کہ کہو ہم شرک نہیں کریں گی تو چونکہ ہندہ کی طبیعت بڑی تیز تھی فوراً مجلس میں بول اُٹھی کہ کیا اب بھی ہم شرک کریں گی؟ تم اکیلے تھے اور ہم سارے تم کو مارنے کے لئے اکٹھے ہوئے، تم کمزور تھے اور ہم طاقتور تھے، ہم نے ساری قوم کا زور صرف کیا مگر تمہارا خدا جیتا اور ہم ہارے کیا اب بھی ہم شرک کریں گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہندہ ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے لئے تو سزا تجویز ہے، اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! اب آپ کو مجھ پر کوئی اختیار نہیں، اب مَیں مسلمان ہو چکی ہوں۔[۴۹] تو دیکھو یہ توحید کی تعلیم تھی جس نے دلوں کو اس طرح صاف کر دیا کہ دیکھنے والا سمجھتا تھا کہ سب لغو اور عبث باتیں ہیں بھلا شرک کوئی مان سکتا ہے۔

مشرکانہ عقائد کے پیرو بھی آج توحید کو ہی درست سمجھتے ہیں

پھر جوں جوں تعلیم پھیلی شرک مِٹتا گیا۔

یورپ میں اب بھی ایسے گرجے موجود ہیں جن میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر لٹکی ہوئی ہوتی ہے اور جن کے آگے وہ سجدے کیا کرتے تھے، ہندوؤں میں بھی لاکھوں دیوتا تسلیم کئے جاتے تھے مگر اب دیکھو ہندوؤں میں جتنے نئے فرقے نکلے ہیں سب توحید پیش کرتے ہیں آخر ہزاروں لاکھوں بُت جو ایجاد ہوئے ہیں تو ہر زمانہ میں ایجاد ہوتے رہے ہیں مگر اب کوئی نئی موومنٹ بتا دو جس میں کوئی نیا بُت ایجاد کیا گیا ہو۔ اب آریہ سماجی نکلے، بنگال کی برہموسماج نکلی، اسی طرح بنگال کی دیویکانند[۵۰] کی سوسائٹی ہے۔ ٹیگور[۵۱] تھا، غرض جتنے نکلے سب نے توحید پیش کی اور کہا کہ ہمارے مذہب میں بُت ہیں ہی نہیں۔ یہ سب باتیں ہیں یہ نتیجہ تھا اسلام کی تعلیم کا۔ ادھر عیسائیت جو مسیح اور مریم کی خدائی کو پیش کیا کرتی تھی اب جس عیسائی سے پوچھو وہ کہتا ہے یہ تو ظہور ہیں۔ ایک ظہور کا نام باپ رکھ دیا، ایک ظہور کا نام بیٹا رکھ دیا، ایک ظہور کا نام روح القدس رکھ دیا، ورنہ خدا تو ایک ہی ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جا اور شرک کو دنیا سے اُکھیڑ کر پھینک دے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کر دکھایا۔ کہاں ہیں ہُبل اور لات اور عُزّیٰ؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھوڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دلوں سے شرک کو نکال پھینکا اور وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کے حکم کو ایسے طور پر پورا کیا کہ آج کسی شریف آدمی کو مجلس میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کہ خدا کے سِوا کوئی اور بھی اُس کا شریک ہے۔

یہ کتنا عظیم الشان تغیر ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا اور جس کی مثال دنیا کے کسی نبی کی زندگی میں بھی نہیں ملتی۔ پس مبارک ہے وہ جس نے اپنے گورنر جنرل کے لئے یہ پروگرام تجویز کیا اور مبارک ہے خدا تعالیٰ کا یہ گورنر جنرل جس نے اس پروگرام کو اس طرح پورا کیا کہ جس طرح اسے پورا کرنے کا حق تھا۔

شرک کو باندھ رکھنے کا حکم

چوتھے معنے اس کے یہ بنتے ہیں کہ تو شرک کو باندھ دے یعنی باوجود اس کے کہ تُو توحید کی تعلیم دے گا لوگ مسلمان ہونگے اور شرک چھوڑتے چلے جائیں گے پھر بھی شرک دنیا میں قائم رہے گا کیونکہ شرک نفس کو عیاشی پر قائم رکھنے کی درمیانی سٹیج ہے۔ جب تک انسانی نفس کے اندر کمزوری رہے گی وہ

جھوٹے یا سچے طور پر شرک کا قائل رہے گا۔

نفسِ گنہگار کی تسلّی کے لئے شرک ایک ضروری چیز ہے

مسلمان یُوں تو اللہ اللہ کرتے ہیں لیکن جب ان کا دل چاہتا ہے کہ اسلامی احکام کو توڑ دیں تو توڑ دیتے ہیں مگر ساتھ ہی اُن کا دل پھر یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ جنت میں بھی جائیں اس لئے کہتے ہیں فلاں بزرگ کی قبر پر چڑھاوا چڑھا دیا تو جنت میں چلے گئے، فلاں کی بیعت کر لی تو چلو جنت مل گئی۔ پس شرک نفسِ گنہگار کو تسلّی دینے کا ایک ذریعہ لوگوں نے بنایا ہوُا ہے جب تک نفسِ گنہگار باقی رہے گا شرک کسی نہ کسی شکل میں باقی رہے گا حضرت خلیفہ اوّل سنایا کرتے تھے کہ ہماری ایک بہن تھیں جو کسی پیر صاحب کی مرید تھیں ایک دفعہ قادیان مجھے ملنے کے لئے آئیں تو مَیں نے کہا بہن! تم احمدی نہیں ہوتیں اس کی وجہ کیا ہے؟ کہنے لگیں ہم نے پیر پکڑ لیا ہے اور پیر صاحب کی بیعت کر لی ہے اب ہمیں کسی اور کی ضرورت نہیں۔ مَیں نے کہا پیر صاحب کی بیعت نے تمہیں فائدہ کیا دیا ہے کہنے لگی فائدہ یہ دیا ہے کہ وہ کہتے ہیں اب تم نے ہماری بیعت کر لی ہے اس لئے اب تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں جو تمہاری مرضی ہو کرو تمہارے گناہ ہم نے اُٹھا لئے ہیں اور اب تمہارے سب گناہوں کے ہم جوابدہ ہیں۔ مَیں نے کہا اچھا بہن اب جاؤ گی تو اُن سے پوچھنا کہ ایک ایک گناہ کے بدلہ میں جو لوگوں کو اتنی جوتیاں قیامت کے دن پڑنی ہیں جن کی حد نہیں تو جب آپ نے ہم سب کے گناہ اُٹھا لئے ہیں تو آپ کو کتنی جُوتیاں پڑیں گی؟ چنانچہ وہ گئی اور پھر واپس آئی تو مَیں نے کہا پوچھا تھا؟ کہنے لگی ہاں پوچھا تھا مگر وہ سوال تو پیر صاحب نے حل کر دیا۔ میں نے کہا کس طرح؟ کہنے لگی پیر صاحب نے کہا دیکھو جب تم پُل صراط پر جاؤ گی اور فرشتے پوچھیں گے کہ تمہارے یہ یہ گناہ ہیں تو تم کہہ دینا ہمیں کچھ پتہ نہیں یہ پیر صاحب کھڑے ہیں ان سے پوچھو۔ جیسے ریلوے سفر میں ایک ایک کے پاس ٹکٹ ہوتے ہیں اور ریل والے پوچھتے ہیں کہ ٹکٹ کہاں ہے تو ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں سے لے لو اسی طرح وہاں ہوگا۔ کہنے لگی اچھا پیر صاحب! جب وہ آپ سے پوچھیں گے تو آپ کیا کہیں گے؟ کہنے لگے جب فرشتوں نے ہم سے پوچھا تو ہم آنکھیں سرخ کر کے کہیں گے شرم نہیں آتی کربلا میں ہمارے دادا نے جو قربانی دی تھی کیا اس کے بعد ہم سے پوچھنے کی کوئی ضرورت رہ گئی ہے اور فرشتے شرمندہ ہو کر ایک طرف ہو جائیں گے اور ہم دگڑ دگڑ کر کے جنت میں پہلے جائیں گے۔

تو درحقیقت شرک جہاں ایک گندی چیز ہے، شرک جہاں ایک ناپاک چیز ہے وہاں وہ نفسِ گنہگار کے لئے ایک ضروری چیز بھی ہے جس کے بغیر اس کا گزارہ نہیں ہوسکتا۔ جس طرح مسلمان گنہگار کا شفاعت کے بغیر گزارہ نہیں ہوسکتا، اسی طرح غیر مسلمان کا شرک کے بغیر گزارہ نہیں ہوسکتا، مسلمان بھی یہی کہتا ہے۔

؎ مستحق شفاعت گنہگار انم

چلو چُھٹّی ہوگئی۔ شفاعت کے ہوتے ہوئے اب کسی عمل کی کیا ضرورت ہے؟ پس اس قسم کی شفاعت اور اس قسم کا کفارہ دنیا سے مٹے گا نہیں، تھوڑا بہت قیامت تک ضرور رہے گا ورنہ گنہگار کا ہارٹ نہ فیل ہو جائے۔ اس کے دل کو تسلّی دلانے اور اُس کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے یہ لازمی چیز ہے کہ کوئی نہ کوئی سہارا ہو۔ جس طرح انسان بیہوش ہونے لگے تو پتھر پر سہارا لے لیتا ہے اسی طرح مسلمان شفاعت کے پتھر پر ہاتھ رکھ کر سہارا لے لیتا ہے اور عیسائی کفارہ کے پتھر پر سہارا لے لیتا ہے۔

شرک کی مضرّتوں سے دنیا کو محفوظ رکھنے کا حکم

پس چوتھے معنے اس کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو شرک کو مٹائے گا اور وہ بہت کچھ مٹے گا لیکن پھر بھی کسی نہ کسی شکل میں وہ دنیا میں قائم رہے گا کیونکہ شرک ایک لازمی چیز ہے پھر اس کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ اس کے لئے فرماتا ہے تو شرک کو باندھ دے یعنی جب ایک ضرر نے موجود رہنا ہے اور خدا تعالیٰ نے دنیا کو ایسی شکل میں پیدا کیا ہے کہ گنہگار کے ساتھ شرک نے قائم رہنا ہے تو پھر مؤمنوں کو اُس کے ضرر سے کس طرح بچایا جائے۔ اس کا طریق یہی ہے کہ جس چیز نے قائم رہنا ہو اس کے ضرر کو کم کر دیا جاتا ہے مثلاً بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کے متعلق ڈاکٹر کہتے ہیں انہوں نے ہٹنا نہیں۔ ایسی بیماریوں کا علاج یہ ہوتا ہے کہ انہیں کسی دوا سے دبا دیا جاتا ہے مثلاً کھانسی آتی ہے تو اوپیم دے دی بلغم دبا رہا۔ شرک کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شرک بیشک مٹے گا مگر جو باقی رہے گا اسے اس طرح باندھ دو کہ وہ دَوڑ دَوڑ کر دنیا میں پھیل نہ سکے اور اس کی مضرّت باقی نہ رہے۔

ایک داعی الی الخیر جماعت

اس کا طریق یہ بتایا کہ مؤمنوں کی جماعت اسلام میں قائم رہے جو شرک کے خلاف لوگوں کو کہتی رہے اور دلائل دیتی رہے تاکہ لوگ جب شرک کی طرف مائل ہونے لگیں تو اِنذار وتخویف اور حقیقت کے

بیان کے ساتھ اور وعظ اور نصیحت کے ساتھ نیک طبیعتیں رُک جائیں جس طرح جانور کے پَیر کو گردن سے باندھتے ہیں تو وہ دَوڑ نہیں سکتا اسی طرح شرک دَوڑنے کے قابل نہ رہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵۲

یعنی چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیکی اور تقویٰ اور اسلام کی طرف لوگوں کو بلائے اور انہیں نیک باتوں کا حکم دے اور بُری باتوں سے روکے وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور جس قوم میں یہ بات پائی جاتی ہے وہ ضرور کامیاب ہوتی ہے کیونکہ وہ شرارت کو دبائے رکھتی ہے بڑھنے نہیں دیتی۔ جیسے جنگل میں کہیں گندہ بیج پڑ جائے تو وہ مٹتا نہیں بلکہ پھیل جاتا ہے لیکن اگر کوئی اعلیٰ درجہ کی کھیتی ہو تو زمیندار جانتا ہے کہ اس میں بھی بعض دفعہ دب گھاس نکل آئے گی، بعض دفعہ تھوہریں نکل آئیں گی، بعض دفعہ بکولیاں پیدا ہو جائیں گی، بعض دفعہ آک نکل آئے گا اُس وقت ضرر سے بچنے کا کیا طریق ہوتا ہے یہی ہوتا ہے کہ زمیندار ہل چلاتے ہیں بیشک وہ پھر بھی نکلتی ہیں لیکن کمزور ہو جاتی ہیں اور کھیت کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

پس تم ایسے مبلّغ مقرر کرتے رہو اور مسلمانوں میں سے ایک ایسی جماعت کو مخصوص کرو جو دین کی خدمت میں لگی رہے جس کی وجہ سے اس قسم کے شرر آمیز اور نقصان دہ مادوں کا ہل کے ساتھ قلع قمع ہوتا رہے بیشک شرّ کا بیج پھر بھی موجود رہے گا، لیکن وہ کمزور ہو جائے گا اور اصل فصل کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

مسلمانوں کا تبلیغِ اسلام سے تغافل

مسلمانوں نے اس پر ایک زمانہ میں عمل کیا لیکن افسوس ہے کہ بعد میں مسلمان اپنے اس فرض کو بُھول گئے اب صرف احمدی جماعت ہی ہے جو ہل چلا چلا کر دب، گھاسوں اور جڑی بوٹیوں کو دُور کر رہی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے فائدہ کے لئے یہ کام ہو رہا ہے وہ اسی کا نام انکارِ جہاد رکھتے ہیں، اصل جہاد احمدی کر رہے ہیں اور مولوی کہتا ہے کہ چھوڑ دو یہ ہل چلانے، آک نکلنے دو، تھوہریں نکلنے دو، بکولیاں پیدا ہونے دو، کھیتوں کو برباد ہونے دو، مسلمانوں کو بھوکا مرنے دو، تم تو بے ایمان ہو گئے ہو جو مسلمانوں کے لئے روٹی مہیّا کر رہے ہو۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کی تشریح

آگے فرماتا ہے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ غیر احمدی مولوی اس کے یہ معنے کرتا ہے کہ لوگوں پر اس نیت سے احسان نہ کر کہ تجھے اس کے بدلہ میں کچھ زیادہ ملے اسی کا ترجمہ میں نے پہلے یہ کر دیا تھا کہ سُود خوری نہ کر۔ لوگوں کو اس لئے پیسے نہ دیا کر کہ اس کے بدلے میں تجھے زیادہ ملے لیکن دوسری شکل ہمارے ملک میں ایک اور بھی ہوتی ہے جسے ڈھویا دینا کہتے ہیں اور اُردو میں ڈالی دینا کہتے ہیں بعض باغبان گلدستے بنا لیتے ہیں کچھ پھول لے لئے، کچھ تریں لے لیں، کچھ ترکاری لے لی اور کسی امیر آدمی کے گھر لے گئے کہ مَیں ڈالی لایا ہوں آگے اس کی طرف سے جو بدلہ ملتا تھا وہ قیمت میں نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً یہ نہیں ہوتا تھا کہ دو آنے کی چیز ہوئی تو اس نے دو آنے ہی دے دیئے بلکہ کبھی دس کبھی بیس کبھی پچاس اور کبھی سَو روپے دے دیتا تھا۔

بنواُمیّہ کے ایک بادشاہ کا لطیفہ

عربوں میں اس کا بڑا رواج تھا خصوصاً بنوامیّہ کے خلفاء کے پاس بڑے بڑے تحفے آتے تھے۔ لطیفہ مشہور ہے کہ بنوامیّہ کا ایک بادشاہ ایک دفعہ شکار کے لئے گیا اور جنگل میں اکیلا رہ گیا اُسے ایک شخص ملا جو گدھا ہانک رہا تھا اور اُس پر اُس نے کھیرے رکھے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے کہا میاں! کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا دمشق جا رہا ہوں کہنے لگا کہ کس لئے اس نے اِسی بادشاہ کا نام لیا کہ اس کے حضور میں پیش کرنے کے لئے یہ لے چلا ہوں کہنے لگا کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ وہ مجھے انعام دیگا۔ اس نے کہا ان چیزوں کا بھلا کیا انعام ہوسکتا ہے یہ تو بہت معمولی چیزیں ہیں اچھا تم کیا امید رکھتے ہو؟ اس نے کہا میں تو امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے تین سَو اشرفی انعام دیگا۔ اُس نے کہا تین سو اشرفی! یہ تو ایک اشرفی کی بھی چیز نہیں تمہیں تین سَو اشرفی کون دیگا؟ کہنے لگا تین سَو نہ سہی اڑھائی سو لے لونگا۔ اُس نے کہا اڑھائی سَو بھی بہت زیادہ ہے، کہنے لگا تو پھر دوسَو سہی۔ اس نے کہا دوسَو بھی بہت زیادہ ہے۔ کہنے لگا نہ مانے گا تو ڈیڑھ سَو سہی اس نے ڈیڑھ سَو کو زیادہ بتایا تو کہنے لگا سَو سہی۔ اُس نے کہا کون بے وقوف ہے جو تمہیں سَو اشرفی دے دیگا۔ وہ بیچارا مایوس ہو کر اسی طرح قیمت گراتا چلا گیا اور آخر کہنے لگا کہ میں دس اشرفی تو ضرور لوں گا۔ اُس نے کہا یہ تو دس اشرفی کی بھی چیز نہیں کہنے لگا اگر اس نے دس سے بھی کم دیں تو میں گدھا اس کی ڈیوڑھی میں باندھ دونگا اور آپ چلا آؤنگا اُس نے کہا اچھا!

اِس گفتگو کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس آ گیا اور اُس نے سپاہیوں کو حکم دیدیا

کہ اگر اس اس طرح کا کوئی آدمی آئے تو خیال رکھنا اور اسے میرے پاس بھیج دینا۔ اس نے پتہ نہ لگنے دیا کہ مَیں بادشاہ ہوں۔ جب وہ آیا تو سپاہیوں نے اسے اندر بھجوادیا۔ وہاں بادشاہی جلال تھا اور تمام درباری ادب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی شکل پہچانی نہیں جاتی تھی کیونکہ جنگل میں وہ سادہ لباس میں گھوڑے پر اکیلا سوار تھا اُس جنگلی کو دیکھ کر بادشاہ کہنے لگا کس طرح آنا ہؤا؟ اُس نے کہا حضور! آپ کے لئے ایک نیا تحفہ لایا ہوں کہنے لگا کیا چیز ہے؟ اس نے کہا تریں اور کھیرے ہیں کہنے لگا کیا بے قیمت چیز ہے، اس نے کہا حضور نئی چیز ہے کسی نے اب تک کھائی نہیں اس نے پوچھا اچھا تو پھر تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو؟ کہنے لگا تین سَو اشرفی۔ اس نے کہا کیا تم مجھے پاگل سمجھتے ہو کہ ان کھیروں اور تروں کے بدلہ میں تمہیں تین سَو اشرفی دیدوں گا۔ اس نے کہا تین سَو نہیں تو اڑھائی سَو دے دیجئے۔ کہنے لگا اڑھائی سَو بھی کون دے سکتا ہے اس نے کہا اڑھائی سَو نہیں تو دوسَو دے دیجئے۔ کہنے لگا دوسَو بھی زیادہ ہے۔ اس نے کہا تو پھر سَو اشرفی لائیے وہ کہنے لگا سَو بھی بہت زیادہ ہے غرض اسی طرح وہ قیمت گھٹاتا چلا گیا جب دس پر پہنچا تو بادشاہ نے کہا دس اشرفی بھی بہت زیادہ ہے۔ اس پر وہ بے اختیار کہنے لگا وہ کم بخت منحوس جو مجھے راستہ میں ملا تھا جس طرح اُس نے کہا تھا ویسا ہی ہؤا ہے اور یہ کہہ کر وہ لوٹا بادشاہ ہنس پڑا اور اس نے اسے واپس بُلایا اور کہا گھبراؤ نہیں اور پھر اس نے حکم دیا کہ جتنی رقمیں ہوئی ہیں وہ سب جمع کر کے اسے دیدی جائیں یعنی ۳۰۰+۲۵۰+۲۰۰+۱۵۰+۱۰۰+۹۰ اس طرح کئی سَو روپے بن گئے جو اسے دے کر اس نے رخصت کیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک

یہ ڈھوئے اور ڈالی کا طریق ہؤا کرتا تھا چونکہ یہ سُودخوری سے کم ہے اس لئے وہ اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ اے محمد رَسُوْل اللہ! تو ڈھوئے لے کر لوگوں کے پاس نہ جایا کر اے محمد رَسُوْل اللہ! تو ڈالیاں لےلیکر ڈپٹی کمشنر کے پاس نہ جایا کر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

خدا کا گورنر جنرل اور اُس کا جرنیل آیا ہے اس کو ڈھوئے اور ڈالیوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ خدا تو اس سے یہ کہتا ہے کہ ہم تجھے اپنے پاس سے رزق دینگے اور بے حساب دینگے خدا تو اسے یہ کہتا ہے کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَ فْلَاکَ [۵۳]

اے محمد رسول اللہ! اگر تو دنیا میں نہ آیا ہوتا تو یہ سونے اور چاندیاں اور لوہے اور پیتل

اور زمرّد اور ہیرے اور دریا اور پہاڑ غرض کچھ بھی نہ ہوتا یہ سب کچھ تیری خاطر پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ شخص جس کی جُوتیوں کی خاک ہیں یہ چیزیں بلکہ جس کی جُوتیوں کی خاک سے ادنیٰ ہیں اس کے متعلق مولوی یہ کہتے ہیں کہ وہ زیادہ لینے کے لئے لوگوں کو ڈھوئے دیتا پھرتا تھا کہ میں دس روپے کی چیز دیتا ہوں وہ مجھے پندرہ دے دے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ یہ بھی اسی طرح ان کی غلطی ہے جس طرح کہ پہلی غلطیاں تھیں اور یہاں بھی وہی نادانی کام کر رہی ہے کہ ہر بُرے معنے محمد رسول اللہ کی طرف اور ہر اچھے معنے اپنے عیسیٰؑ کی طرف منسوب کئے جائیں۔

لُغت کے لحاظ سے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ کے صحیح معنے

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آیت کے صحیح معنے کیا ہیں؟ اس غرض کے لئے ہم پھر لغت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مَنّ کبھی صلہ کے ساتھ آتا ہے اور کبھی بغیر صلہ کے۔ جب یہ صلہ کے ساتھ آئے تو اس کا صلہ علیٰ ہوتا ہے چنانچہ مَنَّ عَلَیْہِ کے معنے ہوتے ہیں اس پر احسان کیا یا اس پر احسان جتایا [۵۴] اور بغیر صلہ کے مَنّ آئے تو اس کے معنے ہوتے ہیں کسی کو روکنا یا کاٹنا [۵۵] اور اِسْتَکْثَرَ کے معنے ہوتے ہیں زیادہ لینا۔[۵۶] اس میں روپیہ کی شرط نہیں جو چیز بھی ہم زیادہ لیں اس کے معنے اِسْتِکْثَار کے ہو جائیں گے۔

پہلے دو معنوں کے متعلق مَیں بتا چکا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں اور آپ کی شان کے بالکل خلاف ہیں اور پھر سیاق وسباق کے ساتھ بھی ان کا کوئی جوڑ نہیں۔ ذکر ہو رہا ہے اِنذار کا اور کہا جا رہا ہے کپڑے دھو، ریٹھے لا، صابن خرید، حمام میں جا اور پھر سُود خوری نہ کر۔ ان گندے معنوں کے ساتھ بھی اس کا کوئی جوڑ نہیں بنتا لیکن ہم جو معنے بتاتے ہیں وہ سارے کے سارے ان آیتوں پر چسپاں ہو جاتے ہیں۔

مشرکوں کو قتل کرنے یا ان کی آزادی پر پابندیاں عائد کرنے کی ممانعت

اب ہمارے نقطہ نگاہ سے اس کے یہ معنے بن جائیں گے کہ اے محمد رسول اللہ! ہم نے تجھے شرک کے مٹانے کا حکم دیا ہے پہلے حکم آ چکا ہے کہ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ شرک کو مٹا دے پس ہم نے شرک کے مٹانے کا حکم دیا ہے لیکن اس سے ایک غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے ہم اس غلط فہمی کی تشریح کر دیتے ہیں کہ کہیں تم یا تمہارے مُرید اس حکم کے یہ معنے نہ کر لو کہ مشرکوں کو مارو اور ان کی آزادی پر پابندی عائد کرو اور اس طرح اسلام کو ترقی دو۔ کیونکہ مٹانے کے یہ معنے

بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح وہ کہتے ہیں کہ جو مسلمان ہیں ان کو خوب مارو، ان پر خوب سختی کرو، انہیں خوب ذلیل کرو اسی طرح جو لوگ تم سے اختلاف عقیدہ رکھتے ہیں تم بھی ان سے یہی سلوک کرنے لگ جاؤ۔ خدا تعالیٰ نے سمجھایا کہ مسلمانوں کے دماغ بھی کبھی خراب ہو سکتے ہیں اور ایسا ہو سکتا ہے کہ مسلمان بھی غیر مسلموں پر سختی کرنے لگ جائیں اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہم نے یہ حکم دیا ہے کہ شرک کو مٹا دے تو ہمارا یہ مطلب نہیں کہ تم مشرکوں پر پابندیاں عائد کرو یا مشرکوں کو قتل کرو یہ اسلام میں منع ہے پس اس جگہ مَنّ کے معنے روکنے اور کاٹنے کے ہیں فَلَا تَمْنُنْ پس مت کاٹ وہ شرک جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ اسے مٹا دے اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو مشرکوں کو مارنے لگ جائے اور اس طرح تَسْتَكْثِرُ مسلمانوں کی جمعیت اور ان کی شوکت کو بڑھا دے۔ پس اس جگہ آدمی بڑھانے کا ذکر ہے روپیہ بڑھانے کا ذکر نہیں یعنی مشرکوں کو مت کاٹ، مشرکوں پر قیود مت لگا اس طرح سے کہ مسلمانوں کی طاقت بڑھے اور مسلمان زیادہ ہو جائیں۔ ہم نے اسلام کی ترقی کا ذریعہ تبلیغ رکھی ہے، ہم نے اسلام کی ترقی کا ذریعہ روحانی تعلیمات رکھی ہیں، ہم نے اسلام کی ترقی کا ذریعہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق رکھے ہیں ان ذرائع سے اسلام کو بڑھاؤ، مشرکوں پر پابندیاں لگا کر یا ان کو مار کر یا ان پر قیدیں لگا لگا کر اسلام بڑھانے کا حکم نہیں دیا۔ اب دیکھو یہ معنے کتنے اعلیٰ اور اسلام کی خوبی ثابت کرنے والے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ صبر کی عظمت

پھر فرماتا ہے وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ یعنی اگر مشکلات آئیں تو ان پر صبر کیجئیو مگر وَلِرَبِّكَ۔ صبر دو طرح کا ہوتا ہے ایک ہوتا ہے صبرِ مجبوری۔، بڑے آدمی کا بیٹا ہوتا ہے وہ کسی کو مارتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا کریں بول نہیں سکتے۔ ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے بڑا آدمی ظلم کر رہا ہو تو غریب آدمی کی ماں اُلٹا اپنے بچے کو مارتی ہے۔ یا اگر اس نے کسی عورت کے خاوند کو مارا ہو تو وہ الگ بیٹھ کر روتے ہیں سامنے رو بھی نہیں سکتے۔ یہ بیچارگی کا صبر ہے مگر فرماتا ہے اے محمد رسول اللہ! ہم تیرے جیسے بزرگ شان والے انسان سے یہ امید نہیں کر تے کہ تو بزدلی والا صبر کریگا بلکہ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ تُو وہاں صبر کر جہاں تجھے نظر آتا ہو کہ میرا یہاں صبر کرنا خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہوگا یہ نہیں کہ اس لئے صبر کرو کہ اگر مَیں نے صبر نہ کیا تو ظالم ظلم میں بڑھ جائے گا یا مَیں اس کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہوں وہ طاقتور ہے اور میں

کمزور ہوں تو صبر کریگا ہماری خوشنودی کے لئے اور ہمیں راضی کرنے کے لئے۔

دوسرے معنے صبر کے ایک کام پر لگ جانے کے ہیں ۵۷ پس اس کے معنے یہ ہونگے کہ آج سے دوسرے سب کام چھوڑ کر تو صرف اپنے رب کی خدمت میں لگ جا۔

اب دیکھو یہ دربار کیسا شاندار ہے گورنر جنرل کے تقرر پر دربارِ خاص لگتا ہے، گورنر جنرل پیش ہوتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ہم خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ تقررِ عُہدہ کے وقت سے (جو سورۂ اقراء میں ہے) تم وردی پہن کر اور گھوڑا لے کر کھڑے ہو کہ حکم ملتے ہی تم کام کے لئے نکل کھڑے ہو گے۔ اب ہم ہمیشہ کے لئے یہ عُہدہ تمہارے سُپرد کرتے ہیں، کوئی ماں کا بچہ ایسا نہیں جو تم کو اِس عُہدہ سے الگ کر سکے، ہمیشہ ہمیش کے لئے یہ عُہدہ تمہارے سُپرد کیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانا تمہارا فرض ہوگا۔ کمزور کو بیدار کرنا تمہارے ذمہ ہوگا اور اپنے رب کی سچّی شان کو قائم کرنا تمہارا کام ہوگا اور سب سے پہلے یہ کام اپنے اہل وعیال اور اپنے دوستوں اور اپنی قوم کے لوگوں سے شروع کر۔ پھر دائرہ وسیع کرتا چلا جا اور لباس اور جسم اور دماغ اور دل اور مکان اور ملک کی صفائی کو قائم کر اور ہر قسم کے گند کو مٹا دے اور آئندہ کے لئے تعذیبِ نفس اور تعذیبِ انسان اور تعذیبِ افکار کو دنیا سے ختم کر دے کہ خدا تعالیٰ کو اپنا قُرب دینے کے لئے ان طریقوں کی ضرورت نہیں اور شرک کا قلع قمع کر دے اور ایسے سامان کر کہ مشرک شرک کو دنیا میں پھیلا نہ سکیں، موحّدین دنیا میں غالب ہو جائیں مگر یہ غلبہ مشرکوں پر پابندیاں لگا کر یا انہیں قتل کر کے حاصل نہ کیا جائے بلکہ تبلیغ اور قربانی اور ایثار سے ایسا کیا جائے اور آفات ومصائب میں برداشت کے ذریعہ سے یہ بات حاصل کی جائے مگر بُزدلانہ صبر نہیں بلکہ دلیرانہ صبر کہ جس میں باوجود طاقت کے برداشت اور عفو سے کام لیا جائے اور صرف خدا کو خوش کرنے کے لئے یہ کام کیا جائے اور اپنے اعلان کے آخر میں ہم پھر کہتے ہیں کہ یہ کام تیرے سپرد چند دن کے لئے نہیں کیا جاتا، چند سال کے لئے نہیں کیا جاتا اب تو ہی ہمارا ہو کر رہے گا اور ہمیشہ کیلئے اس عُہدہ پر قائم رکھا جائے گا۔

دیوانِ خاص کی تیسری غرض

(۳) دیوانِ خاص کی تیسری غرض یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ اپنے درباریوں کے کام میں سہولت پیدا کرنے کے

لئے مختلف قسم کی تدابیر اختیار کرتا اور اُن کی مشکلات کے بارہ میں علاج تجویز کرتا ہے اور پھر انہیں مدد دینے کے وعدے کرتا ہے جس سے ان کے اندر کام کرنے کی ایک نئی روح پیدا ہو جاتی ہے۔

دُنیوی بادشاہوں کا طریقِ کار

میں نے دیکھا کہ دُنیوی بادشاہ ایسا کرتے ہیں مگر اوّل تو وہ ہمیشہ ہی صحیح علاج بتانے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ دوسرے کئی دفعہ بادشاہ علاج بتانے کی جگہ خود اپنے درباریوں سے علاج پوچھتے ہیں اور اُن کی مشکلات میں مدد دینا تو الگ رہا خود اپنی مشکلات میں اُن سے مدد لینے کے محتاج ہوتے ہیں اور پھر جو وعدے کرتے ہیں ان کو بھی بسا اوقات وہ پورا نہیں کرتے۔

قرآنی دیوانِ خاص کا نرالا طریق

مگر اس ''دیوانِ خاص'' میں مَیں نے اس بارہ میں بھی نرالا طریق دیکھا۔ مَیں نے دیکھا کہ بادشاہ خود ہی سب علاج بتاتا ہے اور خود ہی سب کچھ مہیّا کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور پھر ہر وعدہ کو وہ پورا بھی کرتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے قرآنی دربارِ خاص کا مطالعہ کیا تو مجھے عجیب حُسن نظر آیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت خاص کا وعدہ

مَیں نے دیکھا کہ بادشاہ جب وزراء اور افسر مقرر کرتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ اور اس کے خاندان کی حفاظت کرینگے مگر میں نے اس دربارِ خاص کا یہ طریق دیکھا کہ جب اس دربار میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا تو ساتھ ہی کہہ دیا گیا کہ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَo[۵۸]

یعنی اے ہمارے رسول! ہم نے تیری طرف جو کچھ نازل کیا ہے تو اسے لوگوں تک پہنچا دے اور اگر تُو ایسا نہیں کریگا تو تیری رسالت کا کام ناتمام رہے گا بیشک اس کام میں تجھے مشکلات پیش آئیں گی، اپنے اور بیگانے تیری مخالفت میں کھڑے ہو جائینگے اور وہ کوشش کرینگے کہ تجھے کُچل کر رکھ دیں اور تیرے نام کو صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیں مگر خدا اُن کو ناکام کریگا اور وہ تجھے لوگوں کے تمام حملوں سے محفوظ رکھے گا۔ یہ کیسا ''دیوانِ خاص'' ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات الگ بھی کی جاتی ہے اور پھر دیوانِ عام میں سُنانے کا حکم دیا جاتا ہے اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس اعلان کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچے تو ہم ذمہ دار ہیں۔

دشمنوں کی عبرت ناک نا کامی کا مرقّع

دنیا نے اس اعلان کو سُنا تو وہ حقارت کے ساتھ ہنسی اور اُس نے سمجھا کہ وہ اپنی کوششوں سے اس گورنر جنرل کے غلبہ اور اقتدار کو روک سکے گی اور اسے تباہ و برباد کر دیگی مگر واقعات بتاتے ہیں کہ دشمنوں کی ہر تدبیر نا کام ہوئی اور خدا تعالیٰ کی حفاظت ہمیشہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال رہی۔

حضرت عمرؓ کا ارادۂ قتل

چنانچہ دیکھ لو جب مکہ میں اسلام نے ترقی کرنی شروع کی اور کفار کی تمام تدابیر کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں زیادتی ہوتی چلی گئی تو حضرت عمرؓ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے انہوں نے جوش میں آ کر ایک دن تلوار ہاتھ میں لی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے کہہ گئے کہ اچھا مَیں خود ہی اِس روز روز کے جھگڑے کو ختم کئے دیتا ہوں۔ ابھی وہ گھر سے تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ انہیں راستہ میں اپنا ایک دوست ملا اُس نے پوچھا عمر اتنے جوش میں تلوار ننگی لٹکائے کہاں جا رہے ہو؟ عمر نے کہا آج مَیں نے ارادہ کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر لے کر ہی واپس لوٹوں گا تا کہ یہ روز روز کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اُس دوست نے کہا عمر! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارنے جا رہے ہو پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ عمر نے کہا میرے گھر میں کیا ہؤا ہے؟ دوست نے کہا تمہاری بہن اور تمہارا بہنوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے بڑے غصّہ میں اپنی بہن کے گھر کا راستہ لیا جب گھر کے قریب پہنچے تو انہیں قرآن کریم کی تلاوت کی آواز سُنائی دی۔ قرآن کریم پڑھنے کی آواز سُن کر انہیں اور بھی جوش آیا اور جھٹ دروازہ کے اندر داخل ہو گئے۔ ان کی آہٹ پا کر حضرت خبابؓ جو ایک حبشی غلام تھے اور وہی اس وقت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو قرآن پڑھا رہے تھے کہیں چُھپ گئے اور اُن کی بہن نے قرآن کریم کے اوراق اِدھر اُدھر چُھپا دیئے۔

بہنوئی پر حملہ

حضرت عمرؓ نے اندر آتے ہی نہایت جوش اور غصّہ کے ساتھ کہا مَیں نے سُنا ہے تم دونوں اپنے دین سے پھر گئے ہو اور تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ یہ کہتے ہی وہ اپنے بہنوئی پر جھپٹ پڑے اور انہیں مارنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر اُن کی بہن اپنے خاوند کو بچانے کے لئے آگے بڑھی مگر حضرت عمرؓ کا ہاتھ جو اُٹھ چکا تھا اُسے روکنا مشکل تھا چنانچہ ایک مُکّہ ان کی بہن کو بھی جا لگا اور اُن کے جسم میں سے خون بہنے لگا۔

بہن کو زخمی دیکھ کر حضرت عمرؓ کی ندامت وشرمندگی

یوں تو عرب لوگ اپنی بیویوں کو مارنا کوئی عیب نہ سمجھتے تھے مگر کسی دوسری عورت پر ہاتھ اُٹھانا وہ اپنی مردانگی کے خلاف خیال کرتے تھے حضرت عمرؓ کا اپنی بہن کو زخمی کرنا بِالا رادہ نہ تھا چونکہ وہ اپنا ہاتھ اُٹھا چکے تھے اس لئے اب اُس کا رُکنا مشکل ہو گیا تھا جب انہوں نے اپنی بہن کو زخمی اور خون میں تر بتر دیکھا تو اُن کے دل میں ندامت اور شرمندگی پیدا ہوئی اور انہیں گھبراہٹ کے عالَم میں اور کچھ نہ سُوجھا اپنی بہن سے کہنے لگے اچھا ان باتوں کو جانے دو یہ بتاؤ کہ تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ یہ سُن کر بہن کو بھی سخت غصّہ آیا، کہنے لگی میں تمہیں ہرگز وہ اوراق نہیں دکھاؤنگی کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ تم اُن کو ضائع کر دو گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا نہیں کرونگا بلکہ دیکھ کر تمہیں واپس دیدونگا۔ بہن نے کہا تم جب تک غسل نہ کرلو تم ان اَوراق کو ہاتھ نہیں لگا سکتے چنانچہ حضرت عمرؓ غسل کرنے کے لئے چلے گئے جب غسل سے فارغ ہوئے تو بہن نے قرآن کریم کے وہ اَوراق نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔

حضرت عمرؓ پر قرآن کریم کا معجزانہ اثر

حضرت عمرؓ کے دل میں بہن کے زخمی کرنے سے اتنی ندامت پیدا ہو چکی تھی کہ ضد اور تعصّب اور عداوت کا وہ پردہ جس کی وجہ سے وہ قرآن کریم کو سُننا تک گوارا نہ کرسکتے تھے اب ہٹ چکا تھا۔ جب بہن نے قرآن کریم کے اَوراق ان کے سامنے رکھے تو انہوں نے انہیں پڑھنا شروع کیا وہ آیات سورہ طٰہٰ کی تھیں جُوں جُوں وہ ان آیات کو پڑھتے جاتے ایک ایک لفظ ان کے سینے میں نقش ہوتا چلا جاتا۔ پڑھتے پڑھتے حضرت عمرؓ کی حالت بِالکل بدل گئی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور قرآن کریم کی آیات نے اُن کی فطری سعادت کو بیدار کر دیا قرآن کریم کا ایک ایک لفظ ان کے سینے کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو گیا۔ اب عمرؓ وہ عمر نہیں رہا تھا جو مسلمانوں کو ان کے اسلام کی وجہ سے دُکھ دیا کرتا تھا، اب عمرؓ وہ عمر نہیں رہا تھا جو اپنی لونڈی کو اسلام لانے کی وجہ سے ہمیشہ زدوکوب کیا کرتا تھا، اب عمرؓ وہ عمر نہیں رہا تھا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ عہد کر کے نکلا تھا کہ آج مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے ہی واپس لَوٹونگا، اب عمرؓ اپنی اس اصل حالت پر آ چکا تھا جو اُس کے لئے ازل سے مقدر تھی، اب عمرؓ اس رنگ میں رنگین ہو چکا تھا جس میں خدا تعالیٰ اُسے رنگنا چاہتا تھا، اب عمرؓ کی سنگدلی کی جگہ

ایمانِ کامل نے لے لی تھی حضرت عمرؓ نے جب یہ آیت پڑھی۔ اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخۡفِیۡہَا لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا تَسۡعٰی ۵۹

تو وہ بے اختیار ہو کر بولے یہ کیسا عجیب اور پاک کلام ہے۔ یہ سُنکر حضرت خبابؓ جو ان سے ڈر کر چُھپے بیٹھے تھے باہر نکل آئے۔

حضرت عمرؓ کی دارِارقم کو روانگی

حضرت عمرؓ نے جنہیں اب ایمان نے بیقرار کر دیا تھا بیتابی کے ساتھ خبابؓ سے پوچھا مجھے جلد بتاؤ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ خبابؓ نے بتا دیا کہ محمدؐ رسول اللہ فلاں جگہ ہیں مگر چونکہ حضرت عمرؓ نے ابھی تک اپنی تلوار اسی طرح کھینچ رکھی تھی جس سے یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کے ارادے نیک نہیں اس لئے ان کی بہن اس خیال سے کہ خدانخواستہ ان کی نیت خراب ہی نہ ہو آگے بڑھی اور ان کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگی خدا کی قسم! میں تمہیں ہرگز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں جانے دوں گی جب تک تم مجھ سے اقرار نہ کرو کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دُکھ نہیں پہنچاؤ گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا نہیں نہیں بہن! ایسا نہیں ہو سکتا مجھ پر اسلام کا گہرا اثر ہو چکا ہے۔ یہ سنکر بہن نے انہیں چھوڑ دیا اور حضرت عمرؓ دارِارقم کی طرف روانہ ہو گئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن دنوں مقیم تھے۔

حضرت عمرؓ کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہونا

حضرت عمرؓ نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت صحابہؓ کو قرآن کریم کی تعلیم دے رہے تھے۔ صحابہؓ نے جب دروازے کی دراڑ میں سے دیکھا کہ عمر ننگی تلوار لئے دروازے میں کھڑے ہیں تو انہوں نے سمجھا آج عمر کے ارادے نیک نہیں ہیں اس لئے انہوں نے دروازہ کھولنے میں تأمّل کیا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ حضرت حمزہؓ جو ابھی نئے ایمان لائے تھے جوش کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے دروازہ کھول دو اگر تو عمر کسی نیک ارادہ کے ساتھ آیا ہے تو بہتر ورنہ کیا عمرؓ کو تلوار چلانی آتی ہے ہمیں تلوار چلانی نہیں آتی۔ صحابہؓ نے دروازہ کھولا اور حضرت عمرؓ اسی طرح ننگی تلوار لئے اندر داخل ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا عمر! تم کس ارادے سے

آئے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں تو آپ کے خادموں میں داخل ہونے کے لئے حاضر ہؤا ہوں۔

نعرہ ہائے تکبیر

یہ سُنکر آپؐ نے خوشی کے جوش میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور ساتھ ہی صحابہؓ نے بڑے زور کے ساتھ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ لگایا یہاں تک کہ مکّہ کی پہاڑیاں بھی گونج اُٹھیں۔[٦٠]

خدائی حفاظت کا غیر معمولی نشان

اب دیکھو عمر تو اس ارادہ کے ساتھ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ آج میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار کر ہی واپس لوٹوں گا اُس وقت جبکہ عمر اپنی تلوار سونت کر گھر سے نکلے ہونگے مکہ والے کتنے خوش ہونگے کہ آج عمر، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کئے بغیر واپس نہ آئیگا، مکہ کے لوگ بیتابی کے ساتھ انتظار کر رہے ہونگے کہ کب انہیں خوشخبری ملتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے، وہ لوگ ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر حضرت عمر کی راہ تک رہے ہونگے کہ کب وہ پہنچ کر اپنی کامیابی کی اطلاع دیتے ہیں، وہ لوگ خوش ہونگے کہ آج عمر اِس جھگڑے کو ختم کر کے ہی واپس آئے گا، عمر اپنی جگہ خوش تھے اور گھر سے تلوار سَونت کر نکلتے وقت کہہ رہے ہونگے کہ میرے جیسا بہادر بھلا فیصلہ کئے بغیر لَوٹ سکتا ہے؟ غرض حضرت عمرؓ اپنی جگہ خوش تھے اور مکّہ والے اپنی جگہ پر خوش تھے اِس بات پر کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ضرور قتل ہو جائینگے مگر خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہؤا اُن کی نادانی پر ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم نے تجھ سے یہ نہیں کہا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ[٦١] خدا تعالیٰ تجھے خود لوگوں کے حملہ سے بچائے گا چنانچہ اُس نے حضرت عمرؓ کو اِس طرح پکڑا کہ کوئی انسان اس طرح پکڑ نہیں سکتا۔ انسان کی گرفت زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتی تھی کہ کوئی مسلمان حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں کھڑا ہو جاتا اور اُن کو مار دیتا، انسان کی گرفت زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتی تھی کہ حضرت عمرؓ کی بہن یا ان کا بہنوئی اور ان کا حبشی غلام انہیں راستہ میں پکڑ لیتے اور انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ جانے دیتے، انسان کی گرفت یہ ہو سکتی تھی کہ حضرت حمزہؓ یا کوئی اور صحابی حضرت عمرؓ کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے اور انہیں قتل کر دیتے مگر خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو اِس طرح پکڑا کہ وہی عمر جو آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلا تھا آپ کے پاس پہنچ کر خود قتل ہو گیا۔ جسم کی موت بھلا کیا حقیقت رکھتی ہے اصل موت تو وہ ہوتی ہے جب کوئی

شخص کسی کی غلامی میں داخل ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ گئے تو اِس نیت کے ساتھ تھے کہ وہ آپؐ کو مار دینگے لیکن اسی عمرؓ کو خدا نے ایسا مارا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر تلوار لے کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ محمد رسول اللہ فوت ہو گئے ہیں تو مَیں اس کی گردن کاٹ دونگا۔[۶۲]

واقعہء ہجرت

پھر واقعہء ہجرت پر غور کرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی معجزانہ رنگ میں حفاظت فرمائی۔ مکّہ کے صنادید آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کرتے ہیں کہ مختلف قبائل کے مسلّح نوجوان رات کو آپؐ کے مکان کے اِرد گرد گھیرا ڈال لیں اور جب آپ باہر تشریف لائیں تو سب مل کر آپؐ کو قتل کریں تا کہ یہ خون قریش کے متفرق قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنو ہاشم انتقام لینے کی جرأت نہ کر سکیں۔ اِدھر انہوں نے یہ فیصلہ کیا اور اُدھر اُسی خدا نے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہؤا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے اس بدارادہ کی اطلاع دے دی اور آپؐ کو مکہ سے ہجرت کا حکم دے دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے گھر سے ایسی حالت میں نکلتے ہیں جب قریش کے مسلّح نوجوان آپ کے قتل کے ارادہ سے آپ کے مکان کے اِرد گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں مگر آپ کے دل میں کوئی گھبراہٹ پیدا نہیں، آپ کے بدن میں کوئی ارتعاش پیدا نہیں ہوتا، آپ کے جسم پر کپکپی طاری نہیں ہوتی، آپ کے حواس پراگندہ نہیں ہوتے، آپ بڑے اطمینان کے ساتھ اُن سفّاک اور خونخوار بھیڑیوں کے درمیان سے خراماں خراماں نکل جاتے ہیں اور کوئی آنکھ آپ کو بد اِرادہ سے نہیں دیکھ سکتی، کوئی ہاتھ آپؐ پر وار کرنے کے لئے نہیں اُٹھ سکتا، کوئی تلوار اپنی میان سے باہر نہیں آسکتی، زمین وآسمان کے خدا نے اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا، اُن کے ہاتھوں کو شل کر دیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحفاظت وہاں سے نکال لیا کیونکہ خدا نے یہ فرمایا تھا کہ وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔

غارِ ثور تک پہنچ کر بھی دشمن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری میں کامیاب نہ ہو سکا

جب دشمن نے دیکھا کہ اس کا یہ تیر بھی خالی چلا گیا تو اپنی ندامت اور شرمندگی مٹانے کے لئے اُس نے مکّہ کے ہوشیار اور فنکار کھوجیوں کی مدد سے آپؐ کے پاؤں کے نشانات دیکھتے ہوئے غارِ ثور تک آپ کا تعاقب کیا اور دشمن

اس قدر قریب پہنچ گیا کہ حضرت ابوبکرؓ جو اس ہجرت میں آپ کے ساتھ شامل تھے گھبرا اُٹھے اور انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! دشمن اِس قدر قریب پہنچ چکا ہے کہ اگر وہ ذرا آگے بڑھ کر غار کے اندر جھانکے تو ہمیں پکڑنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اطمینان سے فرماتے ہیں کہ اے ابوبکر! گھبراتے کیوں ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔[۶۳] یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ ہمیں پکڑنے میں کامیاب ہوسکیں۔ چنانچہ مکہ کے صنادید جس طرح رات کی تاریکی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑنے میں ناکام و نامراد رہے ہیں اسی طرح وہ دن کی روشنی میں بھی آپ کی گرفتاری میں کامیاب نہ ہوسکے اور خدا نے بتا دیا کہ مَیں رات اور دن اس انسان کے ساتھ ہوں۔ ممکن ہے اُن مکّہ کے نوجوانوں میں بعض یہ خیال کرتے ہوں کہ چونکہ رات تھی اس لئے محمد رسول اللہ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، خدا اُن کو دن کے وقت غارِ ثور کے منہ پر لایا اور پھر اُن کی آنکھوں میں نابینائی پیدا کر کے بتا دیا کہ اس کا اصل باعث یہ نہیں کہ محمد رسول اللہ رات کی تاریکی میں نکل آئے تھے بلکہ اس کا اصل باعث یہ ہے کہ مَیں اس کا محافظ ہوں ورنہ دن کی روشنی میں اپنے کھوجیوں کی نشان دہی کے باوجود تم اسے پکڑنے میں کیوں کامیاب نہ ہوسکے۔

سراقہ کا تعاقب

پھر جب آپ مدینہ جا رہے تھے ایک دشمن آپ کے سر پر پہنچ گیا مگر الٰہی تصرف کے ماتحت اُس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ وہ پھر آگے بڑھا تو دوبارہ اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اس پر وہ گھبرا اُٹھا اور اُس نے سمجھا کہ یہ بلا وجہ نہیں ہوسکتا چنانچہ یا تو وہ آپ کی گرفتاری کے ارادہ سے باہر نکلا تھا یا عجز اور انکسار کے ساتھ وہ آپ سے معافی کا طالب ہؤا اور اُس نے کہا کہ آپ خدا تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ ایک دن ضرور غالب آکر رہیں گے۔[۶۴]

اس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح قدم قدم پر خدا تعالیٰ نے آپ کی معجزانہ رنگ میں حفاظت فرمائی اور دشمن کو اپنے ناپاک عزائم میں ناکام رکھا۔

الٰہی تصرّف کے ماتحت دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر جانا

اسی طرح غزوہ غطفان سے واپسی کے موقع پر جبکہ آپ ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے ایک دشمن آپؐ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آپ کے

پاس جا پہنچا اور اُس نے آپ کی ہی تلوار سونت کر آپ کو جگایا اور پوچھا کہ اب آپ کو کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے لیٹے لیٹے نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ اَللّٰہُ۔ان الفاظ کا اس پر ایسا ہیبت ناک اثر ہوُا کہ اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً وہ تلوار اپنے ہاتھ میں پکڑی اور اُس سے پوچھا کہ بتا اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اُس نے کہا آپ ہی رحم کریں تو کریں ورنہ میری نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔[۶۵]

جنگِ اُحد میں خدائی تصرّف

پھر جنگ اُحد میں ایک وقت ایسا آیا جب بعض صحابہؓ کی غلطی کی وجہ سے اسلامی لشکر تتر بتر ہو گیا اور آپؐ کے اِرد گرد صرف چند صحابہؓ رہ گئے اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ آپ اکیلے نرغہء اعداء میں گھِر گئے۔ایسے خطرناک موقع پر اگر خدا کی حفاظت آپ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو دشمن کے لئے آپؐ کو جانی نقصان پہنچانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہزاروں مسلّح سپاہیوں کے سامنے کسی ایک شخص کی کیا حیثیت ہوتی ہے مگر ان نازک گھڑیوں میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے سامنے میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے اور ایک لحہ کے لئے بھی وہاں سے ہٹ جانے یا خود حفاظتی کے لئے کسی پتھر کے پیچھے چُھپ جانے کا خیال بھی آپ کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔دشمن آگے بڑھا اور اُس نے آپ پر شدید حملہ کر دیا یہاں تک کہ آپؐ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہو گئے اور آپ بیہوش ہو کر گڑھے میں گر گئے۔ دشمن نے سمجھا کہ وہ آپ کو مارنے میں کامیاب ہو گیا ہے مگر جب جنگ کے بادل پھٹے انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ میں سورج کی طرح دمکتے دیکھا اور یہ خبر اُن پر بجلی بن کر گری کہ آج بھی وہ ہزاروں کا لشکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا[۶۶] اور کیوں ایسا نہ ہوتا جبکہ اِس گورنر جنرل کے متعلق دربارِ خاص میں یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا تجھے لوگوں کے حملوں سے بچائے گا۔

جنگِ حنین میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن کی طرف بڑھتے چلے جانا

اسی طرح حنین کی جنگ میں جب صرف بارہ آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد رہ گئے تھے اور دشمن کے چار ہزار تیر انداز تیروں کی بارش برسا رہے تھے بعض صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہا اور کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اس

وقت آگے بڑھنا ہلاکت کے منہ میں جانا ہے مگر آپ نے بڑے جوش سے فرمایا میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دومَیں پیچھے نہیں ہٹ سکتا اور خود دشمن کی طرف یہ کہتے ہوئے آپ نے بڑھنا شروع کر دیا کہ :-

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبُ [٦٧]

میں خدا تعالیٰ کا سچا نبی ہوں اس کی طرف جھوٹی بات منسوب نہیں کر رہا لیکن میری اس وقت کی کیفیت کو دیکھ کر تم یہ خیال نہ کر لینا کہ میرے اندر کوئی خدائی طاقت پائی جاتی ہے میں ایک انسان ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ غرض اُن نازک گھڑیوں میں بھی جب اسلام کے جانباز سپاہی جو سارے عرب کو شکست دے چکے تھے بارہ ہزار کی تعداد میں ہوتے ہوئے ایک غیر متوقع حملہ کی تاب نہ لا کر اپنے پائے ثبات میں جُنبش محسوس کر رہے تھے اور اُن کی سواریاں میدانِ جنگ سے بھاگ رہی تھیں، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرد گرد صرف چند آدمی رہ گئے تھے جب ہر طرف سے دشمن بارش کی طرح تیر برسا رہے تھے، آپ آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے کیونکہ آپؐ کو یقین تھا میرا خدا میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے خود دشمن کے حملہ سے بچائے گا۔

ایک حیرت انگیز واقعہ

پھر اِسی جنگ کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ مکّہ کا ایک شخص جس کا نام شیبہ تھا اِس جنگ میں صرف اس نیت اور ارادہ کے ساتھ شامل ہؤا کہ موقع ملنے پر مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دونگا۔ جب لڑائی تیز ہوئی تو وہ خود کہتا ہے کہ میں نے تلوار سونت لی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے مَیں نے آپؐ کے قریب ہونا شروع کیا۔ اُس وقت مجھے یوں معلوم ہؤا کہ میرے اور آپؐ کے درمیان آگ کا ایک شُعلہ اُٹھ رہا ہے جو قریب ہے کہ مجھے جلا کر بھسم کر دے مگر پھر بھی میں آگے بڑھتا چلا گیا اُس وقت اچانک مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنائی دی کہ شیبہ! میرے پاس آؤ جب میں آپ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا اے خدا! شیبہ کو شیطانی خیالات سے نجات دے۔ شیبہ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ یکدم میری تمام دشمنی دُور ہوگئی اور میرا دل آپ کی محبت اور پیار کے جذبات سے اِس قدر لبریز ہو گیا کہ اُس وقت میرے دل میں سوائے اِس کے اور کوئی خواہش نہ رہی کہ

مَیں اپنی جان آپ کے لئے قربان کردوں۔ ٦٨ے

شاہِ ایران کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم دینا

پھر کسریٰ شاہِ ایران جو آدھی دنیا کا مالک تھا اُس نے یہود کے اشتعال دلانے پر اپنے گورنرِ یمن کو لکھا کہ عرب کے اس مدعی نبوت کو گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دیا جائے یہ شخص اپنے دعووں میں بہت بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ گورنر یمن نے اس حکم کے ملتے ہی ایک فوجی افسر کو اس ڈیوٹی پر مقرر کیا اور وہ ایک سپاہی کو اپنے ساتھ لیکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے مدینہ منورہ میں پہنچا اور اُس نے آپ سے کہا کہ کسریٰ نے گورنرِ یمن کو حکم بھجوایا ہے کہ آپ کو گرفتار کر کے اُس کی خدمت میں حاضر کیا جائے اور ہم اس غرض کے لئے یہاں آئے ہیں آپ ہمارے ساتھ چلیں ورنہ کسریٰ کو زیادہ غصّہ آیا تو وہ آپ کو بھی ہلاک کر دیگا اور آپ کی قوم اور ملک کو بھی برباد کر دے گا۔

شاہِ ایران کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آج رات ٹھہرو کل میں تمہیں اس کا جواب دونگا۔ رات کو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو بتایا گیا کہ کسریٰ کی اِس گستاخی کی سزا میں آج رات ہم نے اس کے بیٹے کو اس پر مسلّط کر دیا ہے اور اُس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ جب صبح ہوئی اور گورنرِ یمن کے ایلچی دوبارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا جاؤ اور اپنے گورنر سے جا کر کہہ دو کہ آج رات میرے خدا نے تمہارے خداوند کو مار دیا ہے۔

گورنرِ یمن کا استعجاب

جب گورنرِ یمن کو یہ اطلاع پہنچی تو اس نے کہا اگر یہ شخص واقعہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ایسا ہی ہوُا ہوگا لیکن اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو پھر کسریٰ اسے بھی تباہ کر دیگا اور اس کے ملک کو بھی برباد کر دے گا بہر حال اُس نے حیرت اور استعجاب کے ساتھ اس خبر کو سُنا اور اُس نے ایران سے آنے والی اطلاعات کا انتظار کرنا شروع کیا۔

گورنرِ یمن کا اقرار کہ مدینہ کے نبی نے سچ کہا تھا

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ یمن کی بندرگاہ پر ایران کا ایک جہاز لنگر انداز ہوُا اور اس میں ایک شاہی ایلچی نے گورنرِ یمن کو بادشاہ کا ایک خط دیا

اس پر چونکہ ایک نئے بادشاہ کی مُہر تھی اس لئے خط کو دیکھتے ہی گورنر یمن کہہ اُٹھا کہ مدینہ کے نبی نے سچ کہا تھا۔ پھر اس نے خط کھولا تو اس میں کسریٰ کے بیٹے (شیرویہ) نے لکھا ہوا تھا کہ مَیں نے اپنے باپ کو اس کے مظالم کی وجہ سے قتل کر دیا ہے اور اب مَیں اُس کی جگہ تخت حکومت پر متمکن ہوں تم تمام افسروں سے میری اطاعت کا اقرار لو اور یہ بھی یاد رکھو کہ میرے باپ نے عرب کے ایک نبی کی گرفتاری کا جو حکم بھیجا تھا اُس کو مَیں منسوخ کرتا ہوں کیونکہ وہ نہایت ظالمانہ حکم تھا۔ گورنر یمن اس خط کو پڑھ کر اس قدر متأثر ہوا کہ وہ اَور اس کے کئی ساتھی اُسی وقت اسلام میں داخل ہو گئے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام میں داخل ہونے کی اطلاع بھجوا دی۔ [۶۹]

اس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی معجزانہ تائید اور اُس کی نصرت آپؐ کے شاملِ حال رہی۔ دشمن نے آپ کو قتل کرنے کے لئے کئی منصوبے کئے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر دفعہ اس کو اپنے منصوبوں میں ناکام رکھا۔

یہود کی متواتر ناکامی

مدینہ منورہ میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہود تھے جو مخالفت کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ایک دفعہ انہی کے ایک قبیلہ بنونضیر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض امور پر گفتگو کرنے کے لئے بُلوایا۔ لیکن در پردہ سازش کی کہ ایک شخص چُپکے سے چھت پر چڑھ کر ایک بڑا وزنی پتھر آپ پر گرا دے جس سے آپ ہلاک ہو جائیں اور بعد میں یہ مشہور کر دیا جائے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہو گیا ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اِس کی خبر دیدی اور آپ وہاں سے اُٹھ کر واپس آ گئے۔ [۷۰] اسی طرح غزوۂ خیبر میں ایک یہودی عورت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لُقمہ ہی اُٹھایا تھا کہ آپ کو اس کا علم ہو گیا کہ کھانے میں زہر ملایا گیا ہے اور آپ اسے چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ [۷۱]

غرض اس دربار میں خدائی گورنر جنرل کے متعلق جو کچھ کہا گیا تھا تاریخی واقعات اِس بات پر گواہ ہیں کہ وہ وعدہ بڑی شان کے ساتھ پورا ہوا۔

اچھے ہتھیاروں اور اچھے معاونوں کی ضرورت

پھر ایک افسر تبھی کامیاب ہوتا ہے جب اسے اچھے ہتھیار اور اچھے معاون

ملیں۔ دُنیوی بادشاہ افسر مقرر کر کے یہ چاہتے ہیں کہ اب وہ اچھے ہتھیار اور اچھے معاون خود تلاش کریں مگر اس دربار میں مَیں نے یہ عجیب بات معلوم کی کہ گورنر جنرل کے مقرر ہوتے ہی یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اسے بہترین ہتھیار اور بہترین معاون ہم خود دینگے اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی چنانچہ اس خدائی گورنر جنرل کے متعلق یہ اعلان کیا گیا کہ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ـ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ـ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ـ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ [۲]

قرآنی اسلحہ

اے لوگو سنو! ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کا روحانی حاکم مقرر فرما دیا ہے اور اسے ایک ایسے ہتھیار کے ساتھ مسلّح کیا ہے جس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جسموں کو نہیں بلکہ دلوں اور دماغوں کو فتح کرتا ہے پھر یہ ہتھیار ایسا نہیں جس کی چوٹ کھا کر لوگ زخموں سے تڑپنے اور تلملانے لگ جائیں بلکہ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ لوگ اس ہتھیار کی چوٹ کھانے اور اس کا شکار ہونے میں ایک لذت اور سرور محسوس کرتے ہیں۔ یہ روحانی ہتھیار صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ میں ہے یعنی پہلی الہامی کتب کی تمام اعلیٰ درجہ کی اخلاقی اور روحانی تعلیموں کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ اسے اپنے سروں پر اُٹھائے پھریں گے اور کوئی نقص اس میں نہیں پائیں گے۔

حاملینِ قرآن کی عظمت

یہ ہتھیار بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ہوگا یعنی ایسے سپاہیوں کے ہاتھوں میں دیا جائیگا جو مسافر بھی ہونگے اور لکھنے والے بھی ہونگے یعنی ایک طرف وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کے دلوں کو فتح کرنے کے لئے دُور دُور کا سفر کرینگے جیسے صحابہؓ قرآن کریم کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہندوستان، ایران، عراق، مصر، بربر اور روم وغیرہ تک چلے گئے اور دوسری طرف آئندہ زمانہ کے لوگوں کے دل فتح کرنے کے لئے وہ اِس کتاب کو لکھ لکھ کر پھیلا دینگے تاکہ ہر زمانہ کے لوگ اِس سے فائدہ اُٹھائیں۔ وہ دنیا کو اِس ہتھیار سے فتح کرنے کی وجہ سے كِرَامٍ ہوجائیں گے لیکن معزز ہونے کی وجہ سے وہ مغرور نہ ہونگے بلکہ بَرَرَةٍ ہوں گے یعنی دوسروں پر احسان کرنے والے اور اُن کے غمخوار اور اپنی ترقی کو ذاتی بڑائی کا موجب نہیں بنائیں گے بلکہ اُسے محتاجوں کی تکلیفیں اور غرباء کی مشکلات دُور کرنے کا موجب بنائیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی غرباء پروری

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپ کے صحابہ کی زندگی کے حالات پر نگاہ ڈالی جائے تو ہر شخص کو یہ اقرار کرنے پر مجبور ہونا پڑیگا کہ ان میں یہ خوبی نہایت نمایاں طور پر پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو بڑی شان عطا فرمائی مگر ہر قسم کی طاقت اور شوکت رکھنے کے باوجود انہوں نے غرباء اور مساکین کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھا اور اُنکی تکالیف کو دُور کرنے کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

حلف الفضول میں شمولیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے کہ مکّہ کے بعض شرفاء نے ایک سوسائٹی بنائی جس کا کام یہ تھا کہ جو لوگ مظلوم ہوں اُن کی امداد کی جائے اس سوسائٹی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوئے اور چونکہ اس کے بانیوں میں سے اکثر کے نام میں فضل آتا تھا اس لئے اِس کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔ اِس واقعہ پر سالہا سال گزرنے کے بعد ایک دفعہ صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! یہ کیسی سوسائٹی تھی جس میں آپ بھی شریک ہوئے تھے؟ غالبًا صحابہ کا منشاء یہ تھا کہ آپ تو نبی ہونے والے تھے آپ ایک انجمن کے ممبر کس طرح ہو گئے جس میں دوسروں کے ماتحت ہو کر کام کرنا پڑتا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ تحریک مجھے ایسی پیاری تھی کہ اگر آج بھی مجھے کوئی اس کی طرف بُلائے تو میں اس میں شامل ہونے کے لئے تیار رہوں۔ [۳۷] گویا غرباء کی امداد کے لئے آپکو دوسروں کی ماتحتی میں بھی کوئی عار نہیں تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مظلوم شخص کے متعلق ابوجہل سے مطالبہ

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک ثبوت بھی انہی دنوں بہم پہنچا دیا۔ مکّہ کے قریب کا ایک شخص تھا جس کا ابوجہل کے ذمہ کچھ قرض تھا اُس نے ابوجہل سے اپنے روپے کا مطالبہ شروع کر دیا مگر ابوجہل اس کی ادائیگی میں لیت ولعل کرتا رہا۔ آخر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ابوجہل نے میرا اتنا روپیہ مارا ہوا ہے آپ مجھے میرا حق دلا دیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ابوجہل آپ کے قتل کا فتویٰ دے چکا تھا اور مکّہ کا ہر شخص آپ کا جانی دشمن تھا۔ جب آپ باہر نکلتے تو لوگ آپ پر پتھر اور مٹی پھینکتے، بیہودہ آوازے کستے اور ہنسی اور تمسخر کرتے مگر آپ نے ان باتوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور فوراً اُس آدمی کو ساتھ لے کر ابوجہل کے مکان پر پہنچے اور دروازہ پر دستک دی۔ ابوجہل نے دروازہ کھولا تو وہ یہ دیکھ کر

حیران رہ گیا کہ وہ شخص جس کا میں اس قدر دشمن ہوں آج میرے مکان پر چل کر آ گیا ہے۔ اُس نے پوچھا آپ کس طرح آئے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اس شخص کا کوئی روپیہ دینا ہے؟ اس نے کہا ہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر دے دو۔ ابوجہل خاموشی سے اندر گیا اور روپیہ لا کر اس کے حوالے کر دیا۔[۴]

قدرت کا ایک عجیب نشان

جب یہ خبر مکّہ میں مشہور ہوئی تو لوگوں نے ابوجہل کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا کہ تم تو کہتے تھے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جتنا دُکھ دیا جائے اتنا ہی اچھا ہے اور خود اُن سے اتنا ڈر گئے کہ اُن کے کہتے ہی چُپ کر کے روپیہ لا کر دیدیا۔ ابوجہل کہنے لگا تم نہیں جانتے جب میں نے دروازہ کھولا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں دو دیوانے اونٹ کھڑے ہیں اور اگر مَیں نے ذرا بھی انکار کیا تو وہ مجھے نوچ کر کھا جائینگے۔[۵] غرض ایک غریب کا حق دلوانے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا اور اس طرح اپنے عمل سے بتا دیا کہ انسان کے اندر غرباء کی امداد کا کس قدر احساس ہونا چاہئے۔

صدقہ کا ایک دینار تقسیم نہ ہونے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ

اسی طرح ایک دفعہ صدقات کا کچھ روپیہ آیا تو اُن کو تقسیم کرتے ہوئے ایک دینار کسی کونے میں گر گیا اور آپ کو اُٹھانے کا خیال نہ رہا۔ نماز پڑھانے کے بعد آپ کو یاد آیا تو لوگوں کے اوپر سے پھاندتے ہوئے آپ جلدی سے اندر تشریف لے گئے۔ صحابہؓ حیران ہوئے کہ آج کیا بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی گھبراہٹ میں گھر تشریف لے گئے ہیں۔ جب آپ واپس آئے تو آپ نے فرمایا صدقہ کا ایک دینار گھر میں رہ گیا تھا میں نے چاہا کہ جس قدر جلدی ممکن ہو اِسے غرباء میں تقسیم کر دوں۔[۶]

حضرت عائشہؓ کی سخاوت

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو خود نہیں کماتی تھیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے تعلق کی وجہ سے صحابہ آپ کی خدمت میں اکثر ہدایا بھجواتے رہتے تھے لیکن وہ بھی اپنا اکثر روپیہ غرباء اور مساکین میں تقسیم فرما دیا کرتی تھیں۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ بعض دفعہ ایک ایک دن میں ہزارہا روپیہ آپ کے پاس آیا مگر آپ نے وہ سب کا سب شام تک تقسیم کر دیا

اور ایک پائی بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ اِس پر ایک سہیلی نے کہا آپ روزہ سے تھیں افطاری کے لئے چار آنے تو رکھ لیتیں آپ نے فرمایا تم نے پہلے کیوں نہ یاد دلایا۔[۷۷]

حضرت عائشہ کی اپنے بھانجے سے ناراضگی

ان کی عادت کو دیکھ کر ایک دفعہ ان کے بھانجے نے جس نے اُن کے مال کا وارث ہونا تھا کہیں کہہ دیا کہ حضرت عائشہ تو اپنا سارا مال لُٹا دیتی ہیں۔ یہ خبر جب حضرت عائشہ کو پہنچی تو آپ نے اپنے گھر میں اُس کا آنا جانا بند کر دیا اور قسم کھائی کہ اگر مَیں نے اسے اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی تو مَیں اس کا کفارہ ادا کروں گی۔ کچھ عرصہ کے بعد صحابہؓ نے درخواست کی کہ آپ اس کا قصور معاف فرما دیں۔ چنانچہ اُن کے زور دینے پر حضرت عائشہ نے اسے معاف کر دیا مگر فرمایا کہ چونکہ مَیں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر میں اسے معاف کروں گی تو کفارہ ادا کروں گی اس لئے میں اس کا کفارہ یہ قرار دیتی ہوں کہ آئندہ میرے پاس جو دولت بھی آئیگی وہ مَیں سب کی سب غرباء اور یتامیٰ ومساکین کی بہبودی کے لئے تقسیم کر دیا کرونگی۔[۷۸]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی کثرتِ مال کے باوجود انتہائی سادہ زندگی

اسی طرح صحابہ میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف لاکھوں روپیہ کی جائداد کے مالک تھے چنانچہ جب آپ فوت ہوئے تو اڑھائی لاکھ دینار اُن کے گھر سے نکلا[۷۹] مگر اتنی دولت رکھنے کے باوجود تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اموال کا اکثر حصّہ غرباء کی ترقی کے لئے خرچ کر دیا کرتے تھے۔[۸۰] غرض صحابہ نے مال و دولت کو کبھی ذاتی بڑائی کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ اُسے بنی نوع انسان کی بہبودی کے لئے خرچ کیا ہے۔

ایک صحابی کا اپنے تمام قرض معاف کر دینا

یہ خوبی صحابہ میں اس قدر نمایاں پائی جاتی تھی کہ اسلامی تاریخ میں ایک مشہور صحابی حضرت قیس کے متعلق جنہیں فتح مکّہ کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کا کمانڈر مقرر فرمایا تھا روایت آتی ہے کہ جب وہ مرض الموت میں مبتلاء ہوئے تو ایک دن انہوں نے اپنے بعض دوستوں سے پوچھا کہ میری بیماری کی خبر تو سب لوگوں میں

مشہور ہو چکی ہے مگر میری عیادت کو بہت کم لوگ آئے ہیں اِس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا بات دراصل یہ ہے کہ آپ بڑے مخیّر آدمی ہیں آپ نے سینکڑوں لوگوں کو قرض دیا ہوا ہے اب وہ آپ کے پاس آتے ہوئے شرماتے ہیں کہ مبادا آپ روپیہ کا تقاضا نہ کردیں۔ آپ نے فرمایا! اوہو میرے دوستوں کو بڑی تکلیف ہوئی جاؤ اور سارے شہر میں منادی کردو کہ ہر شخص جس کے ذمہ قیس کا کوئی قرض ہے وہ اُسے معاف کر دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس اعلان پر اس قدر لوگ ان کی عیادت کے لئے آئے کہ ان کی سیڑھیاں ٹُوٹ گئیں۔[۸۱] یہ وہ بَرَرَۃ تھے جو محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صُحبت سے تیار ہوئے جنہوں نے اپنی جانوں اور اپنے اموال کو ایک حقیر چیز کی طرح محض اس لئے لٹا دیا کہ بنی نوع انسان کو ترقی حاصل ہو۔

تمام مشکلات کو دُور کرنے کا وعدہ

پھر دنیا میں حکومتوں پر جب مشکلات کے اوقات آتے ہیں تو بادشاہ اُن کا حوالہ دیگر کہتے ہیں کہ ہم امید کرتے ہیں کہ تم ثابت قدم رہو گے اور ہماری حکومت کے ہوا خواہ ثابت ہو گے اور ہمارے درجہ کی بلندی کا موجب ثابت ہو گے مگر اس دربار میں مَیں نے یہ عجیب بات دیکھی کہ تمام مشکلات کے حل کرنے کا بادشاہ خود وعدہ کرتا ہے۔

ترکِ وطن کے صدمہ پر مکّہ میں واپسی کی بشارت

مثلاً سب سے بڑا صدمہ اس روحانی گورنر جنرل کو اپنے آبائی وطن کے چھوڑنے کا پیش آنے والا تھا سو اِس کی اُس نے پہلے خبر دے دی کہ عارضی طور پر ہماری مصلحت کے ماتحت تمہارے دشمن تم پر غالب آئیں گے اور تم کو اپنا وطن چھوڑنا پڑیگا لیکن ہم تجھے پھر اپنے وطن میں واپس لائیں گے چنانچہ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ [۸۲]

ہم جس نے تجھ پر قرآن کی حکومت قائم کی ہے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب دشمن تجھے تیرے وطن سے نکال دیگا جس کی طرف دنیا حج اور عمرہ کے لئے بار بار آتی ہے تو ہم پھر تجھے واپس تیرے وطن میں لے آئیں گے۔

غور کرو اور دیکھو کہ کتنی بڑی تشفّی ہے۔

اوّل مصیبت کے آنے کی خبر دی،

دوم اس مصیبت کے وقت میں پیشگوئی پورا ہونے کی خوشی پہنچائی،

سوؔم واپس آنے کی خوشخبری دی اور،
چہارؔم عملاً واپس لا کر دل کو تیسری خوشی پہنچائی، کیا دنیا کا کوئی دربارِ خاص اس روحانی دربار کا مقابلہ کرسکتا ہے؟

دربارِ خاص میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی حکومت کا اعلان

پھر سب حکومتیں ایک عرصہ کے بعد کمزور ہوکر مٹ جاتی ہیں کوئی حکومت دائمی نہیں ہوتی۔ انگریزوں ہی کو دیکھ لو اُن کی حکومت اب ہندوستان میں کہاں ہے؟ سیلون میں کہاں ہے؟ برما میں کہاں ہے؟ پرانی زبردست حکومتیں کہاں ہیں؟ نہ بادشاہ باقی رہے نہ اُن کے اُمراء اور وزراء باقی رہے، نہ مشکلات میں مشورے دینے والے کام آئے، نہ دوسروں کی مشکلات میں مدد دینے کا وعدہ کرنیوالے اپنے وعدوں کا ایفاء کرسکے مگر مَیں نے اس دربارِخاص میں دیکھا کہ گورنر جنرل کو یہ بتایا جارہا تھا کہ تم کو ہمیشہ کی حکومت دنیا پر دی جاتی ہے چنانچہ فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا [۸۳]

اے ہمارے رسول! ہم نے تجھے کسی ایک قوم یا ایک ملک کی طرف نہیں بھیجا، کسی ایک صدی یا ایک زمانہ کے لوگوں کی طرف مبعوث نہیں کیا بلکہ دنیا کی ہر قوم اور قیامت تک آنے والا ہر زمانہ تیرا مخاطب ہے اور ہر فرد کے لئے تیری غلامی لازمی ہے گویا تیری حکومت دُنیوی بادشاہوں کی طرح عارضی اور فانی نہیں بلکہ دائمی حکومت تجھے عطا کی جاتی ہے اور ہمیشہ کی سرفرازی تجھ کو بخشی جاتی ہے اب کوئی ماں ایسا بچہ نہیں جَن سکتی جو تیرے مقابل میں کھڑا ہوسکے۔ یہ کیسا شاندار مقام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا اور کیسا عظیم الشان دربار ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز کے لئے منعقد ہوا۔

دیوانِ خاص کی چوتھی غرض

(۴) چوتھی غرض دیوانِ خاص کی یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ اپنے درباریوں کو اُن کے اچھے کاموں پر خطاب دیتا اور انعام بخشتا ہے مگر دنیا کے درباروں میں مَیں نے دیکھا کہ خطاب ہے تو بے معنی اور انعام ہے تو فانی، حکومتیں خان بہادر اور خان صاحب کا خطاب دیتی ہیں مگر حقیقتاً نہ وہ خان ہوتے ہیں نہ بہادر۔ پھر انعام دیتی ہیں تو بسا اوقات وہ انعام عارضی ثابت ہوتے ہیں اور دوسری حکومت چھین لیتی ہے۔ کبھی انعام ملنے سے پہلے ہی وہ صاحب ختم ہوجاتے اور کبھی اُن سے فائدہ اُٹھانے کی

توفیق ہی نہیں ملتی۔ کھانا ملتا ہے تو معدہ خراب ہو جاتا ہے، کپڑا ملتا ہے تو جسم پر خارش یا کوڑھ ہو جاتا ہے اور انسان نہ اس کھانے سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے نہ کپڑے سے۔ کبھی انعام لینے والے خود حکومت کے دشمن ہو جاتے ہیں جیسے بعض انگریز کے خوشامدی اور اس سے انعام واکرام لینے والے آج ہم سے اِس لئے ناخوش ہیں کہ یہ انگریز کی اطاعت کرتے تھے اُس وقت ان کی تعریف سے ان کے لب خشک ہوتے تھے اور بڑی بڑی کوششوں اور اِلتجاؤں کے بعد انعام لیتے تھے اور اب ہم پر جنھوں نے کبھی کچھ نہیں لیا آنکھیں نکالتے ہیں کہ تم نے اُن کے اچھے کاموں کی تعریف کیوں کی۔ غرض دُنیوی درباروں کا نہ خطاب حقیقت کے مطابق ہوتا ہے نہ انعام مستقل اور پائدار ہوتا ہے اور نہ انعام لینے والے حکومت کے سچے وفادار ہوتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ کا خطاب

مگر مَیں نے دیکھا کہ اِس دربار کا خطاب بالکل سچا اور انعام ہمیشہ کے لئے رہنے والا ہے چنانچہ دیکھو صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ خطاب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ من الۡمُھٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡھُمۡ بِاِحۡسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ [۸۴]

یعنی مہاجرین اور انصار میں سے وہ لوگ جو سابق بالایمان ہیں اور اسی طرح وہ لوگ جنھوں نے نیکی اور تقویٰ میں ان کے نمونہ کی اتباع کی اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اُس سے راضی ہو گئے یہ وہ عظیم الشان خطاب ہے جو صحابہ کرامؓ کو ملا اور عَلٰی رؤُوۡسِ الۡاَشۡھَادِ اس کا اعلان کیا گیا۔ دنیا میں ہزاروں انقلابات آئے، حکومتیں بدلیں، حوادث رونما ہوئے مگر اس الٰہی دربار سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ کا جو خطاب صحابہ کرامؓ کو ملا تھا وہ بدل نہ سکا آج بھی جب صحابہؓ کا کوئی ذکر کرتا ہے تو ایک مخلص کا دِل محبت اور پیار کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے اور وہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ کہے بغیر نہیں رہتا اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا چلا جائے گا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں دنیا میں لوگ نہایت چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں اور پھر اُن قربانیوں کے بعد جو بدلہ انہیں ملتا ہے وہ نہایت ہی ذلیل اور ادنیٰ قسم کا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے انعامات اتنے اہم ہوتے ہیں اور اُن کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ اُن کے مقابلہ میں دنیا کی بادشاہتیں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں مثلاً یہی بات دیکھو تیرہ سَو سال

کا زمانہ گزرنے کے باوجود آج بھی صحابہؓ کا ذکر آئے تو ہم رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اب یہ بھی ایک خطاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ایسا ہی جیسے خان صاحب یا خان بہادر یا سر یا ڈیوک یا مارکوئس یا ارل وغیرہ ہیں مگر سوچو تو سہی کتنے خان بہادر یا سر یا ڈیوک یا مارکوئس یا ارل ہیں جن کا نام دنیا جانتی ہے یا کتنے بادشاہ ہیں جن کا نام دنیا خطاب سمیت لیتی ہے؟ بڑے بڑے بادشاہ دنیا میں گزرے ہیں مگر آج لوگ اُن کا نام نہایت بے پروائی سے لیتے ہیں۔

سکندر، دارا اور تیمور کا انجام

سکندر کتنا بڑا بادشاہ تھا یونان سے وہ چلتا ہے اور ہندوستان تک فتح کرتا چلا آتا ہے اور بڑی بڑی زبردست حکومتوں کو راستہ میں شکست دیتا ہے مگر آج ایک غریب اور معمولی مزدور بھی سکندر کا نام نہایت بے پروائی سے لیتا ہے۔ بچے بھی سکندر سکندر کہتے پھرتے ہیں اور کوئی ادب کا لفظ اس کے لئے استعمال نہیں کرتا۔ دارا بھی ایک عظیم الشان بادشاہ تھا اور گو اسے سکندر کے مقابلہ میں شکست ہوئی مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی زبردست سلطنت کا مالک تھا اور چین تک اس کی حکومت پھیلی ہوئی تھی مگر آج لوگ اسے دارا دارا کہتے پھرتے ہیں بادشاہ کا لفظ بھی اُس کے متعلق استعمال نہیں کرتے۔

تیمور جو ایک زمانہ میں دنیا کے لئے قیامت بن گیا تھا آج اسے ساری دنیا تیمور لنگ یعنی لنگڑا تیمور کہتی ہے حالانکہ اپنے زمانہ میں اُس کی اتنی ہیبت تھی کہ جب وہ حملہ کرتا تو کُشتوں کے پُشتے لگا دیتا اور بعض جگہ تو لوگوں کو مار مار کر ان کی لاشوں کو جمع کرتا اور مینار کھڑا کر دیتا۔ بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ اُس نے کئی لاکھ آدمی قتل کیا ہے مگر اب ایک ذلیل سے ذلیل انسان بھی جب تیمور کا ذکر کرتا ہے تو کہتا ہے ''لنگڑا تیمور'' حالانکہ اُس کے زمانہ میں کسی کو یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ اسے لنگڑا تیمور کہے وہ شہنشاہ کہلاتا تھا اور بڑے بڑے حکمران اس کے خوف سے کانپتے تھے۔

صحابہؓ کی بے مثال عظمت

غرض وہ بادشاہ جن کی اپنے زمانہ میں بڑی ہیبت تھی جن کا نام سُنکر ہزاروں میل پر لوگ کانپ اُٹھتے اُن کا نام آج انتہائی لاپروائی کے ساتھ ایک معمولی اور بے حیثیت آدمی بھی لے لیتا ہے اور کئی تو ایسے ہیں جن کا نام بھی آج کوئی نہیں جانتا مگر وہ غریب بکریاں اور اونٹ چَرانے والے صحابہؓ جنہوں

نے غربت میں اپنی عمریں گزاردیں آج ان کا نام آتا ہے تو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ کہے بغیر ایک مسلمان کا دل مطمئن ہی نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی فاقہ کشی

حضرت ابوہریرہؓ کو ہی دیکھ لو وہ اپنے متعلق کہتے ہیں کہ مجھے سات سات وقت کا فاقہ ہو جاتا تھا اور جب میں شدتِ ضُعف سے بیہوش ہو جاتا تھا تو لوگ میرے سر پر جوتے مارتے اور سمجھتے کہ مجھے مرگی کا دَورہ ہو گیا ہے پھر حضرت ابوہریرہؓ کسی اعلیٰ خاندان میں سے نہ تھے کوئی نامور لیڈر یا مشہور ادیب نہ تھے، کوئی فوجی ماہر یا سیاسی نفوذ رکھنے والے انسان نہ تھے مگر آج بھی ہماری یہ کیفیت ہے کہ ابوہریرہ کا نام آتا ہے تو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کہے بغیر دل کو چین ہی نہیں آتا۔

حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کا بلند مقام

اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جو حالت تھی وہ خود ان کے باپ کی شہادت سے ظاہر ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باپ کا نام ابوقحافہ تھا جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو اُس وقت ابوقحافہ مکہ میں تھے کسی شخص نے وہاں جا کر ذکر کیا کہ ابوبکرؓ عرب کا بادشاہ ہو گیا ہے۔ ابوقحافہ مجلس میں بیٹھے تھے کہنے لگے کونسا ابوبکر؟ اُس نے کہا وہی ابوبکر قریشی۔ کہنے لگے کونسا قریشی؟ اُس نے کہا وہی جو تمہارا بیٹا ہے اور کون۔ وہ کہنے لگے واہ! ابوقحافہ کے بیٹے کو عرب اپنا بادشاہ مان لیں یہ کیسے ہوسکتا ہے تُو بھی عجیب باتیں کرتا ہے۔ غرض ابوقحافہ کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے متعلق یہ مان ہی نہیں سکتے تھے کہ سارا عرب انہیں بادشاہ تسلیم کرلے گا مگر اسلام کی خدمت اور دین کے لئے قربانیاں کرنے کی وجہ سے آج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو عظمت حاصل ہے وہ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں آج دنیا کے بادشاہوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں جسے اتنی عظمت حاصل ہو جتنی حضرت ابوبکرؓ کو حاصل ہے بلکہ حضرت ابوبکرؓ تو الگ رہے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو اتنی عظمت حاصل نہیں جتنی مسلمانوں کے نزدیک ابوبکرؓ کے نوکروں کو حاصل ہے اس لئے کہ اُس نے ہمارے ربّ کے دروازہ پر سجدہ کیا اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَر کا غلام ہو گیا اب یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اِس عظمت کو ہمارے دلوں سے محو کر سکے اور اُس خطاب کو چھین سکے جو اس نے اپنے دربار میں صحابہ کرامؓ کو دیا۔ آج صحابہ کے زمانہ پر تیرہ سَو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر آج بھی وہ خطاب جو خدا نے اُن کو دیا تھا قائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہیگا۔

رقابت اورعناد سے پاک دربار

پھر دُنیوی بادشاہوں کے ''دیوانِ خاص'' میں باریاب ہونے والوں کوخطابات ملتے ہیں تو باہم رقابت اور دشمنی اورلڑائی شروع ہو جاتی ہے لیکن اس دیوانِ خاص میں شریک ہونے والوں کے دلوں میں کوئی رقابت کوئی دشمنی اورکوئی لڑائی نہیں ہوتی بلکہ ان کے دل ایک دوسرے کی محبت اور پیار کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَااغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۸۵؎

یعنی بعد میں آنے والے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! تو ہمیں بھی بخش اور ہمارے اُن بھائیوں کوبھی بخش جو ہم سے ایمان لانے میں سبقت اختیار کر چکے ہیں اور ہمارے دلوں کواُن کے متعلق ہر قسم کے کینہ اور بُغض سے صاف کر دے۔ اے ہمارے ربّ! تو بڑا مہربان اور بڑا رحم کرنیوالا ہے۔

تعلقات کی خرابی کی تین وجوہ

دنیا میں تعلقات کی تمام تر خرابی حسؔد، رقابتؔ اور آئندہ کے خطرات کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ حسد پہلوں سے ہوتا ہے رقابت ہمعصروں سے ہوتی ہے اور خطرہ بعد میں آنے والوں سے ہوتا ہے لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر ایک سچا مؤمن اِن تینوں نقائص سے اپنا دل صاف رکھنے کی خواہش کرتا ہے گویا اس کا دل ایسا پاکیزہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ پہلوں کا حسد ہوتا ہے نہ ہمعصروں کی رقابت ہوتی ہے اور نہ بعد میں آنے والوں کے متعلق کوئی بدظنی ہوتی ہے۔

ہر قسم کے بُغض اور کینہ سے مبرّا وجود

اسی طرح اللہ تعالیٰ اس ''دیوانِ خاص'' والے درباریوں کی نسبت فرماتا ہے کہ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ اُدْخُلُوْھَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۔ ۸۶؎

یعنی متقی لوگ باغات اورچشموں والے مقامات میں ہونگے اورانہیں کہا جائیگا کہ تم سلامتی کے ساتھ ان میں داخل ہو جاؤ اوران کے سینوں کو ہر قسم کے بُغض اور کینہ اورحسد سے پاک کر دیا جائیگا اوروہ بھائی بھائی بن کر جنت میں رہیں گے۔

الٰہی خطابات کو چھیننے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا

غرض اس دربار میں خطابات تقسیم ہوتے ہیں تو باہم چپقلش اور رقابت شروع نہیں ہو جاتی اور پھر خطابات ملتے ہیں تو وہ نہ صرف حقیقت کے مطابق ہوتے ہیں بلکہ دنیا لاکھ کوشش کرے وہ اُن کو چھیننے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس دربار سے اگر کسی کو نبی کا خطاب دیا گیا تو وہ نبی فوت ہو چکا اور ہزار ہا برس اس کی وفات پر گزر گئے مگر نبی کا خطاب موجود ہے اور اگر اس سے کوئی منکر ہوتا ہے تو فوراً باغیوں میں شریک ہو جاتا ہے حکومت بدل گئی، گورنر کے بعد گورنر تبدیل ہوئے مگر مجال ہے کہ پُرانے گورنر کی کوئی ہتک کر سکے اور اُس کے درجہ کو کم کر سکے!

غرض یہ وہ دربار ہے جس میں درباری کو جو خطاب دیا جاتا ہے اُس کے چھیننے کی کسی میں طاقت نہیں ہوتی اور پھر جو خطاب دیا جاتا ہے وہ بالکل سچّا اور حقیقت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر کسی کو بہادر کہتا ہے تو وہ بہادر ہی ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ حکومت اسے ''خان بہادر'' کہے اور وہ ایک چُوہے سے بھی ڈرتا رہے۔

محمّد رسول اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک اور عظیم الشّان خطاب

پھر ہم نے دیکھا کہ اسی قسم کا ایک اور اعلان بھی اس دربار سے ہو رہا تھا اور دربارِ خاص کا مالک اپنے گورنر جنرل کے متعلق کہہ رہا تھا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ [۸۷]

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور وہ لوگ جو اُن پر ایمان لا کر ان کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں کفار کے لئے بڑے سخت واقع ہوئے ہیں مگر ان کا آپس میں سلوک انتہائی رحم اور شفقت پر مبنی ہے تُو انہیں دیکھے گا کہ وہ رات اور دن خدا تعالیٰ کے حضور رکوع و سجود میں بسر کرتے اور اس کا فضل تلاش کرتے ہیں اور اس کی رضا کے حصول کے لئے ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں اور اُنکی اس پاکیزہ زندگی کا نشان خود ان کے چہروں سے عیاں ہو گیا ہے۔

قوتِ مؤثرہ اور قوتِ متأثرہ کے کرشمے

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ وہ ایک طرف تو اپنے

گرد و پیش کے اثرات کو قبول کرنے کے لئے بڑی شدت سے مائل رہتا ہے اور دوسری طرف اس میں یہ بھی طاقت ہے کہ اگر چاہے تو وہ ایسے اثرات کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ گویا ایک طرف تو وہ ایک مضبوط چٹان ہے کہ جس سے سمندر کی تیز لہریں ٹکرا کر واپس لوٹ جاتی ہیں اور اُس پر ذرا بھی نشان پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتیں اور دوسری طرف وہ ایک اسفنج کے ٹکڑے کی طرح یا نرم موم کی طرح ہے کہ اُس پر ہاتھ ڈالتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں طاقتِ مقابلہ ہے ہی نہیں اور یہی دونوں چیزیں انسان کے تمام اعمال کی جڑ ہیں یعنی کسی جگہ پر اثر قبول کرنا اور کسی جگہ پر اُس کو ردّ کر دینا۔

اچھے اثرات کو قبول کرنے اور بُرے اثرات کو ردّ کرنے کی خوبی

اس جگہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ہیں یعنی یہ نہیں کہ وہ ہر اثر کو قبول کرنے والے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ شیطان کا اثر بھی قبول کر لیتے اور یہ بھی نہیں کہ کسی کا اثر قبول نہ کریں کیونکہ اس صورت میں وہ فرشتوں کے اثر کو بھی ردّ کر دیتے بلکہ اُن کے اندر یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ان میں یہ بھی طاقت ہے کہ خواہ کتنے ہی تکلیف دہ نتائج ہوں پھر بھی وہ کسی غلط اثر کو قبول نہیں کرتے اور یہ بھی طاقت ہے کہ خواہ حالات کتنے مخالف ہوں وہ اچھی چیز کے اثر کو ردّ نہیں کرتے۔ جب کسی ایسی چیز کا سوال ہو جو مذہب اور دین کے خلاف ہو تو وہ ایک ایسے پہاڑ کی مانند بن جاتے ہیں جس پر کوئی چیز اثر نہیں کر سکتی لیکن جہاں تقویٰ اور باہمی اخوت اور برادرانہ تعلّقات کا سوال ہو وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ تصویر لینے کا ایک شیشہ ہیں اور فوراً اس کے عکس کو قبول کر لیتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا نمونہ

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی زندگی میں یہ دونوں باتیں نہایت نمایاں طور پر پائی جاتی تھیں یعنی ایک طرف تو غیرت میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ دین کے خلاف کوئی بات سننا تک برداشت نہیں کر سکتے تھے اور دوسری طرف وہ محبت میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ اپنے بھائیوں کا کوئی قصور انہیں نظر ہی نہیں آتا تھا۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دشمنوں

نے کئی مواقع پر چاہا کہ آپ ان کے بارہ میں نرمی سے کام لیں اور اُن کے بتوں کی تنقیص نہ کریں مگر آپ نے کسی مرحلہ پر بھی اُن کے آگے سرنہیں جُھکا یا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ اس انکار کے نتیجہ میں ان لوگوں کی آتشِ غضب اور بھی بھڑک اُٹھے گی اور یہ پہلے سے زیادہ جوش اور انتقامی قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کے لئے کمر بستہ ہو جائینگے مگر آپ نے اپنی یا اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کی مشکلات کی کوئی پرواہ نہ کی اور ہمیشہ انہیں یہی کہا کہ خدا نے جس پیغام کے پہنچانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے میں اس کے پہنچانے میں اپنے آخری سانس تک کوشش کرتا چلا جاؤں گا اور کبھی اس میں غفلت اور کوتاہی سے کام نہ لونگا۔

عمائدِ قریش کے آنے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا کو جواب

جب مکّہ میں اسلام نے پھیلنا شروع کیا اور قریش کو نظر آنے لگا کہ ان کی کوششیں ناکامی کا رنگ اختیار کرتی جا رہی ہیں تو انہوں نے اپنا ایک وفد ابوطالب کے پاس بھیجا جس میں ابوجہل، ابوسفیان اور عتبہ وغیرہ قریش کے بڑے بڑے رؤساء شامل تھے۔ انہوں نے ابوطالب کے پاس آکر کہا کہ آپ ہماری قوم میں معزز ہیں اس لئے ہم آپ سے یہ درخواست کرنے آئے ہیں کہ اب بات حد سے بڑھ چکی ہے ہم نے آج تک بہت صبر کیا ہے مگر اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہنا چھوڑ دے اور اگر وہ نہ مانے تو اس کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں ہم خود اس سے نپٹ لینگے۔ اور اگر آپ اپنے بھتیجے کو بھی نہ سمجھائیں اور اس کی حمایت سے بھی دست بردار نہ ہوں تو ہم آپ کا بھی مقابلہ کرینگے اور آپ کو اپنی لیڈری سے الگ کر دینگے۔ ابوطالب کے لئے یہ ایک نہایت ہی نازک موقع تھا انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلایا اور کہا اے میرے بھتیجے! آج تیری قوم کے معزّزین کا ایک وفد میرے پاس آیا تھا وہ تیری باتوں سے سخت مشتعل ہو چکے ہیں اور قریب ہے کہ وہ لوگ کوئی سخت قدم اُٹھائیں اور مجھے بھی تکلیف پہنچائیں۔ میں محض تیری خیر خواہی کے لئے کہتا ہوں کہ ان باتوں کو چھوڑ دے ورنہ میں اکیلا ساری قوم کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ میں سمجھتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افسردگی کی گھڑیوں میں سے یہ سخت ترین گھڑی تھی ایک طرف وہ شخص تھا جس نے نہایت محبت سے آپ کو پالا تھا اور جس کے پاؤں میں کانٹا چُبھنا بھی آپ گوارہ نہ کرسکتے تھے اُسے ساری قوم دُکھ دینے

اور نقصان پہنچانے کی دھمکی دے رہی تھی اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کی صداقت کا اظہار تھا۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے کہا۔ اے میرے چچا! آپ بیشک میرا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنی قوم کے ساتھ مل جائیں۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں بھی لا کر کھڑا کر دیں تب بھی میں خدائے واحد کی توحید کے اعلان سے نہیں رُک سکتا[۸۸] کیونکہ یہی وہ کام ہے جس کے لئے میں اس دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ آپ کا انتہائی مشکلات اور مصائب کے اوقات میں جبکہ ابوطالب کے قدم بھی لڑکھڑا گئے تھے یہ دلیرانہ جواب اس لئے تھا کہ آپ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت کے حامل تھے اور دین کے لئے اتنی غیرت رکھتے تھے کہ کفر کی ہر طاقت کے مقابلہ میں ایک مضبوط چٹان کی طرح ڈٹ جاتے تھے اور کسی بڑی سے بڑی مصیبت کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

مسیلمہ کذّاب کی ناکام واپسی

اسی طرح ایک دفعہ مسیلمہ کذّاب آپ کے پاس آیا اور اُس نے کہا اگر آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ مقرر کر دیں تو میری ساری قوم آپ پر ایمان لانے کے لئے تیار ہے اُس وقت اس کی قوم کا ایک لاکھ سپاہی اس کی پُشت پر تھا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنا چاہتا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد اسے حکومت دیدی جائے مگر محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں خدا نے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت کا حامل بنایا تھا انہوں نے جب اس بات کو سُنا تو آپ نے کھجور کی شاخ کے ایک تنکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو اُس وقت آپؐ کے ہاتھ میں تھی فرمایا تم تو خلافت کہتے ہو میں تو تمہیں یہ تنکا بھی دینے کے لئے تیار نہیں۔ یہ جواب ایسا تھا جس پر وہ غصہ اور ناراضگی کی حالت میں واپس چلا گیا[۸۹] اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو وہ اپنے ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا اور اُس نے ایسا شدید حملہ کیا جس کی مثال کسی پہلے حملہ میں نہیں ملتی مگر باوجود اس کے کہ مسیلمہ اور اس کی قوم کی طرف سے حقیقی خطرہ کا امکان تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطالبہ کو ردّ کر دیا اور اس بات کی ذرہ بھی پرواہ نہ کی کہ اس کے نتیجہ میں کیا مشکلات آسکتی ہیں۔

ایک صحابی کی درخواست پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے اپنی چادر دے دینا

مگر جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مقابلہ میں ایک ایسے پہاڑ کی حیثیت رکھتے تھے جس سے ٹکرا کر انسان کا سر پاش پاش ہو جاتا ہے

مگر پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا وہاں اپنے ماننے والوں کے متعلق آپ کے دل میں اِس قدر محبت اور پیار کے جذبات پائے جاتے تھے کہ احادیث میں لکھا ہے ایک دفعہ ایک مخلص عورت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خوبصورت چادر پیش کی جو اس نے اپنے ہاتھ سے بُنی تھی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپؐ اسے اپنی ذات کے لئے استعمال فرمائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ چادر پہن کر باہر تشریف لائے تو ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ چادر مجھے دے دیجئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس چادر کی خود ضرورت تھی مگر آپ نے اس کے سوال کو ردّ کرنا مناسب نہ سمجھا اور فوراً واپس آکر اُسے چادر بجھوا دی۔ لوگوں نے اسے ملامت کی کہ تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چادر کیوں مانگ لی؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس کی خود ضرورت تھی۔ اُس نے کہا مَیں نے یہ چادر اپنے کفن کے لئے لی ہے چنانچہ راوی کہتا ہے کہ بعد میں وہی چادر اس کا کفن بنی۔ [۹۰]

غرباء کی دلداری

اسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک غریب صحابی جو اتفاقی طور پر بدصورت بھی تھے سخت گرمی کے موسم میں اسباب اُٹھا رہے ہیں اور اُن کا تمام جسم پسینہ اور گرد و غبار سے اَٹا ہوا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے ان کے پیچھے چلے گئے اور جس طرح بچے کھیل میں چوری چُھپے دوسرے کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ وہ اندازہ سے بتائے کہ کس نے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا ہے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی سے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ اُس نے آپ کے ملائم ہاتھوں کو ٹٹول کر سمجھ لیا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو محبت کے جوش میں اس نے اپنا پسینہ سے بھرا ہوا جسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے ساتھ مَلنا شروع کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے رہے اور آخر آپ نے فرمایا میرے پاس ایک غلام ہے کیا اس کا کوئی خریدار ہے اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا خریدار دنیا میں کون ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ایسا مت کہو خدا کے حضور تمہاری بڑی قیمت ہے۔ [۹۱]

عورتوں کی تکلیف کا احساس

ایک دفعہ آپ نے فرمایا جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بعض دفعہ میرا جی چاہتا ہے کہ مَیں نماز کو لمبا کروں مگر اچانک میرے کانوں میں کسی بچہ کے رونے کی آواز آ جاتی ہے اس پر مَیں جلدی جلدی نماز

پڑھا دیتا ہوں تا کہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو۔[۹۲] غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہمیں دونوں قسم کے نظارے نظر آتے ہیں وہ نظارے بھی جن میں آپ دشمن کے سامنے ایک ننگی تلوار کی طرح کھڑے ہوگئے اور نہ اس کی دھمکیوں سے مرعوب ہوئے نہ اس کی خوشامد سے متأثر ہوئے۔ اور وہ نظارے بھی جن میں آپ نے اپنے ماننے والوں سے ایسی شفقت اور محبت کا سلوک کیا کہ کوئی ماں بھی اپنے بچوں سے اس شفقت کا اظہار نہیں کرتی۔

جنگ بدر میں صحابہؓ کا دشمن کیلئے پیغامِ موت بن کر ظاہر ہونا

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے متبعین میں بھی یہ دونوں اوصاف پیدا فرما دیئے تھے اور وہ بھی اگر ایک طرف اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت کے حامل تھے تو دوسری طرف ماننے والوں کے لئے مجسمہء رحم واُلفت تھے۔ چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بدر کی جنگ ہوئی تو اس جنگ میں صرف تین سَو تیرہ آدمی مسلمانوں کی طرف سے شریک ہوئے اور وہ بھی بالکل بے سروسامان اور ناتجربہ کار تھے لیکن دشمن کا ایک ہزار سپاہی تھا اور پھر وہ سارے کا سارا تجربہ کار آدمیوں پر مشتمل تھا اور اسلحہ کی بھی بڑی بھاری مقدار اُن کے پاس موجود تھی ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ ابوجہل نے ایک عرب سردار سے کہا کہ تم جاؤ اور یہ اندازہ کر کے آؤ کہ مسلمانوں کی کتنی تعداد ہے؟ جب وہ اسلامی لشکر کا جائزہ لینے کے بعد واپس گیا تو اُس نے کہا میرا اندازہ یہ ہے کہ مسلمان تین سَو اور سَوا تین سَو کے درمیان ہیں۔ ابوجہل اس پر بہت خوش ہؤا اور کہنے لگا کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہم نے میدان مار لیا۔ اس نے کہا اے میری قوم! بیشک مسلمان تھوڑے ہیں لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے لڑائی نہ کرو۔ انہوں نے کہا تُو بڑا بزدل ہے آج ہی یہ لوگ قابو آئے ہیں اور آج ہی تو ہمیں ایسا بزدلانہ مشورہ دے رہا ہے۔ اُس نے کہا یہ درست ہے مگر پھر بھی میں تمہیں یہی مشورہ دُونگا کہ جنگ نہ کرو کیونکہ اے میری قوم! مَیں نے اُونٹوں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں[۹۳] یعنی مَیں نے جس شخص کو بھی دیکھا اُس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اس نیت اور ارادہ کے ساتھ میدانِ جنگ میں آیا ہے کہ آج مر جانا ہے یا مار دینا ہے اس کے سِوا اور کوئی جذبہ اُن کے دلوں میں نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ فدائیت کا بے مثال جذبہ مسلمانوں میں اسی لئے پیدا ہؤا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت کا حامل بنایا تھا اور وہ تھوڑی تعداد میں ہوتے

ہوئے بھی بڑے بھاری تجربہ کار اور مسلح لشکر کے مقابلہ میں پیغام موت بن کر نمودار ہوتے تھے۔

اہلِ عرب کے ارتداد پر حضرت ابوبکرؓ کی حیرت انگیز جرأت

اس طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو سارا عرب مرتد ہو گیا اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے بہادر انسان بھی اس فتنہ کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے قریب ایک لشکر رومی علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا اور حضرت اسامہؓ کو اس کا افسر مقرر کیا تھا۔ یہ لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور آپ کی وفات پر جب عرب مرتد ہو گیا تو صحابہؓ نے سوچا کہ اگر ایسی بغاوت کے وقت اسامہؓ کا لشکر ابھی رومی علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دیا گیا تو پیچھے صرف بوڑھے مرد اور بچے اور عورتیں رہ جائیں گی اور مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں رہے گا چنانچہ انہوں نے تجویز کی کہ اکابر صحابہؓ کا ایک وفد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں جائے اور اُن سے درخواست کرے کہ وہ اس لشکر کو بغاوت کے فرو ہونے تک روک لیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے یہ درخواست پیش کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ بات سُنی تو انہوں نے نہایت غصّہ سے اس وفد کو یہ جواب دیا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوقحافہ کا بیٹا سب سے پہلا کام یہ کرے کہ جس لشکر کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کرنے کا حکم دیا تھا اُسے روک لے؟ پھر آپ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر دشمن کی فوجیں مدینہ میں گھس آئیں اور کُتّے مسلمان عورتوں کی لاشیں گھسیٹتے پھریں تب بھی مَیں اس لشکر کو نہیں روکوں گا جس کو روانہ کرنے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا[۹۴] یہ جرأت اور دلیری حضرت ابوبکرؓ میں اسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ خدا نے یہ فرمایا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔

جس طرح بجلی کے ساتھ معمولی تار بھی مل جائے تو اس میں عظیم الشان طاقت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کے نتیجہ میں آپؐ کے ماننے والے بھی اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق بن گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کی اسلام کیلئے غیرت اور جذبہء فدائیت

اسی طرح ایک دفعہ باتوں باتوں میں حضرت ابوبکرؓ

کے ایک بیٹے نے جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے کہا ابا جان! فلاں جنگ میں جب آپ بدر مقام سے گزر رہے تھے تو اُس وقت مَیں ایک پتھر کے پیچھے چُھپا ہوُا تھا مَیں اگر چاہتا تو آپ کو قتل کر سکتا تھا مگر مَیں نے کہا باپ کو مارنا درست نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا خدا نے تجھے ایمان نصیب کرنا تھا اس لئے تُو بچ گیا ورنہ خدا کی قسم! اگر مَیں تجھے دیکھ لیتا تو ضرور مار ڈالتا۔[۹۵]

عبداللہ بن اُبی بن سلول کے بیٹے کا اخلاص

ایک جنگ کے موقع پر انصار اور مہاجرین میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اُس وقت عبداللہ بن اُبی بن سلول جو ایک دیرینہ منافق تھا اُس نے سمجھا کہ یہ انصار کو بھڑکانے کا اچھا موقع ہے وہ آگے بڑھا اور اُس نے کہا اے انصار! یہ تمہاری غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ تم نے مہاجرین کو سر چڑھا لیا اب مجھے مدینہ پہنچ لینے دو پھر دیکھو گے کہ مدینہ کا سب سے زیادہ معزز شخص یعنی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ وہ خود مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی یعنی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دیگا۔ عبداللہ کا بیٹا ایک سچا مسلمان تھا جب اُس نے اپنے باپ کی یہ بات سُنی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوُا اور اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میرے باپ نے جو بات کہی ہے اس کی سزا سوائے قتل کے اور کوئی نہیں ہو سکتی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ اسے یہی سزا دینگے لیکن اگر آپ نے کسی اور مسلمان کو کہا اور اس نے میرے باپ کو قتل کر دیا تو ممکن ہے اُس کو دیکھ کر میرے دل میں کبھی خیال آجائے کہ یہ میرے باپ کا قاتل ہے اور مَیں جوش میں آکر اُس پر حملہ کر بیٹھوں اس لئے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں تا کہ کسی مسلمان کا بغض میرے دل میں پیدا نہ ہو۔[۹۶] یہ واقعہ کس طرح ان دونوں اوصاف کو ظاہر کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے صحابہ ءکرام میں ودیعت کر دیئے تھے یعنی ایک طرف وہ کفر کے لئے ایک ننگی تلوار تھے اور دوسری طرف اپنے بھائیوں کے جذبات کا انہیں اتنا احساس تھا کہ عبداللہ کے بیٹے نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر درخواست کی کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر آپ میرے باپ کے متعلق قتل کا حکم صادر فرمائیں تو پھر یہ کام میرے سُپرد کیا جائے تا کہ کسی اور مسلمان کا بُغض میرے دل میں پیدا نہ ہو۔

ایک معمولی شکر رنجی کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کے پاکیزہ جذبات

اسی طرح ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کسی بات پر شکر رنجی ہو گئی۔ غلطی حضرت عمرؓ کی تھی مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ پر ناراض ہونے لگے تو حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھے اور کہنے لگے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا قصور تھا عمرؓ کا کوئی قصور نہیں تھا۔[۹۷] گویا جس طرح ایک ماں اپنے بچے کے متعلق اُستاد سے شکایت کرتی ہے لیکن جب وہ ڈانتا ہے تو سب سے زیادہ دُکھ بھی ماں کو ہی ہوتا ہے یہی حال صحابہ کا تھا اُن کے دلوں میں اپنے بھائیوں کی اتنی محبت پائی جاتی تھی کہ وہ ان کی معمولی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا ایک بدوی عورت کے بچوں کے فاقہ پر تلملا اُٹھنا

حضرت عمرؓ کو دیکھ لو اُن کے رُعب اور دبدبہ سے ایک طرف دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ کانپتے تھے، قیصر و کسریٰ کی حکومتیں تک لرزہ براندام رہتی تھیں مگر دوسری طرف اندھیری رات میں ایک بدوی عورت کے بچوں کو بھوکا دیکھ کر عمرؓ جیسا عظیم المرتبت انسان تلملا اُٹھا اور وہ اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لاد کر اور گھی کا ڈبہ اپنے ہاتھ میں اُٹھا کر اُن کے پاس پہنچا اور اُس وقت تک واپس نہیں لوٹا جب تک کہ اُس نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر اُن بچوں کو نہ کھلا لیا اور وہ اطمینان سے سو نہ گئے۔[۹۸]

عبادتِ الٰہی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغراق

عبادت الٰہی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغراق صرف اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ہی نہیں بلکہ رُکَّعاً سُجَّدًا کے بھی مصداق ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خوبی بھی اُن میں نمایاں طور پر پائی جاتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث سے ثابت ہے کہ آپ رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی اتنی دیر عبادت میں کھڑے رہتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں سُوج جاتے۔[۹۹]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟[۱۰۰]

میدانِ جنگ میں بھی نمازوں کی بالالتزام ادائیگی

اسی طرح صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ میدانِ جنگ میں بھی وہ نمازوں کی ادائیگی کا التزام رکھتے تھے اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود رہتے اور دعاؤں اور ذکر الٰہی میں اپنا وقت گزارتے۔

غرض دُنیوی درباروں میں بادشاہوں کی طرف سے جو خطابات دیئے جاتے ہیں وہ بسا اوقات حقیقت کے برعکس ہوتے ہیں مگر یہ عجیب دربار ہے کہ اس میں بادشاہ کی طرف سے جو خطاب دیا جاتا ہے وہ حقیقت کے عین مطابق ہوتا ہے اور پھر وہ خطاب چلتا چلا جاتا ہے دنیا لاکھ کوشش کرے، زمانہ میں ہزاروں انقلاب آئیں اس خطاب کو کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔

دربارِ خاص میں انعامات کا اعلان

اب میں اُن بعض انعامات کا ذکر کرتا ہوں جو اس الٰہی دربار میں خدا تعالیٰ نے اپنے گورنر جنرل کو عطا کئے اور جن کی نظیر دنیا کے درباروں میں اور کہیں نظر نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ''دربارِ خاص'' میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلایا اور اُن کے لئے اپنے خاص انعامات کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ[۱۰۱]

یعنی اے ہمارے گورنر جنرل! ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے پس تُو اِس نعمتِ عظیمہ کی شکر گزاری کے طور پر اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جا اور قربانیوں پر زور دے یقیناً تیرا دشمن ہی ابتر رہے گا۔

کوثر کے معنے

کوثر کے معنے عربی زبان میں ہر قسم کی خیر اور برکت اور بھلائی کی کثرت کے ہوتے ہیں[۱۰۲] گویا کوئی خیر نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں ہوئی اور کوئی برکت نہیں جو آپ کو نہیں ملے گی اور پھر وہ خیر اور برکت اتنی کثرت کے ساتھ ملے گی کہ اس کثرت میں بھی دنیا کا کوئی انسان آپ کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

سورۂ کوثر کے نزول کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی حالت

جس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس انعام کا اعلان کیا گیا آپؐ کی اور آپ کے ساتھیوں کی یہ حالت تھی کہ باہر نکل

کر نماز بھی ادا نہیں کر سکتے تھے اور آپ کے پیغام کو ماننے والے صرف چند افراد تھے جو اُنگلیوں پر گِنے جا سکتے تھے۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اُس وقت تک مکہ کے کُل بیاسی آدمی آپ پر ایمان لائے تھے[۱۰۳] مگر یہ تو آخری دنوں کی بات ہے اس سے پہلے یہ حالت تھی کہ صرف چند آدمی جن کی تعداد دس پندرہ سے زیادہ نہیں تھی آپ پر ایمان لائے۔ مکہ کی آبادی اُس وقت آٹھ دس ہزار کی تھی اور آٹھ دس ہزار کی آبادی میں سے ایک دو درجن کے قریب آدمیوں کا ساتھ ہونا اور سارے شہر کے لوگوں کا مخالف ہونا اور ایسا مخالف ہونا کہ ہر وقت ان کا مسلمانوں کی جان لینے کی فکر میں رہنا بتاتا ہے کہ مسلمانوں کی اُس وقت کیسی نازک حالت تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹنے کی کوشش

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ گو آپ کو خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی مگر کبھی کبھی آپ محبت الٰہی کے جوش میں وہاں چلے جاتے اور نماز ادا فرماتے۔ ایک دفعہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ شہر کے غُنڈے اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے آپ کو پیٹنا شروع کر دیا اور پھر آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اُسے گھونٹنے لگے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اِس کی اطلاع ملی تو آپ دوڑے دوڑے وہاں آئے اور انہیں ہٹانا شروع کیا اُس وقت وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پُونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ اے میری قوم! تم کو کیا ہو گیا کہ تم ایک ایسے شخص کو مارتے ہو جس کا قصور سوائے اِس کے اور کوئی نہیں کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔[۱۰۴] اسی طرح آپ پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح کے دُکھ دیئے جاتے۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ کا واقعہ

حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک بہت بڑے رئیس کی اولاد میں سے تھے۔ ہجرتِ اولیٰ کے وقت وہ ایبے سینیا کی طرف چلے گئے تھے مگر بعد میں کفار نے یہ خبر اُڑا دی کہ مکہ کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس پر بعض لوگ حبشہ سے واپس آ گئے جن میں حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی شامل تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی تھی تو انہوں نے دوبارہ ایبے سینیا جانے کا ارادہ کیا اس پر مکہ کا ایک رئیس جو اُن کے باپ کا گہرا دوست تھا اُن سے ملا اور اُس نے کہا تم واپس نہ جاؤ میں تمہیں اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں۔ چنانچہ مروّجہ دستور کے مطابق وہ انہیں

خانہ کعبہ میں لے گیا اور وہاں اُس نے اعلان کر دیا کہ عثمان بن مظعونؓ میری حفاظت میں ہے اب کوئی شخص اسے تکلیف نہ پہنچائے۔ اس اعلان کے نتیجہ میں عثمان بن مظعونؓ کُھلے بندوں مکہ میں پھرنے لگے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ دوسرے مسلمانوں کو مارتے پیٹتے ہیں تو اُن کی غیرت جوش میں آئی اور وہ اُس رئیس کے پاس آ کر کہنے لگے کہ میں آپ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا کیونکہ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوسکتا کہ میں تو آرام سے پھروں اور دوسرے مسلمان تکلیفیں اُٹھائیں۔ اُس نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور آخر اُس نے اپنی پناہ کے واپس لینے کا اعلان کر دیا ایک دن عرب کے مشہور شاعر لبیدؔ جو بعد میں اسلام بھی لے آئے تھے مکہ میں آئے اور انہوں نے رؤساء کی محفل میں اپنے اشعار سنانے شروع کر دیئے۔ سناتے سناتے انہوں نے یہ مصرعہ پڑھا کہ:

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

اے لوگو سنو کہ خدا کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ یہ مصرعہ سنتے ہی بول اُٹھے کہ خوب کہا تم نے بڑی سچّی بات کہی ہے۔ اب گو انہوں نے لبید کے مصرعہ کی داد دی تھی مگر لبید ایک نوجوان کی تعریف بھی برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اسے تعریض سمجھتے ہوئے شعر پڑھنے بند کر دیئے اور کہا اے مکہ والو! کیا تم میں اب کوئی شریف آدمی نہیں رہا کہ یہ کل کا بچہ مجھے داد دیتا ہے۔ اس پر لوگوں نے معذرت کی اور حضرت عثمان بن مظعون کو ڈانٹا کہ خاموش رہو اس کے بعد لبید نے دوسرا مصرعہ پڑھا جو یہ تھا کہ:

وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ

یعنی ہر نعمت آخر تباہ ہونے والی ہے۔ حضرت عثمانؓ پھر بول اُٹھے کہ یہ بالکل غلط ہے جنت کی نعمتیں کبھی تباہ نہیں ہونگی۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ لبید غصّہ میں آ گیا اور انہوں نے کہا میری ہتک کی گئی ہے اب میں اپنا کلام نہیں سناؤں گا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص اُٹھا اور اُس نے اس زور سے اُن کی آنکھ پر مُکّہ مارا کہ ان کا ایک ڈیلا باہر نکل آیا۔ یہ دیکھ کر مکّہ کا وہی رئیس جس نے انہیں پناہ دی تھی حسرت کے ساتھ آگے بڑھا اور کہنے لگا کیا میں نہیں کہتا تھا کہ میری پناہ نہ چھوڑ؟ وہ کہنے لگے تم تو یہ کہتے ہو خدا کی قسم! میری تو دوسری آنکھ بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلنے کے لئے تیار ہے۔ [۱۰۵]

نرینہ اولاد نہ ہونے پر دشمن کی طعنہ زنی

غرض یہ وہ حالت تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر گزر رہی

تھی اور چونکہ آپ کے ہاں کوئی نرینہ اولاد بھی نہیں تھی اِس لئے دشمن اپنی نابینائی کی وجہ سے کہتا کہ یہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ''اونتر انکھترا'' (پنجابی) یعنی بےنسل ہے نہ روحانی لحاظ سے اس کی کوئی جمعیت ہے اور نہ جسمانی لحاظ سے اس کی کوئی نرینہ اولاد ہے۔ایسے حالات میں خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور اُس نے کہا اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تجھے خیر کثیر عطا کرنے والے ہیں اور تیرے ان مخالفوں کو جو آج تجھے مٹانے پر کمر بستہ ہیں ابتر بنانے والے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ خیرِ کثیر ملتی چلی گئی

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کلام پر جوں جوں دن گزرتے چلے گئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ خیر اور برکت ملتی چلی گئی اور آپؐ کے مخالفوں کے حصہ میں زیادہ سے زیادہ ناکامی اور نامرادی آتی گئی اور آخر وہ دن آیا کہ وہی شخص جسے اندھیری رات میں مکّہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا، جس کے قتل کے منصوبے کئے گئے تھے، جس کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا گیا تھا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوا اور اُس نے تمام مکّہ کے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے پوچھا کہ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ انہوں نے کہا ہم آپ سے اسی سلوک کی امید رکھتے ہیں جو یوسف نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔آپ نے فرمایا جاؤ مَیں نے تم سب کو معاف کر دیا۔[۱۰۶]

ابوسفیان کا اقرار کہ محمدؐ رسول اللہ دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہو گیا ہے

مکّہ کے لوگ سمجھتے تھے کہ یہ اکیلا شخص کب تک اپنے مشن کو قائم رکھ سکتا ہے یہ آج نہیں تو کل تباہ ہو جائیگا مگر خدا اسے کوثر دینے کا وعدہ فرما چکا تھا۔ اُس نے آپؐ کے ماننے والوں میں اتنی کثرت پیدا کی کہ ابوسفیان نے جب فتح مکہ کے موقع پر اسلامی لشکر کو دیکھا تو بے اختیار وہ حضرت عباسؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا عباس! تمہارے بھائی کا بیٹا آج دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہو گیا ہے۔[۱۰۷]

کفار کے بیٹے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آ گئے

پھر ان لوگوں کو اپنے بیٹوں پر بڑا ناز تھا، مگر خدائی نشان دیکھ کر وہی عاص بن وائل جو بڑے تکبّر سے اپنا تہ بند لٹکائے پھرتا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہا کرتا تھا اُس کا اپنا بیٹا

مسلمان ہوگیا، وہی ولید جو رات اور دن اسلام کے مٹانے پر کمر بستہ رہتا تھا اُس کا اپنا بیٹا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہوگیا، وہی ابوجہل جو تمام کفار کا لیڈر تھا اور جس کی زندگی کی ایک ایک گھڑی اسلام کی مخالفت میں گزری اس کا اپنا بیٹا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد میں شامل ہوگیا۔ یہ ایک خطرناک قسم کی آگ تھی جو خدا نے اُن کے دلوں میں پیدا کر دی اور جس کے شُعلے انہیں ہر وقت جلا کر خاکستر بناتے رہتے تھے اور انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اس آگ کے بجھانے کا کیا انتظام کریں۔ وہ خود اسلام کے دشمن تھے مگر اُن کی اولادوں نے اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈالنا شروع کر دیا اور وہ اپنے باپوں اور بھائیوں کے خلاف تلواریں چلانے لگ گئے۔ یہ ایک بہت بڑا عذاب تھا جس میں وہ رات اور دن مبتلاء رہتے تھے کہ جس مذہب کو مِٹانے کے لئے انہوں نے اپنی عمریں صَرف کر دیں وہی مذہب اُن کے گھروں میں داخل ہوگیا اور اس نے انہی کے بیٹوں کو اُس کا شکار بنا لیا۔

کون ابتر ثابت ہوُا

جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکّہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تو اُس وقت گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان انہیں کچھ نہیں کہہ رہی تھی مگر مکّہ کی گلیوں کی وہ زمین جس پر اُن قدوسیوں کے قدم پڑ رہے تھے اُن دشمنوں کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی کہ اے ابوجہل! عتبہ، شیبہ اور ولید کہاں ہے؟ وہ تمہاری اولاد جس پر تم فخر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہا کرتے تھے۔ وہ ابتر ہے یا آج تم ابتر ثابت ہو رہے ہو؟ تمہاری اولادوں نے جن پر تمہیں ناز تھا تمہیں چھوڑ دیا اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں چلی گئیں۔

محمدؐ رسول اللہ کی آج بھی دنیا میں روحانی اولاد موجود ہے

اسی طرح آج تیرہ سَو برس گزر گئے مگر دنیا میں کوئی نہیں جو یہ کہہ سکے کہ میں ابوجہل کا بیٹا ہوں یا عتبہ اور شیبہ کا بیٹا ہوں مگر آج لاکھوں مسلمان یہ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں کیونکہ خدا نے یہ کہا تھا کہ اے محمدؐ رسول اللہ! ہم تجھے کوثر عطا کریں گے اور تیرے دشمن کو ابتر رکھیں گے۔

تمام الہامی کتب سے افضل الہامی کتاب محمدؐ رسول اللہ کو دی گئی

پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں بھی کوثر عطا کیا کہ آپ کو وہ کتاب ملی جس کی خیر اور برکت کا مقابلہ دنیا کی کوئی کتاب نہیں کرسکتی وہ تمام الہامی کتابوں میں سے ایک زندہ الہامی کتاب ہے وہ علوم اور معارف میں ایک ناپیدا کِنار سمندر ہے، وہ دنیا کی تمام اخلاقی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے والی کتاب ہے، دنیا کے علوم خواہ کتنے بھی ترقی کر جائیں، زمانہ خواہ کتنی کروٹیں بدل لے، یہ کتاب قیامت تک اُن کے لئے ایک کامل راہنما کا کام دیتی چلی جائے گی۔

محمدؐ رسول اللہ کا مقامِ خاتم النّبیّین اور آپ کی عالمگیر بعثت

پھر آپ کو درجہ ملا تو خاتم النّبیّین کا جس میں کوئی نبی بھی آپ کا شریک نہیں۔ پھر سب انبیاء ایک ایک قوم کی طرف مبعوث ہوتے رہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ بنا کر بھیجا گیا اور آپ کی برکات کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا گیا کہ دنیا کی کوئی قوم آپ کی غلامی سے باہر نہ رہی۔ کرشن اور رام چندر کی تعلیم صرف ہندوستان کے لئے تھی، زرتشت کی تعلیم صرف ایران کے لئے تھی، حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت مسیحؑ تک تمام انبیاء کی تعلیم بنی اسرائیل کے لئے تھی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے ہر أَسْوَد و أَحْمَر کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ نے یہ اعلان کیا کہ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً الْاَحْمَرَ وَالْاَسْوَدَ۔[۱۰۸] وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ۔

یعنی خدا تعالیٰ نے مجھے تمام عالَمِ انسانی کی طرف مبعوث فرمایا اور ہر أَسْوَد و أَحْمَر میرا مخاطب ہے۔ اب خواہ ایشیا کے رہنے والے ہوں یا افریقہ کے، یورپ کے رہنے والے ہوں یا جزائر کے، پہاڑوں میں رہنے والے ہوں یا میدانوں میں، گاؤں میں رہنے والے ہوں یا شہروں میں، سب پر آپ کی اطاعت فرض ہے اور کوئی شخص بھی آپ کی غلامی کا جؤا اُٹھائے بغیر روحانی عمارت کی اینٹ نہیں بن سکتا۔

ہر قسم کے خدّام کا عطا کیا جانا

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لحاظ سے بھی خیرِ کثیر عطا کیا کہ اس نے ہر قسم کے انسان آپ کو عطا کئے۔ اگر جرنیلوں کی ضرورت تھی تو اس نے آپ کو ایسے جرنیل عطا کئے جن کے تدبّر کا آج یورپ تک

معترف ہے، اگر مبلّغوں کی ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے مبلّغ عطا فرمائے جو قرآن ہاتھ میں لے کر ساری دنیا میں نکل گئے اور انہوں نے ہزاروں لوگوں کو اسلام میں داخل کیا، اگر جاں نثار اور فداکار غلاموں کی ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے مخلص جاں نثار عطا فرمائے جنہوں نے بھیڑ بکریوں کی طرح خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنے سر کٹا دیئے، اگر کسی جگہ عورتوں کی فدائیت کی ضرورت پیش آئی تو عورتیں آگے آگئیں، اگر کسی جگہ نوجوانوں کا خون قوم کو درکار تھا تو نوجوان آگے نکل آئے، اگر قوم کی ترقی کے لئے عابد و زاہد لوگوں کی ضرورت تھی تو اللہ تعالےٰ نے آپ کو بڑے بڑے شب بیدار اور عابد و زاہد نفوس عطا فرمائے غرض کونسی ضرورت تھی جو خدا تعالےٰ نے پوری نہ کی۔

اخلاص اور فدائیت میں صحابہؓ کی امتیازی شان

پھر اخلاص اور فدائیت کو لو تو اِس میں بھی جو برکت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو ملی وہ کسی اور نبی کے متبعین کو نہیں ملی۔ موسیٰ کے ساتھیوں نے ایک نہایت ہی نازک موقع پر یہ کہہ دیا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ [۱۰۹] اے موسیٰ تو اور تیرا رب جا کر لڑتے پھرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ جاں نثار عطا فرمائے جنہوں نے بڑی دلیری سے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ہم آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو رَوندتا ہؤا نہ گزرے۔ [۱۱۰]

غرض اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر خیر اور برکت کی کثرت عطا کی۔ اُس نے روحانی لحاظ سے ایک طرف سے آپ کو وہ شریعت عطا فرمائی جو قیامت تک منسوخ نہیں ہوسکتی اور دوسری طرف آپ کو وہ بلند مقام بخشا کہ اب قیامت تک کوئی شخص خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل نہیں کرسکتا جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں شامل نہ ہو اور جسمانی لحاظ سے اُس نے آپ کو خدام کی اتنی کثرت بخشی کہ سارا مکہ آپ کی زندگی میں آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوگیا۔

مال ودولت اور رُعب ودبدبہ

اسی طرح مال ودولت کے لحاظ سے اس قدر کثرت بخشی کہ قیصر وکسریٰ کے خزائن مسلمانوں میں تقسیم ہوئے،

رُعب اور دبدبہ اِس قدر عطا فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سُنکر گھر بیٹھے دشمن کا دل لرز جاتا اور اُس کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا تھا۔ غرض ہر خیر اور برکت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی اور اِس کثرت کے ساتھ دی گئی کہ اس کی مثال نہ موسیٰؑ کی زندگی میں مل سکتی ہے نہ عیسیٰ کی زندگی میں مل سکتی ہے نہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کی زندگی میں مل سکتی ہے اور نہ کسی اور نبی کی زندگی میں مل سکتی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی چار اغراض

پھر تفصیلی طور پر دیکھا جائے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی چار اغراض بتلائی گئی تھیں تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت اور تزکیۂ نفوس چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [اا]

یعنی اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر یہ بڑا بھاری احسان کیا کہ اُس نے اُن میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے انہیں روشناس کرتا ہے اُن کا تزکیہءنفس کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور یقیناً وہ اس سے پہلے ایک کُھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

ہر کمال میں محمد رسول اللہ کا منفرد ہونا

اس آیت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار کام بتلائے گئے ہیں اور درحقیقت ہر نبی انہی چاروں امور کی سرانجام دہی کے لئے آیا کرتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ نے دنیا کے ہر نبی سے تلاوتِ آیات بھی زیادہ کی، تعلیمِ کتاب بھی زیادہ دی، تعلیمِ حکمت بھی زیادہ پیش کی اور تزکیہءنفوس بھی زیادہ کیا۔ گویا ہر کمال میں آپ کو کوثر عطا کیا گیا اور ہر خوبی میں آپ کو منفرد رکھا گیا۔

امورِ غیبیہ کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی

عربی زبان میں اٰیَة کے جہاں اور بہت سے معنی ہیں وہاں اس کے ایک معنی اس چیز کے بھی ہوتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی طرف راہنمائی کرے چنانچہ قرآن کریم میں نازل شُدہ فقرات کو بھی اسی لئے آیات کہا جاتا ہے کہ اس کا ہر فقرہ دوسرے فقرہ کے معانی کے لئے بطور دلیل ہوتا ہے جس کو مدِّ نظر رکھنے کے

بغیر اس کا مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔

پس یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ میں یہ بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کی ایسے امور کی طرف راہنمائی کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنی عقل کے زور سے معلوم کرنے سے قاصر تھے اور چونکہ امورِ غیبیہ ہی ایک ایسی چیز ہیں جن کو کوئی انسان اپنی عقل اور فکر کے ساتھ معلوم نہیں کرسکتا اس لئے تلاوتِ آیات کا کام اسی صورت میں مکمل ہوسکتا تھا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو ایسی باتیں بتاتے جو اُن کے لئے امورِ غیبیہ پر ایمان لانے کی محرک ہوتیں اور انہیں آپ کی راہنمائی میں وہ روحانی دولت ملتی جو اس سے پہلے ان کے پاس نہیں تھی۔

ہستی باری تعالیٰ

اس نقطۂ نگاہ سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ امورِ غیبیہ میں سب سے پہلی اور اہم خبر خدا تعالیٰ کا وجود ہے کیونکہ وہ وراء الورٰی ہستی ہے اور کوئی انسان اپنے علم اور اِدراک کے زور سے اُس تک نہیں پہنچ سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے وجود کو بنی نوع انسان کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ اس وراء الورٰی ہستی کی عظمت اور اس کی جبروت کا تصوّر بھی قائم رہا اور بنی نوع انسان کے قلوب میں یہ یقین بھی پیدا ہو گیا کہ ہمارا خدا اپنی مخلوق کو اعلیٰ درجہ کے مقامات پر پہنچانے کی خواہش رکھتا ہے اور وہ انہیں ہر وقت اپنے قُرب میں جگہ دینے کے لئے تیار ہے۔

اس غرض کے لئے سب سے پہلی اور اہم خبر صفاتِ الٰہیہ ہیں کیونکہ غیر محدود ہونے کی وجہ سے وہ صرف اپنی صفات کے ذریعہ ہی پہچانا جا سکتا ہے، بیشک صفاتِ الٰہیہ پر اور مذاہب نے بھی روشنی ڈالی ہے مگر اوّل تو جس تفصیل کے ساتھ اسلام نے ان صفات کو بیان کیا ہے اس تفصیل کے ساتھ دنیا کے اور کسی مذہب نے صفاتِ الٰہیہ پر روشنی نہیں ڈالی یہاں تک کہ یہودیت بھی جو اسلام سے پہلے آنے والے مذاہب میں سے ایک بہت بڑا مذہب تھا اور جسے تورات جیسی کتاب دی گئی تھی اُس میں بھی بہت کم صفاتِ الٰہیہ کا بیان ہوا ہے۔

بائبل میں خدا تعالیٰ کی صفات کی تنقیص

اور پھر ان مذاہب نے خدا تعالیٰ کی طرف کئی ایسے نقائص اور عیوب بھی منسوب کر رکھے ہیں جن کی وجہ سے اُس کی صفات کی تنقیص ہوتی ہے مثلاً بائبل میں ہی لکھا ہے کہ:۔

''چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں

دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔‘‘ [۱۱۲]
گویا خدا تعالیٰ چھ دن کام کرنے کی وجہ سے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ تھک گیا اور اُسے ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ آرام کرے اور تازہ دم ہو جائے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ خدا تعالیٰ کے متعلق یہ تصور بالکل غلط ہے اس لئے کہ وہ کوئی مادی وجود نہیں جو کام کا بوجھ برداشت نہ کر سکے اور تھکان اور کوفت محسوس کرے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ [۱۱۳] یعنی زمین وآسمان کی پیدائش سے ہمیں کوئی تھکان محسوس نہیں ہوئی۔ پس یہ بات بالکل غلط ہے کہ خدا تعالیٰ زمین وآسمان کی پیدائش سے تھک گیا اور ساتویں دن اُس نے آرام کی احتیاج محسوس کی۔

اسی طرح مسیحیت نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر حملہ کیا اور مسیحؑ اور روح القدس کو بھی اُس کی الوہیت میں شریک قرار دے دیا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو تمام مادی قیدوں اور ظہوروں سے پاک قرار دیا اور پھر آپ نے اس امر پر بھی زور دیا کہ انسان اگر خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے تو وہ خدا تعالیٰ کی محبت کو حاصل کر سکتا اور اس کے قُرب میں بڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں نے جنّ وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا نقش اپنے دل پر پیدا کریں۔ [۱۱۴]

اسی طرح وہ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اے انسانو! اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تم کو اس دنیا میں اپنا نمائندہ بنا کر کھڑا کیا ہے اگر تم میں سے کوئی شخص اس مقام کا انکار کرے گا تو اُس کا نتیجہ اُس کو بھگتنا پڑے گا [۱۱۵] یعنی اس عزت کے مقام کو چھوڑ کر وہ خود ہی نقصان اُٹھائے گا خدا تعالیٰ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

اسی طرح ایک اور جگہ اس نے فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے راستے بتا دیتے ہیں۔ [۱۱۶]

پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جاہ وجلال کو بھی قائم کیا اور بنی نوع انسان کو بھی اس امر کا یقین دلایا کہ وہ خدا تعالیٰ کے مقرب بن سکتے ہیں۔

ملائکۃ اللہ

اسی طرح ملائکہ بھی ایک مخفی وجود ہیں جن کی حقیقت کا علم بغیر کسی ایسے انسان کی راہنمائی کے حاصل نہیں ہو سکتا جسے خدا خود اپنے غیب سے حصہ دے اور بتائے کہ ملائکہ کی کیا حقیقت ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد چونکہ اللہ تعالیٰ

نے تلاوتِ آیات کا کام کیا تھا اس لئے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے ماتحت ان کے متعلق بھی بنی نوع انسان کی صحیح راہنمائی فرمائی اور بتایا کہ ملائکہ نظامِ عالَم کے روحانی اور جسمانی سلسلہ کی اُسی طرح ایک اہم کڑی ہیں جس طرح دوسرے نظر آنے والے اسباب مادی دنیا میں مختلف کاموں کی کڑیاں ہیں۔ وہ صرف خدائی دربار کی رونق کا سامان نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے تکوینی احکام کی پہلی کڑی ہیں اور ان کے بغیر اس کائنات کا وجود ادھورا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ کچھ تو وہ ملائکہ ہیں جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو عرش کے اِردگرد رہتے ہیں [۱۱۷] یعنی ایک تو وہ فرشتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی صفات کو ظاہر کرنے والے ہیں اور جن کے ذریعہ دنیا میں احکامِ الٰہیہ کا اجراء ہوتا ہے اور ایک وہ ہیں جو اُن احکام کو نچلے طبقہ تک لے جانے والے ہیں، پس ملائکہ کا وجود اس عالَم کا ایک اہم ضروری حصّہ ہے۔

رسالت اور کلامِ الٰہی کی ضرورت

آپؐ نے رسالت اور کلامِ الٰہی کی ضرورت کو بھی واضح کیا اور بتایا کہ جس طرح مادی دنیا میں خدا تعالیٰ نے صرف آنکھ پیدا نہیں کی بلکہ لاکھوں میل کے فاصلہ پر ایک سورج بھی پیدا کر دیا ہے تاکہ آنکھ اس کی روشنی سے فائدہ اُٹھائے اسی طرح روحانی عالَم میں بھی خدا تعالیٰ نے سورج اور چاند اور ستارے بنائے ہیں۔ جو شخص روحانی دنیا کے سورج یا روحانی دنیا کے چاند یا روحانی دنیا کے ستاروں کی ضرورت کا انکار کرتا ہے وہ قانونِ قدرت سے اپنی آنکھیں بند کرتا اور حقائق سے رُوگردانی اختیار کرتا ہے چنانچہ اسلام نے اسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے۔ کہ ہم تمہارے سامنے اس آسمان کو شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو مختلف بروج والا ہے [۱۱۸] یعنی جس طرح تمہیں اس مادی دنیا کے آسمان میں سورج اور چاند اور ستارے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ نے روحانی عالَم میں بھی ظلمتوں کو دُور کرنے کے لئے سورج اور چاند اور ستارے بنائے ہیں جو لوگوں کو اپنے نور سے منور کرتے رہتے ہیں۔

بعث بعد الموت

آپ نے اسی سلسلہ میں بعث بعد الموت پر بھی روشنی ڈالی کیونکہ اس کے متعلق بھی کوئی انسان اپنی ذاتی کدّو کاوش سے معلومات حاصل نہیں کرسکتا تھا آپ نے ایک طرف تو جزاء وسزا کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور دوسری طرف یہ بتایا کہ اس جزاء کا مخفی رکھا جانا بھی ضروری ہے ورنہ انسانی اعمال غیر اختیاری ہو جائیں اور جزاء

ایک بے معنی لفظ بن کر رہ جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُس کے لئے عالم آخرت میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان مخفی رکھا گیا ہے کیونکہ یہ انعام تمہارے اعمال کی جزاء میں ملنے والا ہے[۱۱۹] اگر اس کو ظاہر کر دیا جائے تو حقیقت کے منکشف ہونے پر ایمان لانا کوئی خوبی نہ رہے اور انسان کسی جزاء کا مستحق نہ ہو۔

آپؐ نے اس امر کی تصریح فرمائی کہ عالمِ آخرت درحقیقت اِسی دنیا کا ایک تسلسل ہے جس میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق مادیت کے بوجھ سے آزاد ہو کر انسانی روح اس راستہ پر گامزن ہو جاتی ہے جو اس نے خود اپنی دُنیوی زندگی میں اختیار کیا ہوتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ جو شخص اِس دنیا میں روحانی لحاظ سے نابینائی رکھتا ہوگا وہ عالمِ آخرت میں بھی اس نابینائی کو لے کر اُٹھے گا اور خدائی قُرب کے دروازے اُس پر نہیں کھلیں گے۔[۱۲۰]

غرض ہر وہ مخفی مسئلہ جس پر مذہب اور روحانیت کی بنیاد تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کھول کر بیان کیا کہ انسانی عقول تسلّی پا گئیں اور ان کا رسمی ایمان مشاہدہ اور بصیرت کا رنگ اختیار کر گیا۔

شریعت لعنت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا بڑا بھاری فضل ہے

آپؐ کا دوسرا اہم کام تعلیم کتاب تھا اس کام کو بھی آپ نے ایسے رنگ میں پورا کیا کہ اس کی مثال اور کسی وجود میں نہیں ملتی، آپؐ کی بعثت سے پہلے دنیا میں بعض ایسے مذاہب تھے جو اپنی نادانی سے شریعت کو لعنت قرار دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ ایک ایسا بوجھ ہے جو انسان کی کمر کو توڑ دینے والا ہے آپؐ نے بتایا کہ یہ نظریہ صحیح نہیں، شریعت اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا بھاری فضل ہے کیونکہ انسان جب اس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کرے تو وہ اپنی عقل سے خدا تعالیٰ کی مرضی کو کس طرح معلوم کر سکتا ہے۔ یہ مرحلہ تو اسی صورت میں طے ہو سکتا ہے جب خدا تعالیٰ خود بتائے کہ میری رضا کس امر میں ہے اور شریعت اس چیز کا نام ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی کی راہوں کو خدا تعالیٰ کی زبان سے ہی معلوم کیا جائے۔ پس شریعت خدا تعالیٰ کی ایک بڑی بھاری رحمت ہے اس وجہ سے قرآن کریم کو مختلف مقامات میں رحمت قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ قرآن بنی نوع انسان کو تکلیف میں ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ آسانیاں پیدا کرنے کے لئے آیا ہے۔[۱۲۱]

شریعت کا فائدہ

پھر آپ نے اس امر کی بھی وضاحت فرمائی کہ شریعت اس لئے نازل نہیں ہوتی کہ اُس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی شان بڑھتی ہے

بلکہ اس لئے نازل کی جاتی ہے کہ بنی نوع انسان اُس کے احکام پر عمل کر کے ترقی کریں کیونکہ اس کا ہر حکم انفرادی اور قومی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، خدا تعالیٰ کو اُن احکام پر عمل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو اسی نکتہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم میں سے جو شخص نیکی کرے گا وہ اپنے نفس کے لئے کریگا اور جو شخص بدی کا ارتکاب کرے گا اُس کا وبال بھی اس کی جان پر پڑے گا، خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر کوئی ظلم نہیں کرتا۔[۱۲۲]

قرآن کریم کی کامل تعلیم

پھر تعلیم کتاب کے لحاظ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تعلیم پیش کی جو اپنے ہر پہلو کے لحاظ سے کامل ہے آپ نے بتایا کہ انسان پر اُس کے ماں باپ کے کیا حقوق ہیں؟ بھائی بہنوں کے کیا حقوق ہیں؟ بیوی کے خاوند پر اور خاوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ ہمسائیوں کے کیا حقوق ہیں؟ یتامیٰ ومساکین کے کیا حقوق ہیں؟ بیواؤں کے کیا حقوق ہیں؟ دوستوں کے کیا حقوق ہیں؟ اسی طرح آپ نے سیاست ملکی پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ سرحدوں کی حفاظت کیا کرو، لڑائیوں کے متعلق متعدد احکام دیئے، معاہدات کی پابندی کی تلقین کی، اقوامِ عالَم کے جھگڑوں کے تصفیہ کے قواعد بیان کئے غرض انفرادی مسائل یا قومی زندگی میں جن مشکلات کا سامنا ہوسکتا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر روشنی ڈالی اور ان کا کامیاب حل بتایا۔ پھر اس کیساتھ ہی آپ نے اس امر کی صراحت فرمادی کہ گو اس کتاب میں وہ تمام ضروری امور بیان کردیئے گئے ہیں جن کا مذہبی یا روحانی یا اخلاقی ترقی کیساتھ تعلق ہے مگر انسانی دماغ کی ترقی کے لئے اجتہاد اور غور اور فکر کا بھی سلسلہ جاری رکھا گیا ہے تا کہ انسانی دماغ کُند ہو کر نہ رہ جائے اور وہ اندھی تقلید کا شکار نہ ہو جائے۔

تعلیم حکمت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا عظیم الشان کام تعلیمِ حکمت تھا اس لحاظ سے آپ نے ایک بے مثال معلّم کے فرائض سرانجام دیئے۔ پہلی تمام کتب کو دیکھ لو وہ صرف اتنا کہتی ہیں کہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ ایسا کیوں کرو اور کیوں نہ کرو۔ وہ شراب اور جوئے سے روکتا ہے تو اس کی حکمت بھی بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ ان چیزوں کے نقصانات ان کے فوائد سے زیادہ ہیں[۱۲۳] وہ نماز اور روزے کا حکم دیتا ہے تو ان کے فوائد بھی بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ نماز تمام فحش اور ناپسندیدہ کاموں سے انسان کو بچاتی ہے[۱۲۴] اور روزوں کا حکم اس لئے دیا گیا ہے۔ کہ تم

میں تقویٰ پیدا ہو۔ ۱۲۵ے

غرض اسلام احکام کے ساتھ حکمتیں بھی بیان کرتا ہے اور یہ اسلام کی اتنی بڑی فضیلت ہے جس کا مقابلہ دنیا کا اور کوئی مذہب نہیں کرسکتا، آپؐ نے بتایا کہ خدا تعالیٰ حکیم بھی ہے وہ کوئی حکم بغیر کسی حکمت کے نہیں دیتا پس خدائی تعلیم کے یہ معنے نہیں کہ اُس کے احکام حکمتوں سے خالی ہوں اور محض جبر کے طور پر کچھ باتیں منوانے کی کوشش کی گئی ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف کسی بات کا منسوب ہونا تقاضا کرتا ہے کہ وہ بات لازمی طور پر مختلف قسم کی حکمتوں سے پُر ہو، تاکہ انسانی دل انقباض محسوس نہ کرے بلکہ وہ خوش ہو کہ جس حکم پر مَیں عمل کر رہا ہوں اُس میں میرا بھی فائدہ ہے اور دوسرے بنی نوع انسان کا بھی فائدہ ہے۔

تزکیۂ نفوس

چوتھا اور اہم کام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا تھا وہ تزکیۂ نفوس ہے یعنی لوگوں کے دلوں میں ایسی پاکیزگی پیدا کرنا کہ وہ خدا تعالےٰ کے قریب ہوجائیں اور اُس کی قدرتوں کا جلوہ گاہ بن جائیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو بھی ایسے احسن طریق سے پورا کیا ہے کہ دوست ہی نہیں دشمن بھی اس بات کے معترف ہیں کہ آپ نے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔

آپؐ جس زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں اس زمانہ میں مذہب ہی نہیں انسانیت بھی مرچکی تھی اور شرافت دنیا سے مفقود ہو چکی تھی۔ ہر قسم کا فسق و فجور لوگوں میں پایا جاتا تھا اور ہر قسم کی نیکی عنقا تھی یہاں تک کہ بدی کا احساس بھی لوگوں کے قلوب سے مٹ چکا تھا اور وہ ندامت اور شرمندگی محسوس کرنے کی بجائے بدیوں کے ارتکاب پر فخر محسوس کرتے تھے۔ ایسے خطرناک زمانہ میں آپ نے تزکیۂ نفوس کا کام شروع کیا اور ہر قسم کی روکوں اور انتہائی مظالم کے باوجود اس کام کو جاری رکھا یہاں تک کہ وہ دن آ گیا کہ صدیوں کے مُردوں نے اپنے اندر زندگی کی روح محسوس کی، قبروں میں دبے پڑے لوگ باہر نکل آئے، اندھوں نے بینائی حاصل کی، لولے اور لنگڑے چلنے لگے، کمزوروں نے اپنے اندر طاقت کی ایک لہر دَوڑتی ہوئی پائی، بیماروں نے صحت کے آثار محسوس کئے اور جہالت کی جگہ علم نے، جمود کی جگہ سعی عمل نے، شیطنت کی جگہ روحانیت نے اور بدی کی جگہ نیکی نے لے لی۔ برسوں کے مسخ شدہ انسان آپ کے فیضِ صُحبت سے ایسے پاک ہوئے کہ اُن کی کایا پلٹ گئی، وہ خدائے واحد کے آستانہ کی طرف کھینچے گئے اور دنیا کی ہدایت کے لئے ایک ایسا مینار بن گئے کہ آج بھی اُن کی روشنی

نیند کے ماتوں کو بیدار کرنے اور انہیں چاق و چوبند بنانے کے کام آ رہی ہے۔

غرض اس روحانی گورنر جنرل کو خدائے واحد کی طرف سے جس انعام کا وعدہ دیا گیا تھا وہ وعدہ بڑی شان کے ساتھ پورا ہؤا۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے کَوْثَرْ عطا کیا اور ہر رنگ میں اتنی برکات اور انعامات کے ساتھ نوازا کہ انسان کے لئے اُن کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

ایک کثیر الخیر روحانی فرزند کے پیدا ہونے کی پیشگوئی

پھر کَوْثَرْ کے ایک معنے اَلرَّجُلُ کَثِیْرُ الْعَطَاءِ وَالْخَیْرِ [۱۲۶] کے بھی ہیں یعنی ایسا انسان جو بڑا سخی ہو اور دنیا میں کثرت سے نیکی پھیلانے والا ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں یہ بیان فرمایا تھا کہ اے محمدؐ رسول اللہ! ہم اب بھی تجھے ہر قسم کی نعمتوں کی کثرت دینگے اور آئندہ زمانہ میں بھی تجھے ایک بہت بڑا روحانی فرزند عطا کریں گے جو کثیر الخیر ہوگا اور کثرت سے قرآن کریم کے علوم اور اس کے معارف دنیا میں پھیلائے گا خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مفہوم میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ یُفِیْضُ الْمَالَ۔ [۱۲۷] یعنی آنے والا مسیح کثرت کے ساتھ لوگوں میں روحانی دولت تقسیم کریگا مگر اس کے ساتھ ہی قرآن کریم نے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ میں اس طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ آنے والا مسیح اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد ہوگا کیونکہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ مسیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے گا اور اس کا وجود ثابت کر دیگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتر نہیں، پس وہ آپؐ کا ہی روحانی بیٹا ہوگا، باہر کا کوئی آدمی نہیں ہوگا۔

تمام مخالف اقوام ابتر ہو کر رہ گئیں

اس جگہ پہلے معنوں کے لحاظ سے دشمنوں سے مراد ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ ہیں، مگر دوسرے معنوں کے لحاظ سے شَانِئَکَ سے وہ تمام قومیں مراد ہیں جو آج اسلام پر حملہ کر رہی ہیں چنانچہ دیکھ لو جب اسلام ضعیف ہو گیا، مسلمانوں کی طاقتیں کمزور ہو گئیں اور عیسائی مصنّفوں نے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ اب اسلام ترقی نہیں کر سکتا اور خود مسلمان مصنّفین نے بھی دشمن کے مقابلہ میں معذرتیں شروع کر دیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپؑ نے دنیا کو چیلنج کیا کہ مَیں محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی بیٹا ہوں اور مَیں اس بات کا ایک زندہ ثبوت ہوں کہ آج محمدی چشمہ کے سِوا باقی تمام چشمے سُوکھ گئے ہیں اور مَیں اس چشمہ کا پانی پی کر زندہ ہؤا ہوں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تم بھی کسی زندہ مذہب کے پیرو ہو تو تم میرے سامنے وہ

زندہ شخص پیش کرو جس پر خدا تعالیٰ کا تازہ کلام اُترتا ہو۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ اس چیلنج کے مقابلہ میں دنیا کی ساری قومیں ابتر ہو کر رہ گئیں اور وہ اسلام کے پہلوان کے مقابلہ میں اپنا کوئی پہلوان پیش نہ کر سکیں۔ ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر نہ ہندو کوئی روحانی بیٹا پیش کر سکے ہیں نہ عیسائی کوئی روحانی بیٹا پیش کر سکے ہیں نہ یہودی کوئی روحانی بیٹا پیش کر سکے ہیں، نہ بدھ یا کنفیوشس مذہب کے پیرو کوئی روحانی بیٹا پیش کر سکے ہیں، نہ یورپ کا فلسفہ کوئی بیٹا پیش کر سکا ہے۔ ساٹھ سال سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی بیٹے کا چیلنج موجود ہے کہ اگر تمہارے اندر کوئی نور اور صداقت ہے تو تم میرے مقابلہ میں وہ شخص پیش کرو جس نے تمہارے مذہب پر چل کر خدا تعالیٰ کے مکالمات کا شرف حاصل کیا ہو اور اس کی تازہ وحی اور نشانات کا مورد ہؤا ہو مگر کوئی مذہب اپنا روحانی بیٹا پیش نہیں کر سکا۔

پس جس طرح آج سے تیرہ سَو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام کو پورا کیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی نعماء سے حصّہ عطا فرمایا اسی طرح اُس نے تیرہ سَو سال کے بعد ایک بار پھر دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی صاحبِ اولاد ہیں اور آپؐ کے دشمن ہی ابتر ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود کی بشارت

پھر اسی دربار خاص میں ایک اور عظیم الشان انعام بھی اس خدائی گورنر جنرل کو عطا کیا گیا اور کہا گیا کہ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا[۱۲۸] یعنی اے محمد رسول اللہ! عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ہر دوست اور دشمن تیری تعریف میں رطب اللّسان ہوگا اور ہر مقام پر تیرے بلند اخلاق اور اعلیٰ درجہ کے کردار کا چرچا ہوگا۔ اس انعام کا اعلان بھی ایسی حالت میں کیا گیا جب دنیا اپنی نابینائی کی وجہ سے اس خدائی گورنر جنرل کا حُسن دیکھنے سے عاری تھی اور وہ اپنی مخالفت کے جوش میں اسے محمد کہنے کی بجائے مذمّم کہہ کر پُکارا کرتی تھی مگر ابھی ایسی مخالفت پر کچھ زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا تھا کہ اُس کا روحانی حُسن ظاہر ہونا شروع ہؤا اور لوگوں کو محسوس ہؤا کہ انہوں نے سونے کو پیتل اور ہیرے کو کوئلہ قرار دیکر ہمالیہ سے بھی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔

ہر وصف میں یکتا اور بے نظیر نبی

انہوں نے تعصّب کی پٹی اپنی آنکھوں سے اُتار کر اس کے اخلاق فاضلہ کو دیکھا تو انہیں بے مثال پایا

اور اس کے زندگی بخش کلام کو سُنا تو اُسے تمام کلاموں سے افضل پایا، اس کے علم کو دیکھا تو دنیا کے بڑے بڑے عالموں کو اس کے سامنے جاہل پایا، اس کی معرفت کو دیکھا تو بڑے بڑے عارفین کو اُس کے آگے زانوئے تلمّذ تہہ کرتے دیکھا، اس کی محبت اور تعلق باللہ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کا ویسا عاشق اور سچا عبادت گزار انہیں ساری دنیا میں نظر نہ آیا، انہوں نے اس کے دلائل وبیّنات کا جائزہ لیا تو اُنکا ردّ کرنے کی دُنیا کے کسی مذہب میں طاقت نہ پائی، اس کی دعاؤں کی قبولیت کو دیکھا تو انہیں بے نظیر پایا، اس کے فیوض وبرکات اور اس کی تعلیمات کا مشاہدہ کیا تو دنیا میں اُن کا کوئی ثانی نہ دیکھا، اس کی پیشگوئیوں پر انہوں نے نظر دَوڑائی تو انہیں آپ کی صداقت اور راستبازی کا ایک بڑا نشان دیکھا۔ غرض جس پہلو سے بھی انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اُسے مجسمۂ حُسن واحسان پایا اور وہ آپ کے ایسے والہ وشیدا ہوئے کہ تمام دنیوی علائق کو توڑ کر وہ آپ سے ایسے وابستہ ہوگئے اور اس عہدِ وفا کو انہوں نے مرتے دم تک اس خوبی سے نباہا کہ پہلی امتیں اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

زبانوں پر حمد کے ترانے

یہی وہ چیز تھی جس کی خدا تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ میں خبر دی گئی تھی کہ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ یعنی اے محمدؐ رسول اللہ! آج لوگ تیرا حُسن دیکھنے سے قاصر ہیں وہ تجھے ایسی گٹھلی سمجھتے ہیں جو پاؤں تلے روندی جائیگی، ایک ایسا بیج خیال کرتے ہیں جسے پرندے اُچک کر لے جائیں گے مگر ہم نے تیرے اندر ایسی خوبیاں ودیعت کر دی ہیں کہ جوں جوں اُن خوبیوں کا ظہور ہوتا جائے گا تیری حمد کے ترانے لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوتے جائیں گے اور مذمم کہنے والے تجھ پر درود اور سلام بھیجیں گے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے وہ تمام مسائل جن پر یورپ کے مدبّرین اور بڑے بڑے فلاسفر بھی اعتراض کیا کرتے تھے آج دنیا اُن کی معقولیت کی قائل ہو رہی ہے اور وہ تسلیم کرتی ہے کہ دنیا کی مشکلات کا صحیح حل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تعلیم میں ہی ہے۔

اسلامی تعلیم کی برتری کا اعتراف

ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب توحید کے اعلان پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو انتہائی مصائب کا نشانہ بنایا گیا مگر آج ساری دنیا خدائے واحد کے آستانہ پر سر جُھکائے ہوئے ہے بلکہ وہ لوگ جو مذہباً تثلیث کے قائل ہیں یا مذہباً سینکڑوں دیوتاؤں کو تسلیم

کرتے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ خدا تو ایک ہی ہے باقی سب اُس کے ظہور ہیں۔ پھر شراب کو اچھا سمجھا جاتا تھا، اسلام کے مسئلہ طلاق پر اعتراض کیا جاتا تھا، تعدّدازدواج کو عورتوں کے لئے شدید ظلم قرار دیا جاتا تھا، سود کو تجارت کا ایک لازمی جزو سمجھتے ہوئے بڑا مفید خیال کیا جاتا تھا، پردہ کو بُرا قرار دیا جاتا تھا، ورثہ کے مسائل کو درست نہیں سمجھا جاتا تھا مگر آج دنیا ٹھوکریں کھا کر اس تعلیم کی طرف آرہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی کیونکہ خدا نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ وہ آپ کو مقامِ محمود عطا کریگا اور دنیا آپؐ کے اخلاق اور آپ کی تعلیم کی برتری کی وجہ سے اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ کی تعریف کریگی۔

دشمنوں کے منہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف

حقیقت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام فضائلِ حَسنہ سے اس طرح متصف کر کے مبعوث فرمایا ہے کہ کوئی خوبی نہیں جو آپؐ میں نہ پائی جاتی ہو اور کوئی کمال نہیں جو آپ کے اندر نہ دکھائی دیتا ہو اور پھر ہر کمال اپنے اپنے دائرہ میں ایسی امتیازی شان کے ساتھ آپؐ کے اندر پایا جاتا ہے کہ دوست تو الگ رہے، دشمن بھی آپؐ کی تعریف کرنے پر مجبور ہیں اور وہ آپؐ کے اخلاق کی بلندی اور آپؐ کے کردار کی پاکیزگی کے معترف ہیں۔

سر ولیم میور کا اقرار کہ محمدؐ رسول اللہ نے ایک نئی دنیا پیدا کی ہے

سر ولیم میور اسلام کا ایک شدید ترین دشمن ہے مگر اس نے بھی جب اُس انقلاب پر نگاہ دَوڑائی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی سرزمین میں پیدا کیا تو وہ بھی یہ الفاظ لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ:۔

> ’’یہ کہنا کہ اسلام کی صورت عرب کے حالات کا ایک لازمی نتیجہ تھی ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہنا کہ ریشم کے باریک تاگوں میں سے آپ ہی ایک عالیشان کپڑا تیار ہو گیا ہے یا یہ کہنا کہ جنگل کی بے تراشی لکڑیوں سے ایک شاندار جہاز تیار ہو گیا ہے یا پھر یہ کہنا کہ کُھردری چٹان کے پتھروں میں سے ایک خوبصورت محل تیار ہو گیا ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ابتدائی عقائد پر پختہ رہتے ہوئے عیسائیت اور یہودیت کی سچائی کی راہنمائی کو قبول کرتے چلے جاتے اور اپنے متبعین کو ان دونوں مذاہب کی

سادہ تعلیم پر کاربند رہنے کا حکم دیتے تو دنیا میں شاید ایک ولی محمد یا ممکن ہے کہ ایک شہید محمد پیدا ہو جاتا جو عرب کے گرجا کی بنیاد رکھنے والا قرار پاتا، لیکن جہاں تک انسانی عقل کام دیتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں آپ کی تعلیم عرب کے دل کی گہرائیوں میں تلاطم پیدا نہ کرسکتی اور سارا عرب تو الگ رہا اس کا کوئی معقول حصّہ بھی آپ کے دین میں داخل نہ ہوتا، لیکن باوجود ان تمام باتوں کے آپؐ نے اپنے انتہائی کمال کے ساتھ ایک ایسی کَل ایجاد کی کہ جسکی موقع کے مناسب ڈھل جانیوالی قوت کے ساتھ آپ نے آہستہ آہستہ عرب قوم کی پراگندہ اور شکستہ چٹانوں کو ایک متناسب محل کی شکل میں بدل دیا اور ایک ایسی قوم بنا دیا جس کے خون میں زندگی اور طاقت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ ایک عیسائی کو وہ عیسائی نظر آتے تھے، ایک یہودی کی نگاہ میں وہ ایک یہودی تھے، ایک مکّہ کے بُت پرست کی آنکھ میں وہ کعبہ کے اصلاح یافتہ عبادت گزار تھے اور اس طرح ایک لاثانی ہنر اور ایک بے مثال دماغی قابلیّت کے ساتھ انہوں نے سارے عرب کو خواہ کوئی بت پرست تھا، یہودی تھا کہ عیسائی تھا مجبور کر دیا کہ وہ ان کے قدموں کے پیچھے ایک سچے مطیع کے طور پر جس کے دل سے ہر قسم کی مخالفت کا خیال نکل چکا ہو چل پڑے۔ یہ فعل اُس صنّاع کا ہوتا ہے جو اپنا مصالح آپ تیار کرتا ہے اور یہاں اس مصالح کی مثال چسپاں نہیں ہوتی جو کہ آپ ہی آپ بن جاتا ہے اور اس مصالح کے ساتھ تو اس کو بالکل ہی کوئی مشابہت نہیں جو اپنے صنّاع کو خود تیار کرتا ہے یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات تھی جس نے اسلام بنایا یہ اسلام نہیں تھا اور نہ کوئی اور پہلے سے موجود اسلامی روح تھی جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بنایا۔''[۱۲۹]

سر ولیم میور چونکہ اسلام کا شدید مخالف تھا اس لئے گو اُس نے یہ کہا کہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیار کردہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس صداقت کا بھی اُس نے کھلے بندوں اقرار کیا کہ دنیا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہیں کیا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی دنیا پیدا کی ہے اور یہ کام یقیناً خدا تعالیٰ کے فرستادوں کے سوا اور کوئی نہیں کرسکتا۔

پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے وہ مقامِ محمود عطا کیا کہ آپؐ کا حُسن کبھی دشمن کی آنکھوں میں بھی عرفان کی ایک جھلک پیدا کر دیتا ہے اور وہ بھی آپ کی ستائش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اخلاقِ فاضلہ کے لحاظ سے محمدؐ رسول اللہ کا بلند مقام

پھر اخلاقِ فاضلہ کو لو تو کوئی خُلق نہیں جس میں آپ نے دنیا کے لئے ایک بے مثال نمونہ نہ چھوڑا ہو اور ہر شخص آپ کے اُن اخلاق کو دیکھ کر آپ کی تعریف کرنے پر مجبور نہ ہو مثال کے طور پر بہادری کو لے لو، استقلال کو لے لو، سخاوت کو لے لو، حیا کو لے لو، انصاف کو لے لو، رحم کو لے لو، دوستوں اور دشمنوں سے آپؐ کے معاملات کو دیکھ لو، جنگ میں آپ کی ہوشیاری کو دیکھ لو، عورتوں اور بچوں سے معاملات کو لے لو، آپؐ کے تنظیمی کارناموں پر نظر ڈالو، آپ کی جرنیلی شان کو ملاحظہ کرو، تمہیں دکھائی دیگا کہ ہر پہلو کے لحاظ سے آپ کو مقامِ محمود حاصل ہے اور ہر معاملہ میں دنیا آپؐ کی اقتداء کرنے پر مجبور ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری

آپ کی بہادری کی یہ کیفیت تھی کہ مدینہ میں ایک دفعہ باہر جنگل کی طرف سے شور کی آواز آئی، ان دنوں یہ خبریں مشہور ہو رہی تھیں کہ روما کی حکومت مدینہ پر حملہ کرنیوالی ہے، اس شور کی آواز پر تمام مسلمانوں میں گھبراہٹ پیدا ہوگئی اور وہ اس ارادہ کے ساتھ مسجد میں جمع ہوئے کہ مشورہ کے بعد کچھ لوگوں کو باہر بھجوا دیا جائے جو دیکھیں کہ یہ کیسا شور ہے مگر ابھی وہ جمع ہی ہو رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے باہر سے تشریف لا رہے ہیں، آپ نے آتے ہی فرمایا میَں شور کی آواز سنکر فوراً باہر چلا گیا تھا اور میَں نے چکر لگا کر دیکھ لیا ہے خطرہ کی کوئی بات نہیں، اطمینان سے اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔[۱۳۰]

صبر و استقلال

صبر و استقلال آپ کے اندر اس قدر پایا جاتا تھا کہ مکّی زندگی میں کفار کی طرف سے آپ کو سخت سے سخت تکالیف دی گئیں، آپ کو بُرا بھلا کہا گیا، آپؐ کو شعبِ ابی طالب میں ایک لمبے عرصہ تک محصور رکھا گیا، آپؐ کا مقاطعہ کیا گیا، آپؐ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اسقدر گھونٹا گیا کہ آپؐ کی آنکھیں باہر نکل آئیں، آپ پر پتھروں کی اسقدر بوچھاڑ کی گئی کہ طائف سے آتے وقت آپؐ سر سے پاؤں تک لہولہان ہو گئے[۱۳۱] مگر ان تمام

تکالیف کے باوجود آپؐ جس پیغام کولیکر کھڑے ہوئے تھے اُسے اُٹھتے بیٹھتے، سوتے اور جاگتے آپؐ نے لوگوں تک پہنچایا اور ایک لحہ کے لئے بھی آپؐ کے پائے ثبات میں جُنبش نہیں آئی۔

سخاوت

سخاوت آپؐ کے اندراس قدر پائی جاتی تھی کہ اگر آپؐ سے کوئی چیز مانگی جاتی اور وہ آپؐ کے پاس موجود ہوتی تو آپؐ اس کے دینے میں کبھی دریغ نہ فرماتے اور یہ سخاوت عمر بھر آپؐ کا معمول رہی مگر صحابہؓ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کے ایام آتے تو اُن دنوں آپؐ کی سخاوت کا دائرہ غیر معمولی طور پر وسعت اختیار کر لیتا،[۱۳۲] اِسی سخاوت کا یہ نتیجہ تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپؐ کے گھر میں کوئی درہم اور دینار موجود نہیں تھا حالانکہ آپؐ اُس وقت عرب کے بادشاہ بن چکے تھے۔

رحم دلی

حیا آپؐ کے اندر اسقدر پایا جاتا تھا کہ صحابہؓ کہتے ہیں آپؐ ایک کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔[۱۳۳] رحم آپؐ کے اندراس قدر پایا جاتا تھا کہ آپؐ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اُس پر رحم نہیں کیا جاتا[۱۳۴] آپؐ کا ایک نواسہ ایک دفعہ بیمار ہوا اور اُس کی حالت نازک ہوگئی۔ آپؐ کی بیٹی نے آپؐ کی طرف پیغام بھیجا، آپؐ تشریف لائے اور بچے کو دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے، ایک صحابی کہنے لگے یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپؐ بھی روتے ہیں آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت دل نہیں بنایا۔[۱۳۵]

عدل وانصاف

انصاف آپؐ کے اندراس قدر پایا جاتا تھا کہ ایک دفعہ کسی بڑے خاندان کی عورت نے چوری کی اور وہ پکڑی گئی اس پر بعض لوگوں نے چاہا کہ اسکے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی جائے کہ اسے کوئی سزا نہ دی جائے کیونکہ یہ بڑے خاندان کی عورت ہے اس غرض کے لئے انہوں نے حضرت اسامہؓ کو تیار کیا۔ اسامہؓ نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے متعلق سفارش کی تو آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی اس قسم کا جُرم کرے تو میں اُسکے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔[۱۳۶]

بدر کی جنگ میں جن کفار کو مسلمانوں نے قید کرلیا تھا اُن میں حضرت عباس بھی شامل تھے اور چونکہ وہ نازونعمت میں پلے ہوئے تھے اس لئے جب انہیں رسیوں سے جکڑا گیا تو انہوں نے شدّتِ تکلیف کی وجہ سے کراہنا شروع کردیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

کانوں میں ان کے کراہنے کی آواز پہنچتی تو آپ بے چینی میں بار بار کروٹیں بدلتے مگر زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ صحابہؓ نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ سمجھ گئے کہ اس کی وجہ حضرت عباس کا کراہنا ہے وہ چُپکے سے اُٹھے اور انہوں نے حضرت عباس کی رسیاں ڈھیلی کر دیں اور اُن کے کراہنے کی آواز بند ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کے کانوں میں حضرت عباس کے کراہنے کی آواز نہ آئی تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا عباس کے کراہنے کی آواز کیوں نہیں آ رہی؟ انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہم نے آپؐ کی تکلیف کے خیال سے اُن کی رسیاں ڈھیلی کر دی ہیں آپؐ نے فرمایا یہ انصاف کے خلاف ہے کہ باقی قیدیوں کو سختی سے جکڑا جائے اور عباس کی رسیاں ڈھیلی کر دی جائیں۔ جاؤ اور یا تو عباس کی رسیاں بھی کس دو اور یا پھر باقی قیدیوں کی رسیاں بھی ڈھیلی کر دو۔[۱۳۷]

قیصرِ روما کے دربار میں ابوسفیان کا اقرار

غرض جس پہلو کے لحاظ سے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جائے آپؐ تعریف ہی تعریف کے قابل دکھائی دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب قیصرِ روما نے ابوسفیان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف سوالات کئے تو ہر سوال کے جواب میں اُسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی اور آپ کے کمال کا اعتراف کرنا پڑا۔ جب اس نے پوچھا کہ اس شخص کا خاندان کیسا ہے تو ابوسفیان نے کہا کہ وہ ایک نہایت معزز خاندان میں سے ہے، جب اُس نے پوچھا کہ کیا دعویٰ سے پہلے تم نے کبھی اسے کسی بُرائی میں مبتلاء دیکھا تو اُس نے کہا ہرگز نہیں، جب اُس نے پوچھا کہ اس کی عقل اور اصابتِ رائے کا کیا حال ہے تو ابوسفیان کو یہی کہنا پڑا کہ ہم نے اُس کی عقل اور رائے میں کبھی کوئی عیب نہیں دیکھا، جب اُس نے پوچھا کہ کیا اُس نے کبھی بدعہدی بھی کی ہے تو ابوسفیان نے کہا کہ اس نے آج تک کوئی بدعہدی نہیں کی، جب اُس نے پوچھا کہ وہ تمہیں کن باتوں کی تعلیم دیتا ہے تو ابوسفیان نے کہا کہ ہمیں یہی کہتا ہے کہ ہم سچ بولا کریں، خدائے واحد کی عبادت کیا کریں، وفائے عہد سے کام لیں، امانت اور دیانت کا مادہ اپنے اندر پیدا کریں اور ہر قسم کے ناپاک اور گندے کاموں سے بچیں۔[۱۳۸] غرض باوجود مخالفت کے اُسے ہر سوال کے جواب میں آپؐ کی طہارت اور پاکیزگی کا اقرار کرنا پڑا اور قیصر روما کے بھرے دربار میں اُسے آپؐ کے مناقب کا ترانہ گانا پڑا کیونکہ خدا نے کہا تھا کہ ہم تجھے مقامِ محمود عطا کرنے والے ہیں۔ آج مکہ والے تجھے

بیشک مذمّم کہہ لیں، بیشک ہر قسم کا جھوٹ بول کر تجھے بُرا بھلا کہتے پھریں مگر ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ تیری تعریف قائم کی جائے اور زبانوں اور دلوں پر تیری حمد جاری کی جائے چنانچہ خدا تعالیٰ کی تقدیر ابوسفیان کو قیصر روما کے دربار میں کھینچ کر لے گئی اور شاہی دربار میں اُسے اقرار کرنا پڑا کہ مکہ کے لوگ جھوٹ بولتے ہیں محمد رسول اللہ حقیقتاً تعریف کے قابل ہیں اور کوئی عیب اُن میں نہیں پایا جاتا۔

موجودہ زمانہ میں مقامِ محمود کی تجلّیات

پھر اللہ تعالیٰ نے اسی مقامِ محمود کی تجلّیات کو اور زیادہ روشن اور نمایاں کرنے کے لئے اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور آپ کے بعد مجھے پیدا کیا اور ہم سے اُس نے آپ کے حُسن کی وہ تعریف کروائی کہ آج اپنے تو الگ رہے بیگانے بھی آپ کی تعریف کر رہے ہیں اور یورپ اور امریکہ میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجتے ہیں مگر یہ تغیر کیوں ہؤا؟ اسی لئے کہ اس روحانی دربارِ خاص کا بادشاہ جس انعام کا اعلان کرتا ہے وہ انعام چلتا چلا جاتا ہے اور کوئی انسان اس کو چھیننے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جب اُس نے اپنے دربار میں یہ اعلان کیا کہ اے ہمارے گورنر جنرل! ہم تجھے ایسے مقام پر پہنچانے والے ہیں کہ دنیا تیری تعریف کرنے پر مجبور ہوگی تو کون شخص تھا جو خدا تعالیٰ کے اس پروگرام میں حائل ہوسکتا۔ اس نے محمدی انوار کی تجلّیات کو روشن کرنا شروع کیا اور اُس کے حُسن کو اتنا بڑھایا کہ دنیا کی تمام خوبصورتیاں اس حسین چہرہ کے سامنے ماند پڑ گئیں اور دوست اور دشمن سب کے سب یک زبان ہو کر پکار اُٹھے کہ محمدؐ حقیقتاً محمدؐ اور قابلِ تعریف ہے صلّی اللہ علیہ وسلم۔

عظیم الشان دربار

غرض یہ کیسا عظیم دربار ہے کہ اس میں بادشاہ کی طرف سے اپنے درباری کو جو انعام دیا گیا وہ دنیا کی شدید مخالفت کے باوجود قائم رہا، قائم ہے اور قائم رہے گا۔ حکومتیں اس روحانی گورنر جنرل کے مقابلہ میں کھڑی ہوئیں تو وہ مٹادی گئیں، سلطنتوں نے اس کو ترچھی نگاہ سے دیکھا تو وہ تہہ وبالا کردی گئیں، بڑے بڑے جابر بادشاہوں نے اس کا مقابلہ کیا تو وہ مچھر کی طرح مَسل دیئے گئے کیونکہ اس دربارِ خاص کا بادشاہ یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اُس کے مقرر کردہ گورنر جنرل کی کوئی ہتک کرے یا اس کے پہنائے ہوئے جُبّہ کو کوئی اُتارنے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے درباریوں کے لئے بڑا غیور ہے اور سب

سے بڑھ کر وہ اِس دربار کے لئے غیرت مند ہے جس کا مبارک نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے خدا تعالیٰ کی اس پر لاکھوں برکتیں اور کروڑوں سلام ہوں ۔ اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

---

۱ چُوری: کٹی ہوئی چیز
۲ بنی اسرائیل:۱۱۲ ۳ البقرة:۲۵۶
۴ سبا:۴
۵ مسند احمدبن حنبل جلد۵صفحہ ۲۶۲۔المکتب الاسلامی بیروت
۶ الشفا۔القاضی ابی الفضل عیاض الجزء الاول صفحہ۷۷مطبوعہ ملتان
۷ البقرة:۳۲تا۳۴ ۸ الاعراف:۱۲ ۹ الاحزاب:۷۳
۱۰ صٓ:۶۶تا۷۹
۱۱ مسلم کتاب البر والصلة باب اذااحب الله عبدا احبهٗ لعباده
۱۲ النجم:۸تا۱۰ ۱۳ الانعام:۱۰۴ ۱۴ الانفال:۱۸
۱۵ الاحزاب:۵۷ ۱۶ المدثر:۲تا۸
۱۷ المنجدعربی اُردو صفحہ۱۳۱مطبوعہ کراچی۱۹۷۵ء
۱۸تا۲۰ اقرب الموارد الجزء الاول صفحہ۳۱۹مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء
۲۱ تاج العروس الجزء الاول صفحہ۱۸۲مطبوعہ مصر۱۲۸۵ھ
۲۲ البقرة:۱۸۸ ۲۳ الاحزاب:۳۴ ۲۴ الشعراء:۲۱۵
۲۵تا۲۷ لسان العرب المجلد الخامس صفحہ۱۴۶مطبوعہ بیروت۱۹۸۸ء
۲۸تا۳۰ لسان العرب جلد۱۵۔ صفحہ۳۱تا۳۳مطبوعہ بیروت۱۹۸۸ء
۳۱ ترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی النّظَافَة
۳۲ ابوداؤد کتاب الصلٰوة باب اتّخاذالمساجد فی الدُّوَرِ
۳۳ بخاری کتاب الطهارة باب فَضْلِ التَّهْجِيْرِاِلٰى الظُّهْرِ
۳۴ مسلم کتاب الطهارة باب النهى عنِ التخلى فى الطريق
۳۵ بخاری کتاب الصلٰوة باب كَفَّارَة البراق فى المسجد
۳۶،۳۷ بخاری کتاب الادب باب مَايُنهٰى عَنِ التَّحَاسُد

۳۸؎ بخاری کتاب الادب باب رحمة الناس و البهائم

۳۹؎ بخاری کتاب الادب باب لایسبّ الرجُلُ وَالِدَیْهِ بخاری کتاب الادب باب ماینهی من السباب واللعن

۴۰؎ بخاری کتاب الجمعة باب السّوَاک یومَ الجمعة

۴۱؎ بخاری کتاب العتق باب فی العتقِ وفضلهٖ

۴۲؎

۴۳؎ بخاری کتاب المساقاة۔ باب فضل سقی الماء

۴۴؎ بخاری کتاب الانبیاء باب حدیث الغار

۴۵؎ بخاری کتاب الایمان باب اَحَبُّ الدِّیْنِ اِلٰی اللّٰه اَدْوَمهٗ

۴۶؎ لسان العرب جلد۵ صفحہ۱۴۶۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء

۴۷؎ السیرة الحلبیة جلد ۱ صفحہ ۱۴۶۔۱۴۷۔ مطبوعه مطبع ازهریه مصر ۱۹۳۲ء

۴۸؎

۴۹؎

۵۰؎ **ویویکانند**: ویویکانند اوائل عمر میں برہمو سماج کا رُکن بنا۔ وہ ہمالیہ میں کئی برس تک ریاضت کرنے کے بعد جدید دنیا میں پہلا ہندو مبلّغ بننے کے لئے روانہ ہوا۔ ویویکانند نے طویل سفر کئے اور ویدانت ہندومت کے فضائل پر لیکچر دیئے۔ اس نے ۱۸۹۳ء میں بمقام شکاگو۔ ''مذاہب کی پارلیمنٹ'' میں ہندومت کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک زبردست تأثر قائم کیا۔ خدا کی وحدانیت کا یہ ترجمان جہاں بھی گیا سامعین کے ذہن پر چھا گیا اور اپنے پیروکار بنائے۔ (مذاہبِ عالَم کا انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۱۹۹ لیوس مور مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء)

۵۱؎ **ٹیگور**: اس کا پورا نام دیوندر ناتھ ٹیگور تھا۔ ٹیگور نے ۱۸۴۲ء میں برہمو سماج میں شامل ہو کر ہندوازم کی تجدید کی اور جماعت کی قیادت سنبھالی۔ انہوں نے اس تحریک کی خدمت کے لئے ایک مطبع اور رسالہ جاری کیا اس کی پرورش فرقہ وارانہ ماحول میں نہیں ہوئی اس لئے یہ تنگ نظر نہیں تھا۔ (مذاہبِ عالَم کا تقابلی مطالعہ مؤلفہ غلام رسول مہر صفحہ ۲۱۴۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء)

۵۲؎ اٰل عمران: ۱۰۵

۵۳؎ موضوعات ملاعلی قاری صفحہ ۵۹ مطبع مجتبائی دهلی ۱۳۴۶ھ

۵۴۔۵۵؎ لسان العرب جلد۱۳صفحہ۱۹۷۔ بیروت۱۹۸۸ء

۵۶؎

۵۷؎

۵۸؎ المائدۃ:۶۸ ۵۹؎ طٰہٰ:۱۵،۱۶

۶۰؎ السیرۃ الحلبیۃ۔الجزء الاول صفحہ۳۶۸۔مطبوعہ مصر۱۹۳۲ء

۶۱؎ المائدۃ:۶۸

۶۲؎

۶۳؎ بخاری کتاب فضائل اصحاب النّبیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم باب مناقب المھاجرین و فضلھم

۶۴؎

۶۵؎ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع ،شرح مواھب اللّدنیۃ جلد۲ صفحہ۵۳۰دارالکتب العلمیۃ بیروت۱۹۹۶ء

۶۶؎ سیرت ابن ھشام جلد۲صفحہ۸۴مطبوعہ۱۲۹۵ھ مصر

۶۷؎ مسلم کتاب الجھاد و السیرباب غزوۃ حنین

۶۸؎

۶۹؎ تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ۲۴۷تا۲۴۹۔ دارالفکربیروت۱۹۸۷ء

۷۰؎ سیرت ابن ھشام جلد۲صفحہ۱۲۸،۱۲۹مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۷۱؎ سیرت ابن ھشام جلد۲صفحہ۱۸۹مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۷۲؎ عبس:۲تا۱۷

۷۳؎ سیرت ابن ھشام جلد۱صفحہ۴۶۔مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۷۴،۷۵؎ سیرت ابن ھشام۔ الجزء الاول صفحہ۱۳۵،۱۳۶۔مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۷۶؎ بخاری کتاب الزّکٰوۃ باب من احب تعجیل الصدقۃ من یومھا

۷۷؎

۷۸؎ بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش

۷۹۔۸۰؎ اسد الغابۃ جلد۳صفحہ۳۱۳تا۳۱۷۔مطبوعہ ریاض۱۲۸۶ھ

۸۱ؕ

۸۲ؕ القصص:۸٦ ۸۳ؕ سبا:۲۹ ۸۴ؕ التوبة:۱۰۰

۸۵ؕ الحشر:۱۱ ۸٦ؕ الحجر:۴٦تا۴۸ ۸۷ؕ الفتح:۳۰

۸۸ؕ سیرت ابن ھشام الجزء الاول صفحہ۲۸۴مطبوعہ مصر۱۹۳٦ء

۸۹ؕ بخاری کتاب المغازی باب قصّہ الاسود العنسی

۹۰ؕ بخاری کتاب الجنائز باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۹۱ؕ شمائل الترمذی باب ماجاء فی صفة مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۹۲ؕ بخاری کتاب الاذان باب انتظار الناس۔ قیام الامام العالم

۹۳ؕ سیرت ابن ھشام الجزء الثانی صفحہ۱٦ مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۹۴ؕ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ۵۱۔مطبوعہ لاھور۱۸۹۲ء

۹۵ؕ

۹٦ؕ سیرت ابن ھشام الجزء الثانی صفحہ ۱٦۹ مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۹۷ؕ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَوْکُنت مُتَّخِذًا خَلِیْلًا

۹۸ؕ

۹۹،۱۰۰ؕ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورة الفتح باب قولہٖ لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ

۱۰۱ؕ الکوثر:۲تا۴

۱۰۲ؕ لسان العرب جلد۱۲صفحہ۳۷ مطبوعہ بیروت۱۹۸۸ء

۱۰۳ؕ

۱۰۴ؕ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلّم لو کنت متخذًا خلیلًا

۱۰۵ؕ اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد۳صفحہ۳۸۵،۳۸٦ مطبوعہ بیروت۱۲۸٦ھ

۱۰٦ؕ سیرت ابن ھشام جلد۲صفحہ۲۱۹ مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۱۰۷ؕ سیرت ابن ھشام جلد۲صفحہ۲۱۵ مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۱۰۸؎ مسند احمد بن حنبل جلد۳ صفحہ۳۰۴ بیروت ۱۹۲۸ء

۱۰۹؎ المائدۃ:۲۵

۱۱۰؎ بخاری کتاب المغازی باب قصة غزوة بدر

۱۱۱؎ اٰل عمران:۱۶۵

۱۱۲؎ خروج باب ۱۳ آیت ۱۷

۱۱۳؎ قٓ:۳۹

۱۱۴؎ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰريٰت:۵۷)

۱۱۵؎ هُوَالَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ(فاطر:۴۰)

۱۱۶؎ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَالَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا(العنکبوت:۷۰)

۱۱۷؎ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ(المؤمن:۸)

۱۱۸؎ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (البروج:۲)

۱۱۹؎ فَلا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ(السجدۃ:۱۸)

۱۲۰؎ وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل:۷۳)

۱۲۱؎ مَآاَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى۔اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى(طٰهٰ:۳،۴)

۱۲۲؎مَنْ عَمِلَ صَالِحًافَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَارَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ(حٰم السجدۃ:۴۷)

۱۲۳؎ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُمِنْ نَّفْعِهِمَا(البقرۃ:۲۲۰)

۱۲۴؎ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ(العنکبوت:۴۶)

۱۲۵؎ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ:۱۸۴)

۱۲۶؎ لسان العرب جلد۱۲ صفحہ ۳۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۲۸ء

۱۲۷؎ بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسٰی ابنِ مریم

۱۲۸؎ بنی اسرائیل:۸۰

۱۲۹؎

۱۳۰؎ بخاری کتاب الجهاد باب السرعة والرکض فی الفزع

۱۳۱؎

۱۳۲؎ بخاری کتاب الصوم باب۔ اَجْوَدُمَاکان النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم یَکُوْنَ فِی رمضان

۱۳۳؎ بخاری کتاب الادب باب الحیاء

۱۳۴؎ بخاری کتاب الادب باب رحمة الولدو تقبیلہٖ ومعانقتہٖ

۱۳۵؎ بخاری کتاب الجنائز باب قول النّبی صلی اللہ علیہ وسلم یُعَذّبُ المیت ببعض بکاء اھلہٖ

۱۳٦؎ بخاری کتاب الحدود باب کراھیة الشفاعة فی الحد

۱۳۷؎

۱۳۸؎ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی اِلٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ   نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

سیر روحانی (۷)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۳ء برموقع جلسہ سالانہ ربوہ)

عالَمِ رُوحانی کا نوبت خانہ

تشہّد ،تعوّ ذ اورسورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ ایسے الفاظ میں اُتاری ہے کہ عُسر ہو یا یُسر ہومؤمن کے لئے یہ سورۃ ہمیشہ ہی ایک مستقل صداقت ،ایک نہ مِٹنے والی حقیقت اورایک محبت کا گہرا راز بنی رہتی ہے۔انسانوں پر توکّل کرنے والے اور ظاہری طاقت وشان کو دیکھنے والے لوگ کبھی کبھی باوجود بڑی بڑی تیاریوں کے ،باوجود بڑے بڑے ارادوں کے ،باوجود بڑی بڑی امدادوں کے ،باوجود بڑے بڑے سامانوں کے ناکامی اور نامرادی کا مُنہ دیکھ لیتے ہیں ۔ہٹلر اپنی تمام شان کے باوجود مشرقی جرمنی کی جنگ میں ہار جاتا ہے۔نپولین اپنے عظیم الشان تجربہ اورعزم کے باوجود واٹرلو میں شکست کھا جاتا ہے۔لیکن خدا کے بندے اور خدا کے پرستاراور خدا کے موعود صبح بھی اور شام بھی اور رات بھی اور دن بھی سچے دل سے بغیر منافقت کے، بغیر جھوٹ کے خدا کے حضور یہ کہتے ہیں اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ[ط] اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ اُن کی ناکامیاں عارضی ہوتی ہیں ،اُن کی تکلیفیں محض چند لمحات کی اور اُن کی مشکلات بالکل بے حقیقت ہوتی ہیں جن کے ساتھ خدا کھڑا ہوتا ہے اُن کو کسی دوسری چیز کا ڈر ہی کیا ہوسکتا ہے۔

چند تمہیدی امور

مَیں نے ذکر کیا تھا کہ کل انشاء اللہ تعالیٰ میں حسب طریقِ سابق ایک علمی مضمون کے متعلق کچھ خیالات ظاہر کرونگا۔اِس دفعہ مَیں نے اِس مضمون کے لئے پھر ''سیر روحانی'' کو چُنا ہے ''سیر روحانی'' کی تقریر ۱۹۳۸ء سے شروع ہوئی

تھی اور اب۱۹۵۳ء آ گیا ہے اور ابھی تک وہ سارا مضمون ختم نہیں ہوا۔سولہ چیزیں تھیں جو مَیں نے منتخب کی تھیں اور جن کے متعلق مَیں متشابہہ قرآنی دعوے اور قرآنی تعلیم پیش کرنا چاہتا تھا ان میں سے اِس وقت تک دس کے متعلق تقریریں ہو چکی ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں جنتر منتر ، وسیع سمندر اور آثارِقدیمہ کے متعلق تقریر ہوئی تھی۔۱۹۴۰ء میں مساجد اور قلعوں کے متعلق تقریر ہوئی تھی۔ ۱۹۴۱ء میں مُردہ بادشاہوں کے مقابر اور مینا بازار کے متعلق تقریر ہوئی تھی۔ پھر اس کے بعد۱۹۴۲ء،۱۹۴۳ء، ۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء میں اِس موضوع پر کوئی تقریر نہیں ہوئی۔ ۱۹۴۸ء میں ایک وسیع اور بلند مینار کے متعلق تقریر ہوئی تھی۔پھر ۱۹۵۰ء کے جلسہ میں دیوانِ عام کے متعلق تقریر ہوئی تھی اور ۱۹۵۱ء کے جلسہ میں دیوانِ خاص کے متعلق تقریر ہوئی۔اس طرح گویا دسؔ مضامین اِن میں سے ہو گئے چونکہ اِس مضمون کے بیان ہونے میں لمبا فاصلہ ہو گیا ہے اِس لئے میرا منشاء تھا کہ مَیں مختصر کر کے باقی چھ مضامین اکٹھے بیان کر دوں اور کتاب مکمل ہو جائے لیکن جیسا کہ مَیں کل بتا چکا ہوں چند مہینوں سے جو مجھے گلے کی تکلیف شروع ہوئی تو اِس کی وجہ سے مَیں نے محسوس کیا کہ میں لمبا مضمون بیان نہیں کرسکوں گا اور چھ مضامین بیان کرنے کے لئے غالبًا پانچ چھ گھنٹے لگ جائیں گے اس لئے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے مَیں رات کے وقت لیمپ سے کام نہیں کر سکتا اور بجلی ابھی یہاں آئی نہیں محکمہ دو سال سے ہم سے وعدے کر رہا ہے مگر اب تک اُسے ایفائے عہد کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ جب وہ آ جائے تو مجھے امید ہے کہ بیماری میں بھی کچھ نہ کچھ کام مَیں رات کو کر سکوں گا لیکن روشنی اگر کافی نہ ہو تو اب میری نظر رات کو زیادہ کام نہیں کرسکتی۔ دوسرے تیل کی بُو کی وجہ سے مجھے نزلہ بھی جلدی ہو جاتا ہے اور تیل کے لیمپ سے کام کرنا میرے لئے مشکل ہو جاتا ہے اس لئے مَیں زیادہ وقت نوٹ لکھنے پر بھی نہیں لگا سکتا تھا اور کچھ میری بیماری کی وجہ سے لاہور کے ڈاکٹروں نے جو نُسخے تجویز کئے وہ ایسے مُضْعِف[۲] تھے کہ درحقیقت یہ پچھلا سارا مہینہ ایسا گزرا ہے کہ اکثر حصّہ مجھے چارپائی پر لیٹ کر گزارنا پڑتا تھا اور بیٹھنا بھی میرے لئے مشکل ہوتا تھا اور دوائی بھی ایسی تھی جو کہ خواب آور تھی اسلئے اکثر وقت مجھے اونگھ ہی آتی رہتی تھی اور مَیں کام نہیں کرسکتا تھا۔پس اِن مجبوریوں کی وجہ سے مَیں نے صرف ایک مضمون پر ہی اِکتفاء کیا اور آج اُسی مضمون کے متعلق مَیں کچھ باتیں کہوں گا۔بعض دفعہ الٰہی تصرّف ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹی سی باتوں کو اللہ تعالیٰ لمبا کر دیتا ہے۔اور بعض دفعہ طبیعت پر ایسا بوجھ پڑتا ہے

کہ لمبی لمبی باتیں بھی مختصر ہو جاتی ہیں اِس لئے میں ابھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ نوٹ جو درحقیقت ایک ہی مضمون کے متعلق ہیں اور اپنے خیال میں مَیں نے انہیں مختصر کیا ہے آیا تقریر کے وقت بھی وہ لمبے ہو جاتے ہیں یا چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کے فعل پر منحصر ہے مجھے بھی نہیں معلوم اور آپ کو بھی نہیں معلوم۔

نئے لوگوں کی واقفیت کیلئے بعض پُرانی باتیں

بعض لوگ جو نئے آئے ہیں اُن کی اطلاع کے لئے مَیں یہ بتاتا ہوں کہ ۱۹۳۸ء میں مَیں نے ایک سفر کیا تھا۔ اُس سفر میں مختلف جگہوں پر جب مَیں نے مختلف چیزیں پُرانے آثار کی یا نیچر کی دیکھیں تو اُن کا میری طبیعت پر ایک گہرا اثر پڑا۔ انسانی مصنوعات اور انسانی شان وشوکت کو دیکھ کر اور اسلام کے نشانوں کو مٹا ہؤا دیکھ کر اور اُس کی جگہ کفر اور ضلالت کو غالب دیکھ کر میری طبیعت سخت غمزدہ ہوئی اور مجھے بہت رنج پہنچا۔

اِس سفر میں ہم پہلے بمبئی گئے تھے، بمبئی سے حیدرآباد گئے، حیدرآباد سے پھر آگرہ آئے، آگرے سے دِلّی آئے اور دلّی میں ایک دن سیر کرتے ہوئے ہم غیاث الدین تغلق کے قلعہ پر چڑھے وہاں سے ہمیں دلّی کے تمام مناظر نظر آ رہے تھے۔ دلّی کا پُرانا شہر بھی نظر آتا تھا، نیا شہر بھی نظر آتا تھا، قطب صاحب کی لاٹ بھی نظر آتی تھی، نظام الدینؒ صاحب اولیاء کا مقبرہ بھی نظر آتا تھا، لوہے کی لاٹ بھی نظر آتی تھی اور لودھیوں کے قلعے بھی نظر آتے تھے، سُوریوں کے قلعے بھی نظر آ رہے تھے، مغلوں کے قلعے بھی نظر آتے تھے، باغات بھی نظر آتے تھے، غرض عجیب قسم کا وہ نظارہ تھا جو نظر آ رہا تھا۔ ایک طرف وہ شان وشوکت ایک ایک کر کے سامنے آ رہی تھی کہ کِس طرح مسلمان یہاں آئے، کِس طرح اُنکو غلبہ حاصل ہؤا، کتنی کتنی بڑی انہوں نے عمارتیں بنائیں اور اس کے بعد وہ خاندان تباہ ہؤا، پھر دوسرا آیا تو وہ تباہ ہؤا، پھر تیسرا آیا اور وہ تباہ ہؤا اور اب آخر میں یہ نشانات انگریزوں کی سیر گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ اِس نظارہ کو دیکھ کر میری طبیعت پر ایک غیر معمولی اثر پیدا ہؤا اور مَیں نے کہا۔ کیا ہے یہ دنیا جس میں اتنی شاندار ترقی کے بعد بھی انسان اتنا گِر جاتا اور تباہ ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ میری بڑی ہمشیرہ بھی تھیں یعنی ہمشیروں میں سے بڑی ورنہ یوں وہ مجھ سے چھوٹی ہیں۔ اِسی طرح میری لڑکی امۃ القیوم بیگم بھی تھی اور میری بیوی اُمِ متین بھی تھیں، مَیں وہاں کھڑا ہو گیا اور مَیں اس نظارہ میں محو ہو گیا۔ ایک ایک چیز کو مَیں دیکھتا تھا اور میرے دل میں خنجر چبھتا تھا کہ کسی وقت اسلام کی یہ شان تھی مگر آج مسلمان

انگریز کا ٹکٹ لئے بغیر اِن عمارتوں کے اندر جا بھی نہیں سکتے ۔ یہ عمارتیں جو مسلمانوں نے بنائی تھیں آج یہاں سرکاری دفتر بنے ہوئے ہیں اور اس کو سیر گاہ بنا دیا گیا ہے۔جن خاندانوں کے یہ مکان تھے اُن کی نسلیں چپڑاسی بنی ہوئی ہیں،کلرک بنی ہوئی ہیں،ادنیٰ ادنیٰ کام کررہی ہیں اور یوروپین لوگوں کے ٹُھڈّے کھا رہی ہیں۔غرض میں اِس بات سے اتنا متاثر ہوُا کہ مَیں کھڑے ہوئے انہی خیالات میں محو ہوگیا اور انہوں نے مجھے آوازیں دینی شروع کر دیں کہ بہت دیر ہوگئی ہے۔مگر مَیں چوٹی پر کھڑا اِس کو سوچ رہا تھا اور دنیا وَمَافِیْھَا سے غافل تھا۔ سوچتے سوچتے یکدم اللہ تعالیٰ نے میرے دل پر القاء کیا کہ ہم نے جو اسلام کو قائم کیا تھا تو قرآن کریم کے لئے قائم کیا تھا اِن عمارتوں کے لئے قائم نہیں کیا تھا۔ہم نے جو تم سے وعدے کئے تھے وہ قرآن کریم میں بیان ہیں، وہ یہ وعدے نہیں تھے جو تُغلقوں اور سُوریوں نے سمجھے تھے بلکہ وہ وعدے وہ ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے گئے تھے اور یہ چیزیں جو تم دیکھ رہے ہو اُن کی مثالیں بھی قرآن کریم میں موجود ہیں اور اِن سے بہت زیادہ اعلیٰ اور شاندار ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گی تم اِن کو دیکھ کر کیا غم کرتے ہو جبکہ اِن سے زیادہ شاندار چیزیں تمہارے پاس موجود ہیں۔جس وقت تم چاہو قرآن اُٹھاؤ اُس میں سے تمہیں یہ ساری چیزیں نظر آ جائیں گی۔

غرض بجلی کی طرح یہ مضمون میرے نفس میں کُوندا اَور مَیں نے وہاں سے حرکت کی اور نیچے کی طرف اُترنا شروع کیا اور مَیں نے کہا۔

''مَیں نے پالیا۔مَیں نے پالیا''

جس طرح بُدھ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ خدا کے متعلق غور کر رہا تھا کہ سالہا سال غور کرنے کے بعد یہ انکشاف اُس پر ہوُا اور بے اختیار ہو کر اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا:

''مَیں نے پالیا۔مَیں نے پالیا''

اِس طرح اُس وقت بے اختیار میری زبان پر بھی یہ الفاظ جاری ہو گئے کہ:

''مَیں نے پالیا۔مَیں نے پالیا''

میری بیٹی امۃ القیوم بیگم نے مجھ سے کہا۔'' ابّا جان! آپ نے کیا پا لیا؟'' مَیں اُس وقت اِس دنیا میں واپس آ چکا تھا۔مَیں نے اُسے کہا۔ بیٹی! مَیں نے پا تو لیا ہے لیکن اب مَیں وہ تم کو نہیں بتا سکتا بلکہ ساری جماعت کو اکٹھا بتاؤں گا۔ چنانچہ اِس پر مَیں نے تقریر شروع کی جو

ابھی تک جاری ہے اور جس کا ایک حصّہ مَیں آج بیان کرنے والا ہوں۔

نوبت خانوں کی پہلی غرض

جو چیزیں مَیں نے وہاں دیکھی تھیں اور جنہوں نے میرے قلب پر خاص اثر کیا تھا اُن میں سے ایک چیز یہ تھی کہ مَیں نے وہاں نوبت خانے دیکھے۔یعنی ایسی عمارتیں دیکھیں جن میں وہ جگہیں بنی ہوئی تھیں جن میں بڑی بڑی نوبتیں رکھی جاتی تھیں اور وہ خاص خاص مواقع پر بجائی جاتی تھیں۔ مَیں نے تحقیقات کی کہ یہ نوبت خانے کیوں بنوائے گئے تھے اور اِن کی کیا غرض تھی؟ اِس پر مجھے معلوم ہوا کہ کچھ نوبتیں تو اس طرح رکھی گئی تھیں کہ وہ سرحدوں سے چلتی تھیں اور دلّی تک آتی تھیں۔مثلاً جنوبی ہندوستان میں چند حکومتیں ایسی تھیں جو شروع زمانہ میں مغلوں کے ماتحت نہیں آئیں وہ ہمیشہ مغل بادشاہوں سے لڑتی رہتی تھیں اور جب بھی موقع پاتیں مُغلیہ چھاؤنیوں پر حملہ کر دیتی تھیں۔ اِس غرض کے لئے انہوں نے تین تین چار چار میل پر جہاں سے وہ سمجھتے تھے کہ اُن کی آواز جا سکتی ہے نوبت خانے بنائے ہوئے تھے جو چلتے ہوئے دلّی تک آتے تھے۔ جس وقت سرحدات پر حملہ ہوتا تھا تو نوبت خانہ پر جو افسر مقرر ہوتے تھے وہ زور سے نوبت بجاتے تھے اُن کی آواز سُن کر اگلا نوبت خانہ نوبت بجانا شروع کر دیتا تھا، اُس کی آواز تیسرے نوبت خانہ تک پہنچتی تو وہ نوبت بجانا شروع کر دیتا اِس طرح دکّن سے دلّی تک چند گھنٹوں میں خبر پہنچ جاتی تھی۔ گویا یہ ایک تار کا طریق نکالا گیا تھا اور اِس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ ملک پر حملہ ہو گیا ہے تو جس جہت سے نوبت خانوں کی آواز آتی تھی اُس جہت کا بھی پتہ لگ جاتا تھا۔ بادشاہ فوراً لام بندی[۳] کا حُکم دے دیتا تھا اور کسی جرنیل کو مقابلہ کے لئے مقرر کر دیتا تھا اور گھوڑ سوار فوراً چلے جاتے تھے جو جا کر خبر دیتے تھے کہ تم مقابلہ کرو۔ اگر بھاگنا پڑے تو فلاں جگہ تک آ جاؤ پھر ہماری اَور فوج آ جائے گی۔ چنانچہ پھر فوج پہنچ جاتی تھی اور دشمن کا مقابلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہ نوبت خانے اِدھر بنگال سے چلتے تھے اور دلّی تک جاتے تھے اور اُدھر پشاور سے چلتے تھے اور دلّی تک آتے تھے۔ جب کوئی حملہ آور ایران کی طرف سے آتا تھا تو پشاور کے پاس سے نوبت خانے بجنے شروع ہو جاتے تھے اور چند گھنٹوں میں دلّی میں خبر پہنچ جاتی تھی کہ اِدھر سے حملہ ہو گیا ہے۔اُن دنوں ملتان میں بڑی چھاؤنی تھی، پھر لاہور میں بڑی چھاؤنی تھی اور دلّی تو خود مرکزِ حکومت تھا۔ اِن بڑی بڑی فوجی چھاؤنیوں کو حکم پہنچ جاتا تھا کہ اپنی فوجیں پشاور کی طرف بڑھانی شروع کر دو اور پھر دلّی سے دوسرے جرنیل بھی پہنچ جاتے تھے۔

غرض نوبت خانوں کی غرض ایک تو یہ ہؤا کرتی تھی کہ مرکز میں یہ خبر پہنچ جائے کہ دشمن حملہ آور ہؤا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں ابھی تار نہیں نکلی تھی یہ طریق بڑا مفید تھا جو حکومت کی ہوشیاری اور اپنے فرض کے ادا کرنے پر تیار ہونے کی ایک علامت تھی۔ کُجا حیدر آباد دکّن کا علاقہ جو ہزار میل یا اُس سے بھی زیادہ فاصلہ پر ہے اور کُجا یہ کہ چند گھنٹوں میں خبریں پہنچ جاتی تھیں۔ اِسی طرح پشاور سے دلّی تک خبریں پہنچ جاتی تھیں اور بنگال سے دلّی تک خبریں پہنچ جاتیں۔

نوبت خانوں کی دوسری غرض

نوبت خانوں کی دوسری غرض یہ ہؤا کرتی تھی کہ جب بادشاہ کسی علاقہ پر حملہ کرنے کیلئے اپنے لشکر کو لیکر مرکز سے روانہ ہوتو اُس جہت میں رہنے والی تمام رعایا کو علم ہو جائے کہ شاہی لشکر آرہا ہے اور وہ بھی دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے۔ چنانچہ جب بادشاہ کسی طرف حملہ کرتا تھا تو اُس طرف اُلٹی نوبت بجنی شروع ہو جاتی تھی۔ مثلاً دِلّی سے بادشاہی لشکر نے روانہ ہونا ہے اور فرض کرو کہ حملہ اتنی وسیع جگہ پر ہو گیا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ بادشاہی فوجوں کا وہاں فوری طور پر پہنچنا ضروری ہے تو دِلّی میں نوبت پڑتی تھی اور پھر جس طرف آگے جانا ہوتا تھا اُس طرف کے نوبت خانے بجنے شروع ہو جاتے تھے۔ غرض جس لائن پر نوبت خانے بجتے چلے جاتے تھے لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اِس لائن پر لشکر نے جانا ہے۔ اگر حیدر آباد کی طرف بادشاہ کا لشکر جا رہا ہے تو پہلے ایک پڑاؤ پر نوبت بجے گی، پھر دوسرے پر بجے گی، پھر تیسرے پر بجے گی اور پھر بجتی چلی جائے گی اور جہاں تک نوبت بجے گی لوگوں کو پتہ لگ جائے گا کہ بادشاہ نے کہاں تک آنا ہے۔ اگر بنگال کی طرف شاہی لشکر نے جانا ہے تو پہلے مرکز میں نوبت پڑے گی اور پھر آگے نوبت پڑے گی اور پھر آگے نوبت پڑے گی، پھر پڑتے پڑتے بنگال والوں کو اِطلاع ہو جائے گی کہ دِلّی سے بادشاہ کا لشکر چل پڑا ہے۔ پشاور کی طرف حملہ ہؤا ہو تو اُدھر خبر پہنچ جائے گی کہ دِلّی سے بادشاہ فوج لے کر چل پڑا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جیسے تاریں آجاتی ہیں کہ ہوائی جہازوں پر ایک دستہ آرہا ہے اِتنی فوج چل پڑی ہے اور فلاں جرنیل مقرر کیا گیا ہے تو اِس سے فوج کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں اور اگر ایک فوج اپنے آپ کو کمزور بھی سمجھتی ہے اور وہ خیال کرتی ہے کہ وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو جب اُسے یہ خبر پہنچ جائے کہ دو تین دن تک ہماری تازہ دم فوج اُس کی مدد کے لئے پہنچ جائے گی تو اُس کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں اور وہ لڑ کر مرنے کیلئے تیار ہو جاتی ہے اور سمجھتی ہے کہ ہم

نے یہاں سے ہلنا نہیں۔ دو تین دن میں ہماری اور فوج آ پہنچے گی ڈرنے کی کوئی بات نہیں لیکن اگر یہ پتہ نہ ہو کہ ہماری فوجیں کب آئیں گی تو وہ کہتی ہیں یونہی جان کیوں ضائع کرنی ہے چلو لوٹ جائیں اِس طرح اِن نوبت خانوں کی وجہ سے فوج بڑی مضبوط رہتی ہے۔

نوبت خانوں کی تیسری غرض

تیسرؔی غرض نوبت خانوں کی یہ ہوا کرتی تھی کہ بادشاہ کبھی کبھی لوگوں کو اپنا چہرہ دکھانے کے لئے اور اپنی باتیں سُنانے کے لئے جھروکوں میں بیٹھتے تھے اور اعلان کر دیا جاتا تھا کہ بادشاہ سلامت تشریف لے آئے ہیں جس نے آنا ہے آجائے یہ دربارِ عام ہوتا تھا۔ اُس وقت بھی نوبت بجائی جاتی تھی اور نوبت کے بجنے سے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ آج بادشاہ نے باہر آنا ہے۔ جو قریب ہوتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں بات کرنے کا موقع مِل جائے گا، جو اُن سے بعید ہوتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں دیکھنے کا موقع مِل جائے گا، جو اُن سے بھی بعید ہوتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں ایک جھلک دیکھنے کا موقع مِل جائے۔ گا اور جو اَور بھی بعید ہوتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہم کوشش تو کریں گے نظر آ گیا تو آ گیا ورنہ ہجوم ہی دیکھ لیں گے اِس طرح ہزاروں لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ دِلّی کے بادشاہوں نے اپنے عہدِ حکومت میں ایسا طریق رکھا ہوا تھا کہ علاوہ جھروکوں کے وہ بعض دفعہ ایسی جگہ بیٹھتے تھے کہ دریا پار کے لوگ بھی جمع ہو جاتے تھے۔ بیچ میں جمنؔا آتی تھی اور جمنؔا کے کنارے پر لوگ آ کر جمع ہو جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اِتنی دُور سے بھی اگر ہم نے بادشاہ کو دیکھ لیا تو یہ بھی ہماری عزّت افزائی ہے۔

۱۹۱۱ء میں جب جارج پنجم دِلّی میں آئے اور دربار لگا تو مِیلوں مِیل تک لوگ کھڑے ہوتے تھے اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر وہ کھڑے کیوں ہیں۔ بعض دفعہ آدھ آدھ مِیل پر بادشاہ کی سواری گزرتی تھی مگر لوگ کھڑے ہوتے تھے صرف اِتنا دیکھنے کے لئے کہ تالیاں پِٹی ہیں اور بادشاہ وہاں سے گزرا ہے۔ بس اِتنی اطلاع آئی تو خوش خوش وہاں سے آ گئے کہ ہم بادشاہ کا جلوس دیکھنے کیلئے گئے تھے۔ غرض یہ تین اغراض اِن نوبت خانوں کی ہوا کرتی تھیں۔

اوّل سرحدات کی طرف سے مرکز کو اطلاع دینا کہ دشمن حملہ آور ہے۔

دومؔ مرکز کی طرف سے علاقہ کو اطلاع پہنچانا کہ بادشاہ یا اس کا ولیعہد بہ نفسِ نفیس اپنی فوج کے ساتھ کناروں کی فوجوں کی مدد کے لئے چل پڑا ہے۔

تیسرؔے یہ اطلاع دینا کہ بادشاہ سلامت آج دربارِ عام منعقد کر رہے ہیں اور عام اجازت

ہے کہ لوگ آئیں اور بادشاہ کی زیارت کرلیں اور اگر قریب پہنچ جائیں تو اپنی عرضیاں بھی پیش کرلیں بلکہ بعض جگہوں پر انہوں نے بکس لگائے ہوئے تھے جن میں لوگ عرضیاں ڈال دیتے تھے اور بعض جگہ چھینکے[۴] لٹکا دیتے تھے جن میں لوگ عرضیاں ڈال دیتے تھے اور پھر بادشاہ انہیں پڑھ لیتا تھا۔

گویا یہ تین باتیں تھیں جن کو مدنظر رکھتے ہوئے نوبت خانے بنائے جاتے تھے۔اور واقعہ میں اِس نظارہ کا خیال کر کے خصوصاً انگریزوں کی کارونیشن(CORONATION) دیکھ کر دیکھنے والوں کو خیال آتا تھا کہ کسِ طرح ہمارے مسلمان بادشاہ نکلتے ہونگے اور جس طرح ہمارے ہندوستانی دُور دُور دھکّے کھاتے پھرتے ہیں اِسی طرح اُس وقت انگریز سیّاح آتے ہونگے تو دو دو میل پر بادشاہ کو دیکھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہونگے اور کہتے ہونگے ہم نے بھی بادشاہ کو دیکھنا ہے۔مگر آج یہ حالت ہے کہ انگریز تخت پر بیٹھتا ہے اور اُن پٹھان یا مغل بادشاہوں کی اولادیں دُور دُور تک دھکّے کھاتی پھرتی ہیں بلکہ ہم نے دہلی میں دیکھا ہے کہ شہزادے پانی پلاتے پھرتے تھے اِس طرح دل کو ایک شدید صدمہ ہوتا تھا۔

قرآنی نَوبت خانہ کا کمال

لیکن جب خدا تعالیٰ نے مجھے توجہ دلائی کہ اِن چیزوں کو تم کیا دیکھ رہے ہو ہم تم کو اِس سے بھی ایک بڑا نوبت خانہ دکھاتے ہیں جو قرآن کریم میں موجود ہے اور وہ اِس سے زیادہ شاندار ہے۔تب مَیں نے سوچا کہ یہ جو نوبت خانہ بجا کرتا تھا اور جس سے وہ کناروں کو اطلاع دیا کرتے تھے کہ دشمن داخل ہو گیا ہے اِس کے مقابلہ میں قرآن کا نوبت خانہ کیا کہتا ہے۔اِس پر مَیں نے اِن نَوبت خانوں کے متعلق تو یہ دیکھا کہ جب دشمن کی فوجیں ملکی سرحدوں میں گھُس آتی تھیں یا کم سے کم سرحدات تک آ پہنچتی تھیں تو اُس وقت نوبتیوں کو پتہ لگتا تھا اب دشمن آرہا ہے اور وہ نوبتیں بجانی شروع کر دیتے تھے۔مگر اِس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دشمن احتیاط سے اور اپنی فوجوں کو چُھپا کر لاتا تو بعض دفعہ وہ سَو سَو میل اندر گھُس آتا تھا پھر کہیں پتہ لگتا تھا کہ حملہ آور دشمن اندر گھُس آیا ہے اور پھر اطلاع ہونی شروع ہوتی تھی۔اِس طرح عام طور پر حملہ آور کچھ نہ کچھ حصّے پر قابض ہو جاتا تھا اور پتہ نہیں لگتا تھا کہ وہ کس وقت آیا ہے۔داخل ہونے کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ دشمن اندر گھُس آیا ہے مگر اِس نوبت خانہ کو مَیں نے دیکھا کہ اسلامی حکومت کا ایک نائب اور خدا کا خلیفہ مکّہ مکرّمہ میں پھر رہا ہے معمولی سادہ لباس ہے ،اُس کے ساتھی نہایت غریب اور بے کس لوگ ہیں،

حکومت کا کوئی واہمہ بھی اُن کے ذہن میں نہیں ہے، ماریں کھاتے ہیں، پٹتے ہیں، بائیکاٹ ہوتا ہے، فاقے رہتے ہیں جائیدادیں اور مکان چھینے جارہے ہیں، غلاموں کو پکڑ کر زمین پر لِٹایا جاتا ہے اور اُن کے سینوں پر لوگ چڑھتے ہیں، کیلوں والے بُوٹ پہن کر اُن کی چھاتی پر کُودتے ہیں اور نہ مکّہ والوں کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ یہ کبھی بادشاہ ہو جائیں گے، نہ اُن کے ذہن میں کبھی خیال آتا ہے کہ ہم کبھی بادشاہ ہو جائیں گے۔ غرض ابھی بادشاہت کے قیام کا کوئی واہمہ بھی نہیں لیکن بادشاہت کے بننے سے بھی پہلے دشمن کے آنے کی خبر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے تمہارے ملک پر حملہ ہونے والا ہے۔ فرماتا ہے **وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ** [۵]

ہم نے مُوسٰیؑ کے ذریعہ سے فرعون کو جو کہ مصر کا بادشاہ تھا اور بنی اسرائیل پر ظلم کیا کرتا تھا ڈرایا کہ دیکھو تم ہمارے بندے کے رُوحانی لشکر سے مقابلہ مت کرو ورنہ تمہیں نقصان پہنچے گا لیکن اُس نے رسول کی پرواہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ اُس کی بے اعتنائی اور اُسکے انکار اور تکذیب کی وجہ سے ہم نے اُس کو پکڑ لیا اور معمولی طور پر نہیں پکڑا بلکہ ایک غالب اور قادر کی حیثیت سے اُسکو پکڑا یعنی بعض گرفتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان بہانے بنا کر اُس سے نکل جاتا ہے مگر ہماری گرفت ایسی تھی کہ ایکؔ تو اُس گرفت سے کوئی نکل نہیں سکتا تھا دوسرےؔ سزا ایسی تھی کہ اُس سے وہ بچ نہیں سکتا تھا۔ گورنمنٹیں بھی سزائیں دیتی ہیں لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ پھانسی کی سزائیں دیتی ہیں تو لوگ جیل والوں سے مِل جاتے ہیں اِدھر رشتہ داروں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور وقت سے پہلے پہلے وہ زہر کھا کر مر جاتے ہیں اور گورنمنٹ کے ججوں نے جو پھانسی کا حکم دیا ہوتا ہے وہ یونہی رہ جاتا ہے۔ گزشتہ جنگِ عظیم میں جو جرمن لیڈر پکڑے گئے تھے اُن میں سے گوئرنگ کے لئے امریکنوں نے بڑی تیاریاں کیں کہ اُس کو پھانسی پر لٹکائیں گے جس کا لوگوں پر بڑا اثر ہوگا کہ دیکھو گوئرنگ جیسے آدمیوں کو امریکنوں نے سزا دی ہے اور جرمن بڑے ذلیل ہوتے ہیں لیکن جس وقت پھانسی دینے کیلئے وہ اُس کے کمرہ میں گئے تو دیکھا کہ وہ مرا پڑا تھا۔ معلوم ہؤا کہ کسی نہ کسی طرح جرمنوں نے اندر زہر پہنچا دیا اور وہ کھا کر مر گیا۔ اب انہوں نے پکڑا تو سہی لیکن جو سزا دینے کا ارادہ تھا اس میں وہ کامیاب نہ

ہوئے۔گویا اَخْذَ عَزِیْزٍ تو تھا مگر اَخْذَعَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ نہیں تھا یعنی پکڑ تو لیا وہ نکلا نہیں مگر جو چاہتے تھے کہ سزا دیں اُس میں وہ کامیاب نہ ہوئے۔

پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجرم ان کی سزا سے بھی پہلے نکل جاتا ہے جیسے کئی مجرم جیل خانوں سے بھاگ جاتے ہیں ،کئی مقدموں سے پہلے بھاگ جاتے ہیں ،کئی پولیس کی ہتھکڑیوں سے نکل جاتے ہیں، بعض دفعہ اطلاع ملنے سے پہلے ہی بھاگ جاتے ہیں اور پھر ساری عمر نہیں پکڑے جاتے ہیں ،بعض دفعہ پولیس اُن کے پیچھے تیس تیس سال تک ماری ماری پھرتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دُنیوی حکومتوں میں تو یہ دو باتیں ہوا کرتی ہیں یعنی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجرم بھاگ جاتا ہے لیکن ہم ایسا پکڑیں گے کہ وہ بھاگ نہیں سکے گا۔ پھر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکومت پکڑ تو لیتی ہے مگر جو سزا اُس کے لئے تجویز کرتی ہے وہ اُس کو نہیں دے سکتی۔ پھانسی دینا چاہتی ہے تو اتفاقیہ طور پر مُجرم مر جاتا ہے، ہارٹ فیل ہو کر مر جاتا ہے، زہر کھا کر مر جاتا ہے، کسی نہ کسی طرح اُن کے قبضہ سے نکل جاتا ہے مگر ہم اَخْذَعَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ کی طرح انہیں پکڑیں گے ہم اس طرح پکڑیں گے کہ وہ بھاگ بھی نہیں سکیں گے اور پھر جو سزا تجویز کریں گے وہی اُن کو ملے گی۔

پھر فرماتا ہے اَکُفَّارُکُمْ خَیْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِکُمْ اَمْ لَکُمْ بَرَاءَ ۃٌ فِی الزُّ بُرِ

اے مکّہ والو! تم بتاؤ تو سہی کہ وہ جو موسیٰؑ کے منکر تھے کیا تم اُن سے بہتر ہو۔ اگر موسیٰؑ کے منکروں کو یہ سزائیں ملی تھیں تو تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو۔آیا یہ کہ تمہیں وہ سزائیں نہیں مِل سکتیں یا نہیں دی جاسکتیں جو موسیٰؑ کی قوم کو دی گئیں یا خدا تعالیٰ کی کتابوں میں تمہارے لئے کوئی ضمانت آئی ہوئی ہے کہ ہم نے مکّہ والوں کو کچھ نہیں کہنا۔مکّہ والے کہتے تھے کہ خانہ کعبہ ہماری حفاظت کا سامان ہے۔فرماتا ہے وہ تو خانہ کعبہ کی حفاظت کا وعدہ تھا تمھارے لئے تو کوئی وعدہ نہ تھا۔خدا نے یہ تو وعدہ کیا کہ وہ خانہ کعبہ کی حفاظت کرے گا مگر یہ تو وعدہ نہیں کہ تم کو بھی سزا نہیں دے گا۔اَمْ یَقُوْ لُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ۔کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک بڑا جتھہ رکھتے ہیں اور ہم اِن مسلمانوں سے سخت بدلہ لینے والے ہیں ہم اِنکو تباہ کر کے چھوڑیں گے۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْ نَ الدُّبُرَ۔فرمایا ٹھیک ہے یہ حملے کریں گے اور قوموں کی قومیں اکٹھی ہو جائیں گی ،سارا ملک جمع ہو جائے گا اور جمع ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک پر حملہ کریں گے لیکن سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔اُن کے لشکر جو اکٹھے ہو نگے

اُنکو شکست دے دی جائے گی اور وہ پیٹھ دکھاتے ہوئے بھاگ جائیں گے۔

دشمن کے حملہ کی بارہ سال پہلے خبر

گویا ابھی کوئی حملہ نہیں ہؤا، کوئی حکومت نہیں بنی، کوئی فوج نہیں آئی اور بارہ سال پہلے سے خبر دے دی جاتی ہے کہ یہ لوگ حملہ کے لئے آئیں گے لیکن جب اِدھر سے یہ جمع ہو رہے ہونگے اُدھر سے خدا اپنے گورنر کی مدد کے لئے دَوڑا چلا آ رہا ہوگا اور اُسے دیکھ کر دشمن کی فوج حواس باختہ ہو جائے گی اور اُسے بھاگنا پڑے گا۔ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی سنّت ہے ضرورت اِس بات کی ہوتی ہے کہ انسان خدا کا بن جائے۔ جب وہ خدا کا بن جاتا ہے تو کبھی ایسا نہیں ہؤا کہ وہ کسی جگہ پر ہو اور خدا وہاں نہ ہو۔ جب بھی دنیا میں لوگ ایسے شخص کے پاس پہنچیں گے اُسے اکیلا نہیں پائیں گے بلکہ خدا کو اُس کے پاس کھڑا پائیں گے اور انسان کا لوگ مقابلہ کر سکتے ہیں خدا کا نہیں کر سکتے۔ بَلِ السَّا عَةُ اَدْھٰی وَاَمَرُّ۔ فرماتا ہے وہ جو گھڑی ہوگی وہ فرعون کی گھڑی سے بھی زیادہ خطرناک ہوگی۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ فرعون کی گھڑی زیادہ سخت تھی اس لئے کہ وہ ڈوب کر مر گیا اور اُس کی فوج تباہ ہوگئی لیکن واقعہ میں دیکھیں تو کفار کو جو سزا ملی وہ فرعون کی سزا سے زیادہ سخت تھی۔ فرعون کا لشکر تباہ ہؤا لیکن موسیٰؑ کو مصر کا قبضہ نہیں مِلا۔ موسیٰؑ آگے چلے گئے اور کنعان پر جا کر قابض ہوئے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں جو دشمن آیا اُس کو صرف شکست ہی نہیں ہوئی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس کے ملک پر بھی قبضہ ہوگیا۔ یہ بَلِ السَّا عَةُ اَدْھٰی وَاَمَرُّ ہی تھا کہ موسیٰؑ کے دشمن فرعون کو جو سزا ملی اُس سے اِن کی سزا زیادہ سخت تھی کیونکہ یہ قومی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت آ گئے۔

مدینہ منورہ میں اسلام کی اشاعت

اَب جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہ خبر ایسے وقت میں دی گئی تھی جبکہ اسلامی حکومت ابھی بنی بھی نہیں تھی۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ سے نکلنا پڑا۔ پہلے تو یہ ہؤا کہ مدینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔ کسی کو کیا خبر ہو سکتی تھی کہ مدینہ کے لوگوں میں اسلام پھیل جائے گا۔ وہ تین چار سَو میل کے فاصلہ پر ایک جگہ تھی جن کے مکّہ والوں کے ساتھ کوئی ایسے تعلّقات بھی نہیں تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ چونکہ مدینہ والوں کی نواسی تھیں اس لئے صرف اتنا تعلق تھا اِس سے زیادہ نہیں تھا لیکن حج

کے موقع پر مدینہ سے کچھ لوگ آئے تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے بھی آگئے۔آپؐ نے فرمایا۔اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو مَیں آپ لوگوں کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔مکّہ کے لوگ آگے سے مارنے پیٹنے اور گالیاں دینے لگ جاتے تھے اِس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ پیچھے نہیں پڑتے تھے بلکہ پہلے آپ ان لوگوں سے اجازت مانگتے تھے اِسی طریق کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو مَیں تمہیں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ چونکہ مدینہ کے لوگوں کو معلوم تھا کہ آپؐ ہمارے نواسے ہیں اِس لئے انہوں نے کہا تم تو ہمارے نواسے ہو جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو مگر تمہاری قوم کے لوگ تو کہتے ہیں کہ تم پاگل ہو گئے ہو۔آپؐ نے فرمایا تم میری باتیں سُن لو اور پھر بیٹھ کر انہیں اسلام کی تعلیم دی۔انہوں نے کہا یہ باتیں تو بڑی معقول ہیں مگر تمہاری قوم کے لوگ تو یہی کہتے تھے کہ تم پاگل ہو لیکن بات یہ ہے کہ ہماری قوم میں بڑی جتھہ بندی ہوتی ہے اِس لئے اگر آپؐ اجازت دیں تو ہم اِس وقت کوئی فیصلہ نہ کریں ہم واپس جا کر اپنی قوم کے لوگوں کو یہ باتیں سُنائیں گے اگر قوم کو توجہ پیدا ہوئی تو ہم پھر دوبارہ آئیں گے چنانچہ وہ واپس گئے اور انہوں نے مدینہ میں اسلام کی تعلیم پھیلانی شروع کی۔لوگوں نے سُنا تو اُن میں سے درجنوں آدمی آپؐ کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور انہوں نے کہا یہ باتیں سچّی ہیں۔[۶]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اسرائیلی انبیاء واولیاء کی پیشگوئیاں

ایک بڑا ذریعہ اُن کے لئے یہ بن گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ سے پہلے یہودی لوگ اپنے بزرگوں کی پیشگوئیاں سُنایا کرتے تھے کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ عرب میں ایک نبی پیدا ہوگا اور ہمیں یقین ہے کہ چونکہ نبی ہم میں سے ہی ہوسکتا ہے اس لئے وہ ہماری قوم میں سے ہوگا بلکہ مدینہ کے جو یہودی تھے وہ اِسی لئے ہجرت کر کے وہاں آ بسے تھے کہ کسی نے کتابوں میں سے اُن کو یہ پیشگوئیاں سُنائیں تو انہوں نے کہا وہ نبی ہم میں سے آجائے اِس لئے ہم عرب میں چلے جاتے ہیں۔غرض اُن میں یہ پیشگوئیاں تھیں کہ آنے والا نبی عرب میں ظاہر ہوگا اِس لئے انہوں نے خیال کیا کہ وہ نبی ان یہودیوں میں سے ہوگا جو مدینہ جا کر رہیں گے اِسی وجہ سے وہ ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔انہوں نے جب یہ بات سُنی تو انہوں نے آپس میں کہا کہ وہ جو یہودی کہا کرتے تھے کہ نبی ہم میں سے آئے گا وہ تو جھوٹی بات ہے۔

نبی ہم میں سے آنا تھا جو آ گیا اِس لئے بہتر ہے کہ ہم پہلے اس کو قبول کر لیں ۔ وہ ڈرے کہ ایسا نہ ہو یہودی پہلے اس کو قبول کر لیں ۔ یہ تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہودی اس کی مخالفت کریں گے ۔ چنانچہ انہوں نے ایک بڑا وفد بنایا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور رات کو آپؐ سے ملے اور آپؐ کی باتیں سُنیں اور کہا ہم اسلام قبول کرتے ہیں ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت

پھر انہوں نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہِ! ہم تو یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپؐ ہجرت کر کے ہمارے پاس آ جائیں کیونکہ آپؐ کے شہر کے لوگ آپؐ سے اچّھا سلوک نہیں کرتے ۔ حضرت عباسؓ آپؐ کے ساتھ تھے ، انہوں نے یہ باتیں سُنیں تو اُن سے ایک عہد لیا ۔ انہوں نے کہا اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آ جائیں تو تمہارے لئے کچھ شرطیں ہوں گی ۔ اُن میں سے ایک شرط یہ بھی ہوگی کہ اگر مدینہ پر دشمن حملہ کرے تو تم لوگ اپنی جان اور مال کو قربان کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کروگے ہاں اگر مدینہ سے باہر جا کر لڑائی کرنی پڑے تو پھر مدینہ والوں کی ذمہ واری نہیں ہوگی ؎ چنانچہ یہ عہد ہو گیا ۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد حکم بھی ہو گیا کہ ہجرت کر جاؤ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے ۔ مدینہ پہنچتے ہی کوئی ایسی رَو چلی کہ وہاں عرب کے جو قبائل تھے وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے اور وہاں یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کر کے اسلامی حکومت قائم ہو گئی ۔

قبائلِ عرب کی بَرافروختگی

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو عربوں نے یہ دیکھ کر کہ اَب تو اِن کے پاؤں جمنے لگے ہیں اُن قبائل پر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنا چاہتے تھے اور دوستی رکھنا چاہتے تھے مکّہ سے حملے کرنے شروع کر دیئے ۔ اور وہ مسلمان جو اِکّا دُکّا سفر کر رہے ہوتے تھے اُن کو لُوٹنا اور مارنا شروع کر دیا ۔ اِس کے بعد پھر بدر کے موقع پر ایک باقاعدہ حملہ کر دیا اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی مگر اس واقعہ کی ہجرت سے چار سال قبل آپ کو خبر دی جا رہی ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ تمہیں حکومت ملے گی ، تمہارے شہر میں لشکر داخل ہوگا اور سارے عرب کی فوجیں اکٹھی ہو کر آئیں گی مگر باوجود اس کے کہ وہ اکٹھے ہونگے تمہارا مقابلہ اُن سے ہوگا اور وہ شکست کھائیں گے ۔ اَب دیکھو احزاب

کی جنگ تو کہیں نَو دس سال بعد ہوئی مگر نَو دس سال پہلے بلکہ حکومت بننے سے بھی چار سال پہلے خبر دی گئی کہ اِسطرح دشمن داخل ہوگا۔ اَب کُجا یہ نوبت خانہ اور کُجا وہ نوبت خانہ کہ دشمن اندر داخل ہو جائے تو بادشاہ کو خبر ہوتی تھی اور اِتنی دیر میں وہ سَو دوسَو میل تک ملک پر قابض بھی ہو جاتا تھا۔ کتنا بڑا زمین وآسمان کا فرق ہے جو اِن دونوں نوبت خانوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احزاب کے موقع پر جب سارا عرب اکٹھا ہوگیا اور اُس نے مدینہ پر حملہ کیا تو بجائے اِس کے کہ مسلمانوں کے دلوں میں تکلیف اور گھبراہٹ پیدا ہوتی یا ڈر پیدا ہوتا اُن کے ایمان بڑھنے شروع ہوئے کہ خدا تعالیٰ نے تو یہ خبر پہلے سے دی ہوئی تھی۔ جب خدا نے پہلے سے خبر دی ہوئی ہے تو اِن کے داخل ہونے سے ہمیں کیا ڈر ہے۔ خدا نے کہا تھا کہ لوگ اکٹھے ہو کر حملہ کے لئے آئیں گے اور ہمیں اُمید بھی تھی کہ آئیں گے اور جب وہ بات پوری ہوگئی تو اگلی کیوں نہ پوری ہوگی یہ ایک بڑا بھاری نشان ہوتا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ میں مسلمانوں کی تباہی اور اُن کی خرابیوں کے متعلق خبریں دیں اور پھر بتایا کہ اِس کے بعد خداتعالیٰ ایک ایسا زمانہ پیدا کرے گا کہ مسلمانوں کی تباہی دُور ہو جائے گی اور مسلمان پھر ترقی کرنا شروع کر دیں گے۔

ایک دوست کی بیعت کا دلچسپ واقعہ

چنانچہ مَیں نے پہلے بھی کئی دفعہ سُنایا ہے کہ مَیں دِلّی میں تھا، اِس سفر میں نہیں بلکہ اِس سے پہلے ایک سفر میں ہم قلعہ میں گئے تو وہاں جو شاہی مسجد ہے اُس کو دیکھنے کے لئے چلے گئے میرے ساتھ سارہ بیگم مرحومہ اور میری لڑکی ناصرہ بیگم تھیں۔ مَیں نے کہا اس مسجد میں کوئی نماز نہیں پڑھتا چلو نماز پڑھ چلیں کبھی نہ کبھی کوئی نماز پڑھنے والا یہاں بھی آجانا چاہئے۔ چنانچہ مَیں نے اُنکو ساتھ لیا اور وہاں نماز پڑھنی شروع کی۔ چنانچہ ہماری نماز اور غیراحمدیوں کی نماز میں فرق ہوتا ہے وہ تو جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے جس طرح مُرغا دانے چُنتا ہے اسی طرح وہ کرتے ہیں اور ہمیں یہ حکم ہے کہ خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھو۔ غرض ہم جو نماز پڑھنے لگے تو ہم نے نصف یا پون گھنٹہ نمازوں میں لگا دیا۔ مَیں ابھی نماز سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ مَیں نے دیکھا کہ جیسے کوئی جلدی جلدی جاتا ہے اِس طرح میری بیوی اور میری بچّی دونوں جلدی جلدی مجھے چھوڑ کے پیچھے ہٹ گئیں۔ مَیں نے نماز سے سلام پھیرا اور باہر آیا تو سارہ بیگم مرحومہ سے مَیں نے کہا کہ تم کیوں آ گئی تھیں؟ انہوں نے کہا یہاں کوئی اور مسافر عورتیں

آئی ہوئی ہیں اور انہوں نے ہمیں اشارہ کر کے بُلایا تھا جس پر ہم چلی گئیں۔ پھر انہوں نے بتایا کہ ایک انجینئر ہیں، وہ اپنی بیوی اور بیٹی کو لے کر ولایت جا رہے ہیں اور یہ جو بیٹی ہے یہ ایک احمدی سے بیاہی جانے والی ہے۔ منگنی اِس کی ہو چکی ہے اور لڑکا احمدی ہے ماں نے کہا کہ میری یہ بیٹی احمدیوں میں بیاہی جانے والی ہے اور ان کے امام یہاں آئے ہوئے ہیں اگر اِن سے میرا خاوند مِل لے تو ذرا تعلّق پیدا ہو جائے گا کیونکہ آئندہ احمدیوں کے گھروں میں ہم نے جانا ہے اِس لئے انہوں نے بلایا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو وہ آپ سے بات کر لیں۔ مَیں نے کہا آجائیں اِس کے بعد ہم ذرا آگے کوئی جگہ دیکھنے کے لئے چل پڑے تو پھر چلتے چلتے یکدم مَیں نے دیکھا کہ میری بیوی اور بیٹی دونوں غائب ہیں۔ مَیں نے مُڑ کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ پھر وہ عورتیں انہیں اشارہ کر کے لے گئی ہیں اور دو مرد کچھ قدم آگے آگئے۔ مَیں نے سمجھا کہ یہ وہی شخص ہیں جنہوں نے مِلنا ہے۔ پاس پہنچے تو انہوں نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا۔ مَیں نے وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کہا۔ اور پوچھا کہ فرمائیے کیا بات ہے؟ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اِس اِس طرح میری بیوی کو پتہ لگا تو اُس نے ہمیں اطلاع دی۔ میری لڑکی میرے بھائی کے بیٹے سے بیاہی جانے والی ہے اور میرا بھائی احمدی ہے تو چونکہ لڑکی احمدیوں میں جانی ہے اور میرا بھائی بھی احمدی ہے اِس لئے مَیں نے خواہش کی کہ مَیں آپ سے مِل لوں۔ مَیں نے کہا بڑی اچھی بات ہے۔ پھر مَیں نے کہا آپ کا کونسا بھائی احمدی ہے۔ انہوں نے نام بتایا مَیں نے کہا وہ تو ہماری جماعت کے وہاں امیر ہیں۔ کہنے لگا جی ہاں۔ ایک میرا وہ بھائی ہے وہ تو بیچارے بعد میں فوت ہو گئے لیکن دوسرے بھائی موجود ہیں غلام سرور اُن کا نام ہے اور چارسدّہ کے رہنے والے ہیں تو کہنے لگے غلام سرور جو میرا بھائی ہے وہ احمدی ہے اور مَیں اور میرا یہ بھائی دونوں غیر احمدی ہیں۔ مَیں نے کہا آپ کیوں نہیں احمدی ہوئے کیا آپ نے ہمارا لٹریچر نہیں پڑھا؟ کہنے لگے نہیں مَیں نے نہیں پڑھا پھر کہنے لگے دیکھیئے ہم نے تو انصاف کر دیا ہے آپ کا اور ان کا جھگڑا ہے۔ ہم نے دو بھائی آپ کو دے دیئے ہیں اور دو بھائی ان کو دے دیئے ہیں اِس طرح ان کو تقسیم کر دیا ہے گویا اُٹھنّی آپ کو دے دی ہے اور اُٹھنّی اُن کو دے دی ہے۔ انہوں نے مذاق کے رنگ میں یہ بات کہی۔ مَیں نے بھی آگے مذاق کے رنگ میں کہا کہ آپ کو ہمارا پتہ نہیں ہم اِس معاملہ میں بڑے حریص ہیں اور ہم سارا روپیہ لے کر راضی ہوا کرتے ہیں اُٹھنّی لے کر راضی نہیں ہوا کرتے۔ کہنے لگے لے لیجئے۔ مَیں نے کہا دیکھیں گے۔ پھر مَیں نے کہا آپ

نے کبھی لٹریچر نہیں پڑھا۔ کہنے لگے مَیں نے کبھی نہیں پڑھا اور نہ مجھے فُرصت ہے۔ اَب جو مَیں ولایت جانے کے لئے چلنے لگا تو میرے بھائی نے جن سے مجھے بہت محبت ہے اور وہ مجھ سے بڑے بھی ہیں جب مَیں کپڑے وغیرہ بھر رہا تھا تو میری بیوی کو مجبور کر کے کچھ کتابیں لا کے ٹرنک میں ڈال دیں اور کہنے لگے یہ پڑھنا۔ مَیں نے کہا بھائی! پڑھنے کی کس کو فُرصت ہے۔ کہنے لگے۔ جہاز پر اُن کو فُرصت کے موقع پر پڑھتے رہنا۔ مَیں نے انہیں کہا کہ مجھے آپ کا لحاظ ہے اس لئے رکھ دیں ورنہ مَیں نے کہاں پڑھنی ہیں۔ تو بس اتنی بات ہے ورنہ مَیں نے پڑھا پڑھایا کچھ نہیں۔ مَیں نے کہا اچھا اٹھنّی پر تو ہم راضی نہیں ہؤا کرتے ہم تو پورا روپیہ ہی لیا کرتے ہیں۔ اِس کے بعد وہ چلے گئے۔ تین چار مہینے ہوئے مجھے لنڈن سے ایک خط مِلا۔ اس خط کا مضمون ان الفاظ سے شروع ہوتا تھا کہ مَیں وہ شخص ہوں جو دہلی کے قلعہ میں آپ سے ملا تھا اور مَیں نے آپ سے مذاقاً کہا تھا کہ ہم نے احمدیوں اور غیر احمدیوں میں پورا انصاف کر دیا ہے۔ اٹھنّی ہم نے آپ کو دیدی ہے اور اٹھنّی ہم نے اِنکو دے دی ہے اور آپ نے اُس وقت یہ کہا تھا کہ ہم تو اٹھنّی پر راضی نہیں ہؤا کرتے ہم تو پورا روپیہ لے کر راضی ہؤا کرتے ہیں۔ آپ حیران ہونگے کہ مَیں لنڈن سے ایک چونّی آپ کو بھیج رہا ہوں، ایک چونّی باقی رہ گئی ہے اور میری بیعت کا یہ خط ہے۔ آگے انہوں نے تفصیل لکھی اور اُس میں انہوں نے لکھا کہ مَیں جس وقت یہاں آیا تو آپ جانتے ہیں ہم پٹھان لوگ ہیں اور ہمیشہ نعروں پر ہماری زندگی ہوتی ہے۔ کہ انگریز ہم کو یوں قتل کریں گے انگریز ہم کو یوں ماریں گے، یہ ہوتے کون ہیں ہم پستول یا رائفل سے ڈَز کریں گے اور وہ بھاگ نکلیں گے۔ یہ تو کبھی سوچا نہیں تھا کہ ہمارے پاس کیا سامان ہیں اور اِن کے پاس کیا سامان ہیں۔ صرف اتنا ہم جانتے تھے کہ ہم اپنی جانیں دے دیں گے اور اِن کو مار ڈالیں گے۔ یہی خیالات میرے بھی تھے اور میرا خیال تھا کہ اِن کی دُنیوی ترقی اور کالج وغیرہ دیکھونگا۔ مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ اِن کے سامانِ جنگ ایسے ہیں کہ ہم اِن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب مَیں یورپ میں آیا تو مَیں اٹلی میں گیا، فرانس میں گیا، جرمنی میں گیا، انگلینڈ میں آیا اور مَیں نے اِن کی فوجیں دیکھیں۔ توپ خانے دیکھے، ہوائی جہاز دیکھے، اِن کے گولہ بارود کے کارخانے دیکھے تو مَیں نے کہا یہ تو ایسی بات ہے جیسے چڑیا کہے کہ مَیں باز کو مارلونگی ہمارے اندر اس کے لئے کوئی طاقت ہی نہیں اور اِس کو دیکھ کر میں بالکل مایوس ہو گیا۔ پہلے تو ہم خیال کرتے تھے کہ ہم اتفاقاً انگریز کے ماتحت آ گئے

ہیں جس دن پٹھان نے رائفل سنبھالی سارے یورپ کوختم کر دے گا مگر اب تو یہاں آ کر معلوم ہؤا کہ یوروپین لوگوں کوختم کر نیکا کوئی سوال ہی نہیں یہ تو قیامت تک باقی رہیں گے ہم انہیں دُنیا سے نہیں مٹا سکتے۔ پھر میرے دل میں اسلام کے متعلق شُبہات پیدا ہونے شروع ہو گئے کہ جب اسلام کا یہ انجام ہونا تھا اور عیسائیت نے اسے کُچل کر رکھ دینا تھا تو پھر عیسائیت ٹھیک ہے۔ درمیان میں بے شک اسلام آیا اور اُس کو کچھ غلبہ مِلا مگر اب پھر عیسائیت غالب آ گئی ہے۔غرض اسقدر میرے دل میں مایوسی اور شُبہات پیدا ہونے شروع ہوئے کہ آج شام کو مَیں نے کہا میرے بھائی نے ٹرنک میں کچھ کتابیں رکھی تھیں انہیں میں سے کوئی کتاب لاؤ تا کہ مَیں اُسے پڑھوں۔شاید اُس میں کوئی بات بتائی گئی ہو۔کہنے لگے مَیں نے آپ کی کتاب ''دَعْوَۃُ الْاَمِیْر'' نکالی اُس کتاب میں یہی مضمون ہے کہ اسلام کی تباہی کی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خبریں دی ہیں اور بتایا ہے کہ مسلمان اس طرح ذلیل ہو جائیں گے،تجارتیں جاتی رہیں گی اور سب قسم کی ترقیاں مٹ جائیں گی۔ بھلا آج سے تیرہ سَو سال پہلے کون کہہ سکتا تھا کہ مسلمان کی یہ حالت ہو گی اُس وقت تو یہ حالت تھی کہ سات سَو مسلمان ہو گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا مردم شُماری کرو۔مسلمانوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپؐ نے مردم شماری کرائی ہے اب تو ہم سات سو ہو گئے ہیں۔کیا آپؐ ڈرتے ہیں کہ اب ہم تباہ ہو جائیں گے؟ اب ہمیں کون مار سکتا ہے۔اب یا تو اُن کی یہ شان تھی اور یا یہ کہ چالیس کروڑ یا ساٹھ کروڑ مسلمان ہیں اور اُن کی جانیں لرز رہی ہیں۔تو یہ حالت آج سے تیرہ سَو سال پہلے کون شخص بتا سکتا تھا ناممکن تھا کہ کوئی شخص کہے کہ مسلمان ایسا کمزور ہو جائے گا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بتایا تھا وہ بات پوری ہوگئی۔پس اے مسلمانو! جب تم نے یہ دیکھ لیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناممکن خبر پوری ہو گئی ہے تو تم کیوں یہ یقین نہیں کرتے کہ وہ دوسری خبر جو اَب مَیں بتا تا ہوں وہ پوری ہوگی۔پھر مَیں نے وہ پیشگوئیاں لکھی ہیں جو اسلام کی ترقی کے متعلق تھیں۔اور مَیں نے کہا اِن کو دیکھ لو اور سمجھ لو کہ اسلام پھر ترقی کرے گا۔کہنے لگے۔جب مَیں نے یہ پڑھا تو میرے دل کو تسلّی ہو گئی کہ واقع میں مَیں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ وہی تھا جو آپ نے بتایا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی پہلے سے خبر دی ہوئی ہے اور جب یہ بات پوری ہوگئی جس کا خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہ پوری ہو گی تو آپ کی یہ دوسری بات بھی ضرور پوری ہو گی اور مَیں نے سمجھا کہ جس شخص نے دنیا میں آ کر ہماری یہ راہنمائی کی ہے اُس سے علیحدہ رہنا بالکل غلط ہے

چنانچہ انہوں نے بیعت کی اور احمدیت میں داخل ہو گئے۔

مسلمانوں کی کمزوری پر منافقین کی طعنہ زنی

غرض جب یہ باتیں پوری ہوئیں تو منافقوں کیلئے یہ بڑی تباہ کن چیز تھی۔ انہوں نے خیال کیا اب تو مارے گئے۔ اِدھر سے یہودی چلے آرہے ہیں اُدھر سے عرب قبائل چلے آرہے ہیں، اُدھر مکّہ کے لشکر چلے آرہے ہیں۔غرض دس بارہ ہزار کا لشکر آرہا ہے اور مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ اُن کے مقابلہ میں اتنا سپاہی تو کُجا، اِن کے پاس اِس سے نصف بھی سپاہی نہیں۔وہ مقابلہ کہاں کریں گے اور یہ حالت پہنچ گئی کہ **وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَامُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا**[۸]

منافق جو ڈر کے مارے مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے کہ ہم بھی مسلمان ہیں اُن کو بھی اِتنی دلیری پیدا ہوگئی کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ارے میاں! اب بھی یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی اب تو سارا عرب اکٹھا ہو کر تمہارے خلاف جمع ہو گیا ہے اسلئے اب چھوڑو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ آپ بُھگتا پھرے گا اور جاؤ اپنے گھروں میں اب اِس لڑائی میں مقابلہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

مخالف لشکروں کو دیکھ کر صحابہؓ کے ایمان اَور بھی بڑھ گئے

لیکن مسلمانوں نے اُسوقت وہی دیکھا جو خان فقیر محمد صاحب چارسدّہ والوں نے دیکھا تھا کہ خدا کی یہ بات پوری ہوگئی ہے اور وہ بات بھی پوری ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اِس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے **وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا**[۹]

یعنی جب مؤمنوں نے دیکھا کہ اُدھر سے شمالی عرب کے لشکر چلے آرہے ہیں اِدھر سے جنوبی عرب کے لشکر چلے آرہے ہیں، اُدھر سے مشرقی عرب کے لشکر چلے آرہے ہیں اِدھر سے مغربی عرب کے لشکر چلے آرہے ہیں، اُدھر سے مکّہ کا لشکر چلا آرہا ہے اِدھر سے یہودی قبائل اِردگرد سے جمع ہو کر چلے آرہے ہیں، اُدھر سے اندر کے یہودی مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں اور اِدھر منافقوں کی بات بھی سُنی کہ اب تو تمہارا کچھ نہیں بن سکتا چھوڑو اِس دین کو، تو مسلمانوں نے کہا تم تو کہتے ہو ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں۔ارے مکّہ میں

کون کہہ سکتا تھا کہ یہ لشکر جمع ہونگے ،محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا طاقت تھی کہ اس کیلئے دس آدمی بھی جمع ہوتے ۔ایک ابوجہل کافی تھا جو کہتا تھا مَیں اِسے ماردونگا یہ اتنے بڑے لشکر اکٹھے ہوکر اس لئے آگئے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان اب اتنے طاقتور ہو گئے ہیں کہ سارا عرب ان کو مِل کر ہی مار سکتا ہے اور یہ خبر جو دس سال پہلے دی گئی تھی کہ مسلمان اتنے طاقتور ہو جائیں گے کہ سارا عرب جمع ہو کر اُن کے مقابلہ کے لئے آئے گا یہ بڑا بھاری نشان ہے یا نہیں؟ تو **هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ** ۔دیکھو یہ وعدہ قرآن میں پہلے سے موجود تھا کہ عرب اکٹھے ہوکر آئیں گے۔ ہمارے تو ایمان تازہ ہو گئے کہ جس وقت یہ خبر دی گئی تھی کہ عرب اکٹھے ہو کر آئیں گے اُس وقت کوئی امکان ہی نہیں تھا ، خیال بھی نہیں آسکتا تھا ، وہم بھی نہیں ہوسکتا تھا مگر آج آگئے تو **سُبْحَانَ اللّٰه** ! یہ تو وہی بات ہوئی جو خدا تعالیٰ نے کہی تھی اور خدا اور اس کا رسول سچے ثابت ہوگئے ۔پس ہمیں کیا ڈر ہے اب تو ہم ان کے ساتھ چمٹیں گے۔**وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَاناً وَّ تَسْلِيْماً**۔اور اِس آواز کے آنے سے اُن کے ایمان اَور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے کہا کہ کتنی بڑی پیشگوئی تھی جو پوری ہوگئی ۔انہوں نے تو کہا تھا کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دو **وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَاناً وَّ تَسْلِيْماً**۔مگر مسلمانوں نے کہا کہ اب تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہی ہمیں اپنی نجات نظر آتی ہے۔جس شخص کی یہ خبر سچی ہوگئی ہے اُس کے ساتھ مِل کر ہم نے کام نہیں کرنا تو اَور کِس کے ساتھ کرنا ہے۔پس وہ اپنے عمل اور قربانی میں اَور بھی زیادہ ترقی کر گئے۔

غرض یہ وہ جنگ تھی جو کہ پانچویں سال ہجرت میں ہوئی لیکن چار سال کے قریب ہجرت سے بھی پہلے مکّہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا تھا کہ اِس طرح تمام لشکر اکٹھے ہو کر آئیں گے اور حملہ کریں گے تم اُن کا مقابلہ کرو گے اور اُن کو شکست ہو جائے گی اور خدا تعالیٰ تمہاری مدد کیلئے آئے گا۔

قرآنی نوبت خانہ کی ایک اَور خبر جو بڑی شان سے پوری ہوئی

اِسی طرح دوسری خبر جو اِس نوبت خانہ سے دی گئی وہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ مکّہ گئے ہیں اور وہاں عمرہ کر رہے ہیں۔آپؐ نے صحابہؓ کو دیکھا کہ کسی نے سر مُنڈایا ہوا ہے اور کسی نے بال تراشے ہوئے ہیں اور عمرہ ہو رہا ہے۔آپؐ نے صحابہؓ سے کہا کہ چونکہ

خواب آئی ہے، چلو ہم عمرہ کر آئیں ۔ جب آپؐ حدیبیہ مقام پر پہنچے تو مکّہ والوں کو پتہ لگ گیا وہ لشکر لے کر آ گئے اور انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم کو یہاں آنے کی کِس نے اجازت دی ہے؟ انہوں نے کہا ہم لڑنے کیلئے تو نہیں آئے صرف اِس لئے آئے ہیں کہ عمرہ کر لیں یہ مقام تمہارے نزدیک بھی برکت والا ہے اور ہمارے نزدیک بھی ۔ ہم اس کی زیارت کے لئے آئے ہیں لڑائی کے لئے نہیں آئے ۔ انہوں نے کہا طواف کا سوال نہیں ۔ ہماری تمہاری لڑائی ہے اگر تم مکّہ آئے اور طواف کر گئے تو تمام عرب میں ہماری ناک کٹ جائے گی کہ تمہارا دشمن آ کر تمہارے گھر میں طواف کر گیا ہے ۔ ہم ساری دُنیائے عرب کو اجازت دے سکتے ہیں مگر تم کو نہیں دے سکتے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد بھیجے ، رؤسائے عرب کی طرف توجہ کی ، اُن کو سمجھایا مگر وہ سارے متفق ہو گئے کہ ہم عمرہ کی اجازت نہیں دے سکتے آخر یہ فیصلہ ہوا کہ صلح نامہ لکھا جائے ۔

صلح نامہ حدیبیہ کی بعض شرائط

اِس معاہدہ میں انہوں نے کہا کہ اَب کے تم واپس چلے جاؤ تا سارے عرب کو پتہ لگ جائے کہ تم پُوچھے بغیر آئے تھے اِس لئے ہم نے تم کو طواف نہیں کرنے دیا ۔ پھر اگلے سال آ جانا تو ہم تمہیں تین دن کے لئے طواف کرنے کی اجازت دے دیں گے ۔ معاہدہ کرتے وقت جو بڑے بڑے سردار اِن لڑائیوں کو نا پسند کرتے تھے وہ کہنے لگے کہ پھر آپس میں کچھ صلح کی شرطیں بھی ہو جائیں ۔ تا کہ لڑائیاں ختم ہو جائیں آپؐ نے منظور فرما لیا ۔ چنانچہ شرطیں یہ طے ہوئیں کہ اگلے سال مسلمان آ کر طواف کر جائیں اور یہ معاہدہ ہو جائے کہ آئندہ دس سال کے لئے لڑائی بند کر دی جائے اِس عرصہ میں اللہ تعالیٰ کوئی نشان ظاہر کر دے تو وہ جس کی تائید کرے گا اُس کو فائدہ پہنچ جائے گا ورنہ ملک میں امن پیدا ہو جائے گا ۔ پھر ایک شرط یہ بھی کی گئی کہ عرب قبائل میں سے جو چاہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر لے اور جو چاہے مکّہ والوں سے معاہدہ کر لے ۔ اِردگرد کے جو قبائل تھے اُن کو یہ آفر (OFFER) کیا گیا کہ تم جس سے چاہو معاہدہ کر لو چنانچہ بنوخزاعہ نے کہا ہم تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کریں گے اُن کی مکّہ والوں سے لڑائیاں تھیں اور بنوبکر جو ایک بڑا قبیلہ تھا اور مکّہ والوں کا دوست تھا اُس نے کہا کہ ہم مکّہ والوں سے معاہدہ کریں گے ۔ غرض قبائلِ عرب بھی تقسیم ہو گئے ۔ اُن میں سے بنوخزاعہ مسلمانوں کے حق میں ہو گئے اور بنوبکر مکّہ والوں کے حق میں ہو گئے اور فیصلہ یہ ہوا کہ آپس میں لڑنا نہیں سوائے

اِس کے کہ کوئی معاہدہ توڑے۔ اگر کوئی معاہدہ توڑ کر اپنے مدّ مقابل سے یا اُس کے حلیف سے مقابلہ کرے تو پھر اُس سے لڑائی کی اجازت ہوگی اِسی طرح کچھ اور شرطیں طے ہوئیں۔ [۱۰]

دشمن کی معاہدہ شکنی کی خبر

جب یہ شرطیں طے ہوگئیں تو اب گویا آئندہ دس سال کیلئے جنگ بند ہوگئی۔ اب جنگ کی صرف ایک ہی صورت باقی تھی اور وہ یہ کہ مکّہ والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے حلیفوں پر حملہ کر دیں کیونکہ مسلمان کو تو حکم ہے کہ بہر حال تم نے اپنا عہد پورا کرنا ہے۔ اِس معاہدہ کے بعد ناممکن تھا کہ مسلمان لڑائی کر سکیں۔ صرف ایک ہی صورت باقی تھی کہ مکّہ والے محمد رسول اللہؐ پر حملہ کر دیں یا آپؐ کے حلیفوں پر حملہ کر دیں اِسکے بغیر لڑائی نہیں ہوسکتی تھی۔ گویا اب لڑائی کا اختیار دشمن کے ہاتھ میں چلا گیا مؤمنوں کے ہاتھ میں نہ رہا۔ ایسی صورت میں جب لڑائی کا اختیار دشمن کے ہاتھ میں تھا جب یہ پتہ لگنے کی کوئی صورت ہی نہیں تھی کہ دشمن کی فوجیں اسلامی نظام کے دائرہ میں داخل ہو جائیں گی کیونکہ فیصلہ تو اُس نے کرنا تھا مسلمانوں نے نہیں کرنا تھا اُس وقت جب صلح حدیبیہ کر کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم واپس آرہے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو خبر دی گئی کہ دشمن معاہدہ توڑے گا اور ہم تم کو اُن پر قبضہ دیں گے۔ گویا پھر قریباً ڈیڑھ سال پہلے خبر مل گئی کہ دشمن کی فوجیں تمہارے ملک میں داخل ہو جائینگی چنانچہ آپؐ کو الہام ہوا! اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا۔ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَیَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًاوَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا [۱۱]

یعنی اے محمدؐ رسول اللہ! ہم تجھ کو ایک عظیم الشان فتح کی خبر دے رہے ہیں۔ وہ ایک ایسی فتح ہوگی جو اپنی ذات میں اس بات کی گواہ ہوگی کہ تُو سچّا ہے اور پھر وہ فتح مبین ہوگی۔ بعض نشانات تو ہوتے ہیں مگر اُن سے نتیجہ نکالنا اور استنباط کرنا پڑتا ہے لیکن وہ فتح ایسی ہوگی کہ استنباط کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ وہ خود اپنی ذات میں تیری صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہوگی۔ لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ اور یہ فتح ہم تجھے اِس لئے دیں گے تاکہ تیری جنگ جو عربوں سے چلی آرہی ہے اُس میں بعض باتیں کرنے والی تھیں جو تو نے نہیں کیں اور بعض غلطیاں تم سے ایسی ہوئیں جو نہیں ہونی چاہئے تھیں اور تم نے کر لیں۔ مثلاً بعض جگہ عفو نہیں کرنا چاہئے تھا مگر عفو کر دیا۔ بعض جگہ معاف کرنا چاہئے تھا مگر صحابہؓ کو خیال نہیں آیا اور انہوں نے معاف نہیں کیا مثلاً محرم الحرام میں جا کر مسلمان لڑ پڑے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خفا ہوئے

کہ اِس مہینہ میں تو لڑنا جائز ہی نہیں ۔ وَیُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡکَ وَیَهۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا اور وہ تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے اور تجھے وہ راستہ دکھائے جس کے ذریعہ سے تجھے کامیابی نصیب ہوجائے۔ وَیَنۡصُرَکَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا اور اللہ تعالیٰ تیری مدد کرے گا اور مدد بھی معمولی نہیں بلکہ بڑی غالب مدد۔ اِس میں اِس طرف اشارہ کیا گیا کہ چونکہ مسلمان حملہ نہیں کر سکتے اِس لئے تیرے ہاتھ سے تو لڑائی نکل گئی اب ہم ایسا طریق اختیار کریں گے جس سے لڑائی جائز ہوجائے اور وہ طریق یہی ہوسکتا تھا کہ کفّار حملہ کر دیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم خود ایسے سامان کریں گے کہ کفّار تجھ پر حملہ کر دیں گے اور پھر اس کے نتیجہ میں وہ تباہ ہو جائیں گے۔ یُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ سے بھی یہی مراد ہے کہ عرب شکست کھا جائیں گے اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی ۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ یٰقَوۡمِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا [۱۲]

یعنی موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں اپنے انبیاء مبعوث فرمائے اور اُس نے تمہیں دُنیوی بادشاہت کی نعمت سے بھی نوازا۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نعمت کی تعریف بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ نعمتِ الٰہی اور اس کا اتمام الٰہی جماعتوں سے دو طرح ہوتا ہے ۔ اگر ان کا سیاسی مقابلہ ہو تو حصولِ ملوکیت سے اور اگر خالص مذہبی ہو تو تکمیلِ نبوت سے ۔ یعنی دنیا میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی آتا ہے تو اگر اس سے صرف سیاسی لڑائی ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے بادشاہ بنا دیتا ہے اور اگر مذہبی لڑائی ہو تو اس کے دین کو غالب کر دیتا ہے اور اگر سیاسی اور مذہبی دونوں قسم کا مقابلہ ہو تو دونوں قسم کے انعام عطا کئے جاتے ہیں ۔ یعنی نبوت بھی قائم کی جاتی ہے اور بادشاہت بھی عطا کی جاتی ہے پس یہاں ہم یُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡکَ سے یہی مراد لیں گے کہ اس حملہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عرب کی حکومت ٹوٹ جائے گی اور مسلمانوں کی حکومت قائم کر دی جائے گی اور یَهۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡماً میں بتایا کہ تم کو غدّاری نہیں کرنی پڑے گی ۔ اللہ تعالیٰ خود ایسا راستہ نکالے گا جس کے نتیجہ میں لڑائی کرنا تمہارے لئے جائز ہو جائے گا اور ہر شخص تمہارے حملہ کو جائز اور معقول قرار دے گا۔

فَتۡحًا مُّبِیۡنًا سے مُراد صلح حدیبیہ نہیں بلکہ فتح مکّہ ہے

اِس آیت کے متعلق مفسّرین میں اختلاف پایا جاتا ہے

بعض کہتے ہیں کہ فتح سے مُراد صلح حدیبیہ ہے لیکن کچھ اَور مفسّرین اور صحابہؓ کہتے ہیں کہ اِس سے مراد فتح مکّہ ہے اور اُن کے اِس خیال کی تائید اِس سے ہوتی ہے کہ ابنِ مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں مَیں نے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْناً میں جس فتح کا ذکر ہے اُس سے مراد فتح مکّہ ہے۔[۱۳] گویا خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ ہے کہ اس جگہ فتح سے مراد فتح مکّہ ہے لیکن اگر صلح حدیبیہ لو تب بھی فتح مکّہ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں ہی ہوئی اگر صلح حدیبیہ نہ ہوتی تو فتح مکّہ بھی نہ ہوتی۔

خدائی نوبت خانہ کی ایک اَور خبر

اب یہ جو اطلاع مِلی تھی کہ دشمن آئے گا اور حملہ کرے گا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی اِس کے واقعات کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کِس طرح ہوئے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو قریباً ڈیڑھ سال پہلے نوبت خانہ نے اطلاع دی کہ دشمن آئے گا، اس کے بعد جب یہ وقت قریب آ گیا تو خدائی نوبت خانہ نے پھر دشمن کے حملہ کی خبر دی۔ چنانچہ جب دشمن کے آنے کا وقت قریب آ گیا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میری باری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں سو رہے تھے۔ جب آپ تہجّد کے لئے اُٹھے تو آپؐ وضو فرماتے ہوئے بولے اور مجھے آواز آئی کہ آپؐ فرما رہے ہیں۔لَبَّیْکَ۔لَبَّیْکَ۔ لَبَّیْکَ۔ اِس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔نُصِرْتَ۔ نُصِرْتَ۔ نُصِرْتَ۔ وہ کہتی ہیں۔ جب آپؐ باہر تشریف لائے تو مَیں نے کہا۔یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا کوئی آدمی آیا تھا اور آپؐ اس سے باتیں کر رہے تھے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں! میرے سامنے کشفی طور پر خزاعہ کا ایک وفد پیش ہؤا اور وہ شور مچاتے چلے آ رہے تھے کہ ہم محمدؐ کو اس کے خدا کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ تیرے ساتھ اور تیرے باپ دادوں کے ساتھ ہم نے معاہدے کئے تھے اور ہم تیری مدد کرتے چلے آئے ہیں مگر قریش نے ہمارے ساتھ بدعہدی کی اور رات کے وقت ہم پر حملہ کر کے جبکہ ہم میں سے کوئی سجدہ میں تھا اور کوئی رکوع میں ہم کو قتل کر دیا اَب ہم تیری مدد حاصل کرنے کیلئے آئے ہیں۔غرض مَیں نے دیکھا کہ خزاعہ کا آدمی کھڑا ہے۔ جب کشفی طور پر وہ آدمی مجھے نظر آیا تو مَیں نے کہا۔ لَبَّیْکَ۔لَبَّیْکَ۔ لَبَّیْکَ۔ میں تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں مَیں تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں، مَیں تمہاری مدد کیلئے حاضر ہوں، پھر مَیں نے کہا۔ نُصِرْتَ۔نُصِرْتَ۔نُصِرْتَ۔[۱۴] تجھے مدد دی جائے گی، تجھے مدد دی جائے گی، تجھے مدد دی جائے گی۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اُسی دن صبح کے وقت رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور آپؐ نے فرمایا۔خزاعہ کے ساتھ ایک خطرناک واقعہ پیش آیا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مَیں نے سمجھ لیا کہ خزاعہ کے ساتھ خطرناک واقعہ یہی ہوسکتا ہے کہ وہ مکّہ کی سرحد پر ہیں اور مکّہ والے جن کا خزاعہ کے ساتھ معاہدہ ہے وہ خزاعہ پر حملہ کردیں۔مَیں نے کہا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!کیا یہ ممکن ہے کہ اتنی قسموں کے بعد قریش معاہدہ توڑ دیں اور وہ خزاعہ پر حملہ کردیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت کے ماتحت وہ اس معاہدہ کو توڑ رہے ہیں اور وہ حکمت یہی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حملہ کی اجازت نہیں تھی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مَیں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا اِس کا نتیجہ اچھا نکلے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں !نتیجہ اچھا ہی نکلے گا۔[۱۵] غرض اُس دن پھر نوبت خانہ بجتا ہے۔اور اُدھر وہ واقعہ ہوتا ہے جو مَیں ابھی بیان کرونگا اور اِدھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اطلاع مل جاتی ہے۔

بنوخزاعہ اور بنوبکر کی لڑائی

اب واقعہ یُوں ہوُا کہ خزاعہ اور بنوبکر میں آپس میں لڑائی تھی اور بنوبکر ہمیشہ مکّہ والوں کی مدد کرتے تھے۔ خزاعہ نے عملی طور پر مسلمانوں کی کبھی مدد نہیں کی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادوں پڑدادوں سے اُن کے معاہدے تھے،اُن کی مدد کیا کرتے تھے۔یوں مسلمانوں کو یہ ہمدردی تھی کہ اُن کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادوں پڑدادوں سے تعلقات تھے۔جب یہ معاہدہ ہوُا تو یوں تو وہ لڑائی کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے لیکن معاہدہ کے بعد بنوبکر نے سمجھا کہ اب تو یہ غافل رہیں گے اب موقع ہے ان کو مارنے کا۔چنانچہ وہ مکّہ کے لوگوں کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ یہ بڑا اچھا موقع ہے معاہدہ ہوگیا ہے،اِن کو تو خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ ہم ان کو ماریں گے اگر اِس وقت آپ ہماری مدد کریں تو ہم اِن کو تباہ کرسکتے ہیں۔مکّہ والوں نے کہا بڑی اچھی بات ہے تم ہمیشہ ہماری مدد کرتے رہے ہو ہم تمہاری مدد کریں گے چنانچہ باہمی مشورہ کے بعد ایک اندھیری رات انہوں نے تجویز کی اور فیصلہ کیا کہ رات کے وقت حملہ کریں گے۔مکّہ کے لشکر ہمارے ساتھ آجائیں کسی نے کیا پہچاننا ہے کہ مکّہ والے بیچ میں موجود ہیں یہی کہیں گے کہ بنوبکر کے لوگ ہیں اور پھر چوری چوری اُن کو مار کر آجائیں گے اُن کو وہم بھی نہیں ہوگا۔چنانچہ رات جو مقرر تھی اِس رات وقتِ مقررہ پر بنوبکر کا لشکر اور قریش کا لشکر مِل کر وہاں گیا اور انہوں نے خزاعہ پر حملہ کردیا۔اِسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ ہم سجدے کررہے

تھے اور رکوع میں گئے ہوئے تھے حالانکہ وہ سب مسلمان نہیں تھے صرف کچھ لوگ مسلمان تھے انہوں نے مبالغہ سے کہا کہ ہم کو سجدے اور رکوع کرتے ہوئے مار دیا ہے۔ وہ تو اس امید میں بیٹھے تھے کہ آپس میں دس سال کا معاہدہ ہو چکا ہے اب ہمیں حملہ کا کوئی خطرہ نہیں کوئی کسی کو نہیں چھیڑے گا مگر اچانک قریش اور بنو بکر مِل کر اُن پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے خزاعہ کو مارنا شروع کر دیا جو بھاگ سکے بھاگ گئے اور باقی جو اپنے ڈیروں پر رہے وہ مارے گئے لیکن رات کے وقت کسی کی آواز تو نکل جاتی ہے بعض لوگوں کے منہ سے آوازیں نکلیں تو بنو خزاعہ کو پتہ لگ گیا کہ قریش اُن کے ساتھ شامل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صبح شور مچا دیا کہ قریش نے بنو بکر سے مل کر ہم پر حملہ کیا ہے۔صرف بنو بکر نے نہیں کیا اور اِرد گرد کے لوگوں کو بھی یقین ہو گیا کہ بنو بکر کبھی جرأت نہیں کر سکتے تھے جب تک قریش کی مدد ان کو حاصل نہ ہوتی اِس لئے ضرور قریش حملہ میں شامل ہیں۔ اِس طرح سارے علاقہ میں باتیں شروع ہوگئیں کہ قریش نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ چنانچہ مکّہ کے رؤساء اکٹھے ہوئے اور انہوں نے کہا یہ تو بڑے فکر کی بات ہے معاہدہ ٹوٹ گیا ہے اب محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع مِل گیا ہے کہ وہ ہم پر حملہ کر دیں اِس کو کسی طرح سنبھالنا چاہئے۔

بنو خزاعہ کا وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں

اِدھر بنو خزاعہ نے فوراً چالیس آدمیوں کا ایک وفد تیار کیا انہیں اونٹوں پر سوار کیا اور انہیں کہا کہ رات دن منزلیں طے کرتے ہوئے جاؤ اور مدینہ جا کر خبر دو۔ چنانچہ وہ تین دن میں مارامار کرکے مدینہ پہنچے اور جس طرح آپ کو الہاماً بتایا گیا تھا اُسی طرح فریاد کرتے ہوئے داخل ہوئے کہ ہم رسول اللہؐ کو اُس کے خدا کی قسم دلاتے ہیں اور اُسی کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے ساتھ اور تمہارے باپ دادوں کے ساتھ ہمیشہ معاہدے کئے اور تمہارے ساتھ وفاداری کی لیکن قریش نے تمہاری دوستی کی وجہ سے رات کو حملہ کر کے ہمارے آدمیوں کو مارا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسوقت مسجد میں بیٹھے تھے اور تین دن پہلے الہامی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو اس کی خبر بھی مِل چکی تھی۔ جب آپؐ نے سُنا تو عمرو بن سالم جو اُن کا لیڈر تھا، آپؐ نے اُسے فرمایا گھبراؤ نہیں تمہاری مدد کی جائے گی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''اگر میں تمہاری مدد نہ کروں تو خدا میری کبھی مدد نہ کرے۔''

پھر آپؐ نے فرمایا:-

''جس طرح مَیں اپنی جان اور اپنے بیوی بچوں کی جانوں کی حفاظت کرتا ہوں ۔اسی طرح تمہاری جانوں اور تمہارے بیوی بچوں کی جانوں کی بھی حفاظت کرونگا۔''[۱۶]

پھر آپؐ نے انہیں تسلّی دی اَور کہا کہ مکّہ والوں کو پتہ لگے گا اور وہ تمہاری تلاش میں ہونگے تم جاؤ لیکن چالیس آدمیوں کا قافلہ چونکہ آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے اِس لئے تم واپس جاتے وقت دو دو تین آدمی مِل کر جاؤ۔ قافلہ کی صورت میں اکٹھے نہ جاؤ تا پتہ نہ لگے کہ تم میرے پاس پہنچے ہو۔ چنانچہ انہوں نے قافلہ کو دودو، تین تین، چار چار کی پارٹیوں میں تقسیم کر دیا اور واپس چلے گئے۔[۱۷]

ابوسفیان کا معاہدہ کی تجدید کیلئے مدینہ پہنچنا

اِدھر مکّہ والوں کو جب فکر ہوئی کہ ہم نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور اب مسلمانوں کے لئے راستہ کھل گیا ہے ہم الزام نہیں لگا سکتے اور وہ حملہ کر سکتے ہیں اور اِدھر دیکھا کہ مکّہ میں جو معاہدہ کیا جائے لوگ اُس کی بڑی عزّت کرتے تھے حَرم میں کئے ہوئے معاہدہ کی وجہ سے سارے لوگ کہیں گے کہ یہ بڑے بے ایمان ہیں اور وہ ہم سے نفرت کریں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے مقدس مقام کی ہتک کی ہے اِدھر اِنہوں نے معاہدہ کیا اور اُدھر اُسے توڑ ڈالا۔ پس جب انہوں نے دیکھا کہ ہم سے غلطی بھی ہوئی ہے اور اردگرد کے قبائل میں بھی ہماری بدنامی ہوتی ہے اور اب اِس کے نتیجہ میں بالکل ممکن ہے کہ مسلمان ہم پر حملہ کر دیں تو انہوں نے چاہا کہ کسی طرح اِس لڑائی کو ٹلا دیا جائے ۔جس وقت حدیبیّہ کی صلح ہوئی ہے اُس وقت ابوسفیان جو اُن کا لیڈر تھا مکّہ میں موجود نہیں تھا وہ باہر تھا مگر اس واقعہ کے وقت ابوسفیان موجود تھا۔ مکّہ کے رؤساء آخر پریشان ہوکر ابوسفیان کے پاس آئے اور اُس سے کہا کہ اِس اِس طرح واقعہ ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگا واقعہ کیا ہے؟ مَیں نے تو سُنا ہے کہ تم خود وہاں گئے تھے اور خزاعہ پر تم نے حملہ کیا۔ وہ کہنے لگے جو ہو گیا سو ہو گیا تم لیڈر ہو تمہارا کام ہے کہ اِس کو سنبھالو۔ تم مدینہ جاؤ اور وہاں جا کر دوبارہ معاہدہ کرو اور یہ بہانہ بنالو کہ دس سال تھوڑی مدت ہے ہم پندرہ سال تک معاہدہ کرنا چاہتے ہیں اُن کو پتہ بھی نہیں لگے گا کہ ہم کیوں کر رہے ہیں ۔ نیا معاہدہ ہو جائے گا اور ہم کہیں گے کہ اَب پچھلی غلطی پر کوئی لڑائی نہیں ہوسکتی ۔ ابوسفیان نے کہا بہت اچھا چنانچہ وہ چل پڑا۔

ابوسفیان کی بہانہ سازی

جب وہ مدینہ پہنچا تو اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا آپؐ جانتے ہیں مَیں مکّہ کا سردار ہوں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ اُس نے کہا آپؐ کو معلوم ہے جب صلح حدیبیہ ہوئی تھی مَیں مکّہ میں موجود نہیں تھا اُسوقت معاہدہ ہوگیا۔ آپ میری پناہ دیئے بغیر کسی کو کیوں پناہ دے سکتے ہیں۔ مَیں معاہدہ کروں تو معاہدہ مکّہ کی طرف سے ہوسکتا ہے میں نہ کروں تو کیسے ہوسکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی بات سُن کر خاموش رہے۔ پھر اُس نے کہا میری تجویز یہ ہے کہ معاہدہ نئے سِرے سے کیا جائے اور مَیں اُس پر دستخط کروں اور دوسرے دس سال تھوڑے ہیں قوم لڑتے لڑتے تھک گئی ہے میرا خیال ہے اِس مدّت کو پندرہ یا بیس سال کر دیا جائے۔ اِس طرح اُس نے بہانہ بنایا کہ گویا ایک معقول وجہ بھی موجود ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوسفیان کیا کوئی معاہدہ توڑ بیٹھا ہے؟ وہ کہنے لگا مَعَاذَاللّٰہِ مَعَاذَاللّٰہِ یہ کس طرح ہوسکتا ہے معاہدہ ہم نے خدا سے کیا ہے اُسے کوئی توڑ سکتا ہے۔ ہم اپنے معاہدہ پر قائم ہیں ہم اُسے نہیں توڑ سکتے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم معاہدہ توڑنے والے نہیں تو ہم بھی توڑنے والے نہیں کسی نئے معاہدہ کی کیا ضرورت ہے۔ اب گھبرا گیا کیونکہ بات تو بنی نہیں تھی۔ وہ کہنے لگا زیادہ مناسب یہی ہے کہ مَیں بڑا آدمی ہوں معاہدہ پر میرے دستخط نہیں اگر میرے دستخط ہو جائیں تو معاہدہ محفوظ ہو جائیگا اِس سے زیادہ کوئی بات نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کوئی ضرورت نہیں۔ اَب ابوسفیان کو فکر پڑی تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور جا کر کہنے لگا ابوبکرؓ! تم جانتے ہو میری کتنی بڑی پوزیشن ہے میرے دستخط معاہدہ پر نہ ہوں تو مکّہ والوں پر وہ کیسے حجّت ہوسکتا ہے میرے دستخط ہونے چاہئیں اور مَیں پھر کہتا ہوں کہ مدت بھی بڑھا دی جائے۔ تم محمد رسول اللہ سے کہو وہ تمہاری بات بڑی مانتے ہیں تم اُن سے کہو کہ معاہدہ پھر سے ہو جائے اور اُس پر میرے دستخط بھی ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا؟ اُس نے کہا۔ ہاں مَیں نے کہا تو تھا مگر انہوں نے فرمایا کہ جب معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر نئے معاہدہ کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ ابوسفیان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں میری پناہ بھی شامل ہے اِس لئے کسی نئی پناہ کی ضرورت نہیں۔ اِس کے بعد وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مِلا اور اُن سے بھی یہی کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ وہ ہمارے ساتھ نیا معاہدہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ مَیں تو تمہارا سر پھوڑنے کے لئے بیٹھا ہوں کسی نئے معاہدہ

کا سوال ہی کیا ہے۔ پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اورانہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ میاں کیا بیوقوفی کی باتیں کرتے ہوتمہارے ہونگے دو دوآدمی ہمارا تو ایک ہی آدمی ہے جسے اُس نے پناہ دی اُسے ہم نے بھی پناہ دی اور جس سے وہ لڑ پڑے اُس سے ہم بھی لڑ پڑے ہمارا بیچ میں کیا دخل ہے۔ پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور جا کر کہا مرد تو سمجھتے نہیں یہ لڑاکے ہوتے ہیں ان کو شکار کا شوق ہوتا ہے،عورتیں بڑی رقیق القلب ہوتی ہیں مَیں تمہارے پاس اِس لئے آیا ہوں کہ قوم کے خون ہو جائیں گے،فساد ہو جائے گا اوراس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔تم جانتی ہو۔مَیں سردار رہوں جب میرے دستخط نہیں ہوئے تو دوسرے اس کو کیسے مان لیں گے؟ مَیں تکلیف اُٹھا کے آیا ہوں کہ کسی طرح معاہدہ ہو جائے اور میرے دستخط ہو جائیں۔تم ذرا اپنے ابّا سے چل کے کہو کہ مَیں نے انہیں پناہ دے دی ہے۔تمہارے ساتھ ان کو پیار ہے بات ہو جائے گی حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں ہمارے ہاں عورتیں ایسے معاملات میں دخل نہیں دیا کرتیں میرا اس معاملہ سے کیا تعلق ہے مردوں سے جا کر کہو۔ کہنے لگا اچھّا! عورتیں دخل نہیں دیتیں تو حسنؓ اور حسینؓ کو بھیجد و اِنکو سِکھا دو کہ وہ جا کر یہ بات کہہ دیں کہ نانا! ہم نے پناہ دے دی ہے۔حضرت فاطمہؓ نے کہا ہمارے ہاں دنیا کے تمام کاموں میں بلوغت کی شرط ہوتی ہے۔ یہ بچے ہیں اِن کو کیا پتہ کہ پناہ کیا ہوتی ہے۔ پھر وہ مہاجرین کے پاس گیا انصار کے پاس گیا اور اِس میں اس کے دوتین دن لگ گئے آخر اُسے گھبراہٹ پیدا ہونی شروع ہوگئی کہ ہوگا کیا؟

ابوسفیان کا مسجدِ نبوی میں اعلان

آخر وہ سوچ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دوبارہ گیا اور حضرت علیؓ کو جا کر کہنے لگا مَیں ساری جگہوں پر گیا ہوں مگر میری کوئی نہیں سُنتا۔محمد رسول اللہؐ سے بات کی وہ کوئی جواب نہیں دیتے۔ اب تم مجھے بتاؤ کوئی ترکیب نکل سکتی ہے یا نہیں؟ قوم کا درد تمہارے اندر بھی ہونا چاہئے۔ حضرت علیؓ کہنے لگے یہی تجویز میری سمجھ میں آتی ہے کہ تم مسجد میں کھڑے ہوکر اعلان کردو کہ مَیں چونکہ اپنی قوم کا سردار ہوں اور مَیں نے دستخط نہیں کئے ہوئے اسلئے مَیں اپنی طرف سے اُسے اِس رنگ میں پختہ کرنے آیا ہوں کہ آج نئے سرے سے معاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کی اتنی مدّت بھی بڑھاتا ہوں۔اُس نے کہا۔ اِس کا کوئی فائدہ ہوگا؟ حضرت علیؓ نے کہا۔ بظاہر تو

نظر نہیں آتا مگر آخر تم کہتے ہو کہ مجھے کوئی تجویز بتاؤ مَیں نے تمہیں بتائی ہے تم کر کے دیکھ لو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے تھے کہ ابوسفیان وہاں پہنچا اور کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اے مدینہ کے لوگو! سنو! معاہدہ تم نے ان لوگوں سے کر لیا جن کی ذمہ داری نہیں ہے ذمہ داری میری ہے اور مَیں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو کچھ مَیں نے سُنا ہے وہ اچھی بات ہے مگر مَیں چاہتا ہوں معاہدہ کی مدّت بھی بڑھ جائے اور میرے دستخط بھی ہو جائیں۔ مَیں اعلان کرتا ہوں کہ معاہدہ آج سے شروع ہوتا ہے اور میری اِس پر تصدیق ہے اور اتنے سال بڑھا دیئے گئے ہیں۔ یہ ایسی احمقانہ بات تھی کہ سارے صحابہؓ سُن کر ہنس پڑے اور اُس کو سخت ذلّت محسوس ہوئی کہ اِتنے لوگوں میں مَیں اُلّو بن گیا ہوں کیونکہ معاہدہ دونوں فریق سے ہوتا ہے ایک فریق سے کیا ہوتا ہے۔ بڑے غصّہ سے کہنے لگا اے ابنائے ہاشم! تم لوگ ہمیشہ ہمارے دشمن رہے۔ پھر حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم نے مجھے جان کے ذلیل کروایا ہے تم ہمیشہ ہماری دشمنی کرتے ہو اور یہ کہہ کر غصّہ میں واپس آ گیا۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ کی ایمانی غیرت

اِسی دوران میں اُس کو ایک اَور بھی زک اللہ تعالیٰ نے پہنچائی۔ اُس کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں یعنی اُم المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ جب وہ مدینہ آیا تو اُس نے کہا مَیں بیٹی کو مِل آؤں۔ جب بیٹی کے پاس گیا تو اُن کے پاس ایک فراش[۱۸] پڑا ہوا تھا انہوں نے جلدی سے اس کو لپیٹ کر رکھ لیا۔ اُس کی یہ حرکت اس کو عجیب معلوم ہوئی کہنے لگا بیٹی! یہ فراش تم نے کس لئے تہہ کیا ہے؟ کیا اِس لئے کیا ہے کہ یہ فراش میرے لائق نہیں حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے باپ! بات اصل میں یہ ہے کہ یہ وہ فراش ہے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے ہیں اور تو مشرک نجس اور ناپاک ہے۔ مَیں کس طرح برداشت کر سکتی ہوں کہ خدا کے نبی کے فراش کو تو ہاتھ لگائے اِس لئے مَیں نے اس کو تہہ کیا ہے۔ اُس کو حیرت ہوئی کہ میری بیٹی نے یہ کیا کہا ہے۔ کہنے لگا۔ بیٹی! معلوم ہوتا ہے جب سے تو مجھ سے جُدا ہوئی ہے تیری طبیعت میں کچھ فرق پڑ گیا ہے۔ میرا ادب تیرے اندر اِس قدر کم تو نہیں ہوا کرتا تھا۔ اُس نے کہا۔ باپ یہ فرق پڑ گیا ہے کہ جب مَیں تجھ سے جُدا ہوئی تھی مَیں کافر تھی اب مجھے خدا نے اسلام دیا ہے، اب مجھے پتہ ہے کہ رسول اللہؐ کی کیا حیثیت ہے اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تُو عرب کا سردار بنا پھرتا ہے اور پتھروں کے آگے ناک رگڑتا پھرتا ہے تیری کیا حیثیت ہے اور اُس شخص کی کیا حیثیت ہے جو خدا کا

رسول ہے۔ غرض وہ مایوس ہو کر وہاں سے آیا۔

ابوسفیان کی ناکام واپسی

جب مسجد میں بھی اُس کو ذلّت پہنچی تو وہ قافلہ کو لے کے واپس چلا آیا۔ اُس کو راستہ میں خزاعہ کے بھی دو تین آدمی جاتے ہوئے مِل گئے تھے۔ اُس نے سمجھا اِدھر سے آئے ہیں تو ضرور یہ رسول اللہؐ سے مِل کے آئے ہیں۔ کہنے لگا سُناؤ مدینہ کا کیا حال ہے؟ یہ نہ پوچھا کہ تم خبر دینے گئے تھے بلکہ پوچھا سناؤ مدینہ کا کیا حال ہے؟ وہ مسلمان تو تھے ہی نہیں نہ انکو دینِ اسلام سے کوئی واقفیت تھی اُنکو جھوٹ بولنے سے کیا پرہیز تھا۔ کہنے لگے مدینہ کیسا۔ ہم کیا جانتے ہیں مدینہ کو۔ ہماری تو قوم کے بعض آدمیوں میں یہاں لڑائی ہوگئی تھی ہم صلح کرانے آئے تھے۔ لیکن ابوسفیان بڑا ہوشیار تھا۔ اُس نے سمجھا کہ یہ میرے ساتھ چالاکی کر رہے ہیں اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا جس وقت یہ آگے جائیں ذرا اونٹوں کی لید دیکھو۔ مدینہ میں اونٹوں کو کھجور کی گُٹھلیاں کِھلایا کرتے ہیں اگر لید میں گُٹھلیاں نکلیں تو جھوٹ بول رہے ہیں یہ مدینہ سے آئے ہیں۔ اگر لید سے گُٹھلیاں نہ نکلیں تو یہ کہیں اَور سے آرہے ہیں۔ جب وہ قافلہ گیا اور انہوں نے لید دیکھی تو گُٹھلیاں نکلیں۔ کہنے لگے یہ وہاں ہو آئے ہیں۔ خیر اب یہ وہاں سے واپس مکّہ پہنچے۔ مکّہ پہنچنے پر سارے مکّہ والے آئے اور پوچھا۔ سُناؤ کچھ کر آئے ہو؟ کہنے لگا صرف اتنا کیا ہے کہ مَیں نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا تھا کہ میرے بغیر معاہدہ نہیں ہوسکتا۔ اب مَیں نیا معاہدہ کرتا ہوں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کی مدت بھی بڑھاتا ہوں۔ کہنے لگے تم ہمارے سردار ہو پھر تم نے ایسی احمقانہ بات کیوں کی؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نہ مانیں اور تم اعلان کر دو۔ پھر معاہدہ کیسے ہؤا! کہنے لگا۔ کہتے تو وہ بھی یہی تھے۔ کہنے لگے پھر تم نے کیا کِیا؟ کہنے لگا پھر اَور مَیں کیا کرتا۔ تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ۔ مَیں نے رسول اللہؐ کو بار بار کہا، صحابہؓ کے آگے ناک رگڑے کسی نے میری نہیں سُنی پھر مَیں اَور کیا کر سکتا تھا۔ کہنے لگے بھلا اِس کا کوئی فائدہ بھی تھا ذلیل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اُس نے کہا۔ مَیں تو بس یہی کر کے آیا ہوں۔ خیر ساری طرف سے اُس کی ملامت شروع ہوئی۔ [۱۹]

مکّہ والوں کی طرف سے ابوسفیان پر غداری کا الزام

لوگوں نے اُس کے متعلق کہا کہ یہ مسلمانوں سے مِل گیا ہے۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب کسی پر ایسا الزام لگے تو جا کر خانہ کعبہ کے سامنے قربانی کرتا تھا اور اُس قربانی کا خون اپنے ماتھے پر ملتا تھا اور پھر قوم کے آگے اعلان کرتا تھا کہ مَیں

نے کوئی غداری نہیں کی۔ وہ اُس کے متعلق سمجھتے تھے کہ اب یہ جھوٹ نہیں بول سکتا اور وہ اس کو بڑا عذاب سمجھتے تھے۔ اِسی دستور کے مطابق اس نے بھی خانہ کعبہ کے آگے قربانی کی اُس کا خون لے کر اپنے ماتھے کو ملا اور پھر قوم کے آگے جا کر کہا کہ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا کیا ہے۔ مَیں نے اُن کے ساتھ اور کوئی معاہدہ نہیں کیا۔[۲۰] چنانچہ اِس پر لوگوں کو تسلّی ہوگئی۔ مگر اب اُن میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے حملہ ہو جائے تو کیا بنے گا؟

رؤسائے مکّہ میں گھبراہٹ

کچھ دنوں تک مدینہ سے خبریں نہ پہنچیں۔ جب کوئی خبر نہ پہنچی تو اُن کی گھبراہٹ اَور بھی زیادہ بڑھتی چلی گئی کہ اگر خزاعہ والے وہاں گئے ہیں تو محمدؐ رسول اللہ نے کچھ نہ کچھ تو ضرور کہا ہوگا۔ یا تو یہ کہا ہوگا کہ ہم نہیں کر سکتے یا یہ کہا ہوگا ہم کرتے ہیں۔ کچھ تو پتہ لگتا یہ خاموشی کیسی ہے؟ تین چار روز کے بعد انہوں نے ابوسفیان سے کہا کہ تم روز جایا کرو اور جا کے چکر لگا کر دیکھا کرو کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر تو نہیں آرہا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مکّہ کیلئے تیاری

بہرحال اِدھر ابوسفیان مکّہ کی طرف روانہ ہوُا اُدھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے کہا کہ میرا سامانِ سفر باندھنا شروع کرو۔ انہوں نے رختِ سفر باندھنا شروع کیا اور حضرت عائشہؓ سے کہا۔ میرے لئے ستّو وغیرہ یا دانے وغیرہ بُھون کر تیار کرو۔ اِسی قسم کی غذائیں اُن دنوں میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مٹی وغیرہ پھٹک کے دانوں سے نکالنی شروع کی۔ حضرت ابوبکرؓ گھر میں بیٹی کے پاس آئے اور انہوں نے یہ تیاری دیکھی تو پوچھا عائشہؓ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا رسول اللہؐ کے کسی سفر کی تیاری ہے؟ کہنے لگیں سفر کی تیاری ہی معلوم ہوتی ہے آپؐ نے سفر کی تیاری کیلئے کہا ہے۔ کہنے لگے کوئی لڑائی کا ارادہ ہے۔ انہوں نے کہا۔ کچھ پتہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا سامانِ سفر تیار کرو اور ہم ایسا کر رہے ہیں۔ دو تین دن کے بعد آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلایا اور کہا دیکھو! تمہیں پتہ ہے خزاعہ کے آدمی اس طرح آئے تھے اور پھر بتایا کہ یہ واقعہ ہوُا ہے اور مجھے خدا نے اِس واقعہ کی پہلے سے خبر دے دی تھی کہ انہوں نے غدّاری کی ہے اور ہم نے اُن سے معاہدہ کیا ہوُا ہے اب یہ ایمان کے خلاف ہے کہ ہم ڈر جائیں اور مکّہ والوں کی

بہادری اور طاقت دیکھ کر اُن کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ تو ہم نے وہاں جانا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپؐ نے تو اُن سے معاہدہ کیا ہوا ہے اور پھر وہ آپؐ کی اپنی قوم ہے۔ مطلب یہ تھا کہ کیا آپؐ اپنی قوم کو ماریں گے؟ فرمایا۔ ہم اپنی قوم کو نہیں ماریں گے معاہدہ شکنوں کو ماریں گے پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا۔ بِسْمِ اللّٰہِ! مَیں تو روز دُعائیں کرتا تھا کہ یہ دن نصیب ہو اور ہم رسول اللہؐ کی حفاظت میں کفار سے لڑیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکرؓ بڑا نرم طبیعت کا ہے مگر قولِ صادق عمرؓ کی زبان سے زیادہ جاری ہوتا ہے۔ فرمایا کرو تیاری۔[۱۲] پھر آپؐ نے اردگرد کے قبائل کو اعلان بھجوایا کہ ہر شخص جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان کے ابتدائی دنوں میں مدینہ میں جمع ہو جائے۔ چنانچہ لشکر جمع ہونے شروع ہوئے اور کئی ہزار آدمیوں کا لشکر تیار ہو گیا اور آپؐ لڑنے کے لئے تشریف لے گئے۔

خدائی نوبت خانہ اور کفار کے نوبت خانہ میں ایک بہت بڑا فرق

اب دیکھو یہ نوبت خانہ کتنا زبردست ہے کہ اُسوقت جب معاہدہ یہ ہوتا ہے کہ لڑائی نہیں ہوگی، جب قسم کھا کھا کے کہا جاتا ہے کہ ہم اپنے دل سے یہ عہد کرتے ہیں اور خدا کی لعنتیں ہم پر ہوں اگر ہم اس عہد کو توڑیں۔ وہاں ابھی ایک رات ہی گزرتی ہے کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ لڑائی ہوگی۔ گویا نوبت خانہ بج جاتا ہے اور خبر آتی ہے کہ لڑائی ہونے والی ہے۔ اُدھر کفار کے نوبت خانہ کا یہ حال ہے کہ ابوسفیان تین دن مدینہ میں رہ کر آتا ہے اور اُس کو پتہ نہیں لگتا کہ لڑائی ہوگی۔ واپس جا کر قوم کو کہتا ہے کہ مَیں یہ کر آیا ہوں۔ انہوں نے کہا لڑائی تو نہیں ہوگی؟ اُس نے کہا لڑائی نہیں ہوگی۔ مگر اِدھر وہ مکّہ میں پہنچتا ہے اور اُدھر دس ہزار کا لشکر تیار ہوتا ہے۔ احزاب کی تاریخ کے سِوا اتنا بڑا لشکر عرب کی تاریخ میں تیار نہیں ہوا۔ احزاب میں دس بارہ ہزار آدمی تھا۔ گویا عرب کی تاریخ میں اتنے بڑے لشکر کی یہ دوسری مثال تھی۔ لیکن مدینہ سے اتنا بڑا لشکر نکلتا ہے اور کسی کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی اور پھر اللہ تعالیٰ معجزانہ طور پر یہ دکھاتا ہے کہ مَیں اس نوبت خانہ کو بجاتا ہوں جو میرا ہے اور اُس نوبت خانہ کو توڑ رہا ہوں جو اُن کا ہے۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو آپؐ نے فرمایا۔ اے میرے خدا! مَیں تجھ سے دُعا کرتا ہوں کہ تُو مکّہ والوں کے کانوں کو بہرہ کر دے اور اُن کے جاسوسوں کو اندھا کر دے۔ نہ وہ ہمیں دیکھیں اور نہ اُن کے کانوں تک

ہماری کوئی بات پہنچے۔[۲۲] چنانچہ آپؐ نکلے۔ مدینہ میں سینکڑوں منافق موجود تھا لیکن دس ہزار کا لشکر مدینہ سے نکلتا ہے اور کوئی اِطلاع مکّہ میں نہیں پہنچتی۔

ایک صحابیؓ کا کفّارِ مکّہ کی طرف خط اور اُس کا پکڑا جانا

صرف ایک کمزور صحابیؓ نے مکّہ والوں کو خط لکھ دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر نکلے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں آپؐ کہاں جارہے ہیں لیکن مَیں قیاس کرتا ہوں کہ غالبًا وہ مکّہ کی طرف آرہے ہیں۔ میرے مکّہ میں بعض عزیز اور رشتہ دار ہیں میں امید کرتا ہوں کہ تم اس مشکل گھڑی میں اُن کی مدد کروگے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنے دوگے۔ یہ خط ابھی مکّہ نہیں پہنچا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت حضرت علیؓ کو بُلایا اور فرمایا تم فلاں جگہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ وہاں ایک عورت اونٹنی پر سوار تم کو ملے گی اُس کے پاس ایک خط ہوگا جو وہ مکّہ والوں کی طرف لے جارہی ہے تم وہ خط اُس عورت سے لے لینا اور فوراً میرے پاس آجانا۔ جب وہ جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا۔ دیکھنا وہ عورت ہے اُس پر سختی نہ کرنا، اصرار کرنا اور زور دینا کہ تمہارے پاس خط ہے لیکن اگر پھر بھی وہ نہ مانے اور منّتیں سماجتیں بھی کام نہ آئیں تو پھر تم سختی بھی کرسکتے ہو اور اگر اُسے قتل کرنا پڑے تو قتل بھی کرسکتے ہو لیکن خط نہیں جانے دینا۔[۲۳] چنانچہ حضرت علیؓ وہاں پہنچ گئے۔ عورت موجود تھی وہ رونے لگ گئی اور قسمیں کھانے لگ گئی کہ کیا مَیں غدّار ہوں، دھوکے باز ہوں، آخر کیا ہے تم تلاشی لے لو چنانچہ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا اُس کی جیبیں ٹٹولیں، سامان دیکھا مگر خط نہ ملا۔ صحابہؓ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے خط اِس کے پاس نہیں۔ حضرت علیؓ کو جوش آگیا آپ نے کہا تم چُپ رہو اور بڑے جوش سے کہا کہ خدا کی قسم! رسول کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اُس عورت سے کہا کہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ تیرے پاس خط ہے اور خدا کی قسم! مَیں جھوٹ نہیں بول رہا۔ پھر آپ نے تلوار نکالی اور کہا۔ یا تو سیدھی طرح خط نکال کر دیدے ورنہ یاد رکھ اگر تجھے ننگا کر کے بھی تلاشی لینی پڑی تو مَیں تجھے ننگا کرونگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ بولا ہے اور تُو جھوٹ بول رہی ہے۔ چنانچہ وہ ڈر گئی اور جب اُسے ننگا کرنے کی دھمکی دی گئی تو اُس نے جھٹ اپنی مینڈھیاں کھولیں اُن مینڈھیوں میں اُس نے خط رکھا ہوا تھا جو اُس نے نکال کر دے دیا۔ یہ ایک صحابیؓ حاطبؓ کا خط تھا اور اُس میں لکھا تھا کہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دس ہزار کا لشکر لے کر آ رہے ہیں پتہ نہیں چلتا کہ کِدھر جا رہے ہیں لیکن اتنا بڑا لشکر مکّہ کے سِوا اَور کہیں جاتا معلوم نہیں ہوتا اِس لئے مَیں تم کو خبر دے رہا ہوں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خط پہنچا تو آپؐ نے حاطبؓ کو بُلوایا اور فرمایا۔ یہ خط تمہارا ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں میرا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔تم نے یہ خط کیوں لکھا تھا۔ انہوں نے کہا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! بات اصل میں یہ ہے کہ سارے مہاجر جو آپؐ کے ساتھ ہیں، یہ مکّہ کے رہنے والے ہیں۔مَیں مکّہ میں باہر سے آ کے بسا ہوں۔ میرا کوئی رشتہ دار نہیں، میرا بیٹا وہاں ہے، میری بیوی وہاں ہے، جس وقت اُن پر حملہ ہؤا انہوں نے ہمارے جتنے رشتہ دار ہیں اُن کو مار ڈالنا ہے۔ سوائے اُن کے جن کے بچانے والے موجود ہونگے۔ پس چونکہ میرے بیوی بچوّں کو کوئی بچانے والا نہیں اِس لئے مَیں نے یہ خط لکھدیا۔مَیں جانتا ہوں کہ خدا نے آپؐ کی مدد کرنی ہے۔ جب انہوں نے تباہ ہو جانا ہے اور خدا کہتا ہے کہ ہو جانا ہے تو وہ تباہ ہی ہو جائیں گے چاہے مَیں اُنکو ہزار خط لکھوں مگر اِس طرح میرے بیوی بچّے بچ جاتے تھے اور آپؐ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تھا ورنہ مَیں بے ایمان نہیں۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے تھے انہوں نے تلوار نکال لی کہ کمبخت! رات دن ہم چھپاتے چلے آ رہے ہیں کہ بات کسی طرح نکلے نہیں اور تو اُن کو خط لکھتا ہے۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مجھے اجازت دیجئیے کہ مَیں اس کی گردن اُڑا دوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے یہ مؤمن ہے اِس نے صرف ڈر کے مارے یہ بات کی ہے۔[۲۴] بہر حال یہ رپورٹ کسی کو نہیں پہنچتی۔نوبت خانہ بجتا بھی ہے تو اُس کی آواز وہیں روک دی جاتی ہے۔ اِدھر سے نوبت خانہ ڈیڑھ سال پہلے بجتا ہے کہ دشمن آ گیا دشمن آ گیا۔

ابوسفیان کی سرا W

اب جس وقت وہاں مسلمان پہنچے تو جب تک مسلمان حرم میں نہیں پہنچ گئے مکّہ والوں کو خبر نہیں پہنچی۔ جب وہاں پہنچے تو ابوسفیان اور اُس کے ساتھیوں کا مکّہ والوں کی طرف سے پہرہ مقرر تھا۔ گویا اب یہ صورت ہوگئی کہ جب وہاں پہنچے تو اُن کو خبر ہوگئی کہ اسلامی لشکر آ گیا ہے مگر اب اللہ تعالیٰ اِس کا بھی علاج کر لیتا ہے۔آپؐ نے وہاں جا کر فرمایا کہ اَب ہمیں ان پر ظاہر کر دینا چاہئے کہ ہم آ گئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے حکم دیا کہ ہر سپاہی روٹی کے لئے علیحدہ آگ جلائے تا کہ دس ہزار روشنی ہو جائے۔ چنانچہ سب خیموں کے آگے دس ہزار روشنی دکھائی دینے لگی۔ ابوسفیان اور اُس کے ساتھیوں نے آگ کو روشن دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔ اِتنا بڑا لشکر اُن کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اِسی گھبراہٹ میں

ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ پہلے تو اُن کا خزاعہ کی طرف خیال گیا اور انہوں نے کہا کہ شاید خزاعہ والے ہونگے جو اپنا بدلہ لینے آئے ہیں۔ابوسفیان نے کہا خُدا کا خوف کرو خزاعہ تو اِس کا دسواں حصّہ بھی نہیں یہ اتنی بڑی روشنی ہے اور اتنا بڑا لشکر ہے کہ خزاعہ کی اِس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔عام طور پر فی خیمہ ایک روشنی ہوا کرتی ہے۔اس لحاظ سے دس ہزار خیمہ بن گیا مگر خزاعہ کی ساری تعداد دو چار سَو ہے۔پس وہ کِس طرح ہوسکتا ہے اُنکی تعداد تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔انہوں نے کہا فلاں قبیلہ ہوگا کہنے لگا آخر وہ کیوں آئے اور پھر یہ کہ اُن کی تعداد بھی اتنی نہیں۔غرض اِسی طرح پانچ سات قبائل کے نام لیتے گئے کہ فلاں ہوگا ،فلاں ہوگا اور ہر بار ابوسفیان نے کہا کہ یہ غلط ہے۔آخر انہوں نے کہا۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لشکر ہوگا اور کِس کا ہوگا۔ کہنے لگا بالکل جھوٹ۔مَیں تو انہیں مدینہ میں سوتا چھوڑ کر آیا ہوں اُن کو پتہ بھی نہیں وہ بڑے آرام سے بیٹھے تھے۔

ابوسفیان اور اُس کے ساتھی اسلامی پہرہ داروں کے نرغہ میں

یہ باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں کہ اسلامی لشکر کے چند سپاہی جو پہرہ پر متعیّن تھے وہ پہرہ دیتے ہوئے قریب پہنچ گئے اور ابوسفیان کی آواز انہوں نے سُنی اُن میں حضرت عباسؓ بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور ابوسفیان کے بڑے گہرے دوست تھے۔اُس وقت وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر پر سوار تھے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفر میں خچر دی تھی کہ وہ اس کو استعمال کریں۔انہوں نے آواز سُنی تو کہنے لگے۔ابوسفیان! ابوسفیان نے کہا۔عباسؓ! تم کہاں؟ حضرت عباسؓ نے کہا او کمبخت! تیرا بیڑا غرق ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر آ گئے ہیں۔اب شہر کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔اَب تُو چل اور چڑھ جا میرے پیچھے اور خدا کے نام پر اُن کی منّتیں کر اور اپنی قوم کی معافی کے لئے درخواست کر ورنہ تباہی آ جائے گی۔ چڑھ جا میرے پیچھے۔انہوں نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور خچر کے پیچھے بٹھا لیا اور دوڑائی خچر۔اب لشکر میں جگہ جگہ پہرے ہوتے ہیں۔ جہاں بھی یہ پہنچے پہریدار فوراً آگے آ کر روکنے لگے۔جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ کی خچر ہے اور آگے حضرت عباسؓ بیٹھے ہیں تو کہنے لگے چلو چھوڑو۔خیر وہ پہروں میں سے نکل کر چلے گئے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے خیمہ کے پاس پہنچے۔

حضرت عباسؓ کی ابوسفیان کو بچانے کی کوشش

حضرت عمرؓ نے دیکھا تو تلوار نکال کر بھاگے اور کہنے لگے خدا کا کتنا شکر ہے کہ بغیر عہد شکنی کئے مجھے آج اِس کی جان نکالنے کی توفیق مِلی اور آپ ہی آپ خدا نے دشمن میرے ہاتھ میں دے دیا ہے۔حضرت عباسؓ نے دیکھا تو وہ آگے بھاگے۔حضرت عمرؓ پیچھے پیچھے تھے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچے تو حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو دھکّا دیکر نیچے پھینکا اور کہا۔اُتر۔پھر آپ کُود ے اور کُود کر اُس کا ہاتھ پکڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں پہنچے اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!ابوسفیان مسلمان ہونے کے لئے آیا ہے۔اب ابوسفیان حیران کہ یہ کیا بن گیا۔یا تو مَیں پہرہ دے رہا تھااور یا اب مجھے مسلمان ہونے کیلئے کہا جا رہا ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کیونکہ اس کی شکل سے پتہ لگتا تھا کہ یہ مسلمان ہونے نہیں آیا۔اتنے میں حضرت عمرؓ بھی داخل ہوئے اور کہا۔یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اِس خبیث اور بے ایمان دشمنِ خدا اور رسولؐ کو اُس نے بغیر اس کے کہ مَیں عہد شکنی کروں اور معاہدہ توڑوں آپ میرے حوالے کر دیا ہے۔آپؐ مجھے اجازت دیجئے کہ مَیں اِس کی گردن اُڑا دوں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے لیکن حضرت عباسؓ کو غصّہ آ گیا کیونکہ وہ ان کا بہت دوست تھا۔انہوں نے عمرؓ سے کہا۔عمرؓ! دیکھو یہ میرے خاندان کا آدمی ہے اِس لئے تم اس کو مارنا چاہتے ہو۔اگر تمہارے خاندان کا آدمی ہوتا تو تم کبھی اس کے مارنے کی خواہش نہ کرتے۔حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہنے لگے۔عباسؓ! تم نے مجھ پر بڑی زیادتی کی ہے۔خدا کی قسم! جب تم مسلمان ہوئے تھے تو مجھے اِتنی خوشی ہوئی تھی کہ اگر میرا باپ بھی مسلمان ہوتا تو مجھے کبھی اتنی خوشی نہ ہوتی۔اور اِس کی صرف یہ وجہ تھی کہ میں سمجھتا تھا کہ تمہارے مسلمان ہونے سے رسول اللہ کو جو خوشی پہنچ سکتی ہے وہ میرے باپ کے اسلام لانے سے نہیں پہنچ سکتی تھی۔یعنی ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو بھی چھوڑ دیا اب رشتہ داری کا کیا سوال ہے۔مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا۔عباسؓ! ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ اور رات کو اپنے پاس رکھو۔صبح اسے میرے سامنے پیش کرو۔حضرت عباسؓ لے گئے اور رات اپنے پاس رکھا۔

مسلمانوں کی اجتماعی عبادت کا ابوسفیان پر گہرا اثر

اب دیکھو ابوسفیان پہرہ دے رہے تھے اور انہوں نے واپس

جا کر خبر دینی تھی لیکن وہ خود پکڑے گئے۔اُدھر باقی مسلمان سپاہی دوسرے آدمیوں کو بھی پکڑ لائے۔ یہ چار پانچ رئیس تھے۔ پکڑے ہوئے وہاں پہنچے اور رات وہاں رہے۔ صبح نماز کے وقت حضرت عباسؓ ابوسفیان کو پکڑ کر لے گئے۔ جب اذان ہوئی اور نماز کے لئے لوگ کھڑے ہوئے تو اُسے ایک عجیب نظارہ نظر آیا۔ یہیں جلسہ سالانہ پر دیکھ لو کہ جب ہمارے تیس چالیس ہزار آدمی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا شاندار نظارہ ہوتا ہے۔ وہاں بھی صفوں پر صفیں بننی شروع ہوگئیں اور ہر ایک آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوگیا۔ ہمارے ہاں تو پھر کچھ آدمی نماز کے وقت پکوڑے کھا رہے ہوتے ہیں مگر وہ لوگ پکّے نمازی تھے۔ بہرحال ابوسفیان نے جوان کو دیکھا تو لرز گیا۔ابوسفیان بادشاہوں کے دربار میں آیا جایا کرتا تھا اور اُس کو پتہ تھا کہ جب بڑے آدمیوں کو مروانا ہوتا تھا تو فوجیں کھڑی کی جاتی تھیں اور اُن کے سامنے اُس کی گردن کاٹی جاتی اِس خیال کے ماتحت اُس نے پوچھا کہ عباسؓ! کیا رات کو میرے متعلّق کوئی نیا حکم جاری ہؤا ہے؟ حضرت عباسؓ نے کہا۔تمہارے متعلق تو کوئی نیا حکم جاری نہیں ہؤا۔ وہ کہنے لگا پھر یہ اتنے آدمی کھڑے کیوں ہیں؟ حضرت عباسؓ نے کہا یہ عبادت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور ہمارے ہاں عبادت کا یہی طریق ہے۔تھوڑی دیر کے بعد وہ رکوع میں گئے۔ کہنے لگا۔ یہ جُھکے کیوں ہیں؟ عباسؓ نے کہا۔ یہ عبادت ہے۔ پھر سجدہ میں گئے تو کہنے لگا اب یہ کیا ہؤا کہ سارے کے سارے زمین پر گر گئے ہیں؟ انہوں نے کہا دیکھتے نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کررہے ہیں۔ بس جو کچھ وہ کرتے ہیں وہی کچھ مسلمان کرتے ہیں۔ کہنے لگا عجیب طریق ہے محمد رسول اللہؐ جھکتے ہیں تو وہ جُھک جاتے ہیں کھڑے ہوتے ہیں تو وہ کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ کہنے لگے مسلمان اِسی طرح کرتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت کی نقل کیا کرتے ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا مَیں تو قیصر کے پاس بھی گیا اور اَور بادشاہوں کے پاس بھی گیا ہوں اُن کو تو مَیں نے اس طرح عبادت کرتے نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا قیصر کیا چیز ہے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ روٹی کو ہاتھ نہیں لگانا، پانی کو ہاتھ نہیں لگانا تو وہ بھوکے مرجائیں گے، پیاسے مرجائیں گے مگر روٹی نہیں کھائیں گے اور پانی نہیں پیئیں گے۔

ابوسفیان کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست

جب نماز ختم ہو چکی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابوسفیان کو دیکھا اور فرمایا۔ تیرا بُرا حال ہو کیا تجھے ابھی یقین نہیں آیا کہ خدا ایک ہے۔ ابوسفیان نے کہا یقین کیوں نہیں آیا۔ اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو ہماری مدد نہ کرتا؟ آپؐ نے فرمایا۔ تیرا بُرا حال ہو کیا تجھے ابھی یقین نہیں آیا کہ محمد اللہ کا رسول ہے۔ کہنے لگا۔ ابھی اس کے متعلق یقین نہیں ہوا۔ حضرت عباسؓ نے کہا۔ کمبخت! کرلو بیعت۔ اِس وقت تیری اور تیری قوم کی جان بچتی ہے۔ کہنے لگا اچھا! کر لیتا ہوں۔ وہاں تو اُس نے یونہی بیعت کر لی لیکن بعد میں جا کر سچّا مسلمان ہو گیا۔ خیر بیعت کر لی تو عباسؓ کہنے لگے اب مانگ اپنی قوم کے لئے ورنہ تیری قوم ہمیشہ کیلئے تباہ ہو جائے گی۔ مہاجرین کا دل اُس وقت ڈر رہا تھا۔ وہ تو مکّہ کے رہنے والے تھے اور سمجھتے تھے کہ ایک دفعہ مکّہ کی عزّت ختم ہوئی تو پھر مکّہ کی عزّت باقی نہیں رہے گی۔ وہ باوجود اِس کے کہ انہوں نے بڑے بڑے مظالم برداشت کئے تھے پھر بھی وہ دُعائیں کرتے تھے کہ کسی طرح صلح ہو جائے۔ لیکن انصار اُن کے مقابلہ میں بڑے جوش میں تھے۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ مانگو۔ کہنے لگا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا آپؐ اپنی قوم پر رحم نہیں کریں گے۔ آپؐ تو بڑے رحیم کریم ہیں اور پھر مَیں آپکا رشتہ دار ہوں، بھائی ہوں، میرا بھی کوئی اعزاز ہونا چاہئے مَیں مسلمان ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اچھا جاؤ اور مکّہ میں اعلان کر دو کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں گھُسے گا اُسے پناہ دی جائیگی۔ کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا گھر ہے کتنا اور اُس میں کتنے آدمی آسکتے ہیں۔ اتنا بڑا شہر ہے اس کا میرے گھر میں کہاں ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اچھا جو شخص خانہ کعبہ میں چلا جائے گا اُسے امان دی جائے گی۔ ابوسفیان نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! پھر بھی لوگ بچ رہیں گے آپؐ نے فرمایا۔ اچھا جو ہتھیار پھینک دے گا اُسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا۔ کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! پھر بھی لوگ رہ جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اچھا جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے گا۔ اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔ اُس نے کہا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! گلیوں والے تو ہیں وہ تو بیچارے مارے جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بہت اچھا لاؤ ایک جھنڈا بلالؓ کا تیار کرو۔ ابی رویحہؓ ایک صحابیؓ تھے۔ آپؐ نے جب مدینہ میں مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنایا تھا تو ابی رویحہؓ کو بلالؓ کا بھائی بنایا تھا۔ شاید اُس وقت بلالؓ تھے نہیں یا کوئی اَور مصلحت تھی بہر حال آپؐ نے بلالؓ کا جھنڈا بنایا اور ابی رویحہؓ کو دیا اور فرمایا۔ یہ بلالؓ کا جھنڈا ہے یہ اسے لیکر چوک میں کھڑا ہو جائے اور اعلان کر دے کہ جو شخص بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہوگا اُس کو نجات دی جائے گی۔ ابوسفیان کہنے لگا۔ بس اب کافی ہو گیا اَب مکّہ بچ جائے

گا۔ کہنے لگا اَب مجھے اجازت دیجیئے کہ مَیں جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا جا۔ [۲۵]

ابوسفیان کا مکّہ میں اعلان

اب تو سردار خود ہی ہتھیار پھینک چکا تھا۔ خبر پہنچنے یا نہ پہنچنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ گھبرایا ہوُا مکّہ میں داخل ہوُا اور یہ کہتا جاتا تھا لوگو! اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کرلو۔ لوگو! اپنے اپنے ہتھیار پھینک دو۔ لوگو! خانہ کعبہ میں چلے جاؤ۔ بلالؓ کا جھنڈا کھڑا ہوُا ہے اُس کے نیچے کھڑے ہو جانا۔ اِتنے میں لوگوں نے دروازے بند کرنے شروع کر دیئے اور بعض نے خانہ کعبہ میں گھُسنا شروع کیا۔ لوگوں نے ہتھیار باہر لالا کر پھینکنے شروع کئے۔ اِتنے میں اسلامی لشکر شہر میں داخل ہوُا اور لوگ بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ [۲۶]

حضرت بلالؓ کا جھنڈا کھڑا کرنے میں حکمت

اِس واقعہ میں جو سب سے زیادہ عظیم الشان بات ہے وہ بلالؓ کا جھنڈا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ کا جھنڈا بناتے ہیں اور فرماتے ہیں جو شخص بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو جائے گا اُس کو پناہ دی جائے گی حالانکہ سردار تو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے مگر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، آپؐ کے بعد قربانی کرنے والے ابوبکرؓ تھے مگر ابوبکرؓ کا بھی کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، اُن کے بعد مسلمان ہونے والے رئیس عمرؓ تھے مگر عمرؓ کا بھی کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، اُن کے بعد عثمانؓ مقبول تھے اور آپؐ کے داماد تھے مگر عثمانؓ کا بھی کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، اُن کے بعد علیؓ تھے جو آپؐ کے بھائی بھی تھے اور آپؐ کے داماد بھی تھے مگر علیؓ کا کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، پھر عبدالرحمٰن بن عوف وہ شخص تھے جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ وہ شخص ہیں کہ جب تک آپ زندہ ہیں مسلمان قوم میں اختلاف نہیں ہو گا لیکن عبدالرحمٰنؓ کا کوئی جھنڈا نہیں بنایا جاتا، پھر عباسؓ آپؐ کے چچا تھے اور بعض دفعہ وہ گُستاخی بھی کر لیتے تو آپؐ خفا نہ ہوتے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا بھی کوئی جھنڈا نہیں بنایا، پھر سارے رؤساء اور چوٹی کے آدمی موجود تھے، خالد بن ولیدؓ جو ایک سردار کا بیٹا خود بڑا نامور انسان تھا موجود تھا، عمرو بن عاصؓ ایک سردار کا بیٹا تھا اِسی طرح اور بڑے بڑے سرداروں کے بیٹے تھے مگر ان میں سے کسی ایک کا بھی جھنڈا نہیں بنایا جاتا۔ جھنڈا بنایا جاتا ہے تو بلالؓ کا بنایا جاتا ہے کیوں؟ اِسکی کیا وجہ تھی؟ اِس کی وجہ یہ تھی کہ خانہ کعبہ پر جب حملہ ہونے لگا تھا ابوبکرؓ دیکھ رہا تھا کہ جن کو

مارا جانے والا ہے وہ اُس کے بھائی بند ہیں اور اُس نے خود بھی کہہ دیا تھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا اپنے بھائیوں کو ماریں گے۔ وہ ظلموں کو بُھول چکا تھا اور جانتا تھا کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ عمرؓ بھی کہتے تو یہی تھے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِن کافروں کو ماریئے مگر پھر بھی جب آپؐ اُن کو معاف کرنے پر آئے تو وہ اپنے دل میں یہی کہتے ہونگے کہ اچھّا ہوُا ہمارے بھائی بخشے گئے، عثمانؓ اور علیؓ بھی کہتے ہونگے کہ ہمارے بھائی بخشے گئے اِنہوں نے ہمارے ساتھ سختیاں کر لیں تو کیا ہوُا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کو معاف کرتے وقت یہی سمجھتے ہونگے کہ اُن میں میرے چچا بھی تھے بھائی بھی تھے، اِن میں میرے داماد، عزیز اور رشتہ دار بھی تھے اگر مَیں نے اِن کو معاف کر دیا تو اچھا ہی ہوُا میرے اپنے رشتہ دار بچ گئے۔ صرف ایک شخص تھا جس کی مکّہ میں کوئی رشتہ داری نہیں تھی، جس کی مکّہ میں کوئی طاقت نہ تھی، جس کا مکّہ میں کوئی ساتھی نہ تھا اور اُس کی بیکسی کی حالت میں اُس پر وہ ظلم کیا جاتا جو نہ ابوبکرؓ پر ہوُا، نہ علیؓ پر ہوُا، نہ عثمانؓ پر ہوُا، نہ عمرؓ پر ہوُا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نہیں ہوُا۔ جلتی اور تپتی ہوئی ریت پر بلالؓ ننگا لِٹا دیا جاتا تھا۔ تم دیکھو! ننگے پاؤں بھی مئی اور جون میں نہیں چل سکتے۔ اُس کو ننگا کر کے تپتی ریت پر لِٹا دیا جاتا تھا، پھر کیلوں والے جُوتے پہن کر نوجوان اُس کے سینے پر ناچتے تھے اور کہتے تھے کہو خدا کے سِوا اور معبود ہیں، کہو محمدؐ رسول اللہ جھوٹا ہے اور بلالؓ آگے سے اپنی حبشی زبان میں جب وہ بہت مارتے تھے کہتے اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ وہ شخص آگے سے یہی جواب دیتا تھا کہ تم مجھ پر کتنا بھی ظلم کرو مَیں نے جب دیکھ لیا ہے کہ خدا ایک ہے تو دو[۲] کس طرح کہہ دوں۔ اور جب مجھے پتہ ہے کہ محمد رسول اللّٰہ خدا کے سچّے رسول ہیں تو مَیں انہیں جھوٹا کِس طرح کہہ دوں۔ اِس پر وہ اور مارنا شروع کر دیتے تھے۔ مہینوں گرمیوں کے موسم میں اُس کے ساتھ یہی حال ہوتا تھا۔ اِسی طرح سردیوں میں وہ یہ کرتے تھے کہ اُن کے پیَروں میں رسّی ڈال کر انہیں مکّہ کی پتھروں والی گلیوں میں گھسیٹتے تھے۔ چمڑا اُن کا زخمی ہو جاتا تھا۔ وہ گھسیٹتے تھے اور کہتے تھے کہو جھوٹا ہے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو خدا کے سِوا اَور معبود ہیں۔ تو وہ کہتے اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اب جب کہ اسلامی لشکر دس ہزار کی تعداد میں داخل ہونے کیلئے آیا۔ بلالؓ کے دل میں خیال آیا ہوگا کہ آج اُن بوٹوں کا بدلہ لیا جائے گا۔ آج اُن ماروں کا معاوضہ مجھے مِلے گا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگیا وہ معاف، جو

خانہ کعبہ میں داخل ہوگیا وہ معاف، جس نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے وہ معاف، جس نے اپنے گھر کے دروازے بند کر لئے وہ معاف تو بلالؓ کے دل میں خیال آتا ہوگا کہ یہ تو اپنے سارے بھائیوں کو معاف کر رہے ہیں اور اچھا کر رہے ہیں لیکن میرا بدلہ تو رہ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آج صرف ایک شخص ہے جس کو میرے معاف کرنے سے تکلیف پہنچ سکتی ہے اور وہ بلالؓ ہے کہ جن کو مَیں معاف کر رہا ہوں وہ اُس کے بھائی نہیں۔ جو اُس کو دکھ دیا گیا ہے وہ اَور کسی کو نہیں دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا مَیں اس کا بدلہ لونگا اور اِس طرح لونگا کہ میری نبوت کی بھی شان باقی رہے اور بلالؓ کا دل بھی خوش ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا بلالؓ کا جھنڈا کھڑا کرو اور اُن مکّہ کے سرداروں کو جو جوتیاں لے کر اُس کے سینہ پر ناچا کرتے تھے، جو اُس کے پاؤں میں رسّی ڈال کر گھسیٹا کرتے تھے، جو اُسے تپتی ریتوں پر لٹایا کرتے تھے کہدو کہ اگر اپنی اور اپنے بیوی بچّوں کی جان بچانی ہے تو بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے آجاؤ۔ مَیں سمجھتا ہوں جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے، جب سے انسان کو طاقت حاصل ہوئی ہے اور جب سے کوئی انسان دوسرے انسان سے اپنے خون کا بدلہ لینے پر تیار ہؤا ہے اور اُس کو طاقت ملی ہے اِس قسم کا عظیم الشان بدلہ کسی انسان نے نہیں لیا۔ جب بلالؓ کا جھنڈا خانہ کعبہ کے سامنے میدان میں گاڑا گیا ہوگا، جب عرب کے وہ رؤساء جو اُسکو پیروں سے مَسلا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے بولتا ہے کہ نہیں کہ محمد رسول اللہ جھوٹا ہے جب وہ دَوڑ دَوڑ کر اور اپنے بیوی بچوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اور لا لا کے بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے لاتے ہونگے کہ ہماری جان بچ جائے تو اُس وقت بلالؓ کا دل اور اُس کی جان کس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور ہو رہی ہوگی۔ وہ کہتا ہوگا مَیں نے تو خبر نہیں اِن کفار سے بدلہ لینا تھا یا نہیں یا لے سکتا تھا کہ نہیں اب وہ بدلہ لیا گیا ہے کہ ہر شخص جس کی جُوتیاں میرے سینہ پر پڑتی تھیں اُس کے سَر کو میری جُوتی پر جُھکا دیا گیا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے بدلہ سے زیادہ شاندار بدلہ

یہ وہ بدلہ تھا جو یُوسفؑ کے بدلہ سے بھی زیادہ شاندار تھا اِس لئے کہ یوسفؑ نے اپنے باپ کی خاطر اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا۔ جس کی خاطر کیا وہ اُس کا باپ تھا اور جن کو کیا وہ اُسکے بھائی تھے اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچوں اور بھائیوں کو ایک غلام کی جُوتیوں کے طفیل معاف کیا۔ بھلا یوسفؑ کا بدلہ اس کے مقابلہ میں

کیا حیثیت رکھتا ہے۔

غرض یہ دوسری خبر تھی نوبت خانہ کی اور پھر کیسی عظیم الشان خبر دی کہ دو سال پہلے بتا دیا جاتا ہے کہ یہ یہ حالات پیدا ہونے والے ہیں۔ کفار کی طرف سے معاہدہ شکنی ہوگی۔ تم حملہ کیلئے جاؤ گے اور انہیں تباہ کر کے اسلامی حکومت کو قائم کر دو گے۔

قرآنی نوبت خانہ کی تیسری خبر

اب تیسری خبر مَیں مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ عرب کا ملک ایسا ویران تھا اور ایسا بنجر اور ناقص تھا کہ اُس کی طرف کوئی نظر اُٹھا کے نہیں دیکھتا تھا۔ مؤرخین نے بحث کی ہے کہ سکندؔر نے ساری دنیا فتح کی لیکن عرب فتح نہیں کیا اِس کی کیا وجہ تھی؟ وہ کہتے ہیں اُس نے اِسکو اِس لئے نہیں چھوڑا کہ عرب کوئی طاقتور ملک تھا بلکہ اِس لئے چھوڑا تھا کہ یہ ہڈی کتّے کے قابل تھی سکندر کے قابل نہیں تھی۔ اِس میں کوئی چیز ہی نہیں تھی پھر سکندر نے وہاں کیوں جانا تھا، یہ ہڈی اُس کے کھانے کے قابل ہی نہیں تھی۔ پھر قیصر و کسریٰ اِدھر بھی لڑتے تھے اُدھر بھی لڑتے تھے مگر عرب کو چھوڑ دیتے تھے۔ یمنؔ کو لے لیتے تھے کیونکہ وہ ذرا آباد ملک تھا مگر عرب کو چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے ہم نے اس صحراء کو لے کر کیا کرنا ہے۔ غرض ہزاروں سال سے عرب کے قبائل آزاد چلے آتے تھے اِس لئے نہیں کہ اُن میں دم خم تھا بلکہ اس لئے آزاد چلے آتے تھے کہ عرب کے اندر کچھ رکھا ہی نہیں تھا کہ کوئی وہاں جائے اور اُسے فتح کرے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ عرب دنیا میں نہایت ذلیل ترین سمجھا جا رہا تھا، الٰہی نوبت خانہ میں نوبت بجتی ہے اور وہاں سے آواز آتی ہے قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ [۲۷] وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا۔[۲۸]

قیصرو کسریٰ کی لڑائیوں میں غلبہ اور کامیابی حاصل کرنے کی پیشگوئی

اُس وقت جبکہ مسلمان ناکام ہو کر آتے ہیں، جب مکّہ والے عمرہ کی بھی اجازت نہیں دیتے اُسوقت جبکہ وہ ایسا معاہدہ کر کے آتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بھی سمجھتے ہیں کہ ہماری ناک کٹ گئی اور کہتے ہیں یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم تو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے اُسوقت اللہ تعالیٰ ایک تو یہ خبر دیتا ہے کہ یہ معاہدہ توڑیں گے اور تم انہیں فتح کرو گے۔ پھر یہ خبر دیتا ہے کہ دیکھو! کچھ لوگ آج ہمارے ساتھ شامل نہیں ہوئے اُن کو بتا دو کہ اب عرب کی جنگ تو ختم ہوئی، یہ ملک تو

ہم نے فتح کر لیا مگر اس کے بعد باہر سے اَور قومیں آئینگی جو اِن سے بھی زیادہ لڑنے والی ہیں اُن سے تمہارا مقابلہ ہوگا اور اُن کے مقابلہ میں بھی یہ نتیجہ نکلے گا کہ جب تم لڑو گے تو اُس وقت تک تمہاری لڑائی جاری رہے گی جب تک کہ وہ ہتھیار پھینکنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ یہ قیصر اور کسریٰ کی جنگوں کی خبر دی گئی ہے اور تمام صحابہؓ اور مسلمان مفسرین اِس پر متفق ہیں کہ یہ خبر اِس بات کے متعلق تھی کہ آئندہ ان سے لڑائی ہونے والی ہے۔ اب اِن ملکوں کو اُس وقت تک عرب کا کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا وہ تو سمجھتے تھے کہ اس قابل ہی نہیں کہ ہم اس کو فتح کریں۔ اِردگرد کے تمام سرسبز وشاداب علاقے پہلے سے اُن کے قبضہ میں تھے اور بیچ کا صحراء اُن کے لئے کوئی قیمت نہیں رکھتا تھا مگر فرماتا ہے ہم تم سے اُن کی جنگ کروائیں گے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونگے۔ اِسی طرح اس میں یہ بھی خبر دی گئی تھی کہ عرب مالی طور پر اتنا ترقی کر جائے گا کہ جو قومیں پہلے اُسے ذلیل سمجھتی تھیں وہ اُس کی اہمیت کو محسوس کرنے لگ جائیں گی۔

اب یہ عجیب خبر دیکھو کہ آٹھ سالہ جنگوں کے نتیجہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں قیصر نے حملہ کرنا شروع کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں کسریٰ نے حملہ کرنا شروع کیا اِس کے بعد جنگیں اِتنی بڑھیں کہ قیصر بھی تباہ ہوگیا اور کسریٰ بھی تباہ ہوگیا اور وہ خبر پوری ہوگئی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے آگے بیان فرمائی تھی کہ قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِھَا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کرنے کی پہلے سے خبر دے رکھی ہے۔

اِسلامی نَوبت خانہ کی ایک امتیازی خصوصیّت

یہ عجیب بات ہے کہ اسلامی نَوبت خانہ کا کمال اتنا بڑھا ہوُا تھا کہ آٹھ سالہ جنگوں میں چھ سات جنگوں میں کفار نے مکّہ سے حملہ کیا اور بڑی بڑی احتیاطوں کے ساتھ حملہ کیا لیکن ایک بھی ایسا حملہ ثابت نہیں جس کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ مِل چکی تھی اور بیس تیس حملے محمدؐ رسول اللہ نے اُن کے علاقہ پر کئے اور اُن میں سے ایک بھی حملہ ایسا نہیں جسکی خبر انہیں پہلے سے مِلی ہو۔ یہ کتنا بڑا شاندار نشان ہے۔ اِن کا نوبت خانہ کتنا شاندار ہے کہ فوراً خبر پہنچا دیتا ہے اور اُن کا نوبت خانہ کس طرح تباہ کر دیا جاتا ہے اور کمزور کر دیا جاتا ہے کہ ایک لڑائی کی خبر بھی تو مکّہ والوں کو پہلے نہیں مِلتی کہ حملہ ہو جائے گا۔ بلکہ اسلامی لشکر اُن کے سروں پر جا پہنچتا تھا اور بعض دفعہ وہ گھروں میں اِدھر اُدھر پھر رہے ہوتے تھے کہ پتہ لگتا اسلامی لشکر پہنچ گیا ہے پہلے پتہ ہی نہیں لگتا تھا۔

نَوبت خانوں کی دوسری غرض

دوسرا کام نَوبت خانہ سے یہ لیا جاتا تھا کہ خبر دی جاتی تھی کہ شاہی فوج آرہی ہے۔ نوبت خانے اس لئے بجائے جاتے تھے کہ والنٹیر اکٹھے ہو جائیں اور دوسرے نَوبت خانے اسلئے بجائے جاتے تھے کہ دھم دھم کی آواز جوش پیدا کرتی ہے اور گھوڑے بھی ہنہنانے لگ جاتے ہیں۔ جیسے انگریزی فوجوں میں نَوبت خانوں کی بجائے بینڈ بجایا جاتا ہے اور اُس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کے اندر جوش پیدا ہو اور وہ قربانی کے لئے تیار ہو جائیں۔ بعض جگہ باجے بھی ہوتے ہیں یا نفیریاں[۲۹] بھی ہوتی ہیں اور پُرانے زمانہ میں تو ڈھول استعمال ہوتے تھے یا نفیریاں استعمال ہوتی تھیں اور اب بینڈ استعمال ہوتا ہے۔

مَیں نے دیکھا کہ واقعہ میں یہ ایک بڑی شاندار کیفیت ہوتی ہوگی جب دِلّی کا لشکر حیدر آباد کی طرف چلتا ہوگا تو جب وہ بڑی بڑی دَفیں بجتی ہونگی اور آواز پہنچتی ہوگی تو تمام ملک میں ایک شور مچ جاتا ہوگا اور ہر شخص دیکھتا ہوگا کہ اُن کے گھوڑے پَیر مارتے ہوئے اور آگ نکالتے ہوئے سڑکوں پر سے چلے آرہے ہیں اور انتظار کرتا ہوگا کہ اکبر یا شاہ جہان یا چنگیز کی فوجیں روانہ ہوتی ہوں گی اور پھر ہزاروں ہزار کا ریلا چلتا ہوگا۔

ظالمانہ خونریزی

لیکن جب مَیں نے غور کر کے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ نَوبت خانوں کی یہ بات بڑی مصنوعی چیز تھی۔ ایک تو مَیں نے دیکھا کہ لڑائی میں انسانوں کا خون بہنا معمولی چیز نہیں اِس کے لئے انسان کوئی حکمت بتاتا ہے، غرض بتاتا ہے، اِس کے فوائد بتاتا ہے، اِسکے جواز کی دلیلیں بتاتا ہے لیکن یہاں محض ڈھول پیٹ کر خونریزی کو جائز قرار دیا جاتا تھا حالانکہ محض ڈھول پیٹنے سے اور **دھم دھم** سے کیا بنتا ہے۔

غلط پروپیگنڈہ

پھر مَیں نے دیکھا کہ بعض دفعہ بڑے بینڈ بجتے تھے اور فوجیں بازاروں میں پریڈ کرتی تھیں اور لوگ نعرے لگاتے تھے کہ سپاہیو! شاباش! ملک کی حفاظت کے لئے مر جاؤ۔ اور یہ سارا دھوکا ہوتا تھا کیونکہ جس کو مارنے کیلئے وہ جارہے ہوتے تھے وہ ایک معمولی سی حکومت ہوتی تھی اور ظاہر یہ کیا جاتا تھا کہ ہماری فوج نکلے گی اور قتلِ عام کرتی چلی جائے گی اور اُسے فتح کرے گی اور یوں اپنی بہادری اور دلیری کا سکّہ بٹھا دے گی۔ مثلاً جرمنی میں اعلان ہو رہا ہے کہ اے جرمن والو! تم نے اپنے ملک کی حفاظت کرنی ہے اور لڑنے چلے ہیں پولینڈ سے جو ایک تھپڑ کی مار ہے۔ انگلستان میں اعلان ہو رہا ہے کہ آجاؤ انگلستان والو! تم بڑے

بہادر ہو،تمہاری روایتیں بڑی مشہور ہیں اور جارہے ہیں شیر شاہ سے لڑنے کے لئے اور کہا جارہا ہے کہ شاباش انگریزو! تم اتنے بہادر ہو حالانکہ مقابل میں چند ہزار آدمی ہیں اور جارہا ہے اتنے بڑے ملک کا لشکر۔ پھر اُس کے پاس ایک گولی ہوتی تھی تو اِن کے پاس سَو گولی ہوتی تھی لیکن ظاہر یہ کرتے تھے کہ ہماری قوم اور ملک خطرہ میں ہیں پس اے بہادرو! اپنے ملک کی عزّت کو بچاؤ حالانکہ عزّت بچانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ جائیں گے تو یونہی ختم کردیں گے۔ جیسے مَیں نے بتایا ہے انگریزوں نے ٹرانسوآل پر حملہ کیا یا جرمنوں نے زیکوسلوا کیا اور پولینڈ پر حملہ کیا اور ظاہر یہ کیا کہ ہماری عزّت خطرہ میں ہے ہماری عزّت برباد ہوگئی ہے حکومتیں ہمارے خلاف بڑے منصوبے کر رہی ہیں۔ یا روس نے فن لینڈ پر حملہ کیا نقشہ پر بھی دیکھو تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے باز کے منہ میں پڑی۔ مگر فن لینڈ پر حملہ کیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ فلاں جرنیل کو مارشل بنایا جاتا ہے اور وہ فن لینڈ کی لڑائی کے لئے جارہا ہے۔ فلاں جرنیل کو بھیجا جارہا ہے اور وہ اِتنا مشہور ہے۔ لاکھوں کی فوج بھجوائی جارہی ہے حالانکہ فن لینڈ بیچارے کے سارے سپاہی دس ہزار سے زیادہ نہیں اور دس لاکھ کا لشکر بھجوایا جارہا ہے اور سارے ملک میں اعلان ہو رہا ہے کہ اُٹھو! اُٹھو! مارو! مارو! وہ ہمیں مار چلا ہے اور ہم مجبور ہیں کہ اُس کا مقابلہ کریں۔ غرض اس قسم کے اعلانات میں کوئی عقل نظر نہیں آتی تھی۔

پس یہ نوبت خانہ کیا ہے یہ لوگوں سے ایک تمسخر ہے اور محض ایک کھیل بنائی گئی ہے یا ایک دھوکا ہے جو دیا جارہا ہے۔

ناجائز حملے

اور بعض دفعہ مَیں نے دیکھا کہ ظالمانہ حملے ہوتے تھے۔ لوگوں کا کوئی قصور ہی نہیں ہوتا تھا یونہی حملہ کر دیا جاتا تھا لیکن کہا یہ جاتا تھا کہ ہم مظلوم ہیں اور ہوتا تھا دوسرا مظلوم۔ مثلاً انگریزوں نے ٹیپو سلطان پر حملہ کر دیا حالانکہ ٹیپو نے اُن کا کچھ بھی نہیں بگاڑا تھا انہوں نے میسور کو ہضم کرنا چاہا۔ گویا اُن کی بھیڑیا اور بکری والی مثال تھی۔ کہتے ہیں ایک نہر سے بکری اور بھڑیا پانی پی رہے تھے بکری نیچے کی طرف پی رہی تھی اور بھڑیا اوپر کی طرف پی رہا تھا۔ اُس کا جو بکری کھانے کو دل چاہا تو بکری سے کہنے لگا دیکھو! میرا پانی گدلا کرتی ہو شرم نہیں آتی اِس قدر گستاخی کرتی ہو۔ بکری نے کہا جناب! میں پانی گدلا کیسے کرسکتی ہوں آپ اوپر پانی پی رہے ہیں اور مَیں نیچے پی رہی ہوں آپ کا پیا ہؤا میری طرف آرہا ہے میرا پیا ہؤا آپ کی طرف نہیں جا رہا۔ اِس پر جھٹ اُسے پنجہ مار کر کہنے لگا گستاخ! بے ادب! آگے سے جواب دیتی ہے

اور پھاڑ کر کھالیا۔ وہی حالت یہاں تھی۔ انگریزوں نے بھی بہانہ بنا کر ٹیپو سلطان پر حملہ کر دیا۔ یا بنگال کا بادشاہ سراج الدولہ تھا اُس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ انگریزی تاریخیں خود بھی مانتی ہیں کہ ایک ہندو سے جھوٹے خط لکھوائے گئے اور اُن خطوں کی بناء پر سراج الدولہ پر حملہ کر دیا گیا۔ نہ بیچارے کے پاس کوئی طاقت تھی نہ حکومت تھی۔ انگریزوں کے پاس ہر قسم کے سامان تھے توپیں بھی تھیں، گولہ بارود بھی تھا، منظّم فوج بھی تھی یونہی بہانہ بنا کے لے لیا۔ پھر غدر کی لڑائی کو دیکھ لو۔ مسلمان بادشاہ کی تو قلعہ سے باہر حکومت ہی نہیں اور یہ سارے ہندوستان کے بادشاہ اُس پر چڑھ کر گئے۔ بھلا اُس کے پاس کونسی حکومت تھی لیکن غدر کا حال پڑھو تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان روس کی لڑائی ہو رہی ہے اور اِس کو اتنا شاندار دکھایا جاتا ہے کہ وہ مصائب انگریزوں پر پڑے اور ایسی ایسی مشکلات پیش آئیں اور انگریزوں نے وہ وہ قربانیاں کیں حالانکہ وہ بیچارہ ایک شطرنج کا بادشاہ تھا، دو چار دن اُس کا محاصرہ رکھا اور پھر اُسے پکڑ کر لے گئے اور اس کے بچّوں کو پھانسیاں دے دیں۔ تو مَیں نے دیکھا کہ بہت کچھ اِس میں مبالغہ آرائی کی جاتی تھی۔

خلافِ امید شکست

پھر مَیں نے دیکھا کہ باوجود اِس کے کہ مدِّ مقابل چھوٹا ہوتا تھا مظلوم ہوتا تھا پھر بھی بعض دفعہ نتائج اُن کے خلاف نکل آتے تھے۔ جیسے پولینڈ پر جرمن نے حملہ کیا اور اُن کی مدد کے لئے انگریز اور فرانس آ گئے، آخر جرمن تباہ ہو گیا۔ فن لینڈ پر رُوس نے حملہ کیا اور انگلستان اور فرانس نے اس کو مدد دینی شروع کر دی چنانچہ باوجود اس کے کہ فوج اُس کے پاس تھوڑی تھی اُس کو اِتنا سامانِ جنگ مِل گیا کہ رُوس نے اُس سے صلح کر لی۔ تو کئی دفعہ مَیں نے دیکھا کہ نوبت خانوں کے نتائج کچھ اور نکلتے ہیں۔ ظاہر تو وہ یہ کرتے ہیں کہ ہم یُوں کر دیں گے اور وُوں کر دیں گے لیکن جب جاتے ہیں تو درمیان میں کوئی روک پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں باوجود اِس کے پڑّی ہونے کے وہ بھی اُس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ غرض اِن حملوں میں:

(۱) بسا اوقات ظلم کا پہلو ہوتا تھا۔

(۲) بعض اوقات محض نمائش ہوتی تھی، بالمقابل کوئی طاقت ہوتی ہی نہیں تھی۔ ایک کمزور سی ہستی کو چُن کر دنیا پر رعب ڈالنے کے لئے ظاہر کیا جاتا تھا کہ گویا ایک بہت بڑے دشمن کی سرکوبی کے لئے تیاری کی گئی ہے۔

(۳) لیکن پھر بھی نتیجہ قطعی نہ ہوتا تھا۔ بعض دفعہ باوجود اس کے کہ دوسرا فریق چھوٹا اور کمزور

ہوتا تھا اِس وجہ سے کہ وہ مظلوم ہوتا تھا دوسری زبردست طاقتیں کمزور کی مدد کو آجاتیں اور ساری نمائش دھری کی دھری رہ جاتی۔

نوبت خانوں کی بعض اور خامیاں

(۴) چوتھی بات مَیں نے یہ دیکھی کہ یہ نوبت خانے صرف دُنیوی کشمکس کیلئے بجائے جاتے تھے اخلاقی اور رُوحانی قدروں کے بچانے کی اُس میں کوئی صورت نہیں ہوتی تھی۔ لڑائیاں محض دُنیوی فوائد اور دُنیوی اغراض کے لئے ہوتی تھیں۔

(۵) مَیں نے دیکھا کہ یہ نوبت خانے جو بجتے تھے ذاتی اغراض کے لئے بجائے جاتے تھے۔ دوسری اقوام اور دوسرے مذاہب کے حقوق کا بالکل لحاظ نہ ہوتا تھا اور نفسانیت کے علاوہ بنی نوع انسان کی ہمدردی کا اِس سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔

(۶) مَیں نے دیکھا کہ اگر واقعہ میں کوئی خرابی بھی اِن حملوں کا باعث ہوتی تھی یعنی واقعہ میں اُس قوم نے کوئی ظلم کیا ہوتا تھا تو فتح کے بعد اس ظلم کی اصلاح نہیں ہوتی تھی صرف اُس کا رنگ بدل جاتا تھا۔ فرض کرو ہندوستان کی کسی ریاست نے انگریزوں پر ظلم بھی کیا ہوتا تھا اور اس جنگ کے بعد یہ نہیں ہوتا تھا کہ ظلم مٹ گیا بلکہ یہ ہوتا تھا کہ پہلے انگریزوں پر ظلم ہوتا تھا پھر ہندوستانیوں پر ظلم شروع ہو جاتا تھا۔ ظلم بہرحال قائم رہتا تھا۔

(۷) اِن نوبت خانوں سے بعض دفعہ اپنے لوگوں کو ہمّت دلانے کیلئے یہ بھی اعلان کئے جاتے تھے کہ مثلاً فرانس لڑائی کا اعلان کرتا تو کہتا انگریز بھی میری مدد کے لئے آرہا ہے فلاں ملک بھی میری مدد کے لئے آرہا ہے۔ ایران اعلان کرتا تو کہتا چین کی فوجیں بھی میری مدد کے لئے آرہی ہیں۔ ہندوستان کی فوجیں بھی میری مدد کے لئے آرہی ہیں۔ افغانستان کی فوجیں بھی میری مدد کے لئے آرہی ہیں۔ غرض دُنیوی مدد اور تائید پر بڑا بھروسہ ظاہر کیا جاتا گویا اقرار کیا جاتا تھا کہ بغیر اِن دُنیا کی تائیدوں کے ہم فتح نہیں پاسکتے۔

دُنیوی نوبت خانوں کے مقابلہ میں اسلام کا شاندار نوبت خانہ

اب مَیں نے دیکھا کہ کیا اسلام نے بھی اِسکے مقابلہ میں کوئی نوبت خانہ بجایا ہے جس نے بتایا ہو کہ اَب اسلامی لشکر آگے بڑھتا ہے اپنے آدمیوں کو کہو کہ تیار ہو جاؤ۔ تو مَیں نے دیکھا کہ قرآن میں یہ نوبت خانہ بج رہا ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨالَّذِيْنَ

اُخْرِ جُوْا مِنْ دِيَا رِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّ مَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْ كَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌo اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَا قِبَةُ الْاُمُوْرِ o [۳۰]

یہ نوبت خانہ ڈھم ڈھم ڈھم سے نہیں بجایا جاتا یہ ایسے الفاظ کے ساتھ بجایا گیا ہے جن میں حقائق بیان کئے گئے ہیں۔

اِسلام کا اعلانِ جنگ اور اُس کی اہم اغراض

اِس میں بتایا گیا ہے کہ:-

اول یہ اعلانِ جنگ جو کیا جا رہا ہے جارحانہ نہیں ہے بلکہ مدافعانہ ہے۔ ہم کسی قوم پر خود حملہ کرنا جائز نہیں سمجھتے ہمیں جب مجبور کیا جائے اور ہم پر حملہ کیا جائے تو ہم اپنی جان اور مال اور عزّت اور دین کے بچانے کے لئے اُس سے لڑنا جائز سمجھتے ہیں اس لئے وہ لوگ جن پر حملہ کیا گیا، جن کو دُکھ دیئے گئے، اُن کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ نکلیں اور دشمن کا مقابلہ کریں۔

دوم اِس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ دشمن زبردست ہے اُس نے ان لوگوں کو جن کے لئے طبلِ جنگ بجایا گیا ہے گھروں سے نکال کر ملک بدر کر دیا تھا اور یہ لوگ اُن کے خلاف ایک انگلی تک نہیں ہلا سکتے تھے چنانچہ ان کی کمزوری کی مثال دیکھ لو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مکّہ میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو آپؐ نے صحابہؓ کو بلایا اور فرمایا تم لوگ یہ تکلیفیں برداشت نہیں کر سکتے مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت نہیں تم ہجرت کر جاؤ۔ صحابہؓ نے کہا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہمیں کون ملک پناہ دے گا؟ آپؐ نے فرمایا سمندر پار حبشہ کا ایک ملک ہے اُس میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا بادشاہ مقرر کیا ہے جو انصاف پسند ہے اُس میں چلے جاؤ۔ چنانچہ بعض صحابہؓ نے فیصلہ کر لیا کہ اس ملک میں ہجرت کر کے چلے جائیں۔ اُن میں ایک صحابیؓ اور اُن کی بیوی بھی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ انہوں نے ہمیں ہجرت بھی نہیں کرنے دینی جیسے پارٹیشن کے موقع پر ہؤا تھا کہ جو لوگ ہجرت کر کے آنا چاہتے تھے اُن کو بھی ہندو اور سِکھ نہیں آنے دیتے تھے۔ اِسی طرح وہ لوگ جانتے تھے کہ مکّہ والوں نے ہمیں ہجرت کر کے نہیں جانے دینا اِس لئے رات کے وقت وہاں سے بھاگتے تھے تاکہ کسی طرح بچ کے نکل جائیں۔ ایک دن ایک مسلمان اور ان کی بیوی نے فیصلہ کیا کہ ہم ہجرت کر جائیں اور فیصلہ کیا کہ رات

کے وقت ہم دونوں اونٹ پر سوار ہو کر چلے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ اُس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ چونکہ حفاظتِ مکّہ پر مقرر تھے وہ رات کو مکّہ کا پہرہ دیا کرتے تھے کہ دیکھیں کیا حالت ہے شہر میں کوئی مخالفانہ رویّہ تو نہیں۔ وہ گشت لگاتے لگاتے پہنچے تو یہ لوگ اونٹ پر اسباب لاد رہے تھے حضرت عمرؓ اُس وقت تک اسلام کے سخت مخالف تھے انہیں شبہ ہوا کہ یہ بھاگنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اُس عورت کو مخاطب کر کے کہنے لگے کیوں بی بی! کیا نیّتیں ہیں اور کدھر کے ارادے ہیں؟ خاوند نے ٹلا کر کچھ اَور بات کہنی چاہی مگر عورت کے دل کو زیادہ چوٹ لگی۔ وہ آگے سے غصہ سے کہنے لگی عمرؓ! یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ ہم تمہارے شہر میں تمہارا کچھ بگاڑتے نہیں، کوئی شرارت نہیں کرتے، تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کرتے، دنگا نہیں کرتے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں اور تم وہ بھی نہیں کرنے دیتے اور ہم یہاں سے جانا چاہتے ہیں تو تم ہمیں جانے بھی نہیں دیتے، ظلم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ آدھی رات کو ایک عورت کو اونٹ پر سامان لادتے دیکھ کر حضرت عمرؓ کے دِل کو چوٹ لگی آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور منہ پھیر لیا۔ پھر پیٹھ پھیر کر اُن کا نام لیا اور کہنے لگے بی بی! اللہ تمہارے ساتھ ہو جاوے۔[۱۳۲] گویا یہ حالت تھی اُن لوگوں کی کہ اُن کو نکلنے بھی نہیں دیا جاتا تھا اور اُن کے لئے ملک چھوڑنے کے لئے بھی کوئی آزادی نہیں تھی اور جب وہ اپنا ملک چھوڑ کر غیر ملکوں میں چلے گئے تو وہاں بھی حملہ کیا۔ حبشہ گئے تو وہاں اُن کو لینے کے لئے آدمی پہنچے۔ مدینہ گئے تو وہاں حملہ شروع کر دیا۔

سوم اِن لوگوں کو جو گھر سے نکالا گیا تھا تو اُن کے کسی جُرم کی وجہ سے نہیں بلکہ بِلا سبب مگر پھر بھی یہ لوگ اُف نہیں کر سکے اور پھر اُن کو نکال کر بس نہیں کی گئی بلکہ جس غیر ملک میں انہوں نے پناہ لی وہاں بھی جا کر حملہ کر دیا گیا۔

چہارم یہ اعلان کیا گیا کہ ان پر جو ظلم کئے جا رہے ہیں یہ کسی سیاسی وجہ سے نہیں کئے جا رہے کسی ملک یا علاقہ کا یہ لوگ مطالبہ نہیں کر رہے بلکہ صرف اس لئے ان پر ظلم کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم اور حکومت کو کہہ دیا ہے کہ ہم سیاسی آدمی نہیں ہیں۔ آپ جو کچھ ہمیں حکم دیں گے ہم آپ کی مانیں گے مگر جن امور کا تعلق مَا بَعْدَ الْمَوْت سے ہے اُنکی تیاری کے لئے ہم کو آزاد چھوڑ دیا جائے کیونکہ جسموں کی بادشاہت حکومت کے پاس ہے مگر رُوح کی حکومت خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اِس لئے حکومت ہمارے جسموں پر تو حکومت کرے مگر ہماری رُوحوں کو آزاد چھوڑ دے کہ ہم اپنے اللہ سے صلح کر لیں۔ مگر حکومت نے کہا نہیں ہم تمہارے جسموں پر

بھی حکومت کریں گے اور تمہارے عقیدہ اور مذہب پر بھی حکومت کریں گے۔

پنجم اِس اعلانِ جنگ میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ جنگ ہم صرف ضمیر کی آزادی کیلئے نہیں کر رہے، صرف اس لئے نہیں کر رہے کہ مسلمان کلمہ پڑھ سکے، صرف اس لئے نہیں کر رہے کہ مسلمان نماز پڑھ سکے، صرف اس لئے نہیں کر رہے کہ مسلمان روزے رکھ سکے، صرف اس لئے نہیں کر رہے کہ مسلمان حج کر سکے، صرف اِس لئے نہیں کر رہے کہ مسلمان زکوٰۃ دے سکے بلکہ ہم اس لئے کر رہے ہیں کہ عیسائی، یہودی اور مجوسی سب کو ان کے مذہب کی آزادی حاصل ہو جائے کیونکہ حُریّتِ ضمیر سب کا حق ہے صرف مسلمانوں کا حق نہیں۔ کسی قوم کا حق نہیں کہ ضمیر کو وہ اپنے لئے مخصوص کرلے اور باقیوں کو حُریّت دینے سے انکار کردے۔

ششم اس اعلانِ جنگ میں یہ پہلے سے بتا دیا گیا تھا کہ گو دشمن طاقتور ہے اور مسلمان کمزور ہیں لیکن فتح مسلمانوں کو ہی نصیب ہوگی اور دشمن کو شکست ہوگی۔

مسلمانوں کے غلبہ کی پیشگوئی

اِس سِلسلہ میں اَور اعلان بھی کئے گئے اور کہا گیا کہ اَلَآاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [۳۲] چلو تم لوگ خدا کی خاطر مرنے کیلئے تیار ہو گئے ہو اور خدا تعالیٰ اپنی خاطر مرنے والوں کو خالی نہیں چھوڑے گا بلکہ وہ اُن کو مدد دے گا اور کامیاب کرے گا۔ پھر فرمایا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ [۳۳] یقیناً خدا کا گروہ جو خدا کی خاطر لڑنے والا ہے وہی غالب آئے گا۔ مگر چونکہ اِس طرح آپ نے اعلان کیا تھا کہ ہم کمزور ہیں۔ آپ نے اعلان کیا تھا کہ ان میں کوئی طاقت نہیں اور آپ نے اعلان کیا تھا کہ ان کو ملکوں سے نکال دیا گیا ہے پھر بھی یہ نہیں بول سکے گویا ان کی ہمّت گرا دی گئی تھی کہ تم ہو تو بالکل ہی گھٹیا طرز کے غریب اور بے سامان لیکن ہم تم کو لڑائی کا حکم دیتے ہیں اسلئے اُن کے دلوں میں ایک مایوسی سی پیدا ہوسکتی تھی ہم تھوڑے بھی ہیں اور سامان بھی نہیں تو کیا بنے گا اس لئے فرمایا کہ بے شک جو باتیں ہم نے بتائی ہیں وہ تمہارے ظاہری حالات ہیں لیکن کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ [۳۴] یاد رکھو! بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ مگر کب؟ جب اللہ تعالیٰ کا اُن کو حکم ہوتا ہے۔ گویا اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ کہہ کر اس طرف اشارہ کیا کہ تم یہ سمجھو کہ تم اپنی طرف سے لڑنے نہیں جا رہے بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے لڑنے جا رہے ہو اور جب خدا کسی لڑائی کا حکم دیتا ہے تو چھوٹی جماعت ہمیشہ بڑی جماعتوں پر غالب آجایا کرتی ہے۔ اَب مَیں اِس آیت کے ٹکڑے ٹکڑے لے

کر بتا تا ہوں کہ اِس میں کیا مضمون بتایا گیا ہے۔ پہلے بتایا گیا ہے کہاُاُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا۔ وہ لوگ جن سے لوگ بِلا وجہ لڑائی کرتے ہیں اُن کوحکم دیا جا تا ہے کہ چونکہ اُن پر حملہ کیا گیا ہے اِس لئے وہ لڑائی کے لئے نکلیں۔ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ اور ہم اُن کو بتا دیتے ہیں کہ باوجود اِس کے کہ اُن میں لڑائی کی طاقت نہیں ہے مگر خدا میں طاقت ہے اور وہ اُن کی مدد کرسکتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِحَقٍ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے بغیر کسی قصور کے نکالے گئے اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ۔ ہاں ان کا ایک ہی قصور تھا کہ وہ کہتے تھے اللہ ہمارا ربّ ہے وہ اپنے زمانہ کے مَامور کی بات کو مانتے تھے اور خدا کی بات کہتے تھے۔ صرف اِس بات پر لوگ کہتے تھے اِن کو مارو۔ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّ مَتْ صَوَ امِعُ اوراس لئے اُن کواجازت دی جاتی ہے کہ یہ صرف اپنے خدا کو راضی کرنا چاہتے ہیں اوراس زمانہ کی حکومت اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا کو راضی نہیں کرنے دیں گے تم ہم کو راضی کرو۔ دوسرے اِس لئے کہ اگر یہ طریقِ ظُلم جاری ہو جائے تو پھر قوموں میں ہمیشہ ہی لڑائی رہے گی۔ عیسائی یہودی پر حملہ کرے گا اور کہے گا میں نہیں تم کو عبادت کرنے دیتا اور یہودی عیسائی کو کہے گا مَیں نہیں تم کو عبادت کرنے دیتا مسلمان کافر کو کہے گا مَیں نہیں تم کو تیری عبادت کرنے دیتا کافر مسلمان کو کہے گا مَیں نہیں تم کو تیری عبادت کرنے دیتا پھر خدا کا نام دنیا میں کوئی بھی نہ لے گا اور خدا کا خانہ خالی ہوجائے گا۔ آخر خدا کا نام مختلف قوموں نے لینا ہے مسلمان نے اپنے طور پر لینا ہے، یہودی نے اپنے طور پر لینا ہے، مجوسی نے اپنے طور پر لینا ہے، ہندو نے اپنے طور پر لینا ہے اور اگر دوسرے کو خدا کا نام نہیں لینے دیں گے تو بات ختم ہوئی، کوئی بھی اُسکا نام نہیں لے گا۔ تو فرماتا ہے اگر ہم یہ طریق اختیار نہ کریں کہ ایسے موقع پر لڑائی کی اجازت دے دیں تو لَھُدِّمَتْ صَوَامِعُ۔ صَوَامِعُ اُن جگہوں کو کہتے ہیں جہاں لوگ عبادت کے لئے بیٹھتے ہیں جیسے ہمارے ہاں تکیے ہوتے ہیں۔ بِیَعٌ۔ بِیَع نصاریٰ کی عبادت گاہوں کو کہتے ہیں۔ وَصَلَوٰتٌ۔ صلوٰۃ یہودیوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ عبرانی میں اُسے صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی مساجد جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے یہ سب توڑی جاتیں۔ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اور جو لوگ خدا کا نام لینے والے ہیں وہ گویا خدا کے نام کو دنیا میں زندہ رکھ رہے ہیں اور جو خدا کے نام کو زندہ رکھے گا اُس کی خدا بھی مدد کریگا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌ عَزِیْزٌ اور یقیناً خدا بڑا زبردست اور غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ان کو

دنیا میں حکومت دی جائے تو یہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوٰتیں دیں گے اور امر بِالمعروف کریں گے اور بُری باتوں سے لوگوں کو روکیں گے۔ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ اور چونکہ یہ دنیا میں پھر خدا کی حکومت قائم کریں گے اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اِن کو لڑائی کی اجازت دے دی جائے۔

اسلام آزادیٔ ضمیر کو کُچلنے کی اجازت نہیں دیتا

یہ قرآن کریم نے ہمیں آئندہ کے لئے سبق دیا ہے صرف اُس زمانہ کی بات نہیں بلکہ قرآن شریف نے پیشگوئی بیان کی ہے اور اِس میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ اگر مسلمان سچّے طور پر مسلمان بنیں اور اِس تعلیم پر عمل کریں جو خدا تعالیٰ نے بیان کی ہے اگر لوگوں کے ظلم برداشت کریں اور آپ ظالم نہ بنیں، حُریّتِ ضمیر دیں حُریّتِ ضمیر چھینیں نہیں، مسجدوں کو گِرائیں نہیں، معبدوں کو بند نہ کریں بلکہ ہر ایک کو مذہب کی آزادی دیں دُنیا میں انصاف اور امن کو قائم رکھیں اور ہر ایک کو اس کا حق دیں تو کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ ایسی قوم کو اللہ تعالیٰ تھوڑے ہونے اور بے سامان ہونے کے باوجود زیادہ تعداد والوں اور سامان والوں پر غلبہ دے دیا کرتا ہے۔ گویا اگر پاکستانی اِس قسم کے مسلمان بن جائیں تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ج وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ[۳۵] یعنی اگر تم میں سے بیس صابر ہوں تو وہ دوسَو آدمی پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سَو ایسا ہو تو وہ ایک ہزار پر غالب آجائے کیونکہ وہ سمجھتے نہیں تم سمجھتے ہو (مَیں آگے چل کر بتاؤں گا کہ سمجھنے اور نہ سمجھنے کا مطلب کیا ہے) اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک عام قانون بتا دیا ہے۔ کہ دس گُنا طاقت پر مسلمان غالب آسکتے ہیں۔ اب پاکستان کی آبادی کہتے ہیں سات کروڑ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اگر پاکستانی ایسے مسلمان بن جائیں تو ۷۰ کروڑ کے ملک پر یہ غالب آسکتے ہیں اور دنیا میں ۷۰ کروڑ کا کوئی ملک نہیں۔ بڑے سے بڑا ملک چینؔ ہے اُسکی بھی پچاس کروڑ کی آبادی ہے۔ دوسرے نمبر پر ہندوستان ہے اُس کی تیس کروڑ کی آبادی ہے لیکن قرآن کریم کے حکم کے ماتحت اگر پاکستان کے مسلمان اس قسم کے مسلمان بن جائیں جیسے قرآن کہتا ہے کہ بن جاؤ یعنی نہ وہ لوگوں پر ظلم کریں، نہ حریّتِ ضمیر میں دخل دیں، نہ وہ غیر مذاہب کو اپنے مذہب پر جبراً لانے کی کوشش کریں اور نہ

کسی کا حق ماریں بلکہ لوگوں کو اچھی باتوں کی تعلیم دیں، بُری باتوں سے روکیں اور لوگوں پر اس طرح روپیہ خرچ کریں کہ ملک ترقی کرے۔ زکوٰۃ کے معنے ترقی کے بھی ہوتے ہیں پس زکوٰۃ دینے کے یہ معنے ہیں کہ ملکی ترقی کے لئے کوشش کریں اور خدا تعالیٰ کیلئے اپنے آپکو بنا دیں تو فرماتا ہے تمہارے دس، سَو پر غالب آسکتے ہیں گویا سات کروڑ پاکستانی مسلمان ۷۰ کروڑ پر غالب آسکتے ہیں اور ۷۰ کروڑ کی حکومت دنیا میں کوئی نہیں۔ بڑی سے بڑی حکومت پچاس کروڑ کی ہے تو گویا اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر صرف پاکستان کے مسلمان ہی ایسے بن جائیں تو وہ دنیا کی بڑی سے بڑی حکومت کو شکست دے سکتے ہیں اور ساری دنیا کے مسلمان، عیسائی کہتے ہیں کہ چالیس کروڑ ہیں اور مسلمان کہتے ہیں ساٹھ کروڑ ہیں۔ اس حساب سے اگر چالیس کروڑ بھی تسلیم کریں تو چار ارب پر یہ مسلمان غالب آسکتے ہیں بشرطیکہ وہ اُس قسم کے مسلمان بن جائیں جس قسم کے مسلمان بننے کے لئے قرآن کہتا ہے۔ اور اگر وہ ساٹھ کروڑ ہوں جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں تو اِس صورت میں چھ ارب پر غالب آسکتے ہیں لیکن دنیا کی ساری آبادی سَوا دو ارب ہے۔ گویا اگر مسلمان ساری دنیا سے بھی لڑیں تو قرآنی وعدہ کے مطابق دنیا کی آبادی اگر دُگنی بھی ہو جائے تب بھی وہ اُن پر غالب آسکتے ہیں۔ یہ کتنی عظیم الشان بات ہے لیکن اِس کے باوجود مسلمان کیوں کمزور ہیں؟ اِس لئے کہ وہ اُن شرطوں کو پورا نہیں کرتے۔ اِن شرطوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہماری مدد تمہیں تب حاصل ہوگی جبکہ تم میرے لئے لوگوں کی دشمنی سہیڑو، میرے نام کو روکنے کے لئے لوگوں کی دشمنی نہ کرو بلکہ میری خاطر لوگوں کی دشمنی سہیڑو۔ لوگوں کے ظلم سہو اور دنیا میں جو لوگ میرا نام لینے والے ہیں چاہے وہ عیسائی ہو کے میرا نام لیں، چاہے وہ یہودی ہو کے میرا نام لیں یا مجوسی ہو کر میرا نام لیں جب بھی کوئی میرا نام لے تو کہو ہاں یہ تو ہمارے خدا کا نام لے رہا ہے۔ گویا نمایاں چیز بتا دی ہے کہ کونسے اخلاق کے بعد خدا کی مدد آتی ہے اور فرماتا ہے تم اس لئے غالب آؤ گے کہ وہ نہیں سمجھتے یعنی جو تعلیم تمہیں دی گئی ہے اس کے خلاف وہ غیر اسلامی تعلیم پر عامل ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ تم کسی پر ظلم نہ کرو لیکن غیر اسلام کہتا ہے کہ سب پر ظلم کرو اِس میں تمہارا فائدہ ہے، اسلام کہتا ہے کہ تم کسی کی حُریّتِ ضمیر میں دخل نہ دو اور غیر مذاہب یہ کہتے ہیں کہ بے شک حُریّتِ ضمیر میں دخل دو، اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کا نام لیتا ہے تو چاہے وہ ہندو ہو، عیسائی ہو، یہودی ہو کسی قوم کا ہو اُسکو موقع دو اور کہو کہ تُو بے شک نام لے لیکن غیر اسلامی کہتے ہیں کہ اگر ہمارے گرجے میں خدا کا نام لیتا ہے تو ٹھیک

ہے، اگر ہمارے صلوٰۃ میں نام لیتا ہے تو ٹھیک ہے، اگر ہمارے مندر میں نام لیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہم نہیں لینے دیں گے۔ آج مسلمان بھی یہی کہتا ہے چنانچہ دیکھ لو کیا اِن میں سے کوئی بات بھی ہے جو مسلمان نہیں کر رہا؟ کیا آج کا مسلمان یہ نہیں کہہ رہا کہ یا تو ہماری طرح کی نماز پڑھو ورنہ ہم نہیں پڑھنے دیں گے، یا تو ہماری طرح فتوے دو ورنہ تمہیں فتویٰ نہیں دینے دیں گے، یا تو ہماری طرح کام کرو ورنہ ہم تمہیں سزا دیں گے۔ کیا آج ہماری فقہ میں نہیں لکھا ہؤا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو نئے معبد بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی یا گرجے بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی لیکن یہ کہتا ہے کہ ہم اس لئے لڑتے ہیں تاکہ گرجوں کو بچائیں۔ قرآن کہتا ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کو لڑنے کی اجازت اِس لئے دی گئی ہے کہ یہودیوں کے عبادت خانوں کو گرنے سے بچایا جائے، قرآن کہتا ہے کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑنے کی اِس لئے اجازت دی گئی ہے کہ مانک (MONK) یا راہب وغیرہ جو بیٹھے عبادت کر رہے ہیں اُن کو نقصان نہ پہنچے لیکن اب ہر ایک بات کے خلاف کرنے کے لئے مسلمان یہ کہتا ہے کہ دوسروں کے معبد توڑنے جائز ہیں، لوگوں سے لڑائی بھی جائز ہے، لوگوں کے مذاہب میں دخل دینا بھی جائز ہے، لوگوں سے جبراً اپنی مرضی منوانا بھی جائز ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ تمہیں اس طرح فتح نصیب نہیں ہو گی۔ تمہیں فتح تب نصیب ہو گی جبکہ تم لوگوں کو آزادی دو گے، جبکہ تم لوگوں کو حُریّتِ ضمیر دو گے، جبکہ تم لوگوں کے مذہب میں دخل نہیں دو گے اور کہو گے کہ بیشک یہ مذہب رکھو یہ خدا کا معاملہ ہے۔ اب یہ سیدھی بات ہے کہ دنیا کی رائے ہی آخر جیت کا موجب بنتی ہے۔ ہٹلر نے لڑائی کی اور بڑی منظّم لڑائی لڑا مگر آخر وہ ہارا اِسلئے کہ دنیا کی جو آزاد رائے تھی وہ ساری کی ساری امریکہ اور انگلستان کے ساتھ تھی۔ روس اور جاپان لڑے، روس کتنی بڑی طاقت ہے مگر وہ ہارا اِس لئے کہ دنیا کی ساری کی ساری آزاد رائے جاپان کی ہمدرد تھی اس ہمدردی کی وجہ سے جہاں بھی کسی کا بس چلتا تھا وہ جاپان کی تائید میں تھوڑا بہت کام کرتا تھا نتیجہ یہ ہؤا کہ روس ہار گیا۔ تو جب کوئی قوم ایسا طریق اختیار کرتی ہے کہ ہر مذہب و ملّت کے لئے وہ انصاف کرنے کے لئے تیار رہوتی ہے تو خود دوسروں کے گھروں میں اُن کے جاسوس پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر جگہ اُسے مدد ملنی شروع ہو جاتی ہے اور وہ جیتنے شروع ہو جاتے ہیں۔

یروشلم کے عیسائیوں پر اسلامی حکومت کا غیر معمولی اثر

جب یروشلم پر مسلمان گئے تو عیسائی لشکر حملہ آور ہؤا

اُس وقت مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ ہم مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے ہم پیچھے ہٹیں گے۔ جب پیچھے ہٹنے لگے تو یروشلم کے لوگ بلکہ پادری بھی روتے ہوئے آتے تھے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو ہمارے ملک میں پھر لائے کیونکہ ہم نے امن تمہارے ذریعہ سے ہی دیکھا ہے۔ حالانکہ اُن کی اپنی عیسائی حکومت تھی اور قیصر کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ وہ گویا پوپ کا قائم مقام ہے اور بادشاہ ہونے کے علاوہ وہ مذہبی طور پر بھی لیڈر ہے مگر وہ اُس کی حکومت کو توڑنے والی حکومت کے لئے باہر نکلے تھے۔ اگر مسلمان مذہبی معاملات میں دخل دیتے، اگر وہ اُن کے گرجوں میں دخل دیتے اور اگر وہ اُن پر سختیاں کرتے جو ہماری فقہ کی کتابوں میں لکھی ہیں تو اُن کی عقل ماری ہوئی تھی کہ وہ روتے ہوئے نکلتے کہ تم ہمارے گھروں میں آؤ، ہمارے گرجے گراؤ اور ہمارے مذہب میں دخل دو وہ لازماً اُنکی مخالفت کرتے اور رومن ایمپائر کی مدد کرتے لیکن حالت یہ تھی کہ وہ روتے تھے۔ پس جب مسلمان پیچھے ہٹ آئے تو وہ جانتے تھے کہ یروشلم سے اسلامی لشکر کو تو نکال لائے ہیں لیکن یروشلم میں بیس ہزار جاسوس چھوڑ آئے ہیں جو ہمیں رومیوں کی خبریں دیں گے اور اُن کے ذریعہ ہم پھر واپس آجائیں گے۔ تو یروشلم کا ہر عیسائی مسلمانوں کا جاسوس بن گیا تھا اور اُن کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار رہو چکا تھا۔ اگر یہی سلوک مسلمان قومیں دوسروں کے ساتھ کرنا شروع کردیں تو دیکھو فوراً یہ صورت شروع ہو جائے گی کہ غیر ملکوں میں ہمارے ہمدرد پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے اور وہ ہماری مدد کرنی شروع کردیں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے لئے صابر ہونے کی شرط لگائی ہے اور صابر کے معنے (۱) مصیبت کو برداشت کرنے (۲) استقلال سے نیک کاموں میں لگے رہنے اور اختلافات کو نظرانداز کردینے کے ہوتے ہیں۔ پس اگر مسلمان باہمی اختلاف چھوڑ کر موت یا نقصانِ مال اور نقصانِ آرام کا ڈر دُور کردیں۔ حصولِ مدعا کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اُن کے لئے استقلال کے ساتھ بغیر وقفہ اور سُستی اور تزلزل کے لگ جائیں تو دنیا کی ہر طاقت پر وہ غالب آسکتے ہیں بشرطیکہ وہ مظلوم ہوں، کسی کے حق پر دست اندازی نہ کریں اور حُریّتِ ضمیر کو قائم کرنے کے ذمہ دار ہوں نہ کہ ڈنڈے سے اپنا مذہب منوانے پر تُل جائیں جس سے منافقت بڑھتی ہے اور صفوں میں خلا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن کے ایجنٹ اُن ممالک میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

ہفتم۔ دوسری حکومتوں کے نوبت خانوں سے تو یہ اعلان کئے جاتے ہیں کہ فلاں حکومت کی فوجیں

ہمارے ساتھ ہیں لیکن اِس نوبت خانہ سے تو یہ اطلاع دی جاتی تھی کہ سب دنیا کی حکومتیں ہمارے خلاف ہیں اور کسی کی حمایت ہم کو حاصل نہیں۔ چنانچہ فرمایا اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَا خْشَوْ ھُمْ۔ [۳۶] مسلمانوں کے پاس لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ اَب تو ساری دنیا تمہارے خلاف اکٹھی ہوگئی ہے مگر اِس کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا گیا کہ گو ساری دنیا تمہارے خلاف ہوگی مگر چونکہ تم مظلومیت میں ہو اور مظلومیّت کی وجہ سے تم اپنے دفاع کے لئے جنگ کرتے ہو اور چونکہ تم اخلاق اور حُریّتِ ضمیر کے لئے جنگ کرنے لگے ہو اس لئے گو تمام زمینی حکومتوں نے تمہارے خلاف اجتماع کرلیا ہے لیکن آسمانی حکومت نے تمہاری تائید کا فیصلہ کردیا ہے۔ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اور خدا اُس کی تائید کرے گا جو اُس کی مدد کرے گا۔ جو لوگ اس لئے جنگ کرتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں انسان جبر نہ کریں بلکہ دین کا معاملہ صرف خدا اور بندے پر چھوڑ دیا جائے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کے لئے جنگ کرتے ہیں۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہو کر جنگ کرے گا۔ پھر فرمایا اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ o بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَ یَاْ تُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ [۳۷]

مؤمنوں کو کہدو کہ تم تھوڑے بھی ہو دشمن کے پاس سامان بھی زیادہ ہے لیکن کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ خدا تمہاری مدد کے لئے تین ہزار فرشتے اُتار دے۔ بلکہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ سے کام لو اور دشمن تم پر فوری حملہ بھی کردے تو خدا تم سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ پانچ ہزار فرشتے بھیجے گا جو مُسَوِّمْ ہونگے۔ یعنی نڈر ہو کر اپنے گھوڑے دشمن کی صفوں میں پھینک دیں گے اور اُسے غارت کردیں گے۔ اِس فقرہ میں تو دراصل الٰہی مدد کا ذکر تھا مگر کچھ لوگ رسمی مؤمن ہوتے ہیں وہ ہر چیز کے لئے جسمانی نسخہ تلاش کرتے ہیں پس ڈر ہوسکتا تھا کہ کچھ بیوقوف ایسے بھی ہوں کہ جو سچ مچ فرشتوں کو لائیں اور سچ مچ اُن کو دَوڑائیں اور لڑائیاں کروائیں اِس لئے فرمایا وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ بِہٖ ط وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِالْحَکِیْمِ [۳۸] یعنی ہم نے جو کہا ہے کہ فرشتے اُتارنے ہیں تو اس کے یہ معنے نہیں کہ فرشتے آدمی بن کر آئیں گے اور تلواریں لے کر لڑیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ وہ تمہارے دلوں کو مضبوط کریں گئے اور دشمنوں کے دلوں

میں تمہارا رُعب پیدا کردیں گے اور اصل مدد خدا کی طرف سے آتی ہے فرشتے انسانی جسم میں نہیں آیا کرتے۔

دنیا میں خدائی حکومت قائم کئے جانے کا اعلان

ہشتم۔ دوسری حکومتیں جب حملہ کرتی ہیں تو بڑے زور سے سے اعلان کرتی ہیں کہ ہم آزادی دینے کے لئے آئے ہیں جیسے انگریزوں نے عربوں سے کیا۔ پچھلی جنگ میں انہوں نے عربوں سے کہا کہ ہم تمہیں آزاد کرنے آئے ہیں اور کِیا کیا؟ کِیا یہ کہ شام اور لبنان فرانس کو دیدیا عراق پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا، اِسی طرح اُردن بھی لے لیا، فلسطین پر بھی آپ قبضہ کرلیا اور اِس طرح ملک کو بانٹ لیا۔ لیکن لڑائی ہوئی تو کہا۔ اُٹھو! اُٹھو!! شاباش! ہم تمہاری آزادی کے لئے آئے ہیں۔ یا جرمنی نے ہالینڈ اور بیلجیئم میں اپنی فوج داخل کردی بغیر اس کے کہ وہ لڑائی میں شامل ہوتے اور اعلان کردیا کہ چونکہ ہالینڈ اور بیلجیئم کی آزادی انگریزوں اور فرانسیسیوں کی وجہ سے خطرہ میں ہے اور وہ اِن ملکوں پر قبضہ کرلیں گے اس لئے ہم انہیں بچانے کے لئے آرہے ہیں۔ اِسی طرح ڈنمارک پر قبضہ کرلیا اور کہا کہ ہم ڈنمارک کو بچانے کے لئے آئے ہیں۔ اب پیچھے ہندوستان نے حیدرآباد پر حملہ کردیا اور کہہ دیا کہ یہ پولیس ایکشن ہے اِن لوگوں میں امن قائم کرنے کے لئے ہماری فوجیں داخل ہوئی ہیں۔ یا روس نے لیتھونیا اور استھونیا اور لٹویا پر حملہ کردیا اور کہا ہم اِن تینوں ملکوں کو آزاد کروانے کے لئے آئے ہیں۔ اِس آزادی کے بعد یہ تینوں ممالک ضلع بن کر رہ گئے اور روس کے اندر شامل ہیں۔ صرف فرق یہ ہوتا تھا کہ فساد کا دھارا بدل جاتا تھا یعنی پہلے فساد اِس طرف ہوتا تھا پھر اس کا رُخ اُس طرف ہو جاتا تھا لیکن اسلامی نوبت خانہ میں جو وعدہ کِیا گیا ہے وہاں یہ فرماتا ہے کہ ہم نے اِنکو فتح ہی اِس شرط سے دینی ہے کہ **اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ** یہ نہیں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسا کریں گے بلکہ فرماتا ہے جب ہم ان کو حکومت بخشیں گے تو:۔

(۱) وہ عبادتِ الٰہی کریں گے اور عبادتِ الٰہی کی آزادی دیں گے۔

(۲) جب ہم ان کو حکومت دیں گے تو وہ غرباء کی مدد کریں گے اور گرے ہوؤں کو اُٹھائیں گے۔

(۳) جب ہم ان کو حکومت دیں گے تو وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو حُسنِ سلوک اور اخلاق اور

انصاف کی نصیحت کریں گے۔

(۴) یہ کہ وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو تمام ناپسندیدہ امور سے خواہ دُنیوی ہوں یا دینی، اخلاقی ہوں یا معاشی یا اقتصادی یا علمی روکیں گے۔

(۵) اور اُن کا رویّہ ایسا منصفانہ ہوگا کہ یہ معلوم نہیں ہوگا کہ انسان حکومت کر رہا ہے بلکہ یوں معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ زمین پر اُتر آیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ اُس وقت یوں معلوم ہوگا کہ خدا آسمان سے اُترا ہے۔

اَب دیکھو جن لوگوں کے ساتھ یہ وعدہ تھا وہ ایسے ہی ثابت ہوئے کیونکہ ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ ہم تمہیں اس لئے حکومت دے رہے ہیں کہ تم نے یہ یہ کام کرنا ہے۔

مساواتِ اسلامی کی ایک شاندار مثال

چنانچہ دیکھ لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا واقعہ ہے آپ مکّہ مکرّمہ میں حج کے لئے گئے۔ اُن دِنوں عرب کا ایک عیسائی بادشاہ بھی مسلمان ہو چکا تھا وہ بھی مکّہ میں حج کے لئے آیا تو کسی مجلس میں بیٹھا ہؤا باتیں کر رہا تھا کہ ایک غریب آدمی جو بے چارہ کوئی مزدور تھا پاس سے گزرا اور اتفاقاً اُس کا پَیر اُس کے کپڑے پر پڑ گیا۔ وہ تو اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا اور بادشاہ بھی وہ کہ کب برداشت کر سکتا تھا کہ کوئی شخص اتنی بے احتیاطی سے چلے کہ پاؤں اُس کے کوٹ پر پڑ جائے۔ اُس نے زور سے اُسے تھپڑ مارا اور کہا بے شرم! تیری کیا حیثیت ہے کہ تُو اِس طرح بے احتیاطی سے چلے کہ تیرا پَیر میرے کوٹ پر پڑ جائے وہ بیچارہ صبر کر کے چلا گیا۔ اُسی مجلس میں کوئی صحابیؓ بیٹھا تھا اُس نے کہا تم نے بڑی غلطی کی ہے۔ اُس نے کہا کیوں؟ مَیں بادشاہ نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگا اِسلام میں بادشاہت وغیرہ کچھ نہیں ہوتی تم کو تھپڑ مارنے کا کیا حق تھا۔ اگر اُس نے کوئی قصور کیا تھا تو تم قضاء میں جاتے اور اُس پر دعویٰ کرتے، تمہارا اُس کو مارنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ کہنے لگا تو کیا اسلام میں بادشاہ اور غیر بادشاہ کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا؟ انہوں نے کہا کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ وہ کہنے لگا اچھا مَیں عمرؓ کے پاس جاتا ہوں۔ اُٹھ کے عمرؓ کے پاس گیا دربار لگا ہؤا تھا سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے جا کر حضرت عمرؓ سے کہنے لگا کہ کیوں جی! کیا اسلام میں بدتہذیبی ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بادشاہ یا بڑے آدمی کی ہتک کر بیٹھے تو وہ اُس کو مار نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ (جبلہؔ اُس کا نام تھا) جبلہؔ! تم کسی مسلمان کو مار بیٹھے ہو؟ خدا کی قسم! اگر مجھے پتہ لگا تو مَیں تمہیں اُسی طرح

مرواؤں گا۔ اُس نے اُس وقت تو بہانہ بنایا اور کہا۔ نہیں نہیں! مَیں نے تو کچھ نہیں کیا۔ مگر یہ کہہ کر واپس گیا اور اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہؤا اور اپنے ملک کو واپس چلا گیا اور وہاں جا کر مرتد ہو گیا۔[۳۹] غور کرو! کتنی بڑی طاقت تھی ایک مزدور کے لئے۔ ایک بادشاہ جاتا ہے اور کہتا ہے اِس نے میری ہتک کی ہے تو حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ تم نے اِسے مارا ہے تو مَیں ضرور سزا دونگا۔

خلافتِ راشدہ کے عہد میں راشن سسٹم کا اجراء

یہ وہ چیز تھی جو مسلمانوں نے اپنی حکومت میں کی۔ راشن اور کپڑے کا سسٹم جاری ہؤا، امیر اور غریب سب کے لئے حکم ہؤا کہ اُن کو کپڑے مِلا کریں گے اور کھانا مِلا کرے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کا حکم دیا کہ جو راشن اور کپڑا مِلا کرے گا اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہ کیا جائے ہر مذہب وملّت کے آدمی کو اُس کا راشن دیا جائے۔ ایک بادشاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہؤا تو اُس نے کہلا بھیجا کہ میرے پاس ایسے لوگ ہیں جو غیر مذاہب کے ہیں مَیں اُن کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا اُن کے ساتھ انصاف کا سلوک کرو پیار کا سلوک کرو اور اگر تمہارے پاس ایسے لوگ ہوں چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم کہ اُن کے پاس کافی زمین وغیرہ نہ ہو اور کافی غلّہ نہ پیدا کر سکتے ہوں تو پھر سرکاری خزانہ سے انہیں غلّہ مہیّا کرو۔[۴۰]

ایک غلام کے معاہدہ کا احترام

اِسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک دشمن فوج گھِر گئی اور اُس نے سمجھ لیا کہ اَب ہماری نجات نہیں ہے اِسلامی کمانڈر دباؤ سے ہمارا قلعہ فتح کر رہا ہے اگر اُس نے فتح کر لیا تو ہم سے مفتوح ملک والا معاملہ کیا جائے گا۔ ہر مسلمان مفتوح ہونے اور صلح کرنے میں فرق سمجھتا تھا۔ مفتوح کے لئے تو عام اسلامی قانون جاری ہوتا تھا اور صلح میں جو بھی وہ لوگ شرط کر لیں یا جتنے زائد حقوق لے لیں لے سکتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ کوئی ایسا طریق اختیار کرنا چاہئے جس سے نرم شرائط پر صلح ہو جائے۔ چنانچہ ایک دن ایک حبشی مسلمان پانی بھر رہا تھا اُس کے پاس جا کر انہوں نے کہا کیوں بھئی! اگر صلح ہو جائے تو وہ لڑائی سے اچھی ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا ہاں! اچھی ہے۔ وہ حبشی غیر تعلیم یافتہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ پھر کیوں نہ اِس شرط پر صلح ہو جائے کہ ہم اپنے ملک میں آزادی سے رہیں اور ہمیں کچھ نہ کہا جائے ہمارے مال ہمارے پاس رہیں اور

تمہارے مال تمہارے پاس رہیں۔ وہ کہنے لگا بالکل ٹھیک ہے۔ انہوں نے قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ اب اسلامی لشکر آیا تو انہوں نے کہا ہمارا تو تم سے معاہدہ ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگے معاہدہ کہاں ہوا ہے اور کِس افسر نے کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے ہمیں کیا پتہ ہے کہ تمہارے کون افسر ہیں اور کون نہیں۔ ایک آدمی یہاں پانی بھر رہا تھا اُس سے ہم نے یہ بات کی اور اُس نے ہمیں یہ کہہ دیا تھا۔ مسلمانوں نے کہا دیکھو ایک غلام نکلا تھا اُس سے پوچھو کیا ہوا؟ اُس نے کہا ہاں! مجھ سے یہ بات ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا وہ تو غلام تھا اُسے کس نے فیصلہ کرنے کا اختیار دیا تھا انہوں نے کہا ہمیں کیا پتہ ہے کہ یہ تمہارا افسر ہے یا نہیں۔ ہم اجنبی لوگ ہیں، ہم نے سمجھا یہی تمہارا جرنیل ہے۔ اُس افسر نے کہا مَیں تو نہیں مان سکتا لیکن مَیں یہ واقعہ حضرت عمرؓ کو لکھتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ خط مِلا تو آپ نے فرمایا کہ آئندہ کے لئے یہ اعلان کردو کہ کمانڈر اِنچیف کے بغیر کوئی معاہدہ نہیں کرسکتا لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک مسلمان زبان دے بیٹھے تو مَیں اُس کو جھوٹا کردوں اب وہ حبشی جو معاہدہ کر چکا ہے وہ تمہیں ماننا پڑے گا۔ ہاں آئندہ کے لئے اعلان کردو کہ سوائے کمانڈر اِنچیف کے اَور کوئی کسی قوم سے معاہدہ نہیں کرسکتا۔ [۴۱]

غیر مسلموں کے جذبات کا پاس

پھر غیر مذاہب کے جذبات کا لحاظ اِس حد تک کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ مجھے ابوبکرؓ نے مارا ہے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو بلایا اَور فرمایا تم نے اِس کو مارا ہے؟ کہنے لگے ہاں! یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِس نے بڑی گستاخی کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کیا گستاخی کی تھی؟ انہوں نے کہا اِس نے کہا تھا مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس نے موسیٰؑ کو سارے رسولوں سے افضل بنایا ہے۔ تو اِس نے آپؐ کی ہتک کی اور حضرت موسیٰؑ کو سب رسولوں سے افضل قرار دیا۔ مجھے غصّہ آگیا اور مَیں نے تھپّڑ مارا۔ آپؐ کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا۔ لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی۔ [۴۲] تمہارا کیا حق ہے کہ لوگوں کے جذبات کو مجروح کرو۔ تم مجھے یہودیوں کے سامنے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دیا کرو۔ کتنا انصاف ہے۔ کیا دُنیا کا کوئی اَور انسان ہے جس نے باوجود اِس کے کہ وہ خود دعویدار ہو کہ مَیں بڑا ہوں کہا ہو کہ دوسروں کے سامنے تم نے مجھ کو موسیٰؑ پر کیوں فضیلت دی اِس کا یہی حق ہے کہ وہ کہے موسیٰؑ مجھ سے بڑا ہے۔ پھر فرمایا۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا

بِغَيْرِ عِلْمٍ [۴۳] دیکھوجن بُتوں کی لوگ پوجا کرتے ہیں یا جن انسانوں کی لوگ پوجا کرتے ہیں، اُن کے متعلق کبھی کوئی بُرا لفظ نہیں بولنا ورنہ پھر اُن کا بھی حق ہو جائے گا کہ وہ مقابل میں تمہارے خدا کو بھی گالیاں دیں اِس طرح تم اپنے خدا کو گالیاں دینے کا موجب بنو گے۔ گویا قرآن اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ مسلمان اور عیسائی جذبات کے لحاظ سے برابر ہیں، سچے مذہب والا اور جھوٹے مذہب والا دونوں برابر ہیں اگر اِس کو حق ہے کہ اُسکے جذبات کو تلف کرے تو اُس کا بھی حق ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اگر یہ چاہتا ہے کہ اسکے جذبات کی ہتک نہ کی جائے تو پھر اُس کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کے جذبات کی بھی ہتک نہ کرے۔

جوشِ انتقام میں بھی عدل وانصاف کوملحوظ رکھنے کی تاکید

پھر جوش اورغضب میں انتقام کی طرف منتقل نہ ہونے کے لئے فرمایا يَآ يُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِ مَنَّكُمْ شَنَانُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهُ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنِ [۴۴]

یعنی اے مؤمنو! تم اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یعنی صرف خدا کی خاطر ہر کام کرو اور خدا تعالیٰ کے لئے تم گواہی دو کہ وہ منصف ہے۔ یعنی اپنے عمل سے ثابت کرو کہ اگر تم منصف ہوتو پتہ لگ جائے کہ خدا نے تم کو انصاف کی تعلیم دی ہے اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم کسی سے بے انصافی کر بیٹھو۔ دشمن بھی ہوتو پھر بھی انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ تقویٰ اختیار نہ کرو گے تو سزا ملے گی گویا اِس میں یہ نصیحت کی کہ:-

اوّل ہر کام اللہ تعالیٰ کے لئے کرو کسی اَور غرض کے لئے نہیں کہ اُس غرض کو پورا نہ ہوتے دیکھ کر راستہ بدل لو۔

دوم خدا تعالیٰ نے جو معیارِ انصاف مقرر کیا ہے اُس کا نمونہ دوسروں کے سامنے پیش کرو اگر وہ نمونہ پیش نہ کرو گے تو لوگ کہیں گے اِن کو خدا کی یہ تعلیم نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں بلکہ اَور تعلیم ہے۔

ایک ہندو سے حُسنِ سلوک کا شاندار نمونہ

سوم اگر کوئی ظلم بھی کرے تو جوش میں آ کر ظلم نہیں کرنا بلکہ عدل کو کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑنا۔ مجھے اِس پر اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ رتن باغ (لاہور) میں ہم رہتے تھے

اُس کا مالک چونکہ ایک بارسوخ شخص تھا اور اُس کا بھائی ڈپٹی کمشنر تھا وہ گورنمنٹ کی چٹھّی لکھوا کے لایا کہ اُن کا سامان اُن کو دے دیا جائے۔ یہاں کے افسر اُسوقت بہت زیادہ لحاظ کرتے تھے انہوں نے فوراً لکھدیا کہ ان کو یہ سامان دے دو۔ہم جب گئے ہیں تو اُس وقت تک وہ لُوٹا جا چکا تھا دروازے توڑے ہوئے تھے اور بہت سا سامان غائب تھا اور پولیس اُس زمانہ میں ایک لِسٹ بنا لیا کرتی تھی کہ یہ یہ اِس مکان میں پایا گیا ہے اور چونکہ اُن دنوں ایک دوسرے پر ظلم ہو رہے تھے وہ بہت رعایت کرتے تھے۔ لِسٹیں عام طور پر ناقص بناتے تھے مثلاً اگر پچاس چیزیں ہوئیں تو چالیس لکھ لیں اور دس رہنے دیں اور کہہ دیا تم لے لو یہ طریق یہاں عام تھا۔ جب ہم وہاں گئے تو مَیں نے حُکم دیا کہ جتنی چیزیں لِسٹ سے زائد ہیں وہ جمع کر کے ایک طرف رکھ دو۔ چنانچہ وہ سب چیزیں رکھ دی گئیں۔ جب وہ حکم لایا تو وہ چیزیں جو لکھی ہوئی تھیں وہ دے دی گئیں۔ پاس سرکاری افسر بھی تھے اور پولیس بھی تھی۔ اِس کے بعد مَیں نے اپنے لڑکوں کو بُلا کر کہا کہ جو چیزیں میں نے الگ رکھوائی تھیں وہ بھی اس کو دیدو۔ وہ مسلمان تھانیدار جو اُن کے ساتھ آیا تھا وہ یہ دیکھ کر میرے ایک لڑکے سے لڑ پڑا اور کہنے لگا آپ لوگ یہ کیا غضب کر رہے ہیں اِن لوگوں نے ہم پر کیا کیا ظلم کئے ہیں اور آپ اِن کی ایک ایک چیز ان کو واپس کر رہے ہیں یہ تو بہت بُری بات ہے مگر اس کے روکنے کے باوجود ہم نے تمام چیزیں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں۔ اُنہی چیزوں میں کچھ زیورات بھی تھے وہ مَیں نے رومال میں باندھ کر ایک الماری میں رکھ چھوڑے جب مَیں نے دیکھا کہ یہ لوگ اُسے چیزیں دینے میں روک بنتے ہیں تو مَیں نے سمجھا کہ زیورات اِن لوگوں کے سامنے دینا درست نہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اُس سے زیور چھین لیں۔ یہ لِسٹوں میں تو ہیں نہیں چنانچہ مَیں نے وہ رومال رکھ لیا اور اُسے کہلا بھیجا کہ جاتی دفعہ مجھ سے ملاقات کرتا جائے۔ میری غرض یہ تھی کہ جب وہ آئے گا تو مَیں علیحدگی میں اُس کے زیورات اُس کے حوالے کر دونگا۔ چنانچہ جب وہ آیا تو مَیں نے رومال نکالا اور کہا یہ تمہارے زیورات تھے جو اِس مکان سے ہمیں ملے اَب مَیں یہ زیورات تم کو واپس دیتا ہوں اور مَیں نے بلایا ہی اِسی غرض کیلئے تھا کیونکہ مَیں سمجھتا تھا کہ اگر مَیں نے لوگوں کے سامنے زیورات واپس کئے تو ممکن ہے سپاہی اور تھانیدار وغیرہ تم سے زیور چھین لیں۔ وہ حیران ہو گیا اور کہنے لگا کہ جو ہماری اپنی لِسٹیں ہیں اُن میں بھی ان زیوروں کا کہیں ذکر نہیں۔ مَیں نے کہا ٹھیک ہے نہیں ہو گا مگر یہ زیور ہمیں تمہارے مکان سے ہی ملے ہیں اِس لئے خواہ لِسٹوں میں اِن

کا ذکر نہ ہو بہر حال یہ تمہارے ہی ہیں۔ اُس پر اِس کا اتنا اثر ہؤا کہ اُس نے وہاں جا کر اخباروں میں اعلان کرایا کہ ہماری لِسٹوں سے بھی زائد سامان ہمیں دیا گیا ہے۔حکومت کی جو لِسٹیں تھیں اس سے ہی زائد سامان نہیں دیا گیا بلکہ جو ہماری لِسٹیں تھیں اُن سے بھی زائد سامان دیا گیا۔ دوسرے دن وہی تھانیدار جو علاقہ کا تھا پھر آیا اور کہنے لگا مَیں نے ملنا ہے۔مَیں نے اُسے بلوالیا اور پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا مجھے تو رات نیند نہیں آئی، میرا خون کھولتا رہا ہے۔ مَیں نے کہا۔ کیوں؟ کہنے لگا آپ کے آدمیوں نے بڑا بھاری ظلم کیا ہے۔اِن کم بختوں نے ہمیں لوٹ کر تباہ کر دیا ہے اور آپ ان سے یہ سلوک کر رہے ہیں۔ کہنے لگا مَیں بھی گورداسپور کا ہی ہوں۔ ہمارے گھر انہوں نے لُوٹ لئے، تباہ کر دیئے وہ تو خیر سرکاری ظلم تھا کہ اس کو لِسٹوں کے مطابق مال دے رہے تھے آخر ساروں کو کب مِل رہا ہے۔مگر ان لوگوں نے تو جو مال لِسٹوں میں نہیں لکھا وہ بھی انہیں لاکر دیا گیا ہے۔مَیں نے کہا مَیں آپ کو ایک نئی بات بتاؤں اِن لوگوں کا کچھ زیور میرے پاس پڑا تھا وہ بھی مَیں نے ان کو دیدیا ہے وہ اُن کی لسٹ میں بھی نہیں تھا۔ کہنے لگا یہ تو بڑا ظلم ہے۔ اتنے ظلم کے بعد آپ کا اِن سے یہ معاملہ میری عقل میں نہیں آتا۔مَیں نے کہا آپ یہ تو فرمایئے آخر مَیں نے اِن کا مال کیوں رکھ لینا تھا؟ کہنے لگا انہوں نے ہمارا مال وہاں رکھا ہے۔مَیں نے کہا اگر تم ثابت کر دو کہ میری کوٹھی کا مال اِس نے رکھا ہے تو مجھے بڑا افسوس ہوگا کہ مَیں نے اُس کو اُس کا مال واپس دے دیا ہے۔لیکن اگر اُس نے نہیں رکھا کسی اَور نے رکھا ہے تو یہ تو بتاؤ کہ کرے کوئی اَور بھرے کوئی، مارے کوئی اور سزا کسی کو دی جائے۔مَیں نے کہا تم عدالت میں یہی کیا کرتے ہو۔ وہ کہنے لگا ہم اس طرح تو نہیں کیا کرتے لیکن یہ تو بُری بات ہے کہ یہ اپنا مال لے جائیں۔مَیں نے کہا لے جائیں۔ یہ تو خدائی مصیبتیں ہیں جو آتی رہتی ہیں۔ انسان گِر کے بھی مر جاتا ہے اور زلزلے آتے ہیں تو بھی تباہ ہو جاتے ہیں کسی انسان پر الزام نہیں آتا۔ بہر حال اِس نے میرا مال نہیں لیا۔جس نے لیا ہے اُس کا مال میرے پاس لاؤ پھر مَیں سوچوں گا کہ رکھ لینا چاہئے یا نہیں چونکہ اِس نے ہمارا مال نہیں رکھا اِسلئے ہم نے بھی اس کا مال نہیں رکھا۔

ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ایک مجسٹریٹ مجھ سے ملنے کیلئے آیا۔ اُس نے کہا میرے دل میں سخت جلن تھی اور مجھے مسلمانوں کے افعال دیکھ کر سخت تکلیف محسوس ہوتی تھی۔مگر مَیں نے لاہور میں آکر آپ کی تقریر سُنی آپ نے یہ بات بتائی تھی کہ ان لوگوں پر ظلم نہیں کرنا

چاہئے انہوں نے کیا قصور کیا ہے۔اُس دن سے میرے دل کو تسلّی ہوگئی۔مَیں نے کہا۔خیر کوئی معقول اور شرعی آدمی بھی میرے اس خیال کی تصدیق کر رہا ہے۔

غرض اسلام جو ہمیں تعلیم دیتا ہے وہ ایسی ہے کہ اس کے ذریعہ سے دشمن انسان کی گردن بھی شرم سے جُھک جاتی ہے لیکن ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ تم اس تعلیم پر عمل کرو کہ جس سے دوست بھی دوست کو ذلیل سمجھنے لگ جائے۔ ہاں اسلام میں یہ بات جائز ہے کہ اگر کوئی جُرم قبیلہ یا علاقہ میں ایسا ہو رہا ہو کہ ثابت ہو جائے کہ علاقہ کے لوگ اُس پر پردہ ڈال رہے ہیں تو سارے علاقہ پر جُرمانہ کر دیا جائے۔

ظلم انسان کو اُخروی سزا کا بھی مستحق بناتا ہے

چہارم۔ یہ حکم گو دُینوی اور سیاسی معلوم ہوتا ہے مگر فرماتا ہے یاد رکھو کہ تمام اعمال اخلاقی پہلو سے رُوح پر اثر ڈالتے ہیں۔ پس اگر غلطی کرو گے تو تقویٰ کو اور دین کو نقصان پہنچے گا۔ پس دشمن کی خاطر نہیں بلکہ اپنے دین کے بچانے کے لئے احتیاط برتو اور کسی پر ظلم نہ کرو۔ اور چونکہ یہ امر تقویٰ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ اِس غلطی کی سزا سیاسی نہیں بلکہ دینی بھی ملے گی اور خدا تعالیٰ اُخروی زندگی میں اِن غلطیوں کو نظر انداز نہیں کرے گا۔تم اگر کسی ہندو پر ظلم کرتے ہو یا کسی عیسائی پر ظلم کرتے ہو یا کسی اپنے عقیدہ سے اختلاف کرنے والے پر ظلم کرتے ہو تو تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مَیں نے اِس دنیا میں ظلم کیا ہے مجھے اِسی جگہ کوئی سزا مِل جائے گی قیامت کے دن خدا نہیں کہے گا کہ تم ظلم کرنے والے مسلمان ہو اور جس پر ظلم کیا جاتا ہے وہ تمہارے نزدیک مسلمان نہیں وہ ہندو کہلاتا ہے یا عیسائی کہلاتا ہے بلکہ خدا کہے گا کہ چونکہ تم نے ضمیر کی حُریّت کو کُچلا اِس لئے مَیں تمہیں سزا دونگا۔

ہر اخلاقی کمزوری مذہب اور روحانیت پر اثر انداز ہوتی ہے

مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنے اعمال کو اکثر اخلاق سے جُدا کر کے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں ایک اچھا نمازی تجارت میں دھوکا کر لیتا ہے۔ بڑا نمازی ہوتا ہے خوب وظیفے کرتا ہے لیکن تجارت میں آکر پھٹا ہوٗا تھان اَور تھانوں میں ملا کر دے دے گا کپڑا ناپے گا تو چند گرہ کم دے گا اور اُسکا ضمیر اُسے بالکل ملامت نہیں کرے گا۔

حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ڈپٹی صاحب تھے جو تہجد بڑی باقاعدگی کے

ساتھ پڑھا کرتے تھے اور رشوت کے لئے انہوں نے نوکروں کو کہا ہؤا تھا کہ اگر کوئی رشوت لایا کرے تو تہجد کے وقت اُس کو لانے کے لئے کہا کرو دن کو لوگوں کو پتہ لگ جاتا ہے۔غرض انہوں نے تہجد باقاعدہ پڑھنی اور نوکر نے بھی اُس کو باقاعدہ لا کر بٹھا دینا۔ جب انہوں نے سلام پھیرنا تو اُس نے کہنا جناب میرا فلاں مقدمہ ہے۔ وہ بڑے غصّے سے کہتے او خبیث بے ایمان! تُو میرا ایمان خراب کرتا ہے۔ تجھے پتہ نہیں کہ یہ رشوت ہے جو حرام ہے اور اسلام میں منع ہے۔ وہ کہتا حضور! آپ ہی میرے ماں باپ ہیں اگر میرے بچّوں کو اور بھائی کو نہیں بچائیں گے تو اَور کون بچائے گا۔ اِس پر وہ کہتے تُو بڑا بے ایمان ہے تو لوگوں کے ایمان خراب کرتا ہے۔ وہ کہتا جی مَیں آپ کے سِوا کس کے پاس گیا ہوں۔ وہ کہتے او خبیث! رکھ مصلّٰی کے نیچے اور جا دُور ہو جا میرے آگے سے۔ پس مصلّٰی کے نیچے رشوت رکھ لینی اور سمجھ لینا کہ اب مصلّٰی کی برکت سے یہ مال پاک ہو گیا ہے اور پھر اُٹھا کے رکھ لینا۔ تو اکثر لوگ اخلاق اور مذہب کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اخلاقی کمزوریاں ہوں تو اس سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر نماز ہم نے پڑھ لی تو اس کے بعد اگر کسی کو تھپّڑ مار لیا یا کسی کا روپیہ لُوٹ لیا یا کسی سے رشوت لے لی یا کسی پر ظلم کر لیا، کسی پر سختی کر لی تو کیا ہے ہم نے نماز تو پڑھ لی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کافی رشوت دے دی ہے اللہ میاں اور ہم سے کیا چاہتا ہے۔ مگر اسلام اِس پر زور دیتا ہے کہ خواہ سیاسی امور ہوں خواہ اقتصادی اپنے محرکات کے لحاظ سے سب کے سب دین کا ہی حصّہ ہوتے ہیں اور دین کو بڑھاتے یا کم کرتے ہیں عبادت کو اچھا یا خراب بناتے ہیں اور قومی کام بھی اِسی طرح اخلاق کی حکومت کے نیچے ہیں جس طرح انفرادی احکام۔

اخلاق کا دائرہ صرف افراد تک محدود نہیں بلکہ قومیں اور حکومتیں بھی اِس میں شامل ہیں!

یہ ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا اصل ہے جس میں اِسلام دوسری قوموں سے بالکل ممتاز ہے اور اسی امر پر عمل کرنے سے دُنیا میں صلح اور امان پیدا ہوتی ہے۔ باوجود اِس کے کہ یورپ انفرادی لحاظ سے انصاف اور آزادی میں ہمارے ملکوں سے بہت بڑھا ہؤا ہے۔ انگلستان میں جو سلوک ایک چور سے کیا جاتا ہے، جو نیک سلوک ایک بدمعاش سے کیا جاتا ہے، جو نیک سلوک ایک ڈاکو سے کیا جاتا ہے، ہم ایک راستباز اور نیک آدمی سے بھی حکومت میں نہیں کرتے۔ غرض انفرادی طور پر وہ لوگ امن اور چین دینے میں بہت بڑھے ہوئے ہیں لیکن

جب حکومت کا معاملہ آتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں یہ تو ڈپلومیسی تھی اِس سے جھوٹ کا کیا تعلّق ہے یہ تو اپنے ملک کی خاطر ایسا کیا گیا ہے۔ اُنکی تاریخوں میں صفحے کے صفحے ایسے نکلیں گے جن میں یہ ذکر ہوگا کہ مَیں نے فلاں وقت یہ جھوٹ بولا ،مَیں نے فلاں وقت یہ جھوٹ بولا اور اس پر فخر کریں گے۔ غرض وہ سمجھتے ہیں کہ اخلاق صرف افراد کیلئے ہیں حکومت کیلئے نہیں لیکن قرآن کہتا ہے کہ قوموں کے لئے بھی اخلاق ہیں، حکومت کیلئے بھی اخلاق ہیں اور افراد کیلئے بھی اخلاق ہیں۔ اگر افراد چاہتے ہیں کہ اُنکے اخلاق درست رہیں، اگر قوم چاہتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہو تو اُسے قومی اور سیاسی طور پر بھی سچ بولنا پڑے گا۔ اُسے قومی اور سیاسی طور پر بھی انصاف کرنا پڑے گا، اُسے قومی اور سیاسی طور پر بھی قوموں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا پڑے گا۔ اور اگر افراد چاہتے ہیں کہ اُن کے ملک محفوظ رہیں اور اُن کی عزّت قائم رہے تو انہیں انفرادی حقوق کے علاوہ قومی طور پر بھی حقوق ادا کرنے پڑیں گے۔ تو یہ نمایاں فرق ہے اسلام میں اور دوسرے مذاہب میں۔ دوسرے مذاہب میں یہ بات نہیں۔ ابھی حال میں ایک سیاسی لیڈر نے کسی جگہ پر بیان دیا ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ سیاسی لیڈروں کو جھوٹ بولنے کا حق ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے تو علماء کو بھی یہ حق کیوں نہیں دیا جاتا۔

اسلام کے لڑائیوں کے بارہ میں تفصیلی احکام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس تعلیم کی جو تشریح فرمائی ہے وہ اُن احکام سے ظاہر ہے جو آپؐ اُسوقت دیتے تھے جب آپؐ کسی کو کمانڈر بنا کر جنگ پر بھجواتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو جنگ پر بھیجتے تھے تو آپؐ اُسے نصیحت فرماتے تھے کہ تقویٰ اللہ اختیار کرو اور مسلمانوں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور فرماتے تھے اُغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ وفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ[۴۵] اللہ کا نام لیکر اللہ کی خاطر جنگ کیلئے جاؤ قَاتِلُوْا مَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ[۴۶] جو شخص اللہ کا کفر کرتا ہے اُس سے لڑو۔ اِس کے یہ معنے نہیں جس طرح بعض علماء غلط طور پر لیتے ہیں کہ تم کافروں سے لڑو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے تم سے لڑائی کی ہے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اُس سے لڑائی جائز نہیں۔ لڑائی کیلئے تو حکم ہے کہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ یعنی جنگ کے لئے نکلنے کی تب اجازت دی گئی ہے جب تم سے پہلے لڑائی کی جائے۔ اس لئے کَفَرَ بِاللّٰهِ اس کے بعد جا کر لگے گا۔ اگر کسی شخص نے لڑائی شروع کر دی مگر جب تمہارا لشکر پہنچا تو اُس نے اسلام کا اعلان کر دیا تو وہ ظلم ختم ہو گیا اب تم کو

اُس سے لڑنے کی اجازت نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ کافر ہے اور اُس نے لڑائی نہیں کی تو اُس سے جا کر لڑ پڑو۔

وَ لَا تَغُلُّوْا [47] اور قطعی طور پر مالِ غنیمت میں خیانت یا سرقہ سے کام نہ لو۔

وَ لَا تَغْدِرُوْا [48] اور بدعہدی نہ کرو، کسی کو دھوکا مت دو۔

اوّل تو مالِ غنیمت میں کسی قسم کی ناجائز دست اندازی نہ کرو اور پھر جو سزا دو یا اُن سے وعدے کرو اُن کو کسی بہانے سے توڑنا نہیں۔ انگریزی حکومت سب جگہ اِسی طرح پھیلی ہے۔ پہلے چھوٹا سا معاہدہ کر لینا کہ چھاؤنی رہے گی اور ایک افسر رہے گا۔ پھر کہا کہ ہمارے فلاں سپاہی کو تمہارے آدمیوں نے چھیڑا ہے اِس لئے اِرد گرد بھی سات آٹھ گاؤں پر ہم اپنا قبضہ رکھیں گے تا تمہارے لوگ ہمارے آدمیوں کو کچھ کہیں نہیں۔ پھر اس کے بعد یہ کہہ دیا کہ ہمارے آدمی جو اِرد گرد رکھے گئے تھے اُنکے ساتھ تمہارے آدمی لڑ پڑے ہیں اس لئے ہم مجبور ہیں کہ دارالخلافہ پر اپنا قبضہ رکھیں تا فساد نہ ہو۔ پھر کہہ دیا تم نے فلاں حُکم دیدیا ہے اِس سے ملک میں بغاوت پیدا ہوتی ہے اور بغاوت کا ہم پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے اِس لئے آئندہ جو حُکم دیا کریں ہم سے پوچھ کر دیا کریں۔

وَ لَا تَمْثِلُوْا [49] اور مُثلہ کے معنے ہوتے ہیں مرے ہوئے کے ناک کان کاٹ ڈالنا۔ فرماتا ہے کفار اپنی رسم کے مطابق اگر مسلمان مقتولین کے ناک کان بھی کاٹ دیں تو تم اُنکے مُردوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا کرو۔

وَ لَا تَقْتُلُوْا وَلِیْدًا۔ [50] اور کسی نابالغ بچّے کو مت مارا کرو۔ یعنی صرف جنگی اور سیاسی سپاہی کو مارو جو لڑنے کے قابل نہیں ابھی نابالغ ہے اُسے نہیں مارنا کیونکہ وہ بِالبداہت جنگ میں شامل نہیں ہوا اور اسلامی تعلیم کے مطابق صرف اُسی کے ساتھ لڑائی کی جا سکتی ہے جو لڑائی میں شامل ہوا ہو۔

اب اِس کے مقابل پر جو کچھ پارٹیشن میں ہوا وہ کیا ہوا کس طرح سینکڑوں بلکہ ہزاروں بچہ مارا گیا۔ یہ ایک انتہاء درجہ کا ظلم تھا جو۔ کیا گیا۔ اِس طرف کم اور اُدھر زیادہ مگر ہوا دونوں طرف۔ مجھے یاد ہے لاہور میں ایک رات کو آوازیں آئیں مَیں نے اپنے دفتر کا ایک آدمی بُلوایا اَور کہا جاؤ پتہ کرو معلوم ہوتا ہے کسی پر ظلم ہو رہا ہے۔ وہ دَوڑ کر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا کہنے لگا ایک ہندو تھا جسے مسلمانوں نے گھیر لیا تھا اور اُس کو مارنے لگے تھے۔ مَیں نے

کہا پھر تم نے اُس کو بچایا کیوں نہیں؟ اُس نے کہا میں آپ کو خبر دینے آیا ہوں میں نے کہا وہ تو اب تک اُسے مار چکے ہونگے جاؤ جلدی۔ چنانچہ جب وہ واپس گیا تو اُس نے کہا کہ وہ سڑک پر مَرا ہؤا پڑا تھا مگر اُس طرف اِس سے کئی گُنا زیادہ ظلم ہؤا ہے۔ہم جس زمانہ میں اُدھر تھے اور یہ لڑائیاں ہو رہی تھیں تو ہمیں پتہ لگتا رہتا تھا کہ کس طرح سے مسلمان مارے جا رہے ہیں، لڑکے مارے جاتے تھے، عورتیں ماری جاتی تھیں اور قسم قسم کے مظالم کئے جاتے تھے۔

پنڈت نہرو سے ملاقات کا واقعہ

چنانچہ جب پارٹیشن ہوئی تو مَیں جو پہلے اِس طرف آیا ہوں تو اِسی غرض سے آیا تھا کہ پنڈت نہرو صاحب یہاں آئے ہوئے تھے۔مَیں نے سمجھا کہ اُس سے جا کر بات کروں کہ یہ کیا ظلم ہو رہا ہے۔ سردار شوکت حیات صاحب کے ہاں وہ ٹھہرے تھے مَیں نے انہیں ملنے کے لئے لکھا تو انہوں نے وقت دے دیا۔مَیں نے اُن سے کہا ہم قادیان میں ہیں گاندھی جی اور قائداعظم کے درمیان یہ سمجھوتا ہؤا ہے کہ جو ہندو اِدھر رہے گا وہ پاکستانی ہے اور جو مسلمان اُدھر رہ جائے وہ ہندوستانی ہے اور اپنی اپنی حکومت اپنے اپنے افراد کو بچائے اور وہ لوگ حکومت کے وفادار رہیں۔ قائداعظم اور گاندھی جی کے اِس فیصلہ کے مطابق ہم چونکہ ہندوستان میں آ رہے ہیں اِس لئے ہم آپ کے ساتھ وفاداری کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ ہمیں ہندوستانی بنائیں اور رکھیں۔ وہ کہنے لگے ہم تو رکھ رہے ہیں۔مَیں نے کہا کہ آپ کیا رکھ رہے ہیں فسادات ہو رہے ہیں، لوگ مار رہے ہیں قادیان کے اِرد گِرد جمع ہو رہے ہیں مسلمانوں کو مارا جا رہا ہے۔ کہنے لگے آپ نہیں دیکھتے اِدھر کیا ہو رہا ہے؟ مَیں نے کہا اِدھر جو ہو رہا ہے وہ تو مَیں نہیں دیکھ رہا مَیں تو اُدھر سے آیا ہوں۔لیکن فرض کیجیئے اِدھر جو کچھ ہو رہا ہے ویسا ہی ہو رہا ہے تب بھی مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہاں کا جو ہندو ہے وہ تو پاکستانی ہے اور اُس کی ہمدردی پاکستان گورنمنٹ کو کرنی چاہیئے ہم ہیں ہندوستانی، آپ کو ہماری ہمدردی کرنی چاہیئے اِس کا کیا مطلب کہ یہاں کے ہندوؤں پر سختی ہو رہی ہے تو آپ وہاں کے مسلمانوں پر سختی کریں گے؟ کہنے لگے آپ جانتے نہیں لوگوں میں کتنا جوش پھیلا ہؤا ہے۔مَیں نے کہا آپ کا کام ہے کہ آپ اِس جوش کو دبائیں۔ بہر حال اگر آپ مسلمانوں کو رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو اُنکی حفاظت کرنی پڑیگی۔ وہ کہنے لگے ہم کیا کر سکتے ہیں۔لوگوں کو جوش اس لئے آتا ہے کہ آپ کے پاس ہتھیار ہیں آپ انہیں کہیں کہ جو ہتھیار ناجائز ہیں وہ چھوڑ دیں۔مَیں نے کہا آپ یہ تو فرمایئے

مَیں اُن کا لیڈر ہوں اور مَیں انہیں کہتا رہتا ہوں کہ جُرم نہ کرو، شرارتیں نہ کرو، فساد نہ کرو، اگر کسی نے ناجائز ہتھیار رکھا ہوا ہے تو کیا وہ مجھے بتا کر رکھے گا۔ مَیں تو انہیں کہتا ہوں جُرم نہ کرو پس وہ تو مجھ سے چھپائے گا اور جب اُس نے اپنا ہتھیار مجھ سے چھپایا ہوا ہے تو مَیں اُسے کیسے کہوں کہ ہتھیار نہ رکھے۔ کہنے لگے آپ اعلان کر دیں کہ کوئی احمدی اپنے پاس ہتھیار نہ رکھے۔ مَیں نے کہا اگر مَیں ایسا کہوں تو میری جماعت تو مجھے لیڈر اِسی لئے مانتی ہے کہ مَیں معقول آدمی ہوں۔ وہ مجھے کہیں گے صاحب! ہم نے آپ کو معقول آدمی سمجھ کے اپنا لیڈر بنایا تھا یہ کیا بیوقوفی کر رہے ہیں کہ چاروں طرف سے ہندو اور سکھ حملہ کر رہے ہیں اور مار رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ تم اپنے پاس کوئی ہتھیار نہ رکھو آپ یہ بتائیں کہ ہم جان کیسے بچائیں گے؟ کہنے لگے۔ کہئیے ہم بچائیں گے، حکومت بچائے گی۔ جب انہوں نے کہا حکومت بچائے گی تو مَیں نے کہا بہت اچھا۔ مَیں اُسوقت اپنے ساتھ تمام علاقہ کا نقشہ لے کر گیا تھا۔ مَیں نے کہا قادیان کے گرد ۸۰ گاؤں پر حملہ ہو چکا ہے جو ہندوؤں اور سکھوں نے جلا دیئے ہیں اور لوگ مار دیئے ہیں۔ مَیں یہ نقشہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جب مَیں اُن سے کہوں گا کہ دیکھو! اپنے پاس ہتھیار نہ رکھو کیونکہ حکومت تمہیں بچائے گی تو وہ کہیں گے کہ سب سے آخری گاؤں جو حد پر تھا جس پر حملہ ہوا تو کیا گورنمنٹ نے اُسے بچایا۔ مَیں کہوں گا ارے گورنمنٹ خدا تھوڑی ہی ہے۔ اُسے آخر آہستہ آہستہ پتہ لگتا ہے کچھ عقل کرو دو چار دن میں گورنمنٹ آ جائے گی۔ پھر وہ اگلے گاؤں پر ہاتھ رکھیں گے تین دن ہوئے یہ گاؤں جلا تھا کیا گورنمنٹ نے مسلمانوں کو کوئی امداد دی؟ مَیں کہوں گا خیر کچھ دیر تو لگ جاتی ہے تو وہ اگلے گاؤں پر ہاتھ رکھیں گے اچھا ہم مان لیتے ہیں کہ کچھ دیر لگنا ضروری ہے مگر اس گاؤں پر حملہ کے وقت حکومت نے حفاظت کا انتظام کیوں نہ کیا۔ مَیں نے کہا یہ ۸۰ گاؤں ہیں۔ ۸۰ گاؤں پر پہنچ کر وہ مجھے فاترالعقل سمجھنے لگ جائیں گے یا نہیں کہ جتنے گاؤں ہم پیش کر رہے ہیں اُن میں سے کسی پر بھی حملہ ہوا تو حکومت نہیں آئی۔ شرمندہ ہو گئے اور کہنے لگے مَیں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ امن قائم رکھوں گا۔ مَیں نے کہا کتنی دیر میں؟ کہنے لگے پندرہ دن میں۔ پندرہ دن میں ریلیں بھی چلا دیں گے تاریں بھی کُھل جائیں گی، ڈاکخانے بھی کُھل جائیں گے اور ٹیلیفون بھی جاری ہو جائے گا۔ آپ چند دن صبر کریں۔ مَیں نے کہا۔ بہت اچھا ہم صبر کر لیتے ہیں لیکن جب پندرہ دن ختم ہوئے تو آخری حملہ قادیان پر ہوا۔ جس میں سب لوگوں کو نکال دیا گیا۔ پھر ان

حملوں میں بچے مارے گئے اور ایسے ایسے ظالمانہ طور پر قتل کئے گئے کہ بچوں کے پیٹوں میں نیزے مار مار کے انہیں قتل کیا گیا۔ ہم نے اُسوقت تصویریں لی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ بچوں کے ناک کاٹے ہوئے ہیں کان چرے ہوئے ہیں پیٹ چرا ہوا ہے انتڑیاں باہر نکلی ہوئی ہیں اور وہ تڑپ رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے چھ چھ مہینہ کے اور سال سال کے تھے جن پر یہ ظلم کیا گیا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا تَقْتُلُوْا وَلِیْدًا اِن لوگوں نے تمہارے بچوں کو مارا ہے اِن لوگوں نے تمہاری عورتوں کو مارا ہے، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ایک مسلمان عورت کا ایک پَیر ایک اونٹ سے باندھ دیا اور دوسرا پاؤں دوسرے سے باندھ دیا اور پھر دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف چلا دیا تھا اور پھر چیر کے مار ڈالا تھا، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمان عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار مار کر اُن کو مارا تھا، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی پر جب کہ وہ مدینہ جانے لگیں اور وہ حاملہ تھی حملہ کیا اور اونٹ کی رسّی کاٹ دی جس سے وہ زمین پر گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا اور پھر وہ مدینہ میں فوت ہو گئیں، یہ وہ لوگ تھے جن سے بدلہ لینے کے لئے مسلمان نکلے تھے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک انہوں نے بچوں کو مارا تھا لیکن تم نے نہیں مارنا، انہوں نے غیر لڑنے والوں کو مارا تھا لیکن تم نے نہیں مارنا۔

سیرۃ حلبیہ میں اِس کے علاوہ یہ نصیحت بھی درج ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لَا تَقْتُلُوا امْرَاَۃً [۵۱] عورت کو بھی نہیں مارنا۔ پھر فرمایا و لا کبیرا فانیًا [۵۲] کسی بڈھے کو نہیں مارنا۔ پھر فرمایا وَلَا مُعْتَزِلًا بِصَوْمَعَۃٍ [۵۳] کوئی عبادت گذار ہو مسجدوں یا تکیوں میں بیٹھا ہوا ہو اُس کو بھی نہیں مارنا۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو نہ مارنے کا حکم دیا ہے مگر یہاں گیانی چُن چُن کر مارے گئے اور وہاں مولوی چُن چُن کر مارے گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان کو نہیں چھیڑنا یہ تو خدا کا نام لے رہے ہیں۔ کیا تم خدا کا نام مٹانا چاہتے ہو؟ چاہے کسی طرح لیتے ہیں لیکن لیتے تو خدا کا نام ہیں اسلئے اِن کو نہیں چھیڑنا۔

پھر فرماتے ہیں۔ وَلَا تَقْرَبُوْا نَخْلًا۔[۵۴] کھجور کے درخت کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یعنی اُنکو نہ کاٹ دینا کہ کسی طرح دشمن کو تباہ کریں کیونکہ تم اُن کو تباہ کرنے نہیں جا رہے صرف اُن کے ضرر کو دُور کرنے کے لئے جا رہے ہو تمہارا یہ کام نہیں کہ اُن کی روزی بند کر دو۔ پھر فرمایا وَلَا تَقْطَعُوْا شَجَرًا [۵۵] بلکہ کوئی درخت بھی نہ کاٹو۔ کیونکہ مسافر بیچارہ اس کے نیچے

پناہ لیتا ہے، غریب بے چارے اُس کے سایہ میں بیٹھتے ہیں اور تم لوگ لڑنے والوں سے لڑنے کے لئے جارہے ہو۔ اِس لئے نہیں جارہے کہ وہ قوم سایہ سے بھی محروم ہو جائے اِس لئے اُن کو نہیں کاٹنا۔ پھر فرمایا۔ وَلَا تَھْدِمُوْا بِنَاءً[۵۶] کوئی عمارت نہ گرانا کیونکہ ان کے گرانے سے لوگ بے گھر ہو جائیں گے اور ان کو تکلیف ہوگی۔

اب دیکھو پچھلے فسادات میں کتنے مکان جلائے گئے۔ لاہور میں ہزاروں مکان جلائے گئے، امرتسر میں ہزاروں مکان مسلمانوں کے جلائے گئے، بلکہ کوئی شہر بھی ایسا نہیں جس میں مسلمانوں کے مکانات دس بیس یا تیس فیصدی نہ جلائے گئے ہوں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَا تَھْدِمُوْا بِنَاءً۔ ایک مکان بھی تم کو گرانے کی اجازت نہیں کیونکہ تم اس لئے نہیں جارہے کہ لوگوں کو بے گھر کردو بلکہ اسلئے جارہے ہو کہ ظلم کا ازالہ کرو اس سے آگے تم نے کوئی قدم نہیں اُٹھانا۔

اِسی طرح آپؐ کی دوسری ہدایات میں ہے کہ ملک میں ڈر اور خوف پیدا نہ کرنا۔ فوجیں جاتی ہیں تو اُن کی یہی غرض ہوتی ہے کہ لوگوں کو وہ اتنا ڈرائیں کہ اُن کی جان نکل جائے۔

جنرل ڈائر کے ہندوستانیوں پر مظالم

چنانچہ ۲۰-۱۹۱۹ء میں امرتسر میں ایک جگہ پر کسی عیسائی عورت کو کسی ہندوستانی نے ذرا سا مذاق کردیا۔ اُس وقت انگریزی حکومت نے جنرل ڈائر کو مقرر کیا اور اُس نے حکم دیا کہ ہر شریف سے شریف اور بڑے سے بڑا آدمی یہاں سے گزرے تو گھسٹتا ہؤا جائے۔ بڑے بڑے لیڈروں کو سپاہی پکڑ کر گرا دیتے تھے اور اُسے کہتے تھے کہ یہاں سے گھسٹتا ہؤا چل۔ پھر مُجرم پیش ہوتے تھے تو انہیں بغیر کسی تحقیق کے بڑی بڑی سزائیں دی جاتیں تا لوگوں میں خوف پیدا ہو۔

ایک انگریز مجسٹریٹ کا واقعہ

ہمارے ساتھ ایک عجیب واقعہ گزرا۔ ایک شخص نے انگریز آفیسر سے لڑائی کی تھی۔ مسٹر مانٹیگو جو پہلے وزیرِ ہند تھے انہوں نے خود ذکر کیا کہ یہاں ایک انگریز افسر تھا وہ کسی سے ذرا تُرش کلامی سے بولا تھا تو ہم نے اُسے پہلی سزا دی تھی۔ اِس سے پہلے کسی افسر کو سزا نہیں دی تھی۔ وہی اُن دنوں بدل کے وزیرآباد میں لگا تھا۔ حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی شہر میں اچھا رسوخ رکھتے تھے اور لوگوں کے ساتھ اُن کا حُسنِ سلوک تھا۔ مسلمانوں میں سے اکثر اُن کے شاگرد تھے اور ہندو

بھی اُن کا بڑا ادب کرتے تھے۔ وہ گلی میں سے گزر رہے تھے اور اُس دن رولٹ ایکٹ کے خلاف جلسہ ہو رہا تھا۔ ہندو مسلمان اکٹھے ہو کر کہہ رہے تھے کہ بائیکاٹ کرو، ہڑتالیں کرو، یہ کرو وہ کرو۔ پاس سے یہ گزرے تو لوگوں نے کہا۔ آیئے آیئے مولوی صاحب! آپ نے نہیں تقریر کرنی۔ انہوں نے کہا مَیں نے تو تمہارے خلاف تقریر کرنی ہے اگر تم نے وہ تقریر سُن لینی ہے تو چلو۔ انہوں نے کہا۔ ہمیں یہ بھی منظور ہے آپ خدا کے لئے ضرور تشریف لے چلیں۔ وہاں کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا۔ تم ہڑتال کا وعظ کر رہے ہو لیکن تم نے سال سال کا غلّہ گھر میں رکھا ہوا ہے، ہڑتال کر کے تمہارا کیا نقصان؟ روٹی تمہارے گھر میں موجود ہے، ایندھن تمہارے گھر میں موجود ہے، بھینسیں تمہارے گھروں میں ہیں، گھی تمہارے گھر میں موجود ہے، مصالحہ تمہارے گھروں میں ہے، دالیں تمہارے پاس موجود ہیں تین دن بھی ہڑتال ہوئی تو تمہیں پتہ نہیں لگے گا۔ لیکن وہ بیوہ عورت جو چکّی پیس کر شام کو کھانا کھاتی ہے اُس کا کیا بنے گا تمہاری اس ہڑتال سے وہ مرے گی تمہارا تو نقصان نہیں۔ یہ کہہ کے بیٹھ گئے۔ انہوں نے اِس کو برداشت کر لیا اور کہا اچھی بات ہے ہم ہڑتال نہیں کریں گے۔ جب رولٹ ایکٹ کے بعد ہر جگہ مجسٹریٹ مقرر کئے گئے اور مُجرم پکڑے گئے تو اُن کا نام بھی پولیس نے ڈائریوں میں بھیجا کہ انہوں نے تقریر کی تھی لیکن آگے لکھا کہ انہوں نے تقریر یہ کی کہ ہڑتال نہیں کرنی چاہئے اِس سے ملک کو نقصان پہنچے گا۔ حافظ صاحب بھی مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوئے۔ اُس نے کہا۔ آپ نے تقریر کی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم تو حکومت کی تائید میں ہیں حافظ صاحب نے کہا۔ مَیں نے تقریر کی تھی مگر....... اُس نے کہا ہم مگر وگر نہیں جانتے چھ مہینے قید۔ انہوں نے کہا۔ مَیں تو............ کہنے لگا۔ مَیں مَیں کوئی نہیں۔ تم نے تقریر کی چھ مہینے قید۔ مجھے پتہ لگا تو مَیں نے گورنر کے پاس اپنا آدمی بھجوایا اور مَیں نے کہا۔ ایسے احمق تم لوگ ہو کہ وہ تو یہ تقریر کرتے ہیں کہ ہڑتال نہ کرو اور لوگوں کو سمجھاتا ہے اور تم اُس کو بجائے انعام دینے کے سزا دیتے ہو۔ خیر یہ ایسی حیرت انگیز بات تھی کہ آدمی نے مجھے بتایا کہ چیف سیکرٹری نے اُسی وقت تار کے ذریعہ پولیس کی ڈائری منگوائی۔ مسل میں دیکھا تو لکھا تھا کہ تقریر یہ کی کہ تم کیوں ہڑتالیں کرتے ہو اِس سے بیوائیں اور غریب مارے جاتے ہیں۔ اِس پر اُس نے تار کے ذریعہ احکام دیئے کہ مولوی صاحب کو چھوڑ دیا جائے اور سمتھ کو اُس نے ڈسمس کر دیا کہ تم انگلینڈ واپس چلے جاؤ۔ تو یہ حال تھا کہ یہ پوچھنا بھی پسند نہ کیا تقریر کی کیا؟ بس تقریر کرنا کافی ہے چھ مہینے قید۔ لیکن

اسلام کہتا ہے کہ ڈرانا نہیں۔

ایامِ غدر میں انگریز افسروں کی بربریّت

غدر کے واقعات دیکھ لو وہاں بھی تخویف ہی نظر آتی ہے۔ ہماری نانی اماں سنایا کرتی تھیں کہ غدر کے وقت مَیں چھوٹی تھی۔ میرے والد بیمار ہو گئے فوج میں ملازم تھے لیکن اُن دنوں بیمار تھے اور ڈیڑھ ماہ سے چارپائی سے نہیں اُٹھے تھے میری پانچ چھ سال کی عمر تھی، ہلدی کی طرح اُن کی شکل ہوگئی تھی چارپائی پر پڑے تھے۔ جب انگریز فوج آئی یکدم سپاہی اور انگریز افسر اندر آئے اور وہ اسی طرح گھروں میں گُھستے تھے ساتھ کچھ ہندوستانی جاسوس لئے ہوئے تھے افسر نے کہا یہاں کوئی ہے؟ انہوں نے میرے باپ کی طرف اُنگلی اُٹھائی کہ یہ بھی لڑائی میں شامل تھا۔ انہوں نے کہا مَیں تو بیمار پڑا ہوں کہیں گیا ہی نہیں اِس پر افسر نے پستول نکالا اور اُسی وقت انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحابیؓ پر شدید ناراضگی

لیکن وہاں یہ حکم ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عزیز اور آپؐ کا ایک مقرّب صحابیؓ ایک جنگ پر جاتا ہے اور جب وہ ایک شخص کو مارنے لگتا ہے تو وہ کہتا ہے صَبَوْتُ مَیں صابی ہو گیا ہوں۔ وہ لوگ اسلام کا نام نہیں جانتے تھے اور مسلمانوں کو صابی کہتے تھے۔ صَبَوْتُ کا یہ مطلب تھا کہ مَیں مسلمان ہوتا ہوں۔ غرض وہ اسلام سے اتنا ناواقف تھا کہ نام بھی نہیں جانتا تھا۔ کہنے لگا صَبَوْتُ۔ مگر انہوں نے اُس کو مار ڈالا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا۔ تم نے اُسے کیوں مارا۔ انہوں نے کہا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اُسے تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ اسلام کیا ہوتا ہے۔ اُس نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ صَبَوْتُ۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا اسکو نہیں پتہ تھا کہ اسلام کا نام کیا ہے لیکن اس کا مطلب تو یہی تھا کہ مَیں اسلام میں داخل ہوتا ہوں۔ تم نے اس کو کیوں مارا؟ انہوں نے کہا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مَیں نے مارا اِس لئے کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا تُو قیامت کے دن کیا کرے گا جب خدا تجھ سے کہے گا کہ اِس شخص نے یہ کہا اور پھر بھی تُو نے اُسے قتل کر دیا۔ اسامہؓ آپ کے نہایت ہی محبوب تھے۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس ناراضگی کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا۔ اے کاش! مَیں اس سے پہلے کافر ہوتا اور آج مَیں

نے اسلام قبول کیا ہوتا تا کہ مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا مورد نہ بنتا۔[۵۷]
اب کُجا یہ احتیاط کا حکم اور کُجا یہ کہ یونہی مارے چلے جاتے ہیں تا کہ سارے ملک میں خوف اور ڈر پیدا کر دیا جائے۔

اسلام کی طرف سے مفتوحہ ممالک کیلئے سہولتیں مہیّا کرنے کا حُکم

اِسی طرح فرماتے ہیں کہ جب مفتوحہ ممالک میں جاؤ تو ایسے احکام جاری کرو جن سے لوگوں کو آسانی ہو تکلیف نہ ہو۔ اور فرمایا جب لشکر سڑکوں پر چلے تو اِس طرح چلے کہ عام مسافروں کا راستہ نہ رُکے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں ایک دفعہ لشکر اِس طرح نکلا کہ لوگوں کے لئے گھروں سے نکلنا اور راستہ پر چلنا مشکل ہو گیا۔ اِس پر آپ نے منادی کروائی کہ جس نے مکانوں کو بند کیا یا راستہ کو روکا اُس کا جہاد جہاد ہی نہیں ہوا۔[۵۸]

دُنیوی نوبت خانوں کے ذریعہ سپاہیوں میں جنونِ جنگ پیدا کرنے کی کوشش

دنیا کے نوبت خانے جنونِ جنگ پیدا کرنے کیلئے اور سپاہ میں جوش پیدا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ اِس لئے کبھی دشمن کے مظالم سُنائے جاتے ہیں کبھی یہ بتایا جاتا ہے کہ گویا اس سے ملک کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ کہیں اپنی سپاہ کی تعریف کے پُل باندھے جاتے ہیں کہ وہ یوں ملک کے ملک تسخیر کرے گی۔ کبھی فتح کے وقت سپاہیوں کو لوٹ مار کی تلقین کی جاتی ہے تا کہ اُن کے حوصلے بڑھیں۔ کبھی اُن کے ظلم پر پردہ ڈالا جاتا ہے غرض ایک دیوانگی پیدا کی جاتی ہے۔

اِسلام جنون اور وحشت کو دُور کرتا ہے

مگر اسلامی نوبت خانہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے وہ ایسے اعلان کرتا ہے کہ جس سے جُنون کم ہو اور وحشت دُور ہو۔ مگر باوجود اس کے وہ ایسے اخلاقی معیاروں پر انہیں لے جاتا ہے کہ اُن کے حوصلے شیروں اور بازوں سے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ اسلام کہتا ہے تم کو مکان روکنے کی اجازت نہیں، تم کو سڑکیں روکنے کی اجازت نہیں، تم کو سختی کی اجازت نہیں، تم کو عورتوں کے مارنے کی اجازت نہیں، تم کو بچوں کے مارنے کی اجازت نہیں، تم کو بُڈّھوں کے مارنے کی اجازت نہیں، تم کو عام شہریوں کو مارنے کی اجازت نہیں، تم کو بدعہدی کرنے کی اجازت نہیں، تم کو پادریوں اور پنڈتوں اور گیانیوں کو مارنے کی اجازت نہیں، تم کو درخت کاٹنے کی اجازت

نہیں۔ گویا اُس کو ہیجڑا بنا کے رکھ دیتا ہے اور پھر اُمید رکھتا ہے کہ جا اور دشمن کو فتح کر اور پھر اُسکا نقشہ کھینچتا ہے کہ چونکہ ہم نے اُس کو جن باتوں سے روکا ہے وہ سب غیر اخلاقی ہیں اور اُس کی ذہنیت ہم نے اخلاقی بنا دی ہے اس لئے باوجود اسے غیر اخلاقی باتوں سے روکنے کے اُسکی بہادری میں فرق نہیں پڑا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ[59] اُن میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے شہید ہو کر اپنے گوہرِ مقصود کو پا لیا اور وہ لوگ بھی ہیں جو ابھی اِس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب انہیں خدا تعالیٰ کے راستہ میں قربان ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو! تم کہتے ہو کہ شرابیں ہم اس لئے پلاتے ہیں تا ہمارا سپاہی پاگل ہو جائے۔ تم کہتے ہو ہم اُسے لُوٹنے کی اس لئے اجازت دیتے ہیں کہ اُس کے اندر جوشِ جنون پیدا ہو اور رغبت پیدا ہو ہم اس لئے جھوٹی خبریں مشہور کرتے ہیں تا دشمن بدنام ہو۔

جنگِ عظیم میں جرمنوں کے خلاف انگریزوں کا جھوٹا پروپیگنڈہ

مثلاً انگلستان میں مشہور کیا گیا کہ جرمن میں جو صابن استعمال ہوتا ہے وہ سب انگریز مُردوں کی چربی سے تیار کیا گیا ہے۔ بعد میں مَیں نے انگریزوں کی کتابیں پڑھیں تو اُن میں لکھا تھا کہ یہ جھوٹ ہم نے اِس لئے بولا کہ تا لوگوں میں جوش پیدا ہو۔ اِسی طرح کہا گیا کہ جرمن والے جو جہاز ڈبوتے ہیں اُن میں ڈوبنے والے سپاہیوں پر بڑی سختیاں کرتے ہیں اور انہیں مارتے ہیں اور اس خبر کو بھی خوب پھیلایا گیا۔ جب جنگ ختم ہوگئی تو انگریزی نیوی نے ایک ڈھال تحفہ کے طور پر جرمن آبدوز کشتیوں کے افسر کو بھجوائی اور لکھا کہ ہم اس یادگار میں یہ تحفہ تم کو بھجواتے ہیں کہ جنگ کے دِنوں میں تم نے ہم سے نہایت شریفانہ سلوک کیا۔ تو یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے بعد میں انہوں نے خود مانا کہ ہم نے یہ جھوٹ اس لئے بولا تھا کہ قوم میں جرمنی کے خلاف غم و غصّہ پیدا ہو۔ مگر اسلام سچائی کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے لَا يَجۡرِ مَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِ لُوۡا اِعۡدِ لُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى۔ کوئی قوم کتنی ہی دشمنی کرے تم نے اُس پر جھوٹ نہیں بولنا، تم نے اُس پر افتراء نہیں کرنا، تم نے اُس پر الزام نہیں لگانا بلکہ سچ بولنا ہے۔ ہاں زیادہ سے زیادہ تم اتنا کر سکتے ہو کہ جتنا انہوں نے کیا ہے اتنا تم بھی کر لو، اِس سے زیادہ نہیں لیکن اس صورت میں بھی اگر وہ مثلاً تمہارے ناک کان کاٹتے ہیں، تمہاری عزّت پر حرف لاتے ہیں تو تم مارنے کے تو جنگ میں مجاز ہو لیکن تمہیں یہ اجازت نہیں کہ مُردہ ناک کان کاٹو کیونکہ مُردہ کی زندگی

اب ختم ہو چکی ہے۔ تم زندہ سے اپنا بدلہ لے سکتے ہو مُردہ سے بدلہ لینے کی تم کو اجازت نہیں۔

حضرت مالکؓ کی غیر معمولی شجاعت اور اُن کا واقعہ شہادت

پھر فرماتا ہے چونکہ ہم نے اخلاقی بنیادوں پر مسلمانوں کو قائم کر دیا ہے اسلئے مسلمان سپاہی ایسا ہے کہ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ کوئی تو ایسا ہے کہ اُس نے اپنے وعدے پورے کر دیئے ہیں اور کوئی ابھی انتظار میں ہے کہ جب بھی موقع ملے گا میں اپنا سب کچھ قربان کر کے پھینک دونگا۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ بدر کی جنگ کے بعد جب صحابہؓ نے آ کر بیان کیا کہ لڑائی ہوئی تو ہم یُوں لڑے اور ہم نے یوں بہادری دکھائی تو ایک صحابیؓ جن کا نام مالکؓ تھا وہ اتفاقاً لڑائی میں نہیں گئے تھے کیونکہ بدر کی جنگ میں جانے کا سب کو حکم نہیں تھا۔ جب وہ یہ باتیں سنتے تھے تو انہیں غصّہ آ جاتا تھا اور وہ مجلس میں ٹہلنے لگ جاتے تھے اور کہتے تھے کیا ہے یہ لڑائی جس پر تم فخر کرتے پھرتے ہو موقع مِلا تو ہم دکھائیں گے کہ کِسطرح لڑا جاتا ہے۔ اَب بظاہر غرور کرنے والا آدمی بُزدل ہوُا کرتا ہے مگر وہ اخلاص سے کہتے تھے۔ جب اُحد کا موقع آیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی لڑنے کا موقع دے دیا جب فتح ہو گئی تو چونکہ وہ بھوکے تھے کھانا انہوں نے نہیں کھایا تھا چند کھجوریں اُن کے پاس تھیں جنگ کے میدان سے پیچھے آ کر انہوں نے ٹہلتے ٹہلتے کھجوریں کھانی شروع کیں۔ اتنے میں پیچھے سے خالد نے آ کر حملہ کیا اور اسلامی لشکر اس اچانک حملہ سے تِتّر بِتّر ہو گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر مشہور ہو گئی کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ پیچھے آ کے ایک پتّھر پر بیٹھ کر رونے لگ گئے۔ مالک ٹہلتے ٹہلتے جو وہاں پہنچے تو کہنے لگے عمرؓ! تمہاری عقل ماری گئی ہے خدا نے اسلام کو فتح دی، دشمنوں کو شکست دی اور آپ ابھی رو رہے ہیں۔ عمرؓ کہنے لگے مالکؓ! تمہیں پتہ نہیں بعد میں کیا ہوُا؟ انہوں نے کہا کیا ہوُا؟ کہنے لگے پہاڑ کے پیچھے سے یکدم دشمن نے حملہ کیا، مسلمان بالکل غافل تھے حملہ میں لشکر بالکل تِتّر بِتّر ہو گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ چند کھجوریں جو اُن کے پاس تھیں اُن میں سے ایک اُن کے ہاتھ میں باقی تھی وہ کھجور انہوں نے اُٹھائی اور اُٹھا کر زمین پر ماری اور مار کے کہنے لگے۔ میرے اور جنّت کے درمیان اِس کھجور کے سوا اَور کیا روک ہے۔ غرض وہ کھجور انہوں نے پھینک دی اور پھر کہنے لگے عمرؓ! اگر یہ بات ہے تو پھر بھی اِس میں رونے کی کونسی بات ہے جدھر ہمارا محبوب گیا اُدھر ہی ہم بھی جائیں گے۔ یہ کہا اور تلوار کھینچ کر دشمن پر

حملہ کر دیا اور اس بے جگری سے لڑے جب ایک ہاتھ کاٹا گیا تو دوسرے ہاتھ سے تلوار پکڑ لی، دوسرا ہاتھ کاٹا گیا تو منہ میں تلوار پکڑ کر جنگ کرنی شروع کی۔ جب انہوں نے مُنہ بھی زخمی کر کے خَود وغیرہ کاٹ دی تو لاتیں ہی مارنی شروع کر دیں، آخر انہوں نے ٹانگیں بھی کاٹ دیں۔ جنگ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی بہن سے پتہ لگا کہ وہ رہ گئے ہیں تو آپؐ نے فرمایا اُن کی تلاش کرو۔ صحابہؓ تلاش کرنے گئے تو انہوں نے کہا ہم نے کہیں اُن کی لاش نہیں دیکھی۔ بہن نے کہا وہ وہاں گئے ہیں اور اِس نیت سے گئے ہیں کہ مَیں وہاں شہادت حاصل کرونگا اَور کہیں وہ نہیں دیکھے گئے ضرور وہیں ہونگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے ضرور ہونگے تم جاؤ اور تلاش کرو۔ چنانچہ وہ پھر گئے اور سب جگہ تلاش کرتے رہے کہنے لگے۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اور تو کہیں پتہ نہیں لگتا ایک لاش کے ستّر ٹکڑے ہم کو ملے ہیں وہ اگر ہو تو ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بہن کو کہا کہ جاؤ اور دیکھو۔ اُن کی ایک اُنگلی پر نشان تھا۔ بہن نے اُسے پہچان کر کہا ہاں! یہ میرے بھائی کی لاش ہے۔[۶۰] یہ کتنا عظیم الشان بہادری کا مقام ہے اور کتنی بڑی قربانی ہے۔ کیا دنیا کی کوئی تاریخ اس قسم کی مثال پیش کر سکتی ہے۔ لشکر شکست کھاتے ہیں تو بھاگتے ہوئے سانس بھی نہیں لیتے پھر ہارتے ہیں تو دل ٹوٹ جاتا ہے مگر عمرؓ جیسا بہادر روتا ہے تو وہ کہتا ہے یہ کیا بیہودہ بات ہے۔ کیا تم اِس لئے روتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو ہم نے اس دنیا میں رہ کر کیا لینا ہے۔

سورۃ العٰدیٰت کی لطیف تفسیر

پھر نوبت بجا کر سوار تو سوار گھوڑوں میں بھی جوش پیدا کیا جاتا تھا۔ اِسی طرح اِس نوبت خانہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔

فرماتا ہے وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ۝ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ۝ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا[۶۱]

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ اسلامی لشکر کے متعلق یہ بیان فرماتا ہے کہ وہ کِس شکل اور شان سے مخالفین کے مقابل پر نکلے گا۔ فرماتا ہے۔ وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا۔ عادی کے معنے ہوتے ہیں دَوڑنے والا اور ضَبْحٌ گھوڑے کی دَوڑوں میں سے ایک خاص دَوڑ کا نام ہے جس میں گھوڑا سرپٹ دَوڑ پڑتا ہے پس وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا کے یہ معنے ہوئے کہ ہم اُن گھوڑوں کو شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو دَوڑتے وقت ضَبح چال اختیار کرتے ہیں۔ یعنی شدّتِ جوش سے سرپٹ

دَوڑ پڑتے ہیں اور یہ طریق ہمیشہ فخر اور اظہارِ بہادری کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ ضَبۡحٌ کے دوسرے معنے گھوڑے کا اگلے پاؤں لمبے کرکے مارنا ہوتا ہے جس سے اُس کے بازوؤں اور بغلوں میں فاصلہ ہو جائے۔ پس دوسرے معنے اس کے یہ ہونگے کہ ہم اُن گھوڑوں کو شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو اگلے پاؤں لمبے کرکے مارتے اور اُچھل کر دَوڑتے ہیں جس کے نتیجہ میں اُن کی بغلوں اور بازوؤں میں لمبا فاصلہ ہو جاتا ہے۔ یہ چیز شدّتِ شوق پر دلالت کرتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ گھوڑے کے اندر تو کوئی شدّتِ شوق نہیں ہوتی گھوڑے میں شدّتِ شوق اپنے سوار کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ میرے سوار کے اندر جوش پایا جاتا ہے تو گھوڑا بھی اس کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔

تیسرے معنے دَوڑتے وقت گھوڑے کے سینہ سے آواز نکلنے کے ہیں جو عزمِ مُقبلا نہ پر دلالت کرتی ہے۔ جب نہ سوار کو موت سے دریغ ہوتا ہے نہ گھوڑا اپنی جان کی پرواہ کرتا ہے۔ گو بظاہر اس جگہ گھوڑوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن مُراد سواروں کی حالت کا بتانا ہے کیونکہ گھوڑا اپنے سوار کی قلبی حالت سے متأثر ہوتا ہے اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ سوار کی دِلی حالت اُس کے تمام جوارح سے ظاہر ہونے لگے۔ مثلاً دَوڑتے ہوئے سوار شوق کی شدّت کی وجہ سے ایک ہی وقت میں ایڑیاں مارنے لگے مُنہ سے ¥ بجانے لگے یا اُسے شاباش کہنے لگے۔ اِسی طرح باگ کو کھینچ کھینچ کر چھوڑے آگے کو جُھک جائے تو گھوڑا سمجھ جاتا ہے کہ میرے سوار کی حالت والہانہ ہو رہی ہے اور مجھے بھی ویسا ہی بننا چاہئے تب وہ خود بھی اُس کے دل کی کیفیت کے مطابق دَوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ پس اِس آیت میں مسلمان سواروں کے دل کی کیفیت کی شدت گھوڑوں کی حالت سے بتائی ہے کہ ان کے جذبات اِس قدر بھڑک رہے ہونگے کہ اُس کا اثر خود گھوڑوں پر بھی جا پڑے گا اور وہ اپنے سوار کی قلبی کیفیت کے مطابق قابو سے باہر ہو جائیں گے اور کُودیں گے اور لڑائی میں جاتے ہوئے گلے سے اُن کی آوازیں نکلیں گی اور لمبے لمبے ڈگ[۶۲] بھرتے ہوئے لڑائی کے میدان میں اِس طرح جائیں گے کہ گویا کسی بڑی شادی میں شامل ہونے کے لئے جا رہے ہیں۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ مسلمان مجاہد کثیر التعداد دشمن سے ڈرے گا نہیں بلکہ جنگ کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھے گا اور یقین رکھے گا کہ اگر مَیں مارا گیا تو جنت میں جاؤنگا اور اگر زندہ رہا تو فتح حاصل کرونگا کیونکہ اِن دو کے سِوا اَور کوئی تیسری صورت مسلمان کے لئے نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار سے کہو کہ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ

اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ [63] یعنی تم جو ہم سے دشمنی کرتے ہو اور ہم پر حملے کرتے ہو تو یہ بتاؤ کہ تمہیں ہمارے متعلق کیا امید ہے؟ دو ہی چیزیں ہماری ہیں تیسری تو ہو نہیں سکتی۔ یا تو یہ کہ ہم زندہ رہیں تو جیت جائیں اور یا ہم مارے جائیں اور جنّت میں چلے جائیں۔ اِن دونوں میں سے کونسی چیز ہمارے لئے نقصان دہ ہے۔ آیا ہمارا جیت جانا ہمارے لئے نقصان دہ ہے یا ہمارا جنت میں چلے جانا، دونوں ہمارے لئے برابر ہیں۔ ہم زندہ رہے تو فتح حاصل کریں گے اور اگر مَر گئے تو جنت میں جائیں گے۔ پس تم تو جو بھی ہمارے متعلق خواہش رکھتے ہو وہ ہمارے لئے اچھی ہے۔ تم کہتے ہو مر جاؤ حالانکہ اگر ہم مر گئے تو ہم جنّت میں چلے جائیں گے۔

ایک صحابیؓ کا بیان کہ اُسے اِسلام قبول کرنے کی کیسے تحریک ہوئی؟

چنانچہ ایک صحابیؓ کے متعلق آتا ہے وہ کہتے ہیں کہ مَیں آخر میں مسلمان ہوُا تھا اور میرے مسلمان ہونے کی وجہ یہ تھی کہ میں ایک جگہ ایک قبیلہ میں مہمان تھا۔ انہوں نے کہا ہم نے کچھ مسلمان گھیرے ہیں چلو تم بھی لڑائی میں شامل ہو جاؤ۔ مجھے اُس وقت مسلمانوں کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ مَیں اپنے دوستوں کی خاطر چلا گیا۔ وہاں انہوں نے ایک صحابیؓ کو نیچے اُتارا اور اُس کے سینہ میں نیزہ مارا۔ جب نیزہ مارا گیا تو اُس نے کہا فُزۡتُ وَرَبِّ الۡكَعۡبَةِ۔ [64] مجھے کعبہ کے ربّ کی قسم مَیں کامیاب ہو گیا۔ کہنے لگا مَیں سخت حیران ہوُا۔ مجھے مسلمانوں کے متعلق کچھ پتہ نہیں تھا۔ مَیں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ کوئی پاگل تھا کہ تم نے اس کو نیزہ مارا اور یہ گھر سے دُور بے وطنی میں اور اپنے رشتہ داروں سے الگ بجائے اِس کے کہ روتا چِلّاتا یہ کہتا ہے کہ مَیں کامیاب ہو گیا۔ کامیابی اِس نے کونسی دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا مسلمان پاگل ہی ہوتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ موت میں بڑی خوبی ہے۔ جب انہیں مارا جائے تو کہتے ہیں ہم کامیاب ہو گئے۔ وہ کہتا ہے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوُا کہ ایسی قوم کو تو دیکھنا چاہئے چنانچہ مَیں چوری چوری نکلا اور مدینہ گیا۔ وہاں دو تین دن رہنے کے بعد اسلام کی صداقت ثابت ہو گئی اور مَیں مسلمان ہو گیا۔ پھر انہوں نے کُرتہ اُٹھایا اور کہنے لگا دیکھو! میرے بال کھڑے ہیں مَیں جب بھی یہ واقعہ یاد کرتا ہوں تو بال کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ایسا نظّارہ تھا کہ جنگل میں ایک شخص اپنے وطن سے دُور فریب اور دھوکا بازی سے مارا گیا مگر بجائے اس کے کہ وہ غم کرتا روتا اور اپنے بیوی بچوں کو یاد کرتا وطن کو یاد کرتا وہ کہتا ہے فُزۡتُ وَرَبِّ الۡكَعۡبَةِ۔ کعبہ کے ربّ کی قسم! مَیں کامیاب ہو گیا۔

اِس کے مقابلہ میں کافر کو کیا اُمید ہوسکتی ہے اُس کے لئے بھاگنا تو جُرم ہے ہی نہیں۔ ہمارے ہاں تو یہ ہے کہ بھاگو گے تو جہنم میں جاؤ گے اِس لئے مسلمان تو بھاگ سکتا ہی نہیں وہ آخر وقت تک کھڑا رہے گا۔ اس کے لئے صرف دو ہی صورتیں ہیں تیسری کوئی صورت نہیں۔ یا تو وہ مر جائے گا اور یا جیت جائے گا اور دونوں اُس کے لئے اچھی باتیں ہیں۔ جیتے گا تو جیت گیا اور مرے گا تو جنت میں جائے گا۔ اور کافر یا تو مر گیا اور دوزخ جائے گا اور یا بھاگے گا اور شکست کھائے گا۔ اور جسے ایک طرف اپنی شکست کا خطرہ ہو اور دوسری طرف موت کا اُس سے بہادری کب ظاہر ہوسکتی ہے۔

کوئٹہ میں ایک فوجی افسر سے ملاقات

تین چار سال کی بات ہے مَیں کوئٹہ گیا تو وہاں مجھے کچھ فوجی افسر ملنے آئے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اِسی دوران میں کشمیر کا بھی ذکر آ گیا مَیں نے کہا کشمیر مسلمانوں کو ضرور ملنا چاہئے ورنہ اس کے بغیر پاکستان محفوظ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے دن میرے پرائیویٹ سیکرٹری نے مجھے لکھا کہ فلاں کرنیل صاحب آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے الگ بات کرنی ہے۔ مَیں نے اُن کو لکھا کہ آپ کو کوئی غلطی تو نہیں لگی یہ تو کل مجھے مِل کر گئے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ بات تو درست ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے ایک پرائیویٹ بات کرنی ہے۔ مَیں نے کہا لے آؤ چنانچہ وہ آ گئے۔ مَیں نے کہا فرمایئے آپ نے کوئی الگ بات کرنی تھی۔ کہنے لگے جی ہاں۔ مَیں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے آپ نے کہا تھا کہ ہمیں کشمیر لینا چاہئے اور اِس کے لئے ہمیں قربانی کرنی چاہئے یہ بات آپ نے کِس بناء پر کہی تھی؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہندوستان کے پاس فوج زیادہ ہے؟ مَیں نے کہا مَیں خوب جانتا ہوں کہ اُس کے پاس فوج زیادہ ہے۔ کہنے لگے تو کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ جو بندوقیں ہمارے پاس ہیں وہی اُن کے پاس ہیں؟ مَیں نے کہا ٹھیک ہے۔ کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اُن کے پاس ڈم ڈم کی فیکٹری ہے جو ہزاروں ہزار بندوق اُن کو ہر مہینے تیار کر کے دے دیتی ہے؟ مَیں نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اُن کے پاس اتنا گولہ بارود ہے اور آٹھ کروڑ کا گولہ بارود جو ہمارا حصّہ تھا وہ بھی انہوں نے ہم کو نہیں دیا۔ مَیں نے کہا ٹھیک ہے۔ کہنے لگے آپ کو معلوم نہیں کہ اُن کے ہاں ہوائی جہازوں کے چھ سکوارڈن ہیں اور ہمارے ہاں صرف دو ہیں۔ مَیں نے کہا ٹھیک ہے۔ کہنے لگے اُن کی اتنی آمد ہے اور ہماری اتنی آمد ہے۔ مَیں نے کہا یہ

بھی ٹھیک ہے۔ کہنے لگے جن کالجوں میں وہ پڑھتے ہیں اُنہی کالجوں میں ہم بھی پڑھتے ہیں ہمیں اُن پر علمی رنگ میں کوئی برتری حاصل نہیں۔ مَیں نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے۔ کہنے لگے پھر جب ہماری فوج کم ہے اور اُنکی زیادہ ہے، گولہ بارود اُن کے پاس زیادہ ہے، توپیں اُن کے پاس زیادہ ہیں، ہوائی جہاز اُن کے پاس زیادہ ہیں، آمد اُن کی زیادہ ہے اور ہم بھی انہی کالجوں میں پڑھے ہوئے ہیں جن میں وہ پڑھتے ہیں، ہمارے اندر کوئی خاص لیاقت نہیں تو پھر آپ نے کس بناء پر ہمیں کہا تھا کہ ہمیں کشمیر لینا چاہئے؟ میں نے کہا دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ کئی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی جماعتوں پر غالب آجایا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اِسی لئے بیان فرمائی ہے کہ تم تھوڑے اور کمزور ہوکر ڈرا نہ کرو۔ خدا تعالیٰ طاقت رکھتا ہے کہ تمہیں بڑوں پر غلبہ دے دے اسلئے آپ گھبراتے کیوں ہیں؟ اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھیئے۔ بے شک آپ تھوڑے ہیں لیکن خدا تعالیٰ آپ کو طاقت دیگا۔ پھر مَیں نے کہا۔ مَیں تم کو ایک موٹی بات بتاتا ہوں۔ تم مسلمان ہو کیا تمہیں معلوم ہے یا نہیں قرآن نے یہ کہا ہے کہ اگر تم مارے گئے تو جنت میں جاؤ گے۔ کہنے لگا۔ جی ہاں! مَیں نے کہا اب دو ہی صورتیں ہیں کہ اگر تم میدان میں کھڑے رہو گے اور زندہ رہو گے تو جیت جاؤ گے اور اگر مارے جاؤ گے تو جنت میں چلے جاؤ گے اب بتاؤ کیا تمہارے اندر مرنے کا کوئی ڈر ہوسکتا ہے؟ کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ اگر مَیں لڑائی کے میدان میں کھڑا رہا اور لڑتا رہا تو دو ہی صورتیں ہیں یا جیت جاؤں گا یا جنّت میں چلا جاؤنگا۔ پس تمہاری بہادری کا ہندو کسِ طرح مقابلہ کرسکتا ہے وہ تو یہ جانتا ہے کہ اگر مَیں مر گیا تو بندر بن جاؤنگا یا سؤر بن جاؤنگا یا کُتّا بن جاؤنگا۔ یہ اُس کا تناسخ ہے۔ تم تو یہ جانتے ہو کہ مر کے جنت میں چلے جائیں گے اور وہ یہ جانتا ہے کہ مر کے کُتّا بن جاؤنگا، سؤر بن جاؤنگا، بندر بن جاؤنگا۔ تو مسلمان اور ہندو کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہوسکتا۔ اُسے تو کُتّا یا سؤر بننے کا ڈر لگا ہؤا ہے اور تم میں جنت جانے کا شوق ہے تمہارا اور اُس کا مقابلہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کیلئے دلیری کے اتنے مواقع پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ اُسکو کوئی گزند آ ہی نہیں سکتی۔

اِس کے بعد فرماتا ہے۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا۔ مُوْرِیُ کے معنے آگ نکالنے کے ہوتے ہیں اور قَدْحًا کے معنے ہوتے ہیں مار کر۔ پس فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا کے یہ معنے ہوئے کہ وہ ایک چیز کو دوسری سے مار کر آگ جلاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے زمانہ میں لوگ چقماق سے آگ جلایا

کرتے تھے۔ اِس کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ گھوڑوں کے سُموں سے تیز دَوڑنے کی وجہ سے جو آگ پیدا ہو۔لیکن اس جگہ پر سُموں کے معنے اس لئے نہیں کئے جا سکتے کہ وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا میں اِس کا ذکر آچکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ گھوڑے دَوڑتے ہیں اور انہیں سانس چڑھ جاتا ہے اور جس کو سانس چڑھے گا اُس کے سُموں سے آپ ہی آگ نکلے گی۔ پس یہاں آگ جلانے کا ذکر ہے اور حدیثوں سے بھی پتہ لگتا ہے کہ اس جگہ مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اُترتے ہیں اور کھانے وغیرہ پکاتے ہیں اور آگ جلاتے ہیں۔ اِس میں سواروں کی بہادری اور اطمینان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دشمنوں سے ڈریں گے نہیں، کُھلے کیمپ لگائیں گے اور آگ روشن کریں گے۔ دشمن سے ڈر کر روشنیاں بُجھائیں گے نہیں۔ جیسے فتح مکّہ کے وقت ابوسفیان کا روشنیوں سے پریشان ہو جانا اسکی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ جب لشکر اپنے دشمن سے ڈرتا ہے تو شبخون سے بچنے کے لئے اپنے پڑاوَ کا نشان نہیں دیتا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمان خوب روشنی کر کے پڑاوَ کریں گے اور دشمن سے ڈریں گے نہیں کیونکہ کہیں گے کہ اُس نے ہمیں مارنا ہی ہے نا تو مر کر جنت میں چلے جائیں گے ہمیں ڈر کس بات کا ہو۔

حضرت ضرارؓ کا واقعہ

تاریخ میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ایک عیسائی جرنیل نے بہت سے سپاہی مار دیئے اسلامی کمانڈر انچیف نے ضرار بن اَزورؓ کو بلایا اور کہا۔تم جاوَ تم بڑے بہادر آدمی ہو اور اُس سے جا کر لڑو۔ بہت سے مسلمان مارے گئے ہیں اور بددلی پھیل رہی ہے۔ وہ لڑنے کے لئے گئے جب اُس کے سامنے کھڑے ہوئے تو یکدم واپس بھاگے۔مسلمانوں میں بددلی پیدا ہوئی اور انہوں نے بہت تعجب کیا کہ ایک صحابیؓ ہے اور وہ اِس طرح بھاگا ہے۔کمانڈر نے ایک شخص سے کہا تم اس کے پیچھے پیچھے جاوَ اور دیکھو کیا بات ہے؟ جب وہ پہنچا تو ضرارؓ اپنے خیمہ سے نکل رہے تھے۔انہوں نے کہا ضرارؓ! آج تم نے بڑی بدنامی کرائی ہے۔تمہارے دوست افسوس کر رہے ہیں کہ تم نے اِس طرح اسلام کو ذلیل کیا،تم کیوں بھاگے تھے؟ انہوں نے کہا مَیں بھاگا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مَیں نے صبح اتفاقاً زِرہ پہنی تھی جب مَیں اس کے سامنے گیا تو میرے دل میں خیال آیا کہ اتنا بڑا بہادر ہے کہ اِس نے کئی آدمی مارے ہیں مَیں نے زِرہ پہنی ہوئی ہے۔فرض کرو اگر اُس نے مجھے مار لیا تو اللہ مجھ سے پوچھے گا کہ ضرار کیا تم میرے ملنے سے اتنا گھبراتے تھے کہ زِرہیں پہن پہن کر جاتے تھے۔ تو مَیں نے خیال کیا کہ اگر مَیں مر گیا تو ایمان پر نہیں مروں گا۔ چنانچہ میں بھاگا ہوَا اندر گیا اور

مَیں نے وہ زِرہ اُتار دی۔ چنانچہ دیکھ لو اب مَیں صرف کُرتہ پہن کر اس کے مقابلہ کیلئے جا رہا ہوں۔ تو اِسقدر اُن کے اندر مرنے کا شوق ہوتا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنا ایک بہت بڑی سعادت اور نعمت ہے۔

پھر فرماتا ہے فَا لْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا۔ یہ سپاہی باوجود دیوانگی سے کلّی طور پر روکے جانے کے اور شراب کے حرام ہونے کے اور لوٹ مار اور قتل و غارت سے روکے جانے کے اتنے دلیر ہونگے کہ دشمن کے پاس پہنچ کر ڈیرے ڈال دیں گے اور رات کو حملہ نہیں کریں گے بلکہ صبح ہونے پر حملہ کریں گے تا کہ بے خبر اور سوتے ہوئے دشمن پر حملہ نہ ہو اور اُسے لڑنے کا موقع ملے۔ گویا چونکہ شہادت کے دِلدادہ ہونگے، دشمن کو مقابلہ کا موقع دیں گے۔ دوسرے براءت اور توبہ کا موقع دیں گے کہ اگر وہ چاہے تو اسلام کا اظہار کرے۔ تیسرے غلط فہمی سے بچیں گے کہ غلطی سے کسی اَور پر حملہ نہ ہو جائے۔

فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا۔ اِس میں یہ بتایا ہے کہ رات کو ڈیرے اس لئے نہیں ڈالیں گے کہ دشمن کے قریب آ کر جوش ٹھنڈا ہو گیا ہے بلکہ مَردانگی اور بہادری کے اظہار کے لئے ایسا کریں گے ورنہ صبح ہونے پر جب دشمن ہوشیار ہو جائے گا اُن کی روشنیوں کو رات کو دیکھے گا صبح اُنکی اذانیں سُنے گا اور لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائے گا اور پھر یہ والہانہ طور پر اُس کی طرف گھوڑے دَوڑائیں گے حتّٰی کہ صبح کے وقت جب شبنم کی وجہ سے غبار دبا ہوُا ہوتا ہے اُن کے تیز دَوڑنے کی وجہ سے اُس صبح کے وقت بھی زمین سے گرد و غبار اُٹھے گا۔

پھر فرماتا ہے فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا۔ جس وقت وہ دَوڑتے ہوئے اور گرد اُڑاتے ہوئے پہنچیں گے بغیر تھمے دشمن کی صفوں میں گُھس جائیں گے۔ بِہٖ میں صبح کی طرف بھی ضمیر پھیری جا سکتی ہے۔ اگر صبح کی طرف ضمیر پھیریں تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ وہ بہادر رات کے اندھیرے میں نہیں بلکہ صبح کی روشنی میں دشمن کی آنکھوں کے سامنے اس کی صفوں میں گُھس جائیں گے۔ اور اِس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دشمن کے پراگندہ ہونے کی حالت میں خواہ دن ہو یا رات حملہ نہیں کریں گے بلکہ جب وہ صف آرا ہو جائے تب اس پر حملہ کریں گے۔

اِس آیت میں اُن کی بہادری کی طرف دو اشارے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سامنے کھڑے ہو کر پہلو بچاتے ہوئے حملہ نہیں کریں گے بلکہ جوش کی فراوانی میں دشمن کی صفوں کے اندر گُھس جائیں گے حالانکہ جب خطرہ بڑھ جاتا ہے دشمن نرغہ میں لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔

دوسرا اشارہ یہ ہے کہ وہ صبح ہی صبح دشمن کی صفوں کو چیر دیں گے۔یعنی اُن کا حملہ اتنا شدید ہوگا کہ سورج نکلنے کے بعد حملہ کرنے کے باوجود دھوپ نہیں آنے پائے گی کہ دوپہر سے پہلے پہلے وہ دشمن کو کاٹ کر رکھ دیں گے اور اُس کے اوپر غالب آجائیں گے۔

دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دو نوجوان لڑکوں کا ابوجہل کو مار گرانا

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا کے نظارے صحابہؓ میں نہایت شاندار ملتے ہیں۔ بدؔر کی جنگ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ مَیں کھڑا تھا اور ابوجہل ہم سے تین گُنا لشکر لے کر کھڑا تھا، پھر اُن کے پاس زِرہیں اور سامانِ جنگ بھی زیادہ تھا اور وہ خُود پہنے ہوئے تھے۔دل میں خیال پیدا ہوُا کہ آج میں اچھی طرح لڑوں گا مگر پھر مَیں نے اپنے اِدھر اُدھر جو دیکھا تو میں نے دیکھا کہ میرے دائیں بائیں دو انصاری لڑکے کھڑے ہیں جن کی پندرہ پندرہ سال کی عمر تھی۔ دل میں خیال آیا کہ آج تو بڑی بُری ہوئی آج تو لڑنے کا موقع تھا اور اِرد گرد لڑکے کھڑے ہیں انہوں نے کیا کرنا ہے؟ دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے کُہنی ماری۔مَیں نے اُس کی طرف دیکھا تو کہنے لگا۔ چچا نیچے ہو کر میری بات سنو۔مَیں نے اپنا کان اس کی طرف کیا تو اُس نے کہا چچا! مَیں نے سُنا ہے کہ ابوجہل خبیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیفیں دیا کرتا ہے میرے دل میں اُس کے متعلق غصّہ ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ اُسے ماروں وہ کون ہے؟ وہ کہتے ہیں مَیں حیرت زدہ ہو گیا کیونکہ باوجود اتنا تجربہ کار جرنیل ہونے کے میرے اندر بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ مَیں ابوجہل کو مار سکتا ہوں کیونکہ سامنے دشمن کی ساری صفیں کھڑی تھیں، دو تجربہ کار جرنیل اُس کے سامنے پہرہ دے رہے تھے اور وہ بیچ میں گھرا ہوُا تھا۔ لیکن میری حیرت ابھی دُور نہیں ہوئی تھی کہ دوسری طرف سے مجھے کُہنی لگی۔مَیں اُس طرف متوجہ ہوُا تو دوسرا نوجوان مجھے کہنے لگا چچا! ذرا کان نیچے کر کے میری بات سُنیں تا دوسرا نہ سُنے کیونکہ رقابت تھی۔ کہنے لگے مَیں نے کان نیچے کیا تو اُس نے بھی یہی کہا کہ چچا! مَیں نے سُنا ہے ابوجہل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا دُکھ دیا کرتا ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ مَیں اُس کو ماروں مجھے بتاؤ وہ کون ہے؟ وہ کہتے ہیں تب تو میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔مَیں نے سمجھا بچّے ہیں جوش میں کہہ رہے ہیں۔مَیں نے اُنگلی اُٹھائی اور کہا یہ دیکھو دشمن کی صفیں کھڑی ہیں اِن کے پیچھے وہ شخص جس کے آگے دو آدمی ننگی تلواریں لئے کھڑے ہیں وہ ابوجہل ہے۔

وہ کہتے ہیں میری اُنگلی ابھی نیچے نہیں ہوئی تھی کہ وہ لڑکے باز کی طرح کُودے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اُس تک جا پہنچے۔ جاتے ہی ایک پر ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ نے وار کیا اور اُس کا ہاتھ کاٹ دیا لیکن اُس کا دوسرا ساتھی پہنچ گیا۔ جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اُس نے جلدی سے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ پر پاؤں رکھا اور زور سے جھٹک کر اُسے جسم سے الگ کر دیا اور پھر دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر ابوجہل پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ انہوں نے ابوجہل کو زخمی کر کے گِرا دیا۔ غرض لڑائی ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے ابوجہل کو جا کر ختم کر دیا۔ یہ تھا مسلمانوں کا جوش کہ چھوٹے بچّے بھی جانتے تھے اور وہ اپنے سے تین گُنا لشکر کی صفوں میں گُھس جاتے تھے اور اپنی جانوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور منٹوں میں لڑائی ختم ہو جاتی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ صحابہؓ نے جتنی جنگیں کی ہیں وہ صرف چند گھنٹوں میں ہی ختم ہو گئیں۔ بدرؔ چند گھنٹوں میں ختم ہو گئی، اُحدؔ چند گھنٹوں میں ختم ہو گئی اور حُنینؔ چند گھنٹوں میں ختم ہو گئی، مکّہ کی لڑائی چند گھنٹوں میں ختم ہو گئی۔ غرض ایک دو گھنٹہ کے اندر دشمن بھاگ جاتا تھا۔ سوائے تین لڑائیوں کے اور وہ تینوں قلعہ بند لڑائیاں تھیں۔ مثلاً احزابؔ کی لڑائی تھی اس میں صرف دفاع کا حُکم تھا اور بیچ میں خندق بنائی ہوئی تھی اس میں دیر لگی یا بنوقریظہ کا محاصرہ ہؤا تو قلعہ میں تھے اور قلعہ توڑنے میں دیر لگی یا خیبر پر جب حملہ ہؤا تو اُس میں دیر لگی۔ کیونکہ خیبر میں بھی وہ قلعہ میں تھے لیکن اِن کے علاوہ جب بھی کوئی لڑائی ہوئی چند گھنٹوں کے اندر ختم ہو گئی اور چند گھنٹوں میں دشمن تباہ ہو گیا۔

غرض اِن آیات میں بتایا گیا ہے کہ دُنیا میں جوش دلانے کے لئے جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں کبھی شراب پلائی جاتی ہے، کبھی لوٹ مار کی اجازت دی جاتی ہے، کبھی شبخون مارنے کا مشورہ دیا جاتا ہے اِن سب کو منع کرنے کے باوجود اسلامی جنگ کے لئے جب نوبت بجے گی تو اسلام کے سپاہی دیوانہ وار آگے بڑھیں گے اور گھنٹوں میں دشمن کی صفوں کو توڑ دیں گے اور قطعی طور پر اُن کو موت کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔

دُنیوی نوبت خانوں کی تیسری غرض

تیسریؔ غرض نوبت خانہ کی یہ ہؤا کرتی ہے کہ خوشی کی تقریبات کے موقع پر مثلاً بادشاہ دربار کرے یا اُس کا جلوس نکلے تو نوبتیں بجا کرتی تھیں اور اِسی طرح بادشاہ کی آمد یا کسی بڑی تقریب کی خبر لوگوں کو دی جاتی اور بادشاہی اعلان سے لوگوں کو واقف کیا جاتا تھا۔

اِسلامی نَوبت خانہ رات دن میں پانچ دفعہ بجتا ہے

مَیں نے دیکھا کہ اسلام نے یہ بھی نَوبت خانہ پیش کیا ہے اور اس کیلئے بھی ایک اسلامی نَوبت مقرر کی ہے مگر اسلامی نوبت خانہ اور دُنیوی نوبت خانوں میں ایک عظیم الشان فرق ہے۔ دوسری حکومتیں اور بادشاہ جہاں نوبتیں بجاتے تھے اُن کی نَوبت کبھی ساتویں دن بجتی تھی اور بادشاہ کا دیدار ہوتا تھا، کسی کی مہینہ میں بجتی تھی اور بادشاہ کا دیدار ہوتا تھا، کوئی اپنی تخت نشینی کے دِنوں میں دو تین دن دربار لگایا کرتا تھا اور پھر جب اُن کی نوبت بجتی تھی تو لوگوں کو اپنے گھروں سے نکل کر بادشاہی قلعوں میں جانا پڑتا تھا یا بہت دُور دُور سینکڑوں میل سے چل کر وہاں جانا پڑتا تھا۔ لیکن اسلامی نوبت خانہ جو ہمارے بادشاہ کا دیدار کرانے کے لئے بجتا ہے وہ ہر شہر اور ہر گاؤں میں دن رات میں پانچ وقت بجتا ہے۔ پانچ دفعہ نَوبت بجتی ہے کہ آؤ اور اپنے بادشاہ کی زیارت کرلو، آؤ اور خدا کا دیدار کرو۔ ابھی ملکہ الزبتھ کی تاجپوشی ہوئی ہے پاکستان تک سے لوگ وہاں دیکھنے کے لئے گئے حالانکہ ملکہ الزبتھ کیا، انگلستان آج ایک سیکنڈ گریڈ پاور بنا ہوا ہے۔ لیکن ملکہ الزبتھ کے دیکھنے کے لئے ہندوستان سے آدمی گئے، امریکہ سے گئے، جرمن سے گئے، انڈونیشیا سے گئے، چین سے گئے اور ہمارے بادشاہ کی زیارت کے لئے کہ جس کے سامنے آنکھ اُٹھانے کی بھی ملکہ الزبتھ کو طاقت نہیں روزانہ پانچ وقت بُلایا جاتا ہے کہ آؤ کرلو زیارت مگر لوگ ہیں کہ نہیں آتے۔ دو گھر کا گاؤں ہو تو وہاں بھی وہ بادشاہ پانچ وقت آتا ہے، پانچ گھر کا گاؤں ہو تو وہاں بھی بادشاہ لوگوں کو اپنی زیارت کرانے کے لئے پانچ وقت آتا ہے، اگر سَو گھر کا گاؤں ہو تو وہاں بھی وہ زیارت کرانے کے لئے آتا ہے، اگر لاکھ گھر کا شہر ہو تو ہر محلّہ میں وہ آجاتا ہے کہ آؤ اور زیارت کرلو اور اگر دس لاکھ گھر کا شہر ہو تو اُس میں وہ دس ہزار جگہوں میں آجاتا ہے اور پانچ وقت آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ آؤ اور میری زیارت کرلو۔ یہ کتنا عظیم الشان فرق ہے دُنیوی نوبت خانوں اور اسلامی نوبت خانہ میں کہ پانچ وقت زیارت ہوتی ہے اور جہاں بیٹھیں وہیں ہو جاتی ہے اور بادشاہ آپ ہمارے گھروں میں آجاتا ہے۔

اسلامی نوبت خانہ کا پُر ہیبت اِعلان

اَب ذرا اِس نوبت خانہ کا اِعلان بھی سُن لو۔ وہاں تو یہ ہوتا ہے کہ دَھم دَھم دَھم دَھم ہو رہا ہے یا پِیں پِیں ہو رہا ہے اور جب پُوچھا جاتا ہے کہ یہ دَھم دَھم دَھم اور پِیں پِیں پِیں کیا ہے؟ تو کہتے ہیں اِس کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ آرہا ہے حالانکہ دَھم دَھم دَھم اور پِیں پِیں پِیں سے

بادشاہ کا کیا تعلق ہے۔تم بندر کا تماشہ کرو تو اُس کے لئے بھی پیں پیں کر سکتے ہو۔کُتّے کا کھیل کھیلو تو اُس کے لئے بھی پیں پیں کر سکتے ہو، بادشاہ اور دَھم دَھم اور پیں پیں کا کیا جوڑ ہے۔مگر یہاں جو نوبت خانہ بجتا ہے اُس میں بادشاہ کے دیدار کی بشارت دیتے ہوئے اُس کی حیثیت بھی پیش کی جاتی ہے اور ایک عجیب شاندار پیغام دُنیا کو پہنچایا جاتا ہے۔مؤمنوں کو الگ اور مُنکروں کو الگ۔ پھر اس نوبت خانہ کی چوٹ مُردہ چمڑہ پر نہیں پڑتی زندہ گوشت کے پردوں پر پڑتی ہے۔اور پانچ وقت اِس نوبت خانہ میں نوبت بجتی ہے کہ آجاؤ اپنے بادشاہ یعنی خدا کی زیارت کے لئے اور اعلان کرنے والا کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

اے لوگو! اپنے بادشاہ کی زیارت کے لئے آجاؤ۔ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ دُنیا میں لوگ اپنے بادشاہوں اور حاکموں کی زیارت کے لئے جاتے ہیں مگر اُن میں سے کوئی پچاس گاؤں کا مالک ہوتا ہے،کوئی سَو گاؤں کا مالک ہوتا ہے،کوئی ہزار گاؤں کا مالک ہوتا ہے،کوئی ایک صوبہ کا مالک ہوتا ہے،کوئی ایک ملک کا مالک ہوتا ہے،کوئی پانچ ملک کا مالک ہوتا ہے،کوئی دس ملک کا مالک ہوتا ہے، پھر اُن میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے کہ بڑے ملک کا مالک ہوتا ہے لیکن چھوٹے ملک کے بادشاہ اُس پر فاتح ہو جاتے ہیں۔ جیسے سکندؔر یونان کا مالک تھا مگر کسرٰی کو آ کے اُس نے شکست دیدی۔ نادر شاہ ایک معمولی قبیلے کا بادشاہ تھا مگر اُس نے ہندوستان کی بادشاہت کو شکست دیدی۔تو اوّل تو اُس کی حکومتیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں اور پھر حکومتوں کے مطابق اس کی طاقت بھی نہیں ہوتی۔اُن کی زیارت عمر میں کبھی ایک دفعہ نصیب ہوتی ہے مثلاً تاجپوشی ہوتی ہے اور وہ باہر نکلتے ہیں تو لوگ اُن کی زیارت کرتے ہیں۔مگر ہم تمہیں جس بادشاہ کی زیارت کے لئے بُلاتے ہیں وہ سب سے بڑا ہے اور بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اُس کے مقابل میں بالکل ہیچ ہو جاتا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ اُس کے آگے بول سکے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کیلئے کسرٰی کا ظالمانہ حُکم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں اُس زمانہ میں دنیا کی حکومت دو حصوں میں تقسیم تھی آدھی حکومت قیصؔر کے پاس تھی اور آدھی حکومت کسرٰی کے پاس تھی۔مغرب پر قیصؔر حاکم تھا اور مشرق پر کسرٰی حاکم تھا۔ یہودیوں نے ایک دفعہ کسرٰی کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی شکایت کی کہ عرب میں ایک نبی پیدا ہوُا ہے اور وہ طاقت پکڑ رہا ہے کسی وقت وہ تمہارے خلاف جنگ کرے گا۔ وہ کچھ پاگل سا تھا۔ یمنؔ اُس وقت کسرٰی کے ماتحت تھا اُس نے یمن کے گورنر کو حکم بھیجا کہ اس طرح عرب میں ایک مدعی پیدا ہوُا ہے تم اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دو۔ چونکہ یمن کا گورنر عرب کے لوگوں سے واقف تھا اُس نے خیال کیا کہ اِن لوگوں نے کیا بغاوت کرنی ہے بادشاہ کو دھوکا لگا ہے۔ اُس نے بادشاہ کے دو سفیروں کو بھیجا اور ساتھ وصیّت کی کہ تم کوئی سختی نہ کرنا۔ بادشاہ کو کوئی دھوکا لگا ہے ورنہ عربوں میں کیا طاقت ہے کہ انہوں نے کسرٰی کا مقابلہ کرنا ہے۔ تم جانا اور سمجھانا اور میری طرف سے پیغام دینا کہ آپ مقابلہ نہ کریں آ جائیں۔ مَیں سفارش کرونگا تو کسرٰی انہیں کچھ نہیں کہے گا۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ پہنچے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا کس طرح آنا ہوُا؟ انہوں نے کہا ہمیں بادشاہ نے بھجوایا ہے۔ اُس کے پاس کچھ شکائتیں آئی ہیں جن کی بناء پر اُس نے کہا ہے کہ آپؐ کو اُس کے سامنے پیش کیا جائے اور ہم یمن کی طرف سے آئے ہیں کیونکہ وہ یہاں کے حالات کا واقف ہے۔ اُس نے ہم کو نصیحت کی تھی کہ ہم آپؐ کو تسلّی دلائیں کہ کسی نے بادشاہ کے پاس غلط رپورٹ کی ہے ورنہ ہمیں تسلّی ہے کہ آپؐ نے کوئی شرارت نہیں کی۔ مَیں بادشاہ کی طرف ساتھ چٹھی لکھدونگا کہ یہ غلط رپورٹ ہے اس کو کچھ نہ کہا جائے اور واپس کر دیا جائے اِس لئے آپ ہمارے ساتھ چلیں وہاں سے آپ کو گورنر یمن کی سفارش مِل جائیگی اور اُمید ہے کہ وہ درگزر سے کام لے گا۔ آپؐ نے فرمایا اچھا دو تین دن ٹھہرو پھر مَیں جواب دونگا۔ انہوں نے کہا یہ ٹھیک نہیں ہے۔ گورنر نے کہا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ غلط فہمی میں رہیں اور جواب نہ دیں جس سے بادشاہ چِڑ جائے اگر ایسا ہوُا تو عرب کی خیر نہیں، وہ اِس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا آپ چلے چلیئے۔ آپؐ نے فرمایا کوئی بات نہیں تم دو تین دن ٹھہرو۔ پھر وہ دوسرے دن آئے۔ تیسرے دن آئے۔ لیکن آپؐ یہی کہتے رہے کہ ابھی ٹھہرو۔ ابھی ٹھہرو۔ تیسرے دن انہوں نے کہا کہ اب ہماری میعاد ختم ہو رہی ہے، بادشاہ ہم سے بھی خفا ہو گا آپؐ ہمارے ساتھ چلیں۔ آپؐ نے فرمایا سُنو! آج رات میرے خدا نے تمہارے خدا کو مار ڈالا ہے جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور گورنر کو اطلاع دے دو۔ اُن کو تو خدائی کلام کا کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ گپ ماری ہے۔ انہوں نے سمجھانا شروع کیا کہ یہ نہ کریں۔ دیکھیں آپ گورنر کی سفارش سے چُھوٹ کر آ جائیں گے ورنہ عرب تباہ ہو جائے گا

آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ مَیں نے تمہیں بتا دیا ہے جاؤ اور اُسکو جواب دیدو۔ خیر وہ یمن میں آئے اور انہوں نے گورنر سے کہا کہ انہوں نے تو ہمیں ایسا جواب دیا ہے۔ یمن کا گورنر سمجھدار تھا۔ اُس نے کہا اگر اس شخص نے ایران کے بادشاہ کو یہ جواب دیا ہے تو کوئی بات ہوگی۔ اسلئے تم انتظار کرو چنانچہ وہ انتظار کرتے رہے۔

کسریٰ قتل کر دیا گیا

دس بارہ دن گزرے تھے کہ ایک جہاز وہاں پہنچا۔ اُس نے آدمی مقرر کئے ہوئے تھے کہ اگر کوئی خبر آئے تو جلدی اطلاع دو۔ انہوں نے اطلاع دی کہ ایک جہاز آیا ہے اور اُس پر جو جھنڈا ہے وہ نئے بادشاہ کا ہے۔ اُس نے کہا جلدی اُن سفیروں کو لے کر آؤ۔ جب وہ گورنر کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا ہمیں بادشاہ نے ایک خط آپ کو پہنچانے کے لئے دیا ہے۔ اُس نے خط دیکھا تو اس پر مُہر ایک اور بادشاہ کی تھی۔ اُسنے اپنے دستور کے مطابق خط کو سر پر رکھا، آنکھوں پر رکھا اور اُسے چُوما اور پھر اُسکو کھولا تو وہ بادشاہ کی چِٹھی تھی جس میں لکھا تھا کہ پہلے بادشاہ کے ظلم اور سختیوں کو دیکھ کر ہم نے سمجھا کہ ملک تباہ ہو رہا ہے اِس لئے فلاں رات ہم نے اُس کو قتل کر دیا ہے اور ہم اُس کی جگہ تخت پر بیٹھ گئے ہیں۔ اور یہ وہی رات تھی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج میرے خدا نے تمہارے خدا کو مار دیا ہے۔ اِس کے بعد اس نے لکھا کہ تم ہماری اطاعت کا سب سے وعدہ لو۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ اُس نے عرب کے ایک آدمی کو پکڑنے کیلئے جو حکم بھیجا تھا تم اُس کو منسوخ کر دو۔[۶۵] یہ وہ چیز تھی کہ جس کو دیکھ کر یمن کا گورنر اُس دن سے دل سے مسلمان ہو گیا اور بعد میں دوسرے لوگ بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔

غرض اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ میں اِسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم کس کے پیچھے چل رہے ہو۔ جن کو تم بڑے سے بڑا سمجھتے ہو حکومتِ امریکہ کو سمجھ لو، حکومتِ روس کو سمجھ لو خدا کے مقابلہ میں اُن کی کیا حیثیت ہے۔ جو خدا کا بندہ ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ تم میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، کچھ کر لو خدا میرا محافظ ہے تم کیا کر لو گے۔ حکومتیں کچھ نہیں کر سکتیں، بادشاہتیں کچھ نہیں کر سکتیں، وہ اپنے رُعب جتائیں، ڈرائیں جو کچھ مرضی ہے کر لیں، وہ خدا ہی کا بندہ ہے اور وہی جیتے گا۔ آخر جو سب سے بڑا بادشاہ ہے اُس کے ساتھ جو لگے گا اُس کو بڑائی ہی ملے گی چھوٹائی نہیں ملے گی۔

خدا کے شیر پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک دفعہ شرارتاً مقدمہ کر دیا گیا۔ مقدمہ کے

دَوران میں خواجہ کمال الدین صاحب کو اطلاع ملی کہ آریوں نے مجسٹریٹ پر زور دیا ہے کہ اِنکو ضرور سزا دے دو۔ گو مہینہ قید کرو مگر ایک دفعہ ذلیل کر دو تا کہ انہیں پتہ لگ جائے۔ مجسٹریٹ نے بھی اُن سے وعدہ کرلیا۔ خواجہ صاحب کو پتہ لگا تو گھبرائے ہوئے آئے مولوی محمد علی صاحب کو ساتھ لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لیٹے ہوئے تھے۔ کہنے لگے حضور! بڑی بُری خبر لائے ہیں۔ اِس اِس طرح مجھے یقینی طور پر پتہ لگا ہے کہ آریہ سماج کا اجلاس ہؤا ہے اور چونکہ وہ مجسٹریٹ آریہ ہے اُس سے انہوں نے وعدہ لیا ہے کہ وہ تھوڑی بہت سزا ضرور دے دے، پیچھے دیکھا جائے گا انہوں نے کہا ہے کہ اوّل تو چھوٹی بڑی سزا پر کوئی پکڑتا کیا ہے اور پھر اگر گرفت ہوگی بھی تو کیا ہے تم نے قوم کی خاطر یہ کام کرنا ہے اسلئے کوئی تدبیر اِسکی ہونی چاہئے اور پھر کہا کہ آپ کسی طرح قادیان چلے جائیں اور ایسی تجویز کی جائے کہ مجسٹریٹ کا تبادلہ ہو جائے۔ حضرت صاحب لیٹے ہوئے تھے آپ یہ سُنتے ہی اُٹھے اور فرمایا خواجہ صاحب! آپ کیا باتیں کرتے ہیں۔ کیا خدا کے شیر پر بھی کوئی ہاتھ ڈال سکتا ہے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ کہنا بڑا بھاری دعویٰ ہے۔ آج امریکہ کی کتنی بڑی طاقت ہے پھر بھی روس سے ڈر رہی ہے۔ روس کتنا طاقتور ہے پھر بھی امریکہ سے ڈر رہا ہے۔ یہ کتنی بڑی طاقت ہے کہ اِس نوبت خانہ میں پانچ وقت ہر گاؤں، ہر شہر، ہر قصبہ، ہر پہاڑی اور ہر میدان سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا ہے۔ گویا اِس پیغام میں کافروں کو بھی اور مؤمنوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ کفّار کو کہا گیا ہے کہ تمہارے سرداروں، تمہارے بادشاہوں اور تمہارے افسروں کی کیا حیثیت ہے سب سے بڑھ کر اسلام کے خدا کا وجود ہے۔ تم اپنے غرور اور اپنے جتھے کے فخر میں یہ سمجھتے ہو کہ ہم حق کی آواز کو دبا دیں گے مگر ایسا نہیں ہوگا۔ ہمارے نام لیوا غریب اور بے کس ہیں مگر ہم اُن کے ساتھ ہیں اور ہم سب سے بڑے ہیں۔

پھر وہ مسلمانوں سے مخاطب ہوتا ہے اور فرماتا ہے اے مؤمنو! انتظام کے لئے ہم نے تمہارے لئے بادشاہ مقرر کئے ہیں۔ حاکم مقرر کئے ہیں مگر تمہارا اصل بادشاہ اللہ ہے۔ تم نے کسی انسان کے آگے گردن نہیں جُھکانی۔ تمہارے دلوں پر رُعب اور حکومت صرف خدا کی ہونی چاہئے۔[٦٦]

اِسلامی نوبت خانہ کی دوسری آواز

پھر اِس نوبت خانہ سے دوسری آواز اُٹھتی ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

مَیں منادی کرنے والا اعلان کرتا ہوں اور کسی سے چُھپاتا نہیں کہ مَیں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے سِوا کسی کے آگے سر جُھکانے کے لئے تیار نہیں خواہ وہ دُنیا کا بادشاہ ہو یا دُنیا کا بڑا حاکم ہو،خواہ دنیا کا بڑا پیر ہوخواہ دنیا کا کوئی بڑا عالِم ہو میرے لئے وہ سارے کے سارے خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور اُن کی کوئی ہستی میرے نزدیک نہیں ہے۔مَیں تو صرف ایک ہی ہے جس کے آگے سر جُھکانا جائز سمجھتا ہوں اور وہ خدا کی ذات ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی زبان ہیں

پھر کہتا ہے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ **اور سُنو ! کہ مَیں یہ بھی عَلَی الْاِعْلَان کہتا ہوں کہ محمد کے سِوا آج خدا تعالیٰ کے احکام دُنیا کو کوئی نہیں سُنا سکتا۔ وہ خدا کی زبان ہے،وہ خدا کی نفیری ہے۔مَیں اُس کی زبان پر کان دھرتا ہوں۔مَیں اُس کی نفیری کی آواز پر رقص کرتا ہوں۔تم خواہ کسی کے پیچھے چلو مَیں اللہ کے سوا کسی کے پیچھے نہیں چل سکتا اور اُس کے پیچھے چلنے کا رستہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتا سکتے ہیں۔**

خدائی دیدار کی دعوتِ عام

پھر کہتا ہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔آؤ! آؤ! خدا کے سامنے جُھکنے میں میرے شریک بنو۔آؤ ہم سب مِل کر خدائے واحد کی عبادت کریں اور اپنے جسم کے ہر ذرّہ کو اس کی اطاعت میں لگا دیں۔

دُنیا کے لوگ نوبت خانے بجاتے ہیں اور بجا کے کہتے ہیں آؤ اور بادشاہ کی زیارت کر کے چلے جاؤ۔ جو انعام پانے والے ہوتے ہیں وہ تو چند ہی ہوتے ہیں۔ باقی تو صرف مٹی اور غُبار کھا کے چلے جاتے ہیں۔ یہاں جو بادشاہ کی تاجپوشی ہوئی تھی یا لنڈن میں تاجپوشی کی رسم ہوئی ہے تو بادشاہ کے پاس جانیوالے یا اُس سے کوئی بات کرنے والے زیادہ سے زیادہ پانچ سَو یا ہزار ہونگے۔ حالانکہ یہ بھی کوئی خاص انعام نہیں ہے مگر جمع وہاں تیس لاکھ ہوئے تھے۔باقی تیس لاکھ صرف گَرد ہی کھا کے آ گئے اَور کیا ہؤا۔ پھر کچھ ایسے تھے جن کو سواری بھی نظر نہیں آئی اور کچھ ایسے تھے جنہوں نے دُور سے سواری دیکھی اور شکل نہیں پہچانی اور کچھ ایسے تھے جنہوں نے دُور سے تیز گاڑی کو چلتے ہوئے دیکھا۔مگر یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ دَوڑ کے آؤ۔ دیکھو خدا کے سامنے تمہاری حاضری کرائی جائے گی۔ یہ دربار وہ نہیں کہ جہاں سے دُور دُور سے جھانک کر جانا پڑے گا۔ یہ دربار وہ نہیں جہاں تم آؤ

گے تو بعض دفعہ تم کو قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا جائے گا۔ یہاں تم کو سپاہی دھتکاریں گے نہیں۔ یہاں تم مسجد کے قریب آؤ گے تو فرشتے تم کو پکڑ کے خدا کے سامنے پیش کریں گے اور خدا کو تم زندہ دیکھ لو گے۔ اس سے زیادہ اچھا موقع تمہیں اور کہاں مِل سکتا ہے۔

فلاح اور کامیابی کی بشارت

پھر فرماتا ہے **حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ** آؤ! آؤ! **کامیابی کی طرف آؤ! دَوڑ کر کامیابی کی طرف آؤ کہ کامیابی تمہیں ملنے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔ دیر نہ کرو وہ تڑپ رہی ہے تمہاری جیبوں میں پڑنے کے لئے۔**

دنیا کے بادشاہوں کے حضور میں لوگ نذرانے گزارنے جاتے ہیں اور اعلان ہوتا ہے سَو اشرفیاں پیش کی گئی ہیں۔ بیشک پُرانے زمانہ میں بادشاہ کہہ دیتے تھے کہ ان کو بھی دو لیکن بادشاہ کو بہر حال دینا پڑتا تھا۔ نظام حیدر آباد تو اس کو لے کے جیب میں ڈال لیتے تھے۔ انگلستان وغیرہ کے بادشاہوں کے سامنے بھی نذرانے پیش کئے جاتے ہیں اور جن کے ہاں نذرانوں کا رواج نہیں اُن کے ہاں دعوتیں اُڑائی جاتی ہیں مثلاً پریذیڈنٹ کہیں جائے گا تو بڑی دعوت کی جائے گی بڑے بڑے آدمیوں کو بُلایا جائے گا اور لاکھوں روپیہ خرچ کیا جائے گا۔ مگر یہاں وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اے لوگو! تمہیں صرف زیارت ہی نہیں ہو گی بلکہ تم میں سے ہر فردِ واحد امیر ہو یا غریب، کنگال ہو یا حیثیت والا سب کے سب کی گودیاں بھر دی جائیں گی اور یہاں سے تمہیں انعام دے کر واپس کیا جائے گا۔

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

غرض اِس دربار میں جانے والا چاہے وہ کتنا ذلیل اور کنگال ہو کہ اُس کی شکل دیکھ کر لوگوں کو گِھن آتی ہو جب اُس دربار میں چلا جاتا ہے تو وہاں وہ ایسا مقبول ہو جاتا ہے کہ بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اُس کے آگے سر جُھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کریہہ المنظر صحابیؓ سے پیار

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ تھے بہت بدصورت، نہایت کریہہ اور جسم پر بڑے بڑے بال جیسے بکری کے ہوتے ہیں اور آنکھیں بھی خراب۔ غرض اُن کے جسم کی حالت ایسی تھی جسے دیکھ کر گِھن آتی تھی اور لوگ انہیں مزدوری پر لگانے سے بھی گِھن کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں سے گزرے اور اُسکو دیکھا۔ کسی نے اُن کو گندم کے ڈھیر کے پاس کھڑا کر دیا تھا کہ تم ذرا

حساب کرو۔ اسے بیچنا ہے اور وہ کھڑے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کسی نے گندم لینی ہو تو لے لے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو دیکھا۔ اُسوقت اُن کی حالت ایسی تھی کہ Ä اُن کو آ رہا تھا، دھوپ میں کھڑے تھے، مزدوری بھی شاید اُن کو بہت تھوڑی ملنی تھی، غرض تکلیف کی بہت سی علامات تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں دیکھ کر احساس ہوا کہ دیکھو اِن کو سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ آپؐ پیچھے پیچھے آہستہ قدم چلتے گئے اور اُن کی آنکھوں پر جیسے بچّے کھیلتے ہیں ہاتھ رکھ دیئے۔ اُس نے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر دیکھا اور خیال کیا کہ میرے جیسے آدمی سے پیار کون کر سکتا ہے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، گھِن کھاتے ہیں لیکن یہ کون میرا دوست اور خیر خواہ آ گیا جو مجھے پیار کرنے لگا ہے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے شروع کئے، آخر اُن کے ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائی پر پڑے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں یہ خوبی تھی کہ آپؐ کے بال بہت کم تھے اور مشہور تھا کہ آپؐ کا جسم بہت ملائم ہے۔ اُس نے ہاتھ ملے تو سمجھ گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پیار کر رہے ہیں تو مَیں بھی نخرے کروں۔ اُس کے جسم پر مٹی لگی ہوئی تھی، Ä آیا ہوا تھا اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب میل مَلنی شروع کر دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ پہچان گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا لوگو! مَیں ایک غلام بیچتا ہوں کسی نے خریدنا ہے؟ جب آپؐ نے یہ فرمایا تو اس کو اپنی حالت پھر یاد آ گئی اور اُس نے بڑی ہی افسردگی سے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا خریدار دنیا میں کون ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کہو تمہارا خریدار تو خود خدا ہے۔[۶۷]

تو دیکھو! وہ شخص جس کو دیکھ کر اُس کے دوست اور رشتہ دار بھی گھِن کھاتے تھے۔ اُس کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ یہ خدا کا پیارا ہے۔ یہی بات حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ میں بیان کی گئی ہے کہ دنیا کی ساری کامیابی تمہیں یہاں آنے سے ہی حاصل ہو گی۔ تم سب جگہ دھتکارے جا سکتے ہو، تم سب جگہ حقیر سمجھے جا سکتے ہو مگر میرے رب کی عبادت اور غلامی ہر مقصد و مدّعا میں انسان کو کامیاب بنا دیتی ہے۔ **جو اُس کے ہو جاتے ہیں اُن پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ جو اُس کے غلاموں پر ہاتھ ڈالے خواہ ساری دُنیا کا بادشاہ کیوں نہ ہو اُس کے ہاتھ شَل کر دیئے جاتے ہیں، اُس کی رگِ جان کاٹ دی جاتی ہے، اُسے ذلیل اور رُسوا کر دیا جاتا ہے کیونکہ خدا کے غلام دنیا کے بادشاہوں سے زیادہ معزز ہیں اور اُن کے محافظ فرشتے ہوتے ہیں جو دُنیوی سپاہیوں سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔**

اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اُسکی وحدانیت کا ایک بار پھر اقرار

یہاں پہنچ کر وہ نوبتی ایک بار پھر کہتا ہے

اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ یعنی اب تک جو کچھ میں نے کہا تھا وہ صرف میرے عقیدہ کا اظہار تھا مگر اب جب کہ میری گودی بھر گئی ہے اور مجھے وہ چیزیں ملی ہیں جو دنیا میں بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس بھی نہیں ہیں اور میرا خیال حقیقت اور میرا عقیدہ واقعہ بن چکا ہے میں دوبارہ اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ اللہ واقعہ میں سب سے بڑا ہے کیونکہ مَیں نے بیکس اور بے بس ہونے کے باوجود فلاح پالی ، میرا عقیدہ ٹھیک نکلا اور میرا ایمان حقیقت بن گیا اِس لئے اب مَیں یقین اور تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ اللہ سب سے بڑا ہے ، اللہ سب سے بڑا ہے۔ پھر وہ آخر میں کہتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہ خدا کی بڑائی کے اظہار سے تو صرف یہ ثابت ہوتا تھا کہ کئی طاقتوں میں سے خدا کی طاقت سب سے بڑی ہے مگر اُسکے نشان دیکھ کر اب تو مَیں یہ کہتا ہوں کہ دنیا میں خدا کی حکومت کے سِوا کسی کی حکومت ہی باقی نہیں رہے گی صرف وہی پُوجا جائے گا اور اس کا حکم دنیا میں چلے گا۔

مسجدِ نبویؐ میں بیٹھ کر تمام دنیا کو فتح کرنے کے عزائم

دیکھو ! مسلمانوں نے سچے دل سے یہ نوبت بجائی تھی پھر کس طرح وہ مدینہ سے نکل کر ساری دنیا میں پھیل گئے۔ دُنیا میں اُس وقت دو ہی حقیقی حکومتیں تھیں ایک قیصر کی حکومت تھی جو مغرب پر حاکم تھی اور ایک کسریٰ کی حکومت تھی جو مشرق کی مالک تھی۔ مگر اس نوبت خانہ میں جو بظاہر اتنا حقیر تھا کہ کھجور کی ٹہنیوں سے اُس کی چھت بنائی گئی تھی ، پانی برستا تھا تو زمین گیلی ہو جاتی تھی اور اُس کے نوبت بجانے والے جب اُس میں جا کر اپنے آقا کے سامنے جُھکتے تھے تو اُن کے گُھٹنے کیچڑ سے بھر جاتے تھے اور اُن کے ماتھے مٹی سے بھر جاتے تھے۔ یہ لوگ تھے جو قیصر اور کسریٰ کی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ یورپ کا ایک مصنف اپنے انصاف اور قلبی عدل کی وجہ سے لکھتا ہے کہ مَیں اسلام کو نہیں مانتا ،مَیں عیسائی پادریوں کی باتوں سے سمجھتا ہوں کہ جس طرح وہ کہتے ہیں اسلام جھوٹا ہی ہوگا لیکن مَیں جب تاریخ پڑھتا ہوں تو تیرہ سَو سال کا زمانہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ایک کچّا مکان ہے، اُس کے اوپر کھجور کی ٹہنیوں کی چھت پڑی ہوئی ہے، بارش ہوتی ہے تو اُس میں پانی آجاتا ہے (حدیثوں میں یہ واقعات آئے ہیں کہ بارش ہوتی تو

پانی ٹپکنے لگ جاتا) اور جب وہ نمازوں کے لئے کھڑے ہوتے تو گھٹنوں تک کیچڑ لگا ہوتا تھا اور کوئی خشک جگہ اُن کو بیٹھنے کے لئے نہیں مِلتی، جب عبادت کر کے پھر وہ اکٹھے ہو کر باتیں کر رہے ہوتے ہیں تو مَیں عالَمِ خیال میں قریب سے اُن کی باتیں سُنتا ہوں اور مَیں دیکھتا ہوں کہ اُن کے پھٹے ہوئے کپڑے ہیں، کسی کے پاس کُرتہ ہے تو تہہ بند نہیں ہے، کسی کے پاس تہہ بند ہے تو کُرتہ نہیں ہے، کسی کے سر پر ٹوپی ہے تو جُوتی نہیں ہے، کسی کے پاس پھٹی ہوئی جُوتی ہے تو ٹوپی نہیں اور وہ سرگوشیاں کر رہے ہیں اور مَیں قریب ہو کر اُن کی باتیں سُنتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ جب مَیں قریب پہنچتا ہوں تو وہ یہ کہتے سُنائی دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں دنیا کی بادشاہت عطا کر دی ہے۔ ہم مشرق پر بھی قابض ہو جائیں گے اور ہم مغرب پر بھی قابض ہو جائیں گے، ہم شمال پر بھی قابض ہو جائیں گے اور ہم جنوب پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ مَیں نے دیکھا کہ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ اَب بتاؤ کہ مَیں اسلام کو کس طرح جھوٹا کہوں؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ایسی تھی کہ بعض غریب گاؤں کے لوگ جب میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے مسجد بنانی ہے تو مَیں کہتا ہوں کہ ایسی ہی بنا لو۔ وہ کہتے ہیں نہیں جی! کچھ تو اچھی ہو۔ تو کسی گاؤں کے پانچ آدمی بھی اس مسجد کی طرح مسجد بنانے کو تیار نہیں ہوتے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی لیکن ان مسجدوں میں جو نماز پڑھنے والے ہوتے ہیں وہ اپنے ہمسائیوں سے ڈر رہے ہوتے ہیں **مگر اُس کھجور کی ٹہنیوں کی چھت والی مسجد جس میں پانی ٹپکتا رہتا تھا نماز پڑھنے والے یُوں بیٹھے ہوتے تھے کہ گویا اُنہوں نے دُنیا کو فتح کرنا ہے اور وہ واقعہ میں دنیا کو فتح کر لیتے ہیں۔ ایک ایک گوشہ اُن کے قدموں کے نیچے آتا ہے اور اُن کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے بڑے بڑے بادشاہوں کی کھوپڑیاں تڑپتی جاتی ہیں۔**

اِسلام کے ذریعہ دُنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہو گیا

غرض اِس نوبت خانہ میں اس اعلان کی دیر تھی کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ دنیا میں اَب خدا کی بادشاہت کے سِوا ہم کسی کو نہیں چھوڑیں گے کہ ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہو گیا۔ خدا کی بادشاہت آسمان سے زمین پر آ گئی اور ظلم اور جَور کی دُنیا عدل اور انصاف سے بھر گئی۔ اِس سے چھ سَو سال پہلے ایک اَور شخص جو برگزیدہ تھا، ایک اور شخص جس کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، ایک اور شخص جس کی اطاعت کا آج دُنیا کی اکثریت اقرار

کر رہی ہے ، ایک اَور شخص جس کی حکومت میں انگلستان کی حکومت ، فرانس کی حکومت ، سپین کی حکومت ، جرمن کی حکومت ، پولینڈ کی حکومت ، فلپائن کی حکومت ، امریکہ کی ساری حکومتیں اور ریاستیں اُس کی خدائی کی اقراری ہیں اور اُس کے آگے سر جُھکاتی ہیں۔ وہ بھی کہتا ہے کہ :-

''اے خدا! جس طرح آسمان پر تیری بادشاہت ہے اُسی طرح زمین پر بھی ہو۔''[۶۸]

مگر آج اُنیس سَو سال گزر گئے اُس کے ذریعہ سے خدا کی بادشاہت جو آسمان پر ہے زمین پر قائم نہیں ہوئی لیکن یہ شخص جو ایک ایسے کچّے مکان میں رہ کے اور اِس نوبت خانہ میں آ کے خدا تعالیٰ کا پیغام سُناتا ہے، وہ ابھی مرنے نہیں پاتا کہ خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم ہو جاتی ہے۔ اور اُس کی وفات کے نو سال کے اندر اندر سارے عرب پر بادشاہت قائم ہو جاتی ہے۔ وہ کھڑا ہوتا ہے اور ایسے وقت میں جب دشمن کی فوجیں اُسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے کھڑی ہیں، مدینہ سے باہر نکل کر پاخانہ کوئی پھر نہیں سکتا، خندق کھودی جاتی ہے تا دشمن کے حملہ سے بچائے۔ ایک پتھر نہیں ٹوٹتا۔ صحابہؓ کہتے ہیں یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! پتھر نہیں ٹوٹتا۔ فرماتے ہیں لاؤ ہتھوڑا مجھے دو مَیں توڑتا ہوں۔ آخر پتّھر پر ہتھوڑا مارتے ہیں۔ وہ پتّھر بڑا سخت ہے۔ اُس پر ہتھوڑا مارتے ہیں تو اُس میں سے شُعلہ نکلتا ہے۔ پھر مارتے ہیں پھر شُعلہ نکلتا ہے۔ آپؐ ہر دفعہ کہتے ہیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ پھر تیسری دفعہ مارتے ہیں۔ جب شُعلہ نکلتا ہے پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہیں۔ صحابہؓ بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے کیوں اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا؟ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپؐ نے کیوں کہا؟ آپؐ نے فرمایا۔ مَیں نے پہلی دفعہ پتّھر پر ہتھوڑا مارا تو اُس میں سے شُعلہ نکلا اور اُس شُعلہ میں سے خدا تعالیٰ نے مجھے دکھایا کہ قیصر کی حکومت توڑ دی گئی۔ اور مَیں نے کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ جب مَیں نے دوسرا ہتھوڑا مارا تو پھر اُس میں دوسرا شُعلہ نکلا اور مجھے یہ نظارہ دکھایا گیا کہ کسریٰ کی حکومت توڑ دی گئی پھر مَیں نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا۔ جب مَیں نے تیسرا ہتھوڑا مارا، مجھے دکھایا گیا کہ حِمیر کی حکومت توڑ دی گئی۔ اِس پر پھر مَیں نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ مارا۔ صحابہؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہمارے بھی نعرے اِسی طرح سمجھ لیجیئے۔[۶۹]

قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی جگہ خدائے واحد کی حکومت قائم کر دی گئی

پھر آپؐ نے فرمایا

اِذَا هَلَکَ کِسْرٰی فَلاَ کِسْرٰی بَعْدَہٗ وَ اِذَا هَلَکَ قَیْصَرُ فَلاَ قَیْصَرَ بَعْدَہٗ۔[۲۷]
خدا قیصر کو میرے سپاہیوں کے مقابلہ میں شکست دے گا اور ایسی شکست دے گا کہ اِس کے بعد دنیا میں کوئی قیصر نہیں ہوگا اور خدا تعالیٰ میرے آدمیوں کے ذریعہ سے کسریٰ کو شکست دے گا اور ایسی شکست دے گا کہ دنیا میں اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں کہلائے گا۔

جس وقت اِس نوبت خانہ سے نوبت بجی اُس وقت کہا گیا کہ دُنیا میں خدا کی حکومت قائم کی جائے گی۔ دیکھ لینا کہ اِذَا هَلَکَ قَیْصَرُ فَلاَ قَیْصَرَ بَعْدَہٗ۔ دنیا میں ایک طرف مغرب میں قیصر حاکم ہے لیکن قیصر ہلاک کیا جائے گا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہیں کھڑا ہوگا بس خدا کی حکومت وہاں ہوگی۔ دوسری طرف مشرق میں کسریٰ کی حکومت ہے کسریٰ کو تباہ کیا جائے گا اور اُس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں کھڑا ہوگا اُس کی جگہ بھی خُدا کی بادشاہت قائم ہوگی۔ اور مشرق ومغرب میں میرے ماننے والوں ،میرے مریدوں اور میرے شاگردوں کے ذریعہ سے آسمانی بادشاہت زمین پر آکر قائم ہوگی۔

غرض اِس نَوبت خانہ سے جو یہ نوبت بجی ، یہ کیا شاندار نوبت ہے۔ پھر کیسی معقول نوبت ہے۔ وہاں ایک طرف بینڈ بج رہے ہیں۔ ٹُوں، ٹُوں، ٹُوں۔ ٹیں،ٹیں،ٹیں۔ اور یہ کہتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ۔اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ کیا معقول باتیں ہیں۔کیسی سمجھدار آدمیوں کی باتیں ہیں۔بچّہ بھی سُنے تو وجد کرنے لگ جائے اور اِن کے متعلق کوئی بڑا آدمی سوچے تو شرمانے لگ جائے بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ ٹوں ٹوں ٹوں ٹیں ٹیں ٹیں۔ مگر افسوس! کہ اِس نوبت خانہ کو آخر مسلمانوں نے خاموش کر دیا۔ یہ نوبت خانہ حکومت کی آواز کی جگہ چند مرثیہ خوانوں کی آواز بن کر رہ گیا اور اِس نوبت کے بجنے پر جو سپاہی جمع ہؤا کرتے تھے وہ کروڑوں سے دسیوں پر آ گئے اور اُن میں سے بھی ننانوے فیصدی صرف رسماً اُٹھک بیٹھک کر کے چلے جاتے ہیں۔تب اِس نوبت خانہ کی آواز کا رُعب جاتا رہا، اسلام کا سایہ کھنچنے لگ گیا، خدا کی حکومت پھر آسمان پر چلی گئی اور دُنیا پھر شیطان کے قبضہ میں آ گئی۔

اَب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے اور تم کو! ہاں تم کو! ہاں تم کو! خدا تعالیٰ نے پھر اِس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے

آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اِس زور سے بجاؤ کہ دُنیا کے کان پھٹ جائیں۔ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اِس قرنا میں بھر دو۔ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اِس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اُٹھیں تا کہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہائے تکبیر اور نعرہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آجائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اِس زمین پر قائم ہو جائے۔ اِسی غرض کیلئے مَیں نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اِسی غرض کیلئے مَیں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔محمدؐ رسول اللہ کا تخت آج مسیحؑ نے چھینا ہوا ہے۔تم نے مسیحؑ سے چھین کر پھر وہ تخت محمدؐ رسول اللہ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے۔ پس میری سنو اور میری بات کے پیچھے چلو کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے۔میری آواز نہیں ہے، مَیں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔تم میری مانو! خدا تمہارے ساتھ ہو، خدا تمہارے ساتھ ہو، خدا تمہارے ساتھ ہو اور تم دُنیا میں بھی عزّت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا کہ دنیا میں خدا اور اُس کے رسولؐ کی بادشاہت قائم ہو

اِس کے بعد مَیں جلسہ کو دُعا کے بعد ختم کرتا ہوں اور پھر آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ مبلّغین کی جو باہر سے تاریں آئی ہیں اُن کیلئے بھی دُعا کرو، اپنے لئے بھی دُعا کرو، اپنے گھر والوں کیلئے بھی دُعا کرو جو احمدی پیچھے رہ گئے ہیں اُن کے لئے بھی اللہ سے دُعا کرو اور سب سے زیادہ تو یہ دُعا مانگو کہ ہم میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ سچّا عبد اور اپنے دین کی خدمت کرنے والا بنائے اور ہم سے کوئی ایسی کمزوری ظاہر نہ ہو جس کی وجہ سے اسلام کو، قرآن کو، رسول اللہ کے دین کو نقصان پہنچے بلکہ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی خدمت کی ایسی توفیق دے کہ ہمارے ذریعہ سے اسلام پھر طاقت پکڑے اور قوّت پکڑے اور ہم اپنی آنکھوں سے خدا اور اُس کے رسولؐ کی بادشاہت اِس دُنیا میں دیکھ لیں۔اور جس طرح ہماری پیدائشیں ایک افسردہ دنیا میں ہوتی ہیں ہماری موتیں خوش دنیا میں ہوں۔اور ہم اپنے پیچھے اُس دنیا کو چھوڑ کر جائیں جس پر ہمارے خدائے واحد کا قبضہ ہو اور شیطان اُس میں سے نکال دیا گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے مجھے بولنے کی توفیق دے دی ورنہ جس قسم کی بیماریوں میں سے مَیں گزرا تھا اور اب تک بھی مَیں کمزوری محسوس کرتا تھا اُس کو دیکھتے ہوئے اب کی دفعہ مجھے پہلی دفعہ یہ احساس ہؤا تھا کہ شاید آپ لوگوں میں یہ میرا آخری جلسہ ہوگا۔ کیونکہ اب میرا جسم میری طاقت کو زیادہ دیر برداشت نہیں کرسکتا۔ مجھے اُمید بھی نہیں تھی کہ خدا تعالیٰ مجھے اِتنی دیر بولنے کی توفیق دے دے گا مگر اُس نے توفیق دے دی ہے۔ خدا تعالیٰ میں بڑی طاقتیں ہیں۔ جہاں اُس نے مجھے بولنے کی توفیق دی ہے وہاں وہ ہم سب کوعمل کرنے کی بھی توفیق دے دے اور ہمیں اسلام کو اُس کی اصلی شان وشوکت میں لانے کی توفیق بخشے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔

۱؎ الفاتحۃ:۲ ۲؎ مُضْعِفٌ: کمزور کرنے والا۔

۳؎ لام بندی: لام باندھنا۔ چاروں طرف سے لشکر جمع کرنا۔

۴؎ چھینکے: وہ جالی یا ٹکن جو کھانا وغیرہ رکھنے کیلئے چھت میں لٹکا دیتے ہیں۔

۵؎ القمر: ۴۲ تا ۴۷

۶؎ سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۷؎ سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۸؎ الاحزاب: ۱۴ ۹؎ الاحزاب: ۲۳

۱۰؎ سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۱۱؎ الفتح: ۲ تا ۴ ۱۲؎ المائدۃ: ۲۱

۱۳؎ تفسیر درمنثور للسیوطی جلد ۶ صفحہ ۶۹ مطبوعہ بیروت ۱۳۱۴ھ

۱۴؎ السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ ۸۳ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۱۵؎ السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ ۸۳ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۱۶؎ السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ ۸۳ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۱۷؎ السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ ۸۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۱۸؎ فراش: بچھونا

۱۹؎ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ تا ۲۱۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۲۰
۲۱
۲۲ سیرت ابن ہشام جلد۲ صفحہ۲۱۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۲۳،۲۴ سیرت ابن ہشام جلد۲ صفحہ۲۱۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۲۵،۲۶ السیرۃالحلبیة جلد۳ صفحہ۹۳،۹۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء
۲۷ **الفتح**:۱۷ ۲۸ **الفتح**:۲۲ ۲۹ **نفیریاں**: شہنائیاں
۳۰ **الحج**:۴۰ تا ۴۲ ۳۱
۳۲ المجادلة :۲۳ ۳۳ **المائدة** :۵۷ ۳۴ **البقرة** :۲۵۰
۳۵ **الانفال** :۶۲ ۳۶ **اٰل عمران**:۱۷۴ ۳۷ **اٰل عمران**:۱۲۵،۱۲۶
۳۸ **اٰل عمران** :۱۲۷
۳۹ فتوح البلدان صفحہ۱۴۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۹ھ
۴۰
۴۱
۴۲ مسلم کتاب الفضائل باب من فَضَائِلِ مُوْسٰی
۴۳ **الانعام**:۱۰۹ ۴۴ **المائدة** :۹
۴۵ تا ۵۰ ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی دُعَاءِ الْمُشْرِكِیْن۔ السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ۱۷۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء
۵۱ السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ۱۷۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء (مفہومًا)
۵۲ السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ۱۷۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء
۵۳
۵۴ مؤطا امام مالک کتاب الجهاد۔ باب النَّهْیُ عن قَتْلِ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ فِی الغَزْوِ میں اس سے مشابہ الفاظ حضرت ابوبکرؓ کی طرف منسوب ہیں۔
۵۵ مؤطا امام مالک کتاب الجهاد۔ باب النَّهْیُ عن قَتْلِ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ فِی الغَزْوِ میں اس سے مشابہ الفاظ حضرت ابوبکرؓ کی طرف منسوب ہیں۔
۵۶ مؤطا امام مالک کتاب الجهاد۔ باب النَّهْیُ عن قَتْلِ النِّسَآءِ

وَالْوِلْدَانِ فِی الغَزْوِ میں اس سے مشابہ الفاظ حضرت ابوبکرؓ کی طرف منسوب ہیں۔
۵۷ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۰۷
۵۸
۵۹ **الاحزاب**:۲۴
۶۰ سیرت ابن ھشام جلد ا صفحہ ۸۵ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۶۱ **العٰدیٰت**:۲ تا ۶ ۶۲ **ڈگ بھرنا**: لمبے قدم اُٹھانا۔ تیز چلنا
۶۳ **التوبة** :۵۲
۶۴ بخاری کتاب الجهاد والسیر باب مَنْ یَنْکُبُ اَوْ یُطْعن فِیْ سَبِیْلِ اللّٰه۔
۶۵ تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۹ بیروت ۱۹۸۷ء
۶۶ **الانعام** : ۵۷،۵۸
۶۷ شمائل الترمذی باب مَاجاء فی صفة مزاح رسول الله صلی الله علیه وسلم۔
۶۸ متی باب ۶ آیت ۹،۱۰ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء (مفہوماً)
۶۹ السیرة الحلبیة الجزء الثانی صفحہ ۳۳۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء
۷۰ بخاری کتاب المناقب باب علامات النّبوَّةِ فی الاسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (۸)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۴ء بر موقع جلسہ سالانہ منعقدہ ربوہ)

عالَمِ روحانی کے دفاتر

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

۱۹۳۸ء کے سفرِ حیدر آباد اور دہلی میں مَیں نے جو تاریخی مقامات دیکھے اُن میں مسلمان بادشاہوں کے دفاتر بھی شامل تھے مجھے بعض عمارتیں دکھائی گئیں اور کہا گیا کہ یہ قلعہ کے شاہی دفاتر ہیں۔

دُنیوی دفاتر کا نظام اور اُس کی غرض وغایت

اِن دفاتر پر ایک سیکرٹری اور وزیر مقرر ہوتا تھا۔ باہر کے تمام صوبیدار اور ان کے ماتحت افسر اور قاضی وغیرہ بادشاہ کے پاس اپنی رپورٹیں بھجواتے تھے اور اس دفتر میں اُن کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کو جب ضرورت پیش آتی تھی وہ ریکارڈ اُس کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور وہ اُن سے فائدہ اُٹھا کر اپنے احکام جاری کرتا تھا۔ مثلاً جس قدر بڑے بڑے چور، ڈاکو اور فریبی تھے اُن کے متعلق ڈائریاں جاتی تھیں کہ فلاں شخص مشہور چور ہے، فلاں شخص مشہور ڈاکو ہے، فلاں شخص مشہور مُفسد ہے، فلاں شخص بڑا خائن ہے، فلاں شخص بڑا جعلساز ہے، اور جب اُن کو پکڑا جاتا تھا تو اُن ڈائریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بادشاہ اُن کے متعلق کوئی فیصلہ کرتا تھا اور وہ ڈائریاں وہاں ریکارڈ کے طور پر رکھی جاتی تھیں۔

اِسی طرح جب وہاں سے نیچے احکام جاری ہوتے تھے کہ مثلاً فلاں ڈاکو کی مزید نگرانی کرو اور اُس کے متعلق مزید ثبوت بہم پہنچاؤ یا اُس کو فلاں سزا دے دو یا کسی کے اچھے کام کی ڈائری آئی تو حُکم گیا کہ اس کی حوصلہ افزائی کرو یا اس کو فلاں انعام دے دو تو یہ ریکارڈ بھی وہاں رکھے

جاتے تھے اور ان میں یہ درج کیا جاتا تھا کہ فلاں فلاں کے نام یہ حُکم نافذ کیا گیا ہے۔

غرض ان دفاتر میں لوگوں کے اعمالنامے ہوتے تھے

رعایا کی سزاؤں اور ترقیات کے احکام کا اندراج

اِن اعمالناموں پر بادشاہ جو کارروائی کرتا تھا وہ ریکارڈ ہوتی تھی، جو سزائیں دیتا تھا اُن کے احکام درج ہوتے تھے۔ اِسی طرح جو سزاؤں کی تجویز نچلے افسر کرتے تھے وہ درج ہوتی تھی اور جو انعامات کی سفارشیں نیچے سے آتی تھیں وہ ریکارڈ ہوتی تھیں۔ پھر اُن سفارشات کے مطابق بادشاہ کے جو احکام جاری ہوتے تھے کہ مثلاً اس کو بیس ایکڑ زمین دے دو، اس کو ایک گاؤں دے دو، اس کو دس گاؤں دے دو، یہ سارے احکام اس میں درج ہوتے تھے۔

اِسی طرح جو ترقیات کے احکام جاتے تھے یا خطابوں کے احکام جاتے تھے کہ اِس کو فلاں خطاب دیا جاتا ہے، اُس کو فلاں خطاب دیا جاتا ہے وہ ان دفاتر میں لکھے جاتے تھے۔

غرض مُجرموں کی ڈائریاں اور مخلصوں کے کارنامے یہ سارے کے سارے وہاں جمع ہوتے تھے اور جب کسی شخص کو سزا دینے کا سوال پیدا ہوتا تھا تو اس کے پچھلے اعمالنامے دیکھ لئے جاتے تھے کہ یہ کس سزا کا مستحق ہے۔ بعض دفعہ فعل ایک ہی ہوتا ہے لیکن ایک شخص اس کام کا عادی ہوتا ہے اور دوسرے شخص سے اتفاقی طور پر وہ فعل سرزد ہو جاتا ہے جس سے اتفاقی حادثہ ہو جاتا ہے اس کو تو تھوڑی سزا دی جاتی ہے اور جو عادی مجرم ہوتا ہے اُس کو اس کے پچھلے جرائم کو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ سزا دی جاتی ہے۔

مگر مَیں نے دیکھا کہ یہ دفاتر جو

دُنیوی حکومتوں میں مجرموں کے لئے گریز کی متعدد راہیں

بادشاہوں نے بنائے تھے اِن میں گریز کی بھی بڑی بڑی راہیں تھیں۔ اوّل تو یہ لوگ چوری چُھپے کام کرتے تھے مثلاً ایک شخص قتل کرتا تھا یا چوری کرتا تھا اور ظاہر میں وہ بڑا شریف آدمی نظر آتا تھا۔ اب جو ڈائری نویس تھا اُس کو اِس کے حالات معلوم ہونے بڑے مشکل تھے پس اخفاء سے کام لینے کی وجہ سے وہ اپنے جرائم پر پردہ ڈال دیتا تھا۔ اِسی طرح میں نے دیکھا کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ بات تو اُن کی ظاہر ہوگئی لیکن مبالغہ کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ انہوں نے مکھی ماری اور بن گیا کہ ہاتھی مارا ہے اور پھر وہی رپورٹ اوپر چلی گئی کہ فلاں شخص سے یہ یہ جرائم ہوئے ہیں اور بعض لوگوں کو مَیں نے دیکھا کہ وہ رشوتیں دے کر اچھے اچھے کام لکھوا دیتے تھے کہ ہم

نے فلاں کام کیا ہے، فلاں کام کیا ہے لیکن اُن کے اِن کاموں کی کوئی خاص قدر نہیں ہوتی تھی۔سوائے اِس کے کہ بادشاہ کے دربار میں بڑی شُہرت ہوتی تھی کہ اس نے فلاں کام کیا ہے۔

عالَمِ روحانی کے ڈائری نویس اوران کا اعلیٰ درجہ کا نظام

اس کے مقابل پر مَیں نے قرآنی دفتر دیکھا تو اس میں مَیں نے یہ پایا کہ تھا تو وہ بھی اِسی شکل میں منظّم لیکن وہ ایسی صورت میں تھا کہ اُس میں کسی قسم کی بناوٹ یا کسی قسم کی غلط فہمی یا کسی قسم کا دھوکا یا کسی قسم کی سازش نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ قرآنی دفتر میں بھی مَیں نے دیکھا کہ وہاں ڈائریوں کا انتظام ہے۔مگر ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ وہاں جھوٹ کی آلائش بالکل نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ قرآن کریم میں لکھاہوٗا تھا وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ o كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ [1] یعنی تم پر ہماری طرف سے ڈائری نویس مقرر ہیں لیکن وہ ڈائری نویس حافظ ہیں۔یعنی ان کا یہی کام نہیں کہ تمہارے جرائم لکھیں بلکہ یہ کام بھی سپرد کیا گیا ہے کہ تمہیں جرائم کرنے سے روکیں۔ اُن کا یہی کام نہیں کہ تمہارے اچھے کاموں کا ریکارڈ کریں بلکہ یہ بھی کام ہے کہ تمہیں اچھے کاموں میں زیادہ کامیاب ہونے میں مدد دیں۔ كِرَامًا اور پھر یہ ڈائری نویس جو ہم نے مقرر کئے ہیں بڑے اعلیٰ درجہ کے اور اعلیٰ پایہ کے لوگ ہیں جو ہر قسم کی رشوت خوری سے بالا ہیں، سازش سے بالا ہیں، جھوٹ سے بالا ہیں، كَاتِبِيْنَ اور بڑے محتاط ہیں۔ وہ یہ نہیں کرتے کہ اپنے حافظہ میں بات رکھیں بلکہ جیسے آجکل سٹینو ہوتا ہے وہ سٹینو کی طرح ساتھ ساتھ لکھتے چلے جاتے ہیں اور اِس لکھنے کی وجہ سے اُن کی بات میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔اور جو کچھ تم کرتے ہواُس کو وہ جانتے بھی ہیں۔

دُنیوی اور روحانی ڈائری نویسوں میں امتیاز

غرض قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہمارے سلسلۂ روحانیہ میں بھی ڈائری نویس ہیں لیکن وہ عام ڈائری نویسوں کی طرح جیسا کہ دنیوی حکومتوں میں ہوتا ہے غریب نہیں ہوتے، چھوٹی تنخواہوں والے نہیں ہوتے کہ اُن کو رشوت خوری کی ضرورت ہو بلکہ اعلیٰ پایہ کے لوگ ہوتے ہیں وہ اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوتے ہیں۔ان کو نہ کوئی خوشامد سے منا سکتا ہے، نہ رشوت دے سکتا ہے، نہ کسی کی کوئی دشمنی اس بات کی موجب ہوسکتی ہے کہ وہ غلط رپورٹ کریں بلکہ اُن کی

ہر ایک رپورٹ اور ہر ایک کام سچ کے ساتھ ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ بڑے دیانتدار ہیں، بڑے سچّے ہیں، بڑے راستباز ہیں، وہ اتنے محتاط ہیں کہ صرف اپنے حافظہ پر بات نہیں رکھتے جو بڑا مکمل حافظہ ہے بلکہ وہ ساتھ ساتھ لکھتے بھی چلے جاتے ہیں گویا اس احتیاط کو وہ دوگنی کر لیتے ہیں۔

دنیا میں ڈائریاں لکھنے کا غلط طریق

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیوی ڈائری نویس کئی قسم کی غلطیاں کر جاتے ہیں کیونکہ وہ ہر وقت ساتھ نہیں رہتے۔ مثلاً تمام گورنمنٹیں پولیس مقرر کرتی ہیں مگر جتنی بڑی سے بڑی منظّم گورنمنٹیں ہیں وہ اتنے ڈائری نویس مقرر نہیں کر سکتیں کہ ہر آدمی کے ساتھ ساتھ ڈائری نویس پھرے۔ اگر ملک کے سپاہیوں کی تعداد دیکھی جائے اور ادھر آدمیوں کی تعداد دیکھی جائے تو ہمیں نظر آئے گا کہ اگر ایک کروڑ آدمی ہے تو شاید پولیس تین چار ہزار ہو اور وہ تین چار ہزار بھی سارے ڈائری نویس ہی نہیں ہونگے بلکہ اُن میں سے اکثر وہ ہونگے جن کا کوئی اَور کام مقرر ہوگا۔ مثلاً یہ کہ رستوں کی حفاظت کرنی ہے یا انہیں کسی جگہ پر ریزرو رکھا ہؤا ہوگا کوئی جھگڑا یا فساد ہؤا تو وہ وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ سٹینو اور ڈائریاں لکھنے والے میرے خیال میں سارے صوبہ میں جس کی دو تین کروڑ آبادی ہو دو تین سَو ہی نکلیں گے۔ اب اگر دو تین کروڑ آبادی میں ایک کروڑ پر سَو آدمی ہے یا فرض کر لو ایک کروڑ پر ہزار بھی آدمی ہے تب بھی دس ہزار آدمیوں پر ایک ہؤا اور دس ہزار آدمی پر جو ایک شخص مقرر ہے وہ ہر ایک کا نامۂ اعمال نہیں لکھ سکتا نہ وہ ہر ایک آدمی کے عمل کی تحقیقات کر سکتا ہے۔ لازمی بات ہے کہ کچھ لوگ تو یونہی ان کی نظروں سے چُھپ جائیں گے اور جو لوگ اُن کی نظروں کے نیچے آئیں گے اُن سب کے متعلق بھی وہ صحیح تحقیقات نہیں کر سکتے۔ کچھ کے متعلق تو وہ صحیح تحقیقات کریں گے اور کچھ کے متعلق وہ سُنی سُنائی باتوں پر ہی کفایت کر لیں گے۔ اعتبار ہوگا کہ فلاں آدمی بڑا سچا ہے، اُس نے کہا ہے تو ٹھیک ہی بات ہوگی اس لئے وہ مجبور ہوتے ہیں کہ جو بات اُن تک پہنچے اُس پر اعتبار کر لیں۔

مختلف حکومتوں کا طریقِ کار

دنیا کی تمام گورنمنٹوں میں امریکہ میں بھی، انگلینڈ میں بھی، یورپ میں بھی، ایشیا میں بھی غرض سارے ملکوں میں دیکھا جاتا ہے اُن کی کتابوں کو ہم پڑھتے ہیں تو اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا عام قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ کسی گاؤں میں گئے اور پُوچھا کہ یہاں کون کون آدمی رہتے ہیں؟ کوئی نمبردار مل گیا تو

اُس سے پوچھا کہ یہاں کونسا اچھا آدمی ہے کونسا بُرا ہے اور اُس کی کیا شُہرت ہے۔ اب ممکن ہے وہ شخص چند آدمیوں کا دشمن ہو اور ممکن ہے کہ چند آدمیوں کا دوست ہو۔ ہم نے دیکھا ہے ایک آدمی سے پوچھو تو وہ کچھ آدمیوں کی تعریف کر دیتا ہے اور دوسرے آدمیوں سے پوچھو تو وہ اُن کی مذمت کر دیتے ہیں۔ غرض اس طرح کی باتیں سُن کر لازماً وہ مجبور ہوتا ہے کہ اُن باتوں کو لے اور دوسروں کو پہنچا دے۔ اسی طرح ہم نے دیکھا ہے بعض دفعہ عورتوں سے پوچھ لیتے ہیں۔ ملازموں سے پوچھ لیتے ہیں، ہمسایوں سے پوچھ لیتے ہیں اور اس طرح اپنی ڈائری مکمل کر لیتے ہیں۔ اس میں بہت سی باتیں سچی بھی ہوتی ہیں اور بہت سی باتیں غلط بھی ہوتی ہیں۔

روحانی ڈائری نویس یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق ہوتے ہیں!

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ہم نے جو یہ ڈائری نویس مقرر کئے ہیں یہ کسی سے پُوچھ کر نہیں لکھتے بلکہ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ جو کچھ تم کرتے ہو وہاں تک اُن کو اپروچ (APPROACH) حاصل ہے اُن کو پہنچ حاصل ہے اور تم جو بھی کام کرتے ہو اُن کی نظر کے نیچے ہوتا ہے پس وہ اپنی دیکھی ہوئی بات لکھتے ہیں کسی سے پوچھ کر نہیں لکھتے اس لئے نہ تو لالچ کی وجہ سے کوئی نوکر جُھوٹ بول سکتا ہے، نہ بیوقوفی کی وجہ سے کوئی بچہ غلط خبر دے سکتا ہے نہ دشمنی کی وجہ سے کوئی ہمسایہ فریب کر سکتا ہے اُن کی اپنی دیکھی ہوئی بات ہوتی ہے جو صحیح ہوتی ہے۔

ایک عرائض نویس کا لطیفہ

ہم نے دیکھا ہے دُنیوی ڈائریوں میں بعض دفعہ ایسی ایسی غلطی ہو جاتی ہے کہ لطیفے بن جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے گورداسپور میں ایک صاحب عرائض نویس ہؤا کرتے تھے مَیں بھی اُن سے ملا ہوں۔ اُن کے اندر یہ عادت تھی کہ جب کوئی شخص اُن سے ملتا اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کر مصافحہ کرتا تو وہ اُس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور بجائے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کے ایڑی پر کھڑے ہو کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا شروع کر دیتے، یوں آدمی نمازی اور دیندار تھے۔ ان کے متعلق یہ لطیفہ مشہور ہؤا کہ ایک دفعہ اتفاقاً ڈپٹی کمشنر کے دفتر سے کچھ مسلیں غائب ہو گئیں۔ کوئی صاحبِ غرض ہو گا یا کوئی شرارتی ہو گا یا کسی نے افسر کو دُکھ پہنچانا ہو گا اب تحقیقات کے لئے پولیس کو مقرر کیا گیا کہ پتہ لو مسلیں کہاں گئیں؟ انہوں نے تحقیقات کر کے خبر دی کہ ہم نے پتہ لے لیا ہے اگر گورنمنٹ اجازت دے تو ہم اس پر کارروائی کریں۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر نے یا جو بھی مجسٹریٹ مقرر تھا اُس نے اجازت دے

دی اور وہی شخص جو مصافحہ کرتے ہوئے اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا کرتا تھا پولیس نے اُس کے گھر پر چھاپا مارا اور بہت سے کاغذات اُٹھا کر لے گئی اور سمجھا کہ مسلیں پکڑی گئیں۔ چنانچہ انہوں نے فوراً وہ مسلیں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں پہنچا دیں کیونکہ انہیں فوری کام کرنے کا حکم تھا اُن کو دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا کہ ان کاغذات میں ہے کیا، سیدھے ڈپٹی کمشنر کے دفتر پہنچے۔ اب جو اُس نے مسلیں اٹھائیں تو ایک کے اوپر لکھا تھا ''نمک کی مسل'' ایک کے اوپر لکھا ہوا تھا ''مرچ کی مسل'' ایک پر لکھا ہوا تھا '' ہلدی کی مسل''۔ ایک پر لکھا ہوا تھا ''آٹے کی مسل''۔ ایک پر لکھا ہوا تھا '' شکر کی مسل''۔ اب سب حیران کہ شکر اور آٹے کی مسلوں سے کیا مطلب ہے؟ آخر کھول کر دیکھا تو پتہ لگا کہ وہ بیچارہ خبطی تو تھا ہی، روز جب عدالت میں کام کرتا تھا تو دیکھتا تھا کہ مجسٹریٹ بیٹھا ہوا ہے اور کہتا ہے:- اہلمند! مسل پیش کرے اور پھر ایک مسل آجاتی۔ اس کو بھی شوق آتا مگر وہ حیثیت تو تھی نہیں، دل میں خواہش ہوتی کہ کاش! میں ڈپٹی کمشنر ہوتا اور میرے سامنے مسلیں پیش ہوتیں۔ یا میں ای۔اے۔سی ہوتا تو میرے سامنے مسلیں پیش ہوتیں۔ آخر انہوں نے گھر جا کر اپنی بیوی کو حُکم دیا کہ آئندہ مَیں گھر کا خرچ نہیں دونگا جب تک ہر ایک چیز کی مسل نہ بناؤ اور پھر وہ مسل میرے سامنے پیش کیا کرو۔ اب نمک خرچ ہو چکا ہے، بیوی کہتی ہے کہ نمک چاہئے اور وہ کہتے ہیں؟ نہیں، پہلے مسل پیش کرو اس کے لئے رات کا وقت مقرر تھا۔ چنانچہ نو بجے تک جب انہوں نے سمجھنا کہ ہمسائے سو گئے ہیں تو انہوں نے بیٹھ جانا اور بیوی کو کہنا کہ اچھا اہلمدہ! نمک کی مسل پیش کرو۔ اب اس نے نمک کی مسل پیش کرنی اور انہوں نے اس میں لکھنا کہ دو آنے کا نمک آیا تھا جو فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک چلا ہے۔ اس کے بعد '' حضور والا مدار! اَور منظوری دیں۔'' اور پھر اُس نے لکھنا کہ نمک کے لئے دو آنے کی اَور منظوری دی جاتی ہے۔ غرض وہ سارے کا سارا اُس بیچارے کے گھر کا بہی کھاتہ تھا جو درحقیقت اُس کا ایک تمسخر تھا۔ اب بات کیا ہوئی؟ بات یہ ہوئی کہ پولیس آخر انسان ہے اس کو غیب کا علم تو ہے نہیں وہ یہی کرتے ہیں کہ اِدھر اُدھر سے کنسوئیاں[۲] لیتے ہیں کہ کسی طرح بات کا پتہ چلے۔ وہ سارے شہر میں جو پھرے تو ہمسایوں نے کہا کہ اس کے گھر سے رات کو مِسل مِسل کی آواز آیا کرتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اُس کو پکڑ لیا۔ پہلے ایک ہمسایہ نے گواہی دی، پھر دوسرے نے دی، پھر تیسرے نے دی۔ غرض کئی گواہ مل گئے جنہوں نے تصدیق کی کہ روزانہ آدھی رات ہوتی ہے یا دس گیارہ بجتے ہیں تو یہاں سے آواز آنی شروع

ہوتی ہے کہ مِسل مِسل ، پس مسلیں اسی کے گھر میں ہیں۔ چنانچہ چھاپہ مارا گیا اور اندر سے نمک اور مرچ اور ہلدی کی مسلیں نکل آئیں تو اس طرح غلطیاں لگ سکتی ہیں۔ بہرحال انہوں نے تدبیر اور کوشش سے بات دریافت کرنی ہوتی ہے ان کو غیب کا علم نہیں ہوتا لیکن قرآن کریم کے جو ڈائری نویس ہیں اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ وہ اِردگرد کنسوئیاں لے کر پتہ نہیں لگاتے بلکہ ہر واقعہ کے اوپر کھڑے ہوتے ہیں اور ان کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ بات یوں ہوئی ہے۔

ایک سابق گورنر پنجاب کا وائسرائے کے نام خط

اِسی طرح میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جب میں ۱۹۲۴ء میں انگلستان گیا تو وہاں سے واپسی پر بمبئی گورنمنٹ کے ایک افسر نے ایک چِٹھی کی نقل مجھے بھیجی۔ وہ چِٹھی گورنر پنجاب کی تھی اور تھی وائسرائے کے نام اُس کو مختلف صوبوں میں سرکلیٹ کیا گیا تھا کیونکہ بڑے بڑے اہم معاملات کو سرکلیٹ کیا جاتا ہے۔ وہ چِٹھی اُس نے میرے پاس بھیجی کہ یہ آپ کی دلچسپی کا موجب ہوگی اِسے آپ بھی پڑھ لیں۔ اُس چِٹھی کو میں نے پڑھا تو حیران رہ گیا۔ اُس چِٹھی میں گورنر پنجاب سر میلکم ہیلی (جو بعد میں لارڈ بن گئے) وائسرائے کو لکھ رہے تھے کہ مجھے آپ کی طرف سے چِٹھی پہنچی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ امام جماعت احمدیہ جو انگلینڈ گئے تھے تو وہاں اُن کے تعلقات سوویٹ یونین کے بڑے بڑے افسروں سے تھے اور وہ اُن سے مل کر مشورے کرتے تھے اس لئے اُن کی نگرانی کی جائے اور دیکھا جائے کہ اُن کو سوویٹ یونین کے لوگوں سے کیا دلچسپی ہے اور سوویٹ یونین کا اُن کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اگر میں امام جماعت احمدیہ کا ذاتی واقف نہ ہوتا تو انگلستان کی سی آئی ڈی کی رپورٹ پر میں یقیناً اعتبار کرتا اور میں اس کو بڑی اہمیت دیتا لیکن میں ان کا ذاتی طور پر واقف ہوں وہ ایک مذہبی آدمی ہیں اور امن پسند آدمی ہیں۔ وہ سوویٹ یونین یا اس کے منصوبوں کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہیں رکھتے اس لئے اپنے ذاتی علم کی بناء پر مَیں آپ کو لکھتا ہوں کہ اس میں کسی کارروائی کی ضرورت نہیں یہ غلط رپورٹ ہے اور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آگے انہوں نے خود لکھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو بغیر علم کے بعض سوویٹ یونین کے بڑے بڑے آدمی ملے ہیں۔ ہمارے آدمیوں کو چونکہ پتہ تھا کہ وہ سوویٹ یونین کے آدمی ہیں اس لئے انہوں نے سمجھا کہ اس میں کوئی بات ہوگی اور ان کو پتہ نہیں تھا۔ ان کو ملنے والے آ کر ملے تو

انہوں نے ملاقات کر لی اور اس لئے کہ باقی لوگ بھی غلطی میں مبتلاء نہ رہیں وائسرائے نے وہ چِٹھی گورنر بمبئی کو بھیجی۔ شاید اَوروں کو بھی بھیجی ہوگی بہرحال ان کے ایک افسر نے مجھے اس کی نقل بھجوائی کہ چونکہ اس سے آپ کی بریّت ہوتی ہے مَیں آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔

سفرِ انگلستان سے واپسی پر جہاز کے چیف انجینئر سے ملاقات

اب میں نے سوچا کہ کیا واقعہ ہے تو مجھے یاد آیا کہ جب ہم جہاز سے واپس آ رہے تھے تو جہاز کا جو چیف انجینئر تھا اُس کی طرف سے مجھے پیغام ملا کہ مَیں آپ کو جہاز کا انجن وغیرہ دِکھانا چاہتا ہوں اور یہ کہ جہاز کس طرح چلائے جاتے ہیں؟ (بڑے بڑے جہازوں کے جو انجینئر ہوتے ہیں وہ بڑے رینک کے ہوتے ہیں بلکہ اُن کے کپتان بھی کرنیل رینک کے ہوتے ہیں۔ یہ پیغام جو مجھے ملا جہاز کے چیف انجینئر کی طرف سے تھا) مَیں نے اُس کو کہلا بھیجا کہ مَیں تو ایک مذہبی آدمی ہوں، میرا اِن باتوں سے کیا واسطہ ہے؟ میں نے سمجھا کہ شاید یہ مجھے کوئی راجہ مہاراجہ سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ کبھی میرے کام آئیں گے تو خواہ مخواہ جو یہ تکلیف اُٹھائیگا تو اس کا کیا فائدہ ہوگا بعد میں اس کو مایوسی ہوگی پس میں کیوں اس کو مایوس کروں۔ چنانچہ میں نے کہا میں تو ایک فقیر آدمی ہوں، مذہبی امام ہوں مجھے ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے آپ کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں؟ اُس نے پھر یہی کہا کہ ٹھیک ہے آپ مذہبی آدمی ہیں لیکن میری یہ خواہش ہے آپ مجھے ممنون کریں اور ضرور جہاز دیکھیں۔ چنانچہ میں گیا اُس نے بڑا انتظام کیا ہؤا تھا اور سارے انجینئر جو اُس کے ماتحت تھے اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے تھے ایک ایک پُرزہ اُس نے دکھایا اور بتایا کہ یوں جہاز چلتا ہے۔ اِس اِس طرح پاور پیدا ہوتی ہے اور اِس طرح وہ اُسے آگے کھینچتی ہے غرض سارا جہاز اُس نے دکھایا۔ خیر ہم نے جہاز دیکھ لیا۔ میرے ساتھ بعض اور ساتھی بھی تھے جب ہم باہر نکلے تو میرے ساتھیوں میں سے ایک دوست نے مجھے کہا کہ انجینئر صاحب نے الگ ہو کر مجھے کہا ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ پرائیویٹ طور پر میرے کمرہ میں چل کر ذرا دو پیالی چائے میرے ساتھ پی لیں۔ مَیں نے پھر انکار کیا اور کہا اِن کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے خواہ مخواہ کیوں ان کی مہمانی قبول کروں؟ مگر انہوں نے کہا بہت اصرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ پر بڑا احسان ہوگا آپ چائے پی لیں خیر وہ اکیلا ہی مجھے لے گیا اور باقی ساتھیوں کو ہم نے باہر چھوڑ دیا ہم کمرہ میں بیٹھے اور اُس نے چائے پلائی۔

چیف انجینئر کی غلط فہمی

چائے پلانے کے بعد کہنے لگا میری ایک عرض بھی ہے ۔ میں نے کہا فرمائیے۔ میں سمجھ گیا کہ اس کو کوئی کام ہی تھا۔ کہنے لگا میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ انگلینڈ کیوں گئے تھے؟ میں نے کہا مَیں انگلینڈ یہ دیکھنے کے لئے گیا تھا کہ اسلام کی ترقی کے لئے وہاں کیا کیا مواقع ہیں اور ہمارا مشن تبلیغ میں کس حد تک کامیاب اور کن اسباب کے ساتھ کامیاب ہوسکتا ہے؟ ہنس کر کہنے لگا یہ تو ہوئیں لوگوں سے کرنیوالی باتیں اصل وجہ مجھے بتائیے۔ میں نے کہا لوگوں سے اور تمہارے ساتھ باتیں کرنے میں کیا فرق ہے۔تم بھی لوگ ہو اور لوگ بھی لوگ ہیں اس میں میرے لئے فرق کرنے کی کیا وجہ ہے۔ کہنے لگا نہیں نہیں۔ آپ مجھ پر اعتبار کریں میں کسی کو نہیں بتاتا۔ میں نے کہا میری بات ہی ایسی کوئی نہیں جو کسی کو بتانے والی نہ ہو تم نے بتانا کیا ہے؟ اس پر اُس نے پھر اصرار کیا کہ سچی بات مجھے بتادیں۔ اس کے مقابل پر جب پھر مَیں نے اصرار کیا اور کہا کہ سوائے اِس بات کے اور کچھ بھی نہیں کہ مَیں تبلیغی میدان کے لئے راستہ کھولنے کے لئے گیا تھا اور یہ دیکھنے کے لئے گیا تھا کہ اسلام کی تبلیغ اِن ملکوں میں کس طرح ہوسکتی ہے تو پھر اُس نے بڑے افسوس سے کہا کہ مَیں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں کہ میں کون آدمی ہوں ۔

میکسیمیلین سے اپنے رشتہ داری تعلقات کا اظہار

پھر کہنے لگا، آپ نے میکسیمیلین (MAXIMILLION) کا نام سُنا ہؤا ہے؟ میں نے کہا ہاں میں نے سنا ہؤا ہے وہ آسٹریلیا کا ایک شہزادہ تھا۔میکسیکو میں فساد ہونے پر یورپ کی حکومتوں نے تجویز کی کہ اِس ملک میں اگر ہم کسی کو بادشاہ مقرر کر دیں تو اس ملک کے فسادات دُور ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے میکسیمیلین کے متعلق جو آسٹریلیا کے شاہی خاندان کا ایک شہزادہ تھا اور بڑا سمجھدار اور عقلمند سمجھا جاتا تھا تجویز کیا کہ اس کو میکسیکو کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ یہ جاکر انتظام کرلے گا۔ اُس وقت میکسیکو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے جاتے وقت اپنے اُن درباریوں میں سے جو شاہی درباری تھے ایک بڑا ہی قابلِ اعتبار آدمی ساتھ لے جانے کے لئے چُنا اور کہا کہ یہ میرا نائب ہوگا اور میری مدد کرے گا۔غرض وہ میکسیکو میں گیا اور امریکہ، انگلینڈ اور فرانس وغیرہ کے دباؤ ڈالنے سے وہاں اس کی بادشاہت قائم کر دی گئی اور اُس نے کام شروع کر دیا لیکن امریکہ کے لوگ بادشاہوں کے عادی نہیں تھے۔تھوڑے ہی دنوں میں وہاں بغاوت شروع ہوگئی اور بڑوں اور

چھوٹوں سب نے مل کر کہا کہ ہم تو اِس بادشاہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور وہ سارے کے سارے مقابل پر اُٹھ کھڑے ہوئے آخر اُس کو ملک سے بھاگنا پڑا۔ جب وہ وہاں سے بھاگا تو سارے اُس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ سوائے اُس درباری کے جس کو اُس نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ اُس نے ایسے ایسے مصائب جھیلے اور ایسی ایسی مصیبتیں اُٹھائیں کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن بڑی بڑی سخت تکلیفوں اور جان جوکھوں میں بھی اُس نے اُس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ کہنے لگا آپ نے اُس کا حال پڑھا ہے؟ میں نے کہا میں نام تو نہیں جانتا پر یہ میں نے پڑھا ہے کہ اُس کا ایک ساتھی اُس کے ساتھ گیا تھا اور وہ بڑا وفادار تھا۔ کہنے لگا میں اُس کا پوتا ہوں۔ اب آپ سمجھ لیجئے کہ آپ مجھ پر کتنا اعتبار کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا اعتبار تو جتنا چاہو کرالو پر بات ہی کوئی نہیں میں کیا کروں۔

چیف انجینئر کی مضحکہ خیز پیشکش

کہنے لگا خیر پھر آپ نہیں کرتے تو میں تو کم از کم اپنی طرف سے پیشکش کر دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ گئے تو تھے انگریزوں کے خلاف منصوبہ کرنے کے لئے لیکن مشکل آپ کو یہ پیش آئیگی کہ آپ اپنے مبلّغوں کو ہدایات کس طرح بھیجیں کیونکہ خط تو سنسر ہو جاتے ہیں اور اگر وہ پکڑے جائیں تو آپ کی ساری سکیم فیل ہو جاتی ہے اس لئے مَیں آپ کو یہ تجویز بتاتا ہوں کہ جب آپ نے ہدایتیں لکھ کر اپنے مبلّغ کو بھیجنی ہوں تو میرا جہاز ہمیشہ فرانس جاتا رہتا ہے۔ میرے ذریعہ آپ اُسے ہدایت بھیجیں اُدھر اپنے مبلغ کو لکھ دیں کہ جہاز پر آ کر مجھ سے وہ لفافہ لے جائے اسی طرح اُس نے آپ کو جو مخفی پیغام بھیجنا ہو وہ مجھے دے دے میں آپ کو پہنچا دیا کروں گا۔ پھر کہنے لگا آپ کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ وہ مجھ تک کس طرح پہنچے اور مَیں اُس کو کس طرح دوں اِس پر کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ اس کے لئے میں آپ کو ایک تجویز بتاتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے اپنا ایک کارڈ نکالا۔ یہ وزٹنگ کارڈ کہلاتے ہیں جو یوروپین لوگ ملتے وقت ایک دوسرے کو دکھاتے ہیں۔ اِس پر اُس شخص کا نام لکھا ہوُا ہوتا ہے اور اُس کا عہدہ وغیرہ درج ہوتا ہے جب کسی کو ملنا ہوتا ہے تو وہ کارڈ اندر بھجوا دیتے ہیں کہ فلاں افسر ملنے آیا ہے۔ غرض اُس نے اپنا وزٹنگ کارڈ نکالا اور اُس کو بیچ میں سے پکڑ کر دو ٹکڑے کر دیا۔ جب کارڈ کو دو ٹکڑے کیا جائے تو ہر کارڈ الگ شکل اختیار کر لیتا ہے کوئی $\frac{1}{1000}$ انچ اِدھر سے پھٹتا ہے کوئی $\frac{1}{1000}$ انچ اُدھر سے پھٹتا ہے۔ کوئی ذرا اِدھر سے نیچا ہو جاتا ہے کوئی اُدھر سے نیچا ہو جاتا ہے اس طرح تھوڑا

بہت فرق ضرور ہو جاتا ہے اور دونوں حصوں کو ملانے سے فوراً پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ کارڈ اسی کا حصہ ہے کسی دوسرے کارڈ کے ساتھ وہ نہیں لگ سکتا۔ غرض اس کارڈ کو پھاڑ کر وہ کہنے لگا۔ میں آپ کو اطلاع دونگا کہ میں فلاں تاریخ کو بمبئی پہنچ جاؤں گا آپ کا آدمی آئیگا اور وہ میرا نام لے کر کہے گا کہ فلاں چیف انجینئر صاحب ہیں؟ میں کہوں گا ہاں میں ہوں۔ پھر وہ میرے پاس آئے گا اور آکر مجھے کہے گا۔ آپ کو امام جماعت احمدیہ نے خط بھیجا ہے۔ میں کہوں گا۔ میں امام جماعت احمدیہ کو جانتا ہی نہیں وہ کون ہیں میں تو بالکل اُن کا واقف نہیں۔ وہ کہے گا نہیں آپ اُن کے واقف ہیں۔ چنانچہ ایک کارڈ جو آپ نے براہ راست میرے پاس بھیجا ہوگا اس کا دوسرا ٹکڑا وہ اپنی جیب سے نکال کر کہے گا۔ یہ لیجئے میں اپنی جیب میں سے کارڈ نکال کر ملاؤنگا جب وہ مل جائیں گے تو میں کہوں گا۔ ہاں ہاں میں جانتا ہوں کیا لائے ہو میرے لئے؟ پھر وہ لفافہ مجھے دے دیگا۔ اِدھر آپ ایک دوسرا کارڈ کاٹ کر میرے پاس بھیجدیں گے اور ایک اپنے انگلستان کے مبلغ کو بھیجدیں گے۔ جب میں فرانس یا اٹلی پہنچوں گا تو اس کو خبر دونگا کہ ہمارا جہاز پہنچ گیا ہے یا فلاں تاریخ کو پہنچ جائے گا۔ اور اُس کو آپ کی طرف سے ہدایت ہوگی کہ فلاں جہاز پر پہنچ جانا۔ وہ وہاں آئیگا اور آکر کہے گا کہ اس جہاز کا جو چیف انجینئر ہے وہ ہے؟ لوگ بتائیں گے کہ ہے۔ اس کے بعد میں جاؤنگا اور پوچھوں گا کون صاحب ہیں۔ وہ کہیں گے میں جماعت احمدیہ کا مبلغ ہوں اور انگلینڈ سے آیا ہوں۔ میں کہوں گا۔ میں جماعت احمدیہ کو جانتا ہی نہیں نہ کسی مبلغ کو جانتا ہوں۔ تم میرے پاس کیوں آئے ہو۔ وہ کہے گا مجھے امام جماعت احمدیہ نے بھیجا ہے میں کہوں گا۔ میں امام جماعت احمدیہ کو جانتا ہی نہیں۔ اس کے بعد وہ اپنی جیب میں سے کارڈ نکالے گا اور کہے گا کہ یہ کارڈ لیں۔ میں اپنی جیب سے کارڈ نکالوں گا اور دونوں کو ملاؤنگا۔ اگر وہ مل گئے تو میں کہوں گا۔ ہاں ہاں یہ لفافہ تمہارے لئے ہے۔ اس طرح آپ کی خط وکتابت بڑی آسانی سے ہو جائے گی۔ میں نے کہا میں آپ کی اس پیشکش کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کی اس خیرخواہی کا ممنون ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ میں یہ کام ہی نہیں کرتا تو اس سے کس طرح فائدہ اُٹھاؤں۔ کہنے لگا پھر سوچ لیجیئے۔ جب آپ کو ضرورت ہو میں حاضر ہوں۔

پولیس والوں کی قیاسی رپورٹیں

اس واقعہ سے مجھے خیال آیا کہ شاید وہی سوویٹ یونین کا نمائندہ ہو اور انہوں نے سمجھا ہو کہ شاید یہ جماعت

بھی اس قسم کے کام کرتی ہے ہم اسے اپنے ساتھ ملا لیں۔ بہرحال یہ ایک چٹھی تھی جو آئی۔ اس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ ڈائری نویس اپنی ڈائریاں کس طرح مرتب کیا کرتے ہیں۔ یہ لکھنے والے بددیانت نہیں تھے جھوٹے نہیں تھے ہمارے ساتھ ان کی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ بھلا انگلستان کے لوگوں کو یا فرانس کے لوگوں کو ہمارے ساتھ کیا دشمنی ہوسکتی ہے۔ انہوں نے محض قیاس کیا اور ایک شخص جس کے متعلق وہ جانتے تھے کہ وہ سوویٹ یونین کا بڑا آدمی ہے لیکن ہمیں پتہ نہیں تھا وہ ہمیں ملنے آیا ہم نے سمجھا کہ ایک عام آدمی ہم سے مل رہا ہے اور انہوں نے فوراً نوٹ کیا کہ سوویٹ یونین کا کوئی نمائندہ ان سے ملا ہے اور اس کے اوپر انہوں نے قیاس کرلیا کہ اُن کے ساتھ اِن کے تعلقات قائم ہیں۔

اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ڈائریوں میں کس طرح غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔ لیکن قرآنی دفتر کے ڈائری نویس کسی سے سن کر ڈائری نہیں لکھتے بلکہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اُس کی حقیقت سے آپ واقف ہو کر لکھتے ہیں۔

ڈائری نویسوں کی دھوکا دہی

پھر ڈائری نویسوں میں سے بعض ایجنٹ پرووکیٹیئر (AGENT PROVOCATEUR) ہوتے ہیں یعنی اُن کو خدمت کا اور اپنی حکومت میں مشہور ہونے کا اور صلہ پانے کا شوق ہوتا ہے اور وہ جان بوجھ کر ایسی باتیں کرتے ہیں تا کہ اگلے کے منہ سے کچھ نکل جائے اور وہ اسے بالا افسروں تک پہنچا سکیں۔ مثلاً مجلس لگی ہوئی ہے اور لوگ بالکل ناتجربہ کار اور سیدھے سادے بیٹھے ہیں۔ ایک آدمی نے درمیان میں جان بوجھ کر بات شروع کر دی کہ گورنمنٹ بڑے ظلم کر رہی ہے۔ اب ایک ناواقف شخص نے بھی کسی پرسختی کا ذکر سُنا ہؤا تھا تو اُس نے بھی کہہ دیا کہ ہاں جی میں نے بھی فلاں واقعہ سنا ہے۔ اُس نے جھٹ ڈائری لکھ لی کہ فلاں شخص کہہ رہا تھا کہ گورنمنٹ بڑا ظلم کر رہی ہے حالانکہ اس کا محرّک وہ آپ بنا تھا۔ ایسے لوگوں کو انگریزی میں ایجنٹ پرووکیٹیئر (AGENT PROVOCATEUR) کہتے ہیں۔ یعنی دوسروں کو اکسا کر وہ ان کے منہ سے ایسی باتیں نکلوا دیتے ہیں جو قابل گرفت ہوتی ہیں۔ جب میرٹھ کیس ہؤا جس میں وائسرائے کے مارنے کی تجویز کی گئی تھی تو اس میں ایک پولیس افسر نے سارا کیس بنایا کہ فلاں کانگرسی کی سازش تھی، فلاں کانگرسی کی سازش تھی لیکن اتفاقاً جب ساری مِسل بالکل تیار ہوگئی تو کسی اور جُرم میں ایک آدمی پکڑا گیا اور اُس نے اقرار کرلیا۔ اُس وقت پتہ لگا کہ وہ سارے ہی اور لوگ تھے اور یہ سب کی سب جھوٹی کہانی

بنائی گئی تھی۔ تب جا کر یہ حقیقت کُھلی اور پھر اُس شخص کو سزا بھی ملی۔

سفرِ حج کا ایک واقعہ

میں جب ۱۹۱۲ء میں حج کے لئے گیا تو وہاں بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ میرے ساتھ پانچ آدمی اور بھی ہم سفر تھے۔ ان میں سے تین بڑی عمر کے تھے اور وہ تینوں ہی بیرسٹری کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک ہندو تھا جو اَب ہندوستان چلا گیا ہے دو مسلمان تھے جن میں سے ایک فوت ہو چکا ہے اور ایک ملتان میں بیرسٹری کر رہا ہے۔ یہ تینوں روزانہ میرے ساتھ مذہبی اور سیاسی گفتگو کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کانگرس کے ساتھ ملنا چاہئے مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی اسی میں ہے۔ غرض خوب بحثیں ہوتی رہتی تھیں۔ جب ہمارا جہاز عدن پہنچا تو ہم اُتر کے عدن کی سیر کیلئے چلے گئے۔ میں بھی تھا اور وہ تینوں بیرسٹر بھی تھے اور وہ دولڑکے بھی تھے جن میں سے ایک اِس وقت ایجوکیشن کا ڈائریکٹر ہے اُس وقت وہ بچہ تھا۔ بہرحال ہم سارے وہاں گئے جس وقت ہم شہر میں داخل ہونے لگے تو ایک آدمی بالکل سادہ لباس میں ہمارے پاس آیا۔ اُس وقت ہم پنجابی میں باتیں کر رہے تھے اُس نے دیکھ لیا کہ پنجابی ہیں۔ چنانچہ آتے ہی کہنے لگا ’’آ گئے ساڈے لالہ لاجپت رائے جی دے وطن دے خوش قسمت لوگ آ گئے‘‘ اُس نے اتنا فقرہ ہی کہا تھا کہ انہوں نے اُس کو نہایت غلیظ گالیاں دینی شروع کر دیں۔ مجھے بڑی بدتہذیبی معلوم ہوئی کہ اِس بیچارے نے کہا ہے کہ تم وہاں سے آئے ہو اور انہوں نے گالیاں دینی شروع کر دی ہیں۔ خیر اُس وقت تو میں چُپ رہا جب ہم واپس آئے تو میں نے کہا کہ آپ لوگوں نے کوئی اچھے اخلاق نہیں دکھائے۔ کوئی مسافر آدمی تھا، پنجابی دیکھ کر اُسے شوق آیا کہ وہ بھی پنجابی میں باتیں کرے اور اُس نے آپ کو کہہ دیا کہ لالہ لاجپت رائے کے وطن کے لوگ آئے ہیں تو اس میں حرج کیا ہوا؟ وہ کہنے لگے آپ نہیں جانتے یہ پولیس مین تھا اور اُس کی غرض یہ تھی کہ ہم لالہ لاجپت رائے کی کچھ تعریف کریں اور یہ ہمارے خلاف ڈائری دے۔ اب پتہ نہیں یہ سچ تھا یا جھوٹ یا ان کے دل پر ایک وہم سوار تھا اور اس کی وجہ سے انہوں نے یہ کہا۔ بہرحال دنیا میں یہ کارروائیاں ہوتی ہیں۔

دیانتدار ڈائری نویسوں کو اپنی ڈائری کی تصدیق میں مشکلات

پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ ان بادشاہوں کے دربار میں سچی ڈائریاں بھی جاتی تھیں۔ آخر سارے پولیس مین تو جھوٹے نہیں ہوتے۔ بیچ میں جھوٹے بھی ہوتے ہیں اور سچے بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ دنیا کی ہر قوم میں

جھوٹے اور سچے ہوتے ہیں تو بعض بیچارے بڑی دیانت داری سے ڈائری لکھتے تھے لیکن ان کی تصدیق مشکل ہو جاتی تھی۔ مثلاً وہ کہتا تھا کہ میں نے فلاں جگہ پر کان رکھ کے سنا تو اندر سے فلاں فلاں آدمی یہ باتیں کر رہے تھے۔ یا مَیں ریل کے ڈبہ میں بیٹھا تھا تو فلاں فلاں یہ باتیں کر رہے تھے۔ اب ہم کس طرح یقین لائیں کہ اس نے سچ لکھا ہے۔ چاہے ایک ایک لفظ اُس نے سچ لکھا ہو۔ عام طور پر ڈائری نویس کو یہ رعایت ہوتی ہے کہ کہتے ہیں یہ آفیشل ورشن ہے۔ آفیشل ورشن غلط نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ دھینگا مُشتی ہے پبلک ہر آفیشل ورشن کو غلط کہتی ہے۔ جب تنقید بڑھ جاتی ہے اور حکومت کے خلاف اعتراضات ملک میں زیادہ ہو جاتے ہیں تو پھر حکومت قرآن ہاتھ میں لے کر بھی کوئی بات کرے تو ملک والے کہتے ہیں ہم نہیں مانیں گے یہ غلط اور جھوٹ ہے۔ بیچارہ پولیس والا وضو کر کے اور نماز پڑھ کے ڈائری لکھے اور خدا کی قسم کھائے کہ ایک لفظ بھی میں جھوٹ نہیں بولوں گا تو پھر بھی جب لوگ اس ڈائری کو پڑھیں گے تو کہیں گے جھوٹ ہے اور ملک میں اس کے خلاف زبردست پروپیگنڈا شروع ہو جاتا ہے اور پھر جمہوری حکومتوں میں چونکہ حکومتیں بدلتی رہتی ہیں پولیس بیچاری یہ بھی ڈرتی ہے کہ کَل کو یہی

آگے آ گئے تو ہمارے لئے مصیبت ہو جائے گی۔ مگر فرماتا ہے کہ یہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈائری نویس مقرر ہوتے ہیں ان کے لئے یہ خطرہ نہیں ہوتا۔

مجرموں کے انکار پر پولیس کا جھوٹے گواہ تیار کرنا

سیدھی بات ہے کہ ڈائری عام طور پر مُجرموں کی لکھی جاتی ہے اور مُجرم جو جُرم کرتا ہے وہ لوگوں کو دکھا کر تو کرتا نہیں، چوری چُھپے کرتا ہے اور چوری میں اتفاقاً ہی کوئی شخص دیکھ سکتا ہے، یہ تو نہیں کہ سارا ملک دیکھے گا یا سارا گاؤں دیکھے گا۔ اب فرض کرو اتفاقاً کوئی پولیس مین وہاں آ گیا اور اُس نے وہ بات دیکھ لی اور اُس نے رپورٹ کی کہ ایسا واقعہ ہوَا ہے تو اب لازماً جب وہ شخص پکڑا جائے گا تو کہے گا بالکل جھوٹ ہے اس کو تو میرے ساتھ فلاں دشمنی تھی اِس لئے میرے ساتھ اِس نے یہ سلوک کیا ہے میں نے تو یہ کام کیا ہی نہیں۔ اب اس کے لئے سوائے اس کے کہ کوئی اور ایسے گواہ پیش کر دیئے جائیں یا بنا لئے جائیں جن سے یہ واقعہ ثابت ہو اَور کوئی صورت ہی نہیں۔ چنانچہ دنیا میں یہی ہوتا ہے واقعہ سچا ہوتا ہے اور اس کے لئے گواہ جھوٹے بنائے جاتے ہیں تا کہ اس واقعہ کو ثابت کیا جائے۔ اتفاقاً

ایسے بھی واقعات ہوتے ہیں جن میں گواہ بھی سچے مل جاتے ہیں اور واقعات بھی سچے مل جاتے ہیں اور ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ واقعہ بھی جھوٹا ہوتا ہے اور گواہ بھی جھوٹے ہوتے ہیں بہرحال دونوں قسم کے کیس ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی گواہ بھی جھوٹے اور واقعہ بھی جھوٹا، کبھی واقعہ سچا اور گواہ جھوٹے، کبھی واقعہ بھی سچا اور گواہ بھی سچے مگر الٰہی سلسلہ کے متعلق فرماتا ہے کہ ہمارے جو ڈائری نویس ہیں ان میں یہ بات بالکل نہیں پائی جاتی۔

عالمِ روحانی میں مُجرم کیلئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی

یہ درست ہے کہ جس وقت اس کے سامنے گواہ پیش کئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ انہوں نے تمہارا واقعہ لکھا ہے تو مُجرم لازماً یہ کہے گا کہ صاحب! یہ غلط ہے۔ جیسے اِس دنیا میں مجسٹریٹ کے سامنے جب پولیس ایک کیس پیش کرتی ہے تو مُجرم کہتا ہے حضور یہ بالکل غلط ہے، پولیس والے میرے دشمن ہیں اور انہوں نے خواہ مخواہ مجھ پر کیس چلا دیا ہے میں نے تو کوئی فعل کیا ہی نہیں۔ اس کے نتیجہ میں جج بھی شبہ میں پڑ جاتا ہے اور وہ بھی یہ دیکھتا ہے کہ آیا پولیس سچی ہے یا یہ سچا ہے اور ادھر پبلک بھی شبہ میں پڑ جاتی ہے بلکہ پبلک کو عام ہمدردی لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے، پولیس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ چنانچہ پبلک بھی اور اخبار والے بھی طنز شروع کر دیتے ہیں کہ یونہی آدمی کو دَھر گھسیٹا ہے، نہ اس نے جُرم کیا نہ کچھ کیا یونہی اس کو دَھر لیا گیا ہے۔ فرماتا ہے یہ امکان ہمارے ڈائری نویسوں کے خلاف بھی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے یَوْمَ نَحْشُرُ هُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ o ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ[۳] جب قیامت کے دن ہمارے سامنے وہ لوگ پیش ہونگے تو ہم مشرکوں سے کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک قرار دیا کرتے تھے۔ تو فرماتا ہے وہ ایک ہی جواب دیں گے، جیسے ہمیشہ مُجرم جواب دیتے آئے ہیں کہ وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔ اے ہمارے رب! تیرے سامنے ہم نے جھوٹ بولنا ہے؟ تُو ہمارا خدا ہم تیرے بندے، تیرے سامنے تو ہم جھوٹ نہیں بول سکتے۔ مُجرم ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں کہ حضور کے سامنے جھوٹ بولنا ہے؟ آپ کے سامنے تو ہم نے جھوٹ نہیں بولنا۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم کبھی شرک کے قریب بھی نہیں گئے ہم نے کبھی شرک کیا ہی نہیں، یہ سب جھوٹ ہے اور یہ ڈائریاں یونہی جھوٹی لکھتے رہے ہیں۔ اب یہ سمجھ لو کہ جس طرح یہاں پولیس سچی ڈائری دے اور مجسٹریٹ کے سامنے یہ سوال آجائے کہ

پولیس جھوٹی ہے تو وہ بیچارے گھبرا جاتے ہیں کہ اب ہم کس طرح ثابت کریں۔ اسی طرح وہ ڈائری نویس بھی لازماً گھبرائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو اتنی محنت کر کے سچے سچے واقعات لکھے تھے اب انہوں نے اللہ میاں کے سامنے آ کر کہہ دیا کہ صاحب! ہم نے آپ کے سامنے تو جھوٹ نہیں بولنا واقعہ یہ ہے کہ ہم نے کوئی شرک نہیں کیا اور ملزم یہ سمجھ لے گا کہ بس میرے اِس حربہ کے ساتھ شکار ہو گیا۔ یا تو اللہ تعالیٰ اِس عذر کو قبول کر لے گا اور اگر سزا دیگا تو باقی سارے لوگ یہی کہیں گے کہ اس بے چارے کو یونہی جھوٹی سزا صرف ڈائری نویسوں کے کہنے پر مل گئی ہے ورنہ یہ مُجرم کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہمارے ہاں کیا انتظام ہے۔

مُجرموں کے خلاف ان کے کانوں، آنکھوں اور جِلد کی شہادت

ہمارے ہاں یہ انتظام ہے کہ

حَتّٰی اِذَا مَاجَآءُ وْ هَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [۴]

دنیا میں آج سے پہلے ڈائری نویس کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ڈائری نویس ڈائری لکھتا تھا اور مجرم جا کر کہہ دیتے تھے کہ جھوٹی ہے۔

موجودہ زمانہ میں ریکارڈر کی ایجاد

اب اس زمانہ میں ہزاروں سال یا جیالوجی (GEOLOGY) والوں کے بیان کے مطابق کروڑوں اربوں سال کے بعد وہ آلہ ایجاد ہؤا ہے جس کو ریکارڈر کہتے ہیں۔ طریق یہ ہے کہ اس کو کمرے میں چُھپا کر کہیں رکھ دیا جاتا ہے اور پولیس کا کوئی نمائندہ یا پولیس کا افسر بھیس بدلے ہوئے اُس مُجرم سے باتیں شروع کر دیتا ہے اور وہ اِس ریکارڈر میں سب لکھی جاتی ہیں۔ مثلاً اُس گفتگو میں وہ اُس کا ساتھی بن جاتا ہے اور کہتا ہے ارے میاں! تم چوری کرتے ہو تو مجھے بھی کچھ دو۔ میں بھی غریب آدمی ہوں میرا بھی کوئی حصہ رکھو اور مجھے بھی کچھ دلاؤ۔ اِس پر وہ فخر کرنا شروع کرتا ہے کہ ہاں ہاں میں نے فلاں جگہ چوری کی اور اس میں یہ مال لیا۔ فلاں جگہ چوری کی اور اس میں یہ مال لیا۔ آؤ تم ہماری پارٹی میں شامل ہو جاؤ بڑی دولت آتی ہے اور خوب آسانی سے مال کمائے جاتے ہیں۔ اب ہمارا ارادہ فلاں جگہ ڈاکہ مارنے کا ہے وہاں سے ہمیں اُمید ہے کہ دس لاکھ پونڈ ملے گا، تمہیں بھی دو چار سو پونڈ حصہ مل جائے گا۔ اب یہ ساری باتیں وہاں ریکارڈ ہو جاتی ہیں اس کے بعد انہوں نے جا کر رپورٹ کی اور وہ پکڑے گئے۔ جب عدالت میں پہنچے تو اُس نے حسب عادت یہ کہہ دیا کہ صاحب! یہ جھوٹ ہے اس کے ساتھ میری دشمنی ہے۔ یہ

مجھ سے دس پونڈ رشوت مانگ رہا تھا میں نے نہیں دی اس لئے اس نے میرے خلاف یہ جھوٹی رپورٹ کر دی۔ مجسٹریٹ نے کہا لاؤ ثبوت۔ اُس نے کہا یہ ریکارڈر ہے۔ چنانچہ ریکارڈر پیش کیا گیا اس میں مُجرم کی آواز بند ہے، اُس کا لہجہ پہچانا جاتا ہے، اُس کی آواز پہچانی جاتی ہے، اُس میں یہ سارا ذکر آتا ہے کہ میں نے فلاں جگہ چوری کی، میں نے فلاں جگہ چوری کی، اب فلاں جگہ چوری کرونگا۔ غرض جو اس نے ڈائری لکھی تھی وہ ساری کی ساری اس میں ریکارڈ ہوتی ہے۔

ریکارڈر کے استعمال میں کئی قسم کی دِقّتیں

لیکن یہ ریکارڈر بہت شاذ استعمال ہوتا ہے کیونکہ ایک تو اس کے لئے جگہ تلاش کرنی پڑتی ہے اور اسے دوسروں سے چُھپانا پڑتا ہے۔ پھر اس جگہ پر جانے کے لئے ملزم کو راضی کرنا پڑتا ہے۔ جو چور واقف کار ہوتے ہیں وہ جانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم تو ہوٹل کے کمرہ میں جا کر نہیں بیٹھتے جو بات کرنی ہے میدان میں کرو اور میدان میں ریکارڈر رکھا نہیں جا سکتا۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ جو زیادہ واقف ہوتے ہیں وہ ایسی مفلڈ وائس (MUFFLED VOICE) سے یعنی آواز کو اِس طرح دبا کر بولتے ہیں کہ ریکارڈ ہی نہ ہو۔ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص کمرہ میں ریکارڈر لایا ہے اس لئے وہ آہستگی سے اس طرح باتیں کریں گے کہ ریکارڈ نہ ہوں اور پھر جیسا کہ ان کی تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ کبھی وہ ایسا کرتے ہیں کہ جس کمرہ میں وہ ملاقات مقرر کرتے ہیں اس میں وہ پہلے اپنا ساتھی بھیج دیتے ہیں کہ ذرا تلاشی لے آنا اس میں کہیں ریکارڈر تو نہیں رکھا ہوا۔ اگر ریکارڈر ہوتا ہے تو عین موقع پر وہ بہانہ بنا کر کِھسک جاتے ہیں کہہ دیا کہ اوہو! مجھے ضروری کام پیش آ گیا ہے پھر بات کریں گے اور ان کی ساری محنت برباد ہو جاتی ہے۔

خدائی ڈکٹوفون

پس اوّل تو ہر جگہ ریکارڈر رکھا نہیں جا سکتا پھر ریکارڈر رکھا بھی جائے تو اس سے بچنے کی صورت ہو جاتی ہے مگر یہاں فرماتا ہے کہ تمہارا ڈکٹوفون (DICTAPHONE) تو دنیا میں کئی لاکھ سال کے بعد کہیں ایجاد ہوگا اور ہمارا شروع سے ہی ڈکٹوفون موجود ہے۔ چنانچہ جس وقت فرشتے ڈائری پیش کریں گے اللہ تعالیٰ مجرم سے کہے گا دیکھو! تم نے یہ یہ گناہ کیا ہے وہ کہے گا۔ حضور! بالکل جھوٹ۔ یہ ڈائری نویس تو بڑے کذاب ہوتے ہیں انہوں نے سارا جھوٹ لکھا ہے۔ نہ میں نے کبھی چوری کی نہ میں نے کبھی جھوٹ بولا، حضور ساری عمر سچ بولتے گزر گئی، ساری عمر لوگوں کا مال ان کو پہنچاتے ہوئے گزر

گئی، شرک کے قریب نہیں گئے، میں تو لعنت ڈالتا ہوں سارے بتوں پر، میں نے کب شرک کیا یہ تو جھوٹ بولتے ہیں۔

کُفّار پر اتمامِ حُجّت

اللہ تعالیٰ کہے گا اچھا لاؤ ریکارڈر۔ ہم نے اپنے پاس ریکارڈر بھی رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے **حَتّٰی اِذَا مَا جَآءُ وْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ**۔ فرمائے گا، ٹھہرو! دوزخ میں داخل کرنے سے پہلے ہم اتمامِ حُجّت کر دیں۔ اے کانو! بتاؤ تم کیا گواہی دیتے ہو؟ اس پر فرشتوں نے الزام لگایا ہے کہ اس نے غیبت سُنی تھی، تم کیا کہتے ہو۔

کانوں کی گواہی

اس پر یکدم وہ الٰہی روحانی سُوئی کان کے پَردوں پر رکھی گئی اور کان میں سے آواز آنی شروع ہوئی کہ فلاں دن فلاں شخص کی اِس نے غیبت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ بڑا بے ایمان ہے، بدمعاش ہے، جھوٹا ہے، فریبی ہے۔ فلاں وقت فلاں گھڑی، فلاں دن اور فلاں سال اس کے سامنے فلاں شخص نے آ کر یہ کہا تھا کہ خدا ایک نہیں ہے خدا کے شریک بھی ہیں اور اس نے کہا تھا کہ آپ ٹھیک فرماتے ہیں اور یہ بات ہم نے سُنی۔ اِسی طرح یہ ساری باتیں کہ فلاں کو گالیاں دی گئیں اور اس نے سُنیں، فلاں کی چغلی کی گئی اور اس نے سنی، فلاں پر جھوٹا اتہام لگایا گیا اور اس نے سنا، فلاں شرک کیا گیا اور اس نے سنا۔ نبیوں کو گالی دی گئی اور اس نے سنی۔ غرض جتنا ریکارڈ روزانہ کا تھا وہ سارے کا سارا اس کے کان سنا دیں گے۔

آنکھوں کی گواہی

پھر فرمایا، **وَاَبْصَارُهُمْ**۔ پھر ہم اُن کی آنکھوں پر ریکارڈ کی سُوئی رکھ دیں گے اور کہیں گے۔ بولو۔ وہ کہیں گی حضور! فلاں دن فلاں عورت جا رہی تھی اِس نے اُس کو تاکا، فلاں دن فلاں شخص کو اِس نے بڑے غصے سے دیکھا اور کہا میں اِس کو مار کے چھوڑوں گا۔ فلاں دن فلاں کام اِس نے کیا۔ غرض تمام کا تمام آنکھوں کا ریکارڈ پیش ہونا شروع ہو جائے گا۔

جِلد کی گواہی

پھر فرمایا اچھا بعض اور بھی لذّت کے ذرائع ہیں۔ **وَجُلُوْدُهُمْ** ذرا اس کے چمڑے سے گواہی مانگو۔ چنانچہ چمڑے پر ریکارڈر رکھا گیا۔ اب چمڑا بولا کہ فلاں دن فلاں اچھی اور خوبصورت چیز تھی یا ملائم جسم والی عورت تھی اِس نے اُس کو چھُوا۔ فلاں دن فلاں کا ایک بڑا نرم کوٹ تھا اِس نے اُسے چھُوا اور کہا میں یہ چُراؤں گا۔ غرض چھُونے کے ساتھ جتنے جرائم وابستہ تھے وہ سارے کے سارے اُس نے گنانے شروع کر دیئے اور بتایا

کہ اِس اِس طرح اِس نے کیا ہے۔

عمر بھر کا کچا چٹھا[۵] سامنے آجائے گا

غرض وہ سارے نظارے جو ناجائز تھے تصویروں کی صورت میں سامنے آنے لگ گئے۔ وہ ساری باتیں جو ناجائز تھیں بیان کر دی گئیں کہ اس نے سُنی تھیں اور وہ لذتِ لمس جس کا حاصل کرنا اِس کے لئے ناجائز تھا وہ بھی اِس کے سامنے بیان کر دیا گیا۔غرض عمر بھر کا کچّا چٹھا سامنے آ گیا۔

اِسی طرح فرماتا ہے یَوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ اَلۡسِنَتُهُمۡ وَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ[۶] اُس دن ہم کچھ اور بھی گواہیاں لیں گے۔

زبانوں کی گواہی

یَوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ اَلۡسِنَتُهُمۡ ۔ اُس دن ان کی زبانیں بھی گواہی دیں گی زبان پر ریکارڈ کی سُوئی رکھ دی جائیگی اور زبان بولنا شروع کرے گی کہ فلاں دن اس نے خدا کو گالی دی، فلاں دن نبیوں کو گالی دی، فلاں دن اپنے ہمسائے کو گالی دی۔ فلاں دن بیوی کو گالی دی، فلاں دن بیٹے کو گالی دی، فلاں دن فلاں کو گالی دی۔ فلاں دن حرام کا مال چکھا اور فلاں دن اس نے فلاں کام کیا یہ سارے کا سارا ریکارڈ زبان بیان کرنا شروع کر دیگی۔

ہاتھوں کی گواہی

وَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۔ پھر ہاتھوں پر سُوئی رکھی جائیگی اور ہاتھ بولنا شروع کریں گے کہ فلاں دن فلاں کو مارا، فلاں دن فلاں کو مارا۔ فلاں دن اُن کا یوں مال اُٹھایا غرض یہ سارے کام ہاتھ بیان کریں گے۔

پاؤں کی گواہی

وَاَرۡجُلُهُمۡ۔ پھر پیر بیان کرنے شروع کر دیں گے کہ فلاں دن رات کے وقت فلاں کے گھر سیندھ لگانے کے لئے یا فلاں مال اُٹھانے کے لئے یا اُس کو قتل کرنے کے لئے یا اور کوئی نقصان پہنچانے کے لئے گیا۔

غرض کانوں آنکھوں اور چمڑوں کے علاوہ زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں بھی اپنے اپنے حصہ کے ریکارڈ سنائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

کہتے ہیں ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' جب اپنے ہاتھ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم نے یہ یہ کچھ کیا تھا، اپنے پَیر گواہی دے رہے ہیں کہ ہم نے یہ یہ کچھ کیا تھا، اپنی آنکھیں گواہی دے رہی ہیں کہ ہم نے یہ کچھ کیا تھا، اپنے کان گواہی دے رہے ہیں کہ ہم نے یہ کچھ سنا تھا، اپنی زبان گواہی دے رہی ہے کہ ہم

نے یہ کچھ کہا تھا اور یہ کچھ چکھا تھا تو اب وہ بیچارے پولیس مین کو کس طرح کہیں گے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ جو کچھ پولیس مین نے کہا تھا جب آنکھوں نے بھی اُس کے ساتھ گواہی دی، جب کانوں اور ہاتھوں وغیرہ نے بھی اس کے ساتھ گواہی دی تو ڈائری نویس کی جان میں جان آ گئی اور اُس نے کہا کہ کروڑوں آدمیوں کے سامنے مجھے جُھوٹا بنایا گیا تھا اب میری براءت ہوگئی کہ اپنے ہاتھوں اور اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں نے بھی اس کی گواہی دے دی اور میں شرمندہ اور ذلیل ہونے سے بچ گیا۔

دیکھو یہ ڈائری کتنی مکمل ڈائری ہے اِس کے مقابل میں دنیا کی ڈائری کے جو انتظامات ہیں وہ کتنے ناقص ہیں۔قرآن کی ڈائری **سُبْحَانَ اللّٰہِ**! ایسی ڈائری پر تو کوئی شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

گواہی میں دماغ کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟

یہاں کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ دماغ کو کیوں شامل نہیں کیا گیا حالانکہ بہت سے گناہ تو دماغ سے ہوتے ہیں، ہاتھ پاؤں وغیرہ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اور پھر بسا اوقات دماغی گناہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے کرنے کا ہاتھ پاؤں کو موقع نہیں ملتا۔تو اس کے متعلق یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی حکومت میں یہ قانون ہے کہ جو چیز دماغ میں آتی ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا جاتا وہ بدی نہیں گنی جاتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی بدی کا خیال کرتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کے نامۂ اعمال میں وہ ایک نیکی کی صورت میں لکھی جاتی ہے۔[۲۵] پس دماغ کو اس لئے شامل نہیں کیا کہ اگر تو ہاتھ دماغ کے مطابق عمل کر چکے ہیں تو ہاتھ کی بات بیان ہو چکی، اگر زبان دماغ کے مطابق عمل کر چکی ہے تو زبان کی بات بیان ہو چکی، اگر دماغ نے یہ کہا تھا کہ بدی کی بات سنو تو کان بیان کر چکے کہ اس نے فلاں بات سنی تھی، اگر دماغ نے کہا تھا کہ چوری کرو تو پَیروں نے بتا دیا کہ وہ فلاں کے گھر میں چوری کے لئے گئے تھے لیکن اگر دماغ میں ایک بات آئی اور ہاتھ پاؤں سے اُس نے عمل نہیں کروایا تو پھر اسلامی اصول کے ماتحت اس کے نام ایک نیکی لکھی جائے گی کہ اس کے دل میں بُرا خیال بھی آیا لیکن پھر بھی اِس نے اُس پر عمل نہیں کیا تو چونکہ وہ ایک نیکی لکھی گئی اس لئے اس کو اس کی شرمندگی والی باتوں میں بیان نہیں کیا جائے گا کیونکہ ایک طرف خدا کا اس کو نیکی قرار دینا اور دوسری طرف اس کو باعثِ فضیحت بنانا یہ خدا کے انصاف کے خلاف

ہے۔ اگر تو وہ اس کو بدی قرار دیتا تو پھر بیشک اس کو فضیحت کی جگہ پر استعمال کر سکتا تھا لیکن اس نے تو خود فیصلہ کر دیا کہ دماغ کے خیال کو نیکی تصور کیا جائے گا اور جب نیکی تصور ہوگی تو اب اُس کو فضیحت کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ پس معلوم ہؤا کہ ہماری روحانی ڈائری میں بڑے سے بڑے مُجرم کو بھی کچھ پردہ پوشی کا حق دے کر اُس کی عزت کی حفاظت کی جائیگی۔

ریکارڈ کی غرض محض مُجرموں پر اتمامِ حُجّت ہوگی ورنہ عالِمُ الْغیب خدا سب کچھ جانتا ہے

یہ دفتر کتنا مکمل اور کتنا شاندار ہے مگر اسی پر بس نہیں۔ اس طرح تمام قسم کی حُجّت پوری کرنے کے بعد فرمایا کہ دیکھو میاں یہ خیال نہ کر لینا کہ ڈائری نویس کی ڈائری کے مطابق تمہیں مُجرم بنا دیا جاتا ہے، یہ نہ سمجھ لینا کہ اس ریکارڈ کے مطابق تمہیں مُجرم قرار دیا جاتا ہے، ہم تو تمہیں مذہب کے ذریعہ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم عَالِمُ الْغیب ہیں پھر ہم کو عَالِمُ الْغیب ہونے کے لحاظ سے اس ڈائری کی کیا ضرورت تھی اور اس ریکارڈ کی کیا حاجت تھی ہم تو سب کچھ جانتے تھے۔ اس کی ضرورت محض اس لئے تھی کہ تم پر حُجّت ہو جائے ورنہ ہمیں فرشتوں کو ڈائری لکھنے پر مقرر کرنیکی ضرورت نہیں تھی، ہمیں کسی ریکارڈ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمیں یہ ضرورت تھی کہ یہ تمہارے سامنے پیش ہوں اور تمہیں پتہ لگ جائے کہ ہم بِلا وجہ سزا نہیں دیتے بلکہ پوری طرح حُجّت قائم کر کے دیتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے۔ **اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ وَ مَا یَخْفٰی**[۸] اللہ تعالیٰ تمام باتیں جو ظاہر ہیں اور مخفی ہیں ان کو جانتا ہے اس کو نہ کسی فرشتہ کے ریکارڈ کی ضرورت ہے نہ **کِرَامًا کَاتِبِیْنَ** کی ضرورت ہے نہ ہاتھ پاؤں کی گواہی کی ضرورت ہے اس کے علم میں ساری باتیں ہیں۔

پھر فرماتا ہے **اَلَآ اِنَّھُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْہُ اَ لَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَھُمْ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ**[۹] اے لوگو! سُن لو کہ مشرک اور اللہ تعالیٰ کے مخالف لوگ اپنے سینوں کو مروڑتے ہیں تاکہ اُس سے مخفی ہو جائیں۔ یہاں محاورہ کے طور پر سینہ مروڑنا استعمال ہؤا ہے۔ کیونکہ جب کسی چیز کو چکر دیتے ہیں تو اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ چُھپ جائے۔ لیکن جو دل کی بات ہو اس کے لئے ظاہری سینہ نہیں مروڑا جاتا۔ پس اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے طریق اختیار کرتے ہیں جن کے نتیجہ میں اُن کے دلوں کے راز ظاہر نہ ہو جائیں۔ **اَ لَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَھُمْ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا**

يُعْلِنُوْنَ۔ سنو! جب یہ اپنے اوپر کپڑا اوڑھتے ہیں (عربی زبان میں اِسْتَغْشٰى ثَوْبَهٗ یا اِسْتَغْشٰى بِثَوْبِهٖ دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ اور اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ایسی طرز پر کپڑا لیا جس سے آواز دب جائے۔ یہ لفظ عام کپڑا اوڑھنے کے لئے نہیں بولا جاتا بلکہ آواز کے دبانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ پس يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ کے معنے یہ ہیں کہ جس وقت وہ اپنے کپڑے اس طرح اوڑھتے ہیں کہ آواز دب کے باہر نہ نکلے) تو وہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔

مفسّروں کی ایک غلط فہمی

اس محاورہ کی وجہ سے مفسّرین کو غلطی لگی ہے اور انہوں نے اس آیت کے ماتحت بعض ایسی روایتیں درج کر دی ہیں جنہیں پڑھ کر ہنسی آ جاتی ہے۔ بیشک منافق بڑا گندہ ہوتا ہے اور منافق بے وقوف بھی ہوتا ہے لیکن وہ حرکت جو مفسّرین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تو بہت ہی چھوٹے بچوں والی ہے۔ کہتے ہیں منافق لوگ اللہ تعالیٰ سے چُھپانے کے لئے لحاف اوڑھ کر اس کے اندر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں کیا کرتے تھے۔ حالانکہ اگر اس کے یہ معنے کئے جائیں تو یہ بچوں کا کھیل بن جاتا ہے۔ درحقیقت یہ محاورہ ہے اور ''کپڑے اوڑھتے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی تدبیریں کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کے دل کی بے ایمانی لوگوں پر ظاہر نہ ہو جائے۔

مُجرم اپنے اعمال بُھول جائیں گے مگر خدا تعالیٰ کے علم میں سب کچھ ہوگا

بہرحال فرماتا ہے کہ ہمیں کسی ڈائری نویس کی ضرورت نہیں، کسی ریکارڈ کی ضرورت نہیں ہم تو آپ سب کچھ جانتے ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس دلیل کو بھی لے گا۔ فرماتا ہے

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۞ جب قیامت کے دن ان سب کو اکٹھا کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ علاوہ ان ڈائریوں کے اور علاوہ اس ریکارڈ کے يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا فرمائے گا ہمیں آپ بھی پتہ تھا، لو اب سُن لو ہم تمہیں سُناتے ہیں۔ چنانچہ وہ اُن کے سارے اعمالنامے انہیں سنانے شروع کر دیگا۔ اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ اور جب وہ بیان کرے گا تو پتہ لگے گا کہ اُن کے اعمال خدا کو تو یاد تھے مگر وہ آپ بُھول گئے تھے کہ ہمارے یہ یہ اعمال ہیں۔ گویا سب کچھ کرنے کے باوجود اُن کو پتہ نہیں تھا کہ ہم نے کیا کام کئے ہیں۔ جب خدا نے سُنائے تو انہیں پتہ لگ گیا کہ تفصیل کیا

ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا نگران اور گواہ ہے۔ فرشتوں کی اس کو ضرورت نہیں صرف لوگوں پر حُجّت قائم کرنے کے لئے اُن کی ضرورت ہے۔

ملائکہ کی ضرورت کے متعلق ایک لطیف نکتہ

اِس جگہ اس سوال کا جواب بھی آ گیا جو بعض لوگ کیا کرتے ہیں کہ جب خدا عَالِمُ الْغَیب ہے تو فرشتوں کی کیا ضرورت ہے؟ فرماتا ہے فرشتوں کی تمہارے لئے ضرورت ہے اس کے لئے ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب وہ قاضی القضاۃ ان مجرموں کو کچا چٹھا سنانا شروع کرے گا تو ان پر یہ راز کُھلے گا کہ وہ اپنے ہزاروں اعمال بُھول گئے تھے اب اس بیان سے بُھولی ہوئی باتیں انہیں پھر یاد آنی شروع ہونگی۔

خدا تعالیٰ کے علمِ ازلی کی شہادت

اس کے بعد فرماتا ہے کہ اُن ڈائریوں کے علاوہ جو فرشتوں نے لکھ رکھی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم نے جو کچھ تم کو بتایا ہے اس کے علاوہ بھی ہم تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ ہمارا کیسا علم ہے۔ اب تک تو ہم نے یہ بتایا ہے کہ تم نے جب کام کئے تھے تو ہم دیکھ رہے تھے اور ہم کو سب کچھ پتہ تھا فرشتوں کی ہمیں ضرورت نہیں تھی۔ مگر اب ہم تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ جب تم نے یہ کام کئے بھی نہیں تھے تب بھی ہم نے ازل سے ہی تمہارے یہ کام لکھے ہوئے تھے اس لئے ہمیں تمہارے فعل کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارا علمِ ازلی بتا رہا تھا کہ تم نے کل کو یہ فعل کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے
وَ وُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْہِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ ہٰذَا الْکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّ لَا کَبِیْرَۃً اِلَّآ اَحْصٰہَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا [۱۱]

اور جس دن خدا کے ازلی علم کی کتاب پیش کی جائیگی اور کہا جائے گا کہ دیکھو! تم تو اب پیدا ہوئے اور تم سے اب عمل سرزد ہوئے اور خدا کے علم میں آئے لیکن خدا کو ازلی طور پر بھی ہمیشہ سے اس کا علم تھا۔ اور اس نے پہلے سے تمہارا یہ حساب لکھا ہؤا تھا کہ فلاں پیدا ہوگا، فلاں چوری کرے گا اور فلاں نیک ہوگا۔ یہ علمِ ازلی خدا ان کے سامنے رکھے گا اور اُن سے کہے گا کہ دیکھ لو یہ ہمارا آج کا علم نہیں بلکہ ہمیں ہمیشہ سے یہ علم تھا پس ہمیں کسی فرشتہ کی ضرورت نہیں۔ فرشتے نے تو اُس دن معلوم کیا جس دن تم نے وہ فعل کیا اور ہمارے حاضر علم میں یہ اُس دن بات آئی جس دن تم نے وہ فعل کیا مگر ہمارے ازلی علم میں یہ اربوں ارب

سال پہلے سے موجود تھی اور ہمیں پتہ تھا کہ تم نے یہ کام کرنا ہے۔ اُس وقت مُجرم اُس کو دیکھ کر ڈر رہے ہونگے اور وہ کہیں گے یٰوَیْلَتَنَا مَالِ ھٰذَا الْکِتٰبِ ۔ ارے ! ہم تو مر گئے ۔ یٰوَیْلَتَنَا ایسا ہی ہے جیسے کہتے ہیں ۔ میری ماں مرے۔ ہماری زبان کے اس محاورہ کے مقابلہ میں عربی زبان کا محاورہ ہے یٰوَیْلَتَنَا ۔ ارے ہلاکت میرے اوپر آ کر پڑ گئی مَالِ ھٰذَا الْکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّ لَا کَبِیْرَۃً اِلَّآ اَحْصٰھَا ۔ یہ قسمت اور اعمالنامہ کی کیسی کتاب ہے کہ نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑتی ہے نہ بڑی چھوڑتی ہے۔ ساری کی ساری اس میں موجود ہیں ۔ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۔ اور جس طرح وہ قدیم سے موجود تھا اسی طرح وہ حال میں بھی اُسے دیکھیں گے ۔ وہ خدا کے سامنے لاکھوں سال کے بعد یا سینکڑوں اور ہزاروں سال کے بعد پیش ہونگے مگر وہ دیکھیں گے کہ اُس میں سب کچھ پہلے سے لکھا ہؤا موجود ہے ۔ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا اور خدا تعالیٰ اپنے پاس سے کوئی سزا نہیں دیگا بلکہ اُن کے جُرموں کے مطابق انہیں سزا دیگا ۔

عالَمِ روحانی میں ہر جُرم کے لئے دس گواہ پیش کئے جائیں گے

گویا اس دفتر میں چار گواہیاں ہوگئیں ۔ ایک تو فرشتوں کی ڈائری پیش کی گئی ۔ ایک ہاتھ ، پاؤں ، آنکھ ، کان ، زبان اور جلد کا ریکارڈ پیش ہؤا ۔ تیسرے خدا نے کہا میں خود بھی دیکھ رہا تھا مجھے فرشتوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی ۔ چوتھے پُرانا ازل کا چِٹھا پیش ہؤا اور انہیں کہا گیا کہ یہ تو ہمیشہ سے علمِ الٰہی میں موجود تھا چنانچہ دیکھ لو یہ لکھا ہؤا ہے ۔

ہماری شریعت نے اس دنیا میں بڑے سے بڑے گناہ کی چار گواہیاں مقرر کی ہیں مثلاً زنا ہے اس کے لئے لکھا ہے کہ چار گواہ ہوں ۔ باقی گواہیوں میں سے بعض دو دو سے ہو جاتی ہیں اور بعض جگہ ایک گواہ سے بھی گواہی ہو جاتی ہے ۔ مگر خدا کے سامنے اتنا انصاف کیا جائے گا کہ وہ چار گواہ ایسے پیش کئے جائیں گے جو نہایت معتبر ہونگے ۔ اوّل فرشتوں کی گواہی جو ایک نہیں بلکہ دو ہونگے گویا اس ایک گواہی میں دو گواہیاں آ گئیں ، پھر ریکارڈ آ گیا اس ریکارڈ میں بھی چھ گواہ ہیں آنکھ ، کان ، زبان ، جلد ، ہاتھ اور پاؤں یہ چھ گواہ ہونگے جن کی گواہی ہوگی ۔ گویا آٹھ گواہ ہو گئے ۔ پھر خدا نواں گواہ اور دسواں علمِ ازلی ۔ غرض دس گواہوں کے ساتھ وہاں چھوٹے سے چھوٹے جُرم کی سزا دی جائیگی حالانکہ اس دنیا میں دو دو گواہ اور وہ بھی جو آٹھ آٹھ آنے لے کر قرآن اُٹھا لیتے ہیں ، اُن کی گواہیوں پر فیصلہ ہو جاتا ہے ۔

دُنیا میں آٹھ آنہ کے گواہوں پر مقدمات کا فیصلہ

ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب جو بعد میں احمدی ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو اُن کا نوکری کرنا پسند نہیں تھا لیکن ان کو نوکری کا شوق تھا۔ چنانچہ وہ نوکر ہوئے اور آخر ڈپٹی کمشنر ہو کر ریٹائر ہوئے۔ اُن دِنوں نارتھ ویسٹرن پراونس اور پنجاب یہ دونوں صوبے اکٹھے ہوتے تھے۔ اور وہ کیمبل پور یا میانوالی کے علاقہ میں یا شاید ڈیرہ غازیخان میں ای۔اے۔سی تھے۔ وہ سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص جو میرا دوست اور مجھ سے بہت ملنے والا تھا اُس کا میرے پاس کوئی مقدمہ تھا۔ مَیں نے اُس کی دَورے میں پیشی رکھی اور جہاں ہم تھے اُس سے وہ جگہ کوئی پچاس ساٹھ میل پر جاکے آئی۔ چونکہ وہ میرا بے تکلّف دوست تھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا مرزا صاحب! مجھے آپ پر بڑا اعتبار تھا کیونکہ آپ دوست تھے لیکن خیر یوں تو آپ نے انصاف ہی کرنا ہے مگر کم سے کم مَیں آپ سے یہ تو امید کرتا تھا کہ آپ مجھے خراب تو نہ کریں گے۔ اب آپ نے پچاس مِیل پر جاکے گواہی رکھی ہے میں یہاں سے گواہ کس طرح لے کے جاؤں گا۔ میرا خرچ الگ ہوگا اور پھر ممکن ہے گواہ انکار کر دیں اور کہیں کہ ہم نہیں جاتے پھر میرے پاس کیا چارہ ہے؟ کہنے لگے میں نے اُس کو کہا کہ میں تو تمہیں عقلمند سمجھ کے تمہارے ساتھ دوستی کرتا تھا تم تو بڑے بیوقوف نکلے۔ کہنے لگا کیوں؟ میں نے کہا تم بھی مسلمان اور گواہ بھی مسلمان۔ تم کو پتہ نہیں کہ آٹھ آٹھ آنے میں گواہ مل سکتا ہے۔ پھر یہاں سے گواہ لے جانے کا کیا سوال ہے؟ خیر وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ کہنے لگے جب ہم وہاں پہنچے تو پچاس مِیل پر جہاں کوئی شخص نہ اُس کی شکل جاننے والا اور نہ اِس واقعہ کا علم رکھنے والا تھا وہاں گواہ آ گئے جنہوں نے قرآن اُٹھایا ہؤا تھا اور انہوں نے آ کر کہا۔ خدا کی قسم! ہمارے ہاتھ میں قرآن ہے اور ہم سچ بولتے ہیں کہ یہ واقعہ ہؤا ہے۔ کہنے لگے واقعہ کے متعلق تو مجھے پتہ ہی تھا کہ سچا ہے پر یہ بھی پتہ تھا کہ یہ گواہ سارے کے سارے جھوٹے ہیں بہر حال میں نے اُس کے حق میں ڈگری دے دی اور پھر میں نے اُس کو کہا کہ میاں! اس میں تجھ کو گھبراہٹ کس بات کی تھی۔ آٹھ آٹھ آنے لے کر تو مسلمان گواہی دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں تو دیکھو اسلامی سزا کتنی کامل تحقیقات کے بعد ہوتی ہے کہ جس میں کوئی شائبہ بھی کسی قسم کے شُبہ کا پیدا نہیں ہوتا۔

مسئلۂ تقدیر اور قسمت

شاید کسی کے دل میں خیال آئے کہ میں نے جو کتاب ازلی کا ذکر کیا ہے تو اس سے معلوم ہؤا کہ تقدیر اور قسمت کا مسئلہ اُسی شکل میں ٹھیک ہے جس طرح عوام الناس سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ قرآن تقدیر اور قسمت کا مسئلہ اُس طرح بیان نہیں کرتا جس طرح کہ عام مسلمان اپنی ناواقفیت سے سمجھتے ہیں بلکہ قرآن کریم کے نزدیک تقدیر اور قسمت کے محض یہ معنے ہیں کہ ہر انسان کے لئے ایک قانون مقرر کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ ایسا کام کرے گا تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا۔ مثلاً اگر مرچیں کھائے گا تو زبان جلے گی، اگر تُرشی کھائے گا تو نزلہ ہو جائے گا اور گلا خراب ہو جائے گا، اگر کوئی سخت چیز کھا لے گا تو پیٹ میں درد ہو جائے گا یہ تقدیر اور قسمت ہے۔ یہ تقدیر اور قسمت نہیں کہ فلاں شخص ضرور ایک دن سخت چیز کھائے گا اور پیٹ میں درد ہو جائے گا یہ جھوٹ ہے۔ خدا ایسا نہیں کرتا۔ قرآن اِس سے بھرا پڑا ہے کہ یہ باتیں غلط ہیں۔ پس یہ جو ہمیشہ سے لکھا ہؤا ہوتا ہے اس کا تقدیر اور قسمت سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ تقدیر اور قسمت تب بنتی ہے جب خدا کے لکھے ہوئے کے ماتحت انسان کام کرے۔ اگر یہ ضروری ہو کہ جو کچھ خدا نے لکھا ہے اُسی کے مطابق اس کو کام کرنا چاہئے تو پھر یہ جبر ہو گیا اور تقدیر اور قسمت ٹھیک ہو گئی لیکن جو قرآن سے تقدیر ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا اس بات میں بندے کے تابع ہوتا ہے اور جو اس بندے نے کام کرنا ہوتا ہے خدا اُسے لکھ لیتا ہے۔ تقدیر اور قسمت تو تب ہوتی جب خدا مجبور کرتا اور یہ بندہ خدا کے جبر سے وہ کام کرتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ بندہ وہ کام کرتا ہے اور خدا اس کے جبر کے ماتحت وہی بات لکھتا ہے جو اُس نے کرنی ہے اس لئے یہ تو تم کہہ سکتے ہو کہ لکھنے کے بارہ میں خدا پر وہ تقدیر حاوی ہے جو انسانوں پر قیاس کی جاتی ہے۔ یہ تم نہیں کہہ سکتے کہ بندوں کی قسمت میں خدا نے جبر کر کے کوئی اعمال لکھے ہوئے ہیں۔

عالَمِ روحانی میں مُجرموں کے فیصلہ کی نقول

پھر اس دنیا میں قاعدہ ہے کہ لوگ ریکارڈ کی کاپی مانگتے ہیں۔ انہیں خیال ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو دکھائیں گے اور غور کریں گے کہ یہ سزا ٹھیک ملی ہے یا نہیں؟ اس غرض کے لئے لوگ ریکارڈ اور فیصلہ کی کاپی مانگتے ہیں اور اس کے بڑے فائدے ہوتے ہیں مگر اس دنیا کی گورنمنٹوں نے یہ طریق رکھا ہؤا ہے کہ وہ پیسے لے کر ریکارڈ دیتی ہیں۔ جب کوئی نقل لینے آتا ہے تو کہتے ہیں پیسے داخل کراؤ مثلاً پندرہ روپے یا بیس روپے یا پچیس روپے۔ نقل نویسوں

نے حرف گِنے اور کہہ دیا کہ اتنے روپے داخل کرو تو ریکارڈ مل جائے گا۔ پھر کہا کہ اگر جلدی نقل لینی ہے تو ڈبل یا تین گُنا فیس دو۔ میں نے دیکھا کہ آیا وہاں بھی کوئی نقل ملتی ہے یانہیں؟ اور آیا اُن کی تسلی ہوگی کہ گھر جاکر آرام سے بیٹھ کر دیکھیں گے کہ سزا ٹھیک ملی ہے؟ جب میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ وہاں بھی نقلیں ملیں گی چنانچہ فرماتا ہے وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ o وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ [۱۲]

یعنی یہاں تو کچھ دِنوں کے بعد نقل ملتی ہے یا اگر جلدی لینی ہو تو وہ بھی تین چار دن میں ملتی ہے اور اس کے لئے کئی گُنے زیادہ قیمت دینی پڑتی ہے مگر وہاں اِدھر فیصلہ ہوگا اور اُدھر اگر وہ مُجرم ہے تو اُس کے بائیں ہاتھ میں مُفت نقل پکڑا دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمالنامہ اور فیصلہ کی نقل ہے اور یہ نقل مُفت ملے گی کوئی پیسہ نہیں دینا پڑے گا۔

فیصلہ کی نقل دینے کا فائدہ

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ریکارڈ کی نقل دینے کا زائد فائدہ کیا ہے؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ سزا ملنے پر انسان کم سے کم اپنی کانشنس کو تسلی دیتا ہے کہ میرا جُرم اتنا نہیں جتنا مجھے مجرم بنایا گیا ہے لیکن جب وہ ریکارڈ پڑھے گا تو اُسے معلوم ہوگا کہ جُرم سے کم ہی سزا ملی ہے زیادہ نہیں اُس وقت وہ کہے گا۔ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ۔ کاش! یہ کتاب مجھے نہ دی جاتی تا کہ کم سے کم میری کانشنس تو تسلی پاتی کہ شاید میرے گناہ کچھ زیادہ سمجھ لئے گئے ہیں ورنہ میں اتنا مُجرم نہیں مگر اس سے تو پتہ لگتا ہے کہ گناہ زیادہ ہیں اور سزا کم ہے۔ وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ اور مجھے یہ نہ پتہ لگتا کہ میرا حساب کیا ہے کیونکہ حساب زیادہ بنتا ہے۔ حساب بنتا ہے دوسَو سال کی قید اور سزا دی ہے ایک سَو پچاس کی۔ میری کانشنس (CONSCIENCE) اُلٹا مجھے مجرم بناتی ہے کہ میں نے جُرم بھی کئے، غداریاں بھی کیں، فریب بھی کئے پھر بھی سزا مجھے کم ملی۔ مجھے پتہ نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے تو میری کانشنس کو کچھ تسلی رہتی۔

نیک لوگوں کو بھی فیصلہ کی نقلیں دی جائیں گی

اِسی طرح فرماتا ہے کہ جو نیک کام کرنے والے ہیں اُن کو بھی ڈائریوں اور اُن کے فیصلہ کی نقل دی جائے گی چنانچہ فرماتا ہے فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ o اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ [۱۳]

یعنی جو نیک لوگ ہونگے اُن کو بھی فوراً کاپی دیدی جائیگی لیکن اُن کے دائیں ہاتھوں

میں کاپی دی جائے گی اور جب وہ اُس کو پڑھیں گے تو اُس میں اُن کے اعمالنامہ کو ایسا خوبصورت کر کے دکھایا ہوگا اور وہ ایسے اچھے ٹائپ پر لکھا ہوگا کہ کہیں گے هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ۔ ارے بھائی! ادھر آنا ذرا پڑھو تو سہی یہ کیا لکھا ہؤا ہے۔ جب کسی شخص کو کوئی انعام ملتا ہے تو وہ لازمی طور پر دوسرے لوگوں کو بھی اُس میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ پس هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ میں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ وہ فخر کر کے لوگوں کو بلائے گا اور کہے گا آؤ میاں! آؤ! ذرا دیکھو میرے اعمال کیا ہیں۔ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ۔ مجھے تو پہلے سے ہی یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ کسی کا حق نہیں مارتا۔ میں نے جو نیک کام کئے ہیں مجھے ان کا ضرور بدلہ ملے گا، سو اُمیدوں سے بڑھ کر ملا۔

دُنیوی حکومتوں کے نظام میں مختلف نقائص

دیکھو دفاتر اور ڈائریوں کا ایسا مکمل اور بے اعتراض نظام دنیا کی مہذب سے مہذب حکومت میں بھی نہیں ہوتا۔ دُنیوی حکومتوں نے تو حال میں یہ ڈائری نویسی کے انتظام شروع کئے ہیں۔ چنانچہ ڈائری نویسی کے انتظام کا کوئی ہزار پندرہ سَو سال سے پتہ لگتا ہے اس سے پہلے نہیں بلکہ صرف ہزار سال کے قریب ہی عرصہ ہؤا ہے لیکن قرآنی حکومت نے تیرہ سَو سال پہلے اس کا مکمل نقشہ کھینچا ہے کہ ڈائری ہونی چاہئے، ڈائری نویس کی صداقت کا ثبوت ہونا چاہئے اور مجسٹریٹ کو پتہ ہونا چاہئے کہ سچائی کیا ہے؟ یہ تین چیزیں جمع ہوں تب سزا کے متعلق یہ تسلی ہوسکتی ہے کہ سزا ٹھیک ہے۔ ہمارے ہاں اوّل تو ڈائری نویس جھوٹا بھی ہوتا ہے اور سچا بھی ہوتا ہے۔ پھر اس کی تصدیق کرنے والے کوئی نہیں ہوتے بلکہ بنائے جاتے ہیں۔ تیسرے مجسٹریٹ بیچارے کو کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قاضی القضاۃ بننے سے انکار

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بادشاہ نے قاضی القضاۃ مقرر کیا تو انہوں نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا میں قاضی القضاۃ نہیں بنتا۔ بادشاہ خفا ہوگیا اور اس نے کہا میں اس کو سزا دونگا کیونکہ انہوں نے ہتک کی ہے۔ مگر چونکہ لوگوں میں خبر مشہور ہو چکی تھی اس لئے ان کے دوست دُور دُور سے انہیں مبارک باد دینے کے لئے پہنچے کہ آپ قاضی القضاۃ مقرر ہو گئے ہیں۔ لیکن جب شہر میں پہنچے تو پتہ لگا کہ آپ نے تو انکار کر دیا ہے۔ بہرحال وہ آپ کے پاس آئے اور کہا ہم تو مبارکباد دینے

کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے کہا تم کس بات کی مبارک باد دینے کے لئے آئے تھے۔ وہ کہنے لگے اتنی بڑی حکومت کا آپ کو قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا ہے کیا ہم مبارکباد نہ دیں۔ انہوں نے کہا تم بڑے بیوقوف ہو، میں کیا کرونگا؟ میں عدالت میں جا کر بیٹھوں گا اور دو آدمی میرے سامنے پیش ہونگے ایک کہے گا اِس نے میرا سَو روپیہ دینا ہے دوسرا کہے گا میں نے کوئی نہیں دینا۔ اب وہ دونوں آپس میں جھگڑ رہے ہونگے، یہ کہے گا دینا ہے وہ کہے گا نہیں دینا اور میں بیچ میں بیٹھا ہونگا کیونکہ مجھے حکومت نے مقرر کیا ہے کہ فیصلہ کرو اِس نے دینا ہے یا نہیں دینا۔ وہ جو کہتا ہے اِس نے سَو روپیہ دینا ہے۔ اُس کو پتہ ہے کہ اُس نے دینا ہے یا نہیں دینا اور جو کہتا ہے میں نے نہیں دینا اُس کو بھی پتہ ہے کہ میں نے دینا ہے یا نہیں دینا اور میں جو جج بن کر بیٹھا ہونگا مجھے پتہ ہی نہیں ہوگا کہ اِس نے دینا ہے یا نہیں دینا۔ پس سب سے زیادہ قابلِ رحم حالت تو میری ہوگی کہ مدعی کو بھی سچائی کا پتہ ہے اور مدعا علیہ کو بھی سچائی کا پتہ ہے اور میں جو قاضی بن کے بیٹھا ہوں جس کے سپرد سب سے اہم کام ہے اُس کو نہیں پتہ کہ حقیقت کیا ہے؟ تو میں کس طرح یہ بوجھ اُٹھا سکتا ہوں۔ تو یہ بھی ایک بڑا مشکل سوال ہوتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی قضاء میں دیکھو کتنا زبردست نظام رکھا گیا ہے کہ ہم ڈائری بھی پیش کریں گے، لکھنے والے عینی گواہ بھی لائیں گے اور پھر عینی گواہوں کے علاوہ اپنی زبان اور اپنے کانوں اور اپنے ہاتھ پاؤں کا ریکارڈ لائیں گے تا کہ وہ انکار نہ کرسکیں اور اس کے بعد ہم جو فیصلہ کرنے والے ہیں انہیں بتائیں گے کہ ہم بھی وہاں بیٹھے دیکھ رہے تھے اس لئے اس فیصلہ کو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔

حکومتیں روحانی نظام کی اب تک نقل بھی نہیں کرسکیں

مگر اتنے بڑے زبردست نظام کو دیکھ کر بھی حکومتیں اسکی نقل نہیں کرسکیں۔ حکومتوں نے ڈائریاں بھی بنائی ہیں، اب ریکارڈر بھی نکال لئے ہیں مگر وہ ریکارڈر کروڑوں مقدموں میں سے کسی ایک میں استعمال ہوتا ہے ہر جگہ نہیں ہوسکتا۔ غرض اتنے نظام کو دیکھنے کے بعد بھی دنیا ایسا نظام نہیں بنا سکی اور ابھی دنیا کہہ رہی ہے کہ قرآن کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔ تیرہ سَو سال سے یہ اعلیٰ درجہ کا نظام حکومت قرآن بیان کرتا ہے اور تیرہ سَو سال سے اس کو تفصیل کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، تیرہ سَو سال سے مہذب دنیا کی حکومتیں اِس کو دیکھتی ہیں اور اس کی نقل کرنیکی کوشش کرتی ہیں مگر تیرہ سَو سال کے عرصہ میں اس کی مکمل نقل نہیں کرسکیں۔ اگر وہ ڈائریاں لکھنی شروع کرتی ہیں تو ان کو سچے

ڈائری نویس نہیں ملتے۔ اگر ڈائری نویس کی تصدیق کا ثبوت ملتا ہے تو پہلے تو ان کو اس کا پتہ ہی نہیں تھا اب ریکارڈر نکالا تو وہ ریکارڈر کو ہر جگہ استعمال نہیں کر سکتے اور اگر ریکارڈر ہو بھی تو پھر بھی جج کو صحیح پتہ نہیں لگ سکتا اور کوئی ایسا جج اُن کو نہیں مل سکتا جس کو پتہ ہو کہ واقعہ کیا ہے۔ وہ محض قیاسی باتیں کرتا ہے چنانچہ ہزاروں دفعہ ایسا ہوُا ہے کہ جج نے ایک فیصلہ کیا ہے اور بعد میں معلوم ہوُا ہے کہ وہ فیصلہ غلط تھا۔ ہم نے انگلستان کے بعض فیصلے پڑھے ہیں جن میں یہ ذکر آتا ہے کہ بعض جج پاگل ہو گئے کیونکہ پندرہ بیس سال کے بعد ان کو بعض ایسے واقعات معلوم ہوئے کہ جس شخص کو انہوں نے پھانسی دی تھی وہ بالکل مُجرم نہیں تھا اور وہ اس صدمہ کے مارے کہ ہم نے اتنا ظلم کیا ہے پاگل ہو گئے۔ لیکن قرآن کا جج دیکھو اُس کے پاس ڈائریوں کا کتنا بڑا نظام ہے اور پھر کس یقین کے ساتھ وہ کہتا ہے کہ نہیں اصل حقیقت یہ ہے۔

مخلص اور پارسا اور توبۃ النصوح کرنے والوں کو ایک خدشہ

ایک اور بات بھی یہاں قابلِ غور ہے

اور وہ یہ کہ اس نظام کا ذکر سُن کر (جیسے تم میں سے بھی جو ہوشیار آدمی ہونگے اُن کے دل میں بھی خیال آیا ہوگا) مخلص اور پارسا اور توبۃ النصوح کرنے والوں کے دل بھی ڈر جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ آٹے کے ساتھ گُھن بھی پِسنے لگا ہے۔ مجرم تو خیر مجرم تھے ہی لیکن مَیں جو توبہ کرنے والا ہوں یا مَیں جس نے ساری عمر کوشش کر کے نیکیاں کی ہیں میرے اعمال کا بھی تو کوئی نہ کوئی حصہ ایسا ہے جس کے متعلق مَیں نہیں چاہتا کہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہو۔ اگر یہی ذلّت اور فضیحت ہونی ہے تو میں تو صاف مر گیا۔ ابوجہل تو ڈوبے گا ساتھ اس کے کئی صحابہؓ کے اعمال جو چُھپانے والے ہونگے وہ بھی ظاہر ہو جائیں گے۔ اس طرح دوسرے نیک لوگوں کے بھی ظاہر ہو جائیں گے۔ ہمارے ہاں مشہور ہے کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کا قریب ترین جو شاگرد تھا وہ پہلے ڈاکو اور چور ہوتا تھا۔ اب وہ بزرگ صاحب پیش ہوئے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور اسلام کی خدمت کرنے والے ہیں اور ریکارڈ شروع ہوُا کہ انہوں نے فلاں جگہ چوری کی، فلاں جگہ ڈاکہ مارا تو ذلّت تو ہوگی۔ اب ایسا شخص ملنا سوائے چند افراد کے بہت مشکل ہے کہ جس کی زندگی کا کوئی حصہ بھی ایسا نہ ہو جس کو ریکارڈ پر نہ لایا جا سکے۔ اگر اس دفتر میں ایک ایک عمل اور ایک ایک خیال چار چار ریکارڈروں میں موجود ہے تو کافر تو ذلیل ہونگے ہی مؤمن کو بھی جنت ہزار رُسوائی کے بعد ہی ملے گی۔ پھر اس کا مزہ کیا آئیگا،

تائب کہے گا کہ توبہ تو منظور ہوگئی۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ مگر کلنک کا ٹیکا تو ماتھے کو لگ ہی گیا۔

ریکارڈر آپ ہی نہیں بجتا بلکہ

مگر اس دفتر ریکارڈ میں جب ہم نے قاعدے دیکھے اور غور کیا کہ اچھا اس کے لئے کیا سامان موجود ہے؟

مالک جب بجاتا ہے تب بجتا ہے

تو معلوم ہؤا کہ اُس نے اِس خدشہ کا بھی علاج کیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ایسی کوئی بات پیش ہی نہ ہو کیونکہ ہم نے جب ریکارڈ دیکھا تو قانون یہ نکلا کہ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِ ھِمْ لِمَ شَھِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَّھُوَ خَلَقَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ [۱۴]

جب اُن کے ہاتھوں نے اور پیروں نے گواہیاں دینی شروع کیں تو انہوں نے کہا ارے کمبختو! تم تو ہمارا حصہ تھے۔ اے کان تو میرا تھا، اے آنکھ تو میری تھی، اے زبان تو میری تھی، اے جلد تو میری تھی، اے ہاتھ تم میرے تھے، اے پاؤں تم میرے تھے کمبختو! تمہی نے میرا بیڑا غرق کرنا تھا کہ یہ باتیں کرنی شروع کر دیں۔

صِرف جِلد کا انتخاب اُس کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کیا گیا ہے

اِس جگہ اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء کے صرف ایک نمائندہ یعنی جِلد کو لے لیا ہے کیونکہ جلد ان سب چیزوں کو ڈھانپتی ہے۔ جِلد کان پر بھی ہوتی ہے، جِلد زبان پر بھی ہوتی ہے، جِلد آنکھوں پر بھی ہوتی ہے، جِلد پیروں پر بھی ہوتی ہے، جِلد ہاتھوں پر بھی ہوتی ہے۔ پس چونکہ جِلد نمائندہ ہے تمام اعضاء کا اس لئے یہاں صرف جِلد کا لفظ رکھا گیا ہے۔ بہرحال جب وہ یہ کہیں گے تو ان اعضاء کا نمائندہ آگے سے یہ جواب دیگا کہ بھئی! ہم کوئی اپنے اختیار سے بولے ہیں یہ ریکارڈر آپ ہی نہیں بجا کرتے بلکہ مالک جب سُوئی رکھتا ہے اور اس کو بجانا چاہتا ہے تب بجتے ہیں۔ اُس نے جب سُوئی رکھ دی تو ہم کیا کریں پھر تو ہم نے بجنا تھا۔

عالَمِ روحانی کا ایک اور خوشکن قانون

اس سے ایک شخص کے دل کو کم از کم اتنی تسلی ہوگئی کہ ریکارڈر نے آپ ہی نہیں بجنا، بجانے والا بجوائے گا تو بجے گا۔ اب دیکھیئے بجوانے والا بجواتا ہے یانہیں اور کوئی عزت رہ جاتی ہے کہ نہیں۔ سو اس کے متعلق قاعدہ دیکھا تو یہ قاعدہ نکلا کہ یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ وَ مَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَ

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [15]
جس دن ہم ان سب لوگوں کو جمع کریں گے اور وہ دن ایسا ہوگا جب ایک دوسرے پر اُس کی غلطیوں کا الزام لگایا جائے گا (تغابن کے معنے ہیں وہ کہے گا اِس نے فساد کئے ہیں یہ کہے گا اُس نے کئے ہیں) تو اُس دن اچھی طرح جانچ پڑتال ہوگی۔ پھر کیا ہوگا۔ وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا جو ایمان لانیوالا ہوگا اور عملِ نیک کرنے والا ہوگا اُس نے کچھ بدیاں تو کی ہونگی، کچھ غلطیاں اُس سے بھی صادر ہوئی ہونگی، کچھ کمزوریاں اُس سے بھی ہوئی ہونگی مگر يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ ہم کہیں گے اُس تمام جگہ پر جہاں بُرے کام درج ہیں چیپیاں لگا دو تا کہ انہیں کوئی نہ دیکھے۔ لغت میں لکھا ہے کہ اَلتَّكْفِيْرُ سَتَرَهٗ وَ تُغَطِّيْهِ حَتّٰى يَصِيْرَ بِمَنْزِلَةِ مَالَمْ يَعْمَلْ [16] کہ تکفیر کے معنے ہوتے ہیں ڈھانپ دینا اور اُس پر پردہ ڈال دینا ایسی صورت میں کہ یہ پتہ لگانا ناممکن ہو جائے کہ اس نے فلاں کام کیا تھا تو يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ اللہ تعالیٰ فوراً حکم دیگا کہ یہاں چیپیاں لگا دی جائیں تا کہ یہ یہ جگہ سامنے آئے تو پتہ ہی نہ لگے کہ اس نے یہ کام کیا تھا۔ اِس طرح بتایا گیا کہ صرف امکان ہی نہیں ہے بلکہ وقوعہ بھی یہی ہوگا کہ مؤمن اور نیک عمل کرنے والے اور تائب کی غلطیوں پر چیپیاں لگا کر انہیں چھپا دیا جائے گا اور کسی کو پتہ نہیں لگے گا کہ اِس نے کوئی گناہ کیا ہے۔

اگر مؤمن کی غلطیوں پر پردہ نہ ڈالا جاتا تو وہ اپنے اعمالنامہ پر فخر کس طرح کرسکتا

اگر چیپیاں نہ لگی ہوتیں تو مؤمن کیوں کہتا کہ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ آؤ ذرا میرا اعمالنامہ پڑھو۔ اگر پڑھاتا تو ساتھ بدیاں بھی نکل آتیں اور اگر اعمالنامہ میں بدیاں بھی لکھی ہوئی ہوتیں تو چاہے اُسے جنت ہی ملی ہوتی وہ اُسے اپنی بغل میں دبا لیتا اور کہتا مجھے جنت ملی ہے مجھے انعام ملا ہے۔ اگر کوئی کہتا ذرا کتاب دکھانا تو جواب دیتا نہیں نہیں! میں پھر دکھاؤنگا۔ کیونکہ وہ ڈرتا کہ دیکھے گا تو بیچ میں بدیاں بھی نکل آئیں گی۔ مگر چونکہ بدیوں پر چیپیاں لگی ہوئی ہونگی اس لئے وہ کہے گا هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ارے میاں! آؤ اور میری کتاب دیکھو میرے اندر کوئی عیب نہیں ہے۔

اعلیٰ درجہ کے مومنوں کی بدیاں بھی نیکیوں میں بدل دی جائیں گی

اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کچھ لوگوں کی غلطیوں کو چھپا دیا جائے گا۔ وہاں کچھ ایسے بھی اعلیٰ درجہ کے لوگ ہونگے کہ اُن کی محبت اور قربانی اور توبہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ صرف اُن کی بدیوں کو چُھپائے گا ہی نہیں بلکہ اُنکی بدی کی جگہ نیکی لکھ دیگا۔ چنانچہ فرماتا ہے یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ [۷۱]

کچھ ایسے مؤمن ہونگے کہ اُن کے اعلیٰ درجہ کو دیکھ کر، اُن کے تقویٰ کو دیکھ کر، اُن کی توبہ کو دیکھ کر، اُن کی دیانت کو دیکھ کر گو غلطیاں بھی انہوں نے کیں، گناہ بھی اُن سے سرزد ہوئے، کمزوریاں بھی اُن سے ہوئیں مگر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا یہ میرا بندہ ہے ہم نے اِس کی سزا معاف کر دی ہے اور اس کو معاف کر کے اس کے قُرب کا فیصلہ کیا ہے اس لئے یہاں نیکی لکھ دو۔ چنانچہ جب وہ کتاب پڑھے گا تو جو ادنیٰ درجہ کا مؤمن ہوگا اس کے اعمالنامہ پر تو چیپیاں لگی ہوئی ہونگی اور اُس کے گناہ کو چھپایا ہؤا ہوگا اور جو اعلیٰ درجہ کا مؤمن ہوگا اُس کے اعمالنامہ میں وہاں اُس کا کوئی کارنامہ لکھا ہؤا ہوگا۔ مثلاً وہی کام جو پہلا تھا اُس کو بڑھا کر اپنے انعام کے ساتھ اس میں شامل کیا ہوگا۔ گویا اس کا اعمال نامہ ایک نئی شکل میں ہوگا۔ اِس کی مثال سمجھنے کے لئے یاد رکھنا چاہئے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا جھوٹ کے ساتھ کام لیا جائے گا لیکن یہ جھوٹ نہیں ہوگا۔ میں اس کی ایک مثال دے دیتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ کس طرز پر کام لیا جائے گا۔

حضرت معاویہؓ کی ایک نماز ضائع ہونے کا واقعہ

آثار میں پُرانے زمانہ کا ایک واقعہ لکھا ہے آجکل تو یہ ہوتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی مسجد میں نماز پڑھنے چلا جائے تو سارے شہر میں دُھوم پڑ جاتی ہے کہ آج فلاں صاحب جمعہ کی نماز کے لئے آئے تھے لیکن پُرانے زمانہ میں اس کے اُلٹ ہوتا تھا۔ پُرانے زمانہ میں امراء خود نماز پڑھاتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء پڑھاتے تھے اور اس کے بعد جو دُنیوی خلفاء آئے وہ بھی خود نماز پڑھاتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں خود حضرت معاویہؓ مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے تھے۔ ایک دن ایسا ہؤا کہ کوئی کام کرتے کرتے زیادہ دیر ہوگئی یا کچھ طبیعت خراب

تھی نماز کے وقت آواز دینے والے نے آواز دی کہ نماز کھڑی ہوگئی ہے (یہ پرانی سنّت ہے کہ امام کو گھر پر جا کے مؤذن اطلاع دیتا ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے) مگر اُن کی آنکھ نہ کھلی۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ وقت جا رہا ہے نماز پڑھا دی۔ جب اُن کی آنکھ کُھلی تو معلوم ہوُا کہ نماز ہوچکی ہے۔ اِس پر اُن کو اتنا صدمہ ہوُا کہ سارا دن روتے رہے اور استغفار کرتے رہے اور دعائیں کرتے رہے کہ یا اللہ! میں نے کیا خطا کی تھی اور کیا گناہ کیا تھا کہ اس کے نتیجہ میں آج نماز باجماعت رہ گئی اور میں مسلمانوں کی امامت نہیں کرا سکا۔ دوسرے دن انہوں نے صبح کے قریب ایک کشفی نظارہ دیکھا کہ گویا شیطان آیا ہے اور وہ آکر اُن کو ہلاتا ہے کہ میاں! اُٹھ نماز پڑھ، میاں! اُٹھ نماز پڑھ۔ وہ پہلے تو گھبرائے اور سمجھا کہ کوئی کمرہ کے اندر آگیا ہے کیونکہ خواب میں بھی انسان ایسی چیزوں سے گھبراتا ہے جن سے اُسے گھبرانے کی عادت ہوتی ہے مگر جب انہوں نے پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ میں شیطان ہوں۔ انہوں نے کہا تم شیطان ہو اور مجھے نماز کے لئے جگا رہے ہو؟ کہنے لگا ہاں! میں نماز کے لئے جگا رہا ہوں۔ کل مَیں نے تمہاری نماز ضائع کرا دی تھی اور ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ تم سوتے رہو اور آنکھ نہ کُھلے مگر اِس پر تم اتنا روئے اور تم نے اتنی توبہ کی کہ خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو حُکم دیا کہ اس کی نماز جو رہ گئی ہے اس کے بدلہ میں دس نیکیوں کا ثواب لکھ دو کیونکہ یہ بہت رویا ہے۔ میں نے کہا میں تو ایک نیکی سے محروم کر رہا تھا اور اس کو دس نیکیاں مل گئیں آج اِسے جگا دو کہ نو(۹) نیکیاں تو بچیں یہ طریقہ ہے بدیوں کی جگہ نیکیاں لکھنے کا۔ یعنی انسان کے دل میں جو ندامت اور توبہ اور انابت پیدا ہوتی ہے اُس کا ثواب اتنا مقرر کر دیا جاتا ہے کہ وہ ان بدیوں کی جگہ کو ڈھانپ لیتا ہے اور اس کی جگہ نیکی بن جاتا ہے۔

بدیوں کو نیکیوں میں بدلنے کی ایک اور مثال

اِسی طرح ایک دوسری مثال حدیث میں آتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ لوگوں سے معاملہ کریگا تو ایک وقت ایک مجرم کو نکالا جائے گا۔ اُس کے بڑے جُرم ہونگے مگر اس کے دل میں کوئی ایسی نیکی ہوگی کہ جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کہے گا کہ میں نے اس کو ضرور بخشنا ہے۔ چنانچہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا وہ ڈر رہا ہوگا کہ مجھے سزا ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے دل میں فیصلہ کر چکا ہوگا کہ اِس کی فلاں نیکی کی وجہ سے میں نے اسے بخشنا ہے مثلاً ممکن ہے اُس کے دل میں محبتِ رسولؐ بڑی ہو یا اللہ تعالیٰ کی بڑی

محبت ہو لیکن اعمال میں کمزور ہو یا غریبوں کی اُس نے بڑی خبر گیری کی ہو یا اور کوئی ایسی نیکی ہو جو اتنی نمایاں ہوگئی ہو کہ اللہ تعالیٰ سمجھتا ہو چاہے اس نے کتنے گناہ کئے ہوں مَیں نے اس کو بخش دینا ہے۔ تو جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اللہ تعالیٰ کہے گا دیکھو میاں! تم نے فلاں بدی کی۔ وہ کہے گا ہاں حضور مجھ سے ایسا ہو گیا۔ فرمائے گا اچھا فرشتو! اس کے بدلہ میں اس کے دس ثواب لکھ دو۔ پھر پوچھے گا تم نے فلاں بدی کی تھی؟ وہ کہے گا جی حضور کی تھی۔ فرمائے گا اچھا اس کے دس ثواب لکھ دو تو چونکہ اُس کے لئے بخشش کسی ایسی نیکی کی وجہ سے جو اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی مقدر تھی خدا تعالیٰ اُس کے گناہ گِنانے شروع کر دیگا اور فرمائے گا کہ ان کے بدلہ میں نیکیاں لکھتے چلے جاؤ لیکن اس کے بڑے بڑے گناہ نہیں گِنائے گا تا کہ وہ شرمندہ نہ ہو۔ جب اللہ تعالیٰ ختم کر بیٹھے گا تو وہ اپنے دل میں سوچے گا کہ میرے فلاں فلاں گناہ بھی موجود تھے اگر چھوٹے چھوٹے گناہوں کی دس دس نیکیاں ملی ہیں تو ان کی تو سَو سَو ملنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس کی پردہ پوشی کے لئے ایسا کریگا لیکن جب وہ خاموش ہوگا تو بندہ کہے گا حضور! آپ بھول ہی گئے میں نے فلاں گناہ بھی کیا تھا اور فلاں میں نے قتل کیا تھا اُس کو تو آپ نے بیان ہی نہیں کیا۔ اِسی طرح فلاں ڈاکہ آپ نے بیان نہیں کِیا یہ تو چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہنس پڑے گا کہ دیکھو میرا بندہ میرے عفو پر اتنا دلیر ہو گیا ہے کہ اب یہ اپنے گناہ آپ گِناتا ہے [۱۸] تو جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ اس کے معنے اِسی طرز کے ہیں کہ کوئی نہ کوئی نیکی اس کے دل میں ہوتی ہے اور وہ اتنے مقام پر پہنچ جاتی ہے کہ اُس نیکی کے مقام کی وجہ سے بدی کو نیکی کے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔ یہی اس کے معنے ہیں اور اصل مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کی اعلیٰ توبہ کی وجہ سے اُن کی دلداری کے لئے اور ان کے دلوں کو تسکین دینے کے لئے اُن کے گناہوں کو بھی نیکی کے ثواب میں بدل دیتا ہے۔

روحانی انعامات کو کوئی شخص چھیننے کی طاقت نہیں رکھتا

پھر اس سے اوپر میں نے دیکھا کہ اس دفتر میں جن لوگوں کے لئے انعام مقرر ہوئے تھے انہیں کوئی چھین نہیں سکتا تھا۔ برخلاف دُنیوی انعاموں کے کہ یہاں ایک بادشاہ دیتا ہے اور دوسرا چھین لیتا ہے بلکہ بعض دفعہ وہ بادشاہ آپ ہی چھین لیتا ہے۔

ایک جرنیل کی معزولی دیکھ کر حضرت شبلیؒ کا رونا اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنا

تاریخ میں قصہ آتا ہے کہ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ جو حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگرد تھے پہلے وہ بڑے ظالم ہوتے تھے امیر آدمی تھے اور ایک صوبہ کے گورنر تھے انہوں نے اپنی گورنری کے زمانہ میں بڑے بڑے ظلم کئے تھے۔ اُس زمانہ میں عباسی بادشاہ کے خلاف ایران میں کوئی بغاوت ہوئی کئی جرنیل بھجوائے گئے مگر انہوں نے شکست کھائی اور وہ دشمن کو مغلوب نہ کر سکے۔ آخر بادشاہ نے ایک جرنیل کو چُنا جو بہت دلیر تھا اور اُس کو کہا کہ تم جاؤ اور جا کر دشمن کو شکست دو یہ کام تم سے ہوگا۔ وہ گیا اور چھ مہینے سال اُس نے بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائیں، تکلیفیں جھیلیں اور آخر ہمت کر کے اُس نے دشمن کو شکست دی اور وہ علاقہ بادشاہ کے لئے فتح کیا۔ واپس آیا تو بادشاہ نے ایک بڑا دربار اس کے اعزاز میں منعقد کیا اور کہا کہ اس کو خلعت دیا جائے۔ چنانچہ وہ دربار میں آیا اور اُس کو خلعت پہنایا گیا۔ پُرانے زمانہ میں یہی طریق رائج تھا جیسے آجکل خطاب وغیرہ دیتے ہیں تو دربار لگتے ہیں اِسی طرح دربار لگایا گیا۔ اتفاقاً شبلیؒ بھی اُن دنوں اپنے کام کی کوئی رپورٹ دینے آئے ہوئے تھے چنانچہ وہ بھی دربار میں بُلائے گئے۔ سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور اوپر وہ جرنیل بیٹھا ہؤا تھا کہ بادشاہ نے پہلے اُس کی تعریف میں کچھ کلمات کہے، اس کے بعد کہا کہ اس کو خلعت پہنایا جائے۔ چنانچہ اسے ایک طرف کمرہ میں لے گئے اور اس کو خلعت پہنایا گیا۔ بدقسمتی سے وہ اُسی دن سفر سے آیا تھا کہیں سفر میں اُسے ہؤا لگی یا کچھ اور ہؤا جس کی وجہ سے اُس کو شدید نزلہ ہوگیا اور گھر سے چلتے وقت وہ رومال لانا بھول گیا۔ جب بادشاہ کے سامنے آیا تو یکدم اُسے چھینک آئی اور چھینک سے رینٹھ نکل کے ہونٹوں پر آ گئی۔ اب اگر وہ رینٹھ کے ساتھ بادشاہ کے سامنے کھڑا رہتا ہے تو بادشاہ خفا ہوتا ہے اور اگر پونچھتا ہے تو رومال نہیں۔ اُس نے اِدھر اُدھر نظر بچا کے اُسی خلعت کا ایک پہلو لیا اور ناک پونچھ لیا۔ بادشاہ نے دیکھ لیا اُسے سخت غصہ چڑھا اور کہنے لگا۔ ہم نے تمہارا اتنا اعزاز کیا۔ تمہیں خلعت دی اور تمہیں اتنا نوازا اور تم نے اتنی تحقیر کی ہے کہ اس کے ساتھ ناک پُونچھتے ہو۔ فوراً یہ خلعت اُتار لیا جائے اور اس کو جرنیلی سے موقوف کیا جائے۔ خیر وہ بیچارہ تو کیا کر سکتا تھا خلعت اُتارنے لگے تو شبلیؒ نے دربار میں چیخیں مارنی شروع کر دیں کہ ہائے مَیں مر گیا۔ بادشاہ حیران ہؤا کہ یہ خواہ مخواہ کیوں شور مچا رہا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا تم کو کیا ہؤا ہم اس پر خفا ہوئے ہیں

تم کیوں خواہ مخواہ رو رہے ہو؟ اُس نے کہا بادشاہ سلامت! مَیں نہیں روؤنگا تو کون روئے گا اس شخص نے سال بھر ہر صبح سے شام تک اپنی بیوی کو بیوہ کیا، سال بھر میں ہر صبح سے شام تک اِس نے اپنے بچوں کو یتیم کیا، محض آپ کی خوشنودی کے لئے اور بارہ مہینے اس نے اپنے آپ کو قتل و غارت اور خون کے آگے ہدف بنایا صرف اس لئے کہ آپ کی رضاء حاصل ہو جائے اور جب اتنی قربانی کے بعد یہ آیا اور آپ نے اِس کو دس ہزار یا بیس ہزار کا خلعت بھی دے دیا اور اس قربانی کے مقابلہ میں بلکہ اس کی ایک دن کی قربانی کے مقابلہ میں بھی تو یہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا مگر آپ نے اس پر اتنے غصے کا اظہار کیا کہ اس نے میرے خلعت کی ہتک کی ہے اور اس سے ناک پونچھ لیا ہے اور اس قدر ناراض ہو گئے کہ کہا اس کو نکال دو، یہ بڑا خبیث اور بے ایمان ہے۔تو حضور یہ کانؔ، ناکؔ، آنکھ یہ جسم کی خلعت جو خدا نے مجھے پہنائی ہے مَیں روز آپ کی خاطر اسے گندہ اور ناپاک کرتا ہوں۔ مجھے قیامت کے دن خدا کیا کہے گا کہ کمبخت! تُو نے یہ خلعت کیوں گندہ کیا تھا۔پس مَیں نہ روؤں تو اور کون روئے؟ وہ اُسی وقت اُٹھے استعفٰے پیش کیا اور چلے گئے [19]

بیعت کے لئے حضرت جنیدؒ کی شرط

پھر انہوں نے علماء کی مجلس میں جانا شروع کیا اور کہا کہ میرے لئے دُعا کریں کہ مجھے توبہ نصیب ہو۔ اُن کے ظلم بڑے مشہور تھے اور بڑی غارت اور تباہی انہوں نے مچائی ہوئی تھی جس عالم کے پاس بھی جائیں وہ کہے میاں! تمہاری توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔تمہاری توبہ بھلا خدا کب قبول کرسکتا ہےتم نے تو اتنے ظلم کئے ہیں کہ جنکی کوئی حد ہی نہیں۔ وہ مایوس ہوتے ہوئے بیسیوں علماء کے پاس گئے مگر ہر ایک نے یہی جواب دیا۔ آخر کسی نے کہا کہ جنیدؒ بغدادی بڑے صوفی ہیں اور بڑے خدا پرست اور بڑے رحمدل ہیں اُن کے پاس جاؤ تو شاید وہ تمہاری توبہ قبول کر لیں۔ چنانچہ وہ اُن کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ مَیں شبلی ہوں۔ میں اس طرح علماء کے پاس گیا تھا مگر سب نے انکار کیا۔ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ میرے لئے دُعا کریں اور توبہ قبول کریں۔حضرت جنیدؒ نے کہا کہ ہاں خدا تعالیٰ سب کے گناہوں کو معاف کرتا ہے پر کچھ تمہیں بھی اپنی توبہ کے آثار دکھانے چاہئیں۔انہوں نے کہا مَیں دکھانے کے لئے تیار ہوں۔آپ جو حُکم دینا چاہیں دیں۔فرمایا جاؤ اُس صوبہ میں جہاں تم گورنر مقرر تھے اور پھر جس شہر میں تم مقرر تھے اور جہاں روز تم سزائیں دیا کرتے تھے، کوڑے لگوایا کرتے تھے، نالشیں کیا کرتے تھے، گھروں

پر قبضہ کیا کرتے تھے، مردوں کو قید کیا کرتے تھے، عورتوں کو بے عزت کیا کرتے تھے، اُس شہر میں جاؤ اور ہر گھر پر دستک دو اور ہر گھر کے آدمیوں کو باہر بُلا کے کہو کہ میں مجرم کی حیثیت میں تمہارے سامنے پیش ہوں جو چاہو مجھے سزا دے دو مگر خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ ایک ایک گھر میں جاؤ اور معافی لو جب تم سارا شہر پھر لو گے تو پھر میرے پاس آنا مَیں تمہاری بیعت لے لونگا۔ شبلی نے کہا مجھے منظور ہے۔

شبلیؒ کا گھر گھر جا کر لوگوں سے معافی حاصل کرنا

چنانچہ وہ وہاں گئے اور ایک سِرے سے لے کر دستک دینی شروع کی۔ لوگوں نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے کہا مَیں شبلی ہوں۔ پہلے تو وہ سمجھیں کہ کوئی فقیر ہوگا یونہی بات کرتا ہے مگر باہر نکل کے دیکھنا تو انہیں معلوم ہونا کہ گورنر صاحب کھڑے ہیں۔ انہوں نے فوراً کہنا کہ حضور! کس طرح تشریف لائے ہیں؟ وہ کہتے حضور حضور کچھ نہیں مَیں معافی مانگنے آیا ہوں۔ میں نے تم لوگوں پر بڑے ظلم کئے ہیں مجھے خدا کے لئے معاف کر دو۔ پہلے تو لوگوں نے یہ سمجھنا شروع کیا کہ مذاق ہو رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہنا نہیں صاحب! آپ تو ہمارے بڑے آدمی ہیں۔ وہ کہتے بڑے کوئی نہیں میں نے استعفٰی دے دیا ہے اب میں معافی مانگنے آیا ہوں کیونکہ میری نجات تمہاری معافی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ بڑے اصرار کے بعد آخر لوگوں کو یقین آ جانا کہ یہ بات ٹھیک ہے اور انہوں نے کہہ دینا اچھا ہم نے معاف کر دیا۔ لیکن انسانی دل کو خدا تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ جب اس کو یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ اب نیکی آ چکی ہے تو پھر وہ برداشت نہیں کرسکتا۔ ابھی پانچ سات گھر ہی شبلی گزرے تھے کہ شہر میں خبر مشہور ہوگئی کہ گورنر آج اس طرح پھر رہا ہے۔ اب بجائے اس کے کہ شبلی جا کے دستک دیتے اِدھر وہ گھر پر پہنچتے اور اُدھر گھر والے روتے ہوئے باہر آ جاتے اور کہتے ہمیں آپ شرمندہ نہ کریں ہم نے معاف کیا اور ہم نے اپنے دل سے بات بالکل نکال دی۔ شام تک سارے شہر میں معافیاں ہو گئیں اور بجائے اس کے کہ وہ مجرم کے طور پر جاتے اُن کا اعزاز ہونا شروع ہو گیا۔ اس کے بعد واپس گئے حضرت جنیدؒ نے اُن کی بیعت لی اُن کی توبہ قبول کی اور پھر وہ خود بھی ایک بڑے بزرگ بن گئے۔ [۲۰]

دُنیوی خلعتوں اور جاگیروں کی ناپائیداری

تو دیکھو خلعت ہوتے ہیں لیکن دُنیوی بادشاہوں کے خلعت کبھی

آپ ہی چھن جاتے ہیں اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ اولادوں سے چھن جاتے ہیں۔ مثلاً پٹھانوں کے وقت کی جاگیریں مغلوں نے چھین لیں۔ مغلوں کے وقت کی جاگیریں جن کے پاس تھیں اُس وقت وہ بڑے اکڑ اکڑ کر پھرتے تھے مگر انگریز آئے تو انگریزوں نے چھین لیں۔ پھر انگریزوں نے جاگیریں دیں تو اب پاکستان اور ہندوستان والے چھین رہے ہیں۔ تو کچھ مدت کے لئے وہ انعام رہتے ہیں اور اس کے بعد وہ جاگیر چھن جاتی ہے۔ مگر یہ وہ حکومت تھی اور یہ وہ دفتر تھے کہ میں نے دیکھا کہ اس میں جو جاگیریں ملتی تھیں اُن کے ساتھ بتا دیا جاتا تھا کہ یہ کتنے عرصہ کے لئے جاگیر ہے، کسی کو کہا جاتا تھا کہ یہ ہمیشہ کے لئے ہے پر یہ یہ وقفے پڑ جائیں گے، کسی کو کہا جاتا تھا کہ عارضی ہے جب تک ٹھیک رہو گے ملے گی۔ گویا یہ خدمت کی جاگیر ہے جب تک خدمت کرو گے ملے گی جب خدمت نہ کرو گے چھین لی جائے گی۔

روحانی جاگیرداروں کے متعلق عالَمِ روحانی کا قانون

چنانچہ میں نے دیکھا کہ اس میں جاگیرداروں کے متعلق یہ قانون تھا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ○ [۲۱] ہم جو جاگیر دینگے اگر تو وہ شخص جس کو جاگیر دی گئی ہوگی اپنی زندگی بھر وفاداری کو قائم رکھے گا تو وہ جاگیر اَبَد الآباد تک اُس کے نام لکھی جائیگی اور اُس سے چھینی نہیں جائیگی۔

مسلمانوں کو خداتعالیٰ کی عطا کردہ ایک مقدس جاگیر

یہ تو اُخروی انعام ہے۔ اِس دنیا کے انعام میں بھی میں نے یہی قانون دیکھا۔ اُخروی انعام کے متعلق تو مجھے غیر مسلم لوگ کہیں گے کہ میاں! یہ تو منہ کی باتیں ہیں اگلا جہاں کس نے دیکھا ہے۔ تم یہ بتاؤ اور اس بات کا ثبوت دو کہ یہاں بھی مل جاتی ہے؟ تم اپنے دربار کی یہاں کوئی ایسی جائداد بتاؤ جو مستقل طور پر مل گئی ہو اور پھر کسی نے چھینی نہ ہو تو میں نے دیکھا کہ اس بارہ میں قرآن کریم سے یہ ثبوت نکلا کہ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَ مَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ [۲۲]

اِس جاگیر کے ساتھ تعلق رکھنے والی سات اور جاگیریں

فرماتا ہے ایک جاگیر ہم نے دنیا کے کچھ

لوگوں کو بخشی اور ہم نے کہا ہمارے نام پر ایک گھر بناؤ اس کے ساتھ ہم تم کو جاگیر دینگے۔ تو سب سے پہلے جو گھر خدا تعالیٰ کے نام پر لوگوں کے فائدہ کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں بنا۔ مُبَارَكًا ہم نے کہا اس گھر کو ہمیشہ برکت دی جائے گی وَ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ اور یہ گھر ہمیشہ ہی دنیا کے لئے دین اور تقویٰ اور طہارت میں راہنمائی کا موجب رہیگا۔ یہ دو جاگیریں ہوگئیں فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ تیسری جاگیر یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے نشاناتِ الٰہیہ ظاہر ہوتے رہیں گے۔ مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ چوتھی جاگیر یہ ہے کہ جو لوگ اس جگہ آئیں گے وہ ابراہیمی درجے پاتے رہیں گے۔ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اور پانچویں جاگیر یہ ہوگی کہ اس کے اندر امن لکھ دیا جائے گا یعنی جو شخص اس جاگیر میں آئے گا اُس کو امن مِل جائیگا۔ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ چھٹی جاگیر یہ ہوگی کہ لوگوں کے دلوں میں ہم تحریک کرتے رہیں گے کہ وہ اس کا ادب کریں اور آ کر اس کی زیارت کرتے رہیں۔ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ اور ساتویں جاگیر یہ ہوگی کہ جو شخص اس سے منہ موڑے گا ہم اس سے تعلق نہیں رکھیں گے۔

دیکھو! یہ سات جاگیریں ملتی ہیں کہ

(۱) اُس مقام کو ہمیشہ کے لئے برکت والا بنایا جاتا ہے۔

(۲) یہ مقام دین اور تقویٰ میں لوگوں کی راہنمائی کا موجب ہوگا۔

(۳) اس مقام سے نشاناتِ الٰہیہ ظاہر ہوتے رہیں گے۔

(۴) جو لوگ اس سے تعلق رکھیں گے وہ ابراہیمی درجے حاصل کریں گے۔

(۵) جو شخص اس کے اندر داخل ہوگا اُسے امن حاصل ہو جائے گا۔

(۶) اور پھر یہ کہ اس کی طرف لوگوں کو دُور دُور سے کھینچ کر لایا جائے گا تا کہ وہ اس کی زیارت کریں۔

(۷) اور جو اس سے منہ موڑے گا خدا تعالیٰ اُس سے منہ موڑ لے گا۔ یعنی اس کے مخالف بھی ہمیشہ رہیں گے لیکن اُن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوگا۔

ہر زمانہ میں یہ مقدس جاگیر دشمن کے حملہ سے محفوظ رہی

اب دیکھو کس طرح ہر زمانہ میں یہ نشان پورا ہوتا رہا۔ دنیا کی جاگیروں کے لینے والے تو بڑے بڑے جتھے رکھتے تھے مگر پھر بھی وہ ناکام رہے اور ان کی جاگیریں ضبط ہوگئیں لیکن یہاں کوئی پُوچھنے والا ہی نہیں تھا معمولی حیثیت تھی کوئی طاقت نہیں، کوئی قوت نہیں، کوئی سامان نہیں صرف یہ اعلان ہے کہ یہ شاہی جاگیر ہے لیکن

پھر بھی وہ جاگیر محفوظ رہی۔

یمن کے گورنر کا بیت اللہ پر حملہ

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج سے چودہ سَو سال پہلے یمن مَیں ایک گورنر تھا۔ اُس نے ایک گرجا بنایا اور کہا کہ مَیں اس کو عرب کے سارے لوگوں کے لئے عزت کی جگہ بناؤں گا مگر وہ آباد نہ ہؤا۔ آخر اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ گرجا آباد کیوں نہیں ہوتا؟ انہوں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ عرب میں ایک پُرانا مکان ہے بیت اللہ یا خانہ کعبہ اُس کو کہتے ہیں اُس کی سارے عرب عزت کرتے ہیں جب تک وہ نہیں ٹوٹے گا لوگوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی پہلے اُس کو توڑ لو پھر کوئی تجویز ہوگی۔ اُس نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ اُس نے لشکر لیا اور چل پڑا۔ چلتے چلتے طائف کے مقام پر پہنچے۔ وہاں کے لوگوں کی مکہ والوں سے مخالفت تھی کیونکہ وہ مکہ کے مقابلہ میں طائف کا جو بڑا بُت تھا اُس کے متعلق سمجھتے تھے کہ اس کو زیادہ عزت دینی چاہئے۔ اُس نے اُن کو رشوت وغیرہ دی اور اس طرح اُن کے دلوں میں جو اپنی قوم کا ڈر تھا وہ اُتارا اور انہیں کہا کہ ہم کو مکہ پہنچاؤ وہ تیار ہو گئے جب لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو جیسا کہ پُرانے زمانہ میں قاعدہ تھا ایک منزل پر پہنچ کر وہاں سے انہوں نے مکہ والوں کو نوٹس دیا کہ ہتھیار پھینک دو ورنہ تم پر حملہ کر دیا جائے گا۔ اُس وقت جو مہذب حکومتیں تھیں وہ اِسی طرح کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسلام میں بھی یہی طریق رائج ہے۔ جب یہ حُکم پہنچا تو مکہ کے لوگ گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا اتنا بڑا لشکر آیا ہے جو دس یا بیس یا پچاس ہزار کا ہے اور مکہ میں سپاہی پانچ سات سَو ہیں ان کا ہم کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ ہاتھی اور دوسری قسم کے سامان تھے، اسی طرح مَنْجَنِیقیں وغیرہ تھیں۔ انہوں نے بہت منّتیں سماجتیں کیں۔ بادشاہ کے آگے ہاتھ جوڑے مگر اُس نے کہا مَیں نہیں مانتا، تم اپنا کوئی وفد بھیجو۔ مَیں یہ تو فیصلہ کر چکا ہوں کہ اِس گھر کو گرادونگا لیکن تمہارے لئے کوئی گزارہ مقرر کر دونگا کیونکہ تمہیں اِس کے چڑھاووں سے آمدن ہوتی تھی یا اِس کی زیارت کرنے کے لئے جو لوگ آتے تھے اُن سے آمدن ہوتی تھی۔ پس مَیں تمہارے لئے کوئی جائداد مقرر کر دونگا اور تمہارا اس پر گزارہ ہو جائے گا مگر میں یہ نہیں مان سکتا کہ اِس گھر کو نہ گراؤں یہ گھر تو مَیں نے گرا کر رہنا ہے۔ چنانچہ وہ واپس گئے اور انہوں نے جاکے کہا کہ بادشاہ تو اس بات پر مُصِر ہے کہ اس گھر کو میں ضرور گراؤں گا اب کوئی وفد بھیجا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک وفد بھیجا جس کا سردار حضرت عبدالمطلب کو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا

تھے چُنا گیا۔لوگوں نے اُن سے کہا کہ آپ جایئے اور کوشش کیجیئے کہ کسی طرح یہ گھر بچ جائے۔

حضرت عبدالمطلب اور ابرہہ کی ملاقات

یہ وہاں پہنچے تو بادشاہ نے اُن کو بُلایا اور ان سے پہلے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں۔ ملک کی سیاست کے متعلق باتیں کیں، ملک کی اقتصادی حالت کے متعلق باتیں کیں، قومیت کے متعلق باتیں کیں۔حضرت عبدالمطلب بڑے سمجھدار اور دانا تھے انہوں نے جو جواب دیئے بادشاہ اُن سے بہت متأثر ہؤا اور اُس نے کہا یہ تو بڑا سمجھدار آدمی ہے۔خوش ہو کے اُس نے کہا کہ مَیں تو آپ سے مل کر بہت ہی خوش ہؤا ہوں مجھے توقع نہیں تھی کہ مکہ میں ایسے عقلمند بھی مَوجود ہیں آپ کوئی انعام مجھ سے مانگیں مَیں دینے کے لئے تیار ہوں۔انہوں نے کہا میرے دوسَو اونٹ آپ کے سپاہی پکڑ لائے ہیں وہ مجھے واپس کر دیں۔بادشاہ کو غصہ چڑھ گیا اور اُس نے کہا دوسَو اونٹ کی حیثیت کیا ہے میں تمہارا مذہبی مکان گرانے کے لئے آیا ہوں مَیں مانتا یا نہ مانتا تمہاری عقل سے میں یہ امید کرتا تھا کہ تم کہو گے یہ میرا مذہبی مقدس مقام ہے اِس کو چھوڑ دو مگر بجائے اِس کے کہ تم مکہ کی سفارش کرتے، خانہ کعبہ کی سفارش کرتے کہ اس کو چھوڑ دو تم نے اپنے دوسو اونٹوں کو یاد رکھا، میرے دل میں سے تو تمہاری ساری عزت جاتی رہی ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ بادشاہ تم جو چاہو نتیجہ نکال لو۔باقی میں تو سمجھتا ہوں اور یہی مَیں نے آپ کو بتایا ہے کہ دوسَو اونٹ میرے ہیں بھلا کیا حیثیت ہے دوسَو اونٹ کی مگر مجھے ان کی فکر ہے کہ کسی طرح مجھے مل جائیں اور میں اُن کی حفاظت چاہتا ہوں۔تو اگر یہ اللہ کا گھر ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کو اِس کی اتنی فکر نہیں ہوگی جتنی مجھے دوسَو اونٹ کی ہے؟ اِس جواب سے وہ ایسا متأثر ہؤا کہ اُس نے اُن کے اونٹوں کی واپسی کا حکم دے دیا مگر بیت اللہ پر حملہ کرنے کا ارادہ اُس نے ترک نہ کیا۔خیر وہ واپس آ گئے اور انہوں نے ساری قوم کو کہہ دیا کہ پہاڑ پر چڑھ جاؤ اور مکہ کو خالی کر دو۔لوگوں نے کہا۔مکہ ہمارا مقدس مقام ہے۔کیا اس مقدس مقام کو ہم خالی کر دیں؟ انہوں نے کہا میاں! تمہارا مکان نہیں خدا کا مکان ہے۔تمہیں اس کا درد ہے تو خدا کو اِس کا درد کیوں نہیں ہوگا جس کا یہ گھر ہے وہ آپ اس کی حفاظت کریگا۔تم چھوڑو اِس کو اور باہر چلو اللہ تعالیٰ اس کی آپ حفاظت کریگا۔اگر ہماری طاقت ہوتی تو ہم لڑتے لیکن ہم میں طاقت نہیں ہے۔اب یہ خدا کی ہی طاقت ہے کہ وہ اس حملہ کو روکے چنانچہ انہوں نے سب کو شہر سے نکالا اور پہاڑ پر چڑھ گئے۔ [۲۳]

ابرہہ کے لشکر کی تباہی

مگر وہاں ایک دن انتظار کیا، دو دن انتظار کیا، تین دن انتظار کیا جو اُس نے نوٹس دیا تھا کہ تین دن کے اندر میں حملہ کرونگا وہ تین دن گزر گئے اور کوئی بھی نہ آیا۔ پھر چوتھا دن گزرا، پانچواں دن گزرا حیران ہو گئے کہ کیا بات ہے۔ آیا اُس نے معاف کر دیا ہے یا کوئی اور بات ہوئی ہے آخر آدمی بھیجے گئے وہاں جو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ میدانوں میں لاشیں ہی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور کوئی لشکر نظر نہیں آتا۔ پتہ لیا تو طائف والوں نے بتایا کہ اُن میں بے تحاشا چیچک پھیلی۔ وہ حبشی فوجیں تھیں اور حبشیوں میں چیچک پھیلتی ہے تو بالکل سیلاب کی طرح آتی ہے۔خصوصاً اُس زمانہ میں تو بیماریوں کے علاج ہی کوئی نہیں ہوتے تھے۔ دیکھا کہ تمام میدان لاشوں سے اٹا پڑا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بادشاہ کو بھی چیچک ہوئی اور لوگ اس کو ڈولی میں ڈال کر یمن کی طرف لے گئے غرض اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی حفاظت کی اور وہ جائداد پھر محفوظ رہ گئی۔

اِس مقدس جاگیر کو چھیننے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا

یہ وہ جائداد ہے جسکے مقابلہ میں دنیا کی کوئی اور جائداد پیش نہیں کی جا سکتی۔ وہ حکومتیں بدل گئیں جن کے سپرد جائداد کی گئی تھی، ابراہیمؑ چلا گیا، اسمٰعیلؑ چلا گیا، وہ جن کو یہ جائداد دی گئی تھی ختم ہو گئے نئی حکومتیں اور نئی بادشاہتیں آ گئیں۔ یمن کا عیسائی بادشاہ اس ملک پر قابض ہو کے آ گیا لیکن اِس جائداد کے متعلق اُس نے فرمایا کہ خبردار! اگر اس کو چھیڑا تو ہم فوراً سیدھا کر دیں گے اور جب وہ باز نہ آیا تو اُس کو سیدھا کر دیا۔ چنانچہ اِسی کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ **اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ۔ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ** [۲۴]

پتہ ہے اُن لوگوں کے ساتھ ہم نے کیا کِیا؟ اُن کے بڑے بڑے بُرے ارادے تھے پر میں نے اُن کے ارادوں کو کُچل کر رکھ دیا اور اپنی جاگیر کو محفوظ رکھا کیونکہ ہم نے کہا میں خدا اس جاگیر کا دینے والا ہوں کوئی انسان اِس کو چھین نہیں سکتا۔

گزشتہ جنگِ عظیم میں اٹلی کا ناپاک ارادہ اور اُس کی ناکامی

پھر اس کے بعد اسلام کی حکومت رہی۔ خانہ کعبہ کی حفاظت کرنے والے لوگ موجود رہے لیکن جب پچھلی جنگ آئی تو پھر ایسی حکومتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے یہ بدارادہ کیا کہ ترکوں کو اُس وقت تک شکست نہیں دی جا سکتی

جب تک کہ مکہ کو نہ لیا جائے۔ چنانچہ اٹلی نے یہ ارادہ ظاہر کیا مگر انگریزوں اور دوسری قوموں نے اُس کو کہا کہ اِس کی ہم ہرگز اجازت نہیں دینگے کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو ساری اسلامی دنیا ہمارے خلاف ہو جائیگی اور یہ جنگ جیتنی ہمارے لئے مشکل ہو جائیگی چنانچہ خدا تعالیٰ نے پھر ایسے سامان کر دیئے کہ مکہ محفوظ کا محفوظ رہا۔

بیت اللہ کی تقدیس اور اُس کی عظمت کا زمانۂ قدیم سے اعتراف

یہ جاگیر اتنی پُرانی ہے کہ یونان کے مؤرخ حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے پہلے لکھتے ہیں کہ تاریخ کا جب سے پتہ لگتا ہے یہ مقام عرب میں مقدس چلا آ رہا ہے اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔ تاریخ کہیں نہیں بتاتی کہ یہ کب سے بنا ہے؟ اتنی پُرانی جاگیر تو دنیا میں الگ رہی اِس کا سواں حصہ بھی پُرانی جاگیر دنیا میں کوئی نہیں جو محفوظ ہو۔ ساری کی ساری جائدادیں ضبط کر لی گئیں، تباہ ہو گئیں مگر یہ جاگیر اُسی طرح کھڑی ہے۔

ایک اور روحانی جاگیر جو خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو دی گئی

پھر اسی دفتر سے ایک جاگیر جاری ہوئی۔ فرماتا ہے وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِى الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوۡنَ [۲۵]

ہم نے زبور میں اپنا کلام اور اپنی حکمتیں اور اپنی نصائح لکھنے کے بعد یہ لکھا کہ فلسطین کی زمین کے ہمیشہ میرے نیک بندے وارث ہوتے رہیں گے۔ یہ کتنا شاندار وعدہ تھا اور کس شان سے پورا ہوا۔ اِس وعدے کی تفصیل یہ ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ○ ثُمَّ رَدَدۡنَا لَـكُمُ الۡكَرَّةَ عَلَيۡهِمۡ وَ اَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِيۡنَ وَ جَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا ۔ [۲۶]

پھر تھوڑی دیر کے بعد فرماتا ہے فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَ لِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا ○ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا وَ جَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ○ [۲۶]

ارضِ مقدس کے متعلق بعض شرائط اور قیود کا ذکر

فرمایا ہم نے ایک اور بھی جاگیر دی تھی اور اُس کے ساتھ کچھ شرطیں لگائی تھیں اور وہ یہ کہ فلسطین خدا کے نیک بندوں کو ملے گا۔ چونکہ پہلے یہود کو اس کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا، اس لئے ان کو یہ جاگیر ملے گی لیکن یہ شرطیں ہیں کہ:-

ا۔ کچھ عرصہ کے بعد ہم یہ جاگیر تم سے چھین لیں گے۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰـهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ہم اپنے حکم کے ساتھ ایک قوم کو مقرر کریں گے جو بڑی فوجی طاقت رکھتی ہوگی فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وہ فلسطین کے تمام شہروں میں گھس جائیگی اور تمہاری حکومت توڑ دیگی۔ گویا یہ جاگیر تمہارے پاس سے کچھ دنوں کے لئے ہم چھین لیں گے پس یہ شرطی بات ہے۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ مگر کچھ مدت کے بعد ہم پھر یہ جاگیر تم کو واپس دے دینگے اور تمہاری طاقت اور قوت قائم کر دینگے وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا اور ہم تم کو مال دینگے اور بیٹے دینگے اور تمہیں بہت زیادہ تعداد میں بڑھا دینگے اور طاقتور بنا دینگے اور پھر یہ جائداد تمہارے پاس واپس آ جائے گی۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَ لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا لیکن پھر ایک وقت کے بعد ہم دوبارہ یہ جاگیر تم سے چھین لیں گے۔ جب وہ دوسرا وعدہ آئے گا یعنی وعدالآخرۃ آئے گا لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ تاکہ وہ لوگ جن کو عارضی طور پر ہم یہ جاگیر دینے والے ہیں وہ تمہارے منہ خوب کالے کریں وَ لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ پہلی دفعہ بھی جب ہم نے جاگیر تم سے چھینی تھی تو اُس وقت بھی تمہاری عبادت گاہ کو اور تمہارے خانہ کعبہ کو دشمن نے برباد کیا تھا اِس دفعہ بھی یہ دشمن گھسے گا اور تمہارے خانہ کعبہ کو برباد کریگا۔ وَ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا اور جس جس علاقہ میں جائے گا اُسے تباہ کرتا چلا جائے گا گویا دوبارہ ہم پھر یہ جاگیر لے لیں گے۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ مگر پھر ہم یہ فیصلہ کریں گے کہ یہ جاگیر واپس آئے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری طرف آئے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے گا یعنی اس بدنامی کو دور کر دیگا، یہ نہیں کہ پھر وہ یہودیوں کے ہاتھ میں آ جائے۔ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا اور اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو پھر ہم یہ جائداد تم سے چھین لینگے اور یہ پھر ایک اور قوم کے پاس جائے گی وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا اور جہنم کو ہم تمہارے لئے قید خانہ بنا دیں گے یعنی پھر تم اس ملک میں واپس نہیں آؤ گے۔ اب دیکھو اس جگہ اتنے وعدے کئے گئے

ہیں۔

بابلیوں کا فلسطین پر قبضہ اوّل یہ جاگیر کچھ عرصہ تمہارے پاس رہے گی مگر اس کے بعد بابلیوں کی معرفت یہ جاگیر چھینی جائے گی۔ چنانچہ بابلی فوجیں آئیں اور انہوں نے عبادت گاہیں بھی تباہ کیں، شہر بھی تباہ کئے اور ملک پر قبضہ کیا اور قریباً ایک سَو سال حکومت کی۔ اس کے بعد وہ حکومت بدل گئی اور پھر یہودی اپنے ملک پر قابض ہو گئے۔

رومیوں کا فلسطین پر قبضہ پھر مسیحؑ کے بعد رومی لوگوں نے پھر اِس ملک پر حملہ کیا اور اس کو تباہ اور برباد کیا۔ اِسی طرح مسجد کو تباہ کیا اور اُس کے اندر سؤر کی قربانی کی اور اس پر ان کا قبضہ رہا لیکن آخر رومی بادشاہ عیسائی ہو گیا اس لئے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ یہودیوں کو یہ جاگیر واپس کی جائیگی پہلی جگہ تو فرمایا ہے کہ واپس کی جائیگی یعنی وہاں سے واپس ہو کر یہودیوں کو ملے گی مگر دوسری جگہ یہ نہیں فرمایا کہ واپس کی جائیگی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ پھر ہم تم پر رحم کریں گے یعنی تمہاری وہ بے عزتی دُور ہو جائے گی۔ چنانچہ جب رومی بادشاہ عیسائی ہو گیا تو پھر وہ موسیٰؑ کو بھی ماننے لگ گیا، داؤدؑ کو بھی ماننے لگ گیا، اِسی طرح باقی انبیاء جس قدر تھے اُن کو بھی ماننے لگ گیا تھا وہ عیسیٰ کو ماننے والا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ موسوی سلسلہ میں سے تھے، عیسائی بادشاہت یہودی نبیوں کا بھی ادب کرتی تھی تورات کا بھی ادب کرتی تھی بلکہ تورات کو اپنی مقدس کتاب سمجھتی تھی گویا خدا کا رحم ہو گیا گو یہودیوں کے ہاتھ میں حکومت نہیں آئی بلکہ عیسائیوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔

مسلمانوں کے فلسطین پر قبضہ کی پیشگوئی مگر فرماتا ہے کہ اس کے بعد اِنْ عَدْتُّمْ عُدْنَا اگر تم لوگ پھر بگڑے تو ہم تمہارے ہاتھ سے یہ بادشاہت نکال لیں گے۔ اب تم میں عیسائی بھی شامل ہو گئے کیونکہ وہ بھی یہودیوں کا ایک گروہ تھے اور بتایا کہ اگر تم نے پھر کوئی شرارت کی تو پھر ہم تمہارے ہاتھ سے یہ بادشاہت نکال لیں گے۔ پھر مسلمان آ جائیں گے اور اُن کے قبضہ میں یہ جاگیر چلی جائیگی اور وہ عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ بنیں گے اور تمہارے لئے پھر جہنم بن جائے گا یعنی تم ہمیشہ کُڑھتے ہی رہنا غرض اس جاگیر کے ساتھ یہ شرطیں لگائی گئیں کہ:-

(۱)۔ یہ جاگیر چھین کر ایک اور قوم کو دے دی جائیگی

(۲)۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر یہ جاگیر تم کو واپس مل جائیگی۔

(۳)۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر تم سے چھین لی جائیگی۔
(۴)۔ پھر یہ جاگیر تمہاری قوم کے پاس واپس آ جائیگی مگر تمہارے اپنے ہاتھ میں نہیں آئے گی۔موسوی سلسلہ کے ماننے والوں یعنی عیسائیوں کے ہاتھ میں آ جائیگی۔
(۵)۔مگر تم پھر شرارت کرو گے تو پھر اُن سے بھی چھین لی جائیگی اور ایک اور قوم کو دے دی جائے گی یعنی مسلمانوں کو۔

مسلمانوں کی نگاہ میں عبادت گاہوں کا احترام

مگر اس جگہ یہ نہیں فرمایا کہ وہ مسجد میں داخل ہو کر اُس کی ہتک کریں گے۔ دیکھو! پہلے دو مقامات پر فرمایا کہ وہ مسجد میں جا کر اُس کی ہتک کریں گے مگر یہ تیسری دفعہ جو عذاب آنا ہے اور جس میں اُن کے ہاتھ سے یہ جاگیر لی جانی ہے اس کے متعلق یہ نہیں فرماتا کہ وہ مسجد کی ہتک کریں گے اس لئے کہ مسلمانوں کے نزدیک بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے تمام ماتحت انبیاء مقدس تھے ان کی جگہیں بھی مقدس تھیں اس لئے مسلمان اُن کی مسجدوں میں بھی وہ خرابی نہیں کر سکتے تھے جو بابلیوں اور رومیوں نے کی۔

یوروپین مؤرخین کی تعصّب آلود ذہنیت

یہ عجیب لطیفہ اور قوموں کی ناشکری کی مثال ہے کہ بابلیوں نے یہودیوں کے ملک کو تباہ کیا اور ان کی مسجد کو ذلیل کیا۔ یوروپین مصنف کتابیں لکھتے ہیں تو بابلیوں کو کوئی گالی نہیں دیتا، کوئی ان کو بُرا نہیں کہتا، کوئی ان پر الزام نہیں لگاتا۔ رومیوں نے اس ملک کو لیا اور اِس مسجد میں خنزیر کی قربانیاں کیں۔عیسائی رومی تاریخ پر کتابیں لکھتے ہیں۔مثلاً گبنؔ نے ’’دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر (The Decline and Fall of the Roman Empire) لکھی ہے مگر جتنی کتابوں کو دیکھ لو وہ کہتے ہیں رومن ایمپائر جیسی اچھی ایمپائر کوئی نہیں حالانکہ انہوں نے اُن کی مسجد کو گندہ کیا مگر وہ قوم جس نے اُن کی مسجد کو گندہ نہیں کیا اُس کو گالیاں دی جاتی ہیں۔

حضرت عمرؓ کے روادارانہ سلوک کا ایک ایمان افروز نمونہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فلسطین فتح ہوٗا اور جس وقت آپ یروشلم گئے تو یروشلم کے پادریوں نے باہر نکل کر شہر کی کنجیاں آپ کے حوالے کیں اور کہا کہ آپ اب ہمارے بادشاہ ہیں آپ مسجد میں آ کے دو نفل پڑھ لیں تا کہ آپ کو تسلی ہو جائے کہ آپ نے ہماری مقدس جگہ میں جو آپ کی بھی مقدس جگہ ہے نماز پڑھ لی

ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مَیں تمہاری مسجد میں داخل ہو کر اِس لئے نماز نہیں پڑھتا کہ میں ان کا خلیفہ ہوں، کل کو یہ مسلمان اِس مسجد کو چھین لیں گے اور کہیں گے یہ ہماری مقدس جگہ ہے۔ اس لئے میں باہر ہی نماز پڑھوں گا تا کہ تمہاری مسجد نہ چھینی جائے [۲۸] پس ایک تو وہ تھے جنہوں نے وہاں خنزیر کی قربانی کی اور یورپ کا منہ ان کی تعریفیں کرتے ہوئے خشک ہوتا ہے اور ایک وہ تھا جس نے مسجد میں دو نفل پڑھنے سے بھی انکار کیا کہ کہیں مسلمان کسی وقت یہ مسجد نہ چھین لیں اور اس کو رات دن گالیاں دی جاتی ہیں۔ کتنی ناشکر گزار اور بے حیا قوم ہے۔

یہودیوں کی بجائے مسلمانوں کو فلسطین کیوں دیا گیا؟

اب مسلمانوں کے پاس فلسطین آ جانے کے بعد سوال ہوسکتا ہے کہ وہ یہودیوں کے پاس تو نہ رہا، موسوی سلسلہ کے پاس بھی نہ رہا، یہ کیا مُعمّہ ہے؟ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ اعتراض اصل میں نہیں پڑتا اس لئے کہ بعض دفعہ جھگڑا ہوتا ہے وارث آ جاتے ہیں تو سچے وارث کہتے ہیں ہم ان کے وارث ہیں۔ یہی صورت اس جگہ واقع ہوئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا جاگیر دینے والا تھا۔ خدا تعالیٰ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا کہ موسیٰؑ اور داؤدؑ کے وارث یہ مسلمان ہیں یا موسیٰؑ اور داؤدؑ کے وارث یہودی اور عیسائی ہیں؟ تو کورٹ نے ڈگری دی کہ اب موسیٰؑ اور داؤدؑ کے وارث مسلمان ہیں چنانچہ ڈگری سے ان کو ورثہ مل گیا۔ جاگیر قائم ہے مگر جو اس کے وارث قرار دیئے گئے تھے ان کو مل گئی۔

یہود کی فلسطین میں دوبارہ واپسی کی پیشگوئی

پھر آگے چل کر فرماتا ہے فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَۃِ جِئۡنَا بِکُمۡ لَفِیۡفًا○ [۲۹] پھر اس کے بعد ایک اور وقت آئیگا کہ یہودیوں کو دنیا سے اکٹھا کر کے فلسطین میں لا کر بسا دیا جائیگا، وہ اب وقت آیا ہے جبکہ یہودی اس جگہ پر آئے ہوئے ہیں۔ لوگ ڈرتے ہیں اور مسلمان بھی اعتراض کرتے ہیں، چنانچہ کراچی اور لاہور میں مختلف جگہوں پر مجھ پر مسلمانوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو وعدہ تھا کہ یہ سرزمین مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے گی۔ میں نے کہا کہاں وعدہ تھا؟ قرآن میں تو لکھا ہے کہ پھر یہودی بسائے جائیں گے۔ کہنے لگے اچھا جی! یہ تو ہم نے کبھی نہیں سنا۔ میں نے کہا تمہیں قرآن پڑھانے والا کوئی ہے ہی نہیں تم نے سُننا کہاں سے ہے۔ میری تفسیر پڑھو اُس میں لکھا ہؤا موجود ہے۔ تو یہ جو وعدہ تھا کہ پھر یہودی آ جائیں گے قرآن میں لکھا ہؤا موجود ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں یہ موجود ہے کہ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَۃِ

جِئۡنَا بِکُمۡ لَفِیۡفًا۔ جب آخری زمانہ کا وعدہ آئیگا تو پھر ہم تم کو اکٹھا کر کے اس جگہ پر لے آئیں گے۔

بہائیوں کا لغو اعتراض

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہود کے آنے کی وجہ سے اسلام منسوخ ہو گیا۔ گویا اُن کے نزدیک اسلام کے منسوخ ہونے کی یہ علامت ہے کیونکہ عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ نے اس پر قبضہ کرنا تھا۔ جب مسلمان وہاں سے نکال دیئے گئے تو معلوم ہؤا کہ مسلمان عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ نہیں رہے۔ یہ اعتراض زیادہ تر بہائی قوم کرتی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہی پیشگوئی تورات میں موجود ہے، یہی پیشگوئی قرآن میں موجود ہے اور اسی پیشگوئی کے ہوتے ہوئے اس جاگیر کو بابلیوں نے سَو سال رکھا تو اس وقت یہودی مذہب بہائیوں کے نزدیک منسوخ نہیں ہؤا۔ ٹائیٹس کے زمانہ سے لیکر سَو دوسَو سال تک بلکہ تین سَو سال تک فلسطین روم کے مشرکوں کے ماتحت رہا۔ وہ عیسائیوں کے قبضہ میں نہیں تھا، یہودیوں کے قبضہ میں نہیں تھا، مسجد میں سؤر کی قربانی کی جاتی تھی تب بھی وہ پیشگوئی غلط نہیں ہوئی لیکن یہودیوں کے آنے پر پانچ سال کے اندر اسلام منسوخ ہو گیا کیسی پاگل پن والی اور دشمنی کی بات ہے۔

یہودیت اور عیسائیت کو بہائی کیوں منسوخ قرار نہیں دیتے؟

اگر واقعہ میں کسی غیر قوم کے اندر آ جانے سے کوئی پیشگوئی غلط ہو جاتی ہے اور عارضی قبضہ بھی مستقل قبضہ کہلاتا ہے تو تم نے سَو سال پیچھے ایک دفعہ قبضہ دیکھا ہے۔ تین سَو سال دوسری دفعہ کافروں کا قبضہ دیکھا ہے، اُس وقت کی یہودیت کو تم منسوخ نہیں کہتے اُس وقت کی عیسائیت کو تم منسوخ نہیں کہتے لیکن اسلام کے ساتھ تمہاری عداوت اتنی ہے کہ پانچ سال کے بعد ہی تم اِس کو اسلام کی منسوخی کی علامت قرار دیتے ہو۔ جب اتنا قبضہ ہو جائے جتنا کہ عیسائیت کے زمانہ میں یہ اُن کے ہاتھ سے نکلی رہی تھی اور فلسطین غیر عیسائیوں کے قبضہ میں رہا تھا یا غیر یہودیوں کے قبضہ میں رہا تھا تب تو کسی کا حق بھی ہوسکتا ہے کہ کہے لو جی! اسلام کے ہاتھ سے یہ جاگیر نکل گئی لیکن جب تک اتنا قبضہ چھوڑ اس کا سواں حصہ بھی قبضہ نہیں ہوا، ساٹھواں حصہ بھی قبضہ نہیں ہوا، پچاسواں حصہ بھی قبضہ نہیں ہؤا تو اس پر یہ اعتراض کرنا محض عداوت نہیں تو اور کیا ظاہر کرتا ہے۔

بہائیوں کی اپنی لامرکزیّت

پھر عجیب بات یہ ہے کہ اعتراض کرنے والے بہائی ہیں جن کا اپنا وہی حال ہے جیسے ہمارے ہاں مثل مشہور ہے کہ نہ آگا نہ پیچھا۔ وہ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ مکہ اس کے پاس ہے مدینہ اس کے

پاس ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں، ’’چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جس میں سَو سوراخ‘‘۔ تمہارا کیا حق ہے کہ تم اسلام پر اعتراض کرو۔ تمہارے پاس تو ایک چپّہ زمین بھی نہیں جس کو تم اپنا مرکز قرار دے سکو اسلام کا تو مکہ بھی موجود ہے اور مدینہ بھی موجود ہے۔ وہ تو ایک زائد جاگیر تھی، وہ جاگیر اگر عارضی طور پر چلی گئی تو پھر کیا ہؤا۔ اس کے مقابلہ میں ۱۸۷۰ء سے بہائیت کا آغاز ہؤا اور اب ۱۹۵۴ء ہو گیا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اُن کے مذہب کو قائم ہوئے چوراسی سال ہو گئے اور چوراسی سال میں ایک گاؤں بھی تو انہوں نے مقدس نہیں بنایا۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں حکومت حاصل نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے پاس بھی تو حکومت نہیں، ہم نے تو چند سال میں ربوہ بنا لیا۔ پہلے قادیان بنا ہؤا تھا اب ربوہ بنا ہؤا ہے۔ یہاں ہم آتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اکٹھے رہتے ہیں، یہ بھی تو بتائیں کہ دنیا میں ان کا کوئی مرکز ہے۔ یا دنیا میں کسی جگہ پر وہ اکٹھے ہوتے ہیں؟ لیکن اسلام پر صرف پانچ سال کے قبضہ کی وجہ سے اُن کے بُغض نکلتے ہیں اور کہتے ہیں اسلام ختم ہو گیا اور اپنی یہ حالت ہے کہ عکہ کو مرکز قرار دیا ہؤا ہے اور کہتے ہیں کہ حدیثوں میں بھی پیشگوئیاں تھیں کہ عکہ اُن کے پاس ہوگا اور تورات میں بھی پیشگوئیاں تھیں مگر اب عکہ میں بہائیوں کا نام و نشان بھی نہیں ہے، پھر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور کئی بیوقوف ہیں جو ان کے اعتراضوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں مگر اس کا موقع کسی دوسرے لیکچر میں آئیگا، آج میں اس کو بیان نہیں کر سکتا۔

فلسطین پر یہود کا عارضی قبضہ اسلام کی صداقت کا ثبوت ہے

غرض بابلیوں کے آنے اور رومیوں کے عارضی طور پر وہاں آ جانے سے جس کا عرصہ ایک دفعہ ایک سَو سال اور دوسری دفعہ قریباً تین سَو سال کا تھا اگر اس کو موسیٰؑ اور داوٗدؑ کے پیغام کے منسوخ ہونے کی علامت قرار نہیں دیا گیا تو اس وقت یہود کا عارضی طور پر قبضہ جس پر صرف پانچ سال گزرے ہیں اسلام کے منسوخ ہونے کی علامت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو اس کے صادق ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ جب اس نے خود یہ پیشگوئی کی ہوئی تھی کہ ایک دفعہ مسلمانوں کو نکالا جائے گا اور یہودی واپس آئیں گے تو یہودیوں کا واپس آنا اسلام کے منسوخ ہونے کی علامت نہیں اسلام کے سچا ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ جو کچھ قرآن نے کہا تھا وہ پورا ہو گیا۔ باقی رہا یہ کہ پھر عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کے ہاتھ میں کس طرح رہا؟

یہود فلسطین سے نکالے جائیں گے سو اس کا جواب یہ ہے کہ عارضی طور پر قبضہ پہلے بھی دو دفعہ نکل چکا ہے اور عارضی طور پر اب بھی نکلا ہے۔ اور جب ہم کہتے ہیں ’’عارضی طور پر‘‘ تو لازماً اسکے معنے یہ ہیں کہ پھر مسلمان فلسطین میں جائیں گے اور بادشاہ ہونگے۔ لازماً اس کے یہ معنے ہیں کہ پھر یہودی وہاں سے نکالے جائیں گے اور لازماً اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ سارا نظام جس کو یُو۔این۔او کی مدد سے اور امریکہ کی مدد سے قائم کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے گا کہ وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور پھر اس جگہ پر لاکر مسلمانوں کو بسائیں۔

احادیث میں یہود کی تباہی کی پیشگوئی دیکھو حدیثوں میں بھی یہ پیشگوئی آتی ہے، حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ فلسطین کے علاقہ میں اسلامی لشکر آئیگا اور یہودی اس سے بھاگ کر پتھروں کے پیچھے چُھپ جائیں گے۔ اور جب ایک مسلمان سپاہی پتھر کے پاس سے گزرے گا تو وہ پتھر کہے گا اے مسلمان خدا کے سپاہی! میرے پیچھے ایک یہودی کافر چُھپا ہوٗا ہے اس کو مار۔[۲۵] جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی اُس وقت کسی یہودی کا فلسطین میں نام ونشان بھی نہیں تھا۔ پس اس حدیث سے صاف پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیشگوئی فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میں یہودی اس ملک پر قابض ہونگے مگر پھر خدا مسلمانوں کو غلبہ دیگا اور اسلامی لشکر اس ملک میں داخل ہونگے اور یہودیوں کو چُن چُن کر چٹانوں کے پیچھے ماریں گے۔

فلسطین مستقل طور پر خدا تعالیٰ کے پس عارضی میں اس لئے کہتا ہوں کہ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کا حکم موجود ہے۔ مستقل طور پر تو

صالح بندوں کے ہاتھ میں رہے گا فلسطین عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کے ہاتھ میں رہنی ہے۔ سو خدا تعالیٰ کے عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ لازماً اس ملک میں جائیں گے نہ امریکہ کے ایٹم بم کچھ کر سکتے ہیں، نہ ایچ بم کچھ کر سکتے ہیں، نہ روس کی مدد کچھ کر سکتی ہے۔ یہ خدا کی تقدیر ہے یہ تو ہو کر رہنی ہے چاہے دنیا کتنا زور لگا لے۔

وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ کے متعلق ایک اعتراض کا جواب اس جگہ پر ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے اور وہ اعتراض

یہ ہے کہ یہاں وَعْدُالْاٰخِرَۃِ فرمایا ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ وَعْدُالْاٰخِرَۃ سے مراد آخری زمانہ ہے مگر سورۃ بنی اسرائیل کی وہ پہلی آیتیں جو تم نے پڑھی تھیں وہاں بھی تو ایک وَعْدُالْاٰخِرَۃِ کا ذکر ہے جس میں رومیوں کے حملہ کا ذکر ہے تو کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ یہ جِئْنَا بِکُمْ لَفِیْفًا رومیوں کے حملہ کے متعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ وَعْدُالْاٰخِرَۃِ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس صورت میں وَعْدُالْاٰخِرَۃِ کو عذاب کا قائم مقام قرار دیا ہے اور اس صورت میں وَعْدُالْاٰخِرَۃِ کو انعام کا قائم مقام قرار دیا ہے یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ عذاب کی پیشگوئی کو انعام سمجھ لیا جائے۔ اُس جگہ تو فرمایا ہے کہ جب آخرت کا وہ وعدہ آئیگا تو تم کو تباہ کر دیا جائے گا اور اِس آیت میں یہ ذکر ہے کہ جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو پھر تم کو اس ملک میں لا کر بسا دیا جائے گا۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ وَعْدُالْاٰخِرَۃِ اور ہے اور وہ وَعْدُالْاٰخِرَۃِ اور ہے۔ وہاں وَعْدُالْاٰخِرَۃِ سے مراد ہے موسوی سلسلہ کی پیشگوئی کی آخری کڑی اور یہاں وَعْدُالْاٰخِرَۃِ سے مراد ہے آخری زمانہ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی پیشگوئی۔ پس یہ الفاظ گو ملتے ہیں لیکن دونوں کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہ اور وعدہ ہے اور وہ اور وعدہ ہے۔ وہ وعدہ عذاب کا ہے اور یہ وعدہ انعام کا ہے اور انعام کا قائم مقام عذاب کا وعدہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ ''تمہاری موت آئیگی'' اور دوسری دفعہ کہے ''تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا'' تو اب کوئی شخص یہ کہے کہ ''تمہاری موت آئیگی'' کے یہی معنے ہیں کہ ''بیٹا پیدا ہوگا'' تو یہ حماقت کی بات ہوگی کیونکہ اس میں انعام کا وعدہ کیا ہے اور وہاں عذاب کا وعدہ ہے۔

---

۱ الانفطار:۱۱ تا ۱۳ ۲ **کنسوئیاں**: چُھپ کر کسی کی باتیں سننا
۳ الانعام: ۲۳، ۲۴ ۴ حٰم السجدۃ :۲۱ ۵ **کچا چٹھا**: صحیح صحیح حال
۶ النور :۲۵
۷ بخاری کتاب الرّقاق باب مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ اَوْ بِسَيِّئَةٍ
۸ الاعلیٰ :۸ ۹ ھود :۶ ۱۰ المجادلۃ :۷
۱۱ الکھف:۵۰ ۱۲ الحاقّۃ :۲۶ تا ۲۸ ۱۳ الحاقّۃ : ۲۰، ۲۱
۱۴ حٰم السجدۃ : ۲۲ ۱۵ التغابن :۱۰

۱۶؎ مسلم کتاب الایمان باب ادنٰی اهل الجنة منزلةً فِیۡهَا
۱۷؎ الفرقان :۱۷
۱۸؎ مسلم کتاب الایمان باب اَدۡنٰی اَهل الجنة منزلةً فِیۡها
۱۹،۲۰؎ تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۴۳ تا ۳۴۵۔ازفریدالدین عطار۔مطبوعہ ۱۹۹۰ء لاہور
۲۱؎ حٰم السجدة :۹ ۲۲؎ اٰل عمران :۹۷،۹۸
۲۳؎ سیرت ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۸۱ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ء
۲۴؎ الفیل :۲،۳ ۲۵؎ الانبیاء :۱۰۶ ۲۶؎ بنی اسراء یل :۶،۷
۲۷؎ بنی اسراء یل :۸،۹
۲۸؎
۲۹؎ بنی اسراء یل :۱۰۵
۳۰؎ مسلم کتاب الفتن باب لَا تقوم السّاعَةُ حَتّٰی یمر الرجل بقَبۡرِ الرَّجل (الخ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (۹)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء برموقع جلسہ سالانہ ربوہ)

عالَمِ روحانی کی نہریں

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

آج میں دوستوں کے سامنے اُسی مضمون کی ایک کڑی بیان کرنا چاہتا ہوں جو ۱۹۳۸ء سے جاری ہے اور جس کا تعلق میرے حیدر آباد اور دہلی کے سفر کے ساتھ ہے۔ مَیں بتا چکا ہوں کہ اِس سفر میں مَیں نے سولہ چیزیں دیکھی تھیں جن کا میری طبیعت پر گہرا اثر ہؤا۔ آج مَیں انہی میں سے ایک اَور چیز کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

مَیں نے اِس سفر میں جو نظارے دیکھے اور جن عجائبات نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اُن میں بڑے بڑے بادشاہوں کے تیار کردہ قلعوں اور مسجدوں اور میناروں وغیرہ کے علاوہ کچھ نہریں بھی تھیں جو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں پانی پہنچاتی تھیں اور جو پیاسی فصلوں اور درختوں کے لئے ایک نئی زندگی کا موجب ہوتی تھیں۔

پیاسی دُنیا کی سیرابی کا انتظام

مَیں نے ان نہروں کو دیکھا اور غور کیا کہ کیا اِن دُنیوی نہروں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے عالَمِ روحانی میں بھی پیاسی دنیا کی سیرابی کے لئے کوئی نہریں بنائی ہیں یا نہیں اور اگر بنائی ہیں تو وہ دنیا کو کِس طرح سیراب کر رہی ہیں۔

دُنیوی نہروں کے فوائد

اِس نقطہ نگاہ کے مطابق جب مَیں نے سوچا تو میرے دل میں سوال پیدا ہؤا کہ نہروں کا کیا کام ہوتا ہے؟ اور پھر میرے دل نے خود ہی اس سوال کا یہ جواب دیا کہ نہروں کا کام لوگوں کے لئے پانی مہیّا کرنا ہوتا ہے جس

سے کھیتوں کو بھی پانی ملتا ہے پینے کے لئے بھی پانی مہیّا ہوتا ہے اور پھر پانی کا ذخیرہ بھی جمع رہتا ہے اور یہی فوائد روحانی دنیا میں دینی علوم اور معارف سے حاصل ہوتے ہیں اِسی وجہ سے قرآن کریم میں دینی علوم اور معارف کا نام بھی نہریں رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْ بُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَا رَ ةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ [1]

یعنی مخالفینِ اسلام کے دل پتھر بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں کیونکہ پتھروں میں سے تو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اُن کے نیچے سے پانی بھی نکل آتا ہے لیکن اِن کے دلوں میں سے کوئی ایمان کا قطرہ نہیں نکلتا۔ اِس آیت کے یہ معنے نہیں کہ پانی ان پتھروں میں سے نکلتا ہے بلکہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اُن کے پیچھے پانی ہوتا ہے جو اُن پتھروں کو پھاڑ دیتا ہے اور پھر اُن میں سے نہر بہنے لگ جاتی ہے مگر یہ کُفّار ایسے سخت دل ہیں کہ اِن کے دلوں کے پیچھے جو روحانی پانی ہے وہ اُن میں سے بہنے کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔

جسمانی اور روحانی علوم بھی نہروں سے مشابہت رکھتے ہیں

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ دلوں کے پیچھے بھی پانی ہوتا ہے اور سخت دل انسان بھی بعض دفعہ اُس کا مقابلہ نہ کر کے اُس کے آگے جُھک جاتے ہیں اور اُن میں سے پانی نکلنے لگ جاتا ہے۔ پس پانی کے معنے گویا روحانی اور جسمانی علوم کے ہیں ۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ اِسی حقیقت کا اِن الفاظ میں ذکر فرماتا ہے کہ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْ كُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ اَتٰهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِؕ كَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْ مٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ [2]

یعنی دنیا کی زندگی کی مثال ایک پانی کی طرح ہے کہ ہم آسمان سے اُتارتے ہیں پھر اُس سے زمین کا سبزہ مِل جاتا ہے جس کو لوگ بھی کھاتے ہیں اور جانور بھی کھاتے ہیں اور زمین بڑی سرسبز ہو جاتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اَب وہ اُس کھیتی پر قبضہ کر لیں گے مگر اچانک دن کو یا رات کو خدا تعالیٰ کا کوئی عذاب نازل ہو جاتا ہے اور وہ اِس طرح تباہ ہو جاتی ہے کہ

گویا کُل یہاں کچھ تھا ہی نہیں اور جو لوگ غور وفکر سے کام لیتے ہیں اُن کے لئے ہم اِسی طرح اپنی آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوُا کہ دینی یا دُنیوی علوم تو پانی کی طرح صاف ہوتے ہیں لیکن لوگوں کے وہ بدخیالات جو زمین کی نباتات کی طرح ہوتے ہیں اور جوان کے دماغوں میں اُٹھتے رہتے ہیں جو دین یا دُنیا کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہ علوم بجائے فائدہ بخش ہونے کے لوگوں کے لئے حسرت کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح فرماتا ہے هُوَالَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرْ شُہٗ عَلَی الْمَاءِ لِیَبْلُوَ کُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ [۳]

وہ خدا ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ اوقات میں پیدا کیا ہے اور خدا تعالیٰ کا عرش یعنی اُس کی حکومت اس سے پہلے پانی پر تھی۔ اگر اس آیت کے دُنیوی معنے لو تو اس کے معنے وہی ہیں جو وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ [۴] میں بیان کئے گئے ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ خالقیت پانی کے ذریعہ سے ظاہر کی ہے اور اگر دینی معنے لو تو ماءٓ کے معنے وحی الٰہی کے ہیں اور اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان پر حکومت اپنی وحی کے ذریعہ سے ظاہر کی ہے لِیَبْلُوَ کُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے اور یہ ظاہر کر دے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھے کام کرتا ہے۔ پس پانی سے مراد علوم ہوتے ہیں دینی اور دُنیوی بھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زبردست بارش سے مشابہت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضاً فَکَانَ مِنْھَا نَقِیَّۃً قَبِلَتِ الْمَاءَ فَا نُبَتَتِ الْکَلَاَ وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرِ وَ کَانَتْ مِنْھَا اَجَادِبَ اَمْسَکَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰہُ بِھَا النَّا سَ فَشَرِ بُوْا وَسَقَوْا۔ [۵]

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو مجھے ہدایت اور علم دیکر بھیجا ہے اُس کی مثال ایک بادل کی طرح ہے جس سے بڑی بارش ہوتی ہے مگر جب وہ کسی زمین پر پڑتی ہے تو کچھ تو اچھی زمین ہوتی ہے وہ پانی کو قبول کر لیتی ہے اور بڑا سبزہ نکالتی ہے اور کچھ ایسی زمینیں ہوتی ہیں کہ وہ پانی تو لے لیتی ہیں لیکن ان کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اس پانی کو جمع رکھتی ہیں۔ چنانچہ لوگ اس ذخیرہ سے پانی پیتے اور آگے کھیتوں کو بھی پانی دیتے ہیں۔

انجیل میں روحانی خوراک اور روحانی پانی کے محاورہ کا استعمال

پھر یہ محاورہ صرف قرآن کریم میں ہی نہیں بلکہ انجیل میں بھی بیان ہؤا ہے۔انجیل میں لکھا ہے کہ:

''سبھوں نے ایک ہی روحانی خوراک کھائی اور سبھوں نے ایک ہی روحانی پانی پیا کیونکہ انہوں نے اُس روحانی چٹان میں سے جو اُن کے ساتھ چلی پانی پیا اور وہ چٹان مسیح تھی۔'' ٦

ان آیاتِ قرآنیہ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور انجیل کے حوالہ سے یہ بات ثابت ہے کہ روحانی کتابوں میں پانی سے مراد علمِ روحانی ہوتا ہے اور اس کی مشا بہت میں کبھی دُنیوی علوم بھی مراد ہوتے ہیں۔مگر دیکھو کہ قرآن کریم کے عِلم اور مسیح کے حواریوں کے علم میں کِتنا عظیم الشان فرق ہے۔قرآن تو کہتا ہے کہ چٹان کے پیچھے پانی ہوتا ہے جو چٹان کو پھاڑ کر نکل آتا ہے اور مسیح کے حواری کہتے ہیں کہ:-

''سبھوں نے ایک ہی روحانی پانی پیا کیونکہ انہوں نے اُس روحانی چٹان میں سے جو اُن کے ساتھ چلی پانی پیا۔''

یہ ایک خیالی مثال ہے جس کی کوئی تصدیق نہیں ملتی لیکن چٹانوں کے پیچھے سے پانی کے چشمے نکلنے کی تو ہر پہاڑ پر مثالیں موجود ہیں پس یہ ایک سچی اور طبعی مثال ہے مگر انجیل کی مثال نہایت مضحکہ خیز ہے۔انجیل کہتی ہے کہ

''انہوں نے اُس روحانی چٹان میں سے جو اُن کے ساتھ چلی پانی پیا۔''

اب بتاؤ وہ کونسی چٹان ہے جو ساتھ ساتھ چلتی ہے اور لوگ اُس سے پانی پیتے ہیں کوئی بھی نہیں لیکن جن چٹانوں کا قرآن کریم ذکر کرتا ہے ایسی ہزاروں چٹانیں موجود ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ وہ چٹانیں پھٹتی ہیں تو اُن کے پیچھے سے پانی نکل پڑتا ہے۔

پھر مسیحیوں نے بڑا زور مارا تو کہا کہ ''وہ چٹان مسیح تھی۔'' جو اُن کے ساتھ ساتھ چلی اور جس کے پیچھے سے انہوں نے پانی پیا۔مگر قرآن کریم کہتا ہے کہ ہر مؤمن خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ایک چٹان ہوتا ہے جس کے پیچھے پانی ہوتا ہے اور جس سے لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔گویا قرآن کریم اس پانی کو ہر انسان کے دل تک پہنچاتا ہے اور انجیل والے اس کو صرف مسیح پر پہنچ کر ختم کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم کے ذریعہ ہزارہا علمی نہروں کا اجراء

مگر جیسا کہ میں نے بتایا یہ نہریں کبھی خالص روحانی ہوتی ہیں اور کبھی دُنیوی علوم پر مشتمل ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ دینی علوم بخشنے کے قرآن کریم نے سابق علوم کو بھی زندہ رکھنے کا سامان کیا ہے اور وہ علمی نہریں چلا دی ہیں جو پہلے کسی زمانہ میں چلتی تھیں یا کبھی بھی نہیں چلتی تھیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے وہ کچھ سکھایا ہے جو پہلوں کو نہیں ملا تھا۔ پس قرآن کریم کے ذریعہ جو عظیم الشان نہریں جاری ہوئی ہیں اُن کی مثال سابق مذاہب میں بھی نہیں دکھائی دیتی۔

علمِ کائنات کی نہر

چنانچہ پہلی دنیوی نہر جو اُس نے چلائی وہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے قانونِ قدرت کی طرف توجہ دلائی اور اس سے ایک علم کی نہر بہہ نکلی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَا فِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔[۷]

یعنی آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں عقلمندوں کے لئے بہت بڑے نشان ہیں۔ یعنی اگر وہ پیدائشِ سماوی اور ارضی پر غور کریں تو انہیں اس سے ایک بہت بڑا علم میسّر آ سکتا ہے۔ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ اسی طرح رات دن کے با قاعدہ آگے پیچھے آنے میں بھی انہیں کئی نشان ملیں گے کیونکہ اگر کوئی قانون نہیں تو کیا وجہ ہے کہ روزانہ سورج ایک وقت میں چڑھتا ہے اور ایک وقت میں ڈوبتا ہے اور ہر موسم کے مطابق اُسکے طلوع وغروب کا وقت بدلتا چلا جاتا ہے یہ چیز بتاتی ہے کہ کوئی قانونِ قدرت موجود ہے جس کے ماتحت یہ سلسلہ جاری ہے۔

پھر فرماتا ہے وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔[۸]

یعنی اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو تمہارے فائدے کے لئے لگایا ہوا ہے اور سورج اور چاند کو بھی اُس نے تمہاری خدمت پر مقرر کیا ہوا ہے۔ اگر تم اِن امور پر غور کرو تو تم اس سے بڑا علم حاصل کر سکتے ہو۔

غرض اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ دُنیوی علوم بھی پھیلائے ہیں۔ یعنی

بنی نوع انسان کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ فلاں فلاں علم ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ مثلاً پہلے تو اُس نے قانونِ قدرت کی طرف توجّہ دلائی۔ اس ایک علم کی طرف توجہ دلانے سے ہی اُس نے تمام جادوؤں اور ٹونے ٹوٹکوں کو باطل کر کے رکھ دیا کیونکہ اگر اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ والی آیت ٹھیک ہے تو جتنے جادو، ٹونے اور ٹوٹکے ہیں یہ سب باطل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جادو اور ٹونے ٹوٹکے کے معنے یہ ہیں کہ قانون کوئی نہیں چُھو منتر کیا اور بات ہو گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک قانون ہے تم اس کی تلاش کرو اور اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔

عِلمِ جُغرافیہ کی نہر

اِسی طرح قرآن کریم نے جن علوم کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اُن میں سے ایک عِلمِ جغرافیہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ قومِ لوط کی ہلاکت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ۝ وَ اِنَّہَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ ۝ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ [9]

کہ ان بستیوں میں سمجھداروں اور عقلمندوں کیلئے بڑے نشانات ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ بستیاں جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں عرب میں سے گزرنے والے ایک ایسے راستہ پر ہیں جو ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اگر انطاکیہ کی طرف قافلے جائیں تو قومِ لوط کی بستیاں اُن کے راستہ پر آتی ہیں اور پھر وہ راستہ ایسا ہے جو ہمیشہ آباد رہتا ہے۔ بعض رستے ایسے ہوتے ہیں جو کچھ وقتوں میں متروک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ایک ایسا راستہ ہے جو ہمیشہ آباد رہتا ہے۔ گویا اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جغرافیہ کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ تمام شہروں اور وادیوں پر نشان لگاؤ اور پتہ لگاؤ کہ وہ کہاں کہاں واقع ہیں۔ اسی طرح فرماتا ہے وَ عَادًا وَّ ثَمُوۡدَا۠ وَ قَدۡ تَّبَیَّنَ لَکُمۡ مِّنۡ مَّسٰکِنِہِمۡ۔ [10]

یعنی عاد اور ثمود میں بھی بڑے بھاری نشانات ہیں۔ انہوں نے جو شہر بسائے تھے ان کا تمہیں علم ہے لیکن ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ وَ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍۭ بَطِرَتۡ مَعِیۡشَتَہَا ۚ فَتِلۡکَ مَسٰکِنُہُمۡ لَمۡ تُسۡکَنۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہِمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا ؕ وَ کُنَّا نَحۡنُ الۡوٰرِثِیۡنَ [11]

یعنی کتنی ہی بستیاں ہیں جو اپنی معیشت پر اِترا رہی تھیں مگر ہم نے انکو ہلاک کر دیا سو یہ اُن کے ویران مکانات پڑے ہیں جو اُن کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے اور اُن کے بعد ہم ہی اُن کے وارث ہوئے۔

گویا دونوں قسم کے نشانات موجود ہیں۔ کچھ بستیاں اور قلعے ایسے ہیں جو شہری آبادیوں کے درمیان ہیں تم ان کو تلاش کرو لیکن کچھ ایسی بھی بستیاں نکلیں گی جو بالکل ویران جگہوں پر ہیں۔

عاد اور ثمود کے متعلق قرآنی معلومات کا ایک عیسائی محقّق کو اعتراف

یہ عجیب بات ہے کہ عاد اور ثمود کے متعلق قرآن کریم میں جو ذکر آتا ہے اُس کے متعلق بعض متعصب عیسائی تک تسلیم کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ہمیں اُنکی کوئی حقیقت معلوم نہیں۔ چنانچہ جُرجؔی زیدان جیسے سخت متعصب عیسائی نے جغرافیۂ عرب پر ایک کتاب [۱۲] لکھی ہے اُس میں وہ لکھتا ہے کہ عاد اور ثمود کے متعلق یونانیوں نے بھی کتابیں لکھی ہیں اور رومیوں نے بھی ان کا بعض جگہ پر ذکر کیا ہے اسی طرح جغرافیہ کے دوسرے ماہرین کا کچھ لٹریچر بھی موجود ہے مگر سارے لٹریچر پڑھنے کے بعد مَیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عاد اور ثمود کے متعلق جو کچھ قرآن کریم میں لکھا ہے اُس سے ایک لفظ بھی زیادہ ہمیں معلوم نہیں باقی جو کچھ لکھا گیا ہے سب جھوٹ ہے۔ عاؔد اور ثموؔد کی صحیح تاریخ صرف قرآن کریم سے ملتی ہے۔

اِن آیات میں صراحتاً جغرافیہ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ عاد کی بستیاں بعض ایسی جگہوں پر پائی جاتی ہیں جو ویران ہو چکی ہیں اور بعض ایسی جگہوں پر پائی جاتی ہیں جہاں ابھی ویرانی نہیں آئی۔

عِلمِ جہازرانی کی نہر

پھر عِلمِ جہازرانی کی طرف بھی قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ۔** [۱۳]

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشتیاں مسخر کی ہیں تا کہ وہ خدا کے حکم سے سمندروں میں چلیں اِسی طرح اُس نے نہریں مسخر کی ہیں یعنی یہ بھی ایک علم ہے جو تمہارے لئے فائدہ بخش ہے۔ تم نہروں کے متعلق دیکھو کہ وہ کس طرح چکّر کھاتے ہوئے گزرتی ہیں اور پھر کوئی نہر کسی ایسے سمندر میں جا کر گرتی ہے جہاں سے منزل مقصود بہت دُور ہو جاتی ہے اور کوئی ایسی جگہ سے گزرتی ہے جو منزل کے قریب ہوتی ہے۔ مثلاً یورپ میں بعض نہریں ایسی ہیں جو بحیرۂ روم میں آکر گر جاتی ہیں اور بعض بحر شمالی میں جا گرتی ہیں۔ اگر کوئی بے وقوفی کرے تو اُس نے جہاں جانا ہے اُس سے ہزاروں میل پرے چلا جائیگا۔ پس فرماتا ہے اُس کی رفتار اور رُخ وغیرہ کو یاد رکھنا

چاہئے اور دیکھتے رہنا چاہئے کہ نہر جاتی کدھر ہے کیونکہ بالکل ممکن ہے کہ وہ نہر تمہیں کہیں کا کہیں پہنچادے۔اسی طرح سمندروں کو دیکھو کہ سمندر تمہارے کام آنے والی چیز ہیں لیکن اُن پر بھی ایک قانون حاوی ہے اور خاص ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔اگر ان ہوٗاؤں کو مدِّنظر نہ رکھو گے تو وہی سمندر تمہارے لئے تباہی کا موجب ہو جائیں گے یا مثلاً اس کے اندر چٹانیں بھی ہیں اگر ان چٹانوں کو مدنظر نہ رکھو گے تو تمہارے جہاز تباہ ہو جائیں گے چنانچہ فرماتا ہے۔وَ مِنۡ اٰیٰتِہِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ۔ اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَہۡرِہٖ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ [۱۴]

یعنی سمندر میں ہم ہوائیں چلاتے ہیں اگر وہ چلتی رہیں تو جہاز چلتے رہیں گے لیکن اگر ہوائیں ٹھہر جائیں تو پھر جہاز نہیں چل سکتے۔تم کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر تم نے سمندروں میں کامیاب ہونا ہے تو تمہیں ہمیشہ یہ معلومات حاصل کرتے رہنا چاہئے کہ ہوائیں کِس کِس وقت چلتی ہیں اور کِس کِس رُخ چلتی ہیں۔اگر تم یہ علم ایجاد کر لو گے تو تمہارے جہاز ٹھیک چلیں گے اور اگر اس علم سے واقفیت پیدا نہیں کرو گے تو تمہارے جہاز یا تو تم کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچائیں گے یا دیر سے پہنچائیں گے۔

علمِ طِبّ کی نہر

چوتھا علمِ طِبّ ہے جس کی طرف قرآن کریم میں توجہ دلائی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ [۱۵]

یعنی شہد کی مکھیوں کے پیٹ میں سے مختلف قسم کے شہد نکلتے ہیں اور اُن کے کئی رنگ ہوتے ہیں اور ہر قسم کا شہد کسی خاص بیماری کے لئے مفید ہوتا ہے۔مگر فرمایا اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ یہ نہیں فرمایا کہ جو ہماری اس بات کو مان کر کسی کو شہد پلا دے اُس کو فائدہ پہنچ جاتا ہے بلکہ فرمایا کہ ہم نے صرف ایک اشارہ کیا ہے آگے تمہیں خود غور کرنا پڑے گا۔چنانچہ اب اس کی تحقیقات ہوئی ہے اور پتہ لگا ہے کہ شہد کی مکھی جس قسم کے درختوں سے شہد لیتی ہے اُسی قسم کا فائدہ اس شہد سے پہنچتا ہے۔مثلاً بعض جگہ شہد کی مکھی ایسے درختوں سے شہد لیتی ہے جن میں جلاب کا مادہ ہوتا ہے وہ شہد کھاؤ تو جلاب لگ جاتے ہیں۔بعض ایسی بُوٹیوں سے لیتی ہیں جو ملیریا کو دُور کرنے والی ہوتی ہیں وہ شہد کھاؤ تو ملیریا کو فائدہ پہنچتا ہے۔غرض مختلف قسم کے شہد مختلف قسم کی بیماریوں کا علاج ہیں۔اِسی لئے قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا

کہ شہد میں فائدہ ہے بلکہ فرمایا ہے اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ۔ہم نے تو اشارہ کر دیا ہے اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم تحقیقات میں لگو۔ اگر تم غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ مختلف رنگ کے شہد مختلف امراض کا علاج ہیں ۔ چنانچہ جب مَیں علاج کے سِلسلہ میں لنڈن گیا تو ایک بڑے خاندان کی ایک اُستانی تھیں لارڈ اِروِن جو ہندوستان کے وائسرائے رہ چکے ہیں اُن کی ماں سے اُس کی ماں کی بڑی دوستی تھی۔ کہتی تھی کہ اُس کے کئی خط میرے پاس اب تک پڑے ہیں۔ ایک دن وہ شہد لے کر آئی جو خاص بُوٹیوں میں سے نکلا ہوا تھا اور کہنے لگی یہ شہد آپ استعمال کریں یہ آپ کے لئے بہت مفید ہے۔مَیں نے کہا۔ مجھے تو شہد موافق نہیں ۔ کہنے لگی آسٹریلین شہد تو معلوم نہیں کِس کِس چیز کا ہوتا ہے مگر یہ تو ہمارے ہاں بعض لوگ خاص طور پر اُن بُوٹیوں سے بناتے ہیں جو امراض کے علاج میں خاص طور پر مفید ہیں ۔

اِسی طرح ہمارے پُرانے اطباء لکھتے ہیں کہ آم اور پھر خاص قسم کے آموں کا شہد لیا جائے تو وہ دل کی تقویت کا موجب ہوتا ہے اِسی طرح بعض اور امراض میں بھی مفید ہوتا ہے۔ تو شہد بے شک مفید ہے لیکن قرآن کریم فرماتا ہے کہ شہد کے فوائد کا صرف اُسی کو پتہ لگے گا جو تفکّر کرنیوالا ہے۔مطلب یہ ہے کہ مختلف شہد مختلف بیماریوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں ۔ یہ عِلم طِبّ کا کتنا عظیم الشان باب ہے جو قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی آیت کے ذریعہ کھول دیا گیا ہے۔

عِلمِ ہندسہ کی نہر

پھر عِلمِ ہندسہ کو بھی قرآن کریم نے بیان کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے **ھُوَالَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّ قَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ۔** [16]

یعنی خدا تعالیٰ نے سورج کو ذاتی روشنی والا اور قمر کو نور والا بنایا ہے اور اُن کی کئی منازل مقرر کی ہیں ۔ وہ اپنے منازل میں چلتے ہیں تا کہ تم کو سالوں اور حساب کا علم ہو۔ گویا اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے عِلمِ حساب کی طرف بھی توجہ دلائی ہے پھر فرماتا ہے **اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ۔** [17]

یعنی سورج اور چاند ایک مقررہ قاعدہ اور قانون اور حساب کے ماتحت چل رہے ہیں اور جڑی بُوٹیاں اور درخت بھی خدا تعالیٰ کے آگے سرنگوں ہیں ۔

عِلمِ ادب کی نہر

اسی طرح عِلمِ ادب کی طرف بھی قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے۔فرماتا ہے **وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّھُمۡ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیۡ**

يُلۡحِدُوۡنَ اِلَيۡهِ اَعۡجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيۡنٌ [18]

یعنی ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ کُفّار کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا انسان ہے جسے کسی اَور شخص نے سکھایا ہے قرآن اِس کا اپنا نہیں۔ فرماتا ہے جس شخص کی طرف وہ یہ بات منسوب کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے وَ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيۡن اور یہ کلام عربی زبان میں ہے اور اس میں جو بات بھی کہی گئی ہے اس کی دلیل دی گئی ہے۔ اگر یہ جھوٹ ہے تو جھوٹ کی تائید میں تو دلیل نہیں ہوا کرتی۔ اور اگر کہو کہ عجمی نے سکھایا ہے تو محمدؐ رسول اللہ تو عربی کے سِوا کچھ جانتا نہیں۔ اور اگر کہو کہ عربی نے سکھایا ہے تو قرآن کریم کی صرف عربی معجزہ نہیں بلکہ قرآن کا عَرَبِیٌّ مُّبِيۡنٌ ہونے میں معجزہ ہے یعنی اس کی زبان ایسی ہے کہ اس کے اندر دلائل بھی بیان کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ ہم کیوں حکم دیتے ہیں، خدا کو کیوں منواتے ہیں، فرشتوں کو کیوں منواتے ہیں، رسولوں کو کیوں منواتے ہیں، جھوٹ سے کیوں منع کرتے ہیں، سچ کی کیوں تائید کرتے ہیں، ظلم سے کیوں روکتے ہیں، انصاف کی کیوں تائید کرتے ہیں، غرض یہ عَرَبِیٌّ مُّبِيۡنٌ میں ہے اور اپنے احکام کی دلیلیں بھی دیتا ہے جھوٹا آدمی دلیلیں کہاں سے لے آئے گا۔ پس تمہاری دونوں باتیں غلط ہیں۔ تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اسے کسی عجمی نے سکھایا ہے کیونکہ محمدؐ رسول اللہ تو عجمی نہیں یہ تو عربی ہے اِس کو تو کِسی اَور زبان کا پتہ ہی نہیں اور تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اسے کسی عربی نے سکھایا ہو کیونکہ اگر کسی عربی نے سکھایا ہو تو بہر حال قرآن جھوٹ تو ہوا اور اگر قرآن جھوٹا ہو گا تو اس میں دلیلیں کہاں سے آجائیں گی حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ کلام مُبین ہے۔ مُبِيۡنٌ کے معنے ہوتے ہیں ظاہر کرنے والی یعنی جو بات بھی کہتی ہے اُسکو کھول کر رکھ دیتی ہے اور اُس کی معقولیت کے دلائل دیتی ہے۔

عِلمِ معانی کی نہر

پھر عِلمِ معانی کی طرف بھی اُس نے توجہ دلائی ہے۔ معانی کے معنے ہوتے ہیں موقع کے مطابق کلام بیان کرنا۔ جو کتاب موقع کے مطابق ہر بات بیان کرے اور کسی مرحلہ پر بھی کسی بے موقع بات کا اُس میں ذکر نہ ہو اُس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عِلمِ معانی کے مطابق ہے۔ قرآن کریم بھی کہتا ہے کہ اس کتاب میں عِلمِ معانی موجود ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا [19] اگر تم کو ہماری اِس تعلیم پر جو ہم نے قرآن میں نازل کی ہے کچھ شبہ ہے تو فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ [20] تم اس قسم کی کوئی اور سورۃ پیش کرو۔ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَ كُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ

صٰدِقِیۡنَ۔ ۲۱؎

اور اپنے غیر اللہ مددگاروں کو بھی اپنی مدد کے لئے بُلا لو اگر تم سچے ہو۔ مگر وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے اسلئے کہ وہ جو بات بھی کریں گے چونکہ جھوٹ کی تائید میں ہوگی اس لئے کبھی موقع کے مطابق نہیں ہوگی محض اوٹ پٹانگ بات کریں گے مگر قرآن جو بات بھی کرے گا موقع کے مطابق ہوگی۔

عِلمِ بیان کی نہر

اِسی طرح قرآن نے عِلمِ بیان کا بھی ذکر کیا ہے فرماتا ہے۔ وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَاناً لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ ھُدًی وَّ رَحۡمَۃً وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ۔ ۲۲؎

یعنی ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمام ضروری مطالب اور مضامین بیان کر دیئے گئے ہیں۔ بیان کے معنے ہوتے ہیں ایک مطلب کو مختلف رنگوں میں بیان کرنا اور قرآن کریم یہی فرماتا ہے کہ وَکُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلاً۔ ۲۳؎

یعنی ہم نے اس کتاب میں تمام باتوں کو اِس طرح کھول کھول کر اور مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے کہ ہر بات دل میں گڑ جاتی ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ جو دلیل چاہیئے تھی وہ ٹھیک طور پر بیان کر دی گئی ہے۔

عِلمُ النفس کی نہر

پھر قرآن کریم میں عِلمِ النفس کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنۡ حِسَابُھُمۡ اِلَّا عَلٰی رَبِّیۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ۔ ۲۴؎ کہ اگر تم اپنے دلی جذبات کو سمجھو تو تمہیں معلوم ہو کہ ان کا حساب لینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ عِلمُ النفس کے معنے ہوتے ہیں دلی جذبات کو سمجھنا اور شعور بھی اسی جذبہ کو کہتے ہیں جو اندر سے پیدا ہوتا ہے۔ گویا قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ اگر انسان اپنے دلی جذبات کو سمجھے تو پھر اُسے قرآن کا علم سمجھ میں آتا ہے اور اس طرح بنی نوع انسان کو نصیحت کی ہے کہ اگر تم نے قرآنی باتوں کو سمجھنا ہو تو تمہیں اپنے دل کے جذبات پر غور کرنا چاہیئے تمہیں سمجھ آجائے گی کہ قرآن کریم کی تمام باتیں سچی ہیں۔ ورنہ اگر تم اپنے نفس پر غور نہیں کرو گے تو قرآن بھی سمجھ نہیں آئے گا۔

عِلمِ کیمیا کی نہر

پھر قرآن کریم میں عِلمِ کیمیا کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے فرماتا ہے مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَھُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ۲۵؎

یعنی جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہی

ہے جیسے ایک دانہ ہو جس میں سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سَو سَو دانہ ہو اور خدا چاہے تو وہ اس سے بھی بڑھا دے ۔ اِس آیت میں اُن کیمیاوی تغیرات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو دانے پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ زمیندار تو اتنا ہی سمجھتا ہے کہ مَیں نے دانہ بویا تھا جو اُگ آیا مگر سائنس دان سمجھتا ہے کہ خالی دانہ نہیں اُگا بلکہ دانہ کے اُگانے کے لئے اگر وہ کیمیاوی اجزاء زمین میں موجود ہیں جن سے دانہ اُگتا ہے تب تو وہ اُگے گا ورنہ نہیں ۔ آخر وجہ کیا ہے کہ کسی زمین میں تِل اُگتا ہے اور کسی میں نہیں اُگتا، کسی میں گنّا اُگتا ہے اور کسی میں نہیں اُگتا، کسی میں کپاس اچھی اُگتی ہے اور کسی میں نہیں اُگتی، کسی میں گندم اچھی اُگتی ہے اور کسی میں نہیں اُگتی، اس کی وجہ یہی ہے کہ گندم بعض خاص کیمیاوی چیزوں سے بنتی ہے اگر وہ کیمیاوی چیزیں زمین میں موجود ہوں تب تو گندم اُگے گی ورنہ نہیں ۔ اِسی طرح کپاس بعض خاص چیزوں سے بنتی ہے اگر وہ کیمیاوی اجزاء زمین میں موجود ہونگے تب تو اچھی کپاس نکلے گی ورنہ نہیں ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک دانہ سے سات سَو دانہ تک پیدا ہو سکتا ہے ۔

پنجاب یونیورسٹی کے ایک پروفیسر سے ملاقات

پنجاب یونیورسٹی کا ایک پروفیسر تھا جس کا نام مسٹر پُوری تھا وہ ایک دفعہ قادیان آیا ۔ وہ گورنمنٹ کی طرف سے اِسی تحقیقات پر مقرر کیا گیا تھا کہ اپنے ملک کے زمینی اجزاء دیکھ کر معلوم کرے کہ اُن میں کیمیاوی اجزاء کتنے ہیں اور وہ کس حد تک گندم یا دوسری چیزیں پیدا کر سکتے ہیں ۔ وہ مجھے مِلا اور کہنے لگا کہ میرا علم اسبارہ میں بڑا وسیع ہے اور آپ کو مجھ جیسا کوئی اور آدمی نہیں مِلا ہو گا ۔ مجھے گورنمنٹ نے خاص طور پر اس کام کے لئے مقرر کیا ہے اور میری تحقیقات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اڑھائی سَو من تک فی ایکڑ گندم پیدا ہو سکتی ہے اور مجھے اپنی اس تحقیق پر بڑا ناز ہے ۔ اُس نے لاہور کے پاس ایک بہت بڑی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بنائی تھی وہی جگہ بعد میں ہمیں بھی الاٹ ہوئی تھی اور کچھ عرصہ تک ہماری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی وہیں رہی ۔ جب اُس نے یہ بات کہی تو میں نے کہا اڑھائی سَو من؟ قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ سات سَو من تک پیداوار ہو سکتی ہے وہ یہ سُن کر بالکل گھبرا گیا اور کہنے لگا قرآن کریم میں یہ لکھا ہے؟ مَیں نے کہا ہاں! قرآن میں ذکر ہے ۔ کہنے لگا پھر مجھے وہ آیت لکھوا دیں ۔ چنانچہ مَیں نے اپنے سیکرٹری کو بُلا کر کہا کہ یہ آیت اسے لکھ کر دیدیں ۔ وہ کہنے لگا مجھے اس کا بالکل علم نہیں تھا یہ تو بالکل نیا علم ہے اور ابھی ہندوستان میں شروع بھی نہیں

ہؤا مَیں پہلا آدمی ہوں جس نے اس کی تحقیقات شروع کی ہے اور یورپ کی سٹڈی(STUDY) کر کے مجھے اِس کام پر مقرر کیا گیا ہے۔ مَیں نے کہا۔ سات سَو من ہی نہیں قرآن کریم کہتا ہے کہ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اللہ تعالیٰ چاہے تو سات سَو سے بھی بڑھا دے۔ کہنے لگا میری تحقیقات اِسوقت تک صرف اتنی ہی ہے کہ ہمارے ملک میں اتنے کیمیاوی اجزاء موجود ہیں کہ فی ایکڑ اڑہائی سَو من تک گندم پیدا ہوسکتی ہے مگر جو باہر کی کتابیں مَیں نے پڑھی ہیں اُن سے چار سَو من تک پتہ چلتا ہے۔ میں نے کہا۔ پھر ان کتابوں سے بھی بڑھ کر قرآن کریم میں علم موجود ہے قرآن کہتا ہے کہ فی ایکڑ سات سَو من تک گندم ہوسکتی ہے۔

اب دیکھو اس میں عِلمِ کیمیا کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ہم زمین کو دیکھیں کہ وہ اجزاء جن سے گندم پیدا ہوتی ہے یا کپاس پیدا ہوتی ہے زمین میں کسقدر موجود ہیں اور گندم کا دانہ یا کپاس کا بیج اُن اجزاء سے آگے کتنے زیادہ بیج پیدا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اِسی طرح فرمایا وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًا٥ قُلۡ کُوۡنُوۡا حِجَارَۃً اَوۡ حَدِیۡدًا٥ اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا یَکۡبُرُ فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ ۚ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ یُّعِیۡدُنَا قُلِ الَّذِیۡ فَطَرَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ۔[۲۶]

یعنی کفار کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں ہو جائینگے اور چُورا ہو جائینگے تو کیا پھر ہم کو ایک نئی پیدائش میں اُٹھایا جائے گا۔ تُو اُن کو کہہ دے کہ ہڈیاں اور چُورا ہونا تو الگ بات ہے اگر پتھر بھی بن جاؤ یا لوہا بھی بن جاؤ تب بھی خدا تعالیٰ تمہیں پیدا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

مرورِزمانہ سے انسانی جسم کا پتھر بَن جانا

اب بظاہر یُوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نَعُوۡذُ بِاللّٰہِ ایک ڈھکوسلا ہے کہ پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ پھر بھی خدا تعالیٰ تمہیں زندہ کرے گا۔ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ آدمی نے پتھر کس طرح بننا ہے یُونہی قرآنِ نے ایک ڈھکوسلا مار دیا ہے۔ لیکن ابھی کوئی دو ہفتے ہوئے روس کی ایک خبر اخبارات میں چھپی ہے کہ روس میں آدمیوں کے بعض پُرانے ڈھانچے ملے ہیں جو کہتے ہیں کہ کئی لاکھ سال کے ہیں اور اُن کی ہڈیاں پتّھر بن چکی ہیں۔ اِس سے معلوم ہؤا کہ انسان کے لئے مرورِ زمانہ سے پتّھر بننا ممکن تھا۔ یوں تو پہلے کہتے تھے کہ پتّھر کا کوئلہ بھی درحقیقت درختوں سے ہی بنا ہے مگر انسانوں کے متعلق اِس وقت تک کوئی تحقیق نہیں ہوئی تھی۔ اب یہ تازہ علم نکلا ہے کہ انسانوں کے بعض پُرانے ڈھانچے ملے ہیں جن کی ہڈیاں پتّھر بن چکی

ہیں اور یہ بھی قرآن کہتا ہے کہ ارے میاں! اِس میں تعجب کی کیا بات ہے ہڈیاں تو الگ رہیں وہ تو اسی انسانی جسم کا حصّہ ہیں تم پتّھر بھی بن جاؤ تب بھی خدا تمہیں پیدا کر سکتا ہے۔

عِلمِ فلسفہ کی نہر

پھر عِلمِ فلسفہ ہے۔فلسفہ کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کی حکمت بیان کرنا۔ اللہ تعالیٰ عِلمِ فلسفہ کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے اور فرماتا ہے وَاَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡماً ۲۷

اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تجھے وہ کچھ علم سکھایا ہے جو پہلے تُو نہیں جانتا تھا۔ اِس میں بتایا گیا ہے کہ ہر چیز کی حکمت ہوا کرتی ہے وہ حکمت سیکھنے کی کوشش کرو۔ اِسی حکمت کو فلسفہ کہتے ہیں جو قرآن کریم میں بیان ہے۔مثلاً تاریخ تو یہ ہے کہ اورنگ زیبؔ کوئی بادشاہ تھا، اکبرؔ کوئی بادشاہ تھا اور یہ بحث کہ اکبر تُرک تھا یا مغل؟ وہ ہندوستان میں کیوں آیا اس کے ملک میں کیا حالات پیدا ہوئے تھے جن کی وجہ سے وہ اپنا ملک چھوڑ کر ہندوستان آیا اور کونسے حالات پیدا ہوئے کہ جن کی وجہ سے اُس نے تھوڑی سی فوج سے جو صرف چند ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی چالیس کروڑ کے ملک کو فتح کر لیا (گو اُس وقت تو چالیس کروڑ نہیں تھے صرف دو کروڑ کی آبادی تھی) یہ چیز ہے جو فلسفہ کہلاتی ہے۔اِسی طرح یہ مواد کہ اُن کے ملک میں اچھی غذاء نہیں ہوتی تھی، اچھی زمینیں نہیں تھیں اور اِدھر ہندوستان میں لڑائیاں تھیں، فساد تھے، جھگڑے تھے جنکی وجہ سے اُس کی فوج تھوڑی دیر میں ہی غالب آ گئی یہ فلسفہ ہے۔غرض فلسفۂ تاریخ اور چیز ہے اور تاریخ اور چیز ہے۔ دیباچہ ابن خلدون جو ایک مشہور کتاب ہے اُس میں فلسفۂ تاریخ پر ہی بحث ہے۔ایک انگریز پروفیسر ایک دفعہ مجھے قادیان میں ملنے آیا تو مَیں نے اُس سے کہا کہ فلسفۂ تاریخ پر اگر کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ کتاب تم کو معلوم ہے تو بتاؤ۔ وہ کہنے لگا کہ دیباچہ ابن خلدون سے بڑھ کر یورپ اور امریکہ میں کوئی کتاب نہیں۔ جو کچھ فلسفہ اس نے بیان کیا ہے اس سے بڑھ کر ہم بیان نہیں کر سکتے وہ سب سے اعلیٰ کتاب ہے۔مگر ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ کو کیوں بیان کیا؟ اسی لئے کہ قرآن کریم میں اس نے پڑھا تھا کہ ہر چیز کا فلسفہ معلوم کرو جب تم معلوم کرو گے تو تمہیں اصل راز کا پتہ لگ جائے گا۔اُس نے سوچا کہ اسلامی حکومتیں کیوں تباہ ہوئیں دوسرے ملک کیوں تباہ ہوئے اور اس نے فلسفۂ سیاست پر غور کیا تو یہ دیباچہ لکھا مگر اُسے اس علم کا قرآن کریم سے ہی پتہ لگا کیونکہ قرآن کریم نے ہی اس علم کی طرف توجہ دلائی ہے۔

عِلمِ منطق کی نہر

پھر عِلمِ منطق کو لو وہ بھی قرآن کریم بیان کرتا ہے۔ فرماتا ہے وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ [۲۸]

یعنی جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اُس کی فرماں برداری کرو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کی فرماں برداری کرینگے جس پر ہمارے باپ دادا چلتے تھے۔ فرماتا ہے تمہارے باپ دادا چاہے بیوقوف ہی ہوں تب بھی اُن کے پیچھے چلو گے؟ یہ تو تم کہہ سکتے ہو کہ ہمارے باپ دادا عقلمند تھے اس لئے ہم اُن کی بات مانیں گے مگر یہ کہنا کہ چاہے وہ بیوقوف تھے یا عقلمند ہم نے چلنا اُن کے پیچھے ہے یہ عقل کے خلاف بات ہے اور منطق اسی کو کہتے ہیں کہ دلیل کے ساتھ ثابت کیا جائے کہ کونسی بات زیادہ معقول ہے اور کونسی غیر معقول۔ یہاں منطقی دلیل سے قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے کہ جو بات معقول ہو اُس کو ماننا چاہئے اور جو غیر معقول بات ہو اس کو نہیں ماننا چاہئے۔

عِلمِ موازنۂ مذاہب کی نہر

اِسی طرح عِلمِ موازنۂ مذاہب کی طرف بھی قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے۔ فرماتا ہے يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَآ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىةُ وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ [۲۹]

یعنی بعض لوگ اپنے آباء کی عزّت کرنے کے لئے یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہوئے کب ہیں محض جوش میں آکر کہہ دیتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے مذہب پر تھے۔ مثلاً کہہ دیتے ہیں کہ ابراہیمؑ بھی یہودی تھا یا ابراہیمؑ بھی عیسائی تھا۔ فرماتا ہے تم اتنا نہیں سوچتے کہ تورات اور انجیل تو بعد میں آئی ہیں پھر وہ یہودی یا عیسائی کس طرح ہو گیا۔

ایک عیسائی پادری سے گفتگو

میں بچہ تھا کہ ایک دفعہ ایک عیسائی پادری سے میری بحث ہوئی۔ مَیں نے کہا تم جو کہتے ہو کہ مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لائے بغیر کسی کی نجات نہیں تو ابراہیمؑ کی نجات کس طرح ہوئی۔ کہنے لگا ابراہیمؑ بھی کفارہ پر ایمان رکھتا تھا۔ مَیں نے کہا مسیحی کفارہ تو اس کے دو ہزار سال بعد ہؤا وہ پہلے کس طرح ایمان لے آیا تھا مگر اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ بس ایک گپ ہانک دی کہ ابراہیمؑ کفارہ پر ایمان رکھتا تھا۔

ایک مخلص نوجوان کا لطیفہ

ایک مخلص نوجوان جو سیّد تھا اور علی گڑھ میں پڑھا کرتا تھا بچپن میں میرا دوست تھا۔ اب تو وہ فوت ہو چکا ہے۔ بہت

سیدھا سادہ آدمی تھا۔ایک دفعہ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا آپ سے ایک بات پوچھنی ہے ایک شبہ ہے جو میرے دل میں پیدا ہوا ہے۔میَں نے کہا کیا؟ کہنے لگا شیعہ سُنّی کا بڑا جھگڑا ہے یہ تو فرمایئے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ شیعہ تھے کہ سُنّی ۔میَں نے کہا اُن کے شیعہ سُنّی ہونے کا کیا سوال ہے شیعیّت اور سُنّیت تو بعد میں پیدا ہوئی ہیں ۔اصل بحث تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خلیفہ تھے یا نہیں؟ کیونکہ اِسی کی وجہ سے شیعیّت اور سُنّیت پیدا ہوئی ہیں۔کہنے لگا اچھا! مجھے یہ خیال نہیں آیا تھا تو وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی جو پہلے گزر چکے تھے شیعہ سُنّی بنانا چاہتا تھا۔

علمِ نباتات کی نہر

پھر علمِ نباتات کی طرف بھی قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے۔فرماتا ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔[۳۰]

یعنی زمین میں جسقدر نباتات ہیں اُن میں جوڑا جوڑا ہوتا ہے۔کچھ نر ہوتے ہیں اور کچھ مادہ ہوتے ہیں۔جب نر اور مادہ کو ٹھیک طرح ملایا جائے تو فصل بڑی اعلیٰ ہوتی ہے اسی لئے ماہرینِ زراعت نے کہا ہے کہ باغوں میں شہد کی مکھیاں رکھنی چاہییں وہ نر درخت پر بیٹھ کر اور اُس نر درخت کا نُطفہ لے کر مادہ درخت پر رکھ دیتی ہیں تو پھل زیادہ لگتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک واقعہ

عرب لوگ ہمیشہ نر اور مادہ درختوں کو آپس میں ملایا کرتے تھے۔ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے کہ آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھجوروں کے نروں کو کھجور کے مادہ سے ملا رہے ہیں۔آپ کو اس کا علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نباتات کو جوڑا جوڑا بنایا ہے۔یہ بھی قرآن کریم کی سچائی کا ایک ثبوت ہے۔اگر آپ کے علم میں یہ بات ہوتی تو مخالف کہتے کہ قرآن کریم میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود یہ بات لکھ دی ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس کا کوئی علم نہیں تھا۔جب آپؐ نے انہیں نر اور مادہ کو آپس میں ملاتے دیکھا تو فرمایا کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہِ! ہم نر کو مادہ پر ڈالتے ہیں تاکہ فصل اچھی رہے۔آپؐ نے فرمایا یہ لغو بات ہے جو پھل پیدا ہونا ہے اُس نے تو پیدا ہونا ہی ہے اِس سے کیا بنتا ہے؟ انہوں نے چھوڑ دیا۔اگلے سال وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یَارَسُولَ اللّٰہِ! ہماری تو فصل ماری گئی ہے اب کے کھجور اچھی نہیں ہوئی۔آپؐ نے فرمایا کیوں؟ انہوں نے کہا آپؐ نے جو منع فرمایا تھا کہ نر کا مادہ مادینہ کھجور پر نہ ڈالو۔آپؐ نے فرمایا مَیں تو تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں یہ علم تم جانتے ہو مَیں نہیں جانتا

تمہیں میری بات نہیں ماننی چاہئے تھی[۳۱] تو دیکھو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارہ میں کوئی ذاتی علم نہیں تھا مگر قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔

یعنی نر مادہ صرف انسانوں میں ہی نہیں بلکہ ہر چیز میں ہیں۔ نباتات میں بھی ہیں بلکہ جمادات میں بھی ہیں۔ کچھ مدت ہوئی مَیں نے پڑھا کہ ٹین[۳۲] کے متعلق تحقیقات ہوئی ہے کہ ٹین کی بعض قسمیں نر ہیں اور بعض مادہ ہیں۔ غرض عِلمِ نباتات کی طرف بھی قرآن نے توجہ دلائی ہے۔

علمِ توافق بَیْنَ الْمخلوقات کی نہر

اِسی طرح عِلمِ توافق بینَ المخلوقات کی طرف بھی قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے۔ یعنی مختلف مخلوقات کی مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں فرماتا ہے وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ[۳۳]

یعنی ہم نے زمین کو پھیلایا ہے اور اُس میں پہاڑ بنائے ہیں اور اس میں مختلف چیزیں اُگائی ہیں جو ضرورت کے مطابق ہیں۔ یعنی انسان کی ضرورت بھی اُن سے پوری ہو جاتی ہے اور جانوروں کی ضرورت بھی اُن سے پوری ہو جاتی ہے۔ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق لوگ کہا کرتے تھے کہ بے غرض پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر کوئی خدا ہوتا تو بے ضرورت چیزیں کیوں پیدا کرتا لیکن اب تحقیقات سے معلوم ہؤا ہے کہ بعض قسم کے کیڑے جو بعض وبائی کیڑوں کو مارتے ہیں وہ ان غذاؤں کو کھاتے ہیں۔ تو كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اُس نے ہر ایسی چیز پیدا کر دی ہے جس کی کسی انسان یا جانور کو ضرورت ہے۔ اُن میں سے بعض کی ایسے خوردبینی کیڑوں کو ضرورت ہوتی ہے جو آنکھوں سے بھی نظر نہیں آتے۔ اگر وہ چیز نہ ہوتی جس کو ہم لغو سمجھتے ہیں تو وہ کیڑے بھی پیدا نہ ہوتے اور اگر وہ کیڑے نہ پیدا ہوتے تو وہ وبائیں بھی نہ جاتیں جو اُن کیڑوں کی وجہ سے دُور ہوتی ہیں۔

علمِ حیوانات کی نہر

پھر عِلمِ حیوانات کی طرف بھی اس نے توجہ دلائی ہے۔ فرماتا ہے۔ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ[۳۴]

یعنی تمہاری پیدائش میں بھی اور خدا تعالیٰ نے جو اَور جانور زمین میں پھیلائے ہیں اُن میں بھی ایک یقین رکھنے والی قوم کے لئے بڑے نشان ہیں۔

پھر فرماتا ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ [۳۵]

یعنی یہ جو زمین میں چلتے پھرتے جانور تمہیں نظر آتے ہیں اور ہواؤں میں اُڑتے ہوئے پرندے دکھائی دیتے ہیں یہ بھی تمہاری طرح کے گروہ ہیں۔ اُمَمٌ سے یہ مراد نہیں کہ نبیوں کی اُمّت ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اُن کے اندر بھی کوئی قانون جاری ہے۔ چنانچہ ایسے ایسے قانون اُن کے اندر جاری ہیں کہ حیرت آجاتی ہے۔ دیکھو! مگھ اور مرغابی وغیرہ ایک خاص موسم میں ایک خاص ملک سے جو کئی ہزار میل پر ہے اُڑتی ہے اور یہاں آکر بیٹھ جاتی ہے۔ اور پھر ایک خاص وقت میں جبکہ ابھی موسمیات کے ماہروں کو بھی پتہ نہیں لگتا مرغابی اُڑنے لگ جاتی ہے اور اُس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ اَب فلاں قسم کی ہوائیں چلیں گی یا بارشیں ہونگی۔ تو فرماتا ہے تمہاری طرح اِن میں بھی کچھ قوانین چل رہے ہیں تم سمجھتے ہو کہ یہ بے عقل پرندے ہیں حالانکہ اگر تم ان پرندوں پر غور کرو تو اس سے بھی بڑے بڑے علوم نکل آئیں گے اور تم کو پتہ لگے گا کہ خدا تعالیٰ نے اِن کے اندر کتنی حکمتیں رکھی ہیں۔

چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں میں نظام

مثلاً مَیں نے چیونٹیوں اور مکھیوں کے متعلق کتابیں پڑھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں میں اتنا نظام ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ امریکہ کے ایک رسالہ میں مَیں نے پڑھا کہ اود بلاؤ [۳۶] جو ایک جانور ہے اور پانی میں رہتا ہے اور دریا کے کنارے پر مٹی کے گھر بناتا ہے، اِتفاقاً ایک جگہ پر اس کے کچھ بچے بہہ کر آگئے۔ اُن کو چونکہ گھر بنانے کا علم نہیں تھا اس لئے وہاں سے ایک بچہ بہہ کر اس جگہ گیا جہاں پُرانے اود بلاؤ رہتے تھے اور وہاں سے اُس نے ایک بڈھے اود بلاؤ کو بلایا اور اُس اود بلاؤ نے آکر ان کو مکان بنانے سکھائے اور پھر وہ واپس چلا گیا۔

اِسی طرح یہ ثابت ہوا کہ بعض جانور ایسے ہیں جن کے گھونسلے پہلے اور شکل کے ہوتے تھے مگر اب اور شکلیں بننے لگ گئی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی طرح وہ بھی ترقی کر رہے ہیں۔

ایک عجیب تجربہ

میرا اپنا ایک عجیب تجربہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جس سفر میں لاہور میں فوت ہوئے ہیں، اس سفر میں میرے پاس ایک ہوائی بندوق تھی۔ مَیں نے اس سے ایک فاختہ ماری جب مَیں نے اسے ذبح کرنے کے لئے اُٹھایا تو مَیں نے دیکھا

کہ اس کے پیٹ کے پاس درخت کی ایک شاخ سے گرہ بندھی ہوئی تھی۔ مَیں نے وہ گرہ کھولی تو معلوم ہوا کہ اُس کو کبھی زخم لگا تھا جسے اُس نے ڈاکٹر کی طرح سِیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنی چونچ سے یا کسی دوسری فاختہ کی چونچ سے وہ زخم سِلوایا۔ جب مَیں نے اس کا شکار کیا تو وہ زخم بالکل مُندمل ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب مَیں نے گرہ کھولی تو میں نے دیکھا کہ وہ زخم بالکل ٹھیک ہو چکا تھا اور نیچے سے خشک چمڑا نکل آیا تھا۔

اِسی طرح عِلمِ حیوانات کے متعلق فرماتا ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَاماً فَهُمْ لَهَا مَالِكُوْنَ ۝ وَذَ لَّلْنٰـهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْ بُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ [۳۷]

یعنی کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے جو چیزیں پیدا کی ہیں وہ کئی قسم کی ہیں۔ بعض پر وہ سواریاں کرتے ہیں، بعض کو وہ کھاتے ہیں اور بعض سے وہ اَور فوائد حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً ان کے چمڑے وغیرہ کئی کام آتے ہیں اور بعض جانوروں کے دودھ پیتے ہیں۔ کیا وہ ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا نہیں کرتے؟ یعنی جانور کو بھی صرف دیکھنا نہیں چاہئے بلکہ غور کرنا چاہئے کہ اس کے گوشت میں کوئی زہر تو نہیں ہے۔

بچپن کا ایک واقعہ

مجھے یاد ہے بچپن میں مجھے ہوائی بندوق کے شکار کا شوق ہوا کرتا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی شکار پسند تھا کیونکہ یہ طاقت قائم رکھتا ہے۔ مَیں آپ کے لئے فاختائیں مار کر لایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ فاختہ نہ ملی تو طوطا مار کر لے آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دے دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رکھ تو لیا مگر تھوڑی دیر کے بعد مجھے آواز دی کہ محمود! اِدھر آؤ۔ مَیں گیا تو آپ نے طوطا اُٹھایا اور فرمایا دیکھو محمود! اللہ تعالیٰ نے سارے جانور کھانے کے لئے نہیں بنائے، کچھ دیکھنے کے لئے بھی بنائے ہیں۔ طوطا ایک خوبصورت جانور ہے یہ خدا نے دیکھنے کے لئے بنایا ہے۔ تم نے سمجھا کہ ہر ایک جانور کھانے کے لئے ہے۔ یہی قرآن کریم فرماتا ہے کہ جانوروں پر بھی غور کرو۔ اُن کی خاصیتیں الگ الگ ہیں۔ کچھ کھانے کے لئے اچھے ہیں، کچھ دیکھنے کے لئے اچھے ہیں، کچھ بولنے کے لحاظ سے اچھے ہیں جیسے مینا اور طوطا بولتے ہیں یا بیّے [۳۸] ہیں وہ بھی بولتے ہیں تو مختلف قسم کے فائدے ہیں جو اُن سے پہنچتے ہیں۔ اسی طرح کوئی سواری کے کام آتا ہے، کسی کا چمڑا اچھا ہوتا ہے، کوئی کھانے کے کام آتا ہے، کسی سے پوستینیں، جُوتے اور بُوٹ بنتے ہیں۔

علمِ معیشت کی نہر

پھر علمِ معیشت کی طرف بھی قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلاً مِّنۡ رَّبِّکُمۡ۔[۳۹]

یعنی تمہارے لئے یہ کوئی گناہ کی بات نہیں کہ تم حج کے ایّام میں تجارت کے ذریعہ اپنے ربّ سے اس کا کوئی اَور فضل بھی مانگ لو۔

اسی طرح فرماتا ہے۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَا نۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ۔[۴۰]

جب جمعہ کی نماز پڑھ لوتو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ تمہارا سارا وقت حج اور نماز کے لئے نہیں ہوتا بلکہ تمہیں عِلم معیشت بھی سیکھنا چاہئے اور اپنے اوقات کو اِس طرح تقسیم کرنا چاہئے کہ کچھ وقت نمازوں میں لگاؤ اور کچھ دنیا کے کاموں میں لگاؤ تاکہ تمہارے خاندان اور تمہارے ملک کی حالت اچھی ہو جائے۔

عِلمُ الْاِقتصاد کی نہر

پھر عِلمُ الْاِقتصاد کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے فرماتا ہے وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبۡسُطۡھَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡماً مَّحۡسُوۡرًا[۴۱]

کہ تُو اپنے ہاتھ کو بالکل روک نہ لے اور گردن کے ساتھ نہ باندھ لے اور نہ اتنا پھیلا کہ سارا مال ضائع ہو جائے۔ گویا نہ تو بُخل سے کام لے اور نہ اسراف سے کام لے۔ کیونکہ کئی مواقع انسان پر ایسے بھی آتے ہیں جب اس کو پھر مال کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ اگر کوئی شخص جوانی میں کمائی کرتا اور اُسے عیاشی میں اُڑا دیتا ہے تو بعد میں اگر وہ خود بیمار ہوتا ہے یا اس کے بیوی بچے بیمار ہوتے ہیں تو اُسے علاج کے لئے کوئی پیسہ نہیں ملتا۔ پس فرمایا کہ اپنے اموال کو ہمیشہ اِس طرح تقسیم کرنا چاہئے کہ کچھ بچاؤ اور کچھ خرچ کرو۔

اِسی طرح فرماتا ہے یَسۡئَلُوۡنَکَ مَا ذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلِ الۡعَفۡوَ۔[۴۲]

لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ حالانکہ خود حکم دیتا ہے کہ خرچ کرو۔مگر فرماتا ہے تم وہ خرچ کرو جو ضرورت سے زیادہ ہو۔جس کی تمہیں کل کو ضرورت پیش آنی ہے اُسے خرچ نہ کرو۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ نے وصیت کرنی چاہی اور کہا کہ مَیں اپنا سارا مال غریبوں کو دیتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارا مال غریبوں کو دے دینا اچھا نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تیرے بچے تیرے بعد لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں کچھ ان کے لئے بھی رکھو اور کچھ اپنے وارثوں کے لئے بھی رکھو تاکہ وہ بھی عزت سے گزارہ کریں۔ [۴۳]

علمِ شہریت کی نہر

پھر علمِ شہریت کی طرف بھی قرآن کریم میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ۔** [۴۴]

یعنی ہم نے قومِ سبا کی بستیوں اور بنی اسرائیل کی بستیوں کے درمیان بڑے بڑے شہر بسائے تھے جس کی وجہ سے لوگ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر آبادیوں میں چلے جاتے تھے اور انہیں کھانا پینا مل جاتا تھا۔ گویا بتایا کہ مدنیت یعنی شہر بسانا ملک کی ترقی کا موجب ہوتا ہے کیونکہ اس سے ملک کے لوگوں کے باہمی تعلقات بڑے آسان ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں صرف گاؤں ہوں تو ان کے تعلّقات وسیع نہیں ہوتے اور انکی تعلیم اور تجارت وغیرہ بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

عِلمِ تاریخ کی نہر

پھر عِلمِ تاریخ کی طرف بھی قرآن کریم توجہ دلاتا ہے۔ فرماتا ہے **ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ** [۴۵]

یعنی ہم نے اِس قرآن میں تیرے پاس پچھلی قوموں کے جو حالات بیان کئے ہیں اُن میں سے بعض کے نشانات اب تک موجود ہیں اور بعض کے نشانات بالکل مٹ چکے ہیں۔

علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ تاریخیں دو قسم کی ہیں۔ ایک تاریخ ہسٹارک (HISTORIC) کہلاتی ہے اور ایک پری ہسٹارک (PRE-HISTORIC) یعنی زمانۂ تاریخ سے قبل کے حالات۔ یہی بات قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ پچھلی قوموں کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اُن میں سے بعض کے نشانات تو اب تک موجود ہیں۔ یعنی وہ ہسٹارک ہیں اور بعض پری ہسٹارک ہیں۔ اُن کے نشانات مٹ چکے ہیں اور کوئی تاریخ اُن پر روشنی نہیں ڈالتی۔

عِلمِ بدءِ عالَم کی نہر

پھر علمِ بدءِ عالَم بھی قرآن کریم بیان فرماتا ہے۔ جسے اصطلاحاً ایتھنالوجی ([illegible]) کہتے ہیں۔ یعنی زمین کس طرح بنی ہے آسمان کس طرح بنے ہیں۔ اور پیدائشِ عالَم کس طرح ہوئی ہے فرماتا ہے۔ **قُلْ سِيْرُوْا**

فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ۔[۴۶] یعنی تم زمین میں ذرا پھر کر تو دیکھو۔ پھر تمہیں پتہ لگے گا کہ پیدائشِ عالَم کس طرح ہوئی تھی۔ اسی کو ایتھنا لوجی کہتے ہیں یعنی مختلف قوموں کے جو آثار ہیں اُن سے نتیجہ نکال کر تاریخ کا پتہ لگانا۔ فرماتا ہے اگر تم نے دنیا کی تاریخ کا پتہ لگانا ہے تو یہ تمہیں کسی ایک ملک سے نہیں لگے گا، مختلف ملکوں میں مختلف تہذیبیں مختلف قوموں نے اختیار کی ہیں۔ پس اگر تم پچھلی قوموں کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے ہو تو ساری دنیا میں پھرو۔ کسی ایک ملک سے تمہیں دنیا کی تاریخ کا پتہ نہیں لگے گا۔ بلکہ مختلف ملکوں میں جا کر تمہیں پتہ لگے گا کہ کسی صدی میں ہندوستان میں تہذیب پھیلی، کسی صدی میں ایران میں پھیلی، کسی صدی میں رُوم میں پھیلی، کسی صدی میں عرب میں پھیلی، کسی صدی میں شام میں پھیلی، کسی صدی میں مصر میں پھیلی، کسی صدی میں کسی اور ملک میں پھیلی۔ تو ایتھنالوجی کے علم کے لئے ضروری ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں کی سیر کرو۔

اِسی طرح بدءِ عالَم یعنی ساری دنیا کی پیدائش کے متعلق فرماتا ہے۔ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَاؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۔[۴۷]

یعنی کیا کافر یہ نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین پہلے ایک گُچھّا سا بنے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ان کو کھولا۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ:-

"کیا جو لوگ منکر ہیں انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ آسمان اور زمین دونوں کا ایک بھنڈا سا تھا تو ہم نے (اُسکو توڑ کر) زمین و آسمان کو الگ الگ کیا۔"[۴۸]

یعنی جیسے ایک گول سا ڈھیر یا خشک ڈلا ہوتا ہے اسی طرح وہ بنے ہوئے تھے پھر ہم نے اس کو کھولا۔ چنانچہ عِلمِ ہیئت سے یہی پتہ لگتا ہے کہ دنیا میں پہلے ذرّات پیدا ہوتے ہیں پھر وہ ذرّات سمٹنے شروع ہوتے ہیں اور مرکز میں ذرّات کا ایک ہجوم جمع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ چکر کھانے لگتا ہے اور اس چکّر سے جو اِردگرد کے ذرّات ہوتے ہیں اُن کو دھکّا لگتا ہے اور وہ دُور جا پڑتے ہیں اور ہوا میں دُور جانے کی وجہ سے اُن میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور اَبخرے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر بارش آتی ہے جو اُن کو ٹھنڈا کرتی ہے اور اس طرح ایک کرّہ بن جاتا ہے۔ وہی نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ اگر تم نے بدءِ عالَم کا پتہ لگانا ہے تو اس بات پر غور کرو جو ہم

تمہارے سامنے بیان کر رہے ہیں۔

علمِ موسمیات کی نہر

پھر علمِ موسمیات کو دیکھو تو وہ بھی قرآن کریم نے بیان کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ٥ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ٥ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ٥ وَّمَا هُوَ بِا لْهَزْلِ [۴۹]

یعنی تم بادل کو دیکھو جو بار بار برستا ہے اور زمین کو دیکھو جو پھٹتی ہے تو اس میں سے پھل وغیرہ نکلتا ہے اگر تم ان باتوں پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ہر چیز کے لئے خدا نے ایک موسم مقرر کیا ہے۔ کسی میں پانی اُترتا ہے کسی میں کوئی خاص ترکاری اُگتی ہے اگر تم اس طرح غور کرو گے تو تمہیں اس سے بھی بڑے بڑے علوم حاصل ہو جائیں گے۔ غرض قرآن کریم نے ان تمام علوم کی طرف جو دنیا میں جاری ہیں اشارہ کیا ہے اور اُن کے سیکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور اُن کا منبع بتایا ہے کہ فلاں فلاں جگہ سے تم ان علوم کو نکال سکتے ہو۔ پس جس قدر دُنیوی علوم ہیں اُن کا مأخذ قرآن کریم ہے اور ان کی طرف اس نے بار بار توجہ دلائی ہے۔

علومِ دینیہ کی نہر

مگر اس کے علاوہ اُس نے دینی علوم کی نہریں بھی جاری کی ہیں اور درحقیقت یہی نہریں روحانی نقطۂ نگاہ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ قرآن کریم کا زیادہ تر دین سے ہی تعلق ہے۔

عالَمِ روحانی کے سب سے بڑے سمندر تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر اُن سے آگے دنیا میں کئی قسم کی روحانی نہریں جاری ہوئیں۔ چنانچہ دیکھ لو ایک نہر شریعت کی چلی۔ پھر اُسی نہر میں سے ایک حنفی نہر نکلی، ایک شافعی نہر نکلی، ایک مالکی نہر نکلی، ایک حنبلی نہر نکلی۔ یہ مختلف قسم کی نہریں ہیں جو شریعت کی نہر میں سے جاری ہوئیں۔ پھر ایک شیعوں کی نہر جاری ہوئی، ایک سُنّیوں کی نہر جاری ہوئی، ایک خارجیوں کی نہر جاری ہوئی اور ان کے ذریعہ سے شریعت کے مختلف پہلو زیرِ بحث آتے رہے۔ پھر ایک تصوّف کی نہر چلی، ایک فلسفۂ شریعت کی نہر چلی جس کے بہت بڑے بانی ہمارے شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور امام ابن تیمیہؒ تھے۔ اور آخر میں سب سے زیادہ اہم کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ پھر سیاست کی ایک نہر چلی جو حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے شروع ہوئی اور پھر وہ آگے نکلتی چلی گئی۔ اور اس طرح یہ روحانی سِلسلہ جو سیاستِ مذہبی اور فلسفہ ءِ مذہبی اور احکامِ شریعت کی حکمتوں اور ان کی ضرورتوں کے ساتھ تعلق رکھتا تھا دُنیا میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ پھر اخلاقِ فاضلہ کی

ایک نہر جاری ہوئی جسے امام غزالیؒ نے اور بھی لمبا کیا اور اس سے زمین کو سیراب کیا۔اِسی طرح تصوّف میں جنیدؒ۔شبلیؒ۔حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ۔بہاؤالدین صاحب نقشبندیؒ۔شہاب الدین صاحب سہروردیؒ وغیرہ جیسے عظیم الشان لوگ گزرے اور پھر یہ ساری نہریں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آکر مدغم ہوگئیں اور پھر ایک نئی نہر دُنیا میں چل پڑی اور آپ کے ذریعہ سے پُرانی روحانی نہریں بھی جاری رہیں۔پُرانے زمانہ کے بادشاہوں نے جتنی نہریں بنائی تھیں وہ سب کی سب ختم ہوگئیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہر اب تک چلی جارہی ہے۔

دُنیوی اور روحانی نہروں میں بعض نمایاں فرق

اب دیکھو دنیا کی نہریں تو خشک ہو جاتی ہیں مگر یہ نہریں وہ ہیں جو خشک نہیں ہوتیں۔دُنیوی نہروں سے جسمانی غلّہ پکتا ہے مگر ان سے تقویٰ کا دانہ پکتا ہے۔دُنیوی نہروں کا تیار کردہ غلّہ ایک وقت کام آتا ہے اور پھر سڑ جاتا ہے مگر یہ وہ نہر ہے جس کا غلّہ ابدالآباد تک کام آتا ہے۔فرماتا ہے اَلْمَا لُ وَالْبَنُوْنَ زِ یْنَةُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَاۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَرَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا ۵۰ ○

یعنی دنیا کی نہروں کے مال اور اس سے پیدا کئے ہوئے غلّے اور نسلِ انسانی کے افراد صرف دنیا میں کام آتے ہیں آخرت میں کام نہیں آتے۔مگر جو قرآنی نہر سے پکا ہوا غلّہ ہے وہ قیامت تک کام آتا چلا جائیگا۔حضرت مسیحؑ ناصری نے بھی کہا ہے کہ اِس دنیا کے خزانہ کو کیڑا کھا جاتا ہے مگر آسمان کا خزانہ محفوظ ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

> ’’اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں۔‘‘[۵۱]

غرض وہ مال جو اس پانی سے پیدا ہوتا ہے اور وہ بیٹے جو اس مال کو کھا کر بڑھتے ہیں اِسی دُنیا میں ختم ہو جاتے ہیں لیکن وہ چیزیں (اَلْبَا قِیَاتُ الصَّا لِحَاتُ) جو قرآنی نہر سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چلائی ہوئی نہر سے پلتے ہیں وہ قیامت تک زندہ رہتے ہیں اور ابدی زندگی پاتے ہیں۔کیونکہ مؤمن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نہر کا پھل ہے اور

مؤمن کو ابدی زندگی کا وعدہ ہے۔ اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہر کا پیدا کیا ہؤا پھل قیامت تک چلے گا اور وہ کبھی خراب نہیں ہوگا۔

دیکھو ابوجہل کے مال نے جو مادی پانی سے حاصل ہؤا تھا جو کچھ پیدا کیا وہ ختم ہوگیا مگر جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پانی سے پیدا ہؤا وہ ابدی زندگی پا گیا۔

عمرؓ کا واقعہ دیکھو۔کیسی سنگلاخ زمین تھی مگر پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر سے اُس میں سے کیسی نہر چلی بلکہ اُس سے پہلے ابوبکری نہر چلی، پھر عمرؓ کی نہر چلی، پھر عثمانی نہر چلی، پھر علوی نہر چلی۔ پھر اُس سے آگے قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی نہریں جاری ہوئیں۔ سیّد عبدالقادر صاحب جیلانیؒ، مولانا رومؒ، ابراہیم ادھمؒ، امام غزالیؒ، حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت بختیار کاکیؒ، حضرت فریدالدین صاحب شکر گنجؒ، حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ، حضرت خواجہ سلیم چشتیؒ، حضرت سید احمد صاحب سرہندیؒ، حضرت ولی اللہ شاہ صاحبؒ، حضرت خواجہ میر درد صاحبؒ، حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ اور آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہر بھی اسی نہر میں سے نکلی ہوئی نہریں تھیں۔ بتاؤ وہ اَور کونسی نہر ہے جو اتنے زمانہ تک اور اتنے ملکوں میں پھیلی ہو۔کوئی نہر دوسَو میل چلتی ہے، کوئی چار سَو، کوئی سَو سال چلتی ہے، کوئی ڈیڑھ سَو سال مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نہر عرب سے نکلی اور شمال میں بڑھتے ہوئے قسطنطنیہ سے ہوتے ہوئے پولینڈ تک چلی گئی۔ دوسری طرف یورپ میں سے ہوتے ہوئے سسلی تک جا پہنچی۔مغرب میں مصر سے ہوتے ہوئے ٹیونس، مراکش، الجیریا اور سپین تک چلی گئی۔ پھر سیرالیون، گولڈ کوسٹ اور نائیجیریا تک چلی گئی۔مشرق میں ایران، بخارا، چین، ہندوستان اور برما تک چلی گئی۔ جنوب میں انڈونیشیا اور فلپائن تک چلی گئی۔ دوسری نہریں خشکی تک چلتی ہیں اور آگے بند ہو جاتی ہیں سمندر آیا اور نہر ختم۔مگر محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نہر سمندر بھی پار کر گئی اور پھر اگلی خشکی میں جاری ہوگئی۔ یہ نہر عرب سے آئی مگر عرب پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ بحیرہ عرب کو بھی کُود کر گزر گئی اور ہندوستان میں آ گئی، ہندوستان سے چلی اور ہمالیہ پہاڑ پر جا کر ختم نہیں ہو گئی جیسا کہ دُنیوی نہریں پہاڑ سے نکلتی ہیں اور خشکی میں جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔مگر یہ نہر آئی اور ہمالیہ پہاڑ کو بھی پھاند کر پرے چلی گئی اور اوپر جا کر سنکیانگ وغیرہ کے علاقوں تک میں اسلام کو پھیلا دیا۔

ایک سوال کا جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسیحیت نہیں پھیلی ؟ اِسکا جواب یہ ہے کہ نہیں، کیونکہ نہر سے سبزی پیدا ہوتی ہے اور مسیحیت سے سبزی پیدا نہیں ہوئی بلکہ اُجاڑ پیدا ہوا اور مسیحیت نے سارے ملکوں کو تباہ کر دیا۔

مادی اور روحانی نہروں میں بعض اَور فرق

پھر مادی نہروں میں کشتیاں ڈوبتی ہیں مگر یہ نہر کشتیاں تیراتی ہے۔ مادی نہریں سڑنے والی مچھلیاں کھلاتی ہیں مگر یہ نہر کبدِ حوت کے جنتی کباب کھلاتی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ اَوَّلُ طَعَامٍ یَاْ کُلُہُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ زِیَادَۃُ کَبِدِ حُوْتٍ۔[۵۲]
یعنی پہلا کھانا جو جنتیوں کو مِلے گا وہ مچھلی کے جگر کا زائد حصّہ ہوگا جو نہایت اعلیٰ حصّہ ہوتا ہے۔

روحانی نہریں کبھی کافوری اور کبھی زنجبیلی کبھی دودھ اور کبھی شہد کی شکل میں

پھر دوسری نہریں اس دنیا میں ختم ہو جاتی ہیں مگر یہ نہر سمندر پار ہی نہیں جاتی بلکہ موت پار بھی جاتی ہے اور کبھی کافوری شکل میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔

یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا[۵۳]

خدا تعالیٰ کے نیک بندے ایسے پیالے پئیں گے جن میں کافور کی ملونی ہوگی۔ اور کبھی زنجبیلی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا وَیُسْقَوْنَ فِیْھَا کَاْساً کَانَ مِزَاجُھَا زَنْجَبِیْلاً[۵۴]

مؤمنوں کو جنتوں میں ایسے گلاسوں سے پانی پلایا جائے گا جن میں زنجبیل ملی ہوئی ہوگی۔ پھر کبھی دودھ کی شکل میں یہ نہر چل پڑتی ہے جیسا کہ فرماتا ہے مَثَلُ الْجَنَّۃِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط فِیْھَا اَنْھٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ج وَ اَنْھٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُہٗ ج[۵۵]

یعنی یہ جو قرآنی تعلیم کی نہر ہے یہ ایک دن جنت میں نہروں کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ مگر وہاں کئی نہریں ہونگی کسی میں پانی ہوگا مگر وہ پانی سڑنے والا نہیں ہوگا اور کچھ نہروں میں دودھ ہوگا مگر دودھ کا مزہ تو بگڑ جاتا ہے اُن کا مزہ کبھی خراب نہیں ہوگا۔ پھر کبھی یہ نہر شہد کی شکل میں چل پڑتی ہے۔ جیسے فرمایا۔ وَاَنْھٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی۔[۵۶] یعنی وہاں خالص اور مصفّٰی شہد کی بھی نہریں ہونگی۔

محمدی نہر کوثر کی شکل میں

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کبھی محمدؐی نہر قیامت میں کوثر کی شکل میں ظاہر ہو جاتی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ o اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ [۵۷]

اے محمدؐ رسول اللہ! یقیناً ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے سوتُو اس کے شکریہ میں اپنے ربّ کی کثرت کے ساتھ عبادت کر اور اُسی کی خاطر قربانیاں کر اور یقین رکھ کہ تیرا مخالف ہی نرینہ اولاد سے محروم ثابت ہوگا۔

حدیث میں بھی آتا ہے۔ سُئِلَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَنِ الۡكَوۡثَرِ فَقَالَ هُوَ نَهرٌ اَعۡطَا نِيۡهِ اللّٰهُ فِى الۡجَنَّةِ۔ [۵۸]

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوثر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا۔ وہ ایک نہر ہے جو خدا نے مجھے جنت میں بخشی ہے۔

غرض دیکھو یہ نہر کیا کیا شکلیں بدلتی چلی جاتی ہے۔کبھی یہ کافوری نہر کہلاتی ہے، کبھی زنجبیلی نہر کہلاتی ہے، کبھی دودھ کی نہر ہوتی ہے، کبھی شہد کی نہر ہوتی ہے، کبھی کوثر کی نہر ہوتی ہے، پھر کبھی وہ اس دنیا میں چلتی ہے، کبھی اگلے جہان میں چلتی ہے، کبھی عرب میں چلتی ہے، کبھی سمندر کُود کے ہندوستان میں آجاتی ہے، پھر ہندوستان کے پہاڑ کُودتی ہے اور چین وغیرہ ملکوں میں چلی جاتی ہے اِسی طرح پہاڑی علاقوں میں چلی جاتی ہے۔غرض دنیا کی ہر خشکی اور ہر تری پر سے کُودتی پھاندتی چلی جاتی ہے اِس دنیا کو کُودتی ہے موت کو کُودتی ہے، کہیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔اب بتاؤ! اس نہر اور دنیا کی نہروں کا کیا مقابلہ ہے۔پس کہاں دُنیوی بادشاہوں کی بنائی ہوئی نہریں اور کہاں قرآن کی نہر۔

اسلام اور کفر کی نہریں متوازی چلتی چلی جائیں گی

یہ نہریں جوش میں آکر ایک دوسرے کو کاٹ دیتی ہیں اور اگر ایک کا پانی گندہ ہو تو وہ دوسرے کے پانی کو بھی گندہ کر دیتی ہے۔مگر قرآنی نہر کا یہ حال ہے کہ اس پر ایک زمانہ تو وہ آتا ہے کہ دوسری نہریں خواہ کتنا زور لگائیں اُس کے ساتھ نہیں مل سکتیں۔جیسا کہ فرماتا ہے۔بَيۡنَهُمَا بَرۡزَخٌ لَّا يَبۡغِيٰنِ۔ [۵۹]

ہم نے دوسری نہروں اور اس نہر کے درمیان ایک روک بنا دی ہے۔وہ اس کے اندر داخل ہو کر اس کے پانی کو گندہ نہیں کر سکتی۔یعنی دوسرے مذاہب کوشش کریں گے کہ اسلام کو خراب

کریں مگر آخر اسلام ہی جیتے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے مجدّد مبعوث فرمائے گا جو اسلام کی تعلیم کو پاک کر کے پھر اسلام کے پانی کو صاف کر دینگے ۔اور باقی دنیا کے مذاہب سارا زور لگانے کے باوجود اسلام کوخراب نہیں کرسکیں گے۔

کفراور ایمان کی آخری ٹکّرمیں آخراسلام ہی دنیاپر غالب آئیگا

غرض اِدھر اسلام کی نہر ہوگی اور اُدھر کفر کی نہر اور دونوں ایک وقت تک متوازی چلتی چلی جائیں گی۔ اور ایک دوسرے میں داخل نہیں ہونگی مگر آخر ایک وقت آئے گا کہ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ۔[۶۰]

یہ دونوں سمندر یعنی اسلامی سمندر اور کفر کا سمندر آپس میں مل جائیں گے یعنی یہ دونوں آپس میں گُتھم گتّھا ہو جائیں گے اور اسلام اور کفر کی آخری ٹکّر ہو جائیگی ۔لیکن اِس آخری ٹکر میں بھی کفر کی نہر اسلام کی نہر کو گندہ نہ کر سکے گی بلکہ آخر یہ نتیجہ نکلے گا کہ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔[۶۱] یعنی آخر اسلام کی نہر ہی جیتے گی۔ پس اے مسلمانو! بتاؤ یہ ہمارا کتنا بڑا احسان ہے کہ آخری فتح تمہاری ہوگی۔ آخری فتح عیسائیت کی نہیں ہوگی بلکہ آخری فتح اسلام کی ہو گی۔ پس اے کالی اور گوری نسلوں کے لوگو! اسلام کی نہر آخر غالب آجائے گی اور کُفر کی نہر اُس میں مدغم ہوکر اپنا نام کھو بیٹھے گی۔ اب بولو کہ تم خدا تعالیٰ کی کِس کِس نعمت کا انکار کرو گے۔فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَ سُبْحَا نَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

---

۱ البقرہ :۵۷ ۲ یونس :۲۵ ۳ ھود :۸

۴ الانبیاء:۳۱

۵ بخاری کتاب العلم باب فَضْل مَنْ عَلِمَ وَ عَلَّمَ

۶ کرنتھیوں باب ۱۰ آیت ۳، ۴۔ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء

۷ اٰل عمران:۱۹۱ ۸ النحل:۱۳ ۹ الحجر:۷۶ تا۷۸

۱۰ العنکبوت:۳۹ ۱۱ القصص:۵۹

۱۲ العرب قبل الاسلام مؤلفہ جرجی زیدان

۱۳ ابراھیم:۳۳ ۱۴ الشوریٰ:۳۳، ۳۴ ۱۵ النحل:۷۰

۱۶ یونس:۶ ۱۷ الرحمن:۶،۷ ۱۸ النحل:۱۰۴

۱۹ تا ۲۱ البقرہ: ۲۴ ۲۲ النحل: ۹۰ ۲۳ بنی اسرائیل: ۱۳
۲۴ الشعراء: ۱۱۴ ۲۵ البقرہ: ۲۶۲
۲۶ بنی اسرائیل: ۵۰ تا ۵۲
۲۷ النساء: ۱۱۴ ۲۸ البقرہ: ۱۷۱ ۲۹ اٰل عمران: ٦٦
۳۰ الذٰریٰت: ۵۰
۳۱ مسلم کتاب الفضائل باب وجوب امتثال ماقاله شرعًا
۳۲
۳۳ الحجر: ۲۰ ۳۴ الجاثیه: ۵ ۳۵ الانعام: ۳۹
۳٦ اودبلاؤ: پانی کا ایک جانور جو مچھلیاں کھاتا ہے (علمی اردو لغت) یہ نیولے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ سوائے آسٹریلیا کے تمام براعظموں میں پایا جاتا ہے۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ا صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء
۳۷ یٰس: ۲۷ تا ۴۷
۳۸ بیّے: مفرد بیّا: چڑیا کی طرح کا ایک پرندہ۔ اس کا گھر بنانا بڑا مشہور ہے۔
۳۹ البقرہ: ۱۹۹ ۴۰ الجمعه: ۱۱ ۴۱ بنی اسرائیل: ۳۰
۴۲ البقرہ: ۲۲۰
۴۳ بخاری کتاب الفرائض باب میراث البنات
۴۴ سبا: ۱۹ ۴۵ هود: ۱۰۱ ۴٦ العنکبوت: ۲۱
۴۷ الانبیاء: ۳۱ ۴۸
۴۹ الطارق: ۱۲ تا ۱۵ ۵۰ الکهف: ۴۷
۵۱ متی باب ٦ آیت ۱۹، ۲۰ پاکستان بائبل سوسائٹی مطبوعہ ۱۹۹۴ء لاہور۔
۵۲ بخاری کتاب الرقاق باب صفة الجنّة و النّار
۵۳ الدهر: ٦ ۵۴ الدهر: ۱۸ ۵۵، ۵٦ محمد: ۱٦
۵۷ الکوثر: ۲ تا ۴
۵۸
۵۹ الرحمٰن: ۲۱ ٦۰ الرحمٰن: ۲۰ ٦۱ الرحمٰن: ۲۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (۱۰)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۶ء برموقع جلسہ سالانہ ربوہ)

قرآنی باغات

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

پیشتر اِس کے کہ مَیں اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کروں اور اُن باغات کے مقابلہ میں جو مَیں نے اپنے سفرِ حیدر آباد میں دیکھے تھے اُن روحانی باغات کا ذکر کروں جو قرآن کریم نے پیش کئے ہیں مَیں تمہیدی طور پر بعض امور کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا میرے اس مضمون کے ساتھ تعلّق ہے۔

اِسلام کی توحیدِ خالص پر بنیاد

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامؔ کی بنیاد توحیدِ خالص پر ہے اور سورۂ اخلاص اِس توحید کا معیاؔر ہے۔قرآن کریم اس بات پر زور دیتا ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے سب چیزیں جوڑا جوڑا ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ خدا تعالیٰ خالؔق ہے اور باقی چیزیں مخلوق ہیں کیونکہ احدؔ وہی ہوسکتا ہے جو جوڑا نہ ہو۔ جو جوڑا ہو اس کا مخلوق ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ سورۂ ذاریات میں آتا ہے۔ وَ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ[1]

یعنی جتنی چیزیں ہم نے پیدا کی ہیں اِن سب کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تا کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو۔ یعنی دُنیوی چیزوں کو جوڑا جوڑا پیدا کرنے سے یہ غرض ہے کہ تم سوچو کہ جب ہر چیز جوڑا ہے تو معلوم ہؤا کہ ہر چیز مخلوق ہے اور اس کا کوئی خالق ہے۔ اور جب خدا جوڑا نہیں تو معلوم ہؤا کہ اللہ احد ہے، اللہ صمد ہے۔ وہ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ[2] ہے۔ جو شخص کسی کا بیٹا ہوتا ہے وہ جوڑا ہوتا ہے اور اس کا ایک باپ اور ایک ماں ہوتی ہے۔ اور جس

کے ہاں کوئی بیٹا ہو اُس کی ایک بیوی بھی ہوتی ہے غرض جو بیٹا جنے یا کسی کا بیٹا ہو وہ احد نہیں ہوسکتا۔ عیسائیت جو حضرت مسیحؑ کے ابن اللہ ہونے پر ناز کرتی ہے درحقیقت وہ دوسرے لفظوں میں مسیحؑ کو ابن اللہ ہونے سے جواب دیتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ ابن اللہ ہے تو وہ جوڑا ہے خالق نہیں۔ وہ منفرد نہیں، وہ محتاج ہے ایک باپ کا جو اس کو وجود میں لایا ہے۔ وہ محتاج ہے ایک ماں کا جو اس کو وجود میں لائی ہے۔ اور جب وہ مخلوق ہوا تو وہ محتاج ہے بیوی کا بھی تاکہ وہ اولاد پیدا کرے اور اگر وہ بیوی کا محتاج نہیں تو مخنّث ہے جو ذلیل ہوا کرتا ہے۔

پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو۔ ایک نصیحت تو یہ حاصل کرو کہ جب ساری مخلوق کو دیکھو کہ وہ جوڑا جوڑا ہے تو سمجھ جاؤ کہ وہ مخلوق ہے اور خدا نے پیدا کی ہے۔ دوسرے تم سمجھ لو کہ جو جوڑا نہیں وہ خالق ہے اور وہ ایک ہی ہے اور وہی سچا اَحَد ہے اَور کوئی اَحَد نہیں ہوسکتا اس لئے وہ مخلوق بھی نہیں ہوسکتا اور اِس طرح توحیدِ کامل پر قائم ہو جاؤ۔

ہر چیز کے جوڑا ہونے کے بارہ میں قرآن کریم کا بے مثال علمی نکتہ

مخلوق کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے سب کو جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ یہ علم بھی قرآن کریم سے پہلے کسی کو معلوم نہیں تھا۔ سارا وید پڑھ جاؤ، ساری بائیبل پڑھ جاؤ، ساری انجیل پڑھ جاؤ، ساری ژنداوستا پڑھ جاؤ، یونان کے فلاسفروں کی کتابیں پڑھ جاؤ، ہندوستان کے فلاسفروں کی کتابیں پڑھ جاؤ، چین کے کنفیوشس نبی کی کتابیں پڑھ جاؤ، شنٹو اِزم جو جاپان کا مذہب ہے اُس کی کتابیں پڑھ جاؤ غرض بدھوں کی کتابیں پڑھو، یہودیوں کی پڑھو، عیسائیوں کی پڑھو، ہندوؤں کی پڑھو، یونانیوں کی پڑھو، کسی مذہب کی کتاب پڑھو، یہ نکتہ تمہیں کہیں نظر نہیں آئے گا کہ ہر چیز کا جوڑا ہے۔ صرف قرآن کریم ایک کتاب ہے جو کہتی ہے کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑا پیدا کیا ہے۔ اور یہ جوڑے اِس لئے پیدا کئے ہیں تاکہ اِن کی حکمت سے تمہیں خدا کی توحید کی طرف توجہ ہو۔ یہ علم جو قرآن کریم سے پہلے کسی کو نہیں تھا حتّٰی کہ الہامی کتابوں میں بھی نہیں تھا۔ نہ ویدوں میں تھا، نہ بدھ کی پُستکوں میں تھا، نہ یونانیوں کی کتابوں میں تھا، نہ ایرانیوں کی کتابوں میں تھا، نہ یہودیوں کی کتابوں میں تھا، نہ عیسائیوں کی کتابوں میں تھا۔ اِس بارہ میں بہت ہی محدود علم عربوں کو حاصل تھا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ محدود علم بھی حاصل نہیں تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن

کریم خدا کی کتاب ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ ہر چیز کا جوڑا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ بعض درختوں کے بھی جوڑے ہیں۔ اگر قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا ہوتا تو اس میں تو جوڑے کا ذکر ہی نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اور اگر ہوتا تو یہ ہوتا کہ یہ سب فضول باتیں ہیں کوئی چیز جوڑا جوڑا نہیں۔ مگر قرآن میں لکھا ہوا ہے کہ ہر چیز کو خدا تعالیٰ نے جوڑے کی شکل میں پیدا کیا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ مَیں آگے ثابت کرونگا اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں تھا کہ ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہے تو پھر آیت کِس نے لکھ دی۔ صاف ثابت ہے کہ یہ عالمُ الغیب خدا نے لکھی ہے جس سے محمدؐ رسول اللہ بھی سیکھتے تھے اور ہم بھی سیکھتے ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی ہوئی ہوتی تو اُنکو بھی علم ہوتا۔ اور اگر اُنکو علم ہوتا تو وہ بات نہ ہوتی جو مَیں آگے بیان کرنے لگا ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کے جوڑا ہونیکا کوئی علم نہیں تھا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ایک کھجوروں کے باغ کے پاس سے گزرے۔ آپ نے دیکھا کہ باغ والے نَر کھجور سے کچھ چیز لے کر مادہ کھجور سے ملا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو۔ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اس کے بغیر پھل اچھا نہیں آتا۔ یعنی کھجور میں بھی نر اور مادہ ہے اور اگر ان کو آپس میں نہ ملایا جائے تو جیسے نَر مادہ سے نہ ملے تو بچّہ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح اگر نر کھجور کو مادہ کھجور سے نہ ملایا جائے تو اس کا پھل بھی پیدا نہیں ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بات سُنکر یہ نہیں فرمایا کہ ٹھیک ہے قرآن میں بھی یہی آتا ہے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھل تو خدا تعالیٰ پیدا کرتا ہے اُس نے جو پیدا کرنا ہے وہ تو کرے گا ہی جو نہیں پیدا کرے گا وہ کِس طرح ہو جائے گا۔ چونکہ وہ بڑے اطاعت گزار لوگ تھے انہوں نے آپ کی بات سُنکر یہ کام کرنا چھوڑ دیا۔ جب پھل کا موسم آیا تو کھجوروں کو پھل نہ لگا یا بہت کم لگا اُن لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ کی نصیحت پر عمل کر کے ہم تو مارے گئے۔ آپؐ نے تلقیح سے یعنی نر درخت کو مادہ درخت سے ملانے سے منع کیا تھا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا پھل بہت ہی کم آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اِس فن کے تم ماہر ہو مَیں ماہر نہیں ہوں، مجھے اس حقیقت کا کیا علم

تھا،تم کو چاہئے تھا کہ میری بات نہ مانتے۔[۴]

اِس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جو قرآن کریم میں قاعدہ کے طور پر بیان کی گئی تھی اپنے کسبی علم کے ذریعہ سے نہیں جانتے تھے یہ محض الہامی علم تھا۔ پس اِس واقعہ سے ہر عقلمند خواہ کسی ملک کا رہنے والا ہو،کسی مذہب کا ماننے والا ہو سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوُا نہیں تھا۔ ورنہ وہ بات جو وہ جانتے نہیں تھے اس میں لکھتے کِس طرح؟ قرآن کریم عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَة خدا کا اُتارا ہوُا تھا اس لئے اُس میں علاوہ روحانی علوم کے مادی علوم بھی ایسے بیان کئے گئے جن کو محمدؐ رسول اللہ تو بالکل نہیں جانتے تھے مگر دنیا بھی نہایت محدود رنگ میں اُن سے واقف تھی۔ جیسے عربوں میں یہ علم تھا کہ کھجور میں نَر و مادہ ہوتا ہے مگر باوجود اس کے گزشتہ تیرہ سَو سال میں مسلمانوں نے دُنیوی علوم میں بڑی ترقی کی ہے اور باوجود اس کے کہ قرآن کریم میں یہ آیت موجود تھی انہوں نے اس مسئلہ میں کوئی ترقی نہیں کی کیونکہ خدا تعالیٰ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ تیرہ سَو سال بعد سائنس نے جو دریافت کی ہے وہ قرآن کریم میں پہلے موجود تھی۔

موجودہ سائنسدانوں کی تحقیق

اب سائنس دان کہتے ہیں کہ صرف کھجور میں ہی نر و مادہ نہیں بلکہ اور درختوں میں بھی ہیں۔مثلاً پپیتا میں بھی ہیں۔ پپیتا کے درخت میں بھی ایک نر پپیتا ہوتا ہے اور ایک مادہ پپیتا۔ میرے سندھ کے باغ میں بہت سے پپیتے لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہاں پپیتے بہت ہوتے ہیں اور ہم بھی لگواتے ہیں۔ ایک دفعہ مَیں نے دیکھا تو درختوں پر پھل نہیں تھا۔مَیں نے کہا پھل کیوں نہیں؟ وہ کہنے لگے غلطی سے سب مادہ درخت لگ گئے ہیں نر کوئی نہیں لگا اِس لئے ہَوا نر درخت میں سے نُطفہ لا کر مادہ پر نہیں گراتی اور اس وجہ سے پھل نہیں لگتا۔ اب ہم نر درخت لگائیں گے تو پھر پھل لگے گا۔ غرض اَب سائنٹیفک تحقیق سے بھی ثابت ہو گیا ہے کہ پپیتا میں بھی نر و مادہ ہے بلکہ بہت سی سبزیوں اور ترکاریوں میں بھی وہ نر و مادہ کے قائل ہو گئے ہیں بلکہ بعض سائنسدان تو تحقیق میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ وہ دھاتوں میں بھی نر و مادہ کے قائل ہو گئے ہیں۔ ایک سائنسدان کی کتاب میں نے پڑھی،اُس میں لکھا تھا کہ ٹین[۵] بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ٹین نَر ہوتا ہے اور ایک مادہ ہوتا ہے اور یہ بھی ایک دوسرے پر اثر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے اثر کو قبول کر کے ایک نئی شکل بدل لیتے ہیں۔مگر سائنسدان تو یہ کہتے ہیں کہ نباتات میں نر و مادہ ہوتا

ہے اور دھاتوں میں بھی نر و مادہ ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس سے بھی اوپر جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ہم نے ہر چیز میں جوڑا بنایا ہے اور ہر چیز کے لفظ کے نیچے سب نباتات بھی آجاتی ہے، جمادات بھی آجاتی ہے، حیوانات بھی آجاتے ہیں۔ بلکہ اِس سے بڑھ کر ذرّاتِ عالَم اور مجموعہء ذرّاتِ عالَم بھی آجاتے ہیں۔

دنیا کی زندگی بھی ایک جوڑا ہے

چنانچہ دیکھ لو! جہاں بہت سے مذاہب اور فلسفیوں نے صرف اِس دنیا کی زندگی کو ایک حقیقت قرار دیا ہے اسلام نے مذکورہ بالا اصل کے مطابق دو جہان قرار دیئے ہیں یعنی جہانوں میں بھی جوڑا بتایا ہے۔ ایک یہ دنیا ہے اور ایک اگلا جہان ہے، یہ بھی جوڑا ہے۔ ساری بائیبل پڑھ کے دیکھ جاؤ صرف کہیں کہیں اشارے نظر آئیں گے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے لیکن واضح طور پر حیات بَعْدَ الْمَوْت کا بائیبل میں کوئی ذکر نہیں۔ حضرت مسیحؑ نے بھی ایک مُردہ سا اشارہ بائیبل سے نکالا کہ اس میں مرنے کے بعد کی زندگی کا ذکر ہے۔ مگر قرآن کو پڑھ جاؤ ہر جگہ اگلے جہان کا ذکر نظر آئے گا۔ میَں نے کئی یوروپین لوگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ قرآن پڑھ کر تسلی ہونے لگ جاتی ہے، ہر جگہ اگلے جہان کا ہی ذکر ہے۔ حالانکہ اگلے جہان کا ذکر قرآن اس لئے کرتا ہے کہ قرآن دعویدار ہے کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑا پیدا کیا ہے۔ اگر قرآن اگلے جہان پر زور نہ دیتا تو لوگ کہتے یہ جہان تو ایک ہو گیا۔ آپ جو کہتے ہیں کہ ہر چیز کا جوڑا ہے تو پھر اس کا جوڑا کونسا ہے؟ قرآن نے پیش کر دیا کہ اس کا جوڑا اگلا جہان ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں صاف طور پر آتا ہے کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ [۶]

جو شخص اپنے ربّ کی شان سے ڈرتا ہے اُس کو دو جنتیں مِلیں گی۔ ایک اِس دنیا میں ایک اگلے جہان میں۔ سو دو زندگیوں کا اِس آیت میں بھی ذکر آ گیا۔ یوں دونوں زندگیوں کا الگ بھی ذکر آتا ہے مگر اس آیت سے بھی نکلتا ہے کہ دو زندگیاں ہیں۔

جنّت اور دوزخ بھی جوڑا ہیں

اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو دُعا سکھائی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ [۷]

اے خدا! ہم ہر چیز کے جوڑے کے قائل ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک یہ دنیا ہے اور ایک اگلا جہان ہے۔ تُو ہم کو اس دنیا میں بھی آرام بخشیو اور سُکھ دیجیو اور اگلے جہان میں بھی

سُکھ دیجیو ۔ اور اگلے جہان میں ہم کو پتہ ہے کہ پھر جوڑا ہے، ایک دوزخ ہے اور ایک جنّت ہے ۔ گویا جوڑا وہاں بھی ختم نہیں ہوتا تو ہم کو اس جوڑے میں سے جو دوزخ والا حصّہ ہے اُس سے بچائیو اور اس جوڑے میں سے جو جنّت والا حصّہ ہے وہ عطا کیجیو ۔ بلکہ پھر آگے چل کر اِس دنیا کو بھی جوڑا بتایا ہے اور اگلے جہان کو بھی جوڑا بتایا ہے ۔ اِس دُنیا کے متعلق فرماتا ہے کہ ایک عُسر کی دُنیا ہے اور ایک یُسر کی دُنیا ہے ۔ ایک نُور کی دنیا ہے ایک ظلمت کی دُنیا ہے ۔ یعنی ایک زندگی اس دُنیا میں ایسی ہے جو تکلیف اور دُکھ کی زندگی ہے اور ایک زندگی راحت کی زندگی ہے ۔ اِسی طرح ایک زندگی نور کی ہے اور ایک تاریکی کی ۔ یہ دونوں اس دنیا کی زندگی کے جوڑے ہیں چنانچہ فرماتا ہے ۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا [8]

یعنی یاد رکھ تنگی کے ساتھ ایک بڑی کامیابی مقدر ہے ۔ ہاں یقیناً اس تنگی کے ساتھ ایک بڑی کامیابی مقدر ہے ۔ اِسی طرح فرماتا ہے ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ [9]

یعنی سب تعریف اللہ کی ہے جس نے ایک ظُلماتی دنیا پیدا کی ہے اور ایک نوری دُنیا پیدا کی ہے ۔ ظُلماتی دنیا ظاہری لحاظ سے رات ہوتی ہے کیونکہ رات کا کام بھی نرالا ہے اور دن کا کام بھی نرالا ہے ۔ اور نورانی دنیا دن ہوتا ہے اور رُوحانی طور پر ظُلماتی دنیا کفر کی دنیا ہوتی ہے اور نورانی دنیا ایمان اور اسلام کی دنیا ہوتی ہے ۔

پھر اگلے جہان کے متعلق بھی ایک نار اور ایک جنّت کی زندگی بتاتا ہے ۔ فرماتا ہے ۔ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [10]

یعنی وہ لوگ جو برائیوں میں ملوّث ہونگے اور اُن کے گناہ اُن کا چاروں طرف سے احاطہ کرلیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے اور وہ اس میں رہتے چلے جائیں گے ۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے مناسبِ حال اعمال کئے وہ جنّت میں جائیں گے اور وہ اُس میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے ۔

پھلوں میں بھی جوڑے ہیں

غرض قرآن کریم نے خدائی مخلوق میں ہر جگہ جوڑا جوڑا تسلیم کیا ہے بلکہ قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ صرف درختوں میں

ہی جوڑا نہیں بلکہ پھلوں میں بھی جوڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ [۱۱]

یعنی خدا ہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا ہے اور اُس میں پہاڑ بنائے ہیں اور نہریں بنائی ہیں اور ہر قسم کے میوے لگائے ہیں مگر وہ تمام قسم کے میوے بھی جوڑا جوڑا ہیں۔ گویا صرف کھجور کا درخت ہی جوڑا نہیں بلکہ کھجور کو جو پھل لگتا ہے وہ بھی جوڑا جوڑا ہے اور اس میں بھی نر اور مادہ ہوتا ہے۔ آجکل کے سائنس دانوں کے مقابلہ میں یہ زراعت کا کتنا وسیع علم ہے جو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے آج کے سائنس دان اس کے ہزارویں حصّہ کو بھی نہیں پہنچے۔

پھر فرماتا ہے: یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ دیکھو ہم نے دن اور رات کا بھی جوڑا بنایا ہے رات دن پر اور دن رات پر سوار ہوتا چلا جاتا ہے۔

زمین اور آسمان کا جوڑا

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے اس آیت میں زمین کا تو ذکر کیا گیا ہے مگر آسمان کا نہیں۔ یہ تو کہا ہے کہ ہم نے زمین کو پھیلایا ہے مگر آسمان جو زمین کا جوڑا ہے اُس کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ دو متقابل چیزوں میں سے ایک کا ذکر کر دیا جائے تو دوسری کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ ہر عقل اس کا آپ ہی قیاس کر لیتی ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ اگر دو متقابل چیزیں ہوں اور ایک چیز کا ذکر کر کے دوسری کو چھوڑ دیا جائے تو عقلِ انسانی اُسکو آپ ہی نکال لیتی ہے۔ یہ قاعدہ مَیں اپنے پاس سے بیان نہیں کر رہا بلکہ لُغت کے امام ثعالبی نے اپنی کتاب فقه اللُّغة میں اِسے بیان کیا ہے۔ ثعالبی وہ شخص ہیں جو ابنِ جنّی کے شاگرد تھے اور ابن جنّی اِمَامُ اللُّغَة سمجھے جاتے تھے۔ وہ زبان کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اُن کی کتاب ایسی بے نظیر ہے کہ جس کی مثال اور کہیں نہیں مِلتی۔ اس کتاب میں انہوں نے اشتقاق وغیرہ پر بحث کی ہے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مِنن الرحمٰن لکھی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ عربی زبان اُمُّ الْاَلْسِنَه ہے۔ گو انہوں نے اس کا اپنی کتاب میں ایک ناقص نقشہ کھینچا ہے مگر بہر حال کچھ نہ کچھ نقشہ تو کھینچا ہے۔ پس اس جگہ پر زمین و آسمان کو جوڑا بتایا گیا ہے اور پھلوں کو بھی جوڑا جوڑا بتایا گیا ہے۔ پھلوں کے جوڑے میں صرف دنیاوی جوڑوں کی طرف اشارہ نہیں بلکہ اِس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ روحانی سِلسلوں میں جو پھل پیدا ہوتے ہیں یعنی نبی کی روحانی اولاد چلتی ہے وہ بھی جوڑا جوڑا

ہوتی ہے۔

قرآنی باغات بھی سب جوڑا جوڑا ہیں

اب مَیں اپنے اصل مضمون یعنی باغات کو لیتا ہوں۔ جتنے باغات مَیں نے اپنے سفرِ حیدرآباد میں دیکھے تھے وہ سب ایک ایک تھے مگر قرآنِ کریم نے جن باغات کو پیش کیا ہے وہ جوڑا ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں جنت کا ایک نام نہیں بلکہ چار نام آئے ہیں۔ جنّتِ عَدْنٍ [۲]، جنّتِ مأْوٰی [۳]، جنّتِ نَعِیْم [۴] اور جنّتِ فِرْدَوْس [۵]۔ گویا جنتوں کو صرف جوڑا ہی نہیں بتایا بلکہ دو جوڑے (یعنی چار) بتایا ہے۔ اور اِس طرح اُس چیز کو جس کو غیر فانی قرار دیا گیا تھا توحید کے راستہ سے ہٹا کر توحید کی دلیل بنا دیا ہے۔ کیونکہ جنت کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ عدن ہے اور خُلد ہے یعنی دائمی طور پر رہنے والی ہے۔ اور چونکہ غیر فانی چیز میں خدائی پائی جاتی ہے اِس لئے شُبہ ہوسکتا تھا کہ شاید جنت میں بھی خدائی پائی جاتی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ نہیں وہ بھی جوڑا ہے اور چونکہ وہ جوڑا ہے اس لئے اُسے بھی خدا تعالیٰ کے مقابل میں کھڑا نہیں کیا جاسکتا اور اس کے اندر کوئی خدائی نہیں پائی جاتی۔ اِسی طرح وہ چیز جو خدا تعالیٰ کی احدیت میں شُبہ پیدا کرسکتی تھی اُس کو بھی جوڑا بنا کر خدا تعالیٰ کی احدیت کو پھر قائم کر دیا اور وہی چیز جو توحید میں شبہ ڈال سکتی تھی اُس کو توحید کی دلیل بنا دیا ہے۔ پھر اگلی دنیا میں جن جنتوں کا ذکر کیا ہے اُن میں سے ہر ایک جنت کو پھر جوڑا قرار دیا گیا ہے گویا اس طرح چار جنتوں کو آٹھ جنتیں بنا دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ۔ [۱۶] یعنی اگلے جہان کی ہر جنت جنّتِ نَعِیْم ہو یا جنّتِ مأْوٰی، جنّتِ فِرْدَوْس ہو یا جنّتِ عَدْن اس کے بھی دو دو حصّے ہونگے اور اس کے ہر حصّہ کا پھل جھکا ہوُا ہوگا۔ اوّل تو جنتِ نعیم اکیلی نہیں۔ جنّتِ نَعِیْم کے ساتھ جنّتِ عَدْنٍ بھی ہے۔ اور پھر جنّتِ مأوٰی بھی ہے اور جنّتِ فردوس بھی ہے گویا چار جنتیں ہیں۔ مگر وہ چاروں جنتیں آگے پھر دو دو جنتیں ہیں اور ان کے ہر حصّہ کا پھل جھکا ہوُا ہوگا اور مؤمن کو آسانی سے مِل جائے گا۔

قومِ عاد کے دو باغات کا ذکر

پھر اس دنیا کی جنتوں کا جہاں ذکر فرماتا ہے وہاں بھی اُس کو جوڑا کی شکل میں ظاہر کرتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں جہاں ایک قوم کے باغوں کا ذکر آتا ہے وہاں بھی اُسکو دو باغ قرار دیا ہے فرماتا ہے وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ۔ [۱۷]

یعنی عاد کی قوم کے پاس بھی دو جنتیں تھیں۔ ہم نے ان جنتوں کو تباہ کر دیا اور اُس کی جگہ نہایت بُرے پھل والے درخت لگا دیئے جو بدمزہ تھے، کڑوے تھے اور کھٹے تھے۔ **خمطٍ** کے معنے ایسی چیز کے ہوتے ہیں جو کھٹّی اور کڑوی ہو۔ یعنی وہ ایسے پھل دینے لگے جو کڑوے بھی تھے اور کھٹّے بھی۔ یہاں بھی درحقیقت روحانی پھل مراد ہیں کیونکہ عاد اور ثمود کی تباہی کے بعد جن کے پھل سخت کڑوے اور بدمزہ ہو چکے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تھے۔ اِسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اِن لوگوں کی جنتوں کو تباہ کر دیا اور اس کی جگہ نہایت بُرے پھل والے دو باغ ان کو دیئے یعنی اچھے پھل والے باغ ابراہیمؑ کو مِل گئے اور بُرے پھل والے باغ عاد کو مل گئے۔

موسوی قوم کے دو باغات کا ذکر

سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ موسوی قوم کے متعلق بھی فرماتا ہے۔ **وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلاً رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّ حَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّ جَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعاً۔ كِلۡتَا الۡجَنَّتَيۡنِ اٰتَتۡ اُكُلَهَا وَلَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡـًٔا وَّ فَجَّرۡنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا**[18]

یعنی تو اُنکے سامنے اُن دو شخصوں کی حالت بیان کر جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے اور انہیں ہم نے کھجور کے درختوں سے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کچھ کھیتی بھی پیدا کی تھی۔ ان دونوں باغوں نے اپنا اپنا پھل خوب دیا اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کیا اور اُن کے درمیان ہم نے ایک نہر بھی جاری کی ہوئی تھی۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو جنتیں عطا فرمائیں اور ان دونوں جنتوں میں فاصلہ رکھا اور چونکہ یہ باغ کنارہ کی طرف جاتے جاتے کمزور پڑ گئے۔ اس لئے ایک باغ اور دوسرے باغ کے درمیان کھیتیاں بنا دی گئیں۔ چنانچہ موسوؑی باغ اور عیسوؑی باغ کے درمیان داوٗدؑ کے اتباع کا زمانہ آیا۔ اِسی کی طرف اِس میں اشارہ ہے کہ موسیٰؑ کا باغ چلے گا اور جاتے جاتے داوٗدؑ کے زمانہ کے بعد اس میں تنزّل شروع ہو جائے گا اور وہ کھیتیاں بن جائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے **وَ جَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا۔** ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان کچھ کھیتی بھی پیدا کی تھی۔ یعنی ایک طرف عیسوی باغ تھا اور ایک طرف موسوی باغ اور ان کے درمیان ہم نے کھیتی پیدا کر دی۔ یعنی داوٗدؑ کی نسل پر وہ زمانہ آیا جب کہ بخت نصر نے یہودیوں کو تباہ کر دیا۔ اُن کے معبد گرا دیئے اور انہیں قید کر کے لے گیا۔ پس اُن اتباع کا جو زمانہ تھا یا

حزقی ایلؑ اور دانی ایلؑ کا زمانہ تھا وہ کھیتیوں کا زمانہ تھا یعنی اُنکی مثال ایک کھیتی کی سی تھی نہ کہ باغ کی جو کہ غَنَمُ الْقَوْم کے چر جانے کے خطرہ میں ہوتی ہے۔ یعنی جب قوم کمزور پڑ جاتی ہے تو دشمن قومیں اس کو لوٹ سکتی ہیں۔ اِسی کو قرآن کریم میں دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے کہ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ۔[۱۹]

پاس کی ہمسایہ قوموں کے جو جانور تھے اور بھیڑیں وغیرہ تھیں وہ اس کھیتی میں چر گئیں۔ یعنی اِردگرد جو بخت نصر کا علاقہ یا رومی علاقہ تھا انہوں نے آ کر موسوی کھیتی کو اپنے آگے رکھ لیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ درمیان میں نہر ہوگی۔ یعنی آخری زمانہ اور موسوی زمانہ کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا جائے گا۔ چنانچہ موسوی قوم کی دو ترقیوں کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور انہوں نے موسوی باغ کے لئے نہر کا کام دیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دو باغ عطا کئے جانے کا وعدہ

یہی سلسلہ دُہرانے کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وعدہ فرمایا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلاً شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔[۲۰]

اے مکّہ والو! ہم نے تمہاری طرف بھی ایک رسول تمہارا نگران بنا کر بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف موسیٰؑ کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ یعنی محمدؐ رسول اللہ مثیلِ موسیٰؑ ہیں اور موسیٰؑ کی قوم کے حالات ایک رنگ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پیش آئیں گے۔ یعنی ان کو بھی دو باغ ملیں گے اور موسیٰؑ کی طرح اُنکے زمانۂ نبوت میں بھی ایک باغ تو وہ ہوگا جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بغیر کسی اور مأمور کی مدد کے چلے گی۔ لیکن آخر میں اسلام کے تنزّل کا دَور آجائے گا اور وہ کھیتیوں کی طرح رہ جائے گا۔ تب اللہ تعالیٰ موسوی سِلسلہ کی طرح ایک مسیحِ محمدیؐ بھیجے گا جس کی اُمت دوسرے باغ کی حیثیت رکھے گی لیکن ہوگی وہ بھی محمدؐ رسول اللہ کی اُمت اور اس کا باغ بھی محمدؐ رسول اللہ کا باغ ہی کہلائے گا لیکن اس فرق سے کہ چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰؑ سے افضل ہیں موسوی سِلسلہ کے دوسرے حصّہ کی بنیاد جس مسیح سے پڑی تھی وہ مستقل نبی تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے باغ کی بنیاد جس مسیح سے پڑے گی وہ امتی نبی ہوگا۔ یعنی وہ خود بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ہوگا اور اُس کے ماننے والے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہی ہونگے۔ پس اس کی کوئی جُدا امت نہیں ہوگی بلکہ اس کے ماننے

والے اُس کے مرید کہلائیں گے۔ جیسا کہ جماعتِ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرید کہلاتی ہے لیکن امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہلاتی ہے۔

اُمتِ محمدؐیہ کا بلند مقام

چنانچہ اس کا ثبوت کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے اُمّتی نبی آتے رہیں گے سورۃ نساء رکوع ۹ آیت ۷۰ سے ملتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِيْقًا[۲]
یعنی اے لوگو! یاد رکھو ہمارے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا درجہ ہے کہ جو کوئی اللہ کی اطاعت کرے وَالرَّسُوْلَ اور اس رسول یعنی محمدؐ رسول اللہ کی اطاعت کرے، فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وہ اُن لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا۔ وہ کون لوگ ہیں۔ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وہ نبی اور صدیق اور شہداء اور صالحین ہیں۔ یعنی آپؐ کی اُمت میں داخل ہونے والے آپکے فیض سے مستفیض ہو کر اور آپؐ کے نور سے منوّر ہو کر اور آپکی روشنی کو حاصل کر کے اور آپکے درس سے سبق سیکھ کر نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین کے مقام کو پہنچیں گے۔ لیکن فرماتا ہے یہ درجے صرف محمدؐ رسول اللہ کی اُمت میں مل سکتے ہیں کسی غیر کو حاصل نہیں ہو سکتے کیونکہ اَلرَّسُوْلَ کی اطاعت یعنی محمدؐ رسول اللہ کی اطاعت سے ہی نبی اور صدیق وغیرہ بن سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی دوسری آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے نبیوں کی اطاعت کر کے انسان صدیق۔ شہید اور صالح بن سکتا ہے مگر نبی نہیں بن سکتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح سب درجے حاصل کر سکتا ہے۔

فلسطین اور کشمیر کے متعلق خدائی وعدہ

پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باغ مِل گئے۔ ایک باغ مسیح موعودؑ کے ظہور سے پہلے زمانہ میں اور ایک باغ مسیح موعودؑ کے ظہور کے بعد کے زمانہ میں۔ چنانچہ پہلے زمانہ میں دُنیوی لحاظ سے وہی باغ آپ کو ملا جو موسیٰؑ کی اُمت کو دُنیوی لحاظ سے مِلا تھا یعنی فلسطین اور کشمیر کا علاقہ۔ فلسطین میں بھی بڑے باغات ہیں۔ مَیں نے ۱۹۲۴ء میں جب سفر کیا تو فلسطین بھی گیا تھا۔ مَیں ریل میں دمشق سے بیروت آیا جب بیروت کے قریب پہنچے تو مَیں نے دیکھا کہ ریل شہر کے اندر داخل ہو رہی ہے اور ہر گھر میں باغیچے لگے ہوئے ہیں۔ اور دمشق میں مَیں نے دیکھا کہ

گھر گھر میں نہریں جاری تھیں اور ہر گھر میں باغ لگا ہوًا تھا۔ اِسی طرح کشمیر کا حال ہے کہ وہاں چپّے چپّے پر باغ ہے کچھ خودرَو اور کچھ مغل بادشاہوں کے لگائے ہوئے۔ پس قرآن کہتا ہے کہ دُنیوی لحاظ سے محمدؐ رسول اللہ کو وہی باغ ملے گا جو موسٰیؑ کی اُمت کو ملا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلسطین کا اپنے نیک بندوں کو وارث بنائے گا یعنی مسلمانوں کو۔ پھر اللہ تعالیٰ یہودیوں کو فلسطین سے نکال کر کشمیر میں لایا اور اُس نے کشمیر کے لوگوں کو مسلمان بنایا چنانچہ شیخ ہمدان ایران سے آئے اور اُن کے ذریعہ سے سارا کشمیر مسلمان ہو گیا۔

محمدؐ رسول اللہ کو موسوی باغ ملنے کی انجیل میں پیشگوئی

یہ خبر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موسوی باغ مل جائے گا اِس کا ذکر انجیل میں حضرت مسیحؑ نے بھی کیا ہے۔ انجیل میں آتا ہے:۔

''پھر وہ انہی تمثیلوں میں کہنے لگا کہ ایک شخص نے انگور کا باغ لگایا۔ اور اُس کی چاروں طرف گھیرا اور کولھو کی جگہ کھودی اور ایک بُرج بنایا اور اسے باغبانوں کو سپرد کر کے پردیس گیا۔ پھر موسم میں اُس نے ایک نوکر کو باغبانوں کے پاس بھیجا تا کہ وہ باغبانوں سے انگور کے باغ کے پھل میں سے کچھ لے۔ انہوں نے اُسے پکڑ کے مارا اور خالی ہاتھ بھیجا (چونکہ یہ مثال ایک روحانی سِلسلہ کی ہے اس لئے باغ کے مالک سے مراد خدا تعالیٰ ہے) اُس نے دوبارہ ایک اور نوکر کو اُن کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اُس پر پتھر پھینکے اُس کا سر پھوڑا اور بے حُرمت کر کے پھیر بھیجا۔ پھر اُس نے ایک اَور کو بھیجا۔ انہوں نے اُسے قتل کیا۔ پھر اور بہتیروں کو۔ اُن میں سے بعض کو پیٹا اور بعض کو مار ڈالا۔ اب اُس کا ایک ہی بیٹا تھا (یعنی خود مسیح) جو اُس کا پیارا تھا آخر کو اُس نے اُسے بھی اُن کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وے میرے بیٹے سے دبیں گے۔ لیکن ان باغبانوں نے آپس میں کہا۔ یہ وارث ہے آؤ ہم اِسے مار ڈالیں تو میراث ہماری ہو جائے گی۔ اور انہوں نے اسے پکڑ کے قتل کیا (اِس میں مسیح کے صلیب پر لٹکائے جانے کی پیشگوئی تھی) اور انگور کے باغ کے پَرے پھینک دیا (یعنی فلسطین سے نکالا اور نصیبین بھیج دیا جہاں سے وہ کشمیر چلا گیا) پس باغ کا مالک کیا کہے گا۔ وہ آوے گا اور اُن باغبانوں کو ہلاک کر کے

انگوروں کا باغ اَوروں کو دے گا (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئیں
گے اور اُن باغبانوں کو یعنی یہودیوں کو وہاں سے نکال دینگے اور اپنی اُمت کو
دے دینگے)''۲۲؎

اِس جگہ خود مسیحؑ نے محمدؐ رسول اللہ کے رُوحانی بادشاہ ہونے کا اعلان کیا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا مظہر اور موسیٰؑ کو محض ایک کارندہ ثابت کیا ہے۔ اِس پیشگوئی سے ظاہر ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ فلسطین اور امتِ موسویہ کا باغ محمدؐ رسول اللہ کے حوالے کر دے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باغ مِل جائیں گے۔ دو مادی اور دو روحانی۔ مادی فلسطین اور کشمیر اور روحانی مسیحِ موسوی کی اُمت اور مسیحِ محمدیؐ کے متبع۔

کشمیر اور فلسطین میں جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات

اب دونوں مادی باغوں کو دیکھ لو۔ کشمیر میں بھی خدا کے فضل سے جو لوگ اس عزم کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہم نے سارا ملک ہی مسلمان بنانا ہے وہ احمدی ہیں اور فلسطین میں بھی ایک ہی جماعت بیٹھی ہے اور وہ احمدی ہیں۔ یہ چیز بتاتی ہے کہ یہ پیشگوئی جو محمدؐ رسول اللہ کے ہاتھ میں فلسطین اور کشمیر لانے والی ہے احمدیوں کے ہاتھ سے ہی پوری ہوگی۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر میرے زمانہ میں دس یہودی بھی مسلمان ہو جائیں تو سارے یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک یہودی عالِم مسلمان ہؤا دو بھی نہیں ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی مبلّغ جو یہودی فلسطین کو اسلامی فلسطین بنانے کے لئے وہاں موجود ہیں ان کے ذریعہ سے اِسوقت تک تین یہودی مسلمان ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے ایک بڑا مستشرق پروفیسر ہے، ایک ڈاکٹر ہے اور ایک تاجر پیشہ ہے اور ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ یہودی قوم کو پھر مسلمان بنائے گا اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اور بجائے اس کے کہ مسلمانوں کو توپیں اور بندوقیں لیکر فلسطین پر حملہ کرنا پڑے یہودی آگے بڑھ کر اپنے دروازے کھولیں گے اور کہیں گے کہ اے مسلمانو! ہم بھی تمہارے مسلمان بھائی ہیں آ جاؤ۔

غرض اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے کام لے کر تم لوگ جو کہ نہایت غریب سمجھے جاتے ہو اور جن کے کپڑوں کو دیکھ کر بعض شہری امراء تو حقارت کی نگاہ سے اپنے منہ پرے پھیر

لیتے ہیں تمہارے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مقدر ہے کہ مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے تم موسوی باغ پر قبضہ کرو اور اُسے محمدؐ رسول اللہ کے حوالے کرو۔ محمدؐ رسول اللہ کا مادی باغ کشمیر اسوقت ہندوؤں کے قبضہ میں ہے اور فلسطین یہودیوں کے قبضہ میں ہے مگر خدا تعالیٰ احمدیوں کے ذریعہ سے یہ دونوں باغ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس دلائے گا۔ اِسی طرح دونوں روحانی باغ بھی محمدؐ رسول اللہ کو مل جائیں گے یعنی مسیح موسوی کی اُمت بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پَیروؤں کے ذریعہ سے دوبارہ فتح کی جائے گی اور اسلام لائے گی اور پھر محمدؐ رسول اللہ کا باغ بن جائے گی اور مسیحِ محمدیؐ کے متبع جو ہیں وہ تو ہیں ہی شروع سے محمدؐ رسول اللہ کے۔ کہتے ہیں۔ ''کِس دی گولی تے کِس دے گہنے۔'' ہم تو ہیں ہی محمدؐ رسول اللہ کے غلام اور آپ کے باغ کے بُوٹے۔ ہم تو ہر وقت آپؐ ہی کی ملکیت ہیں۔ کبھی آپؐ کے حلقہء اطاعت سے باہر گئے ہی نہیں۔ موسوی سِلسلہ کے لوگ یعنی یہودی وغیرہ بے شک نکلے اور باہر گئے مگر اُنکو بھی ہم محمدؐ رسول اللہ کے دروازہ پر لائیں گے اور ہم تو ہیں ہی آپ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے۔ اس دروازہ کو ہم نے کبھی نہیں چھوڑا نہ چھوڑیں گے اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تعالیٰ بلکہ مسیحِ ناصریؑ کی اُمت جو عیسائی ہے اور حضرت موسیٰؑ کی براہِ راست اُمت جو یہودی ہے ان دونوں کے باغوں میں سے بھی روحانی پودے نکال نکال کر ہم محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں لگاتے رہیں گے یہاں تک کہ محمدؐ رسول اللہ کا باغ آباد ہو جائے گا اور موسیٰؑ کا باغ بھی محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں شامل ہو جائے گا۔

محمدؐ رسول اللہ کا باغ دُنیا کے چپّہ چپّہ پر پھیل جائے گا

محاورۂ زبان میں بھی جسمانی یا رُوحانی اولاد درخت کہلاتی ہے۔ چنانچہ پنجابی والے تو خوب جانتے ہیں کہ جب کسی عورت کا بچہ مرجاتا ہے اور وہ بَیْن ڈالتی ہے تو کہتی ہے ''ہائے میرا باغ اُجڑ گیا، ہائے میرا بُوٹا کِس نے پُٹ لیا۔'' تو ہمارے ملک میں بچّے اور اولاد کو بھی بُوٹا اور باغ ہی کہتے ہیں۔ مگر لطیفہ یہ ہے کہ لوگ باغ لگاتے رہے اور باغ محمدؐ رسول اللہ کو مِل گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کوشش کر کے یہودی بنائے اور اُن کو فلسطین میں قائم کیا۔ خدا نے محمدؐ رسول اللہ کو بنا بنایا فلسطین دے دیا۔ موسیٰ کی قوم ہجرت کر کے کشمیر آئی اور کشمیر بنا بنایا خدا نے محمد رسول اللہ کو دے دیا اور اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لگایا ہوا باغ بھی محمدؐ رسول اللہ کو ہی مِل گیا۔ دنیا کے کناروں تک احمدی مبلّغ تبلیغ کرتے ہیں اور لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھوا کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں یعنی جو درخت

بھی اُن کو مِلتا ہے وہ لا کر محمدؐ رسول اللہ کے چمن میں لگا دیتے ہیں۔ موسیٰؑ کے باغ میں تو صرف ایک بڑا درخت پیدا ہوا تھا جس کا نام داؤدؑ تھا۔ مگر محمدؐ رسول اللہ کے چمن کا ایک درخت یعنی مسیحِ موعود دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں ہی محمدؐ رسول اللہ کے چمن کا داؤد نامی درخت نہیں بلکہ مجھ سے اور بیج بھی نکلنے والے ہیں جن سے بہت سے داؤد پیدا ہونگے اور محمدؐ رسول اللہ کے چمن میں ہزاروں داؤدی شجر پیدا ہو جائیں گے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

''اِک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے۔''

یعنی میں محمدؐ رسول اللہ کے باغ کا ایک درخت ہوں جو خود ہی داؤد نہیں بلکہ میرے اندر جو پھل لگ رہے ہیں وہ بھی داؤد ہیں۔ یعنی مَیں ہی داؤد نہیں بلکہ میرے ماننے والے مریدوں میں سے بھی ہزاروں داؤد پیدا ہونگے اور پھر فرماتے ہیں:-

مَیں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار [۲۳]

اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی تعداد پر فخر ہے تو میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار نسلیں دے گا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باغ دنیا میں چپّہ چپّہ پر پھیل جائے گا۔ زمین کا کوئی گوشہ نہیں ہوگا جس میں محمدؐ رسول اللہ کا باغ نہ لگا ہوا ہو اور دنیا کا کوئی انسان نہیں ہوگا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی کَلی نہ کِھلی ہوئی ہو۔

ابوجہل کے باغ کا درخت عکرمہؓ محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں لگایا گیا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہی نمونہ اللہ تعالیٰ نے دکھایا اور لوگوں کے لگائے ہوئے درخت آپؐ کے چمن میں لا کر لگا دیئے۔ چنانچہ ابوجہل کے باغ کا انگور کا درخت عکرمہؓ وہاں سے اُکھیڑ کر آپؐ کے باغ میں لا کر لگا دیا گیا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اِسی خیال کا اظہار فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ جنت سے انگور کا ایک خوشہ لایا۔ جب مَیں نے اُس سے پوچھا کہ یہ خوشہ کس کے لئے ہے؟ تو اس نے کہا ابوجہل کے لئے۔ اِس پر مَیں گھبرا گیا کہ کیا خدا کا رسول اور اُسکا دشمن دونوں جنت میں ہونگے؟ عکرمہؓ ابوجہل کا بیٹا مسلمان ہوا تو مَیں نے سمجھا کہ یہ اِس خواب کی تعبیر ہے۔ [۲۴] اِس سے

معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے انگور کا خوشہ تو ابو جہل کے گھر میں آنا تھا مگر اُسوقت آنا تھا جب اُس کے باغ میں سے عکرمہؓ کے انگور کا درخت اُکھیڑ کر محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں لگایا جانا تھا۔

خالدؓ بھی ولید کے چمن سے اُکھیڑ کر محمدؐ رسول اللہ کے چمن میں لگایا گیا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے مشہور دشمن ولید اور عاص بن وائل تھے۔ ولید کا بیٹا خالدؓ تھا۔ وہ ولید کے چمن سے اُکھیڑ کر محمدؐ رسول اللہ کے چمن میں لگا دیا گیا اور آج عالمِ اسلام خالدؓ بن ولید جیسے بہادر جرنیل کے کارناموں پر فخر کرتا ہے۔ وہ بوٹا تھا محمدؐ رسول اللہ کے ایک شدید دشمن کا لیکن اُس نے پھل تب دینے شروع کئے جب اُسے محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں آ کر لگایا گیا اِس سے پہلے وہ مکّہ کے ایک نمبر دار کا بیٹا تھا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ میں لگنے کے بعد روم اور کسریٰ کے بادشاہ اُس کے سائے میں بیٹھنے لگ گئے۔ اِسی طرح اَور بھی بہت سی مثالیں اُس زمانہ کے لوگوں کی ملتی ہیں۔

وہ درخت جو براہِ راست محمدؐ رسول اللہ نے لگائے

اِس کے علاوہ آپؐ کے باغ کے کچھ درخت وہ تھے جو براہِ راست آپؐ نے لگائے تھے جیسے ابو بکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ اور علیؓ۔ ابو بکرؓ کے خاندان کی ایسی ادنیٰ حالت تھی کہ اُن کے خلیفہ ہونے پر کوئی شخص دَوڑا دَوڑا گیا اور جا کر اُس نے آپ کے باپ کو اطلاع دی۔ ابو قحافہؓ اُن کا نام تھا، وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کو کہنے لگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں لوگ بڑے گھبرائے اور انہوں نے کہا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا بنے گا؟ وہ کہنے لگا اُن کے بعد ایک خلیفہ مقرر ہو گیا ہے۔ لوگوں نے کہا کون خلیفہ ہؤا ہے؟ اُس نے کہا ابو بکرؓ! ابو بکرؓ کا باپ اپنے آپکو اِتنا ادنیٰ سمجھتا تھا کہ ابو قحافہؓ کہنے لگا کون ابو بکرؓ! اُس نے کہا۔ ابو بکرؓ تمہارا بیٹا۔ وہ کہنے لگا ہیں! میرے بیٹے کو عربوں نے سردار مان لیا ہے؟ کیا مکّہ کے قریش اور بنو ہاشم اور بنو عبد شمس نے میرے بیٹے کی بیعت کر لی ہے یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ ابھی تک اُس کا ایمان کمزور تھا۔ اُس نے کہا سب نے کر لی ہے۔ ہر اک نے آگے آگے بڑھ کر بیعت کی۔ عمر خطابؓ نے بھی کی، عثمانؓ نے بھی کی اور باقی صحابہؓ نے بھی کی اور مہاجرین نے بھی کی اور انصار نے بھی کی۔ جب اُس نے یہ سُنا تو اُس پر اتنا اثر ہؤا کہ اُس کے دل کی جو کمزوریٔ ایمان تھی وہ دُور ہوگئی۔ اور کہنے لگا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اگر

محمدؐ رسول اللہ کے بعد لوگوں نے میرے بیٹے کی بیعت کر لی ہے اور محمدؐ رسول اللہ کا اتنا اثر ہے اور اتنی برکت ہے تو پھر اُن کے خدا کا رسول ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔[۲۵]

حضرت ابوبکرؓ کا قیصر و کسریٰ پر رُعب

لیکن اِدھر تو یہ حالت تھی کہ باپ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ میرا بیٹا خلیفہ ہوسکتا ہے اور اُدھر یہ حالت تھی کہ ابوبکرؓ آرام سے ایک کچّی کوٹھڑی میں مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن قیصر اپنے محل میں اُن کے نام سے کانپ رہا تھا اور کسریٰ اپنے محل میں ایران میں بیٹھا ہوُا ہزار میل پر کانپ رہا تھا۔ ابوبکرؓ ابوقحافہؓ کا بیٹا جس کو مکّہ میں بھی کوئی عظمت حاصل نہیں تھی وہ مدینہ کی کچی کوٹھڑی میں بیٹھا تھا لیکن قیصر قسطنطنیہ میں ایک بڑے پکّے محل میں بیٹھا ہوُا تھا اور کسریٰ ایران میں ایک بڑے پکّے محل میں بیٹھا ہوُا تھا لیکن ابوبکرؓ کا نام آتا تھا تو کانپ جاتے تھے۔ یہی حال عمرؓ کا تھا، یہی حال عثمان رضی اللہ عنہ کا تھا، یہی حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔

شاہِ روم کا حضرت عمرؓ سے تبرّک منگوانا

حضرت عمرؓ کا سایہ تو اِتنا بڑھا کہ لکھا ہے ایک دفعہ رُوم کے بادشاہ کے سَر میں سخت دَرد ہوئی کسی علاج سے فائدہ نہ ہوتا تھا۔ رومی بادشاہ کو کسی نے کہا کہ آپ نے علاج تو بہت کر دیکھے اب ذرا عمرؓ سے کچھ تبرّک منگوائیے۔ سُنا ہے اُس کی چیزوں میں بڑی برکت ہے۔ شاید اس تبرّک کی برکت سے آپ کی درد ہٹ جائے۔ وہ تھا تو مخالف اور اُس کی فوجیں عمرؓ کی فوجوں کے ساتھ لڑ رہی تھیں مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ سر درد کی برداشت نہ ہوئی آخر حضرت عمرؓ کے پاس سفیر بھیجا کہ اپنا کوئی تبرّک بھیجیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی سمجھا کہ میرا کیا تبرّک ہے یہ تو محمدؐ رسول اللہ کا تبرّک ہے اور خدا اس کو محمد رسول اللہ کی قوم سے لڑنے کی وجہ سے ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے اپنی پُرانی ٹوپی جس پر دو دو اُنگل میل چڑھی ہوئی تھی وہ دے دی کہ جاؤ اور یہ ٹوپی اُس کو دے دو۔ جو تبرّک لینے آیا تھا وہ سفیر اُسکو لے گیا۔ بادشاہ کو بڑی بُری لگی اور اُس نے اُسے حقیر سمجھا۔ وہ ریشمی ٹوپیاں اور سونے کے تاج پہنے والا بادشاہ بھلا حضرت عمرؓ کی دو دو اُنگل میل والی چکنی چپٹی ٹوپی سر پر رکھنے سے کتنا گھبراتا ہوگا۔ اُس نے کہا پھینکو اس کو مَیں نہیں پہن سکتا۔ مگر تھوڑی دیر بعد جو درد کا دورہ ہوُا تو کہنے لگا لے آنا ٹوپی۔ وہ ٹوپی رکھی تو سر کا درد دُور ہو گیا اور خدا نے فضل کر دیا۔ جب درد کو ایک دن آرام رہا تو پھر دل میں کچھ خیال آیا کہ میرے جیسا بادشاہ ایسی غلیظ ٹوپی پہنے۔ کہنے لگا پھینکو پَرے اس

کمبخت کو۔ انہوں نے پھر پھینک دی مگر پھر درد ہوگئی۔ پھر اپنے درباریوں سے منتیں کرنے لگا کہ خدا کے واسطے وہ ٹوپی لاناؤ میں مرا جارہا ہوں۔ پھر سر پر ٹوپی رکھی تو آرام آ گیا۔ بہرحال وہ ٹوپی لینے پر مجبور ہوا اور اس کو سر پر رکھتا رہا۔[۲۶]

اب دیکھو حضرت عمرؓ کا درخت جو محمدؐ رسول اللہ نے لگایا تھا اُس کا کیسا لمبا سایہ تھا۔ عمرؓ مدینہ میں بیٹھا ہوا تھا اور رُوم کے بادشاہ پر اُس کا سایہ تھا۔ چنانچہ بادشاہِ روم کو بھی اُسکے نیچے بیٹھنے سے آرام آیا۔ عمرؓ کیا تھے! محمدؐ رسول اللہ کے باغ کا ایک درخت ہی تھے۔ اور روم کا بادشاہ کیا تھا؟ مسیحؑ اور موسیٰؑ کے باغ کا ایک درخت تھا۔ عام درختوں کے اندر تو یہ بات پائی جاتی ہے کہ بڑے درختوں کے نیچے اگر اُن کو لگایا جائے تو وہ سُوکھنے لگ جاتے ہیں مگر محمدؐ رسول اللہ کے باغ کا درخت عمرؓ ایسا بابرکت تھا کہ مسیحؑ اور موسیٰؑ کے باغ کا درخت جب اس کے نیچے لگایا گیا یعنی روم کے بادشاہ کے سر پر اُس کی ٹوپی رکھی گئی تو بجائے سُوکھنے کے سرسبز وشاداب ہونے لگ گیا۔ وہ برکتوں والا زمانہ تو گزر گیا مگر پھر بھی محمدؐی باغ میں ایسے ایسے درخت لگے کہ دنیا کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

معاویہ بن یزیدؒ کا ایک ایمان افروز واقعہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ میں ایک گندہ پودہ پیدا ہوا جس کا نام یزید ہے۔ یزید یزید ہی تھا مگر محمدؐ رسول اللہ کے باغ کا پودہ کہلاتا تھا۔ اُس کے گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوا تو اُس نے اُس کا نام بھی اپنے باپ کے نام پر معاویہ رکھا۔ مگر ایسے گندے باپ کا بیٹا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے اور اُن کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ایسا پھلا پھولا کہ اس کے واقعہ کو پڑھ کر لُطف محسوس ہوتا ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ یزید کی موت کا وقت آیا تو اُس نے اپنے بیٹے معاویہ کو خلیفہ مقرر کیا۔ لوگوں سے بیعت لینے کے بعد اپنے گھر چلا گیا اور چالیس دن تک باہر نہیں نکلا۔ پھر ایک دن وہ باہر آیا اور منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہنے لگا کہ مَیں نے تم سے بیعت تو لے لی ہے مگر اس لئے نہیں کہ مَیں اپنے آپ کو تم سے بیعت کا زیادہ اہل سمجھتا ہوں بلکہ اس لئے کہ مَیں چاہتا تھا کہ تم میں تفرقہ پیدا نہ ہو اور اُس وقت سے لیکر اب تک مَیں گھر میں یہی سوچتا رہا کہ اگر تم میں کوئی شخص لوگوں سے بیعت لینے کا اہل ہو تو مَیں یہ امارت اُس کے سپرد کر دوں اور خود بری الذمہ ہو جاؤں۔ مگر باوجود بہت غور کرنے کے مجھے تم میں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا اس لئے

اے لوگو! یہ اچھی طرح سُن لو کہ مَیں اِس منصب کے اہل نہیں ہوں اور یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میرا باپ اور میرا دادا بھی اس منصب کے قابل نہیں تھے۔ میرا باپ یزید حسینؓ سے درجہ میں بہت کم تھا اور اُس کا باپ یعنی معاویہ حسنؓ حسینؓ کے باپ یعنی حضرت علیؓ سے کم درجے والا تھا اور اس کے بعد بہ نسبت میرے دادا اور باپ کے حسنؓ اور حسینؓ خلافت کے زیادہ حقدار تھے اس لئے مَیں اِس امارت سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ جس کی چاہو بیعت کرلو۔ اُس کی ماں اُسوقت پردہ کے پیچھے اُس کی تقریر سُن رہی تھی۔ جب اُس نے بیٹے کے یہ الفاظ سُنے تو کہا کمبخت! تُو نے اپنے خاندان کی ناک کاٹ دی ہے اور اُس کی تمام عزّت خاک میں ملا دی ہے۔ وہ سُنکر کہنے لگا کہ جو سچی بات تھی وہ مَیں نے کہہ دی ہے۔ اب آپ کی جو مرضی ہو مجھے کہیں۔ چنانچہ اس کے بعد وہ اپنے گھر میں بیٹھ گیا اور تھوڑے دن گزرنے کے بعد وفات پا گیا۔ [۲۷]

تعجب ہے کہ یہ تاریخ شیعوں کی لکھی ہوئی ہے مگر باوجود اس کے افسوس ہے کہ شیعہ اصحاب نے اُس مُردار جھاڑی یعنی یزید کو تو یاد رکھا جو یزید بن معاویہ کہلاتی ہے مگر محمدؐ رسول اللہ کے اُس خوشنما پودے کو یاد نہ رکھا جو معاویہؒ ابن یزید کہلاتا ہے۔ حالانکہ لوگ اپنے باپ کے باغ کی تعریفیں کیا کرتے ہیں مگر اس میں جو اتفاقاً ایک بُرا پودا یزید کا نکل آیا تھا اُس کو تو شیعہ یاد رکھتے ہیں مگر یزید کے گھر میں جو بیٹا معاویہؒ پیدا ہوا اور جس نے اتنے فخر سے اور عَلَی الْاِعْلان کہا کہ حسنؓ و حسینؓ میرے باپ سے اچھّے تھے اور میرے دادا سے بھی اچھے تھے اور علیؓ میرے دادا سے اچھّے تھے اور وہ خلافت کے زیادہ مستحق تھے اُس بیچارے کا نام بھی کوئی نہیں لیتا۔ حالانکہ **چاہئے تھا کہ محرّم کے موقع پر بجائے یزید کے معاویہؒ کا ذکر کیا جاتا کیونکہ یزید کے ذریعہ سے تو صرف اتنا ہی پتہ لگتا ہے کہ ایک گندی جھاڑی محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں تھی مگر معاویہ بن یزید کے ذریعہ سے یہ پتہ لگتا ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں ایک گندی جھاڑی نکلی تھی مگر اس کے بیجوں سے پھر خدا نے ایک شاندار درخت پیدا کر دیا۔**

محمدی باغات کے نمونے

بے شک ایسی مثالیں شاذ و نادر ہوتی ہیں مگر پھر بھی محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد عمر بن عبدالعزیز بھی ایک ایسا ہی پودا آپؐ کے باغ میں پیدا ہوا اور پھر مادی باغوں سے علیحدہ ہو کر رُوحانی باغوں نے اپنی نشوونما شروع کر دی۔ محمدی باغوں میں

ایک پودا حسن بصریؒ کا لگا، ایک جنید بغدادیؒ کا لگا، ایک سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک محی الدین صاحب ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک بہاؤالدین صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک معین الدین صاحب چشتی رحمۃ اللہ کا لگا، ایک سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک قطب الدین صاحب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک فرید الدین صاحب شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک نظام الدین صاحب اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک حضرت باقی باللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک مجدد صاحب سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک خواجہ میر ناصر رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا اور سب سے آخر میں باغِ محمدیؐ کی حفاظت کرنے والے درخت مسیح موعودؑ کا پودا لگا جس کو خود مسلمانوں نے بدقسمتی سے کاٹ کر چاہا کہ محمدیؐ باغ میں لوگ گھس جائیں، بکریاں اور بھیڑیں گھس جائیں اور محمدیؐ باغ کو تباہ کر دیں۔ مگر وہ پودا اِس شان کا تھا کہ اُس نے کہا:-

ے اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر
از باغبان بترس کہ من شاخِ مثمرم

او شخص! جو کہ سَو کلہاڑے لیکر میرے کاٹنے کے لئے دَوڑا آ رہا ہے میرے باغبان خدا سے یا محمدؐ رسول اللہ سے ڈر کہ مَیں وہ شاخ ہوں جس کو پھل لگے ہوئے ہیں اگر تُو مجھے کاٹے گا تو محمدؐ رسول اللہ کا پھل کٹ جائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ محمدؐ رسول اللہ کا باغ بے ثمر رہ جائے گا۔ پس تُو مجھے نہیں کاٹ رہا تو محمدؐ رسول اللہ کے باغ کو اُجاڑ رہا ہے اور خدا کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ محمدؐ رسول اللہ کا باغ اُجڑے وہ ضرور اُس کی حفاظت کرے گا۔

محمدؐ رسول اللہ کے باغ کی حفاظت کے لئے خدا تعالیٰ کی تجلّیات

چنانچہ آسمان سے اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کی حفاظت کے لئے اُترا اور باوجود مولوی عبدالجبار، مولوی عبدالحق، مولوی احمد بن عبداللہ غزنوی، مولوی عبدالواحد بن عبداللہ غزنوی، مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی ثناء اللہ

امرتسری اور اَور سینکڑوں ہزاروں مولویوں اور مولوی نذیر حسین دہلوی کے فتووں اور دیوبندیوں کے جوش کے اور جمعیۃ العلماء کی تمام طاقتوں کے اور ۱۹۵۳ء کا فساد پیدا کرنے والے علماء کی کوششوں کے، باوجود اس کے کہ سب نے اکٹھا ہو کر حملہ کیا اللہ تعالیٰ سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو گیا کہ مَیں محمدؐ رسول اللہ کے باغ کو نہیں اُجڑنے دونگا۔ یہ تو باڑ ہے محمدؐ رسول اللہ کے باغ کی۔ مسیح موعودؑ کو تم ایک انسان سمجھتے ہو مگر فرمایا مَیں جانتا ہوں کہ یہ محمدؐ رسول اللہ کے باغ کی باڑ ہے اس کے کٹنے سے محمدؐ رسول اللہ کا باغ اُجڑتا ہے اور محمدؐ رسول اللہ میرا محبوب ہے۔ مَیں اپنے محبوب کی وفات کے بعد اُس کے باغ کو دشمنوں کو اُجاڑنے نہیں دونگا۔ تم مولوی ہو یا عالِم ہو یا لیڈر ہو مَیں تمہاری کیا پرواہ کرتا ہوں۔ مَیں محمدؐ رسول اللہ کی جُوتیوں کے برابر بھی تم کو نہیں سمجھتا۔ محمدؐ رسول اللہ کے باغ یعنی اُس کی امّت کی حفاظت کے لئے مَیں اسکو زندہ رکھونگا اور یہ ایک اَور جماعت کھڑی کرے گا جس طرح کیلے کے ساتھ اَور کیلے پیدا ہو جاتے ہیں اِسی طرح تم تو کہتے ہو کہ اِس کے جو مرید ہیں وہ شیطان ہیں اور ابلیس کے فرزند ہیں مگر مَیں بتاؤں گا کہ یہ ملائکہ ہیں جو محمدؐ رسول اللہ کے باغ کی حفاظت کے لئے آئے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی تدبیر سے مسیح موعودؑ اور پھر اُن کی جماعت کے ذریعہ سے محمدؐ رسول اللہ کے باغ کی باڑ کاٹے جانے سے بچ گئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ اس اُمت کو کیا خطرہ ہوسکتا ہے جس کے اوّل مَیں ہوں اور آخر میں مسیح موعودؑ۔ [۲۸] یعنی میرے باغ کے ایک طرف باڑ مَیں ہوں اور ایک طرف مسیح موعودؑ۔ نہ خدا مجھے کٹنے دے گا کہ میرا باغ اُجڑے، نہ خدا مسیح موعودؑ کو کٹنے دے گا کہ میرا باغ اُجڑے۔ ہم دونوں کے کاٹے جانے سے باغ محمدؐی اُجڑتا ہے اور یہ باغ خدا کا لگایا ہوا ہے خدا اپنے لگائے ہوئے باغ کو اُجڑنے نہیں دے گا۔ مَیں بھی باڑ ہوں اس باغِ محمدؐی کی اور مسیح موعودؑ بھی باڑ ہے اِس باغِ محمدؐی کی نہ وہ مجھے کٹنے دے گا اور نہ وہ مسیح موعودؑ کو کٹنے دے گا وہ باغِ محمدؐی کو آباد رکھنے کے لئے اُس کی باڑ کو سلامت رکھے گا اور قیامت تک وہ باغ چلے گا اور اس کو کوئی نہیں کاٹ سکے گا۔

باغِ محمدی کے مقابلہ میں دُنیوی بادشاہوں کے بے حقیقت باغات

اَب دیکھو ایک طرف دُنیوی بادشاہوں کے باغ ہیں، وہ کتنے چھوٹے ہیں اور کتنی کم عمر کے ہیں دوسری طرف قرآنی

محمدؐی باغ ہیں۔ پھر ایک باغ دو باغ ہیں اور اِن کی عمر اتنی لمبی ہے کہ محمدؐ رسول اللہ سے لے کر قیامت تک ممتد ہے۔ **پس کُجا وہ دُنیوی بادشاہوں کے باغ جو مَیں نے ۱۹۳۸ء میں دیکھے تھے اور کُجا یہ محمدؐ رسول اللہ کا باغ جس کا ذکر مَیں آج ۱۹۵۶ء میں کر رہا ہوں۔ اِن دونوں کا مقابلہ کرکے بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌمَّجِیْدٌ۔**

بڑی برکت والا ہے ہمارا خدا جس نے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان بھیجا جس نے قیامت تک کے لئے دنیا کی ہدایت کا بیڑا اُٹھا لیا۔ پھر بڑی برکت والا ہے وہ خدا جس نے مسیح موعودؑ جیسا غلام محمدؐ رسول اللہ کو دیا جس نے محمدؐ رسول اللہ کا باغ جب اُجڑ کے کھیتی بننے لگا تھا پھر اس کو باغ کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اور اُس کے پودوں کو دنیا کے کناروں تک پھیلا دیا تا کہ وہ ہر ملک میں جائیں، ہر قوم میں جائیں، ہر جگہ پر جا کے وہاں کے عیسٰیؑ کے باغ کے پودوں کو نکال نکال کر محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں لگائیں اور موسٰیؑ کے باغ کے پودوں کو اُکھیڑ اُکھیڑ کر محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں لگائیں، یہاں تک کہ دنیا کے چپّے چپّے میں محمدؐ رسول اللہ کا باغ لگ جائے اور نہ عیسٰیؑ کا باغ رہے نہ موسٰیؑ کا باغ رہے، وہ ساری اُجاڑ بستیاں بن جائیں۔ آباد بستی اور ہرا باغ صرف محمدؐ رسول اللہ کا ہو جو قیامت تک چلتا چلا جائے۔

۱؎ الذاریٰت :۵۰ ۲؎ الاخلاص : ۴

۳؎ **پُستکوں** :- پُستک۔کتاب۔صحیفہ

۴؎ مسلم کتاب الفضائل باب وجوب امتثال مَاقَالَهُ شرعًا

۵؎ **ٹین**

۶؎ الرحمٰن:۴۷ ۷؎ البقرۃ:۲۰۲

۸؎ الم نشرح :۶،۷ ۹؎ الانعام :۲ ۱۰؎ البقرۃ :۸۲،۸۳

۱۱؎ الرعد :۴ ۱۲؎ التوبۃ :۷۲ ۱۳؎ الحج :۲۰

۱۴؎ یونس :۱۰ ۱۵؎ الکھف :۱۰۸ ۱۶؎ الرحمٰن :۵۵

۱۷؎ سبا :۱۷ ۱۸؎ الکھف :۳۳،۳۴ ۱۹؎ الانبیاء :۷۹

۲۰؎ المزمّل:۱۶ ۲۱؎ النساء :۷۰

۲۲ ؎ مرقس باب ۱۲۔آیت ۱ تا ۹۔نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء
۲۳ ؎ درثمین اُردو صفحہ ۱۲۳۔شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ
۲۴ ؎ السیرة الحلبیه جلد ۳ صفحہ ۱۰۶، ۱۰۷ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء
۲۵ ؎
۲۶ ؎
۲۷ ؎ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۳۵
۲۸ ؎ کنزالعمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۹۔مطبوعہ حلب ۱۹۷۵ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (۱۱)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۷ء بر موقع جلسہ سالانہ ربوہ)

عَالَمِ روحانی کے لنگر خانے

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا: -

دُنیوی لنگرخانوں کے نقائص

پندرھویں چیز جو ۱۹۳۸ء کے سفر دکن میں مَیں نے دیکھی اور جس نے میرے دل کو متأثر کیا وہ شاہی لنگر خانے تھے جو غرباء کیلئے جاری کئے گئے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ بادشاہوں کے محلّات کے ساتھ ہی غریبوں کے لئے لنگر بنائے گئے تھے تاکہ وہ بھوکے نہ رہیں اور صبح وشام وہاں سے کھانا حاصل کر کے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال سکیں۔ میرے لئے یہ بات بڑی خوشی کا موجب ہوئی اور مجھے اُن کے انتظام کی تعریف کرنی پڑی لیکن جب مَیں نے سوچا اور غور کیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ بادشاہوں نے یہ لنگر تو جاری کر دیئے تھے لیکن غریب اُن سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ اکثر امراء یا اوسط درجہ کے لوگ اُن کو دھکّے دیکر پیچھے ہٹا دیتے تھے اور خوراک خود استعمال کر لیتے تھے۔ دوسرے مَیں نے دیکھا کہ ان لنگر خانوں میں جو لانگری مقرر ہوتے تھے بعض دفعہ وہ جنس خود اُڑا لیتے تھے اور بادشاہ کی لنگر جاری کرنے کی خواہش خاک میں مِل جاتی تھی۔

قرآنی لنگر کی خوبی اور اُس میں انواع واقسام کے کھانے

لیکن اس کے مقابلہ میں مَیں نے دیکھا کہ قرآنی لنگر ان تمام نقائص سے پاک تھا اور پھر قرآنی لنگر میں اتنی انواع کے کھانے تھے کہ

شاہی لنگر اُس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ نظر آتے تھے مگر ظاہر ہے کہ قرآنی لنگر میں روٹیاں نہیں ملتیں بلکہ قرآن کے ذریعہ رُوحانی تعلیم دنیا کو بانٹی جاتی ہے۔ پس قرآن کریم کے رُوحانی لنگر کے اندر انواع واقسام کے کھانوں کی موجودگی کے صرف اتنے ہی معنے ہیں کہ قرآن کریم نے ایسی کامل تعلیم پیش کی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کا کوئی رُوحانی لنگر پیش نہیں کیا جا سکتا اور یہ دعویٰ ایسا ہے جو خود قرآن کریم نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے رُوحانی لنگر کے اندر انواع واقسام کے کھانوں کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا [۱] یعنی ہم نے قرآن کریم میں ہر روحانی امر کو جس کی دنیا کو ضرورت تھی اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا ہے گویا قرآن کے روحانی لنگر میں انواع واقسام کے کھانے بٹ رہے ہیں جن کی مثال بادشاہوں کے لنگر خانوں میں تو کیا پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔

اِسی طرح قرآن میں مختلف انواع واقسام کی روحانی تعلیم کے پائے جانے کا ذکر دوسری جگہ اِس طرح کیا گیا ہے کہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ [۲] یعنی اس قرآن کے ذریعہ سے انسان کو وہ کچھ سکھایا گیا ہے جو پہلی کتبِ سماویہ میں نہیں سکھایا گیا تھا۔ گویا قرآن شریف کو نہ صرف دُنیوی لنگروں پر فضیلت ہے بلکہ سب آسمانی لنگروں پر بھی فضیلت ہے چنانچہ اس کی مثال کے طور پر مَیں فرعون کے واقعہ کو پیش کرتا ہوں۔

فرعونِ موسیٰؑ کے متعلق قرآنی انکشاف

قرآن کریم میں جو موسیٰؑ اور فرعون کے قریباً بائیس سَو سال بعد آیا ہے اُس میں یہ لکھا ہے کہ فرعون کا جسم فرعونیوں کے سمندر میں غرق ہونے کے وقت بچا لیا گیا تھا صرف اُس کی رُوح لے لی گئی تھی تا کہ وہ آئندہ عذاب اُٹھائے مگر بائیبل جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اُس زمانہ میں اُتری تھی جس زمانہ میں فرعون ڈوبا تھا اُس میں یہ سچائی کہیں بیان نہیں کی گئی۔ اب غور کرو کہ بائیس سَو سال کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک اُمّی اور اَن پڑھ تھے وہ تو اِس مضمون کو بیان کرتے ہیں کہ آج سے بائیس سو سال پہلے جب موسیٰؑ مصر سے بھاگے تھے اور فرعون نے اُن کا تعاقب کیا تھا تو خدا نے فرعون کو سمندر میں تو غرق کر دیا تھا لیکن اُس کی لاش کو محفوظ رکھا گیا تھا تا کہ وہ آئندہ آنے والے لوگوں کے لئے عبرت اور نصیحت کا موجب بنے مگر بائیبل اِس بات کو بیان نہیں کرتی حالانکہ وہ اسی زمانہ کی کتاب ہے جس زمانہ میں فرعون غرق ہؤا۔ اب تاریخ کو دیکھو تو وہ اسی بات کی تائید کرتی ہے جو قرآن کریم نے بیان کی ہے۔ چنانچہ

جو پُرانی ممیاں نکلی ہیں اُن میں فرعونِ موسیٰؑ کی ممی بھی نکلی ہے۔ مصریوں کو ایسی دوائیں معلوم تھیں کہ جب وہ میّت کے اندر وہ دوائیں ٹیکہ کے ذریعہ پہنچا دیتے تو لاشیں کئی کئی سَو سال تک محفوظ رہتی تھیں۔ اب انگریزوں نے بھی ایسی دوائیں نکال لی ہیں لیکن تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یورپ نے جو دوائیں ایجاد کی ہیں اُن کی وجہ سے لاشیں صرف تیس چالیس سال تک محفوظ رہتی ہیں اس کے بعد خراب ہونا شروع ہو جاتی ہیں مگر مصریوں کی کئی کئی ہزار سال کی ممیاں مِل گئی ہیں۔ اُن کو کئی ایسے نُسخے معلوم تھے کہ جن کی وجہ سے کئی کئی ہزار سال تک لاشیں محفوظ رہتی تھیں۔ فرعونِ موسیٰؑ کی ممی پر ہی ۳۵سَو سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور وہ ممیاں جو فرعونِ موسیٰؑ سے بھی کئی کئی ہزار سال پہلے کی مِلی ہیں ان کو لے لیا جائے تو پھر پانچ چھ ہزار سال سے وہ لاشیں محفوظ چلی آ رہی ہیں مگر یورو پین لوگوں نے ابھی تک صرف تیس چالیس سال تک کے لئے لاش کو محفوظ رکھنے کا علاج نکالا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ بہر حال ہمیں تو صرف اُس فرعون کی ممی سے غرض ہے جو فرعونِ موسیٰؑ کہلاتا ہے اور اُس کے متعلق موسیٰؑ کے بائیس سَو سال بعد قرآن نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو اُس کو خیال آیا کہ معلوم ہوتا ہے موسیٰؑ سچا ہی تھا اور مَیں اس کی مخالفت کر کے غلطی کرتا رہا۔ چنانچہ اُس نے ڈوبتے وقت کہا کہ مَیں ایمان لاتا ہوں کہ سوائے اُس خدا کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اَور کوئی خدا نہیں۔ اُسوقت اللہ تعالیٰ نے فرعون سے کہا کہ اب ایمان لاتے ہو جب کہ تم مرنے لگے ہو۔ اب تو صرف یہی ہے کہ نُنَجِّيۡكَ بِبَدَنِكَ[۳] ہم تیرے جسم کو نجات دیں گے تا کہ تو آنے والے لوگوں کے لئے نشان ہو۔ چنانچہ اُس کی لاش محفوظ رہی مگر وہ لاش تو اِس زمانہ میں مِلی ہے جبکہ قرآن کے نزول پر بھی چودہ سَو سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن قرآن کریم نے آج سے چودہ سَو سال پہلے خبر دے دی تھی کہ فرعونِ موسیٰؑ کی لاش محفوظ ہے اور اگر اس میں بائیس سَو سال کا پہلا عرصہ بھی شامل کر لیا جائے تو ۳۵ سَو سال سے یہ پیشگوئی پوری ہوتی چلی آ رہی ہے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اِس ممّی کے نام کے متعلق اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف صرف اتنا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس فرعون کے زمانہ میں حضرت موسیٰؑ علیہ السلام پیدا ہوئے اُس کا نام رعمسیس تھا اور جس فرعون کے زمانہ میں حضرت موسیٰؑ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لائے اُس کا نام منفتاح تھا مگر لاشیں دونوں کی مِل گئی ہیں۔ ایک کے متعلق کہتے

ہیں کہ یہ رعمسیس کی لاش ہے اور ایک کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ منفتاح کی لاش ہے۔ اب خواہ رعمسیس کی لاش کو فرعونِ موسیٰؑ کی لاش سمجھ لو یا منفتاح کی لاش کو زمانہء موسیٰؑ کے فرعون کی لاش کہو بات تو وہی رہی جو قرآن نے کہی تھی اور پتہ لگ گیا کہ جو کچھ قرآن نے کہا تھا وہ سچ تھا۔ فرعونِ موسیٰؑ کی لاش محفوظ رہی اور وہ اب تک محفوظ چلی آ رہی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر بائبل کے الزامات

دوسری مثال کے طور پر مَیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ پیش کرتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کے کافر بھی اُن کو کافر کہتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا[۴] یعنی سلیمانؑ نے ہرگز کفر نہیں کیا بلکہ اس کے دشمن جو خدا سے دُور تھے وہ سلیمانؑ کو کافر کہہ کے خود کافر ہو گئے تھے۔ اس آیت میں تمہارے لئے بھی ایک بڑا بھاری نکتہ ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف شریعت والے نبی کا انکار کفر ہوتا ہے دوسرے نبیوں کا انکار کفر نہیں ہوتا مگر حضرت سلیمانؑ کو نہ یہودی صاحبِ شریعت مانتے ہیں اور نہ مسلمان صاحبِ شریعت مانتے ہیں، سب کہتے ہیں کہ وہ غیر شرعی نبی تھے مگر خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا جو لوگ اُس کے دشمن تھے اور کہتے تھے کہ اِس نے کفر کیا ہے وہ خود کافر تھے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ غیر شرعی انبیاء کا انکار بھی کفر ہی ہوتا ہے پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکرین بھی اگر کہیں کہ مرزا صاحب تو شریعت لانے والے نبی نہیں تھے پھر اُن کے منکر کافر کس طرح ہو گئے تو وہ اِس بہانہ سے بچ نہیں سکتے۔ مولوی محمد علی صاحب ہمیشہ زور دیا کرتے تھے کہ شریعت والے نبی کا انکار ہی کفر ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس آیت میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ اس کے دشمنوں نے اُس کو کافر کہہ کے خود کفر کیا۔ پس جو شخص کسی سچے فرستادہ یا اُس کے ماننے والوں کو کافر کہتا ہے وہ قرآن کریم کی رُو سے خود کافر ہو جاتا ہے بلکہ اگر اِن الفاظ پر زیادہ وسیع نظر سے غور کیا جائے تو درحقیقت اس کے یہ معنے بنتے ہیں کہ کوئی کافر کہے یا نہ کہے پھر بھی صرف انکار سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

اب مَیں بتاتا ہوں کہ قرآن کریم نے تو یہ کہا ہے کہ سلیمانؑ نبی تھا کافر نہیں تھا مگر بائبل جو سلیمانؑ کے وقت کی لکھی ہوئی ہے وہ کیا کہتی ہے؟ بائبل کی کتاب ''سلاطین'' میں لکھا ہے:-

’’جب سلیمان بڑھا ہو گیا تو اُس کی بیویوں نے اُس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اُس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا۔‘‘[۵]

گویا قرآن کریم تو بائیس سَو سال بعد میں آنے کے باوجود کہتا ہے کہ سلیمانؑ نے کوئی کفر نہیں کیا لیکن بائیبل اُس زمانہ کی کتاب ہو کر کہتی ہے کہ سلیمانؑ بڑھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اُس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اُس کا اپنے خدا سے کامل تعلق نہ رہا۔ اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کا رُوحانی کھانا کتنا مزیدار ہے اور بائیبل کا کھانا کتنا خراب اور بدمزہ ہے۔ وہ اپنے زمانہ کے متعلق لوگوں کو ایک خبر دیتی ہے اور جیسا کہ مَیں آگے چل کر ثابت کرونگا حضرت سلیمانؑ پر یہ جھوٹا اتہام لگاتی ہے کہ اُس کی مشرک بیویوں نے اس کا دل خدا تعالیٰ کی طرف سے پھیر دیا اور وہ غیر معبودوں کی عبادت کرنے لگا۔ پھر لکھا ہے:-

’’خداوند سلیمان سے ناراض ہؤا۔‘‘[۶]

گویا سلیمانؑ نے صرف کفر ہی نہیں کیا بلکہ اِس حد تک کفر کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا مخالف ہو گیا اور وہ سلیمانؑ سے ناراض ہؤا۔

’’کیونکہ اُس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا۔‘‘[۷]

اور باوجود اس عظیم الشان نشان کے پھر گیا تھا کہ اُس نے

’’دوبارہ دکھائی دے کر اس کو اِسبات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے پر اُس نے وہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند نے دیا تھا۔‘‘[۸]

قرآن تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہؤا ہے۔ عام مسلمان جس پر قرآن نازل نہیں ہؤا وہ بھی اگر قرآن کی تعمیل نہ کرے تو کافر ہو جاتا ہے۔ مگر سلیمانؑ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ** اتنا کج راہ اور اتنا خطرناک کافر تھا کہ دو دفعہ خدا اس پر ظاہر ہؤا اور دو دفعہ خدا نے ظاہر ہو کر اُسے کہا کہ غیر معبودوں کی پرستش نہ کرنا مگر پھر بھی وہ اپنی بیویوں کے حُسن اور اُن کی زیبائش کو دیکھ کر خدا تعالیٰ سے اتنا پِھرا کہ غیر معبودوں کے لئے اُس نے مسجدیں بنائیں اور اُن کے آگے سجدہ کرنے لگ گیا۔

تاریخی شہادت سے قرآنی بیان کی تصدیق

مگر تاریخی شہادتوں سے پتہ لگتا ہے کہ جو قرآن نے بات کہی تھی وہی ٹھیک ہے اور جو بائیبل نے کہی تھی وہ غلط ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ خود عیسائی محققین نے اس بات

کو تسلیم کرلیا ہے کہ بائبل میں حضرت سلیمانؑ پر جھوٹا الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے غیر معبودوں کی پرستش کی اور خدائے واحد کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا جو بڑے بڑے پادریوں اور یہودی علماء نے لکھی ہے اور جس میں نہ صرف پُرانی تاریخی کتب کا نچوڑ آ گیا ہے بلکہ نئی علمی تحقیقات بھی اُس میں شامل ہیں اُس میں لکھا ہے کہ:-

''یہ بات تو صحیح ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی بہت سی بیویاں تھیں کچھ اسرائیلی اور کچھ غیر اسرائیلی لیکن نہ تو انہوں نے اُن سب کے لئے قربان گاہیں بنائی تھیں اور نہ انہوں نے اپنی بیویوں کے دیوتاؤں کی عبادت کو کبھی خدا تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ملایا تھا۔ آپ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے انکار کا کبھی تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے۔''[۹]

گویا تاریخ نے خود تسلیم کرلیا کہ بیشک حضرت سلیمانؑ کی کئی بیویاں تھیں کچھ یہودی اور کچھ غیر یہودی مگر یہ غلط ہے کہ انہوں نے سب کے لئے بُت خانے بنائے اور پھر یہ بھی جھوٹ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی بُت کو سجدہ کیا ہو۔ اب دیکھو بائبل تو یہ کہتی ہے کہ انہوں نے بتوں کو سجدے کئے اور قرآن کہتا ہے کہ نہیں کئے۔ اور آج کا محقّق یہودی اور آج کا محقّق عیسائی کہتا ہے کہ بائبل جھوٹ کہتی ہے۔ ہمارے ملک کی ایک مثل ہے۔ کہتے ہیں۔'' جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔'' اگر صرف قرآن یہ بات کہتا ہے تو عیسائی اور یہودی کہتے کہ ہم کو جھٹلانے کے لئے ایسا کہا گیا ہے مگر خدا نے خود عیسائی اور یہودی علماء کی زبان سے یہ بات کہلوادی۔ پس اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ محقّق تو تمہارے اپنے بزرگ ہیں۔ اگر اِن بزرگوں نے اپنے بزرگوں کو جھوٹا قرار دیا ہے تو تم اس کے ذمہ دار ہو ہم ذمہ دار نہیں۔ نہ اِن یہودی پادریوں کو ہم نے پڑھایا تھا اور نہ عیسائی پادریوں کو ہم نے پڑھایا، تمہارے اپنے باپ دادوں نے اِن کو پڑھایا تھا۔ پس اگر جھوٹے ہیں تو تمہارے اپنے باپ داد جھوٹے ہیں، تمہاری کلیسیا جھوٹی ہے یا یہودیوں کی مذہبی انجمن جھوٹی ہے۔ ہمارا قرآن تمہارے علماء کے اقرار کے ساتھ سچّا ثابت ہوگیا اور ظاہر ہوگیا کہ سلیمانؑ نے کبھی غیر معبودوں کی پرستش نہیں کی تھی۔

پھر اُسی'' سلاطین'' میں جس میں حضرت سلیمانؑ پر کفر کا الزام لگایا گیا ہے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو الہاماً کہا کہ

''مَیں نے ایک عاقل اور سمجھنے والا دل تجھ کو بخشا۔''[۱۰]

اب کیا عاقل اور سمجھنے والا دل شرک کیا کرتا ہے؟ پھر لکھا ہے کہ:-

''ایسا کہ تیری مانند نہ تو کوئی تجھ سے پہلے ہوا اور نہ کوئی تیرے بعد تجھ سا برپا ہوگا۔''[11]

گویا بائیبل حضرت سلیمانؑ کو اتنی عظمت دیتی اور اُسے ایسا بےنظیر آدمی قرار دیتی ہے کہ نہ تو ہزاروں سال پہلے اس جیسا کوئی آدمی ہوا اور نہ ہزاروں سال بعد اُس جیسا کوئی اَور پیدا ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کافر تھا۔ کیا ایسی کتاب کو ہم مذہبی کتاب کہہ سکتے ہیں؟ اس کتاب کے مصنّفوں کو تو پاگل خانہ میں داخل کرنا چاہئے تھا جنہوں نے ایسی متضاد باتیں لکھ دیں۔

اسی طرح لکھا ہے:-

''سلیمانؑ خداوند سے محبت رکھتا اور اپنے باپ داؤد کے آئین پر چلتا تھا۔''[12]

اگر سلیمانؑ خدا تعالیٰ سے محبت رکھتا تھا اور اپنے باپ داؤد کے طریق پر چلتا تھا تو پھر اُس کو مُشرک کہنا اور بُتوں کی فرمانبرداری کرنے والا قرار دینا کونسی معقول بات ہے۔ کتاب وہی ہے اور اُس میں یہ باتیں لکھی ہیں۔ اِن حوالجات سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ بائیبل کا الزام جھوٹا ہے اور سچ وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور جس کی رو سے حضرت سلیمانؑ شروع سے لیکر آخر تک نہایت اعلیٰ درجہ کے مؤمن اور نبی قرار پاتے ہیں۔

غرض قرآن کریم نے ایسی باتیں بیان کی ہیں جن سے پہلی کتب کُلّیۃً خالی ہیں اور یہ ثبوت ہے اِس بات کا کہ قرآن کریم ایسی سچائیوں سے پُر ہے جن میں کوئی الہامی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور قرآن کریم کے ذریعہ جو انواع و اقسام کی رُوحانی غذائیں دی گئی ہیں وہ اتنی اعلیٰ ہیں کہ اُن کی نظیر دنیا کی کسی الہامی کتاب سے پیش نہیں کی جاسکتی۔

روحانی کھانوں کے مقابلہ میں دُنیوی کھانے ایک بےحقیقت چیز ہیں

حقیقت یہ ہے کہ

دُنیوی کھانے خواہ وہ کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے ہوں اور دُنیوی نعماء خواہ وہ کتنی ہی بلند پایہ ہوں رُوحانی کھانوں اور روحانی نعمتوں کے مقابلہ میں ایک بالکل ادنیٰ اور بےحقیقت چیز ہوتی ہیں اور دنیا کے سمجھدار اور نیک فطرت لوگوں نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ جسمانی کھانا ایک

ادنیٰ چیز ہے اصل چیز روحانی کھانا ہی ہے یعنی دین کی باتیں سُننا اور اُس پر عمل پیرا ہونا۔
مَیں اس کی مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔۱۹۰۸ء میں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لاہور میں ٹھہرے ہوئے تھے لاہور کے بڑے بڑے احمدیوں نے وہاں کے بااثر لوگوں کی ایک دعوت کی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شامل ہوئے اور آپ نے اُن معززین کے سامنے ایک تقریر فرمائی لیکن اتفاقاً تقریر کچھ ایسی لمبی ہوگئی۔ خلیفہ رجب دین صاحب مرحوم جو خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے خُسر تھے اور دعوتوں کا انتظام کرنے میں بڑی مشق رکھتے تھے انہوں نے پیچھے سے آ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہنا شروع کیا کہ حضور بڑی دیر ہوگئی ہے کھانا ٹھنڈا ہورہا ہے اور بڑے بڑے معززین آئے ہوئے ہیں۔ اِس پر میاں فضل حسینؒ صاحب مرحوم کہ وہ بھی مدعووین میں سے تھے کھڑے ہوگئے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے کہا کہ حضور! دنیاوی کھانے تو ہم روز ہی کھاتے ہیں ہم تو یہاں آپ کے ہاتھ سے رُوحانی کھانا کھانے آئے ہیں سو آپ تقریر جاری رکھیں اور ہمیں اس سے محروم نہ کریں۔ اِس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقریر جاری رکھی اور تمام غیر احمدی احباب بیٹھے سنتے رہے۔
میاں فضل حسین صاحب بڑے عقلمند اور سمجھدار آدمی تھے مسلمانوں کے لیڈر تھے اور ابھی اُن کی جوانی کا وقت تھا جس میں بُھوک زیادہ لگتی ہے مگر مجھے یاد ہے وہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے بڑے جوش سے کہا کہ آپ تقریر جاری رکھیں یہ روحانی کھانا ہمیں کب نصیب ہوتا ہے۔ جسمانی کھانا تو ہم اپنے گھروں میں کھا ہی لیتے ہیں ہم جو آپ کے پاس آئے تھے تو روحانی کھانا کھانے آئے تھے اِس سے معلوم ہوُا کہ دین کی باتیں عقلمندوں کے نزدیک رُوحانی کھانا ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے ساتھ دل کو ایمانی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح ناصریؑ بھی فرماتے ہیں کہ:-

''انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ خدا کے کلام سے جیتا ہے۔''[۱۳]

پس یہ بات کہ رُوحانی غذاء ہی اصل غذا ہوتی ہے اور جسمانی غذاء اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی اِس کی حضرت مسیحؑ کے کلام سے بھی تصدیق ہوگئی اور میاں فضل حسین صاحب کے واقعہ سے بھی تصدیق ہوگئی۔ میاں فضل حسین ایک دُنیوی لیڈر تھے اور حضرت مسیحؑ دینی لیڈر تھے دونوں نے بتا دیا کہ رُوحانی کھانا ہی اصل کھانا ہوتا ہے۔

قرآنی لنگر کی کوئی چیز چُرائی نہیں جاسکتی

اِس نقطۂ نگاہ سے جب مَیں نے قرآنی لنگر کا بادشاہی لنگروں سے مقابلہ کیا تو مَیں نے دیکھا کہ قرآنی لنگر کا کھانا نہ تو لوگ ناجائز استعمال کرسکتے تھے اور نہ لانگری اُس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرسکتا تھا۔ جبکہ بادشاہی لنگروں کی یہ کیفیت تھی کہ وہ جاری تو غرباء کے لئے کئے جاتے تھے مگر کھانا آسودہ حال لوگ آ کے کھا جاتے تھے اور کچھ لانگری کھا جاتا تھا اور غریب بھوکے مرتے تھے۔ چنانچہ مجھے نظر آیا کہ قرآنی لنگر کی حفاظت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ارشاد فرمایا ہے جس میں کھلے طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ قرآنی لنگر میں کوئی چوری نہیں ہوسکتی۔ اور اگر کوئی چوری کرنے کی کوشش کرے تو وہ فوراً پکڑا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے **یَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔**[۱۴]

یعنی وہ آنکھ کے اشارے کو بھی سمجھتا ہے اور دلوں کے مخفی خیالات کو بھی سمجھتا ہے۔ پس جو لوگ قرآنی لنگر سے چوری کرنا چاہتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوتے بلکہ پکڑے جاتے ہیں۔ عام طور پر قاعدہ ہے کہ چور یہ دیکھ کر کہ کوئی دیکھتا نہیں ایک دوسرے کو آنکھ مارتے ہیں کہ چیز اُٹھا لو، کوئی خطرے کی بات نہیں لیکن قرآن فرماتا ہے کہ ہمارے لنگر میں اگر کوئی کسی کو آنکھ مارے تو اُسے وہیں پکڑ لیتے ہیں اور اُسے وہ چیز اُٹھانے نہیں دیتے بلکہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دل کی مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے دل میں یہ خیال مخفی رکھ کر آئے کہ میں قرآنی لنگر سے کوئی چیز چُراؤں گا تو وہ بھی پکڑا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اُس کے دل کی حالت کو جانتا ہے اور مالک اپنے خزانہ کو کبھی چور کے ہاتھ میں نہیں جانے دیتا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے لنگر خانہ کو جن لوگوں کے لئے مخصوص کیا ہے وہی اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں دوسرا قریب بھی نہیں جاسکتا۔ پس جیسے بادشاہی لنگر کو لانگری کھا جاتے ہیں ویسا قرآنی لنگر میں نہیں ہوسکتا۔ جب کوئی قرآنی لنگر میں چوری کرنے لگے تو فوراً خدا تعالیٰ کے فرشتے اُس کو روکنے کیلئے آگے بڑھتے ہیں اور اُسے پکڑ لیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اِسی مضمون کے متعلق ایک اور آیت بھی ہے جس میں عجیب پیرایہ میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَھُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَۃَ فَاَتْبَعَہٗ شِھَابٌ ثَاقِبٌ ۝**[۱۵]

یعنی قرآنی لنگر جو رُوحانی باتوں پر مشتمل ہے اُس کے متعلق بعض دفعہ دشمنانِ اسلام

چاہتے ہیں کہ اُس کی کچھ باتیں پہلے سے سُن لیں اور پھر اُن کو بگاڑ کر مسلمانوں کو شرمندہ کریں مگر فرماتا ہے لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی ایسے شیطان جو دشمنانِ اسلام ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ کوئی بات اُن کو معلوم ہو جائے چاہے نجوم کے ذریعہ سے یا قرآن کریم پر غور کر کے وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے بلکہ جب بھی وہ ایسا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ فوراً خدائی فرشتے آجاتے ہیں اور چاروں طرف سے انکو مار پڑتی ہے۔ دُحُوْرًا اور پھر مار بھی ایسی پڑتی ہے کہ وہ مار کھا کر وہاں کھڑے نہیں رہ سکتے بلکہ دُور چلے جاتے ہیں گویا مار اُن کو دُور لے جانے کے لئے پڑتی ہے اور اسلئے پڑتی ہے کہ انہیں بھگا کر زمین کے کناروں تک لے جایا جائے کیونکہ اگر وہ پاس ہوں تو پھر بھی امکان ہوتا ہے کہ شاید کچھ بھنبھناہٹ سُن لیں اور یہ پھر لوگوں کو جا کر دھوکا دیں۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اور پھر اُن کو پَرے ہی نہیں کیا جاتا بلکہ طرح طرح کے عذاب اُن پر نازل کئے جاتے ہیں جو ہمیشہ اُن کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ یعنی اتنے خطرناک عذاب نازل ہوتے ہیں کہ دشمن سے دشمن بھی اور اُن کا گہرا دوست بھی مان لیتا ہے کہ ان پر خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہے۔ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص بندر کی طرح جھپٹا مار کر کوئی حقیر سی غذا اُٹھا کر لے جائے۔ پس اگر بندر کی طرح وہ ایک آدھ لُقمہ اُٹھا کر لے جائے تو یہ ہو سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ اُس کا بھی ازالہ کر دیتا ہے اور اُس سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ ایک چھوٹا سا لُقمہ جس سے پیٹ بھی نہ بھرتا ہو اُس سے کسی قوم نے کیا فائدہ اُٹھانا ہے۔ پس اگر وہ قرآنی تعلیم میں سے کوئی بات اُڑا بھی لیں تو وہ بہت ہی حقیر ہو گی ایسی حقیر کہ قرآن کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکے گی اور بہرحال قرآن ہی اس پر غالب آئے گا۔

قرآنی لنگر کے ہمیشہ جاری رہنے کی پیشگوئی

جسمانی اور رُوحانی لنگر کا مقابلہ کرتے ہوئے مَیں نے یہ بھی دیکھا کہ جسمانی لنگر تو کب کے خاموش ہو چکے ہیں لیکن قرآنی لنگر کے ہمیشہ زندہ رہنے کی پیشگوئی قرآن کریم میں مذکور ہے۔ چنانچہ اُس نے فرمایا اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ o اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ o[۱۶]

اَے محمدؐ رسول اللہ! ہم تجھے ایک ایسے روحانی بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا ہی سخی ہو گا۔ پس چاہئے کہ تُو اُس کے پیدا ہونے کی خوشی میں اپنے ربّ کے فضل کی وجہ سے اُس آنے والے

روحانی بچہ کے لئے بہت دُعائیں کرتا رہ اور کثرت سے اُس کی پیدائش کی خوشی میں قربانیاں کر تا کہ ایک وسیع لنگر جاری ہوجائے اور لاکھوں کروڑوں آدمی اُس سے فائدہ اُٹھائیں اور یقین رکھ کہ تیرا دشمن ہمیشہ نرینہ اولاد سے محروم رہے گا۔

عربوں میں رواج تھا کہ وہ بچہ کی پیدائش پر بہت قربانیاں کرتے تھے۔ لڑکی کو تو وہ زندہ دفن کر دیتے تھے اُس پر قربانیاں کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، صرف نرینہ اولاد پر وہ قربانیاں کیا کرتے تھے۔ پس فرمایا کہ تیرے ہاں ایک زمانہ میں ایک ایسا بیٹا پیدا ہوگا جو اُمتّی نبی ہوگا اور نَر ہوگا کیونکہ عورت نبی نہیں ہوتی۔ اس کی خوشی میں تُو قربانیاں کر یعنی دُنیوی لنگر بھی جاری کر اور اُسکی تسبیح وتحمید بھی کر۔ یعنی روحانی لنگر بھی جاری کر اور یقین رکھ کہ تیرا دشمن ہمیشہ اس دنیا میں بے اولاد رہے گا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر مرد کو یہ فضیلت ہے کہ مردوں میں سے تو کامل مومن ہو سکتے ہیں جو دوسروں پر حکومت کرنے کے اہل ہوں لیکن عورتوں میں سے کوئی ایسی عورت نہیں ہوسکتی جو تمام مردوں پر حکومت کرنے کی قابلیت رکھتی ہو۔ آجکل مساوات پر بڑا زور دیا جاتا ہے لیکن یہ دعویٰ کبھی کسی عیسائی پادری نے نہیں کیا کہ عورت تمام مردوں پر حکومت کرسکتی ہے۔ مثلاً ملکہ کو ہی لے لو، اُس کو گھر میں خاوند کے ماتحت چلنا پڑتا ہے اور چاہے اُسے تخت پر ہی لاکر بٹھائیں گھر میں وہ خاوند کے ماتحت ہوتی ہے۔ بے شک بعض عورتیں ایسی بھی ہوئی ہیں جنہوں نے شادی نہیں کی لیکن شادی نہ کرنے سے اُن کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈرتی تھیں کہ مرد آ گیا تو ہم پر حکومت کریگا مثلاً رضیہ سلطانہ نے جو غلام خاندان میں سے تھی ابتداء میں شادی نہیں کی مگر آخر وہ بے شادی کے نہ رہ سکی۔ اِسی طرح یورپ میں بعض حکومتیں ہیں جن کی شہزادیوں نے شادی نہیں کی مگر اُن کا شادی نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ وہ ڈرتی تھیں کہ اگر شادی کی تو مرد کے تابع رہنا پڑیگا۔ ملکہ وکٹوریہ کی شادی البرٹ وکٹر سے ہوئی تھی۔ اور مَیں نے ملکہ کی ہسٹری میں پڑھا کہ وہ روٹھ جاتا تھا تو وہ دروازے بند کرلیتا تھا اور ملکہ معظّمہ ساری دنیا کی بادشاہ ہوکر اُسکی منّتیں کیا کرتی تھی کہ دروازہ کھول دو تم جو کچھ کہو مَیں وہی کرونگی۔

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ کی پیشگوئی کا ظہور

غرض یہ جو پیشگوئی تھی کہ محمدؐرسول اللہ کا دشمن ہمیشہ ابتر یعنی بے اولاد رہے گا اِس کے پورا ہونے کا ثبوت اِس سے مِلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل تھا اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ تھا۔ ابوجہل کمبخت وہ تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تو ایک دفعہ آپ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اُس نے زور سے آپ کے منہ پر تھپڑ مارا۔ امیر حمزہؓ جو آپؐ کے چچا تھے اُس وقت باہر شکار کے لئے گئے ہوئے تھے جب وہ شکار سے واپس آئے تو اُن کے گھر کی ایک لونڈی جس نے پردہ کے پیچھے سے یہ تمام نظارہ دیکھا تھا بڑے غصّہ سے اُن کو دیکھ کر کہنے لگی، تجھ کو شرم نہیں آتی کہ تُو تیر کمان لٹکائے فوجی بنا پھرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ بڑا بہادر ہے، مَیں نے دیکھا کہ آج تیرے بھتیجا کے منہ پر ابوجہل نے بڑے زور سے تھپڑ مارا اور وہ سر ڈالے بیٹھا تھا۔ خدا کی قسم! اُس نے ابوجہل کو کوئی لفظ نہیں کہا تھا اور اُس کا کوئی قصور نہیں تھا وہ سر جُھکائے چُپ کر کے بیٹھا تھا اور اپنے خیالات میں مگن تھا کہ وہ آیا اور اُس نے تھپڑ مارا اور پھر بعد میں بھی محمدؐ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ دایہ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کو جانتی تھی اُس نے کہا کہ محمدؐ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے چلا گیا اگر تم میں غیرت اور شرم ہے تو جاؤ اور جا کر بدلہ لو۔ حضرت حمزہؓ یہ سُنتے ہی سیدھے خانہ کعبہ میں گئے کیونکہ اُن لوگوں میں رواج تھا کہ شام کے وقت سارے رؤساء وہاں اکٹھے ہو جاتے تھے انہوں نے دیکھا کہ ابوجہل جو سردارانِ مکّہ میں سے سمجھا جاتا تھا وہ مسند پر بیٹھا ہوُا ہے اور اُس کے اِرد گرد مکّہ کے تمام رؤساء بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت حمزہؓ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے کمان اُٹھا کر زور سے اُس کے منہ پر ماری اور کہا کہ مجھے پتہ لگا ہے کہ تُو نے آج محمدؐ کے مُنہ پر تھپّڑ مارا ہے اور اُس نے نہ پہلے کچھ کہا تھا اور نہ بعد میں کچھ کہا اب اگر تم میں کچھ ہمّت ہے اور کوئی بہادری تم میں پائی جاتی ہے تو آ اور میرے ساتھ لڑ کر دکھا پھر تجھے پتہ لگے گا۔ محمدؐ جو کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھاتا تیری ساری بہادری اُسی پر چلتی ہے جو مقابلہ کرنے والے اور سپاہی لوگ ہیں اُن سے تُو لڑ کے دکھا پھر ہم مانیں گے کہ تُو بہادر ہے۔ اِس پر سارے رؤساء کھڑے ہو گئے اور انہوں نے حضرت حمزہؓ کو پکڑ لیا اور مارنے لگے کہ اُس نے ہمارے لیڈر کو مارا ہے مگر اُس وقت خدا تعالیٰ نے ابوجہل کے دل پر ایسا رُعب ڈالا کہ وہ اُن سے کہنے لگا۔ نہیں نہیں! اِسے کچھ نہ کہو اصل میں آج مجھ سے ہی کچھ زیادتی ہو گئی تھی اور غلطی میری ہی تھی۔ مَیں نے محمدؐ پر بلا وجہ ظلم کر دیا، اُس نے مجھے کچھ نہیں کہا تھا نہ پہلے نہ بعد میں اس لئے حمزہؓ اپنے بھتیجے کی تائید میں جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے اِسے مت مارو۔ [۱۷] چنانچہ وہ لوگ رُک گئے۔ تو ابوجہل اپنی قوم کا سردار تھا اور ہمیشہ لوگوں سے کہتا رہتا تھا کہ محمدؐ رسول اللہ اگر

کوئی بات کہا کریں تو کبھی نہ مانا کرو۔

محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مظلوم اور ستم رسیدہ انسان سے حُسنِ سلوک

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوت سے پہلے ایک دفعہ حِلف الفضول میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ ایک مجلس تھی جو فضل نامی تین چار آدمیوں نے قائم کی اور انہوں نے ایک دوسرے سے قسمیں لی تھیں کہ جب کوئی مظلوم مکّہ میں آئے اور وہ ہم سے مدد مانگے تو ہم اُس کی ضرور مدد کرینگے۔ جب یہ مجلس قائم ہوئی تو انہوں نے آپؐ کو بھی اُس میں شامل ہونے کی دعوت دی، آپ بڑے شوق سے شامل ہو گئے۔ اس کے بعد دعویٰ نبوت کے زمانہ میں ایک شخص باہر سے آیا اور کہنے لگا ابوجہل نے مجھ سے مدت ہوئی قرض لیا تھا مگر اب وہ دیتا نہیں۔ آپ حلف الفضول میں شامل رہ چکے ہیں آپؐ مجھ کو میرا قرض واپس دلائیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا مَیں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ گئے، ابوجہل کا دروازہ بند تھا، آپ نے دستک دی۔ ابوجہل آیا اور اُس نے دروازہ کھولا اور آپؐ کو دیکھ کر ذرا پیچھے ہٹ گیا اِس خیال سے کہ مَیں اِس کا اتنا بڑا دشمن ہوں اِسکو میرے دروازہ پر آنے کی جرأت کِس طرح ہوئی؟ آپؐ نے فرمایا تم نے اِس کا کچھ قرض دینا ہے؟ وہ انکار نہ کرسکا اور کہنے لگا ہاں مَیں نے اِس سے قرض لیا ہوا ہے مگر اب تک مجھے اُس کے ادا کرنے کا موقع نہیں ملا۔ آپؐ نے فرمایا کہ موقع کا سوال نہیں تم مالدار آدمی ہو فوراً اس کا قرض ادا کردو۔ وہ اندر گیا اور جتنا روپیہ قرضہ تھا اُتنا ہی روپیہ اُسے لاکر دے دیا۔ [۱۸]

ابوجہل کیلئے ایک خدائی نشان

جب وہ اپنے معمول کے مطابق کعبہ میں آیا تو سب مکّہ کے لوگوں نے اُسے کہا کہ تم بڑے ذلیل آدمی ہو۔ ہمیں تو یہ کہا کرتے تھے کہ اِسکی بات نہ مانو اور آج کسی غیر جگہ نہیں بلکہ اپنے گھر پر جب اُس نے تم کو کہا کہ اس کا قرض ادا کردو تو تم نے فوراً اس کا قرض ادا کردیا اور ڈر گئے اِس سے پتہ لگتا ہے کہ تم ہم کو غلط راستہ پر چلاتے ہو ورنہ خود تم میں کوئی ہمت نہیں۔ اُس نے کہا۔ خدا کی قسم! اگر تم میری جگہ ہوتے تو تم بھی اسی طرح قرضہ ادا کردیتے۔ انہوں نے پوچھا کیا ہوا تھا؟ وہ کہنے لگا جب مَیں نے دروازہ کھولا اور مجھے پتہ لگا کہ محمدؐ (رسول اللہ) ہیں تو مَیں نے دیکھا کہ ایک وحشی اونٹ آپؐ کے دائیں بازو پر کھڑا ہے اور ایک وحشی اونٹ آپؐ کے بائیں بازو پر کھڑا ہے اور دونوں نے اپنے سر آگے کئے ہوئے ہیں اور وہ مجھے کاٹنا چاہتے ہیں۔ مَیں اُن وحشی اونٹوں

کو دیکھ کر اتنا ڈرا کہ اُسی وقت روپیہ لا کر اُس کے حوالے کر دیا۔[19] اب یہ ایک خدائی معجزہ تھا مگر اِس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ ابوجہل کتنا خبیث دشمن تھا۔ ایسے دشمن کے گھر میں عکرمہ پیدا ہوا مگر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں باوجود یہ کہنے کے کہ تُو ابتر نہیں تیرا دشمن اَبتر ہے اُس زمانہ تک کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا بعد میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو فوت بھی ہو گیا مگر جب یہ بات ہو رہی تھی آپؐ کے ہاں بیٹا نہیں تھا۔

فتح مکہ پر عکرمہؓ کا فرار

جب عکرمہؓ بڑا ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ فتح کیا تو عکرمہؓ بھاگ کے سمندر کے اُس کنارہ کی طرف چلا گیا جہاں سے کِشتیاں حبشہ کو جاتی تھیں۔ اُس کی بیوی تین چار مہینے انتظار کرتی رہی کہ وہ آ جائے تو مَیں کوشش کر کے اِسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی لے دوں کیونکہ وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو مسلمانوں پر سخت ظلم کیا کرتے تھے اور اُن کو مروایا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایسے لوگ خواہ بیت اللہ میں بھی پناہ لیں اِن کو نہ بخشا جائے۔ عکرمہؓ بھی ڈر کے بھاگ گیا تھا کہ شاید مجھے بھی قتل کیا جائے گا۔

عکرمہؓ کی بیوی کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی حاصل کرنا

جب تین چار مہینے ہو گئے اور وہ واپس نہ آیا تو اُس کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ آخر خاوند کی محبت ہوتی ہے اور آ کر عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا یہ اچھا ہے کہ آپ کا رشتہ دار بھائی آپ کے ماتحت آپ کے اپنے ملک میں زندگی گزارے یا یہ اچھا ہے کہ آپ کا رشتہ دار بھائی بھاگ کر کسی غیر ملک میں چلا جائے اور غیر مُلکیوں کی پناہ میں اپنی عمر گزارے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اگر ہمارا بھائی ہے تو پھر ہماری پناہ میں وہ اپنی عمر گزارے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ وہ کہنے لگی۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ مَیں جا کر اُسے لے آؤں۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ۔ وہ کہنے لگی مَیں جاتی تو ہوں مگر آپ جانتے ہیں عکرمہؓ بڑا غیرت مند ہے اگر اُسے یہ پتہ لگا کہ آپ اُس کا دین بدلوائیں گے تو پھر اُس نے نہیں آنا۔ یہ بھی وعدہ کیجیئے کہ وہ بُت پرست رہ کر آپ کے پاس آئیگا اور یہاں مکّہ میں رہے گا اور پھر اُسے مارنا نہیں اور دوسرے اُسے مجبور نہیں کرنا کہ وہ بُت پرستی چھوڑ دے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ وہ عکرمہؓ کو واپس بُلانے کے لئے چلی گئی۔ عکرمہؓ اپنی بیوی کو دیکھ کر کہنے لگا تم کہاں؟ وہ کہنے لگی تُو جو آ گیا تھا مَیں کیا کرتی۔ وہ کہنے لگا تو

جانتی نہیں مَیں آنے پر مجبور تھا اگر مَیں وہاں رہتا تو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مروا دینا تھا۔ عربوں میں رواج تھا کہ عورتیں اپنے خاوند کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں۔ اِس دستور کے مطابق اُس نے کہا۔ اے میرے چچا کے بیٹے ! تجھے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھنے میں غلطی لگی ہے محمدؐ رسول اللہ بڑی شان کا آدمی ہے تیرے بھاگنے کے بعد مَیں اُنکے پاس گئی تھی اور مَیں نے اُن سے پوچھا تھا کہ عکرمہؓ اگر واپس آجائے اور آپ اُسے چھوڑ دیں تو یہ زیادہ اچھا ہے یا یہ اچھا ہے کہ وہ کسی غیر ملک میں جا کر دوسروں کی پناہ میں رہے۔ اِس پر محمدؐ رسول اللہ نے مجھے کہا کہ نہیں اگر وہ میرے پاس آکر رہے تو زیادہ اچھا ہے مَیں اُس کے ساتھ حسنِ سلوک کرونگا۔ عکرمہؓ کہنے لگا خدا کی قسم ! اپنے باپ دادا کے مذہب کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اُس نے کہا مَیں یہ بات بھی پُوچھ چکی ہوں۔ مَیں نے خود کہا تھا کہ وہ بڑا غیرت مند ہے اپنے باپ دادا کے مذہب کو کبھی نہیں چھوڑے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ وہ بے شک بُت پرستی پر قائم رہے مَیں اُسے کچھ نہیں کہوں گا۔ کہنے لگا۔ یہ اِتنی بڑی بات ہے کہ مجھے اِس پر یقین نہیں آسکتا۔ مَیں تیرے کہنے پر مکّہ میں تو واپس چلا جاتا ہوں مگر مَیں خود اس بارہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھوں گا اگر انہوں نے تصدیق کی تو پھر مَیں کہوں گا کہ بات ٹھیک ہے۔

عکرمہؓ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں

چنانچہ وہ مکّہ میں واپس آیا اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ آپؐ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اُسے بُلا لیا جب وہ پہنچا تو کہنے لگا اے محمدؐ ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مَیں نے اپنی بیوی سے سُنا ہے کہ آپ نے یہ کہا تھا کہ اگر عکرمہ واپس آجائے تو اُسے کوئی سزا نہیں دی جائیگی۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ کہنے لگا جناب مَیں نے اپنی بیوی سے یہ بھی سُنا ہے کہ اگر مَیں اپنے دین پر قائم رہنا چاہتا ہوں اور آپ کو نہ مانوں تو پھر بھی مجھے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا اُس نے ٹھیک کہا ہے یہ بھی مَیں نے کہا تھا۔ یہ بات سُنتے ہی اُسکی آنکھیں کُھل گئیں اور کہنے لگا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عکرمہ ! تُو نے تو میرے بڑے بڑے معجزات دیکھے تھے مگر پھر بھی تُو ایمان نہ لایا آج تُو نے کیا دیکھا ہے جس کی وجہ سے تُو نے کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے اور کُفر چھوڑ دیا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ اتنی بڑی مہربانی جو آپ نے مجھ پر کی ہے یہ نبی کے سِوا اور

کوئی کر ہی نہیں کر سکتا پس اِس مہربانی اور امن کے بعد یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ مَیں آپ کو جھوٹا کہتا اور اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہتا اس لئے مَیں آپ پر ایمان لے آیا ہوں۔[۲۰]

اب دیکھو عکرمہؓ ابوجہل کا بیٹا تھا اور اُس کی نرینہ اولاد تھی بلکہ کہتے ہیں کہ اُس کی پیدائش پر کئی سَو اونٹ ذبح کئے گئے تھے اور وہ اپنے وجود سے ظاہر کرتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے ہیں اور میرا باپ سچا ہے کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی اور ابوجہل کے تھی لیکن آخر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا تو قرآن کریم کی یہ پیشگوئی پوری ہوگئی کہ **اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ**

یعنی اے محمدؐ رسول اللہ! ہم نے تجھے خیرِ کثیر بخشی ہے یعنی بڑی اُمت بھی بخشی ہے جو ہمیشہ تیری اطاعت گزار اور فرمانبردار رہے گی اور تیری روحانی اولاد میں سے ایک ایسا انسان بھی کھڑا کیا جائیگا جو اپنے اندر خیرِ کثیر رکھتا ہوگا۔

الکوثر میں مسیح موعود کے علاوہ اُمتِ محمدیہؐ کے تمام مخلص افراد بھی شامل ہیں

دراصل کوثر کے معنے خیرِ کثیر کے ہیں اور جہاں اِس میں مسیح موعود کی پیشگوئی کی گئی ہے وہاں تمام امتِ مُسلمہ کو بھی آپؐ کے بیٹوں میں شمار کیا گیا ہے۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سَلۡمَانُ مِنَّا اَھۡلَ الۡبَیۡتِ[۲۱] کہ سلمانؓ بھی میرے اہل بیت میں سے ہیں اور سلمانؓ آپؐ کے اہل بیت میں شامل ہو سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ جو شخص آج خاص طور پر نیکی کرے وہ آپؐ کی اولاد میں شامل نہ سمجھا جائے۔ وہ بھی شامل ہے۔ ہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ایک خاص فضیلت حاصل ہے کہ آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ موعود بیٹے ہیں جنکی پیشگوئی پہلے نبیوں نے بھی کی ہوئی ہے ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں جتنے مسلمان ہیں اگر وہ اخلاص کے ساتھ کام کریں تو وہ بھی آپؐ کے بیٹے ہیں۔

غرض عکرمہؓ کے بیعت کر لینے کی وجہ سے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صاحبِ اولادِ نرینہ ہوگئے مگر ابوجہل بے اولاد رہ گیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کی اسلامی خدمات

اِسی قسم کی اَور بھی بہت سی مثالیں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عمرو بن العاصؓ بن وائل نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی حالانکہ عاص بھی بڑا دشمن تھا اور وائل بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا دشمن تھا مگر باوجود اس کے کہ باپ اور دادا دونوں مخالف تھے عمروؓ بن العاص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور پھر اتنے دشمن گھرانے میں سے ہوتے ہوئے عمروؓ نے اسلام کے لئے مصر فتح کیا اور پھر مصر پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ اسلامی حکومت کو مدینہ سے نکال کر افریقہ تک پہنچا دیا۔ عمرو بن العاصؓ کی زندگی میں ہی اسلامی مبلغ سپین کی سرحدوں تک پہنچ گئے تھے۔ گویا انہوں نے اسلام کو مدینہ سے نکالا اور یورپ کی سرحدوں تک جا پہنچایا۔ آج ہم فخر کرتے ہیں کہ ہمارے مبلغ باہر گئے ہوئے ہیں لیکن ہمارے مبلغ اس زمانہ میں گئے ہیں جب ہوائی جہاز چل رہے ہیں اور عمرو بن العاصؓ نے اُس زمانہ میں اسلام کو مدینہ سے ہسپانیہ تک پہنچا دیا تھا جبکہ اونٹوں کا سفر ہوتا تھا اور راستہ میں پانی بھی نہیں ملتا تھا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی فدائیت

تیسری مثال خالد بن ولیدؓ کی ہے۔ اِن کے باپ دادا بھی اسلام کے سخت مخالف تھے۔ لیکن انہوں نے اسلام قبول کیا اور سارے عرب اور ایران و فلسطین اور شام میں اسلام کو پھیلایا اور اس طرح اپنے وجود سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ اولادِ نرینہ بنا دیا۔ لیکن اپنے باپ دادوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اولادِ نرینہ سے محروم کر دیا کیونکہ وہ اُنکے مسلک سے باہر ہو گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلک کے تابع ہو گئے۔

غرض ایسی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں جن کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رُوحانی اولاد چلتی جاتی ہے اور معنوی طور پر اُن کے عقیقے ہوتے رہتے ہیں یعنی اسلام خوشیاں مناتا ہے اور قرآنی لنگر سے دنیا فائدہ اٹھاتی رہتی ہے۔

رؤسائے مکّہ کے بیٹوں پر حضرت عمرؓ کا غلام صحابہؓ کو ترجیح دینا

اِس کی ایک اور شاندار مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک حج کا واقعہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہو گئے اور آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کو حج کی مبارکباد دینے کیلئے بعد میں کچھ لوگ آئے جن میں مکّہ کے رؤساء کے لڑکے بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا مناسب اعزاز کیا اور ان کو اپنے خیمہ میں جگہ دی اور اپنے قُرب میں بٹھایا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ہی ایک غلام صحابیؓ

آپ کی ملاقات کے لئے آ گیا۔ آپ نے اُن رؤساء کے لڑکوں سے فرمایا کہ ذرا پیچھے ہو جاؤ اور غلام صحابیؓ سے کہا کہ آگے آ کر بیٹھ جاؤ۔ اِس کے بعد دوسرا غلام صحابیؓ آ گیا تو آپ نے اُن سے پھر کہا کہ اَور پَرے ہٹ جاؤ اور اس غلام کو آگے بٹھا لیا۔ پھر ایک اَور غلام آ گیا تو پھر آپ نے اُن سے کہا کہ پیچھے ہٹ جاؤ اور اُس غلام کو کہا کہ آگے آ جاؤ۔ انہوں نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ وہاں سے اُٹھے اور باہر چلے گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھ لیا تم نے آج عمرؓ نے ہماری کیسی ذلّت کی ہے۔ اُن میں سے ایک بڑا سنجیدہ اور سمجھدار نوجوان تھا اُس نے کہا عمرؓ نے ہماری ہتک نہیں کی، ہمارے باپ دادوں نے ہماری ہتک کی ہے۔ جس وقت ہمارے باپ دادا تلواریں لے کر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے اُس وقت اِن غلاموں نے اپنے سینے اُن تلواروں کے آگے کر دیئے اور اپنی جانیں قربان کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا لیا۔ آج عمرؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے اگر وہ اِس طرح نہ کرتا تو پھر وہ اس کا خلیفہ بھی نہ رہتا۔ پس جو کچھ اُس نے کیا ہے وہ عین وفا شعاری اور وفاداری کا طریق تھا۔[۲۲] پس دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ نے کِس طرح قرآنی لنگر کو روحانی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی ظاہر کیا۔ آخر انہوں نے کہا کہ اِس ذلّت کا کوئی علاج بھی ہے یا نہیں اُس نے کہا کہ اس کا علاج عمرؓ ہی بتا سکتے ہیں، چلو عمرؓ کے پاس چلیں اور اُن سے پوچھیں کہ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ ہمارے باپ دادوں نے شرارتیں کیں اور وہ ختم ہو گئیں، اب ہم ان کو بدل نہیں سکتے مگر آپ ہمیں بتائیں کہ ہم سے اِس ذلّت کا داغ کِس طرح دُور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ واپس گئے حضرت عمرؓ اُن کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ وہ کیوں آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے بچّو! مَیں تمہارے باپ دادا کو جانتا ہوں وہ مکّہ کے رئیس تھے اور مکّہ اُن کے قدموں کے پیچھے چلتا تھا۔ مجھے پتہ ہے کہ جو کچھ آج مَیں نے تمہارے ساتھ سلوک کیا ہے اِس سے تمہارے دلوں کو زخم پہنچا ہو گا مگر مَیں مجبور تھا میرا آقا بھی ان غلاموں کو دوسروں پر فضیلت دیا کرتا تھا اور ان کو آگے بٹھاتا تھا اِس لئے مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہو کر اس کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب باتیں درست ہیں ہم تو صرف یہ دریافت کرنے آئے ہیں کہ آخر اس ذلّت کا کوئی علاج بھی ہے یا نہیں؟ ان کا سوال سُنکر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ نے شام کی طرف ہاتھ اُٹھا دیا جس میں اِس طرف اشارہ تھا کہ شام چلے جاؤ اور اُس جہاد میں شامل ہو جاؤ جو روم کے بادشاہ کے خلاف

مسلمان کر رہے ہیں۔ اِس پر وہ لڑکے فوراً اُٹھ کر باہر آ گئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر شام کی طرف چلے گئے اور تاریخ بتاتی ہے کہ وہ سب کے سب اسلام کی تائید میں لڑتے ہوئے وہیں مارے گئے اور اُن میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہ آیا۔[۲۳] اب دیکھو قرآن کریم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے دشمنوں کے بیٹے چھین کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے اور آپ کا لنگر جاری کر دیا۔ جس وقت یہ لوگ عیسائیوں کو مارتے ہونگے تو ہر عیسائی کے مرنے پر جہاں اُنکو فتح نصیب ہوتی تھی وہاں محمدؐ رسول اللہ کا لنگر بھی جاری ہوتا تھا اور آپ کی برکات ساری دنیا پر پھیلتی جاتی تھیں۔

قرآنی لنگر کا ایک اَور شاندار منظر

پھر قرآنی لنگر کی ایک اَور مثال سورۂ ذاریات سے ملتی ہے اللہ تعالیٰ اُس میں کامل مومنوں یعنی أتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے کہ **فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔**[۲۴]

یعنی اِن کے مالوں میں ایسے لوگوں کا بھی حق ہے جو مانگ سکتے ہیں اور اُن کا بھی حق ہے جو نہیں مانگ سکتے۔ یعنی یا تو وہ گونگے ہیں یا ان کو مانگتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہمارا اس سے غریب ہونا ظاہر ہوتا ہے اور یا جانور ہیں کہ وہ مانگنے اور بولنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ گویا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لنگر اتنا وسیع ہے کہ سائل اور غیر سائل سب اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ بادشاہوں کے لنگر تو ایسے تھے کہ لوگ اُن لنگروں میں جا کر روٹی مانگتے تھے تو پھر انہیں روٹی مِلتی تھی اور اگر کوئی پَرے کھڑا ہو جاتا تو اس کو کوئی پُوچھتا بھی نہیں تھا۔ مگر یہاں محمدؐ رسول اللہ کے لنگر کے متعلق فرماتا ہے کہ آپؐ کے متبعین کے ذریعہ سے جو لنگر جاری کیا گیا ہے اُس میں اُن لوگوں کا بھی حق رکھا گیا ہے جو کہ بول سکتے ہیں اور ان لوگوں کا بھی حق رکھا گیا ہے جو بول نہیں سکتے۔ یعنی بولنے سے بالکل محروم ہیں یا شرم کے مارے نہیں بولتے کہ ہماری کمزوری اور غربت لوگوں پر ظاہر ہوگی۔ اور جانوروں کا بھی حق رکھا گیا ہے۔ اب دیکھو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لنگر کتنا وسیع ہے اور بادشاہوں کا لنگر کتنا محدود ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور آپ کے تمام أتباع کے اموال میں خدا تعالیٰ نے سائل اور محروم سب کا حق رکھا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان آجکل اپنی عملی کمزوری کی وجہ سے اس آیت پر عمل نہ کریں مگر قرآن نے اس کی ہدایت دیدی ہے اور جو سچا مسلمان ہوگا وہ

ضرور اسپر عمل کریگا۔ جھوٹے کا تو سوال ہی نہیں، جھوٹا تو خود ہی اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔

منشی اروڑے خاں صاحب کے اخلاص کی ایک دردانگیز مثال

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ایک دن میاں اروڑے خان صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت ہی مقرب صحابیؓ تھے اور نائب تحصیلدار تھے قادیان آئے۔ اُس زمانہ میں آپ کپورتھلہ میں تھے اور تنخواہیں بہت کم ملا کرتی تھیں۔ شروع میں نائب تحصیلدار کی پندرہ روپے تنخواہ ہوتی تھی مگر اس کے باوجود وہ ہمیشہ ہر اتوار کو قادیان آتے اور روپیہ دو روپے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نذرانہ دیتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جب وہ آئے تو اُسوقت وہ تحصیلدار ہو چکے تھے اور تنخواہیں بھی زیادہ ہوگئی تھیں۔ مَیں نے دیکھا کہ تین یا چار اشرفیاں انہوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے وہ اشرفیاں میرے ہاتھ پر رکھیں اور پھر چیخیں مار کر رونے لگ گئے۔ مَیں حیران ہوا کہ یہ روتے کیوں ہیں۔ مگر جب روتے روتے ذرا ہوش آئی تو کہنے لگے کہ

> ''ساری عمر خواہش رہی کہ مَیں اونہاں دے ہتھ وچ سوناں رکھاں پر کدی توفیق نہ ملی۔ جدوں کچھ پیسے جمع ہوندے سن۔ مَیں پیدل چل کے کپورتھلہ تو اونہاں نوں دیکھن آجانداساں یاں ریل وچہ آنداساں تاں کرایہ لگداسی۔ پر جدوں سونا مِلیا ہے تے اوہ ہُن نہیں ....''

اُن کا یہ فقرہ ایسا دردناک تھا کہ مجھ پر بھی رقّت آ گئی۔ مَیں نے اُنکو چُپ کرانے کیلئے انہیں تسلّی دینے کی کوشش کی مگر اُن کی جو مذبوح حرکت تھی اُس کو دیکھتے ہوئے درحقیقت میری کوشش بالکل بے کار اور بے سُود تھی۔ یہ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ کا ایک نظارہ تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن لوگوں میں سے تھے جو لوگوں سے مانگتے نہیں تھے اور ایسے لوگ بھی محروم ہی ہوتے ہیں۔ مگر انہیں ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں نذرانہ پیش کریں اور خواہش بھی یہ تھی کہ سونا دیں مگر کہنے لگے۔

> ''جدوں جیندے سَن تے سونا نہیں ہتھ آیا۔ سونا ہتھ آیا تے اوہ ہن نہیں۔ ہُن مَیں کی کراں۔''

یعنی جب آپؑ زندہ تھے تو مجھے سونا میسّر نہ آیا اور جب سونا مِلا تو آپؑ فوت ہو چکے

ہیں۔ اب مَیں کروں تو کیا کروں۔

اِسلام میں جانوروں کے حقوق کا تحفّظ

پھر مَیں نے بتایا ہے کہ یہ لنگر انسانوں سے لے کر جانوروں تک کے کام آتا ہے۔ بادشاہی لنگر تو بمشکل انسانوں کو کھانا دے سکتے ہیں۔ مگر یہ لنگر انسانوں اور پرندوں سب کو نفع پہنچا رہا ہے اور قیامت تک نفع پہنچائے گا۔ قیامت تک نفع پہنچانے کی ایک مثال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دیکھا کہ کسی صحابیؓ نے فاختہ کا ایک بچّہ پکڑ لیا ہے اور وہ فاختہ بیقراری سے اِدھر اُدھر اُڑ رہی ہے۔ آپؐ نے اُسے فرمایا یاد رکھو! کبھی کسی جانور کو اُس کے بچّہ کے ذریعہ سے دُکھ نہ دو۔ جس طرح انسان کی ماں کو دُکھ پہنچتا ہے اُسی طرح جانور کی ماں کو بھی دُکھ پہنچتا ہے۔ پس کسی جانور کو اُس کے بچے کی وجہ سے دُکھ نہ دو۔[۲۵] تو دیکھو وہ جو حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ فرمایا تھا خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور قیامت تک کے لئے حکم دے دیا کہ جانوروں سے بھی حسن سلوک کرو۔ اب جو اس کی خلاف ورزی کریگا وہ محمدؐ رسول اللہ کا مخالف ہو کر کریگا۔ ورنہ محمدؐ رسول اللہ کا کامل متبع کبھی ایسا نہیں کریگا کہ کسی فاختہ یا کبوتر کا انڈہ لے کر چلا جائے اور وہ پرندہ تڑپتا پھرے کیونکہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی بچّے کے ذریعہ سے اُسکی ماں کو دُکھ نہ پہنچاؤ، اب یہ قیامت تک کیلئے احسان ہے۔ کیونکہ محمدؐ رسول اللہ کی اُمت کے متعلق خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وہ قیامت تک زندہ رہے گی اور جب وہ قیامت تک زندہ رہے گی تو جانوروں پر احسان یا شرم وحیا کی وجہ سے سوال نہ کرنے والوں پر جو احسان کرنے کا حکم ہے یہ بھی قیامت تک چلے گا۔ غرض دنیا کے بادشاہوں کے لنگر تو ختم ہو گئے کوئی دوسَو سال تک رہا، کوئی سَو سال رہا، کوئی پچاس سال رہا، کوئی بیس سال رہا مگر محمدؐ رسول اللہ کا لنگر ساڑھے تیرہ سَو سال سے چل رہا ہے اور قرآن کہتا ہے کہ قیامت تک چلے گا پس اس لنگر کی مثال دُنیا میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔

جماعت احمدیہ کا لنگر بھی ہمیشہ جاری رہے گا

اِسی طرح سورۂ کوثر میں جس لنگر کی خبر دی گئی تھی اُس میں کوثر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل متبع مسیح موعود مراد تھا۔ چنانچہ اس کا لنگر دیکھ لو آج تک جاری ہے۔ اِس جلسہ پر آنے والے بھی فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور سارا سال بھی لنگر جاری رہتا ہے۔ پس مبارک ہو کہ آپ سب لوگوں کو اس موعود لنگر سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملا ہے۔ مجھے یاد ہے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں جب پُرانے صحابیؓ آیا کرتے تھے تو لنگر سے روٹیاں لے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ اِن میں بڑی برکت ہے ہم تو سارا سال کوئی بیماری ہو اپنے بچوں اور بیویوں کو یہی روٹیاں پانی میں گھول کر پلا دیتے ہیں اور وہ بیماریاں دُور ہو جاتی ہیں۔ اگر احمدی اپنے ایمان پر قائم رہے تو یہ لنگر بھی ہمیشہ قائم رہے گا اور کبھی نہیں مٹے گا کیونکہ اس کی بنیاد خدا کے مسیح موعود نے قائم کی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تین سَو سال کے اندر تیری جماعت ساری دنیا پر غالب آ جائیگی اور تین سَو سال میں یہ لنگر ربوہ میں نہیں رہے گا بلکہ تین سَو سال کے بعد ایک لنگر امریکہ میں بھی ہوگا، ایک انڈیا میں بھی ہوگا، ایک جرمنی میں بھی ہوگا، ایک روس میں بھی ہوگا، ایک چین میں بھی ہوگا، ایک انڈونیشیا میں بھی ہوگا، ایک سیلون میں بھی ہوگا، ایک برما بھی ہوگا، ایک شام میں بھی ہوگا، ایک لبنان میں بھی ہوگا، ایک ہالینڈ میں بھی ہوگا، غرض دنیا کے ہر بڑے ملک میں یہ لنگر ہوگا۔

محمدؐ رسول اللہ کی برکت سے عربوں اور سیّدوں کا اعزاز

قرآنی لنگر کی ایک اَور مثال پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کے سامنے ہر سال آتی رہتی ہے اور وہ اِس طرح کہ عرب جو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن تھا وہاں سے سینکڑوں لوگ پاکستان یا ہندوستان آئے ہیں اور مسلمان صرف اُنکے عرب ہونے کی وجہ سے اُن کی خوب خاطریں کرتے اور کھانے کِھلاتے ہیں۔ یہ بھی محمدؐی لنگر ہے جو آج تک آپؐ کی قوم کے لئے جاری چلا آ رہا ہے اور سارا سال کُھلا رہتا ہے۔ بیشک یہ لنگر لوگوں کے گھروں میں کُھلتا ہے مگر کھلتا محمدؐ رسول اللہ کی وجہ سے ہے۔ آخر عربوں کو جو لوگ عزت دیتے ہیں کیوں دیتے ہیں؟ ہمیں تو یاد ہے کہ پُرانے زمانہ میں عرب اور سیّد یہ دونوں اپنے عرب اور سیّد ہونے پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دن حضرت اماں جان چارپائی پر بیٹھی تھیں کہ ایک سیّدانی مانگنے کو آ گئی کہنے لگی مَیں سیّدانی ہوں میری مدد کرو۔ پھر کہنے لگی مجھے پیاس لگی ہے کسی کو کہو کہ مجھے پانی پلا دے۔ آپ نے کسی خادمہ کو کہا کہ اِسے پانی پلا دو اُس نے کٹورہ لیا اور کھنگال کے پانی بھر کے دے دیا۔ وہ بڑے غصّہ سے کٹورہ پھینک کر کہنے لگی۔ ''تینوں نہیں پتہ مَیں سیّدانی ہوں۔ سیّدانی نوں امتی دے کٹورے وچہ پانی پلانی ایں۔'' خیر اُس نوکرانی نے ہنس کر کہا کہ۔ ''ایہہ امتی نہیں ایہہ بھی سیّدانی ہیں۔'' اب یہ سیّد کی عزّت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہی تھی ورنہ انہیں کون پوچھتا تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لنگر تھا کہ جس نے آپؐ سے تعلق

قائم کیا وہ معزز ہو گیا۔ دیکھ لو۔ حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے۔ حضرت امام حسینؓ کوفہ کے پاس جنگ میں مارے گئے تو زیاؔد نے حکم دیا کہ اِن کا سر کاٹ کر یزؔید کے پاس بھیجا جائے اُس نے سمجھا کہ مجھے انعام ملِے گا۔ جب یزید کے دربار میں اُن کا سر گیا تو یزؔید کے دل میں جیسا کہ اُس کی بعض باتوں سے پتہ لگتا ہے اہلِ بیت کا کچھ نہ کچھ ادب تھا مگر اُسوقت اپنی فاتحانہ شان کو دیکھ کر کہ میری فوجیں فاتح ہوئی ہیں، اُس نے سوٹی لمبی کی اور اُن کے دانتوں پر دو تین دفعہ ماری۔ مرنے کے بعد عام طور پر انسان کے ہونٹ کھنچ جاتے ہیں۔ اُس وقت ایک صحابیؓ بھی اُس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہ غصّہ سے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔ ’’او بے شرم! ہٹالے اپنی سوٹی۔ مَیں نے محمدؐ رسول اللہ کو اِن ہونٹوں پر بوسہ دیتے دیکھا ہے اور جن ہونٹوں کو محمدؐ رسول اللہؐ نے بوسہ دیا تھا تیرے جیسے خبیث کی کیا حیثیت ہے کہ اس کو سوٹی مارے۔[۲۶]‘‘ پھر دیکھو خدا تعالیٰ نے اِسکا کسطرح انتقام لیا۔

معاویہ بن یزید کی خلافت سے دست برداری

یزید کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا معاویہ بن یزید تخت پر بیٹھا۔ جسے اُس نے نامزد کر دیا تھا کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہو۔ جب وہ تخت پر بٹھا دیا گیا تو وہ گھر گیا اور دروازے بند کر کے بیٹھ گیا اس کے بعد اُس نے باہر کہلا بھیجا کہ یہ خلافت مسلمانوں کی امانت ہے میرے باپ کا کوئی حق نہیں تھا کہ وہ خلیفہ بناتا۔ یہ تمہاری امانت ہے تم جس کو چاہو خلیفہ بنالو۔ پھر اُس نے سب مسلمانوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور کہا کہ خلافت پر میرا کوئی حق نہیں۔ تم کہتے ہو کہ مَیں خلیفہ ہوں کیونکہ میرے باپ نے مجھے خلیفہ بنایا ہے حالانکہ میرے باپ سے وہ شخص بہتر تھا جس کو میرے باپ نے مارا اور میرے دادا سے وہ شخص بہتر تھا جس سے اُس نے جنگ کی اور مجھ سے بیسیوں اَور لوگ تم میں بہتر موجود ہیں ان لوگوں کے ہوتے ہوئے مَیں کیسے خلیفہ بن سکتا ہوں؟ تمہیں اختیار ہے جس کو چاہو خلیفہ بنالو۔ جب وہ تقریر کے بعد واپس آیا تو اُس کی ماں اُسے کہنے لگی کہ اے معاویہ! تُو نے اپنے خاندان کو بٹہ لگا دیا ہے۔ معاویہ نے کہا۔ اماؔں! مَیں نے بٹہ نہیں لگایا۔ مَیں نے اپنے خاندان کی عزّت کو قائم کر دیا ہے۔[۲۷] اب دیکھو وہ اس صحابیؓ کا نمونہ تھا اور یہ خود یزید کے خاندان کا نمونہ ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمک خواری کا اُن پر کتنا اثر تھا۔ یزید کے اپنے بیٹے نے باپ کی ذلّت کی اور اُس کی خلافت پر لعنت ڈالی اور کہا کہ یہ خلافت خاندانِ نبویؐ کا حق ہے مَیں اِسے نہیں لے سکتا۔

قرآنی لنگر کی ایک اَور مثال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں

قرآنی لنگر کی ایک

مثال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بھی پائی جاتی ہے۔ گو آپ چھ گاؤں کے مالک تھے مگر طبیعت میں فروتنی تھی اور آپ نے اپنی ساری جائداد اپنے بڑے بھائی کی بیوہ کے سپرد کی ہوئی تھی تا کہ اُس کے دل سے بیوگی کا صدمہ کم ہو جائے۔ وہ اگرچہ بعد میں احمدی ہو گئیں مگر شروع میں اُن کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑا بُغض تھا کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں کر رہا بلکہ مسجد کا ملّاں بن گیا ہے اور ایک رئیس خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے اُن کو یہ بُرا لگتا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ مسجد کے مُلّاں نہیں بنے تھے بلکہ آپ قرآنی لنگر سے استفادہ کرنے کے لئے دنیا سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ مگر ظاہری حالت یہ تھی کہ اپنی بڑی بھاوج کے بُغض کی وجہ سے جب کبھی کوئی مہمان دین سیکھنے کے لئے آپ کے پاس آتا تو بھاوج کا خسّت [۲۸] سے بھیجا ہوُا تھوڑا سا کھانا بھی آپ مہمان کو کھِلا دیتے تھے اور خود ایک پیسہ کے چنے بُھنوا کر کھا لیتے تھے۔

حضرت تائی صاحبہ کی کیفیت

مجھے یاد ہے اُس وقت ہماری سیڑھیاں اُن کے گھر کے پاس سے گزرا کرتی تھیں۔ ایک دن مَیں اُن سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا کہ انہوں نے مجھے آواز دی کہ محمود! ٹھہر جا۔ مَیں اُن کی آواز سُنکر بھاگا کیونکہ ہم سمجھتے تھے کہ یہ ہماری دشمن ہیں اور بھاگ کر کوٹھے پر چڑھ گیا۔ اس پر وہ کہنے لگیں۔ ''جیہو جیہا کاں اوہو ù کوکو'' یعنی جیسا اِن کا باپ خراب ہے ویسا ہی بیٹا خراب ہے۔ اِتنا بُغض تھا ان کے دل میں۔ مگر پھر اُن کی یہ حالت ہوئی کہ یا تو وہ کہا کرتی تھیں۔ ''جیہو جیہا کاں اوہو ù کوکو'' اور یا پھر عین اُن کی موت کے وقت مَیں اُن کی خبر لینے کیلئے گھر پہنچا۔ کہنے لگیں اُن کو بُلا دو۔ میری جان نہیں نکلے گی جب تک وہ آنہ جائیں۔ مَیں گیا تو چارپائی پر انہیں لِٹایا ہوُا تھا۔ مَیں زمین پر ہی بیٹھ گیا میرے زمین پر بیٹھنے پر جھٹ اپنے پَیر انہوں نے نیچے کرنے شروع کر دیئے اور کہا کہ زمین پر نہ بیٹھو مَیں چارپائی پر نہیں لیٹ سکتی۔ اب یا تو وہ وقت تھا کہ'' جیہو جیہا کاں اوہو ù کوکو۔'' کہتی تھیں اور یا پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اُن کے ظلم سہتے ہوئے گزر گئے اور ''کوکو'' کا ادب شروع ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پیٹ کی بیماری سے فوت ہوئے تھے اور اسہال کی آپ کو شکایت تھی۔ آپ کی وفات کے بعد مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے متواتر

چنے کھانے کی وجہ سے آپ کی صحت خراب ہوگئی ہو۔اب تو وہ زمانہ گزر گیا لیکن اگر ہم اُس زمانہ میں ہوتے تو اپنی جانیں قربان کر کے بھی آپ کے لئے کھانا مہیّا کرتے اور چنے نہ کھانے دیتے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں ماش کی دال کھا رہا تھا کہ مجھے دال کھاتے ہوئے حضرت خلیفہ اوّل نے دیکھ لیا اور فرمانے لگے۔ میاں! دال بھی کوئی کھانے کی چیز ہوتی ہے۔خبردار! پھر کبھی دال نہ کھانا۔مگر اُدھر خدا کا مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ایسا تھا کہ اٹھائیس تیس سال اس کی زندگی کے ایسے گزرے ہیں جن میں وہ روزانہ پیسے کے چنے بھنوا کر کھا لیتا تھا اور اپنا کھانا لوگوں کو کھلا دیتا جو دین سیکھنے کے لئے آتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر خدائی انعامات

جب بعد میں اللہ تعالیٰ کے فضل آپ پر نازل ہونے شروع ہوئے اور قرآنی لنگر نے آپ کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے تو آپ نے فرمایا۔

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَہَالِیْ [۲۹]

کہ اے لوگو! میری حالت پر غور کرو۔کبھی تو ایسا تھا کہ میری بھاوج گھر کے بچے ہوئے ٹکڑے مجھے بھیجا کرتی تھیں لیکن قرآنی لنگر کی برکتوں کی وجہ سے آج بہت سے خاندان میرے ذریعہ سے پَل رہے ہیں۔ اِس میں اشارہ ہے اُن مہاجرین کی طرف جو اپنا وطن چھوڑ کر قادیان آ گئے تھے۔ یا جو آج اپنا وطن چھوڑ کر سینکڑوں مہاجروں کی صورت میں یہاں بس رہے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قائم کردہ لنگر اُن کو پال رہا ہے۔غرض آج بھی وہی قرآنی لنگر جاری ہے اور آپ لوگ سارا سال بھی اور جلسہ کے دنوں میں بھی اس قرآنی لنگر سے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے جاری ہؤا تھا فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ وہ مسیح موعودؑ جو ہزاروں ایکڑ زمین اور چھ گاؤں کا واحد مالک ہونے کے باوجود آپ لوگوں کی خاطر غریب بن گیا تھا تاکہ قرآنی لنگر کی کوئی روٹی آپ کے لئے بھی لے آوے آپ کے لئے بڑا بھاری نمونہ ہے۔اگر آپ اس زندگی پر غور کریں تو یقیناً آپ نہایت آسانی کے ساتھ ولی اللہ بن سکتے ہیں۔

کُفّار کو بھی اپنا لنگر جاری کرنیکی ہدایت

پھر قرآن کریم نے اس لنگر کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ کفار کو بھی دعوت دی ہے کہ اس لنگر کو جاری رکھیں ورنہ انہیں سزا سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ سورۃ ماعون میں آتا ہے اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝

فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۙ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۗ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۙ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُ وْنَ ۙ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۳۰

یعنی کیا تجھے اس شخص کا حال معلوم نہیں جو دین اسلام کے احکام کو جھٹلاتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دے کر اپنے گھر سے نکال دیتا ہے۔ یعنی ڈرتا ہے کہ کہیں یتیم کو کھانے میں سے کچھ حصہ نہ دینا پڑے اور اُسے لنگر سے محروم رکھنا چاہتا ہے اور نہ صرف آپ یتیموں کو کھانے سے محروم رکھتا ہے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی غریب کو کھانا کھلانے کی تحریص نہیں دلاتا۔ پس یاد رکھ کہ ایسا آدمی کبھی سچی عبادت نہیں کرسکتا بلکہ اُس کی عبادت دکھاوے کی ہوتی ہے اور ایسا شخص یہی نہیں کہ عالیشان دعوتوں سے غریبوں کو محروم رکھتا ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی چیزیں اُدھار دینے سے بھی روکتا رہتا ہے اور اِس طرح خدائی لنگر کو ہمیشہ کے لئے بند کرنا چاہتا ہے سو اس کے لئے ایک بہت بڑا عذاب مقدّر ہے۔

غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور اُن کی ضروریات کو پورا کرنے کا حکم

ایک مثال قرآن کے لنگر کی اِس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَ السَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۳۲

اِسجگہ بِرّ کا لفظ آیا ہے جس کے معنے بہت بڑی نیکی کے ہوتے ہیں مگر چونکہ یہ مصدر ہے اور عربی زبان میں مصدر بمعنی فاعل بھی آ جاتا ہے اور بمعنی مفعول بھی، اس لئے اِس آیت کے یہ معنی ہونگے کہ بڑا نیکی کرنے والا وہ نہیں ہے جو صرف مشرق اور مغرب کی طرف مُنہ پھیر کر ظاہری نماز پڑھ لیتا ہے بلکہ بڑا نیکی کرنے والا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل متبع وہ ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ملائکہ پر اور کُتبِ سماویہ پر اور سارے نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور اپنے مال کو باوجود تنگی کے اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے غریبوں میں تقسیم کرتا رہتا ہے یعنی قرآنی لنگر کی یاد میں دُنیاوی لنگر کو قائم رکھتا ہے۔ پس جس کو خدا تعالیٰ توفیق دے اُسے اس لنگر کو ہمیشہ جاری رکھنا چاہئے ورنہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قیامت کے دن اُسے سخت عذاب دیا جائیگا۔ لوگ یوں تو دُعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ یا اللہ! عذابِ قبر سے بچائیو۔ یا اللہ! دوزخ

کے عذاب سے بچائیو لیکن کام وہ کرتے ہیں جو دوزخ کے عذاب کو لانے والے ہوتے ہیں۔ یعنی غریبوں کو کھانا نہیں کھلاتے اور لوگوں کو یہ نہیں کہتے کہ جب کبھی غرباء کو کوئی ضرورت ہو تو اُن کی ضرورت کو پورا کر دیا کرو۔ اِسی طرح گھر میں سے کبھی ہنڈیا، کبھی کڑچھا، کبھی چمٹا، کبھی پُھکنی ایسی ہی عام استعمال میں آنے والی چیزیں انہیں دیتے رہا کرو تا کہ غریبوں کو سہارا ہو۔

امراء کو چاہئے کہ شادی بیاہ کے موقع پر وہ عارضی طور پر غرباء کو اپنے زیورات دے دیا کریں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت اماں جان سے یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے پاس جو زیور ہیں وہ غریبوں کو بھی پہننے کے لئے دیتی رہا کرو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو زیور استعمال ہوتا رہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔[۳۳] یعنی زکوٰۃ کی اصل غرض تو یہ ہے کہ صدقہ ہو۔ جب وہ پہننے کی وجہ سے گھسے گا اور غریبوں کو فائدہ پہنچے گا تو اصل غرض پوری ہو جائیگی پس ہمیشہ آپ یہ تحریک فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی غریب گھرانے میں شادی ہو تو اپنے زیور اُن کو دے دیا کرو تا کہ وہ اپنی بہو یا بیٹی کو پہنا دیں اور اِس ذریعہ سے کچھ مدت تک وہ اپنی عزت اور شُہرت کو قائم رکھ سکیں۔ اب یہ ایک نہایت ہی آسان راستہ ہے کیونکہ زیور کا کچھ دِنوں کے لئے کسی کو دے دینا کوئی بڑی بات نہیں بلکہ ایسی چھوٹی بات ہے کہ آسانی سے ہر عورت اِس پر عمل کرسکتی ہے۔ مگر عمل کرنا مشکل ہے عام طور پر عورتیں اتنا کام بھی نہیں کرسکتیں اگر وہ اتنا کام ہی کرلیا کریں تو اُن کے ہاتھ دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ چندے کی تحریک کی اور فرمایا عورتو! تم بھی چندے دو۔ ایک عورت نے اپنا ایک کنگن اُتار کر پھینک دیا اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ میری طرف سے چندہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے عورت! تیرا دوسرا ہاتھ کہتا ہے کہ مجھے بھی دوزخ سے بچا۔ اُس نے فوراً اپنا دوسرا کنگن بھی اُتار کر آپ کی طرف پھینک دیا اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ بھی لے لیں[۳۴] غرض ان لوگوں میں اس حد تک اخلاص پایا جاتا تھا۔

احمدی خواتین کا ایک شاندار نمونہ

ہماری عورتوں نے ایک موقع پر جب برلن مسجد بنی تھی ایک مہینے کے اندر اندر ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ جمع کر دیا تھا۔ پھر بعد میں اُس کو بیچا گیا کیونکہ حکومت کی طرف سے ایسی شرطیں لگا دی گئی تھیں کہ جن کو ہم پورا نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً کہا گیا کہ جو مسجد بنے وہ تین منزلہ بنے اور اتنا روپیہ اس

پر خرچ ہو۔ مولوی مبارک علی صاحب جو اُسوقت ہمارے وہاں مبلّغ تھے انہوں نے لکھا کہ یہ شرائط ہم پوری نہیں کر سکتے۔ مَیں نے کہا اچھا زمین بیچ دو چنانچہ جو روپیہ آیا اُس سے ہم نے لندن میں مسجد بنائی۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا

اَب مَیں دُعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کا حافظ و ناصر ہو اور خیریت سے آپ لوگ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی برکات آپ کے ساتھ ہوں اور کسی قسم کے شر کی خبر آپ گھر جا کر نہ سُنیں بلکہ برکت اور رحمت کی خبریں سنیں۔ اور نہ وہاں جا کر آپ کو کوئی تکلیف ہو اور ہر قسم کی راحت اور امن آپ کو حاصل ہو۔ اور ہر قسم کا رحم اور فضل آپ لوگوں پر نازل ہوتا رہے اور اللہ تعالیٰ آپکو اگلے سال پھر خوشی اور خُرَّمِی[۳۵] کے ساتھ جلسہ سالانہ پر آنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اِس دفعہ بارشوں کی کمی کی وجہ سے زمینداروں کو بہت نقصان پہنچا ہے اور اس وجہ سے اُن کے یہاں آنے میں بہت سی مشکلات حائل تھیں۔ اللہ تعالیٰ آئندہ اُنکو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اِس سال سے بہت بڑھ چڑھ کر آئیں اور اُن پر بہت بڑی برکتیں نازل ہوں اور دشمن کا منہ کالا ہو اور اُسے پتہ لگے کہ احمدیہ جماعت ہر سال آگے سے ترقی کر رہی ہے۔

پھر باہر کے مبلّغین کے لئے بھی اور جنہوں نے دعاؤں کے لئے تاریں دی ہیں اُن کے لئے بھی اور باہر کے ملکوں میں جو ہماری جماعتیں قائم ہیں اُن کے لئے بھی دُعائیں کرو اِسی طرح عورتوں کیلئے بھی اور مردوں کیلئے اور نئی اولاد کے لئے بھی دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اُن سب کو مؤمن بنائے اور مؤمن بنا کر اپنی رحمت کے سایہ میں اُن کو رکھے اور خود ان کا مُعلّم بنے ہماری تعلیم پر ان کو نہ چھوڑے بلکہ وہ آپ ان کو تعلیم دے کر اس قابل بنائے کہ **وہ احمدیت کی خدمت کریں اور ہمیشہ اسلام کا جھنڈا اونچا رکھیں۔**

---

۱ بنی اسرائیل :۱۳ ۲ العلق :۶ ۳ یونس :۹۳

۴ البقرۃ :۱۰۳

۵ سلاطین ۱ باب ۱۱ آیت ۴ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء

۶ سلاطین ۱ باب ۱۱ آیت ۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء

۷ سلاطین ۱ باب ۱۱ آیت ۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء

۸ سلاطین ا باب ۱۱ آیت ۱۰ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء
۹ انسائیکلوپیڈیا ببلیکا
۱۰ سلاطین ا باب ۳ آیت ۱۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء
۱۱ سلاطین ا باب ۳ آیت ۱۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء
۱۲ سلاطین ا باب ۳ آیت ۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء
۱۳ متی باب ٦ آیت ۴ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء (مفہوماً)
۱۴ المؤمن:۲۰ ۱۵ الصّٰفّٰت:۹ تا ۱۱ ۱۶ الکوثر:۲ تا ۴
۱۷ سیرت ابن ھشام الجزء الاول صفحہ ۹۸، ۹۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۱۸ سیرت ابن ھشام جلد ا صفحہ ۱۳۵، ۱۳٦ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۱۹ سیرت ابن ھشام جلد ا صفحہ ۱۳۵، ۱۳٦ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۲۰ سیرت الحلبیہ الجزء الثالث صفحہ ۱۰٦ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء
۲۱ کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۳۱٦ کتاب الفضائل باب ذکر الصحابة حدیث ۳۳۳۳٦ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۸ء
۲۲ اسد الغابة الجزء الثانی صفحہ ۲۷۳۔ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۵ھ
۲۳
۲۴ الذّٰریٰت:۲۰
۲۵ ابوداؤد کتاب الجهاد باب کراهیة حرق العدوِّ بِالنَّارِ
۲٦ تاریخ ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۸۵ مطبوعہ بیروت ۱۹٦۵ء
۲۷
۲۸ خست: بخل، کنجوسی، کمینگی۔
۲۹ آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۹٦
۳۰
۳۱ الماعون:۲ تا آخر ۳۲ البقرة:۱۷۸
۳۳
۳۴ ۳۵ خُرَّمِیُ: خوشی، شادمانی، فرحت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (۱۲)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۸ء برموقع جلسہ سالانہ منعقدہ ربوہ)

روحانی عالَم کے کُتب خانے

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

۱۹۳۸ء سے مَیں نے سیر رُوحانی کے موضوع پر اپنی تقاریر کا سِلسلہ شروع کیا ہؤا ہے اور اِس کا آخری حصّہ باقی ہے اِس تقریر کے ۱۱۶ اہم عنوانات تھے جن کے متعلق مَیں نے اپنے خیالات کے اظہار کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ پندرہ عنوانات پر مَیں اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں اور آج اس کے آخری حصّہ کے متعلق اپنے خیالات کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔

حیدر آباد دکّن کا اسلام کے عروج اور اسکے زوال میں حصّہ

اِس تقریر کی تحریک مجھے اِسی ملک سے شروع ہوئی ہے جس ملک کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام کا وقار بڑھا تھا اور جس ملک کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام کا وقار کم ہؤا یعنی حیدر آباد دکن۔ جب تک اورنگ زیب نے حیدر آباد دکن فتح نہیں کیا تھا اُس وقت تک ہندوستان میں مغلوں کی حکومت صرف الٰہ آباد تک تھی اور باقی ہندوستان مغلیہ سلطنت سے باہر تھا مگر اورنگ زیب نے بڑی جانفشانی کے ساتھ اور لمبا عرصہ دارالخلافہ سے باہر رہ کر اس ملک کو اسلام کے لئے فتح کیا اور اس طرح اسلام کی بنیاد جنوبی ہندوستان میں رکھی اور سارا ہندوستان اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہوگیا مگر افسوس ہے کہ پھر یہیں سے تباہی آئی کیونکہ مرہٹے بھی اِسی علاقہ کے قریب سے نکلے ہیں۔ پھر وہی حیدر آباد جس کے فتح کرنے کے بعد اسلام کو ایک بہت بڑی طاقت حاصل ہوئی تھی اِسی ملک نے انگریزوں سے مِل کر میسوؔر کے مسلم بادشاہ سلطان حیدر علی ٹیپو پر حملہ کیا اور ان کو شکست دلائی۔

اُن کی شہادت کے بعد اسلام کی طاقت بالکل کمزور ہوگئی۔ وہ حقیقت میں اسلام کا آخری تاجدار تھا اور اپنے دل میں اسلام کی ایسی سچی محبت رکھتا تھا کہ جس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اُس زمانہ میں جب دنیا کی خبریں پہنچنی مشکل تھیں اُس کو پتہ لگا کہ نپولین بہت طاقتور ہوگیا ہے۔ اِس پر اُس نے نپولین کو لکھا کہ آپ ہندوستان آئیں تو مَیں اپنی فوجیں لے کر آپ کی مدد کیلئے نکلوں گا تا کہ ہم یہاں پھر اسلام کو قائم کریں مگر نپولین ترکوں کے علاقہ سے گزر سکتا تھا اور ترکوں نے اُسے راستہ دینے سے انکار کر دیا اِس لئے وہ یہاں آنے سے رہ گیا اور انگریزوں نے اُس پر فتح حاصل کر لی۔ اِس طرح فرانسیسی جو اُس کے ساتھ تھے ہار گئے۔ وہ شخص ایسا بہادر تھا کہ جب انگریز قلعہ کی دیواروں کے اندر داخل ہو گئے تو اُس کا ایک وزیر دَوڑتا ہؤا اُس کے پاس آیا اور اُس نے کہا فلاں دروازہ سے آپ باہر نکل جائیے، دشمن قلعے کے اندر داخل ہو گیا ہے لیکن بجائے اِس کے کہ وہ اپنی جگہ چھوڑتا اور اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا اُس نے کہا۔ مَیں اُن لوگوں میں سے نہیں جو بھاگ کر اپنی جان بچانا چاہتے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ''گیدڑ کی ایک سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی زیادہ اچھی ہے۔'' مَیں گیدڑ کی طرح بھاگنا نہیں چاہتا بلکہ مَیں شیر کی طرح مقابلہ کرونگا۔ چنانچہ وہ دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگیا۔ گویا مسلمانوں کو آخری شکست بھی وہیں ہوئی جس کی وجہ سے اسلام کا نام ہندوستان سے مٹ گیا۔ اُس کے مرنے کے بعد مرہٹے بہت طاقت پکڑ گئے اور انہوں نے سارے ملک کو تاخت وتاراج[1] کر دیا۔ بعد میں احمدؐ شاہ ابدالی نے ایک دفعہ پھر انہیں شکست دی اور اِس طرح اسلام کا بُجھتا ہؤا چراغ ایک دفعہ پھر ٹمٹما اُٹھا۔

مسلمانوں کی تباہ حالی کا شدید صدمہ

جیسا کہ مَیں کئی دفعہ بتا چکا ہوں مَیں نے اِس ملک کا سفر کیا تھا، میرے ساتھ میری ایک بیٹی امتہ القیوم تھیں، ایک میری بیوی مریم صدیقہ تھیں اور ایک میری بہن مبارکہ بیگم تھیں۔ ہم کراچی سے بمبئی اور بمبئی سے حیدرآباد گئے اور وہاں ہم نے بہت سے آثارِ قدیمہ دیکھے۔ قلعے بھی دیکھے، لائبریریاں بھی دیکھیں، مقابر بھی دیکھے، دیوانِ خاص اور دیوانِ عام بھی دیکھے، غرض بہت سے آثارِ قدیمہ ہمارے دیکھنے میں آئے۔ جب ہم واپس آئے تو دہلی میں ہم نے باقی آثار دیکھے۔ وہاں لال قلعہ بھی دیکھا، قطب صاحب کا مینار بھی دیکھا، شیر شاہ کی لاٹ بھی دیکھی، جنتر منتر بھی دیکھا۔ اِن چیزوں کو دیکھ کر میری طبیعت پر بڑا اثر ہؤا کہ

مسلمان کسی وقت کتنے طاقتور تھے اور اِسوقت وہ کتنے کمزور اور ناتواں ہیں۔ یہ ۱۹۳۸ء کی بات ہے جبکہ ابھی انگریز حاکم تھے، بھارت کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی، مگر انگریزوں نے غدر کے واقعات سے دھوکا کھا کر مسلمانوں کو ذلیل کرنا شروع کر دیا تھا اور عملی طور پر ہندوستان کے بادشاہ ہندو تھے۔ میرے دل پر اس کا بڑا اثر تھا مَیں ایک دن سیر کرنے کے لئے نکلا تو غیاثؔ الدین تغلق کے مقبرہ کے سامنے ایک ٹیلہ تھا، مَیں اپنی بیوی، بہن اور لڑکی کو لے کر اُس ٹیلہ پر چڑھ گیا۔ وہاں سے لال قلعہ بھی نظر آتا تھا، فیروز شاہ کی لاٹ بھی نظر آتی تھی، قطب صاحب کا مینار بھی سامنے تھا اور پیچھے تغلق بادشاہوں کی قبریں تھیں جو کسی وقت ہندوستان پر حکمران رہ چکے تھے ان کو دیکھ کر میرے دل پر یہ اثر ہوُا کہ کُجا وہ حالت تھی کہ مسلمانوں کی شان وشوکت حیدر آباد تک پھیلتی چلی گئی تھی اور مَیں سارے علاقہ میں اُن کی شوکت کے آثار دیکھتا چلا آرہا ہوں اور کُجا یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو کوئی پُوچھتا بھی نہیں۔

لاہور کے ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کا واقعہ

بیشک اِس میں مسلمانوں کا اپنا بھی قصور تھا مگر پھر بھی یہ ایک نہایت دردناک حالت تھی چنانچہ ۱۹۲۷ء میں لاہور کا ایک انگریز ڈپٹی کمشنر جو کسی زمانہ میں گورداسپور بھی رہ آیا تھا اور ہماری جماعت کی بہت تعریف کیا کرتا تھا اُس کے پاس ایک فساد کے موقع پر جبکہ سکھوں نے لاہور کے کچھ مسلمانوں کو جو مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے مار دیا تھا، مَیں نے خانصاحب ذوالفقار علی خانصاحب کو بھیجا اور کہا کہ آپ تو مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ تھے لیکن اس فساد میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اور آپ نے اُلٹا مسلمانوں کو پکڑ لیا ہے۔ وہ کہنے لگا مَیں آپ کو کیا بتاؤں کہ مسلمان کتنے بیوقوف ہیں۔ مَیں واقع میں مسلمانوں کا خیر خواہ تھا مگر جو کچھ میرے ساتھ گزرا وہ آپ کو معلوم نہیں۔ مَیں گورداسپور سے ملتان جا کر لگا، وہاں مَیں نے مسلمان لیڈروں کو بُلوایا اور کہا کہ مَیں نے جو پُرانے فائل دیکھے ہیں، اُن سے پتہ لگتا ہے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم کئے ہیں مگر مَیں بحیثیت ڈپٹی کمشنر گورنمنٹ کا ملازم ہوں اور کسی کو یہ پتہ نہیں لگنا چاہئے کہ مَیں نے یہ بات تمہیں بتائی ہے اگر تم کسی کو نہ بتاؤ تو مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم اِس اِس قسم کے میمورنڈم (MEMORANDUM) بھجواؤ مَیں وہ میمورنڈم گورنمنٹ کے پاس بھجوا دونگا اور اُنہیں لکھونگا کہ مسلمانوں پر اِس اِس قسم کے ظلم ہو رہے ہیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔ اُس ڈپٹی کمشنر نے بتایا کہ وہ لیڈر بڑا پختہ وعدہ کر کے گئے لیکن شام ہوئی تو انہوں نے ہندوؤں کو

بتا دیا کہ ہمیں ڈپٹی کمشنر صاحب نے یہ یہ باتیں بتائی ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن ہندوؤں کا ایک وفد میرے پاس آیا اور اُس نے شکایت کی کہ صاحب! ہم تو آپ کو اپنا مائی باپ کہتے ہیں آپ مائی باپ ہوکر مسلمانوں کو ہمارے خلاف کرنے لگے ہیں۔ اِسپر مَیں اتنا شرمندہ ہؤا کہ اس کی حد نہیں اِس کے بعد جب مَیں لاہور آیا تو یہاں یہ حالت تھی کہ اس فساد کی وجہ سے ایک بڑے لیڈر کو مسلمانوں نے میرے پاس بھجوایا کہ تم جا کر ڈپٹی کمشنر کو بتاؤ کہ مسلمانوں پر سختی ہو رہی ہے مجھے پتہ لگ گیا کہ مسلمان فلاں شخص کو میرے پاس بھیج رہے ہیں لیکن جب وہ میرے پاس آئے تو کہنے لگا۔ مَیں نے فلاں رشتہ دار کی سفارش آپ کے پاس کی تھی وہ کام ابھی ہؤا ہے یا نہیں ہؤا اور اُدھر میلا رام کے بیٹے رام سرن داس نے اپنی مِل کے متعلق مجھ سے وقت لیا ہؤا تھا وہ ملنے آیا تو مَیں نے کہا۔ سُنایئے رائے صاحب آپ کی مِل کا کیا حال ہے؟ تو اُس نے پگڑی اُتار کر میرے پاؤں پر رکھ دی اور رونے لگ گیا اور کہنے لگا۔ میری قوم تباہ ہو رہی ہے اور آپ میری مِل کا حال پُوچھ رہے ہیں۔ اَب دیکھو! مسلمانوں نے اس فساد کے سِلسلہ میں اپنے لیڈر کو میرے پاس بھیجا تو بجائے اپنا اصل مقصد بیان کرنے کے وہ مجھ سے کہنے لگا مَیں نے ایک شخص کی آپ کے پاس سفارش کی تھی اُس کا کیا بنا؟ اور اِدھر وہ ہندو جس نے فساد سے پہلے کا وقت مقرر کیا ہؤا تھا وہ آیا اور مَیں نے دریافت کیا کہ رائے صاحب! آپکی مِل کا کیا حال ہے تو اُس نے پگڑی اُتار کر میرے پاؤں پر رکھدی اور روکر کہنے لگا کہ میری قوم تباہ ہو رہی ہے اور آپ میری مِل کا حال پُوچھ رہے ہیں۔ مِل کیا چیز ہے اِسپر قوم مقدم ہے۔ تو اُس ڈپٹی کمشنر نے خانصاحب ذوالفقار علی خان صاحب سے کہا کہ جب یہ حال ہے تو مَیں کیا کروں۔ مَیں نے مجبوراً ہندوؤں کی مدد کی ہے کیونکہ ہمیں یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ ہمارا بچاؤ ہو۔ وہ ڈپٹی کمشنر ہم سے بعد میں بھی تعلق رکھتا رہا چنانچہ ۱۹۳۴ء میں احرار کے فتنہ کے وقت جب مجھے نوٹس دیا گیا کہ تم نے باہر سے احمدیوں کو نہیں بُلوانا تو چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مجھے سُنایا کہ وہ اپنی کوٹھی سے آ رہا تھا کہ اُس نے مجھے دیکھ کر ٹھہرا لیا اور کہنے لگا سُناؤ قادیان کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہمیں سخت افسوس ہے ہم نے اگر کچھ کیا ہوتا اور پھر ہمارے امام کو گورنمنٹ نوٹس دیتی تو کوئی بات تھی لیکن ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا، ہمارے امام کو کیوں نوٹس دیا گیا ہے؟ اِس پر وہ غصّہ میں آ گیا اور کہنے لگا مَیں نہیں جانتا جس جماعت نے چالیس سال گورنمنٹ کی خدمت کی ہے اُس نے اگر کچھ کیا بھی ہوتا تب بھی یہ نوٹس نہیں دینا چاہئے تھا، یہ گورنمنٹ کی غلطی ہے۔ بعد میں وہ وائسرائے

کے ملٹری سیکرٹری ہو کر چلے گئے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔

غرض اُس زمانہ میں عملی طور پر ہندوؤں کی ہی حکومت تھی۔ جب کشمیر میں فسادات ہوئے تو اُسوقت لارڈ ولنگڈن وائسرائے تھے۔مَیں کشمیر کمیٹی بنانے کے بعد اُن سے مِلا تو مَیں نے اُن سے کہا آپ کشمیر میں دخل کیوں نہیں دیتے؟ وہ کہنے لگے دخل کیوں دیں آپ نہیں جانتے اگر ہم نے دخل دیا تو کشمیر کا راجہ کتنا ناراض ہوگا۔ اُس وقت حیدرآباد میں انگریز افسر مقرر تھے مَیں نے کہا اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہندوؤں کے خیر خواہ ہیں۔حیدرآباد میں جہاں ایک مسلمان حکمران ہے آپ نے انگریز افسر بھجوائے ہوئے ہیں مگر کشمیر میں جہاں ایک ہندو راجہ ہے آپ نے کوئی انگریز افسر نہیں بھجوایا۔اس پر وہ اَور باتیں کرنے لگ گئے۔ بہر حال گو بھارت کی حکومت حال ہی میں قائم ہوئی ہے لیکن انگریزوں کے زمانہ میں بھی اصل حاکم بھارت ہی تھا اور وہ ہر جگہ قابض تھا۔

خداتعالیٰ کی طرف سے ایک نورانی کِرن کا ظہور

غرض اس سفر میں ایک طرف تو مسلمانوں کی گزشتہ شان وشوکت کے تمام آثار میری آنکھوں کے سامنے تھے اور دوسری طرف مجھے مسلمانوں کی موجودہ بے کسی اور انتہائی بےبسی دکھائی دے رہی تھی۔مَیں اِن حالات پر خاموشی سے غور کرنے لگا اور سوچتا رہا اور کافی دیر خاموش کھڑا رہا۔ میری ہمشیرہ مبارکہ بیگم نے مجھے آواز بھی دی کہ اب دھوپ تیز ہوگئی ہے واپس آجائیں مگر مَیں اپنے خیالات میں ہی محو رہا۔آخر مَیں نے کہا۔

''مَیں نے پالیا۔مَیں نے پالیا۔''

میری لڑکی امتہ القیوم بیگم کہنے لگیں۔ ابا جان! آپ نے کیا پالیا؟ مَیں نے کہا۔مَیں نے جو پانا تھا وہ پالیا۔ اُس وقت خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ تمام آثار قرآن کریم میں زیادہ شان کے ساتھ موجود ہیں۔تمہیں ان آثارِ قدیمہ پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں قرآن کریم میں جو آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں اُن کے سامنے اِن آثارِ قدیمہ کی کچھ بھی وقعت نہیں۔ میری لڑکی نے کہا۔ آپ مجھے بھی بتائیں کہ آپ نے کیا پالیا مگر مَیں نے کہا۔مَیں اِسوقت تمہیں نہیں بتاؤں گا جلسہ سالانہ کے موقع پر میں ساری جماعت کو بتاؤں گا وہاں تم بھی سُن لینا۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء کے جلسہ پر مَیں نے ''سیر روحانی'' کے موضوع پر پہلا لیکچر دیا تھا اور اب یہ اِس سلسلہ کی آخری تقریر ہے۔ جب مَیں نے اِس سلسلۂ تقاریر کو شروع کیا تو اُس وقت مَیں

جوان تھا اور میری صحت مضبوط تھی۔ مگر اب مَیں کمزور ہوں اور زیادہ دیر تک بول نہیں سکتا مگر بہرحال خدا تعالیٰ نے مجھے جس قدر توفیق دی مَیں اِس مضمون کو مکمل کرنے کی کوشش کرونگا۔

آج کی تقریر میں مَیں اُن کتب خانوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو قرآن کریم میں پائے جاتے ہیں کیونکہ اس سفر میں مَیں نے بادشاہوں کے کتب خانے بھی دیکھے تھے اور مَیں ان سے بہت متأثر ہوا تھا۔

قرآن کریم کا دعویٰ کہ اُس کے اندر ہر قسم کے کتب خانے موجود ہیں

سب سے پہلے مَیں اس بات کو بیان کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میرے اندر ہر قسم کے کتب خانے موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی سورۃ البیّنہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ۔رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً۔فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ** [۲]

یعنی اہلِ کتاب اور مکّہ کے مشرک کبھی بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آ سکتے تھے جب تک اِن کے پاس کوئی بڑی دلیل آتی ہے لیکن دلیل کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ایک دلیل وہ ہوتی ہے جو خارجی ہوتی ہے اور ایک دلیل اندرونی ہوتی ہے۔ یہ لوگ باہر کی دلیل کو کبھی قبول نہیں کر سکتے تھے اس لئے اُن کے اندر ایک رسول آنا چاہئے تھا اور رسول بھی ایسا آنا چاہئے تھا جو ریفارمر(REFORMER)ہی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ شریعت بھی ہو۔ **یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً** اور اُن کو وہ تمام کُتب پڑھ کر سُنائے جو اُن کے باپ دادوں کے زمانہ میں نازل ہوئی تھیں مگر اُن میں جو حشو وزوائد پائے جاتے تھے وہ اُن میں سے نکال دے۔ **فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ**۔ اور ایسی کتاب پڑھ کر سُنائے جس میں تمام سابقہ کُتب کی قائم رہنے والی تعلیمیں موجود ہوں اور پہلی کتابوں میں سے جو باتیں منسوخ ہوگئی ہوں وہ اس میں موجود نہ ہوں تب جا کر اُن کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

غرض قرآن کریم وہ کتاب ہے جس میں وہ تمام تعلیمیں موجود ہیں جو منسوخ نہیں ہوئیں۔ کوئی قائم رہنے والی چیز چاہے وہ وید میں ہو، ژنداوستا میں ہو، تورات میں ہو ایسی نہیں کہ وہ قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔ اور کوئی سچی یا قائم رہنے والی تعلیم ایسی نہیں جو وید، ژنداوستا، تورات یا اناجیل میں موجود ہو اور اس میں حشو [۳] مِل گیا ہو اور اُس کا ازالہ

قرآن کریم نے نہ کیا ہو۔

یہاں یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم حجم کے لحاظ سے بہت چھوٹی سی کتاب ہے جو وید اور تورات سے ہی چھوٹی نہیں بلکہ اناجیل سے بھی چھوٹی ہے۔ ایسی کتاب کا دعویٰ کرنا کہ میرے اندر تمام پہلی کتب موجود ہیں اور اُن کے حشو و زوائد کو مَیں نے دُور کر دیا ہے بتاتا ہے کہ اِس کے اندر تمام پہلی کتب بالتفصیل موجود نہیں بلکہ اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ اس کے اندر تمام اصولوں کو بیان کر دیا گیا ہے کیونکہ اگر ساری سابقہ کُتبِ سماوی اور تمام علوم اس کتاب میں بالتفصیل بیان ہوتے تو قرآن اتنی بڑی کتاب ہو جاتی کہ آسمان کی فضا کو بھی بھر دیتی مگر یہ تو جیب میں آجاتی ہے بلکہ آج ایک دوست نے مجھے تحفہ بھیجا ہے وہ ایک ٹھپّہ ہے جس پر کسی کاریگر نے ایک ہی طرف سارا قرآن کریم لکھ دیا ہے۔ لیکن اگر بڑے حجم والے قرآن کریم بھی دیکھے جائیں تو وہ چھ سات سَو صفحات میں ختم ہو جاتے ہیں لیکن بائیبل اور اناجیل اس سے بہت بڑی ہیں۔ بہرحال قرآن کریم نے جو کچھ کہا ہے کہ اس میں تمام سماوی اور الہامی کُتب موجود ہیں دین کو قائم رکھنے والی تمام تعلیمیں موجود ہیں، اِسی طرح تمام ضروری علوم موجود ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام کُتب اور علوم اپنی پوری تفصیل کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اُن تمام سچائیوں کے اصول بیان کر دیئے گئے ہیں اور اُن میں جو غلطیاں اور زوائد تھے اُن کی اصلاح کر دی گئی ہے۔

زمین وآسمان کی پیدائش چھ دنوں میں نہیں بلکہ چھ یوم میں ہوئی ہے

مثال کے طور پر مَیں اس بات کو لیتا ہوں کہ بائیبل میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے زمین وآسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور ساتویں دن آرام کیا حالانکہ تمام سائنسدان اِس بات پر متفق ہیں کہ زمین وآسمان چھ دنوں میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ وہ اس عرصہ کو چھ یوم سے بھی آگے لے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ''یوم'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور عربی زبان میں ''یوم'' کے معنے ''دن'' کے نہیں ہوتے بلکہ وقت کے ہوتے ہیں۔ پس قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ زمین وآسمان چھ وقتوں یا چھ درجوں میں پیدا کئے گئے ہیں گویا قرآن کریم میں زمین وآسمان کی پیدائش کے دن بیان نہیں کئے گئے بلکہ چھ درجے بیان کئے گئے ہیں۔ دنوں کے لحاظ سے بعض لوگوں نے اُن کو شمار جمعہ سے کیا ہے اور بعض لوگوں نے ہفتہ سے اُن کا شمار کیا ہے اور بعض نے اس کے بعد اتوار

سے شمار کیا ہے۔ یہودی لوگ ہفتہ کو ''سبت'' مانتے ہیں اور مسلمان جمعہ کو ''سبت'' شمار کرتے ہیں جو آرام کا دن ہے اور عیسائی اور ہندوؤں میں ''سبت'' اتوار کا دن ہے۔ ''سبت'' درحقیقت ہفتہ کا ہی دن تھا مگر جب رومی بادشاہ عیسائیت میں داخل ہوُا تو اُس نے پادریوں کی ایک کونسل بٹھائی اور اُس کے سامنے یہ مسئلہ رکھا کہ رومی لوگ نہ تو ایک خدا کو مانیں گے کیونکہ وہ تثلیث کے قائل ہیں اور نہ وہ ''سبت'' ہفتہ کو مانیں گے اس لئے یہاں عیسائیت کا پھیلنا مشکل ہے۔ اس پر پادریوں نے کہا کہ ہمیں تو عیسائیت کی اشاعت سے غرض ہے ہم تین خدا مان لیتے ہیں۔ مسیح، رُوح القدس اور خدا اور آپ بے شک ہفتہ کی بجائے اتوار کی تعطیل کا اعلان کردیں۔ چنانچہ عیسائیوں میں اتوار کی تعطیل ہونے لگ گئی۔ مسلمانوں میں جمعہ کی تعطیل ہوتی رہی کیونکہ قرآن کریم میں جمعہ کے دن کو ترجیح دی گئی ہے اور یہودیوں میں ہفتہ کے دن کو آرام کا دن قرار دیا گیا ہے اور تورات میں اس کا وضاحت سے ذکر ہے۔ چنانچہ اُس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کیا اور ساتویں دن اُس نے آرام کیا۔[۴] بعض اردو کے نسخوں میں مترجموں نے لوگوں کے اعتراض کے ڈر سے آرام کیا کی جگہ ''فراغت پائی'' یا ''فارغ ہوُا'' کے الفاظ لکھ دیئے ہیں لیکن دوسرے نسخوں میں ''آرام کیا'' کے الفاظ ہی موجود ہیں۔ اور اِسی بناء پر ہفتہ کے دن کو یہود میں مقدس قرار دیا گیا ہے۔[۵]

بائیبل کی اصلاح

لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ زمین وآسمان کو چھ وقتوں یا درجوں میں پیدا کیا گیا ہے مگر یہ بات غلط ہے کہ ساتویں دن خدا تعالیٰ کو آرام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ ''سورۃ قٓ'' میں فرماتا ہے کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔[۶]

یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے چھ وقتوں میں پیدا کیا ہے۔ اور ہمیں کوئی تھکان محسوس نہیں ہوئی۔ یعنی بائیبل کا یہ بیان تو درست ہے کہ زمین وآسمان کو چھ وقتوں میں پیدا کیا گیا لیکن یہ بات درست نہیں کہ اس کے بعد ہم تھک گئے ہم نہ تھکے اور نہ ہمیں آرام کی ضرورت پیش آئی۔ کیونکہ ہمارا پیدائش کا طریق ایسا ہے کہ ہم تھک ہی نہیں سکتے ایک دوسری جگہ اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ لَاتَاْ خُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط مَنْ

ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَایَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ے

فرماتا ہے۔ اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا پرستش کا اور کوئی مستحق نہیں۔ وہ اپنی ذات میں کامل حیات والا ہے اور دوسروں کو حیات عطا کرنے والا ہے اور اپنی ذات میں قائم اور ہر ایک چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔ نہ اُسے اونگھ آتی ہے اور نہ وہ نیند کا محتاج ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کرے۔ جو کچھ اُن کے سامنے ہے یعنی ان کا مستقبل اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے یعنی ان کی نظروں سے غائب ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ اس کی مرضی کے سِوا اس کے علم کے کسی حصّہ کو بھی نہیں پا سکتے۔ اُس کا علم تمام زمین وآسمان پر حاوی ہے۔ اور زمین وآسمان کی حفاظت اُس پر کوئی بوجھ نہیں بلکہ وہ نہایت آسانی کے ساتھ ان دونوں کا انتظام چلا رہا ہے۔ اور وہ بڑی بلند شان رکھنے والا اور بڑی عظمت اور جبروت کا مالک ہے۔ اب جس ہستی نے ''کُن'' کہہ کر ساری دنیا کو پیدا کیا ہو اور اُس پر نہ اونگھ آئے نہ نیند، نہ زمین وآسمان کی حفاظت کا کام اُس کیلئے بوجھ ہو اُس کے لئے کسی تھکان کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے۔

پیدائشِ عالَم کے متعلق قرآنی نظریہ

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ پیدائشِ عالَم کے متعلق فرماتا ہے اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۸

یعنی اللہ تعالیٰ کا پیدائشِ عالَم کے معاملہ میں یہ طریق ہے کہ جب وہ کِسی چیز کے متعلق چاہتا ہے کہ ہو جائے تو وہ صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہوجاتی ہے اور ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں یَکُوْنُ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جو اپنے اندر اِستمرار کے معنے رکھتا ہے۔ پس اِس کے یہ معنے نہیں کہ وہ ''کُنْ'' کہتا ہے اور چیز تیار ہو جاتی ہے بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ یعنی انسان کا طریق یہ ہے کہ جس چیز کو پیدا کرتا ہے محنت سے کرتا ہے اور اس میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ وہ جس چیز کو چاہے پیدا کر دے بلکہ یا تو وہ نمونہ دیکھ کر اُس جیسی چیز بناتا ہے اور یا بڑی محنت سے کوئی چیز ایجاد کرتا ہے۔ پھر وہ جس چیز کو بناتا ہے وہ صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ اُس میں تناسل کا سِلسلہ نہیں ہوتا۔ لیکن خدا تعالیٰ بغیر نمونہ کے پیدا کرتا ہے اور پھر

پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً موٹر انسان کی پیدا کی ہوئی ہے مگر ابھی تک کسی نے نہیں سُنا کہ موٹر نے کبھی بچہ دیا ہو۔ اِسی طرح ریل ہے یہ انسان کی ایجاد ہے مگر کِسی نے نہیں سُنا ہو گا کہ ریل نے بچّہ دیا ہے اور اب ایک کی بجائے دس ریلیں بن گئی ہیں مگر خدا تعالیٰ کی پیدائش دیکھ لو وہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اُس نے صرف ایک آدم پیدا کیا تھا مگر اب اربوں آدمی موجود ہیں گویا اُس کی نسل پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اِسی طرح ایک مسیح اس نے پیدا کیا مگر اب اور مسیح پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور قیامت تک ہوتے چلے جائیں گے۔ اِسی طرح ایک ابراہیم اس نے پیدا کیا تھا مگر اس کے بعد ابراہیم پر ابراہیم پیدا ہوتے چلے گئے اِسی لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''فَاطِر'' بھی آتا ہے۔

فاطر کے معنے فاطر کے معنے ہیں بغیر نمونہ کے پیدا کرنے والا۔ چنانچہ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ کُنْتُ لَا اَدْرِیْ مَا فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰی اَتَانِیْ اَعْرَابِیَّانِ یَخْتَصِمَانِ فِیْ بِئْرٍ فَقَالَ اَحَدُھُمَا اَنَافَطَرْتُھَا اَیْ اِبْتَدَأْتُھَا [9] یعنی مَیں قرآن کریم میں فاطر کا لفظ پڑھا کرتا تھا لیکن مجھے پتہ نہیں چلتا تھا کہ فاطر کیا ہوتا ہے یعنی جب خالق کہہ دیا تو پھر فاطر کیا ہوا۔ یہاں تک کہ ایک دن میرے پاس دو اعرابی آئے جو ایک کنویں کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا میرا کنواں ہے اور دوسرا کہہ رہا تھا یہ میرا کنواں ہے۔ اُن میں سے ایک نے کہا مَیں نے اِسے فطر کیا تھا۔ اور اس سے مراد یہ تھی کہ مَیں نے اِسے پہلے کھودا تھا بعد میں اِس نے قبضہ کر لیا۔ اُس دن مجھے فاطر کے حقیقی معنوں کا علم ہوا۔ اور مَیں سمجھ گیا کہ فاطر اس کو کہتے ہیں جو نئے سرے سے ایجاد کرے اور بغیر نمونہ کے ایجاد کرے۔ اور اعرابی کا یہ کہنا کہ ''اَنَا فَطَرْتُھَا'' اِس کے معنے یہ تھے کہ پہلے اس علاقہ میں کوئی کنواں نہیں تھا۔ پہلے پہل مَیں نے ہی کنواں کھودا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس اعرابی کے استعمال کی وجہ سے مجھے ''فاطر'' کے معنے سمجھ آئے اور مجھے معلوم ہوا کہ اس کے معنے ابتداء کرنے کے ہیں پس ''کُنْ فَیَکُوْنُ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن چیزوں کو پیدا کرتا ہے اُن میں تناسل کا سِلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اِس قسم کی اَور چیزیں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں اور وہ ختم نہیں ہو جاتیں۔ مثلاً اُس نے سورج اور چاند پیدا کئے ہیں اور اب نئے نئے سورج اور چاند پیدا ہو رہے ہیں جیسا کہ علمِ ہیئت سے ثابت ہے۔ اُس نے صرف ایک پہاڑ اور صرف ایک دریا ہی پیدا نہیں کیا بلکہ اُس کے بنائے ہوئے

پہاڑوں اور دریاؤں سے نئے نئے پہاڑ اور دریا نکلتے جا رہے ہیں۔ اُس نے صرف ایک انسان پیدا نہیں کیا تھا بلکہ اُس کی نسل سے کروڑوں اور اربوں انسان پیدا ہو گئے ہیں۔ اُس نے ایک ابراہیمؑ ہی پیدا نہیں کیا بلکہ پہلے ابراہیم کی مثال میں ہزاروں ابراہیم پیدا ہو رہے ہیں۔ اُس نے ایک نوحؑ ہی پیدا نہیں کیا بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی مثال میں ہزاروں اور نوحؑ پیدا ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے انبیاء کا نمونہ تھے۔ اور اُن کے وجود میں سارے انبیاء زندہ ہو گئے تھے بلکہ آپؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخری زمانہ میں مہدی آخر الزمان کے زمانہ میں سارے انبیاء زندہ ہو جائیں گے۔

مہدی آخر الزمان کے متعلق حضرت امام باقرؒ کے ارشادات

چنانچہ شیعوں کے امام باقرؒ ''بحار الانوار'' میں فرماتے ہیں کہ امام مہدی کہے گا اے لوگو! اگر تم میں سے کوئی ابراہیم اور اسماعیلؑ کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ سُن لے کہ مَیں ہی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ ہوں[۱۰] آجکل تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ہے ؎

مَیں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوب ہوں نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

لیکن امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ آخری زمانہ میں مہدی کہے گا کہ اے لوگو! تم میں سے جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو دیکھنا چاہتا ہو وہ سُن لے کہ مَیں ہی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ ہوں۔

اور اگر تم میں سے کوئی حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوشعؑ کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ سُن لے کہ مَیں ہی موسیٰؑ اور یوشعؑ ہوں اور اگر تم میں سے کوئی عیسیٰؑ اور شمعونؑ کو دیکھنا چاہتا ہے تو سُن لے کہ مَیں ہی عیسیٰؑ اور شمعون ہوں اور اگر تم میں سے کوئی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کو دیکھنا چاہتا ہے تو سُن لے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ مَیں ہی ہوں۔[۱۱]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے مثیل اور اُن سے افضل تھے

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وضاحت سے فرماتا ہے کہ آپؐ حضرت موسیٰؑ کے مظہر ہیں فرمایا اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا[۱۲] ۝

یعنی اے لوگو! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح ایک رسول تمہارا نگران بنا کر بھیجا ہے جس

طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ اِسی طرح سورۃ یوسف کے آخر میں بھی یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یوسفؑ کے مثیل ہیں۔ چنانچہ جب آپؐ نے مکّہ فتح کیا اور آپ کے سامنے وہ تمام مُجرم پیش ہوئے جنہوں نے آپؐ کو مکّہ سے نکال دیا تھا اور وہ تیرہ سال تک آپؐ پر اور آپؐکے صحابہؓ پر بے انتہاء ظلم کرتے رہے تھے تو آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ بتاؤ اب تم سے کیا سلوک کیا جائے؟ تو وہ لوگ گو آپؐ کے منکر تھے لیکن قرآن کریم سُن سُن کر اُن کو اتنا پتہ لگ گیا تھا کہ آپؐ مثیلِ یوسفؑ بھی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔ آپؐ ہم سے وہی سلوک کریں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا اور چونکہ آپ مثیلِ یوسف تھے اس لئے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ جاؤ میں تم سب کو معاف کرتا ہوں، اسی طرح آپؐ نے بھی مشرکین مکّہ سے فرمایا کہ لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ [۱۳] آج تم پر کسی قسم کی گرفت نہیں۔ گویا آپؐ نے عملاً وہی مثال پیش کی جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے معاملہ میں پیش کی تھی۔ حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تو اُن کے باپ کی نسل میں سے تھے لیکن مکّہ والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کی نسل میں سے نہیں تھے اور نہ ہی اُن سے آپؐ کا دودھ کا کوئی تعلق تھا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے مثیل ہی نہیں تھے بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر تھے۔ صرف مثال کے طور پر چند مثالیں پیش کی گئی ہیں ورنہ حقیقتاً آپؐ سب انبیاء کے مثیل تھے۔ آپؐ مثیلِ آدمؑ بھی تھے کیونکہ آپؐ کے ذریعہ ایک نئی نسل چلی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو صرف اتنی فضیلت حاصل ہے کہ اُن کے ذریعہ سے اور بشر پیدا ہوئے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے آدم ہوئے کہ آپؐ کے ذریعہ سے ایک ایسی نسل چلی جو تمام انسانوں سے ممتاز تھی جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد تمام جانوروں سے ممتاز تھی۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ دین تھا جو دینِ فطرت تھا اور آپؐ کو ایسی تعلیم مِلی تھی جس میں ساری دنیا کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم تھا۔ اِسی طرح آپؐ مثیلِ نوحؑ بھی تھے کیونکہ آپ کی قوم پر بھی ایسا طوفان آیا جیسے نوح علیہ السلام کی قوم پر آیا تھا اور اس سے وہی بچے جو آپؐ کی کشتی میں بیٹھے تھے۔

تاریخی نقطۂ نگاہ سے قرآنی کُتب خانہ پر نظر

اَب میں کُتب خانوں کی مناسبت سے سب سے پہلے تاریخ کو لیتا ہوں

اور بتا تا ہوں کہ باوجود اِس کے کہ دنیا میں بہت سی تاریخ کی کتابیں موجود ہیں پھر بھی قرآن کریم نے جو تاریخ پیش کی ہے اس کی مثال دنیا کی کوئی تاریخی کتاب پیش نہیں کرسکتی۔

تاریخِ وحی ورسالت

اِس بارہ میں مَیں سب سے پہلے تاریخِ وحی ورسالت کو لیتا ہوں۔ قرآنِ کریم نے اصولی طور پر یہ بات بیان کی ہے کہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ [۱۴] یعنی دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت دینے والا نہ آیا ہو۔ اِسی طرح فرماتا ہے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ [۱۵] ہر ایک قوم میں کوئی نہ کوئی ہادی گزرا ہے۔ نذیر کے معنے نبی کے بھی ہوتے ہیں [۱۶] مگر نذیر کے لغوی معنے ڈرانے والے کے ہوتے ہیں۔ یعنی جب قوم سوئی ہوتی ہے تو وہ انہیں آکر ہوشیار کرتا ہے۔ اِس کے معنے زیادہ تر ریفارمر (REFORMER) کے بھی سمجھے جا سکتے ہیں۔ مگر ہادی کے معنوں میں نبوت زیادہ واضح ہے اور یوں قرآنی محاورہ کے مطابق بھی اور لُغت کے لحاظ سے بھی نذیر کے معنے نبی کے بھی ہوتے ہیں۔ غرض قرآن کریم نے بتایا ہے کہ دنیا کی ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نبی یا کم ازکم کوئی ریفارمر ضرور آیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں حضرت کرشنؑ اور رام چندر جی کو نبیوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور ان کا نام اوتار رکھا جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ كَانَ فِي الْهِنْدِ نَبِيًّا اَسْوَدُ اللَّوْنِ اِسْمُهٗ كَاهِناً [۱۷] یعنی ہندوستان میں ایک سیاہ فام نبی گزرے ہیں جن کا نام کنہیا یعنی کرشن تھا۔ اب دیکھو کہ ہندو کہتے ہیں کہ مسلمان ہمارے دشمن ہیں لیکن قرآن کہتا ہے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہندوستان میں بھی ہمارے بعض بزرگ بندے گزرے ہیں۔ اور جب ہندوستان میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بھائی گزرا ہے تو اُس کی اولاد کے ہم دشمن کیسے ہوسکتے ہیں۔ مسلمان ہرگز ہندوؤں کے دشمن نہیں کیونکہ ہندو حضرت کرشنؑ اور رام چندر جیؑ کی اولاد ہیں۔ یا کم سے کم اُن کی اُمت ہیں اور اُن کے ماننے والے ہیں اور ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ [۱۸] پس کرشنؑ اور رام چندر جیؑ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجوں کے ہم دشمن کیسے ہوسکتے ہیں۔ جو لوگ ہمارے آقا کے بھتیجے ہونگے نہ ہمارا آقا اُن کا دشمن ہوگا اور نہ ہم اُن کے دشمن ہونگے۔ یہ محض غلط فہمی اور ضِدّ ہے ورنہ مسلمان جو قرآن کریم سمجھتا ہے وہ نہ کسی ہندو کا دشمن ہوسکتا ہے اور نہ

اس کی عداوت اس کے اندر پیدا ہوسکتی ہے۔

دِلّی کے ایک بزرگ کا کشف

پُرانے زمانہ میں دِلّی کے ایک بزرگ گزرے ہیں اُن کے ایک مُرید نے ایک دفعہ کہا کہ ہمارا یہ خیال غلط ہے کہ کرشن جی اور رام چندر جی ہندوستان کے نبی تھے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک آگ جل رہی ہے اور کرشن جی تو اُس کے اندر جل رہے ہیں اور رام چندر جی اُس کے کنارے کھڑے ہیں وہ بزرگ کہنے لگےتم نے اِس خواب کی تعبیر غلط سمجھی ہے۔آگ کے معنے محبتِ الٰہی کی آگ کے ہیں اور اِس خواب میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ بتایا ہے کہ حضرت کرشنؑ خدا تعالیٰ کی محبت میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور رام چندر جی اُن سے کم درجہ رکھتے تھے۔اب دیکھو پُرانے زمانہ کے اولیاء بھی یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں حضرت کرشنؑ اور حضرت رام چندر خدا تعالیٰ کے نبی گزرے ہیں اور محبتِ الٰہی کی آگ نے اُن کا احاطہ کیا ہؤا تھا۔

اِسی طرح چین میں کنفیوشسؒ کو پیش کیا جاتا ہے گوچینی زبان میں آپ کا نام نبی کی بجائے کچھ اَور رکھا گیا ہے اور آپ کو زیادہ تر اُستاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر اسی کو عربی زبان میں ’’نذیر‘‘اور’’ہادی‘‘ کہتے ہیں۔اِسی طرح برما اور سیلون میں حضرت بدھ علیہ السلام کو پیش کیا جاتا ہے کہ وہ خدا رسیدہ انسان تھے اور خدا کا کلام اُن پر نازل ہوتا تھا۔گو بدھ علیہ السلام بہار میں پیدا ہوئے ہیں مگر بہر حال جن قوموں نے انہیں مانا وہ اُن کے لئے ہادی ہی تھے۔ہندوستان نے بھی ایک دفعہ اُنکو مان لیا تھا لیکن بعد میں آپ کے ماننے والوں کو اُس نے ملک سے نکال دیا۔چنانچہ اُن میں سےبعض تبت چلے گئے ،بعض برما چلے گئے ،کچھ سیلون یا جاپان چلے گئے۔

غرض قرآن کریم نے اس ایک آیت میں ہی تمام مذہبی تاریخِ عالَم بیان کر دی اور سب تاریخوں پر روشنی ڈال دی۔اب اگر ایک عیسائی یا ہندو چین جاتا ہے اور وہاں کنفیوشس کا ذکر سُنتا ہےتو وہ اپنی کتاب کے بچاؤ کی فکر میں پڑ جاتا ہے کیونکہ اس نے انجیل اور وید میں پڑھا ہوتا ہے کہ خدا صرف عیسائیوں اور ہندوؤں کا خدا ہے باقی قوموں کا خدا نہیں لیکن اگر کوئی مسلمان غیر قوموں میں جاتا ہے اور وہاں اُن کے ہادیوں کا ذکر سُنتا ہے تو بجائے کوئی فکر کرنے کے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میری کتاب کی سچائی ظاہر ہوگئی۔مجھے تاریخِ عالَم میں تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی خود اِن قوموں نے میرے سامنے اپنے ہادی پیش کر دیئے اور میری کتاب کی سچائی ظاہر کر دی۔چین والے کنفیوشس کو پیش کرتے ہیں، برما اور سیلون والے

بدھ علیہ السلام کو پیش کرتے ہیں تو ہندو کو فکر پڑ جاتی ہے، عیسائی کو فکر پڑ جاتی ہے، یہودی کو فکر پڑ جاتی ہے کہ یہ کیا ہوا ہمیں تو بڑی مشکل پیش آ گئی۔ لیکن ایک مسلمان جہاں کہیں جاتا ہے اُسے کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اُس کے سامنے کنفیوشس کا نام پیش کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اُس کے سامنے زرتشت کا نام پیش کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ کرشنؑ کا نام آتا ہے تو کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ رام چندر جی کا نام آتا ہے تو کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ بدھؑ کا نام آتا ہے تو کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے میری کتاب میں یہی لکھا ہے کہ ہر قوم میں ہادی آئے ہیں مجھے کوئی تلاش نہیں کرنی پڑی۔ ہندوؤں نے آپ ہی پیش کر دیا ہے کہ ہمارے اندر کرشنؑ اور رامچندر جی وغیرہ آئے ہیں، بُدھوں نے آپ ہی پیش کر دیا ہے کہ ہمارے اندر بدھ گزرے ہیں، عیسائیوں نے آپ ہی پیش کر دیا ہے کہ ہمارے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام گزرے ہیں، یہودیوں نے آپ ہی پیش کر دیا ہے کہ ہمارے اندر موسیٰ علیہ السلام گزرے ہیں، یونانیوں نے آپ ہی پیش کر دیا ہے کہ ہمارے اندر سقراط گزرا ہے۔

سقراطؑ بھی خدا تعالیٰ کا ایک نبی تھا

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یونان میں کوئی نبی نہیں گزرا اور گویہ ہمارا کام نہیں کہ ہم وہاں کے کسی نبی کو تلاش کرتے پھریں مگر چونکہ قرآن کریم نے اصولی طور پر کہہ دیا ہے کہ ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نبی گزرا ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یونان میں بھی نبی آیا ہے اور سقراط کے متعلق تاریخ کہتی ہے کہ وہ کہا کرتا تھا مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں اور مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ اُس وقت کی حکومت نے جو بُت پرست تھی اُس کے قتل کی تاریخ مقرر کر دی اُس کے ایک شاگرد نے یہ پیشکش کی کہ آپ یہاں سے بھاگ جائیں تو سقراط نے جواب دیا کہ مجھے تو فرشتوں نے بتایا ہے کہ تیری موت اِس طرح واقع ہوگی۔ مَیں اِس موت سے کِس طرح بھاگ سکتا ہوں۔[19]

مذہبی تاریخ کے سِلسلہ میں قرآن کریم کا ایک عظیم الشان انکشاف

پھر مذہبی تاریخ کے ضمن میں قرآن کریم نے یہ عظیم الشان انکشاف کیا کہ سمندر میں ڈوبتے وقت فرعون نے توبہ کر لی تھی اور وہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ربّ پر ایمان لے آیا تھا اور یہ کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ کہا تھا کہ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَ نِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً۔[20]

یعنی تُو بہت آخری وقت میں ایمان لایا ہے اگرتُو پہلے ایمان لاتا تو ہم تیرے جسم اور روح دونوں کو بچا لیتے مگرتُو چونکہ ڈوبتے وقت ایمان لایا ہے اسلئے ہم اس وقت تجھ پر یہ احسان تو نہیں کر سکتے کہ ہم تیری رُوح کو بچائیں کیونکہ موت کے وقت تیرا ایمان لانا کافی نہیں اب ہم تجھ سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے جسم کو بچا لیا جائے گا تا تیرا نشان قائم رہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کو ظاہر کرتا رہے۔ چنانچہ اب انیسویں صدی میں آثارِ قدیمہ کی تحقیق کرنے والوں کو فرعون کی لاش مِل گئی ہے اور اُسے مصر کے عجائب گھر میں مَیں نے خود دیکھا ہے۔ بعد میں اِس لاش کو لنڈن لے جایا گیا تھا لیکن اب سُنا ہے کہ پھر مصر آ گئی ہے۔ پس یہ زبردست ثبوت اس بات کا ہے کہ قرآن کریم میں جو تاریخِ عالَم پائی جاتی ہے دنیا کی کوئی تاریخ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ بائیبل کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت کی تاریخ بیان کرتی ہے لیکن وہ فرعون کے جسم کے بچائے جانے کے متعلق بالکل خاموش ہے مگر قرآن کریم جو موسیٰ علیہ السلام کے دو ہزار سال بعد آیا ان واقعات کو بیان کرتا ہے جو بائیبل میں مذکور نہیں اور تاریخ ان واقعات کی تصدیق کرتی ہے یہ ثبوت ہے اِس بات کا کہ قرآن کریم کو نازل کرنے والا وہ خدا ہے جس سے زمین وآسمان کی کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

قرآن کریم میں بعض قدیم اقوام کی تاریخ کا ذکر

پھر قرآن کریم میں انبیاء کی تاریخ کے علاوہ قوموں کی تاریخ بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ عادؔ قوم کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ۔[۲۱]

کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرے ربّ نے عاد سے کیا معاملہ کیا تھا یعنی عادِ ارؔم سے جو بڑی بڑی عمارتوں والے تھے اور جن کی مانند کوئی قوم ان ملکوں میں پیدا ہی نہیں کی گئی تھی۔

اِس آیت میں قومِ عاد کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ بڑے بڑے محلّات بناتی تھی جن کو ستونوں پر کھڑا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ’’بعل‘‘ انہی لوگوں کا دیوتا تھا اور ’’بعلبک‘‘ انہی لوگوں کا بسایا ہوا شہر تھا جو لبنان کی سرحد پر واقع ہے۔ میں ۱۹۵۵ء میں جب بیمار ہوا اور لنڈن گیا تو چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے ساتھ بعلبکؔ بھی گیا تھا۔ جرجی زیدان جو بڑا سخت عیسائی مؤرخ ہے وہ بھی اپنی کتاب ’’العرب قبل الاسلام‘‘ میں یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ عاد قوم کے متعلق تاریخ کی سینکڑوں صفحات کی کتابیں اِس سے زیادہ معلومات بیان نہیں

کر سکیں جتنی معلومات قرآن کریم نے چند الفاظ میں بیان کر دی ہیں۔ مَیں نے خود عاؔد قوم کا بعلبکؔ میں محل دیکھا جو ایک سَو پچاس ستونوں پر بنا ہؤا ہے اور اُن ستونوں پر کئی بڑے بڑے کمرے اور برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ اور قرآن کریم نے بھی یہی بتایا تھا کہ وہ ستونوں پر اپنی عمارتیں کھڑا کیا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے اُن دنوں فنِ تعمیر اپنے عروج پر تھا۔ گویا قرآن کریم میں علمِ تاریخ کے علاوہ علمِ تعمیر بھی آ گیا۔ اِسی طرح قومِ ثمود کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اَنَّهٗۤ اَهۡلَکَ عَادَا ۨالۡاُوۡلٰی ۙ وَثَمُوۡدَاۡ فَمَاۤ اَبۡقٰی [۲۲]

یعنی اُس خدا نے پہلی عاد قوم کو ہلاک کیا تھا اور پھر ان کے بعد ثمود کو بھی اُس نے ہلاک کیا اور عذاب نے ان کا کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ثمود، عاد قوم میں سے نکلے تھے۔ چنانچہ نئے آثار جو اَب اردنؔ میں پائے گئے ہیں وہ ثمود کے ہی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ وہ آثار کسی متمدن قوم کے ہی ہیں۔ پس تاریخِ عالَم کو بھی قرآن کریم نے اپنے اندر خلاصۃً بیان کر دیا ہے۔

نیچرل ہسٹری پر قرآن کریم کی روشنی

اِسی طرح دنیا میں ایک علم نیچرل ہسٹری (NATURAL HISTORY) کا پایا جاتا ہے۔ جس کے ماتحت شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں وغیرہ کے متعلق بڑی وسیع تحقیق کی گئی ہے۔ اس علم پر قرآن کریم نے بھی روشنی ڈالی ہے۔ اور شہد کی مکھی کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ہم نے خود اس کے ظرف کے مطابق اس کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں یا درختوں یا عرشوں پر اپنا گھر بنا اور پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے تھوڑا تھوڑا لے کر کھا اور لوگوں کے لئے شہد تیار کر۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ شہد کی مکّھیاں بھی مختلف قسم کی ہیں۔ اُن میں سے بعض پہاڑوں میں چھتّے بناتی ہیں، بعض درختوں پر چھتّے بناتی ہیں اور بعض عرشوں پر جو انگوروں وغیرہ کے لئے تیار کئے جاتے ہیں چھتّے بناتی ہیں۔ [۲۳] اور پھر مکھی اُس استعدادِ باطنی سے کام لے کر جو خدا تعالیٰ نے اس کے اندر پیدا کی ہے مختلف پھلوں اور پھولوں وغیرہ سے غذاء حاصل کرتی اور شہد تیار کرتی ہے جو مختلف رنگوں اور مختلف اقسام کا ہوتا ہے مگر باوجود مختلف اقسام ہونے کے ان سب میں یہ بات مشترک طور پائی جاتی ہے کہ شہد لوگوں کے لئے شفاء کا موجب ہوتا ہے اور مختلف قسم کے امراض کو دُور کرنے کے کام آتا ہے۔ [۲۴]

علمِ نباتات کے متعلق قرآن کریم کا ایک اہم انکشاف

اِسی طرح علمِ نباتات بھی ایک علم ہے جس پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ قرآن کریم نے اِس علم کے متعلق سب سے پہلے یہ انکشاف فرمایا کہ تمام نباتات میں نر و مادہ کا وجود پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ بَھِیْجٍ۔ [۲۵] ہم نے زمین میں ہر قسم کے خوبصورت جوڑے اُگائے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ہے تو عربوں میں صرف اتنا علم پایا جاتا تھا کہ کھجور میں نر و مادہ ہوتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن نازل ہؤا انہیں اتنا علم بھی نہیں تھا۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سے گزرے تو آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھیتوں میں کام کر رہے ہیں اور وہ ایک جگہ سے کوئی چیز لاتے ہیں اور دوسری پر لگا دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم نر کھجور کا مادہ کھجور سے پیوند کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اِس کا کیا فائدہ جو پھل لگنا ہے وہ تو آپ ہی لگ جائے گا۔ انہوں نے یہ بات سُن کر نر اور مادہ درختوں کو آپس میں ملانا ترک کر دیا۔ دوسرے سال وہ لوگ آپؐ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہماری فصل تو بہت کم ہوئی ہے کیونکہ ہم آپؐ کے کہنے پر پیوند لگانے سے رُک گئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا تم کیوں رُک گئے تھے؟ مَیں تو ایک انسان ہوں اور مجھے علمِ غیب حاصل نہیں۔ اگر تمہارے تجربہ سے یہ بات ثابت تھی تو تم نے میری بات نہیں ماننی تھی۔ [۲۶]

پھر قرآن کریم نے صرف نباتات کے نر و مادہ ہونے کا ہی ذکر نہیں کیا بلکہ فرمایا۔ وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ [۲۷]

ہم نے ہر چیز کے نر و مادہ بنائے ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اب انسان کے نر و مادہ کا تو سب کو علم ہے، جانوروں کے نر و مادہ کا بھی علم ہے، زراعت کے متعلق بھی اب بہت حد تک پتہ لگ گیا ہے کہ درختوں اور نباتات میں نر و مادہ کا وجود پایا جاتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر یہ قانون بتایا جاتا ہے کہ باغوں میں شہد کی مکھیاں پالنی چاہییں اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ شہد کی مکھی نر کا پُھول لے کر مادہ کے پُھول سے ملا دیتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں پھل زیادہ ہوتا ہے۔ ہمارے علاقہ میں تو اس کا رواج کم ہے لیکن پشاور کی طرف چلے جاؤ تو بڑے بڑے خاندانوں نے اپنے باغات میں شہد کی مکھیاں پالی ہوئی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہاں باغ زیادہ

لگائے جاتے ہیں اور اُن میں پھل زیادہ آتا ہے بلکہ تازہ سائنٹیفک تحقیقات سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ جمادات میں بھی بعض قسمیں ایسی ہیں جن میں نر و مادہ کا وجود پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض سائنسدانوں نے ثابت کیا ہے کہ ٹین [۲۸] میں بھی نر و مادہ پایا جاتا ہے۔

مسئلہ ارتقاء اور قرآنی کتب خانہ

پھر نیچرل ہسٹری والے بیان کرتے ہیں کہ انسان بندر سے بنا ہے۔ چنانچہ ڈارون نے اِس تھیوری کو پیش کیا کہ پہلے دنیا میں چھوٹے جانور بنے۔ پھر اُس سے بڑے جانور بنے اور پھر اُن جانوروں میں سے کسی جانور سے ترقی کر کے انسان بنا مگر وہ جانور جس سے انسان بنا اب ملتا نہیں، ہاں اتنا پتہ چلتا ہے کہ اس جانور کی اعلیٰ قسم بندر ہے۔ گویا اس کے نزدیک انسانی ارتقاء بندروں کی قسم کے ایک جانور سے ہوا ہے مگر بعض دوسرے محقّقین کہتے ہیں کہ گو انسان نے ارتقائی قانون کے ماتحت ہی ترقی کی ہے مگر وہ حیوانات کی نسل سے بہت پہلے سے جُدا ہو چکا تھا اور اُسی وقت سے آزادانہ ترقی کر رہا ہے۔ چونکہ دنیا اس بارہ میں صحیح علم کی سخت محتاج تھی اِس لئے قرآنی کتب خانہ نے اس اہم موضوع کے متعلق بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ **مَالَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًاo وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا** [۲۹]

یعنی اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق وقار کا خیال نہیں رکھتے۔ وقار کے معنے عام طور پر سنجیدگی کے سمجھے جاتے ہیں حالانکہ وقار کے معنے ہوتے ہیں حکمت کے ساتھ کام کرنا پس **مَا لَکُمْ لَاتَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا** کے یہ معنے ہیں کہ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ خیال کرتے ہو کہ وہ یونہی بغیر حکمت کے کام کرتا ہے حالانکہ وہ ہر کام حکمت کے ساتھ کرتا ہے **وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا** اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے تم کو درجہ بدرجہ مختلف تبدیلیوں میں سے گزارتے ہوئے پیدا کیا ہے تا کہ تمہاری پیدائش میں کوئی نقص نہ رہے اگر وہ بغیر کسی حکمت کے کام کرتا تو مختلف دَوروں میں سے وہ انسان کو کیوں گزارتا۔ وہ اُسے یکدم پیدا کر دیتا مگر اُس نے انسان کو یکدم پیدا نہیں کیا بلکہ قدم بقدم کئی دَوروں میں سے گزارتے ہوئے پیدا کیا ہے۔ کبھی اُس پر عدم کا دَور تھا، کبھی وہ ایک وجود تو تھا مگر بغیر دماغ کے، کبھی نُطفہ سے اُس کی پیدائش ہونے لگی اور پھر آخر میں اُس پر وہ دَور آیا جبکہ اُس کا دماغ کامل ہو گیا اور وہ صحیح معنوں میں انسان کہلانے لگ گیا۔

قرآنی کتب خانہ میں زمین وآسمان کی پیدائش کا ذکر

پھر قرآن کریم زمین وآسمان کی پیدائش کے متعلق فرماتا ہے

اَوَلَمْ یَرَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰـھُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ [۳۰]

یعنی کیا کفار نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں بند تھے پھر ہم نے اُن کو کھول دیا اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ اب جو سورج چاند اور زمین الگ الگ ہے پہلے ایک وجود کی شکل میں الگ الگ جُڑے ہوئے تھے، پھر علیحدہ علیحدہ کر دیئے گئے اور سورج چاند اور زمین بن گئے اور یہی حقیقت آجکل کے سائنسدان پیش کرتے ہیں۔

قرآنی کتب خانہ میں نظام ہائے شمسی کا ذکر

اِسی طرح پہلے عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ صرف ایک نظامِ شمسی کام کر رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بتایا کہ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ۔ [۳۱]

یعنی اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے ہیں اور زمینیں بھی آسمانوں کے عدد کے مطابق پیدا کی ہیں۔ عربی میں سَبْعَ کا لفظ مبالغہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس اِس لفظ کے ذریعہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ بہت سے آسمان اور زمینیں پیدا کی گئیں ضروری نہیں کہ وہ سات ہی ہوں۔

تاریخِ انبیاء اور قرآن کریم

اَب مَیں یہ بتاتا ہوں کہ قرآن کریم میں تاریخِ انبیاء بھی بیان کی گئی ہے اور تمام انبیاء کو ان الزامات سے پاک قرار دیا گیا ہے جو مختلف قوموں نے اُن پر عائد کئے۔

حضرت لُوط علیہ السلام پر بائبل کا گندا الزام

مثلاً بائبل میں حضرت لُوط علیہ السلام کے متعلق آتا ہے:-

''اور لوط ضُغر سے اپنی دونوں بیٹیوں سمیت نکل کر پہاڑ پر جا رہا کیونکہ ضُغر میں رہنے سے اُسے دہشت ہوئی۔ اور وہ اور اُس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگیں۔ تب پلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو تمام جہان کے دستور کے موافق ہمارے پاس اندر آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مَے پلائیں اور اُس سے ہم بستر ہوں تاکہ اپنے

باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سوانہوں نے اُسی رات اپنے باپ کو مَے پلائی اور پلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی۔ پر اُس نے اُس کے لیٹتے اور اُٹھتے وقت اُسے نہ پہچانا۔ اور دوسرے روز ایسا ہوا کہ پلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو مَیں اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی آؤ آج رات بھی اُسکو مَے پلائیں اور تُو بھی جا کے اُس سے ہم بستر ہو کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو اُس رات کو بھی انہوں نے اپنے باپ کو مَے پلائی اور چھوٹی اُٹھ کے اس سے ہم بستر ہوئی اور اُس نے اُس کے لیٹتے اور اُٹھتے وقت اُسے نہ پہچانا۔ سو لُوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور بڑی ایک بیٹا جنی اور اُس کا نام موآب رکھا وہ موابیوں کا جو اب تک ہیں باپ ہوا اور چھوٹی بھی ایک بیٹا جَنی اور اس کا نام بنی عمی رکھا۔‘‘ [۳۲]

قرآن کریم کا اعلانِ بریّت

یہ وہ گندی تاریخ ہے جو دُنیا کے کُتب خانوں نے پیش کی اور جسے پڑھ کر شریف انسان کا دل لرزنے لگ جاتا ہے مگر جب قرآنی کتب خانہ کو دیکھا جائے تو ہمیں اس میں یہ لکھا ہوا نظر آتا ہے **وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَo وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔** [۳۳]

یعنی ہم نے لُوطؑ کو حکم دیا اور علم بھی اور ہم نے اُس کو ایسی بستی سے نجات دی جو نہایت ہی گندے کام کرتی تھی گویا بائیبل تو کہتی ہے کہ اپنی بستی سے نکل کر خود لُوط علیہ السلام نے ہی گندے کام کرنے شروع کر دیئے تھے اور قرآن کریم کہتا ہے کہ لُوطؑ کی قوم فسق و فجور میں مبتلاء تھی لُوطؑ کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا تھا اور وہ ہمارے نیک بندوں میں سے تھا۔ اِس طرح قرآن کریم نے تاریخ انبیاء بھی بیان کر دی اور بائبل میں جو جھوٹی باتیں داخل ہوگئی تھیں اُن کا بھی ردّ کر دیا۔ ہاں قرآن کریم نے حضرت لُوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ عذاب کا شکار ہوگئی تھی چنانچہ فرماتا ہے **فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ** [۳۴]

یعنی ہم نے لُوطؑ کو اور اُس کے تمام اہل کو بچا لیا تھا سوائے ایک بوڑھی عورت کے جو غابرین سے تھی۔ غبر کے معنی عربی زبان میں حقد یعنی کینہ کے ہوتے ہیں۔[۳۵] پس یہ لفظ

استعمال کر کے قرآن کریم نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی میں بڑھیا ہونے کے باوجود ناجائز شر باقی تھا اور وہ آپ کے متعلق کینہ اور بُغض رکھتی تھی۔ اس کا تعلق اُن لوگوں کے ساتھ تھا جو حضرت لوط علیہ السلام کے مخالف تھے اِس لئے وہ عذاب سے نہ بچائی گئی۔ اب دیکھو! حضرت لوط علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہیں لیکن قرآن کریم اُن کی براءت کرتا ہے۔ گویا دادا تو وہ کسی اَور قوم کا ہے لیکن اُس کی طرف سے لڑائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں۔ حضرت لُوطؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور عرب اپنے آپ کو حضرت اسماعیلؑ کی نسل قرار دیتے تھے۔ حضرت لُوطؑ سے اُن کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن یہودی قوم کا حضرت لوط علیہ السلام سے قریبی رشتہ ہے مگر انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر الزام لگا دیا اور کہا وہ بدکار تھا لیکن قرآن کریم نے کہا کہ حضرت لوط علیہ السلام ایک بزرگ اور خدا رسیدہ انسان تھے اور اُن پر یہ محض جھوٹا الزام لگایا گیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی عزّت کی حفاظت

پھر قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عزت کی بھی حفاظت کی تھی۔ آپ پر بھی بائیبل یہ نہایت گندہ الزام لگاتی ہے کہ آپ نے (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) اوریاہ کی بیوی کے ساتھ زنا کیا اور اوریاہ کو جنگ میں بھجوا کر مروا دیا اور پھر اس سے شادی کر لی چنانچہ اس میں لکھا ہے:-

> ''ایک دن شام کو ایسا ہوا کہ داؤد اپنے بچھونے پر سے اُٹھا اور بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور وہاں سے اُس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی تب داؤد نے اس عورت کا حال دریافت کرنے کو آدمی بھیجے۔ انہوں نے کہا۔ کیا وہ العام کی بیٹی بنت سبع۔ حِتّی اُوریاہ کی جورو نہیں؟ اور داؤد نے لوگ بھیج کے اس عورت کو بُلا لیا چنانچہ وہ اس کے پاس آئی اور وہ اُس سے ہم بستر ہوا۔''[۳۶]

لیکن قرآن کریم نے بائیبل کے اِس الزام کی تردید کی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کو نیک اور خدا تعالیٰ کا پاک بندہ قرار دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَاالْاَيْدِ ۚ اِنَّـهٗٓ اَوَّابٌ [۳۷] وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ [۳۸]

یعنی ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کرو۔ جو بڑی طاقت کا مالک تھا۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف

بار بار جھکتا تھا۔ وہ ہمارا مقرب تھا اور اُسے ہمارے پاس بڑا اچھا ٹھکانہ ملے گا۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا بندہ ایسے ظالمانہ افعال کا مرتکب نہیں ہوسکتا جو بائیبل بیان کرتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بائیبل جس طرح یہودیوں کے ہاتھ میں ہے اسی طرح عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے اور انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت عیسیٰؑ کے دادا تھے گویا جس کو وہ خدا مانتے ہیں اُس کے دادا کو وہ زانی کہتے ہیں لیکن قرآن کریم جو حضرت مسیح علیہٖ السلام کی خدائی کا منکر ہے اور جس کے متعلق عیسائی کہتے ہیں کہ یہ ہمارا دشمن ہے وہ کہتا ہے کہ داؤدؑ کے متعلق ایسے الزامات مت لگاؤ وہ تو خدا تعالیٰ کا ایک نیک اور مقرّب بندہ تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر بائیبل کے الزامات

اسی طرح بائیبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ:-

"جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اُس کی جوروؤں نے اُس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا اور اُس کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف کامل نہ تھا جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا۔"[۳۹]

پھر لکھا ہے کہ:-

"اُس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے جو اُسے دوبار دکھائی دیا برگشتہ ہوا۔ اسلئے خداوند سلیمان پر غضبناک ہوا کہ اس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے پر اُس نے خداوند کے حُکم کو یاد نہ رکھا۔"[۴۰]

گویا بائیبل حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ الزام لگاتی ہے کہ وہ اپنے خدا سے برگشتہ ہوگئے تھے اور اس طرح انہوں نے کفر کیا تھا۔

قرآن کریم کی تردید

لیکن قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بُلانے پر اُن کے پاس آئی تو حضرت سلیمانؑ نے اُسے غیر معبودوں کی عبادت کرنے سے روکا[۴۱] گویا قرآن تو یہ کہتا ہے کہ ملکہ سبا جو اُن کی آخری بیوی تھی اُسے بھی انہوں نے غیر معبودوں کی عبادت کرنے سے روکا لیکن بائیبل کہتی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے کہنے پر خداوند تعالیٰ سے برگشتہ ہو گئے تھے یہ کتنا بڑا فرق ہے جو بائیبل اور قرآن میں پایا جاتا ہے۔

اِسی طرح قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔ [۴۲]
یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بُت پرستی کی تھی اور وہ کافر ہوگئے تھے وہ غلط کہتے ہیں بلکہ درحقیقت ایسا الزام لگانے والے خود کافر ہیں کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نبی پر اتنا بڑا اتہام لگاتے ہیں۔ پس قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی صحیح تاریخ بیان کردی ہے حالانکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نہیں تھے بلکہ حضرت داوٗدؑ کے بیٹے ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کے دادا تھے۔ یا بائیبل میں اُنکا صحیفہ شامل ہونے کی وجہ سے وہ بنی اسرائیل کے بزرگ تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے تھے لیکن قرآن کریم اُن کی عزّت کی حفاظت کرتا ہے اور خود اُن کے اپنے پوتے پڑپوتے انہیں خدا تعالیٰ سے برگشتہ اور بُت پرست قرار دیتے ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام پر بائیبل کے الزامات

پھر قرآن کریم نے حضرت ہارون علیہ السلام کی عزّت کی بھی حفاظت کی۔ بائیبل میں لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طُور پہاڑ پر تشریف لے گئے اور اُن کے بعد اُن کی قوم نے بچھڑا بنالیا تو حضرت ہارون علیہ السلام بھی اُن کے اِس فعل میں اُن کے ساتھ شریک ہوگئے تھے چنانچہ لکھا ہے:-

> ’’اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اُترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوکر اُس سے کہنے لگے کہ اُٹھ ہمارے لئے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مردِ موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا، کیا ہوگیا۔ ہارون نے اُن سے کہا۔تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں اُن کو اُتار کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ سب لوگ اُن کے کانوں سے سونے کی بالیاں اُتار اُتار کر اُن کو ہارون کے پاس لے آئے اور اُس نے اُن کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہؤا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے۔ اے اسرائیل! یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو مُلکِ مصر سے نکال کر لایا۔‘‘ [۴۳]

غرض بائیبل کہتی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ سے آنے میں دیر ہوگئی تو اُنکی قوم حضرت ہارونؑ کے پاس گئی اور کہا کہ موسٰیؑ ہمیں خدا کی باتیں سُنایا کرتا تھا لیکن پتہ نہیں وہ کہاں چلا گیا ہے اب ہم خدا کے بغیر رہ گئے ہیں۔ تو اُٹھ اور ہمارے لئے خدا بنا جو ہمارے آگے آگے چلے۔

یہودیوں کی ایک قدیم رسم

ہندوؤں کی طرح اُن میں بھی ایک رواج تھا کہ جب وہ کہیں جاتے تو بُت سامنے رکھ لیتے۔ مَیں نے خود دیکھا ہے میرے ماموں میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کی شادی تھی اُنکے خُسر سکندر راؤ میں رہتے تھے، مَیں بھی شادی میں اُن کے ساتھ گیا تھا۔ وہاں ہندوؤں کا کوئی جلوس نکل رہا تھا مَیں نے دیکھا کہ ہندوؤں نے ایک رتھ میں بُت رکھا ہوا ہے اور سب لوگ اُس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ یہودی بھی چُونکہ بُت پرست قوم سے نکل کر آئے تھے اس لئے اُن میں بھی غالبًا یہی دستور تھا کہ وہ بُت کو چلتے وقت آگے آگے رکھتے تھے اور اِس طرح خیال کرتے تھے کہ اُن پر عذاب نازل نہیں ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیر ہوئی تو بائیبل کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس گئے اور انہوں نے سونے کا ایک بچھڑ اڈھال کر بنایا اور کہا۔ اے بنی اسرائیل! یہی تمہارا خدا ہے جو تمہیں مصر سے نکال کر لایا تھا۔ **نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ**۔ حالانکہ حضرت ہارون علیہ السلام خداتعالیٰ کے نبی تھے اور وہ اتنا بڑا شرک کر ہی نہیں سکتے تھے۔ پھر وہ اِس بات کو بھی جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لائے تھے تو آپ نے فرعون سے بحث کی تھی کہ مَیں اپنی قوم کو بتوں کی پرستش سے ہٹا کر خدائے واحد کی عبادت کی طرف لانا چاہتا ہوں۔ اتنے بڑے واقعہ کی موجودگی میں وہ یہ کہہ بھی کِس طرح سکتے تھے کہ یہی وہ تمہارا خدا ہے جو تمہیں ملک مصر سے نکال کر لایا تھا۔

بچھڑے کیلئے قربان گاہ بنانا

پھر لکھا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑے کے لئے ایک قربان گاہ بنائی اور انہیں کہا کہ یہ بچھڑا ہی تمہارا خدا ہے۔ بائیبل کے الفاظ اِس بارہ میں یہ ہیں:-

> ''یہ دیکھ کر ہارون نے اُس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اُس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی۔ اور دوسرے دن صبح سویرے اُٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرانیں پھر اُن

لوگوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور اُٹھ کر کھیل کُود میں لگ گئے۔"[۴۴]

قرآن کریم کا اعلان کہ بچھڑا سامری نے بنایا تھا

گویا انہوں نے خداتعالیٰ کے دوبارہ مل جانے پر بڑی خوشی منائی لیکن قرآن کریم کہتا ہے یہ بات بالکل غلط ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑا بنایا تھا۔ وہ ہارونؑ نے نہیں بلکہ سامری نے بنایا تھا ورنہ ہارون علیہ السلام نے تو بڑے زور سے اپنی قوم کوشرک سے روکا تھا اور توحید پر قائم رہنے کی تلقین کی تھی۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ[۴۵]

یعنی حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے قبل اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم! بچھڑے کے ذریعہ تمہیں آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ اگر حضرت ہارون علیہ السلام نے خود بچھڑا بنایا ہوتا تو ایسا کیوں کہتے؟ انہوں نے کہا اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ

تمہارا ربّ رحمٰن ہے۔ اِس بچھڑے نے تمہاری کیا مدد کرنی ہے وہ تو پیدائش سے پہلے بھی تمہاری مدد کرتا رہا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو انسان بعد میں پیدا ہؤا ہے اور پانی پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ اِسی طرح اور ہزاروں اشیاء ہیں جو پیدائش سے پہلے صفتِ رحمانیت کے ماتحت پیدا ہوچکی تھیں پس تم میری اتباع کرو میرے حکم کے پیچھے چلو، شرک مت کرو۔

انسا ئیکلو پیڈیا برٹینیکا کا اعترافِ حقیقت

قرآن کریم میں یہ بیان کردہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ انسا ئیکلو پیڈیا برٹینیکا جس کو انگلستان کے بڑے بڑے عالموں نے مِل کر لکھا ہے اُس میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ہارون علیہ السلام کے شرک کرنے کا واقعہ غلط ہے اور اِس سے مضمون نگار استدلال کرتا ہے کہ بائیبل میں دوسرے لوگوں نے اَور بھی کئی باتیں ملادی ہیں اور کئی واقعات اُن کی طرف سے بڑھا دیئے گئے ہیں۔[۴۶]

اَب دیکھو یہ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم ایک تاریخ بیان کرتا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے باپ کو بَری قرار دیتا ہے حالانکہ وہ عیسائی اور یہودی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نَعُوْذُبِاللّٰہِ) کذّاب کہتے ہیں۔ غرض قرآن کریم ایک گالی دینے والے کے باپ کی براءت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ مشرک نہیں تھا مشرک ایک اَور شخص تھا جس کا نام سامری تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخ

پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخ بھی قرآن کریم نے بیان کی ہے۔ انجیل میں تو صرف اتنا آتا ہے کہ:-

''مسیح اُن کے دیکھتے ہوئے اوپر اُٹھایا گیا اور بدلی نے اُسے اُن کی نظروں سے چُھپا لیا۔'' [۴۷]

مگر کیا بدلی کے پیچھے چلے جانے سے مراد آسمان پر چلے جانا ہوتا ہے؟ ہزاروں آدمی روزانہ پہاڑوں پر بدلی کے پیچھے جاتے اور پھر واپس آجاتے ہیں اور کوئی شخص اُن کے متعلق نہیں کہتا کہ وہ آسمان پر چلے گئے ہیں۔ غرض یہ ایک نہایت ہی غیر معقول بات ہے جو انجیل نے بیان کی ہے مگر قرآن کریم اِس سارے واقعہ کو ایک علمی اور تاریخی رنگ دیتا ہے اور اُن کے بدلی میں نظروں سے غائب ہونے کے بعد کی تاریخ بھی بیان کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے

وَاٰوَيْنٰـهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ [۴۸]

یعنی واقعۂ صلیب کے بعد ہم نے حضرت مسیحؑ اور اُس کی ماں کو ایک اونچی جگہ یعنی پلیٹیو (PLATEAU) پر پناہ دی۔ ربوہ سے مراد پہاڑی نہیں بلکہ اونچی جگہ ہے۔ ہم نے ربوہ کا نام بھی جو احمدیت کا موجودہ مرکز اور ضلع جھنگ میں واقع ہے اِسی لئے ربوہ رکھا ہے کہ یہ اونچی جگہ ہے۔ غرض قرآن کریم بتاتا ہے کہ ہم نے مسیحؑ اور اُس کی ماں کو ایک ایسی جگہ پناہ دی جو اونچی تھی اور بہتے ہوئے پانیوں والی تھی اور ٹھہرنے کے قابل تھی یعنی وہ جگہ سطح زمین سے بلند تھی اور وہاں چشمے بھی بہتے تھے۔ چنانچہ قدیم ہندوؤں اور بدھوں کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ یوز آسف جو خدا تعالیٰ کا نبی تھا مغرب سے آیا اور کشمیر کی پہاڑیوں میں رہا اور اُس کے ہاتھوں اور پیروں پر زخم تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا تو آپ کے ہاتھوں اور پاؤں پر میخیں لگانے کی وجہ سے زخم ہو گئے تھے جن کو مُندمل کرنے کے لئے ایک مرہم ایجاد کی گئی۔ جس کا نام طب کی مختلف کتابوں میں مرہمِ رُسُل یا مرہمِ حواریین بیان کیا گیا ہے۔ پھر کہیں جا کر وہ زخم درست ہوئے اِس کے بعد آپ کشمیر کی طرف آ گئے۔ چنانچہ افغانستان کے بارڈر پر جو قبائل بستے ہیں وہ اب تک یہی کہتے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل ہیں گویا مسیح کے حواری۔ متی نے انجیل میں ایک نامکمل بات بیان کر دی۔ لیکن قرآن کریم نے اُن حالات کو مکمل کر دیا اور بتا دیا کہ صرف اِتنی بات نہیں کہ وہ واقعۂ صلیب کے بعد بدلیوں میں چُھپ کر غائب ہو گئے تھے بلکہ صلیب سے بچنے کے بعد وہ کشمیر میں آ گئے تھے اور اسرائیلی قبائل

کو ایک لمبے عرصہ تک تبلیغ کرتے رہے۔

تاریخِ مِلَلِ قدیمہ

پھر دنیا میں تاریخ مِلَلِ قدیمہ پر بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں بہت کچھ رطب ویابس بھرا پڑا ہے مگر قرآن کریم اس تاریخ کو بھی صحیح رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثال کے طور پر وہ یہ بیان کرتا ہے کہ فرعونؔ نے ایک دفعہ ہامانؔ سے کہا کہ فَاَوۡقِدۡلِیۡ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیۡنِ فَاجۡعَلۡ لِّیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوۡسٰی وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ [۹]

یعنی اے ہارون! تُو اپنے پتھیروں کو لگا دے تاکہ وہ اینٹیں تیار کریں، پھر اُن اینٹوں کو پکوا کر اونچا محل تیار کرو شاید مَیں اُس محل پر کھڑے ہو کر موسٰیؑ کے خدا کو دیکھ سکوں اور مَیں تو اُسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔

اِس آیت میں مصریوں کے ایک قومی عقیدہ کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ مرنے کے بعد رُوحیں آسمان پر چلی جاتی ہیں اور پھر اونچی جگہ پر اُترتی ہیں۔ اِس اثر کے ماتحت فرعون نے خیال کیا کہ خدا تو ہے ہی نہیں۔ موسٰیؑ جو کہتا ہے کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ روحوں سے باتیں کرتا ہے۔ مَیں بھی ایک اونچا محل تیار کر کے اُن رُوحوں تک جاؤں تا حقیقت کا پتہ لگ سکے۔ چنانچہ اُس نے ہامان کو حکم دیا کہ وہ ایک اونچا محل تیار کرائے تا کہ وہ اُس کی چوٹی پر چڑھ کر موسٰیؑ کے خدا کی حقیقت معلوم کر سکے۔ غرض اس آیت میں مصریوں کے ایک قدیم عقیدہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کو بڑی مشکل سے اب کہیں آثارِ قدیمہ والوں نے معلوم کیا ہے۔ مصری اپنی اِن روایات کی وجہ سے اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے جیسے اہرامِ مصر ہیں اور جن میں سے ایک ابوالہول شیر کی شکل کا ہے۔ آخر ان بلند عمارتوں کے بنانے کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ وہ وجہ یہی تھی کہ وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مُردوں کی رُوحیں آسمان پر چلی جاتی ہیں اور بعد میں اونچی جگہوں پر اُترتی ہیں اور چونکہ نیچی جگہوں میں اُترنے میں دیر لگتی ہے اس لئے وہ لوگ اپنی عمارتوں کو اونچا رکھتے تھے اور اس طرح چاہتے تھے کہ اُن کے اَسلاف کی روحیں دُنیا میں اُن کے پاس آتی رہیں۔ پھر وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ رُوحیں کھاتی پیتی ہیں۔ چنانچہ جب وہ مُردوں کو دفن کرتے تھے تو اُن کی قبروں کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی رکھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ جب روحیں زمین پر آتی ہیں تو انہیں یہاں آرام بھی کرنا چاہئے اور سونا بھی چاہئے اور یہ روایت اب تک

اُن میں چلی آتی ہے۔ چنانچہ پاکستان کا ایک ایمبیسیڈر (AMBASSADOR) وہاں گیا تھا۔ اُس نے ہمارے ایک دوست سے بیان کیا کہ مصر میں ہماری ایمبیسی (EMBASSY) کا ایک آدمی مرگیا۔ ہم نے مصری حکومت کو لکھا کہ ہمیں ایک قبر کی جگہ دیدیں تو مصری حکومت نے کہا ہم ذرا انتظام کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک بڑا کمرہ بنایا اُس میں کھانے پینے کا سامان رکھا اور ایک ریڈیو رکھا اور پھر کہا اَب آپ اپنے آدمی کی نعش کو دفن کرنے کے لئے آئیں۔ وہ ایمبیسیڈر ہنس کر کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے ابھی تک مصریوں پر رُوحوں کا قبضہ ہے۔

قرآن کریم میں تربیت کے اصول

پھر تربیت کا مضمون ایسا ہے جس پر بڑے بڑے علماء اور فلاسفروں نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں کیونکہ تربیت کے بغیر دنیا میں نہ اولاد ترقی کرسکتی ہے اور نہ قوم ترقی کرسکتی ہے۔ قرآن کریم نے بھی تربیت کے اصول نہایت عمدگی سے بیان کئے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے اولاد کی تربیت کا سوال آتا ہے اولاد کی تربیت کے متعلق قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا واقعہ آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کررہے ہیں۔ اِس پر انہوں نے اپنے بیٹے کو حکم نہیں دیا کہ مَیں نے خواب میں یوں دیکھا ہے اِس لئے تم ذبح ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ بلکہ آپ نے اپنے بیٹے کو بُلایا اور کہا اے میرے بیٹے! مَیں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ مَیں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰی [۵۰] اَب تُو سوچ کر مجھے اپنی رائے دے۔ یہ نہیں کہا کہ مجھے خواب آئی ہے تُو لیٹ جا۔ تا کہ مَیں تجھے ذبح کروں بلکہ فرمایا کہ تو مجھے اپنی رائے دے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے اندر خود داری کی رُوح پیدا کرنا قرآنی اصول ہے۔ جو لوگ اپنی اولاد کے اندر خودداری کی رُوح پیدا نہیں کرتے وہ اپنی اولاد کو ہی نہیں بلکہ قوم کو بھی ترقی سے روک دیتے ہیں کیونکہ قوم کی آئندہ ترقی اولاد کے اندر خودداری کی رُوح قائم رکھنے پر منحصر ہے۔ ڈسپلن (DISCIPLINE) پیدا کرنا اور چیز ہے لیکن خودداری کی رُوح بالکل اَور چیز ہے۔ خودداری کے نہ ہونے کے یہ معنے ہیں کہ فطرت کو ماردیا گیا ہے۔ اور ڈسپلن کے معنی یہ ہیں کہ خودداری کو منظّم کیا جائے۔ اور اسلام ڈسپلن کے خلاف نہیں وہ یہ چاہتا ہے کہ ڈسپلن قائم کیا جائے مگر وہ اِس بات کے خلاف ہے کہ خودداری کی رُوح کو کُچل دیا جائے۔ اگر خودداری کی رُوح کو کُچل دیا جائے تو قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس مضمون پر (قادیان میں) مَیں نے ایک لیکچر دیا تھا۔ بعض لوگ باتوں کو بڑی

عمدگی سے یادرکھتے ہیں۔ اگلا جلسہ آیا تو ایک شخص اپنا بیٹا ساتھ لایا اور اُس کے متعلق کہنے لگا کہ آپ نے یہ بات پیش کی ہے۔ مَیں نے کہا۔ آپ اِس بچے کو ''آپ'' کہہ رہے ہیں۔ اُس نے کہا آپ نے ہی تو ایسا کرنے کی تلقین کی تھی۔ آپ نے کہا تھا کہ بچّوں کے ساتھ ادب سے بات کرنی چاہئے کیونکہ بچے ماں باپ کی نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے انگریزوں کی مثال بھی دی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو مدر (MOTHER) کہتے ہیں تا کہ بچہ بھی مدر کہنے لگ جائے۔ اُن کا نقطۂ نگاہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو وائف (WIFE) کہیں گے تو چونکہ بچّہ ماں باپ کی نقل کرتا ہے اس لئے وہ بھی اپنی ماں کو وائف کہے گا۔ پس وہ اپنی بیوی کو مدر (MOTHER) کہتے ہیں تا کہ بچے کے دل میں بھی اپنے ماں باپ کے متعلق ادب کا جذبہ پیدا ہو۔

قرآن کریم میں جمہوریت کے اصول

پھر جمہوریت ایک ایسا علم ہے جس پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں کیونکہ اس زمانہ میں جب بادشاہت ختم ہونے لگی تو جمہوریت پر زور دینا شروع کر دیا گیا۔ قرآن کریم نے بھی اس کا ذکر فرمایا ہے۔ جمہوریت کا بڑا اصل، مشورہ ہے۔ دیکھو ہر نبی اپنی امت کا افسر ہوتا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے سردار ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بھی میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو اُن کو بھی میری اتباع کرنی پڑتی۔[۵۱] اب دیکھو جس نبی کی اتباع کی ضرورت دوسرے انبیاء کو بھی ہے اُس کو مشورہ کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ **شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ**۔[۵۲]

یعنی اہم معاملات میں اپنی جماعت سے مشورہ کرلیا کر اِسی طرح مؤمنوں کی ایک صفت قرآن کریم میں یہ بیان کی گئی ہے کہ **اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ**۔[۵۳]

وہ جب کبھی کوئی کام کرتے ہیں تو مشورہ سے کرتے ہیں۔ لیکن بعض لوگوں نے فتنہ پیدا کرنے کے لئے اِس سے بھی ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے۔ چنانچہ خارجیوں نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کی تو انہوں نے اِس آیت کو ایک چیلنج کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا ہمیں کِسی خلیفہ کی ضرورت نہیں۔ **اَلْحُكْمُ لِلّٰهِ وَالْاَمْرُ شُوْرٰى بَيْنَنَا**۔[۵۴] حکم تو خدا تعالیٰ کا چلے گا اور ہم آپس میں مشورہ کر کے حکومت کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا تو آپ نے فرمایا۔ **كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ**۔[۵۵] یعنی بات تو بڑی سچّی ہے لیکن اسے بُری نیّت سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ غرض مؤمنوں کا یہ طریق ہے کہ وہ ہر اہم

معاملہ کو باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں اور ڈکٹیٹر شپ سے کام نہیں لیتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہؓ سے مشورہ لینا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریقِ عمل یہ تھا کہ آپؐ ہر اہم معاملہ میں صحابہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ جنگِ بدر کے موقع پر آپؐ نے مشورہ لیا تو صحابہؓ میں سے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہمیں موسیٰؑ کی جماعت کی طرح نہ سمجھیں۔ جنہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّاھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ۔[۵۶] جا تُو اور تیرا ربّ دونوں لڑتے پھرو۔ ہم تو یہیں بیٹھیں گے بلکہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر جنگ ہوئی تو ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے۔ اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوٴا نہیں آتا آپؐ تک نہیں پہنچ سکے گا۔[۵۷] پھر عرب پانی سے بہت ڈرتے تھے مگر حضرت مقدادؓ نے کہا اگر آپ ہماری قوم کو حکم دیں کہ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دو تو یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم فوراً اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیں گے اور اس بات کی ذرہ بھی پرواہ نہیں کرینگے کہ ہم بچتے ہیں یا نہیں بچتے۔[۵۸]

پھر جنگِ اُحد کے موقع پر بھی آپؐ نے صحابہؓ کو اکٹھا کیا اور اپنی خواب کا ذکر کیا کہ آپؐ نے گائیں ذبح ہوتی دیکھی ہیں جس کی تعبیر یہ ہے کہ کوئی ابتلاء پیش آئے گا۔ مگر باوجود اس خواب کے آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ آپؐ کا خیال تھا کہ اگر مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کی گئی تو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ لیکن صحابہؓ کے مشورہ پر آپؐ مدینہ سے باہر نکل پڑے اور لڑائی ہوئی اور نقصان بھی ہوٴا اور اِس طرح آپؐ کی خواب پوری ہوگئی۔[۵۹]

ملکہ سبا کا ذکر

اِسی طرح قرآن کریم میں ملکہ سبا کا ذکر آتا ہے۔ ملکہ سبا گو مشرکہ تھی لیکن اُس کے واقعہ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ کوئی کام نہیں کرتی تھی جب تک کہ ملک کے سرداروں کے ساتھ مشورہ نہیں کر لیتی تھی چنانچہ جب اُس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اُس نے کہا۔ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْٓ اَمْرِیْ ۚ مَا کُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰی تَشْهَدُوْنِ۔[۶۰]

یعنی اے میری قوم کے سردارو! میری اِس پیش آمدہ مصیبت میں مشورہ دو کیونکہ مَیں کوئی کام نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس حاضر ہو کر مشورہ نہ دو۔ اِن آیات میں مسلمانوں

کوتوجہ دلائی گئی ہے کہ جب ایک کافر عورت بھی حکومتی معاملات میں احتیاط سے کام لیتی تھی تو تم تو مسلمان ہو اور تمہارے لئے قرآن کریم میں حکم بھی ہے کہ مشورہ کیا کرو۔ پس تمہیں بھی ہر معاملہ میں باہم مشورہ کرنا چاہئے۔

فرعون کا عمائدِ قوم سے مشورہ طلب کرنا

اِسی طرح قرآن کریم فرعون کا ذکر کرتا ہے کہ باوجود اِس کے کہ وہ ایک جابر بادشاہ تھا مگر اُس کی حکومت میں بھی کوئی نہ کوئی رنگ جمہوریت کا پایا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے اُس نے اپنے سرداروں کو جمع کیا اور انہیں کہا فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ[61] تم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے بارہ میں کیا مشورہ دیتے ہو؟ یعنی ایک جابر بادشاہ جو تلوار لے کر لوگوں کی گردنیں اُڑا دیتا تھا وہ بھی کہتا ہے کہ اے میری قوم کے لوگو! مجھے مشورہ دو کہ مَیں موسیٰؑ کے ساتھ کیا معاملہ کروں۔ چنانچہ درباریوں نے کہا۔ اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حٰشِرِيْنَ[62]
موسیٰؑ اور ہارونؑ کو کچھ مدت تک ڈھیل دو۔ اور اِس مدّت میں شہروں کی طرف آدمی بھجواؤ جو قابل آدمیوں کو مقابلہ کے لئے جمع کریں۔ غرض قرآن کریم نے فرعون جیسے جابر بادشاہ کا ذکر کر کے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ حکومت بغیر مشورہ کے نہیں ہونی چاہئے۔ جب کافر حکومتیں بھی اپنے معاملات میں مشورہ لیتی ہیں تو مسلمانوں کو تو بدرجۂ اولیٰ اِس کا پابند ہونا چاہئے۔ جب وہ لوگ جنہیں مشورہ کا حکم نہیں دیا گیا مشورہ لیتے ہیں تو جن لوگوں کو مشورہ کا حکم دیا گیا ہے وہ مشورہ کیوں نہ لیں۔

قرآن کریم میں سیاست کے اصول

پھر سیاست کے متعلق بھی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں اور قرآن کریم نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ سیاست یہی ہوتی ہے کہ مناسب موقع پر مناسب کام کیا جائے اور موقع کے مطابق لوگوں سے سلوک کیا جائے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ جنگِ حُنین کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ والوں میں انعامات تقسیم کئے تو ایک شخص نے اعتراض کیا کہ ''هٰذِهِ الْقِسْمَةُ مَاعُدِلَ فِيْهَا وَمَا اُرِيْدَ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ''[63] یعنی یہ ایسی تقسیم ہوئی ہے کہ اِس میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا اور نہ اس میں خدا تعالیٰ کی رضاء کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے غیّور تھے۔ وہ یہ اعتراض سُنکر فوراً تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے اور عرض کیا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مجھے

اجازت دیجیئے کہ مَیں اِس منافق کی گردن اُڑا دوں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَعَاذَاللّٰہِ اَنْ یَّتَحَدَّثَ النَّاسُ اَنْ اَقْتُلَ اَصْحَابِیْ۔ [۶۴]

یعنی مَیں اس بات سے خدا تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ لوگ میرے متعلق آپس میں یہ باتیں کرتے پھریں کہ یہ اپنے ساتھیوں کو مارتا پھرتا ہے۔ یعنی کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے غیر قوموں میں یہ چرچا شروع ہو جائے کہ یہ لوگ ظلم کررہے ہیں۔ صحابہؓ تو حقیقت جانتے تھے لیکن مصر اور قسطنطنیہ کے لوگوں کو اس کا کیا علم تھا، وہ تو یہ باتیں کر سکتے تھے کہ یہ لوگ ظلم کررہے ہیں اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے غلط قسم کا چرچا شروع ہو جائے۔ بیشک مسلمان اس کے متعلق کوئی بات نہ کریں لیکن اگر رومی یا ایرانی ایسی باتیں کریں تو وہ بھی بُری بات ہے۔ اِس سے انسان کی بدنامی ہوجاتی ہے۔ پس آپؐ نے اُس شخص سے درگزر کیا اور اُسے معاف فرما دیا۔

قرآنِ کریم میں تمدّن کے اصول

پھر قرآن کریم میں تمدّن کے اصولوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ تمدّن کے بڑے اصولوں میں سے ایک اصل یہ ہے کہ اگر کوئی مجلس ہو رہی ہو تو کوئی انسان اس سے بِلا اجازت نہ جائے۔ قرآن کریم اس بارہ میں ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ۔ [۶۵]

یعنی وہی لوگ مؤمن کہلا سکتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں اور جب کسی قومی کام کے لئے رسولؐ کے پاس بیٹھے ہوں تو وہ نہیں جاتے جب تک اُس سے اجازت نہ لے لیں اِس لئے مَیں نے حکم دیا ہوا ہے کہ مجلس مشاورت کے اجلاس سے کوئی نمائندہ حوائجِ ضروریہ وغیرہ کے لئے جانا چاہے تو وہ اجازت لیکر جائے۔ انگریزوں کا طریق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پارلیمنٹ سے جائے تو وہ ایک اَور آدمی کو ساتھ لے کر جائے مگر یہ غلط طریق ہے۔ صحیح طریق یہی ہے کہ اگر کوئی باہر جانا چاہے تو سپیکر سے اجازت لے لے۔ یا اگر وہ دیکھے کہ میری غیر حاضری کی وجہ سے میری پارٹی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو وہ باہر ہی نہ جائے۔

قرآن کریم میں تاریخِ تمدّن کا ذکر

اِسی طرح کتابوں کا ایک اور سلسلہ بھی ہے اور وہ تاریخِ تمدّن کا سلسلہ ہے۔ قرآن کریم میں اِس تاریخ کا بھی ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تمدّن کِن کِن دَوروں میں سے گزرا ہے۔ اور

کِس طرح اس کا ارتقاء عمل میں آیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَحَمَلۡنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّ دُسُرٍ[٦٦]

یعنی ہم نے نوحؑ کو تختوں اور کیلوں سے بنی ہوئی کشتی پر سوار کیا۔ اِس آیت میں قرآن کریم نے کشتیوں کی ایک لمبی تاریخ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کشتیوں کی تاریخ بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں لوگ کشتیاں بنانا نہیں جانتے تھے وہ ایک بڑا سا درخت لیکر اُس کو درمیان سے کھود لیتے تھے اور اس گڑھے میں بیٹھ کر درخت کو پانی میں ڈال دیتے تھے۔ اب تک بغداد میں ایسی کشتیاں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پاکستان بننے سے قبل ایک ہندوستانی وہاں گیا تھا اُس نے اُس کشتی پر بہت مذاق اُڑایا اور کہا کہ چونکہ وہ کشتی نیچے سے گول ہوتی ہے اِس لئے جب میں اُس پر بیٹھا تو ایک طرف حرکت کرنے سے دوسری طرف سے کشتی اُٹھ جاتی تھی اور چکّر کھانے لگتی تھی اس پر مَیں نے اُس آدمی سے جو میرے ساتھ تھا کہا۔ اے شیخ! میری کشتی تو چکر کھا رہی ہے۔ اُس نے سمجھا کہ یہ کہتا ہے اور چکر دو۔ چنانچہ اُس نے کشتی کو اَور چکر دینا شروع کر دیا اور جب کشتی کنارہ پر لگی تو مَیں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آنے پر مَیں نے کہا تُو نے تو بڑی حماقت کی ہے۔ اُس نے کہا آپ نے تو خود ہی کہا تھا کہ کشتی کو اَور چکر دو اِس میں میرا کیا قصور ہے تو وہ کشتیاں اب بھی پائی جاتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ جو ترقی ہوئی تو تختوں والی کشتیاں بن گئیں۔ اُس وقت سریش وغیرہ کے ساتھ تختوں کو جوڑا جاتا تھا۔ لیکن وہ تختے بعض دفعہ کُھل بھی جاتے تھے۔ پھر کیل نکلے تو اُن کے ساتھ کشتیاں جوڑی جانے لگیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک تمدن اِتنا ترقی کر چکا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی جماعت کو ایسی کشتی میں سوار کیا جو ''ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّ دُسُرٍ'' تھی۔ کھُدا ہؤا درخت نہیں تھا بلکہ وہ کشتی باقاعدہ بنی ہوئی تھی اور اُس میں میخیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ غرض اِس آیت میں قرآن کریم نے کشتیوں کی ایک لمبی تاریخ کی طرف اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں کیلوں والی کشتیاں بننے لگی تھیں۔ بیچ میں ایک ایسا زمانہ بھی آیا کہ گیلیوں[٦٧] کو باندھ کر چلایا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اِس قسم کی کشتیاں دریائے بیاس میں بھی چلا کرتی تھیں مگر اُن میں یہ نقص ہوتا تھا کہ چھوٹی جگہوں میں آ کر وہ پھنس جاتی تھیں۔

قیدیوں کیلئے خوراک کا انتظام

اسی طرح اِس کی ایک اور مثال سورۃ یوسف سے بھی ملتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب قید میں تھے تو

آپ کے دوساتھی آپ سے خوابوں کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے آئے۔آپ نے انکو وعظ کرتے ہوئے فرمایا لَا یَاْتِیْکُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِہٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُکُمَا بِتَاْوِیْلِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَکُمَا۔[۶۸]

یعنی اِس وقت کا کھانا ابھی نہیں آئے گا کہ مَیں تمہیں اِس کے آنے سے پہلے اِس خواب کی حقیقت بتا دونگا۔ اِس سے ظاہر ہے کہ فراعنۂ مصر کے زمانہ میں خصوصیت سے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قیدیوں کو قیدخانہ میں کھانا دیا جاتا تھا۔ جو لوگ پھانسی کے مستحق ہوتے تھے انہیں بھی کھانا دیا جاتا تھا۔ اسلامی خلفاء کے زمانہ میں بھی یہی طریق رائج رہا۔لیکن افسوس کہ درمیانی عرصہ میں مسلمان اسے بھُول گئے اور اسلامی ممالک میں یہ رواج ہوگیا کہ قیدیوں کو جیل خانہ سے باہر بھیک مانگنے کے لئے بھیجدیا جاتا تھا۔ مجھے ایک احمدی افسر نے بتایا کہ وہ ایسے ہی ملک میں قید ہوگئے تھے کہ ظہر کے بعد ہمیں قید خانہ سے باہر نکال دیا جاتا تھا اور کہا جاتا کہ بھیک مانگ لاؤ۔ جب ہم بھیک مانگ لاتے تو اچھا اچھا کھانا جیلر نکال لیتا اور خراب کھانا ہمیں دے دیتا۔ بہرحال تمدّن کے لحاظ سے ضروری ہے کہ قیدیوں کو بھی کھانا دیا جائے بلکہ اب تو لوگوں کی یہ رائے ہوگئی ہے کہ اگر زمیندار چاہیں کہ قیدی اُن کے کھیت میں کام کریں تو انہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ قید خانہ میں بند رہنے کی وجہ سے رشتہ داروں کی محبت کم ہو جاتی ہے اور اخلاق کمزور ہوجاتے ہیں۔لوگ اسلام پر غلامی کا اعتراض کرتے ہیں لیکن اسلام کا یہ قانون ہے کہ جنگی قیدی کو کسی کے سپرد کردو کہ وہ اُس سے کام لے اور باہر رہنے کی وجہ سے اُس قیدی کے رشتہ دار اُسے ملتے رہیں اور اُسے یہ محسوس نہ ہو کہ وہ دنیا سے بالکل الگ ہوگیا ہے۔

قرآنِ کریم میں دہریت کا ردّ

اَب میں بتاتا ہوں کہ قرآن کریم میں دہریت کا ردّ بھی موجود ہے۔ دہریت کے متعلق قریب زمانہ میں امریکہ اور یورپ کے ممالک میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن قرآن کریم نے اِس کا ردّ فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ خیال کرنا کہ اِس دُنیا کا کوئی خالق نہیں بالکل غلط بات ہے چنانچہ فرمایا تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ھُوَ حَسِیْرٌ [۶۹]

یعنی بہت برکت والا ہے وہ خدا جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے اُس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تا کہ دیکھے کہ تم میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ اُس نے ساتوں آسمان بھی پیدا کئے ہیں اور اُن میں موافقت اور مطابقت بھی پیدا کی ہے۔ اے مخاطب! تُو کوئی اختلاف اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہیں دیکھے گا۔ پس تُو اپنی آنکھ کو لَوٹا، کیا تجھے کوئی رخنہ یا کمی نظر آتی ہے۔ پھر دوبارہ اپنی نظر کو لَوٹا کر دیکھ تیری نظر تھکی ہوئی اور ماندہ ہو کر لَوٹے گی اور خدا تعالیٰ کی پیدائش میں تجھے نقص نظر نہیں آئے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہوگئی ہے اور اتفاقی طور پر مادہ کے ملنے سے یہ سب کچھ بن گیا ہے اور پھر وہ سائنس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ دنیا آپ ہی آپ پیدا ہوگئی ہے اس کی کَل چلانے والا کوئی نہیں۔ اِنکا جواب اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں دیا ہے کہ اتفاقی طور پر جُڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور نظام نہیں ہوگا بلکہ بے جوڑ پن ہوتا ہے۔ مختلف رنگوں سے تصویر بنتی ہے لیکن کیا اگر مختلف رنگ ایک کاغذ پر پھینک دیں تو اُس سے تصویر بن جائیگی؟ اینٹوں سے مکان بنتا ہے لیکن کیا اینٹیں ایک دوسری پر پھینک دی جائیں تو مکان بن جائیگا؟ بفرضِ محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بعض کام اتفاقاً ہو جاتے ہیں تو بھی نظامِ عالَم کو دیکھ کر کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ آپ ہی آپ ہوگیا ہے۔ مانا کہ خود مادہ پیدا ہوگیا اور مانا کہ مادہ سے خود بخود زمین پیدا ہوگئی۔ مانا کہ انسان بھی خود بخود پیدا ہوگیا لیکن انسان کی پیدائش پر غور تو کرو کہ کیا ایسی کامل پیدائش خود بخود ہوسکتی ہے؟ دنیا میں عام طور پر کسی صنعت کی خوبی سے اس کے صنّاع کا پتہ لگتا ہے۔ ایک عمدہ تصویر دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کسی اچھے مصوّر نے یہ تصویر بنائی ہے۔ ایک عمدہ تحریر دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریر کسی اچھے کاتب نے لکھی ہے۔ اور جس قدر ربط بڑھتا جائے بنانے والے کی خوبی ظاہر ہوتی ہے پھر کس طرح تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ ایسی منظّم دنیا خود بخود پیدا ہوگئی ہے؟

قرآن کریم میں زرتشتی مذہب کے اصول کا ذکر اور اُن کا ردّ

قرآن کریم میں زرتشتی مذہب کے اصولوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ زرتشتیوں کے نزدیک ایک نُور کا خدا ہوتا ہے اور ایک تاریکی کا خدا ہوتا ہے اور ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تاریکی کا خدا نور پیدا نہیں کرسکتا اور

نُور کا خدا تاریکی پیدا نہیں کر سکتا۔ اگر نُور کا خدا تاریکی پیدا کرے اور تاریکی کا خدا نُور پیدا کر دے تو اس کا مطلب ہے کہ دنیا تباہ ہو جائے۔ اِن کے مقابلہ میں عیسائی تین خداؤں کو مانتے ہیں اور ہندو ہزاروں دیوتاؤں کو مانتے ہیں۔ قرآن کریم نے زرتشتی مذہب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور اس کے غلط اصولوں کی تردید کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ۔ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ** [۱]

یعنی سب تعریفوں کا مستحق خدا تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور پھر اُس نے اندھیروں اور نور کو پیدا کیا ہے لیکن اس کے باوجود کافر لوگ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نُور کا خدا اَور ہے اور تاریکی کا خدا اَور ہے۔ چنانچہ زرتشتیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ اہرمن ظلمت کا خدا ہے اور یزدان نور کا خدا ہے۔[۱] خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ عقیدہ اس لئے غلط ہے کہ دنیا میں بعض چیزیں نور کے ماتحت پائی جاتی ہیں اور بعض چیزیں ظلمت کے ماتحت پائی جاتی ہیں۔ نور اور ظلمت علیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی زنجیر کی دو کڑیاں ہیں اور دونوں چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ خدا ایک ہے۔ اگر ظلمت یہ ثابت کرتی کہ خدا تعالیٰ میں کوئی نقص ہے تو بے شک ایک اَور خدا یزداں کی ضرورت ہوتی لیکن یہاں یہ صورت نہیں۔ یہاں تو ظلمت بھی خدا تعالیٰ کی تعریف کرتی ہے اور نُور بھی خدا تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ آتا ہے **قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ** [۲]

فرماتا ہے۔ ظلمت اور نُور دونوں کا وجود انسان کے لئے ضروری ہے۔ نہ نُور کے بغیر وہ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ظلمت کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔ انسان دن کو کام کر کے تھک جاتا ہے اور رات کو نیند کے ذریعہ آرام حاصل کر کے پھر تر وتازہ ہو جاتا ہے۔ اِس لئے اگر خدا تعالیٰ رات کو لمبا کر دیتا تو کوئی انسان کام نہ کر سکتا۔ اِسی طرح اگر وہ دن کو لمبا کر دیتا تو کوئی شخص آرام نہ کر سکتا۔ پس نور اور ظلمت دونوں چیزیں انسانی بقا کے لئے ضروری ہیں اور اُن کو دو خداؤں کی پیدائش کہنا غلط ہے۔

قرآن کریم میں عِلۡمُ الۡاَخۡلاق کا ذکر

پھر علم الاخلاق بھی ایک اہم علم ہے اور اِس پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں قرآن کریم نے اِس علم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدۡوًاۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ [۴۳]

یعنی تم اُن معبودوں کو جن کو کفار خدا تعالیٰ کے سِوا پکارتے ہیں گالیاں نہ دو ورنہ وہ جہالت کی وجہ سے خدا تعالیٰ کو گالیاں دینے لگے جائیں گئے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کسی قوم کے قابلِ عزت بزرگوں کے حق میں کوئی بُری بات نہیں کہنی چاہیئے ورنہ اُن کے دل دُکھیں گے اور چونکہ وہ اخلاق سے عاری ہیں اس لئے وہ جواب میں اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے لگ جائیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ مِنۡ اَكۡبَرِ الۡكَبَائِرِ اَنۡ يَّلۡعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيۡهِ قِيۡلَ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَ كَيۡفَ يَلۡعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيۡهِ قَالَ يَسُبُّ الرَّجُلُ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ۔ [۴۴]

یعنی کسی شخص کو نہیں چاہیئے کہ وہ اپنے ماں باپ کو گالیاں دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یَارَسُوۡلَ اللّٰه! اپنے ماں باپ کو کون گالیاں دیتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جو شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے۔ وہ گویا اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے کیونکہ دوسرا شخص جوش میں آ کر اس کے ماں باپ کو گالیاں دینے لگ جائیگا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے عِلۡمُ الۡاَخۡلَاق کا بھی ذکر فرما دیا ہے۔ عیسائی بڑا ناز کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ تم دوسرے کیلئے بھی وہی بات پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ حالانکہ قرآن کریم بھی کہتا ہے کہ دوسروں کے بتوں وغیرہ کو گالیاں نہ دو۔ ورنہ اگر تم اُنکے معبودوں کو گالیاں دو گے تو وہ جواباً تمہارے خدا کو گالیاں دیں گے اور پھر تمہیں اِس پر چڑنے یا بُرا منانے کا کوئی حق نہیں ہوگا کیونکہ ابتداء تمہاری طرف سے ہوئی ہوگی۔ لیکن اگر ابتداء دوسروں کی طرف سے ہوئی ہو اور وہ تمہارے معبود کو گالیاں دیں تو پھر بیشک وہ ظالم ہونگے لیکن اگر پہل تمہاری طرف سے ہو اور تم کسی کے معبود کو گالیاں دو اور وہ جواباً تمہارے خدا کو بھی گالیاں دینے لگ جائے تو تمہیں اس پر چڑنے کا کوئی حق نہیں ہوگا کیونکہ اسے جواب دینے والا سمجھا جائے گا ظلم کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے ایک یہودی کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ایسے طور پر ذکر کیا کہ آپؐ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت ثابت ہوتی تھی۔ اِس سے بہرحال اس یہودی کو تکلیف ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوُا تو آپؐ نے فرمایا لَا تُخَیِّرُوْنِیْ علٰی موسٰی۔ [۵۵] مجھے حضرت موسیٰ علیہ اسلام پر اس طرح فضیلت نہ دیا کرو کہ اس سے کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے۔

قرآن کریم میں عِلْمُ الْاِنْسَان کا ذکر

عِلْمُ الْاِنْسَان بھی ایک نہایت ضروری علم ہے جس کو انگریزی میں ANTHROPOLOGY کہتے ہیں اور لوگوں نے اس علم پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ قرآن کریم نے بھی اس پر بحث کی ہے اور اس نے ابوالبشر کا نام آدم رکھا ہے۔ یعنی وہ پہلا انسان تھا جس نے سطح زمین پر رہنا شروع کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ آدم سے پہلے جو لوگ تھے وہ غاروں میں چُھپ کر رہتے تھے تاکہ کہیں شیر اور بھیڑیے اُسے کھا نہ جائیں۔ پھر جب تمدّن نے ترقی کی اور حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ لوگوں نے ایک دوسرے کی مدد کرنی شروع کر دی تو لوگ غاروں سے باہر نکل آئے اور انہوں نے سطح زمین پر رہنا شروع کر دیا۔ اور سب سے پہلا انسان آدم تھا جس نے زمین کی سطح پر رہنا شروع کیا۔ گویا پہلا کیومیَن (CAVEMAN) جو زمین پر رہنا شروع ہوُا آدم تھا بلکہ قرآن کریم نے اس کا نام آدم رکھ کر ہی یہ بات واضح کر دی ہے کہ وہ CAVE یعنی غار کو چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا اور اُس نے سطح زمین پر مِل جُل کر رہنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اَدِیْمُ الْاَرْض کے معنے عربی زبان میں سطح زمین کے ہوتے ہیں۔ [۵۶] گویا آدم کے معنے ہوئے غاروں سے نکل کر سطح زمین پر رہنے والا شخص۔ اِسی طرح اَدِیْم کے معنے اوّلیت کے بھی ہیں۔ [۵۷] گویا آدم کے لفظ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ موجودہ نسل کا پہلا انسان آدم تھا۔ اِسی طرح اَدَمَ کے معنے ہوتے ہیں صَارَ لَھُمْ اُسْوَۃً۔ [۵۸] وہ اُن کے لئے نمونہ ہو گیا۔ یعنی آدم علیہ السلام لوگوں کے لئے ایک نمونہ تھے اور انہوں نے آپ کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کر دیا تھا۔ عیسائیوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے گُناہ کیا تھا اِس لئے انسان کی فطرت میں گُناہ کا مادہ پایا جاتا ہے لیکن یہ بات غلط ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کوئی گناہ کیا تھا۔ اُن سے صرف ایک اجتہادی لغزش ہوئی تھی اور پھر اس لغزش پر بھی انہوں نے توبہ کی۔ اگر عیسائیوں کا کلیہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو انسان کی فطرت میں توبہ کا مادہ ہونا چاہئے تھا نہ کہ گناہ کا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام لوگوں کے لئے نمونہ تھے اور وہ اُنہیں

کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ گناہ تو حوا نے کیا تھا اور حوا نے ہی بائیبل کی رُو سے حضرت آدمؑ کو پھُسلایا تھا۔ پھر آدمؑ سے سلسلۂ گُناہ کس طرح چل پڑا جبکہ آدمؑ نے ایک اجتہادی غلطی پر توبہ بھی کی تھی۔

اِسی طرح اٰدَمَ کے ایک معنے اَلَّفَ وَوَفَّقَ کے ہیں۔[۷۹] یعنی اُس نے فساد دُور کیا اور باہم موافقت پیدا کی۔ اِن معنوں میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہی تہذیب وتمدّن کی بنیاد رکھّی تھی اور انہوں نے ہی تمدّن کو صحیح معنوں میں دنیا میں قائم کیا تھا۔ اِس میں فرشتوں کے اِس سوال کا جواب بھی آجاتا ہے جو انہوں نے کیا تھا کہ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ۔[۸۰]

یعنی کیا تُو اس میں ایسا شخص پیدا کریگا جو اُس میں فساد کرے گا اور لوگوں کا خون بہائیگا؟ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ہم نے تو آدمؑ کو پیدا ہی اِس لئے کیا ہے کہ وہ دنیا سے فساد دُور کرے خلیفہ ہونا تو الگ چیز ہے اِس کی پیدائش ہی فساد کو دُور کرنے والی تھی۔

دوسری مثال اِس کی حضرت نوح علیہ السلام کی ہے۔ بائیبل سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ بڑے نیک آدمی تھے انہوں نے الہامِ الٰہی سے نوحؑ کا نام رکھا تھا جس کے معنے ہیں نوحہ کرنے والا۔ اِس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دنیا میں اُن کے زمانہ میں ایک عالمگیر عذاب آئے گا جس سے وہ خود تو بچ جائیں گے مگر اُن کی قوم تباہ ہوجائے گی اور وہ اپنی قوم کے تباہ ہونے پر نوحہ کریں گے۔ قرآن کریم نے بھی اِس کی تصدیق کی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کے نام کا ذکر کر کے اِس توجیہہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قرآن کریم میں آئندہ زمانہ کی تاریخ

قرآن کریم میں آئندہ زمانہ کی تاریخ بھی بیان کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے قُلۡ لِّلۡمُخَلَّفِیۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ تُقَاتِلُوۡنَهُمۡ اَوۡ یُسۡلِمُوۡنَ[۸۱]

دوسری کتابیں تو صرف پچھلا حال بیان کرتی ہیں لیکن قرآن کریم ایسی کتاب ہے جو آئندہ زمانہ کا حال بھی بیان کرتی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اے مسلمانو! آئندہ زمانہ میں رومیوں اور ایرانیوں کے ساتھ تمہاری جنگیں ہونگی اور وہ عرب جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سُستی دکھائی تھی وہ اپنے دھبّے دھوسکیں گے۔ چنانچہ

ایسا ہی ہوا یا تو وہ وقت تھا کہ رومی اور ایرانی مسلمانوں کو بڑا حقیر سمجھتے تھے اور قابلِ التفات ہی نہیں سمجھتے تھے اور یا پھر وہ زمانہ آیا کہ ایران اور روم دونوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور اس بات سے خائف ہو گئے کہ مسلمان اُن کے ملک میں نہ گُھس آئیں لیکن اِس آیت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے ان دونوں ملکوں پر فتح حاصل کی اور وہ عرب جو پہلے کمزوریاں دکھا رہے تھے انہوں نے بھی بڑی بڑی قربانیاں کیں اور ان دونوں ملکوں کو انہوں نے تباہ کر کے رکھ دیا اور اس طرح قرآن کریم میں جو آئندہ زمانہ کی تاریخ بیان کی گئی تھی وہ حقیقت بن کر ظاہر ہو گئی۔

یاجوج ماجوج کے متعلق پیشگوئی

اِس کی مثال میں ایک اور پیشگوئی بھی بیان کی جاسکتی ہے اور وہ یاجوج ماجوج کے متعلق ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ آخری زمانہ میں یاجوج اور ماجوج غالب آ جائینگے اور ساری دنیا پر چھا جائیں گے۔ جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظاہر ہوئے اُس وقت یورپ بالکل وحشی تھا اور اس کے باشندے کھالیں پہنا کرتے تھے لیکن آج دیکھو ان کی حکومت کِس قدر بڑھ گئی ہے اور وہ کِس طرح ساری دنیا پر غالب آ گئے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس کے متعلق پیشگوئی کرتے ہوئے فرماتا ہے وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰـھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ط حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ [۸۲]

یعنی ہر ایک بستی جسے ہم نے ہلاک کیا ہے اُس کے لئے فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اُس کے بسنے والے لَوٹ کر اس دنیا میں نہیں آئیں گے یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کے لئے دروازہ کھول دیا جائیگا اور وہ ہر پہاڑی اور ہر سمندر کی لہر پر سے پھلانگتے ہوئے ساری دنیا میں پھیل جائیں گے تو اُس وقت مُردہ قوموں میں بھی بیداری پیدا ہو جائے گی اور اُن میں بھی زندگی کی حرکت پیدا ہونے لگ جائے گی۔ اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں یاجوج اور ماجوج جس سے مراد روس اور انگلستان ہیں، ساری دنیا پر چھا جائیں گے اور یہ دونوں قومیں سمندر کی لہروں پر سے ہوتے ہوئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے پھاندتے ہوئے ساری دنیا میں پھیل جائیں گی۔ قرآن کریم نے حدب کا لفظ استعمال کیا ہے اور عربی زبان میں حدب کے معنے اونچے ٹیلوں کے بھی ہیں اور موج کے بھی ہیں۔ [۸۳] گویا اِس آیت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ قومیں سمندر میں سے ہوتے ہوئے بھی ساری دنیا میں پھیل جائیں گی اور

پہاڑوں سے بھی آئیں گی اور دنیا میں پھیل جائیں گی۔ چنانچہ روس پہاڑوں پر سے ہوکر چین پر قابض ہوگیا اور انگریز اور امریکہ سمندر سے آرہے ہیں اور اس تاریخ کو جو قرآن کریم نے آئندہ زمانہ کی بیان کی تھی پورا کررہے ہیں۔

فلسطین پر یہود کے قبضہ کی پیشگوئی

اِسی طرح قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے متعلق واقعات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ تورات میں اِن کے متعلق پیشگوئی تھی کہ ان پر دو دفعہ تباہی آئے گی اور وہ بیت المقدس سے نکالے جائینگے چنانچہ اُن کی پہلی تباہی نبوکدنضر بادشاہ کے حملہ سے ہوئی اور دوسری تباہی ٹائیٹس رومی کے ذریعہ سے ہوئی جو مسیحؑ کے صلیب کے واقعہ کے ستر سال بعد یہودیوں پر حملہ آور ہوا تھا اِن واقعات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا [۸۴]

یعنی فرعون کے سمندر میں ڈوب مرنے کے بعد ہم نے بنی سرائیل کو کہہ دیا تھا کہ تم فلسطین میں جاکر آباد ہوجاؤ لیکن ایک وقت کے بعد تم کو فلسطین سے نکلنا پڑے گا اور پھر خدا تعالیٰ تم کو واپس لائے گا۔ پھر تم نافرمانی کروگے اور تم پر دوسری دفعہ عذاب آئے گا۔ پھر تم جلاوطن رہو گے یہاں تک کہ تمہاری مثیل قوم یعنی مسلمانوں کی تباہی کے متعلق جو دوسری خبر ہے اُس کا وقت آجائے گا اُس وقت پھر تم کو مختلف ملکوں سے جمع کرکے ارضِ مقدس میں اکٹھا کردیا جائے گا۔ پس اس آیت میں بنی اسرائیل کے فلسطین پر قابض ہونے کی پیشگوئی تھی جو اب پوری ہوچکی ہے۔مَیں نے جب پہلی تفسیر کبیر جو سورۃ یونس سے لے کر سورۃ کہف تک کی تفسیر پر مشتمل ہے لکھی تھی تو مَیں نے اُس میں استدلال کیا تھا کہ اِن آیات میں بنی اسرائیل کے فلسطین پر قابض ہونے کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے۔ ایک دفعہ مَیں شملہ گیا اور چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ اُنکے ہاں اُسوقت خان علی قلی خاں بھی بطور مہمان ٹھہرے ہوئے تھے (جو لفٹیننٹ جنرل حبیب اللہ خاں صاحب کے والد تھے) انہوں نے چوہدری ظفراللہ خاں صاحب سے تفسیر کبیر مطالعہ کے لئے مانگی۔ پارٹیشن کے بعد انہوں نے مجھے لکھا کہ جب مَیں نے آپ کی تفسیر میں یہ پڑھا کہ بنی اسرائیل ایک وقت میں پھر فلسطین پر قابض ہوجائیں گے تو مجھے بوجہ پٹھان ہونے کے سخت غصّہ آیا کیونکہ ہم تو بنی اسرائیل کے دشمن ہیں اور آپ نے لکھا تھا کہ بنی اسرائیل فلسطین پر قابض ہوجائیں گے لیکن جب امریکہ اور انگریزوں کی مدد سے

بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہو گئے تو مجھے بڑی خوشی ہوئی اور مَیں نے کہا کہ قرآن کریم سچّا ثابت ہوگیا کیونکہ یہ واقعہ قرآن کریم کی اس آیت کی عملی تفسیر ہے۔

قرآن کریم میں جُغرافیہ کا ذکر

پھر قرآن کریم میں جغرافیہ کا علم بھی بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قومِ سبا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اُن کا ملک بہت بڑا تھا اور اُن کے ملک سے فلسطین تک بستیاں ہی بستیاں چلی جاتی تھیں لیکن اس ملک کے رہنے والوں نے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا اور انہوں نے کہا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّ قْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ۔ [۸۵]

یعنی اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کو لمبا کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس ہم نے اُن کا نام مٹا دیا اور اُن کو قدیم زمانہ کے افسانے بنا دیا اور انہیں تباہ کر کے ذرّہ ذرّہ کر دیا۔ گویا سبا قوم کی ناشکری کے باعث اُن پر تباہی آ گئی اور اُن کا سارا ملک تباہ ہو کر ویران ہوگیا۔ قرآن کریم کے اس بیان کی تصدیق اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بہت بڑے لشکر کو لے کر یمن آئے اور وہ بآسانی وہاں پہنچ گئے اور اُن کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل ابرہہ نے یمن کے لشکر کے ساتھ مکّہ پر حملہ کیا تو واپسی پر اس کا لشکر راستہ کھو جانے کی وجہ سے بالکل تباہ ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت تک وہ سب بستیاں تباہ ہو چکی تھیں۔ اِن دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں قومِ سبا کا جو جغرافیہ بیان کیا گیا ہے کہ اُن کے علاقہ سے فلسطین تک بستیاں ہی بستیاں چلی جاتی تھیں وہ بالکل درست ہے۔ اِس طرح اُس نے سبا کی تباہی کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے وہ بھی ٹھیک ہے۔

غرض قرآن کریم کے اندر جو عظیم الشان کتب خانے موجود ہیں اُن کی مثال دنیا کے کسی کتب خانہ میں نہیں پائی جاتی۔ پھر دُنیوی کتب خانے تباہ بھی ہو جاتے ہیں لیکن قرآنی کتب خانہ وہ ہے جسکی دائمی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ پس کُجا دُنیوی بادشاہوں کے کتب خانے اور کُجا یہ روحانی کتب خانہ جو زمانہ کی ہر دست بُرد سے کلّی طور پر محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ چلا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا اَب مَیں دُعا کر دیتا ہوں کہ ہمارے دوست جو یہاں آئے ہیں خیر وعافیت سے واپس جائیں۔ اُن کے گھروں میں بھی امن قائم رہے اور یہاں بھی امن رہے اور راستہ میں بھی کوئی تکلیف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ اُن کی آئندہ عمر میں، اُن کے مالوں اور اولاد میں برکت ڈالے اور اُن کو ترقیات عطا فرمائے اور اسلام کا خادم بنائے اور اُن کے ذریعہ سے ساری دُنیا پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگ جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کا اور آپ کے خاندانوں کا قیامت تک حافظ و ناصر ہو اور اسلام آپ کے ذریعہ سے اور آپ کی اولادوں کے ذریعہ سے قیامت تک بڑھتا رہے اور دُنیا سے شرک اور بدعت مٹ جائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت پھر دنیا میں قائم ہو جائے اور ایسی مضبوطی سے قائم ہو کہ اُسے کوئی مٹانے کی جرأت نہ کر سکے۔

---

۱ **تاخت وتاراج کرنا:** برباد کرنا۔ تباہ کرنا

۲ البینة: ۲ تا ۴

۳ **حشو:** زائد کلام۔ فضولیات۔ کوڑا کرکٹ

۴، ۵ خروج باب ۲۰ آیت ۱۱۔ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور ۱۸۷۰ء

۶ قٓ: ۳۹ ۷ البقرہ: ۲۵۶ ۸ یٰسٓ: ۸۳

۹

۱۰-۱۱ بحار الانوار جلد ۵۳ صفحہ ۹ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۳ء

۱۲ المزمل: ۱۶

۱۳ السیرة الحلبیة جلد ۳ صفحہ ۸۹ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۱۴ فاطر: ۲۵ ۱۵ الرعد: ۸

۱۶ اقرب الموارد جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۸ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۱۷

۱۸ بخاری کتاب الانبیاء باب قول الله تعالیٰ وَاذْكُرْ فی الکتاب مریم (الخ)

۱۹ دائرة المعارف

۲۰؎ یونس:۹۳ ۲۱؎ الفجر:۷تا۹

۲۲؎ النجم:۵۱، ۵۲ ۲۳، ۲۴؎ وَاَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ۔ ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ۔ (النحل:۶۹، ۷۰)

۲۵؎ قٓ:۸

۲۶؎ مسلم کتاب الفضائل باب وجوب امتثال مَاقاله شرعًا (الخ)

۲۷؎ الذّٰریٰت:۵۰ ۲۸؎ ٹیمن:

۲۹؎ نوح:۱۴، ۱۵ ۳۰؎ الانبیاء:۳۱ ۳۱؎ الطلاق:۱۳

۳۲؎ پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ تا ۳۸ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء

۳۳؎ الانبیاء:۷۵، ۷۶ ۳۴؎ الشعراء:۱۷۱، ۱۷۲

۳۵؎ اقرب الموارد جلد ۲ صفحہ ۸۵۸ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۳۶؎ ۲ سموئیل باب ۱۱ آیت ۲ تا ۴۔ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء

۳۷؎ ص:۱۸ ۳۸؎ ص: ۲۶

۳۹؎ سلاطینؔ باب ۱۱ آیت ۴۔ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء

۴۰؎ سلاطینؔ باب ۱۱ آیت ۹، ۱۰۔ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء

۴۱؎ وَصَدَّہَا مَا کَانَتۡ تَّعۡبُدُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ اِنَّہَا کَانَتۡ مِنۡ قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ۔ (النمل:۴۴)

۴۲؎ البقرہ:۱۰۳

۴۳؎ خروج باب ۳۲ آیت ۱ تا ۴، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء

۴۴؎ خروج باب ۳۲ آیت ۵، ۶، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء

۴۵؎ طٰہٰ:۹۱

۴۶؎ انسائیکلوپیڈیا جلد ۴ زیرلفظ گولڈن وجلد ۵ زیرلفظ موسیٰ

۴۷؎ اعمال باب ۱ آیت ۹ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء

۴۸؎ المؤمنون:۵۱ ۴۹؎ القصص:۳۹ ۵۰؎ الصّٰفّٰت:۱۰۳

۵۱؎ الیواقیت والجواھر جلد ۲ صفحہ ۲۲

۵۲؎ اٰل عمران:۱۶۰ ۵۳؎ الشوریٰ:۳۹

۵۴؎

۵۵؎ تاریخ کامل لابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۳۴، ۳۳۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۵۶؎ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۲، ۱۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵۷؎ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۲، ۱۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵۸؎ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۲، ۱۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵۹؎ السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۹

۶۰؎ النمل:۳۳ ۶۱؎ الشعراء:۳۶ ۶۲؎ الشعراء:۳۷

۶۳؎، ۶۴؎ السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ ۱۳۹، ۱۴۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۹ء

۶۵؎ النور:۶۳ ۶۶؎ القمر:۱۴

۶۷؎ **گیلیوں**: گیلی۔ درخت کا دھڑ۔ تنا۔ شہتیر

۶۸؎ یوسف:۳۸

۶۹؎ الملک:۲ تا ۵ ۷۰؎ الانعام:۲

۷۱؎ دبستانِ مذاہب صفحہ ۱۲۶

۷۲؎ القصص:۲۷، ۷۳ ۷۳؎ الانعام:۱۰۹

۷۴؎ بخاری کتاب الادب باب لایسب الرجل والدیہ

۷۵؎ بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب وفاۃ موسیٰ (الخ)

۷۶؎ لسان العرب جلد ۱ صفحہ ۷۹ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء

۷۷؎ اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۷ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۷۸؎ اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۶ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۷۹؎ اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۷ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۸۰؎ البقرۃ:۳۱ ۸۱؎ الفتح:۱۷ ۸۲؎ الانبیاء:۹۶، ۹۷

۸۳؎ اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۱۶۹ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۸۴؎ بنی اسرائیل:۱۰۵ ۸۵؎ سبا:۲۰